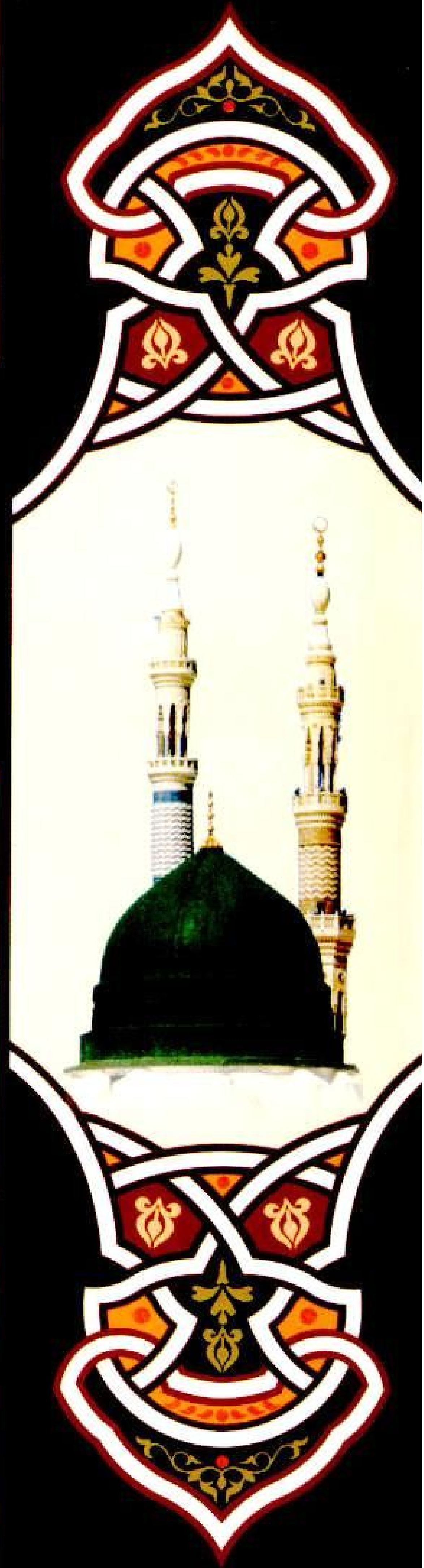
مُسلمانؒ کی زندگی کے تمام اُمورؒ سے مُتعلق
ہزاروں مُستند اَحادیث کا جدیدؒ مجموعہ

مَعَارِفُ السُّنَّۃِ

حسبؒ فرمائش
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستارؒ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مجموعۂ افادات

حکیم الاُمّتؒ مُجدّد الملّتؒ مولانا اشرفؒ علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
اُستاذ المحدثین حضرتؒ مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث حضرتؒ مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
وکیلِ اَحنافؒ حضرتؒ مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرتؒ مولانا مفتی محمدؒ عاشق الٰہی مُہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحبؒ مدظلہ العالی
ودیگر اکابرین



اِدارۂ تالِیفاتِ اَشرَفِیّہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان

تمام اُمور سے متعلق ہزاروں مُستند احادیث کا جدید مجموعہ

معارف السنة

جلد پنجم

دور حاضر کے مطابق ایک مسلمان کی زندگی کے تمام امور سے متعلق ہزاروں مستند احادیث مع اعراب و ترجمہ اور عام فہم تشریح... احادیث مبارکہ کی معروف و مستند کتب بخاری و مسلم جیسی عظیم کتب کے مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک سدا بہار گلدستہ... ہر مسلمان کیلئے تمام معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا جدید و مکمل نصاب... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت.... عظمت و عقیدت اور اطاعت کا جذبہ بیدار کرنیوالی کتاب... جس کا مطالعہ ہر مسلمان کو اتباع سنت کیلئے متحرک کرتا ہے.... نیز جدید واہم مسائل کے بارہ میں اکابر مشائخ کے گراں قدر مقالات جن سے فہم حدیث کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
وکیل احناف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
و دیگر اکابرین

حسبِ فرمائش

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(رئیس دار الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مُرتبین

مولانا عبدالاحد بلالؒ — مولانا حبیب الرحمٰنؒ
(از فضلائے جامعہ خیر المدارس ملتان)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

معارف السنۃ

تاریخ اشاعت .... ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ

ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت .... سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان　　اسلامی کتاب گھر... خیابان سرسید روڈ... راولپنڈی

ادارہ اسلامیات......... انار کلی......... لاہور　　دارالاشاعت......... اُردو بازار.......... کراچی

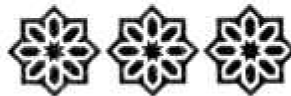
مکتبہ سید احمد شہید........ اردو بازار...... لاہور　　مکتبۃ القرآن....... نیوٹاؤن............. کراچی

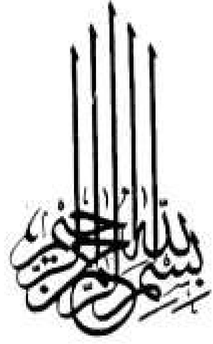
مکتبہ رحمانیہ........ اُردو بازار .... لاہور　　مکتبہ دارالاخلاص.... قصہ خوانی بازار...... پشاور

مکتبہ رشیدیہ...... سرکی روڈ................ کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K　　119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE　　BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

فہرست عنوانات





اللّٰهم

صل علی محمد وعلی آل محمد

کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم

انک حمید مجید

اللّٰهم

بارک علی محمد وعلی آل محمد

کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم

انک حمید مجید

كِتَابُ الرِّسَالَةِ

بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کا شق ہونا

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ جِبْرَئِيْل وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمانِ فَاَخَذَهُ فَصَرَعَهُ فَشَقَّ عَنْ قَلْبه فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً فَقَالَ هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَم ثُمَّ لَامَهُ وَاَعَادَهُ فِي مَكَانِهِ وَجَآءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ اِلٰى اُمِّهٖ يَعْنِىْ ظِئْرَه فَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ قَالَ اَنَسٌ فَكُنْتُ اَرٰى اَثَرَ الْمَخِيْطِ فِىْ صَدْرِهٖ. (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے' اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے' انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا اور آپ کو لٹا دیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو چیرا اور اس سے ایک بستہ خون نکالا اور کہا کہ یہ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں شیطان کا تھا' پھر اس کو سونے کے ایک طشت میں رکھ کر آب زم زم سے دھویا' پھر اس کو سی دیا اور اُسے اپنی جگہ پر رکھ دیا' لڑکے دوڑتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں کے پاس پہنچے یعنی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلاتی تھیں اور ان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو قتل کر ڈالے گئے۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لیے آئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ فق تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں سلائی کے نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں دیکھا کرتا تھا۔ (مسلم شریف)

تشریح: یہ بات تو مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش عام انسانوں ہی کی طرح ماں باپ سے ہوئی اور یہ مسلم ہے کہ انسانی سلسلہ کے جو عادات وخواہشات اور داعیات ہوتے ہیں وہ ایک سے دوسرے میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ پھر قدرت کا یہ دستور ہے کہ جو طریقہ کار اور اس کے اثرات اس نے طے کر دیئے ہیں وہ عموماً کم وبیش طبعی طور پر سب میں پائے جاتے ہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ چیزیں ایسی ضرور ہوں گی جو انسانی رشتہ سے آپ میں منتقل ہو کر آئی ہونگی۔ بچپن میں شق صدر کے ذریعہ رب العزت نے اسی طرح کے جذبات وداعیات کو جو عموماً انسانوں میں ہوتے ہیں نکال دینا چاہا اور سینہ انور کو دُھل دُھلا کر نکھار دینا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا انوار وبرکات ہوں۔

بچپن میں عریانی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیہوش ہو جانا

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ اِزَارَهُ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ يَا ابْنَ اَخِىْ

لَوْ حَلَلْتَ اِزَارَكَ فَجَعَلْتَهُ عَلٰى مَنْكِبَيْكَ دُوْنَ الْحِجَارَةِ قَالَ فَحَلَّهُ فَجَعَلَهُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَمَارُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا. (رواه البخاری)

عمر بن دینار نے ہم سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیان کرتے ہوئے خود سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعمیر کعبہ کے لیے اور لوگوں کے ساتھ پتھر اُٹھا رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند باندھ رکھا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے عزیز بھتیجے! اگر تم اپنا تہبند کھول کر اپنے کندھوں پر پتھر کے نیچے رکھ لیتے تو سہولت رہتی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کھول کر اپنے کندھوں پر ڈال لیا لیکن اسی وقت بیہوش ہوکر گر پڑے' پھر اس کے بعد کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگا نہ دیکھا گیا۔ (بخاری)

تشریح: بچپن کی سادگی اور بھولا پن کا طبعی تقاضا تھا کہ چچا کا حکم فوراً بجالاتے تا کہ انسانی طبیعت کا مظاہرہ ہو جائے مگر ادھر قدرت آگے چل کر چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی دولت سے نوازنا چاہتی تھی اس لیے اسے بھی برداشت نہیں کیا گیا کہ عام بچوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ننگے پھریں۔ چنانچہ فوراً بے ہوشی طاری کردی گئی اور غیبی آواز نے متنبہ کیا کہ تمہاری شان یہ نہیں ہونی چاہیے۔ گویا اللہ تعالیٰ بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت فرما رہے تھے۔ ۱۲

زمین کا فضلہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نگل جانا

عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اَرَاكَ تَدْخُلُ الْخَلَاءَ ثُمَّ يَجِيْئُ الَّذِيْ بَعْدَكَ فَلَا يَرٰى لِمَا يَخْرُجُ مِنْكَ اَثَرًا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ ؓ اَمَا عَلِمْتِ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْاَرْضَ اَنْ تَبْتَلِعَ مَا خَرَجَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ. (رواه السیوطی فی الخصائص الکبریٰ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دیکھتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں جاتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص جاتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلہ کا کوئی نشان نہیں پاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے عائشہ! کیا تو نہیں جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دے رکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے جو فضلہ نکلے اسے وہ نگل جائے۔ (خصائص کبریٰ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پشت کی جانب سے دیکھنا

عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ. (رواه البخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جماعت کھڑی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روئے انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اپنی اپنی صفوں کو سیدھی کرلو اور مل کر کھڑے ہو اس لیے کہ میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھ رہا ہوں۔ (بخاری شریف)

تشریح: سامنے سے تو ہر آنکھ والا انسان دیکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں اور بہت ساری خصوصیات

تھیں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے کی طرح پیچھے کی جانب سے بھی دیکھتے تھے۔ آگ میں جلانے کی تاثیر ہے مگر یہی آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بجائے جلانے کے باعث راحت بن گئی۔ پھر اس میں کیا حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوت بینائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی طرف بھی رکھ دی ہو۔ خرق عادات کے طور پر جہاں اور باتیں حاصل تھیں، یہ چیز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی۔

صاف باطن جو لوگ ہوتے ہیں ان کے متعلق آپ نے بھی سنا ہوگا کہ ذرا گردن جھکائی اور دور دراز کی بات بتا دی کہ یہ ہو رہا ہے اور نبی بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف باطنی کس درجہ کی تھی، دنیا پر ظاہر ہے۔ لہٰذا پشت کی اطراف کے احوال کا آپؐ پر منکشف ہونا کوئی تعجب خیز نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کا تمام خیموں میں سُنا جانا

عَنْ عبدالرحمٰن بن مُعَاذِ التَّيمِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنٰى فَفُتِحَتْ اَسْمَاعُنَا وَفِیْ لَفْظٍ فَفَتَحَ اللّٰهُ اَسْمَاعَنَا حَتّٰى اَنْ كُنَّا لَنَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ وَنَحْنُ فِیْ مَنَازِلِنَا. (رواہ ابن سعد کمافی الخصائص)

حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان منیٰ میں ہمیں خطبہ دیا۔ اس کے سننے کے لیے ہمارے کان کھول دیئے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کانوں کو اس کے سننے کے لیے اس طرح کھول دیا کہ اپنی اپنی منزلوں میں تھے اور وہیں سن رہے تھے۔ (خصائص)

تشریح: آواز پہنچنے کا بڑی حد تک دارومدار ظاہری اسباب میں دورونزدیک، ہوا کی موافقت ومخالفت اور خود آواز کی پستی وبلندی پر ہے۔ باقی انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کی جہاں اور خصوصیات ہیں۔ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی آواز میں سب سے زیادہ تاثیر اور قوت ہوتی ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پھیلاؤ بھی ممتاز ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا انداز بیان بتا رہا ہے کہ یہ بات خرق عادت کے طور پر تھی جو جہاں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ اس طرح سن رہا تھا گویا یہیں کھڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اُمت کے ممتاز افراد بھی کبھی کبھی اس نعمت سے نوازے گئے ہیں۔ اب نئی ایجادات نے اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے اور کسی کے لیے اچنبھے کی بات نہیں۔ گو دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے کہ ایک آلات ومشین کی محتاج ہے اور دوسری آواز کسی آلہ کی قطعاً محتاج نہیں اور نہ ظاہری آلات کو وہاں کوئی دخل ہے۔

پہاڑ اور درخت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا

عَنْ عَلِیِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِیْ بَعْضِ نَوَاحِيْهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهٗ جَبَلٌ وَّلَا شَجَرٌ اِلَّا وَهُوَ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ. (رواہ الترمذی ص ۲۰۳ ج ۳)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ چنانچہ ہم جب کبھی مکہ کے اطراف میں نکلتے تو جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے پڑتا' وہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا اور کہتا (السلام علیک یا رسول اللہ) (گویا یہ آواز پتھر اور درخت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آتی تھی) (ترمذی)

بعثت سے پہلے پتھر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا

عَنْ جَابِرِ بْنُ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُهُ الْاٰنَ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ بیشک اب بھی میں اس کو پہچانتا ہوں۔ (مسلم شریف)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج کی تفصیل

عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ عَنْ لَيْلَةِ اُسرِیَ بِهٖ بَيْنَمَا اَنَا فِي الْحَطِيْمِ وَرُبَّمَا قَالَ فِي الْحِجرِ مُضْطَجعًا اِذْ اَتَانِیْ اٰتٍ فَشَقَّ مابين هٰذِهٖ اِلٰى هٰذِهٖ يَعْنِیْ مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهٖ اِلٰى شِعْرَتِهٖ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِیْ ثُمَّ اُتِيْتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَمْلُوٍ اِيْمَانًا فَغسَلَ قَلْبِیْ ثُمَّ حُشِیَ ثُمَّ اُعِيْدُوا فِیْ رِوَايَةٍ ثُمَّ غسَلَ الْبَطْنَ بِمَاءِ زَمْزَم ثُمَّ مُلِئَ اِيْمَانًا وَحِكْمَةً ثُمَّ اُتِيْتُ بِدَابَّةٍ دُوْنَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ اَبْيَضُ يُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ يَضَعُ خطْوَهُ عِنْدَ اَقْصٰى طَرْفِهٖ فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ فَانْطَلَقَ بِیْ جِبْرَئِيْلُ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْئُ جَآءَ فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا فِيْهَا اٰدَمُ قَالَ هٰذَا اَبُوْكَ اٰدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَبِیْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الثَّانِيَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْئُ جاء فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ اِذَا يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَهُمَا ابْنَا خَالَةٍ قَالَ هٰذَا يَحْيٰى وَهٰذا عِيْسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَبِیْ اِلَى السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْئُ جاءَ فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ اِذَا يُوْسُفُ قَالَ هٰذَا يُوْسُفُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَبِیْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ الرَّابِعَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ

الْمَجِيُّ جَاءَ فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا اِدْرِيْسُ فَقَالَ هٰذَا اِدْرِيْسُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَبِي حَتّٰى اَتَى السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيُّ جَاءَ فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا هَارُوْنُ قَالَ هٰذَا هَارُوْنُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَبِيْ حَتّٰى اَتَى السَّمَآءَ السَّادِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْل قِيْلَ مَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدَ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيُّ جَاءَ فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا مُوْسٰىؑ قَالَ هٰذَا مُوْسٰىؑ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ فَلَمَّا جَاوَزْتُ بَكٰى قِيْلَ لَهٗ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ اَبْكِيْ لِاَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِهٖ اَكْثَرَ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ اُمَّتِيْ ثُمَّ صَعِدَبِيْ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيُّ جَاءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا اِبْرَاهِيْمُ اَبُوْكَ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ رُفِعَتْ اِلَيَّ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى فَإِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ اٰذَانِ الْفِيَلَةِ قَالَ هٰذَا سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى فَإِذَا اَرْبَعَةُ اَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ قُلْتُ مَا هٰذَانِ يَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ اما الباطنان فنهران فِي الْجَنَّةِ واما الظاهران فالنيلُ وَالْفُرَاتُ ثُمَّ رُفِعَ اِلَيَّ الْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ ثُمَّ اُتِيْتُ بِاِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ وَاِنَاءٍ مِنْ عَسَلٍ فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ هِيَ الْفِطْرَةُ اَنْتَ عَلَيْهَا وَاُمَّتُكَ ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلٰوةُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ فَمَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى فَقَالَ بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ بِخَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْجَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَاُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَاُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَاِنِّيْ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَ عَالَجْتُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ قَالَ سَاَلْتُ رَبِّيْ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ وَلٰكِنِّيْ اَرْضٰى وَ اُسَلِّمُ قَالَ فَلَمَّا

جَاوَزْتُ نَادٰى مُنَادِ اَمْضَيْتُ فَرِيْضَتِىْ وَخَفَفْتُ عَنْ عِبَادِىْ. (متفق علیہ)

حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس رات کا واقعہ جس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اس طرح بیان فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا اور بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر کا نام لیا کہ دفعتہً ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے یہاں سے یہاں تک میرا پیٹ چاک کیا' یعنی سینہ سے لے کر ناف تک اور میرا دل نکالا' پھر ایک طشت لایا گیا جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا' اس فرشتہ نے میرا دل دھویا' پھر اسے دوبارہ بھر دیا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ پیٹ ماءِ زمزم سے دھو کر ایمان وحکمت سے بھرا گیا۔ پھر ایک چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا سفید رنگ کا تھا جس کو ''براق'' کہا جاتا ہے' وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی تھی یعنی بہت تیز رفتار تھا' اس جانور پر مجھے سوار کیا گیا' میرے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام چلے یہاں تک کہ اس دنیا کے آسمان تک پہنچے تو انہوں نے دروازہ کھلوایا۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہ کون ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا میں ہوں' کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ ان کو معراج ہوئی ہے؟ کہا ہاں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا گیا اور کہا کہ کیا ہی بہتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہے۔ اس کے بعد دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں دروازہ سے اندر گیا تو دفعتہً وہاں آدم علیہ السلام نظر آئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے پدر بزرگوار آدم علیہ السلام ہیں' انہیں سلام کیجئے۔ چنانچہ میں نے سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا' پھر فرمایا صالح فرزند اور نیک نبی خوش آمدید' مبارک ہو' پھر مجھ کو لے کر جبرئیل علیہ السلام اوپر چڑھے اور دوسرے آسمان پر آئے' انہوں نے دروازہ کھلوایا' پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا میں جبرئیل' پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا' کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں' اس کے بعد فرشتوں نے خوش آمدید کہا اور تشریف آوری پر مبارکباد پیش کی۔ پھر دروازہ کھول دیا۔ چنانچہ جب میں اندر داخل ہوا تو دفعتہً دیکھا کہ حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں۔ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا یہ یحییٰ علیہ السلام ہیں اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو سلام کیجئے' میں نے ان کو سلام کیا' دونوں نے سلام کا جواب دیا اس کے بعد انہوں نے میرا استقبال کرتے ہوئے فرمایا' مرحبا مرحبا آیئے برادر صالح! آیئے نبی صالح! پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر تیسرے آسمان کی طرف بڑھے' دروازہ کھلوایا' وہاں بھی پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ کہا گیا جبرئیل' سوال ہوا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' پوچھا گیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا جی ہاں۔ مرحبا مرحبا کی صدا آئی اور خوش آمدید کہا گیا اور دروازہ کھول دیا۔ آگے بڑھا تو دیکھا حضرت یوسف علیہ السلام تشریف فرما ہیں' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں' ان کو سلام کیجئے' میں نے سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا' پھر انہوں نے مرحبا بالاخ الصالح والنبی الصالح کے الفاظ سے خوش آمدید کہا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر چوتھے آسمان کے پاس پہنچے' پوچھا گیا کون ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا میں جبرئیل ہوں' کہا گیا کہ آپ کے ساتھ کون بزرگ ہیں؟ انہوں

نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، پوچھا گیا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! مرحبا مرحبا اور خوش آمدید کے الفاظ کے ساتھ استقبال ہوا اور دروازہ کھول دیا۔ میں اندر بڑھا تو حضرت ادریس علیہ السلام کو موجود پایا، انہوں نے بتایا کہ یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اس تعارف کے بعد میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا۔ پھر حضرت ادریس علیہ السلام نے مرحبا مرحبا اخ صالح نبی صالح کہہ کر استقبال فرمایا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر آگے بڑھے، پانچویں آسمان پر پہنچے وہاں سوال ہوا کون؟ کہا جبرئیل ہوں، پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ انہوں نے کہا خوش آمدید، بہت خوب تشریف آوری ہوئی، یہ کہہ کر دروازہ کھولا، میں اندر پہنچا تو حضرت ہارون نظر آئے، جبرئیل علیہ السلام نے بتایا، یہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں، ان کو سلام کیجئے، میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، پھر انہوں نے مبارکباد پیش کی، پھر یہاں سے مجھے لے کر حضرت جبرئیل علیہ السلام چھٹے آسمان پر پہنچے دروازہ کھولنے کی درخواست کی، پوچھا گیا آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا جبرئیل امین، سوال ہوا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، پوچھا کیا ان کو معراج کی دولت نصیب ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں، مرحبا اور خوش آمدید کہا اور دروازہ کھول دیا، میں اندر داخل ہوا تو دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، سلام کیجئے، میں نے سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے بھی مجھے مبارکباد پیش کی۔ میں جب آگے بڑھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے، پوچھا گیا کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا، اس لیے روتا ہوں کہ ایک نوجوان جو میرے بعد مبعوث ہوئے ہیں ان کی اُمت میری اُمت سے زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے لے کر اوپر چڑھے اور ساتویں آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا جبرئیل امین، پوچھا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! مرحبا، خوش آمدید جب میں آگے بڑھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نظر آئے، انہوں نے بتایا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے، میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، انہوں نے کہا مرحبا اے ابن صالح! خوش آمدید، اے نبی صالح! پھر میری طرف سدرۃ المنتہیٰ لایا گیا، میں نے دیکھا کہ اس کے پھل مقام ہجر کے مشکوں کے برابر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، وہاں مجھے چار نہریں نظر آئیں، دو اندر کی جانب اور دو باہر کی جانب، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ دونوں نہریں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جو نہریں اندر جا رہی ہیں یہ جنت کی نہریں ہیں اور جو باہر کی جانب ہیں یہ نیل و فرات ہیں، پھر میرے سامنے بیت المعمور لایا گیا، اس کے بعد میرے پاس تین برتن لائے گئے، ایک میں شراب تھی، دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد، میں نے دودھ والا برتن اُٹھالیا، جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہی فطرت ہے اور آپ اسی پر ہوں گے اور آپ کی اُمت بھی، پھر مجھ پر ہر دن پچاس نمازیں فرض کی گئیں، لوٹتے ہوئے میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، انہوں نے پوچھا کہ کیا حکم کیا گیا؟ میں نے بتایا کہ ہر دن پچاس وقتوں کی نماز کا حکم ملا ہے، انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اُمت ہر دن پچاس نماز ادا کرنے میں قادر نہ ہو سکے گی' خدا کی قسم! آپ سے پہلے میں نے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ زور آزمائی کر چکا ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے واپس ہوں اور تخفیف کی درخواست کریں' میں پلٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں معاف کر دیں۔ میں جب اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر ویسی ہی بات کی۔ چنانچہ میں پھر واپس ہوا اور اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں اور معاف کر دیں مگر جب پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا تو انہوں نے پھر پہلے جیسی بات فرمائی' اب میں پھر پلٹ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس دفعہ بھی دس نمازیں معاف کر دیں' لوٹ کر جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا' انہوں نے پھر وہی بات کہی۔ چنانچہ پھر میں واپس گیا اور اللہ تعالیٰ نے دس اور کم کیں' اور اب ہر دن میں صرف دس وقتوں کی نماز کا حکم دیا گیا' لوٹ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا' اب کی مرتبہ پھر انہوں نے وہی بات دُہرائی۔ چنانچہ پھر واپس گیا چنانچہ پانچ نمازوں کا روزانہ حکم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو اس پانچ وقت کے نبھانے کی بھی استطاعت نہ ہوگی' چنانچہ میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کے معاملہ میں کافی محنت اُٹھا چکا ہوں' لہٰذا پھر آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بار بار اپنے رب سے درخواست کی' اب مزید جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لہٰذا میں اب اس پر راضی ہوں اور خوش ہوں' اس کے بعد فرمایا کہ جب میں آگے بڑھا تو ایک آواز دینے والے نے آواز دی کہ میں اپنا فریضہ نافذ کر چکا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر چکا۔ (متفق علیہ)

نزولِ وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُوْحِیَ اِلَيْهِ لَ يَسْتَطِيْعُ اَحَدٌ مِنَّا يَرْفَعُ طَرْفَهُ اِلَيْهِ حَتّٰى يَنْقَضِىَ الْوَحْىُ. (اخرجه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو ہم میں سے کسی کو قدرت نہیں ہوتی تھی کہ وہ آنکھ اُٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھے جب تک کہ وحی کا نزول ختم نہ ہو جاتا تھا۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُکانہ نامی پہلوان کا کشتی میں ہار جانا

عَنْ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيْدَ وَكَانَ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَالنَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غُنَيْمَةٍ لِاَبِیْ طَالِبٍ نَرْعَاهَا فِیْ اَوَّلِ مَا رَاٰی. اِذْ قَالَ لِیْ ذَاتَ يَوْمٍ هَلْ لَکَ اَنْ تُصَارِعَنِیْ قُلْتُ لَهٗ اَنْتَ قَالَ اَنَا فَقُلْتُ عَلٰى مَاذَا قَالَ عَلٰى شَاةٍ مِنَ الْغَنَمِ فَصَارَعْتُهٗ فَصَرَعَنِیْ فَاَخَذَ مِنِّیْ شاة قال لى هل لک فى الثانية قلت نعم فصارعته فصرعنى فاخذمنى شاة فَجَعَلْتُ اَلْتَفِتُ هَلْ يَرَانِیْ اِنسانٌ فقال مَالَکَ قُلْتُ لَا يَرَانِیْ بَعْضُ الرُّعَاةِ فَيَجْتَرِءُ وْنَ عَلَیَّ وَاَنَا مِنْ اَشَدِّهِمْ قَالَ هَلْ لَکَ فِی الصِّرَاعِ الثَّالِثَةِ وَلَکَ شَاةٌ قُلْتُ نَعَمْ فَصَارَعْتُهٗ فَصَرَّعَنی وَاَخَذَمِنِّی شَاةً فَقَعَدْتُ كَئِيْبًا حَزِيْنًا فَقَالَ مَالَکَ قُلْتُ اِنِّیْ اَرْجِعُ اِلٰی عَبْدِ يَزِيْدَ وَقَدْ اَعْطَيْتُ ثَلَاثًا مِّنْ غَنَمِهٖ وَالثَّانِيَةُ اَنِّیْ كُنْتُ اَظُنُّ اِنِّیْ

اَشُدُّ قُرَيْشٍ فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي الرَّابِعَةِ فَقُلْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَقَالَ اَمَّا تُوْلُكَ فِي الْغَنَمِ فَاِنِّي اَرُدُّهَا عَلَيْكَ فَرَدَّ عَلَيَّ فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ ظَهَرَ اَمْرُهٗ فَاَتَيْتُهٗ فَاَسْلَمْتُ فَكَانَ مِمَّا هَدَانِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنِّي عَلِمْتُ اَنَّهٗ لَمْ يُصْرِعْنِي يَوْمَئِذٍ لِقُوَّتِهٖ وَلَمْ يُصْرِعْنِي يَوْمَئِذٍ اِلَّا بِقُوَّةِ غَيْرِهٖ.

رکانہ سے روایت ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ مضبوط تھے کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کی چند بکریاں چرا رہے تھے' یہ بات شروع کی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھ سے فرمایا کیا تم مجھ سے کشتی لڑتے ہو؟ میں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھ ہی سے' میں نے کہا کس شرط پر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ایک بکری پر۔ چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی لڑی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پچھاڑ دیا اور مجھ سے ایک بکری لے لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر دوبارہ کشتی لڑو گے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لڑوں گا' میں نے دوبارہ کشتی لڑی مگر اس دفعہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پچھاڑ دیا اور مجھ سے ایک بکری لے لی' میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کہیں کوئی آدمی مجھے دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کیا ہے جو دیکھ رہے ہو' میں نے کہا کہ دیکھ رہا ہوں کہ کہیں کسی چرواہے نے مجھے پچھڑتے ہوئے تو نہیں دیکھ لیا کہ کبھی اس کو میرے مقابلہ کی جرأت ہو جائے حالانکہ میں ان میں تمام سے زیادہ قوی مشہور ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم تیسری مرتبہ لڑو گے اور تمہارے لیے ایک بکری ہے۔ میں نے کہا جی ہاں لڑوں گا' پھر کشتی ہوئی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پچھاڑ دیا اور مجھ سے ایک بکری لے لی' اب میں اُداس و رنجیدہ ہو کر بیٹھ گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کیا ہو گیا' میں نے کہا عبد یزید یعنی اپنے باپ کے پاس اس حال میں تو لوٹوں گا کہ میں اپنی تین بکریاں کھو چکا ہوں گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں تمام قریش میں سب سے زیادہ مضبوط شمار ہوتا تھا (مگر وہ بات آج جاتی رہی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا چوتھی مرتبہ کشتی کا ارادہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ تین دفعہ ہارنے کے بعد بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہرحال تیری گفتگو بکریوں کے سلسلہ میں تو میں وہ تمہیں واپس کر دوں گا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دی۔

اس واقعہ کو ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بات مشہور ہوئی۔ چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دولت ایمان سے سرفراز ہوا جس چیز سے مجھے ہدایت ہوئی وہ یہی تھی' مجھے یقین ہو گیا تھا کہ انہوں نے اپنی قوت سے اس دن مجھے زیر نہیں کیا تھا بلکہ کسی اور کی طاقت سے مجھے پچھاڑا تھا۔ (بیہقی وغیرہ)

تشریح: رکانہ عرب کا مانا ہوا پہلوان تھا۔ بار بار کے تجربہ سے اس کو اپنے فن پر ناز تھا اور بجا ناز تھا' قاعدہ ہے کہ جو جس فن میں یکتا مان لیا جاتا ہے اس میں ناز پیدا ہو ہی جاتا ہے اس لیے رکانہ اپنی شکست پر حیرت زدہ تھا' ایسا جیسے یہ خواب کی بات ہو' تین دفعہ کشتی ہوئی ہے اور ہر دفعہ وہ ہار جاتا ہے اب اس کے دل میں یہ بات پیوست ہو جاتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ جیت جسمانی طاقت کا نتیجہ ہرگز نہیں ہے کیونکہ جسمانی طاقت تو مجھ میں زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ نبوت کی جونہی شہرت ہوتی ہے اس کا دل حق کے آگے جھک جاتا ہے اور اس وقت وہ اعتراف کرتا ہے کہ یقین مجھے اپنی کشتی ہی کے دن ہو چکا تھا کہ کوئی غیبی طاقت ہے جو ان کی مدد کر رہی ہے۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فراخ حوصلگی سے بکریوں کا واپس کر دینا' بتاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

مقصد ہار جیت سے بکریاں حاصل کرنا نہ تھا اور نہ اپنی طاقت کا مظاہرہ تھا بلکہ ایک ماہر فن پر ظاہر کرنا تھا کہ ایک غیبی طاقت ہے جو مجھے ہر جگہ کامراں بناتی ہے اور قدرت کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے شفا پانا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَفَعَ الی حَفْصَۃَ ؓ بِنْتِ عُمَرَ ؓ رَجُلاً وَقَالَ لَھَا اِحْتَفِظِیْ بِہٖ فَغَفَلَتْ حَفْصَۃُ ؓ وَمَضَی الرَّجُلُ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا حَفْصَۃَ مَا فَعَلَ الرَّجُلُ قَالَتْ غَفَلَت عَنْہُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَطَعَ اللّٰہُ یَدَکِ فَقَالَتْ بِیَدِھَا ھٰکَذَا فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا شَانُکَ یَا حَفْصَۃُ ؓ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قُلْتَ قَبْلُ کَذَا وَکَذَا قَالَ ضَعِیْ یَدَکِ فَاِنِّیْ سَأَلْتُ رَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَیُّمَا اِنْسَانٍ مِنْ اُمَّتِیْ دَعَوْتُ عَلَیْہِ اَنْ یَّجْعَلَھَا لَہٗ مَغْفِرَۃً۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ کیا اور ان سے فرمایا کہ تم اس کی حفاظت کرو' حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سے غافل ہوگئیں اور وہ نکل بھاگا' جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اے حفصہ ؓ! وہ شخص کہاں گیا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس سے ذرا غافل ہوئی اور وہ نکل بھاگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا' اللہ ترا ہاتھ قطع کرے' انہوں نے کہا کہ اسی وقت وہ ہاتھ ایسے (ٹیڑھے) ہو گئے' اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آئے تو فرمایا اے حفصہ ؓ! تیرا کیا حال ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ابھی پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا' آپ نے فرمایا تو اپنا ہاتھ نیچے ڈال دے میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ اپنی اُمت میں سے جس کے لیے میری زبان سے بددعا نکل جائے اس کو تو اس کے لیے باعث مغفرت بنادے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استہزاء کا انجام

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ کَانَ فُلَانٌ یَجْلِسُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا تَکَلَّمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِخْتَلَجَ بِوَجْھِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُنْ کَذٰلِکَ فَلَمْ یَزَلْ یَخْتَلِجُ حَتّٰی مَاتَ. (رواہ الحاکم فی صحیحہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو وہ بطور استہزاء اپنا منہ بگاڑا کرتا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسا ہی ہو جا' چنانچہ وہ ایسا ہی منہ بناتا رہا حتیٰ کہ وہ مرگیا۔ (حاکم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدَنَا فَعَرِقَ وَجَاءَتْ اُمِّىْ بِقَارُوْرَةٍ فَجَعَلَتْ تَسْلِتُ الْعَرَقَ فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا هٰذَا الَّذِىْ تَصْنَعِيْنَ قَالَتْ هٰذَا عَرَقٌ نَجْعَلُهُ لِطِيْبِنَا وَهُوَ اَطْيَبُ الطيب. رواه مسلم وفى رواية قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرْجُوْا بَرَكَتَهُ لِصِبْيَانِنَا قَالَ اَصَبْتِ. (روى البخارى نحوه)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے۔ دوپہر میں یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آیا تو میری ماں ایک شیشی لے آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ پوچھ پوچھ کر شیشی میں ڈالنے لگی، اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوگئے اور پوچھا اے اُم سلیم! یہ کیا کررہی ہو؟ انہوں نے کہا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ ہے، اسے ہم اپنے عطروں میں ملالیتے ہیں جس کی وجہ سے تمام خوشبوؤں سے بڑھ کر خوشبو ہو جاتی ہے۔ (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ اُم سلیم نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اُمید ہے کہ اس کی برکت ہمارے بچوں کو بھی حاصل ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے درست کہا۔ (بخاری)

تشریح: مختلف حدیث میں متعدد راویوں سے یہ بات نقل کی گئی ہے۔ صحابہ کرام کا اس پر اتفاق سا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ معطر ہوا کرتا تھا، انبیاء کرام علیہم السلام کو رب العزت نے جن خصوصیات سے نوازا ہے ان کا تقاضا بھی ہے کہ آپ ہر اعتبار سے ممتاز ہوں۔

بحیرا راہب کی پیشین گوئی اور تفصیلی قصہ

عَنْ اَبِىْ مُوْسٰىؓ الْاَشْعَرِىِّ قَالَ خَرَجَ اَبُوْ طَالِبٍ اِلَى الشَّامِ وَخَرَجَ مَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ اَشْيَاخٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَلَمَّا اَشْرَفُوْا عَلَى الرَّاهِبِ هَبَطُوْا فَحَلُّوْا رِحَالَهُمْ فَخَرَجَ اِلَيْهِمُ الرَّاهِبُ وَكَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ يَمُرُّوْنَ بِهٖ فَلَا يَخْرُجُ اِلَيْهِمْ وَلَا يَلْتَفِتُ قَالَ فَهُمْ يَحُلُّوْنَ رحالهم فَجَعَلَ يَتَخَلَّلُهُمُ الرَّاهِبُ حَتّٰى جَاءَ فَاَخَذَ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ فَقَالَ لَهٗ اَشْيَاخٌ مِنْ قُرَيْشٍ مَا عِلْمُكَ فَقَالَ اِنَّكُمْ حِيْنَ اَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ لَمْ يَبْقَ شَجَرٌ وَلَا حَجَرٌ اِلَّا خَرَّ سَاجِدًا وَلَا يَسْجُدُوْنَ اِلَّا لِنَبِيٍّ وَاِنِّىْ اَعْرِفُهٗ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ اَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوْفِ كَتِفِهٖ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَلَمَّا اَتَاهُمْ بِهٖ وَكَانَ هُوَ فِىْ رِعْيَةِ الْاِبِلِ فَقَالَ اَرْسِلُوْا اِلَيْهِ فَاَقْبَلَ وَعَلَيْهِ غَمَامَةٌ تُظِلُّهٗ فَلَمَّا دَنٰى مِنَ الْقَوْمِ وَجَدَهُمْ قَدْ سَبَقُوْهُ اِلٰى فَيْءِ الشَّجَرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ مَالَ فِىْ الشَّجَرَةِ عَلَيْهِ فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰى فِيْءِ الشَّجَرَةِ مَالَ عَلَيْهِ قَالَ فَبَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ عَلَيْهِمْ يُنَاشِدُهُمْ اَنْ لَا يَذْهَبُوْا بِهٖ اِلَى الرُّوْمِ فَاِنَّ الرُّوْمَ اِنْ رَاَوْهُ عَرَفُوْهُ بِالصِّفَةِ فَيَقْتُلُوْنَهٗ فَالْتَفَتَ فَاِذَا بِسَبْعَةٍ قَدْ

اَقْبَلُوْا مِنَ الرُّوْمِ فَاسْتَقْبَلَهُمُ الرَّاهِبُ فَقَالَ مَاجَاءَ بِكُمْ قَالُوْا جِئْنَا لِاَنَّ هٰذَا النَّبِيُّ خَارِجٌ فِي هٰذَا الشَّهْرِ فَلَمْ يَبْقَ طَرِيْقٌ اِلَّا بُعِثَ اِلَيْهِ بِاُنَاسٍ وَاِنَّا قَدْ اُخْبِرْنَا خَبَرَهُ بِطَرِيْقِكَ هٰذِهِ فَقَالَ اَرَاَيْتُمْ اَمْرًا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَقْضِيَهُ هَلْ يَسْتَطِيْعُ اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ رَدَّهُ قَالُوْا فَبَايَعُوْهُ وَاَقَامُوْا مَعَهُ قَالَ اُنْشِدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ اَيُّكُمْ وَلِيُّهُ فَقَالَ اَبُوْ طَالِبٍ اَنَا فَلَمْ يَزَلْ يُنَاشِدُهُ حَتّٰى رَدَّهُ اَبُوْ طَالِبٍ وَ زَوَّدَهُ الرَّاهِبُ مِنَ الْكَعْكِ وَالزَّيْتِ وَبَعَثَ مَعَهُ اَبُوْ بَكْرٍ بِلَالًا ۔ (قال الترمذی هذا حدیث حسن غریب لانعرفه الا من هذا الوجه)

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ابو طالب شام کے لیے نکلے۔ اس سفر میں ان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے اور قریش کے دوسرے بڑے بڑے لوگ بھی، جب یہ سب کے سب راہب کے پاس پہنچے، یہاں قیام کیا اور اپنے اپنے کجاوے کھول دیئے، اس مرتبہ راہب ان کے پاس آنے لگا حالانکہ اس سے پہلے راہب جب بھی ان کے پاس سے گزرتا تھا کبھی ان کے پاس نہیں آتا تھا اور نہ کوئی توجہ دیتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ ابھی قافلہ والے اپنے کجاوے کھول ہی رہے تھے کہ راہب ان کے پاس آ گیا اور کچھ ٹٹولنے لگا۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگا، یہ نوجوان جہان والوں کا سردار ہے، یہ رب العالمین کا رسول ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ قریش کے شیوخ نے اس راہب سے پوچھا، تم کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا جس وقت تم لوگ اس گھاٹی کے قریب آئے، اس وقت کوئی درخت اور کوئی پتھر ایسا باقی نہ رہا جو سر کے بل نہ گر گیا ہو اور یہ اشیاء سوائے نبی کے کسی کو سجدہ نہیں کرتی ہیں اور میں خود بھی نبوت کی مہر سے ان کو پہچانتا ہوں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھے کی نرم ہڈی کے نیچے سیپ کی طرح ہے یہ کہہ کر وہ واپس لوٹا اور ان تمام لوگوں کے لیے کھانا بنوایا جس وقت وہ ان کے پاس کھانا لایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ چرا رہے تھے، اس نے کہا ان کو بلانے کو بھیجو، آپ تشریف لائے اس طرح کہ بادل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سایہ فگن تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے بالکل قریب آ گئے تو آپ نے ان کو دیکھا کہ وہ سب سبقت کر کے درخت کے سایہ میں پہنچ چکے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکا، اس راہب نے کہا درخت کے سایہ کو دیکھا کہ وہ اس (نوجوان) پر جھک پڑا ہے ابھی وہ راہب کھڑا ان سے کہہ ہی رہا تھا کہ ان کو روم آپ لوگ نہ لے جائیں اس لیے کہ اہل روم اگر ان کو دیکھ لیں گے اور ان کو ان کے اوصاف سے پہچان لیں گے تو پھر دشمنی میں قتل کر ڈالیں گے۔ اتنے میں اس نے پلٹ کر دیکھا، تو کیا دیکھتا ہے کہ دفعۃً سات آدمی روم سے آ رہے ہیں۔ راہب نے ان کا استقبال کیا اور پوچھا کہ آپ لوگ کیوں آئے؟ انہوں نے کہا اس لیے کہ وہ نبی اس مہینہ میں نکلنے والا ہے کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا گیا ہے جس پر کچھ لوگ نہ بھیجے گئے ہوں۔ ہمیں خبر دی گئی ہے کہ وہ نبی آپ کے اس راستہ پر ہے۔ راہب نے کہا، تم یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے جس امر کا ارادہ فرما لیا ہے کہ وہ اسے پورا کرے گا پھر کیا کسی کو قدرت ہے کہ وہ اسے رد کر دے، انہوں نے اس سے بیعت کر لی اور کچھ دنوں اس کے ساتھ قیام کیا، راہب نے کہا کہ اے اہل عرب! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، تم بتاؤ کہ اس کا ولی تم میں سے کون ہے؟ ابو طالب نے کہا، میں اس کا ولی ہوں، وہ راہب برابر قسم دیتا رہا۔ چنانچہ ابو طالب نے آپ کو مکہ واپس کر دیا۔ واپسی کے وقت راہب نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زادِ راہ کے لیے چپاتیاں اور زیتون کا تیل پیش کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کر دیا۔

تشریح: اس حدیث میں قابل غور بات یہ ہے کہ اہل کتاب کے متدین علماء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اس وقت شہادت دی جبکہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت نہ ملی تھی اور نہ اس کا دور دور تک لوگوں کو کوئی وہم ہے اور یہی نہیں کہ راہب بے دلیل بات کہہ رہا ہو بلکہ وہ ثبوت پیش کرتا ہے کہ ایک نبی کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں وہ سب پائی جا رہی ہیں۔ لوگ مشاہدہ کر رہے ہیں، پھر مہر نبوت جو سب سے بڑا ثبوت ہے اس کو وہ پیش کر رہا ہے اور لوگ اس کو دیکھ رہے ہیں، قدرتی طور پر نبی کے احترام میں قبل از عطاء نبوت شجر، حجر سجدے کر رہے ہیں، درخت اپنا سایہ خصوصی طور پر ان پر ڈالتا ہے اور اس طرح کہ قریش بچشم خود معائنہ کر رہے ہیں کہ درخت کا سایہ آپ کے آتے ہی اِدھر سے اُدھر ہو جاتا ہے، بادل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سایہ فگن ہے کہ دھوپ کی تمازت آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔

راہب اہل روم کی عداوت بیان کر کے شیوخ قریش سے التجا کرتا ہے کہ ان کو روم نہ لیجائیں اور اتنے میں روم کے چند افراد تلاش میں سرگرداں نظر بھی آتے ہیں اور ان کی زبان پر بھی یہی کلمات ہیں کہ ''وہ نبی اپنے وطن سے اس مہینہ میں نکلنے والا ہے اور ہم نے تمام راستوں پر آدمی دوڑا دیئے ہیں اور ہمیں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ وہ نبی آپ کے اسی راستے پر ہے۔

دنیاداروں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

علم نجوم کے ذریعہ ہرقل اور شاہ غسان کے فرستادہ کا یقین

وَكَانَ ابْنُ النَاطُوْرِ صَاحِب اِيْلِيَاءَ وَهِرَقْلَ سُقُفًا عَلٰى نَصَارٰى الشَّامِ يُحَدِّثُ اَنَّ هِرَقْلَ قَدِمَ اِيْلِيَاءَ اَصْبَحَ يَوْمًا خبيثَ النَّفْس فَقَالَ بَعْضُ بِطَارِقَتِهٖ قَدِاسْتَنْكَرْنَا هَيْئَاتَكَ قَالَ ابن النَّاطور وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَأَلُوْهُ اِنِّيْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرتُ فِي النُّجُوْمِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالُوْا لَيْسَ يَخْتَتِنُ اِلَّا الْيَهُوْدُ فَلَا يهمّنّك شَانُهُمْ وَاكْتُبْ اِلٰى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَلْيَقْتُلُوْا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُوْد فَبَيْنَاهُمْ عَلٰى اَمْرِهِمْ اُتِىَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ اَرْسَلَ بِهٖ مَلِكُ غَسَّانَ يخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهٗ هرقل قَالَ اِذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا مُخْتَتِنٌ هُوَاَمْ لَا فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَحَدَّثُوْا اَنَّهٗ مُخْتَتِنٌ وَسَأَلَهٗ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُوْنَ فَقَالَ هِرَقْلُ هٰذَا مَلِكُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ اِلٰى صَاحِبٍ لَهٗ بِرُوْمِيَّةَ وَكَانَ نَظِيْرُهٗ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ اِلٰى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتّٰى اَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهٖ يُوَافِقُ رَأْىَ هِرَقْلَ عَلٰى خُرُوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّهٗ نَبِيٌّ فَاَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّوْمِ فِيْ دَسْكَرَةٍ لَهٗ بِحِمْصَ ثُمَّ اَمَرَ بِاَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّوْمِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَاَنْ يَّثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوْا هٰذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوْا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ اِلَى الْاَبْوَابِ فَوَجَدُوْهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَاٰى هِرَقْلُ

نفرتهم وَاَيِسَ مِنَ الْاِيْمَانِ قَالَ رُدُّوْهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ اِنِّيْ قُلْتُ مَقَالَتِيْ اٰنِفًا اَخْبُرُبِهَا شِدَّتَكُمْ عَلٰى دِيْنِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ فَسَجَدُوْا لَهٗ وَرَضُوْا عَنْهُ وَكَانَ ذٰلِكَ اٰخِرَ شَانِ هِرَقْلَ. (بخاری شریف)

ابن الناطور ایلیا کا حاکم تھا اور ہرقل شام کے نصرانیوں کا مذہبی سردار تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہرقل جب ایلیا میں آیا تو وہ ایک صبح بہت پریشان خاطر نظر آ رہا تھا اس کے بعض خواص نے عرض کی کہ ہم آپ کو بدلا ہوا پا رہے ہیں۔ ابن الناطور کا بیان ہے کہ ہرقل کاہن تھا اور علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا' اس نے ان لوگوں کے پوچھنے پر بتایا کہ رات جس وقت میں ستاروں کو غور سے دیکھ رہا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے۔ (پھر پوچھا) اس قوم میں کون ختنہ کرتا ہے' لوگوں نے بتایا کہ یہود کے سوا اور کوئی ختنہ نہیں کرتا' لہٰذا ان کی وجہ سے آپ فکر مند نہ ہوں اور اپنی حکومت کے تمام شہروں کو لکھ دیں کہ ان میں جو بھی یہود ہیں ان سب کو وہ قتل کر ڈالیں وہ ابھی یہی بات چیت کر رہے تھے کہ ہرقل کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس کو شاہ غسان نے بھیجا تھا اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر دے رہا تھا۔ ہرقل جب اس سے حالات پوچھ چکا تو اپنے لوگوں سے اس نے کہا' تم جاؤ اور دیکھو کہ وہ ختنہ کیے ہوئے ہیں یا نہیں؟ (حسب الحکم) ان لوگوں نے تحقیق کی اور بتایا کہ وہ ختنہ کیے ہوئے ہیں۔ پھر ہرقل نے عرب کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ سب ختنہ کیا کرتے ہیں۔ یہ سن کر ہرقل نے کہا کہ اس اُمت کا یہی بادشاہ ہے جو پیدا ہو چکا ہے' پھر اس نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو لکھا اور وہ بھی اس علم میں اسی کے پایہ کا تھا اور خود ہرقل حمص چلا گیا۔ وہ ابھی حمص سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ اس کو اپنے اس دوست کا خط ملا جس میں اس نے ہرقل کی رائے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کے باب میں موافقت کی تھی اور اس کی بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی نبی ہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے روم کے سرداروں کو جو حمص کے اندر اس کے لشکر میں تھے' طلب کیا' پھر اس نے حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ بند کر دیئے گئے' اس کے بعد ہرقل سامنے آیا اور اس نے کہا کہ اے باشندگان روم! کیا تمہارے لیے رشد و فلاح میں کوئی حصہ ہے؟ اور کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری حکومت برقرار رہے؟ اگر یہ رائے ہے تو تم سب اس (پیدا ہونے والے) نبی کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ یہ سنتے ہی وہ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگ پڑے لیکن انہوں نے ان کو بند پایا۔ ہرقل نے جب ان کی یہ نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان سب کو میرے پاس واپس لاؤ' چنانچہ وہ لائے گئے' ہرقل نے ان سے کہا کہ ابھی میں نے جو بات کی اس سے میرا منشاء یہ تھا کہ میں امتحان کروں کہ تم اپنے دین پر کتنے مضبوط ہو۔ چنانچہ میں نے تم میں یہ بات دیکھی' یہ سن کر سبھوں نے ہرقل کو سجدہ کیا اور سب اس سے خوش ہو گئے۔ پھر ہرقل آخیر تک اسی حال پر قائم رہا۔ (بخاری شریف)

ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رُعب طاری ہونا

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِيْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا فَاَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَاُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً. (رواه الخمسة الا ابا داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ باتیں خصوصیت سے ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئی۔(۱) میری مدد ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب ڈال کر کی گئی۔(۲) میرے لیے تمام زمین نماز کی جگہ اور پاک بنائی گئی۔ لہٰذا میری اُمت میں جس کسی کو جہاں کہیں نماز کا وقت آجائے اسے نماز پڑھ لینی چاہیے۔(۳) میرے لیے مال غنیمت جائز قرار دیا گیا جو میرے سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں کیا گیا تھا۔(۴) مجھے شفاعت کبریٰ کا حق بخشا گیا۔(۵) مجھ سے پہلے نبی صرف اپنی قوم کے لیے ہوتے تھے اور میں قیامت تک کے لیے تمام لوگوں کے لیے رسولؐ بنا کر بھیجا گیا۔

تشریح: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات ان ہی پانچ چیزوں میں منحصر نہیں بلکہ بہت سی دوسری خصوصیات ہیں جس کے لیے حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی الخصائص الکبریٰ دیکھی جاسکتی ہے۔ ان پانچ کا تذکرہ ان کے نمایاں کرنے کے لیے ہے۔

سروسامان' لاؤلشکر اور بے انتہا تعداد سے مرعوب ہونا تو انسان کا طبعی تقاضا ہے لیکن جب بے سروسامانی بھی ظاہر ہو تعداد بھی برائے نام ہو' دولت وثروت کا دور دور تک نام نشان تک نہ ہو اور ہتھیار سے مسلح بھی نہ ہوں اور پھر بھی دوسری قوم لرزہ براندام ہو جائے تو یہ بڑی ہی خصوصی اہمیت ہے۔ مسافت کی تخصیص سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہرہ عام طور پر انسانی آبادی میں اتنی ہی مسافت میں ہوا تھا۔ پہلی اُمتوں کے لیے گرجا و کلیسہ کی تخصیص تھی' یہ آزادی حاصل نہ تھی کہ جہاں وقت ہوا ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور فرائض ادا کر لیے مگر الحمدللہ اس اُمت کو یہ آزادی حاصل ہے کہ جہاں وقت ہو جائے یہ نماز ادا کر لے۔

بعد وفات زید بن خارجہ کی گواہی

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ زَيْدُ بْنُ خَارِجَةَ مِنْ سَرَاةِ الْاَنْصَارِ فَبَيْنَمَا هُوَ يَمْشِيْ فِيْ طَرِيْقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذْخَرَّ فَتُوُفِّيَ فَاُعْلِمَتْ بِهِ الْاَنْصَارُ فَاَتَوْهُ فَاحْتَمَلُوْهُ اِلٰى بَيْتِهٖ وَسَجَّوْهُ كِسَاءً وَبُرْدَيْنِ وَفِي الْبَيْتِ نِسَاءٌ مِّنْ نِسَآءِ الْاَنْصَارِ يَبْكِيْنَ عَلَيْهِ وَرِجَالٌ مِّنْ رِجَالِهِمْ فَمَكَثَ عَلٰى حَالِهٖ حَتّٰى اِذَا كَانَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اِذْ سَمِعُوْا صَوْتَ قَائِلٍ يَقُوْلُ اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا فَنَظَرُوْا فَاِذَا الصَّوْتُ مِنْ تَحْتِ الثِّيَابِ فَحَسَرُوْا عَنْ وَجْهِهٖ وَصَدْرِهٖ فَاِذَا الْقَائِلُ يَقُوْلُ عَلٰى لِسَانِهٖ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ الْاَوَّلِ صَدَقَ صَدَقَ.

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ زید بن خارجہ جو انصار کے سرداروں میں تھے' ایک دن وہ مدینہ منورہ کے راستوں میں سے کسی راستہ سے ظہر وعصر کے درمیانی وقت میں گزر رہے تھے کہ دفعتہً وہ گر گئے اور وہیں ان کی موت واقع ہو گئی' انصار کو اس حادثہ کی خبر دی گئی۔ وہ سب آئے اور ان کو اُٹھا کر ان کے گھر لے گئے اور ایک کمبل اور دو چادروں میں ان کو ڈھانک دیا' گھر میں انصار کی کچھ عورتیں اور کچھ مردان پر رونے لگے۔ یہ گریہ وزاری جاری ہی تھا کہ عشاء ومغرب کا درمیانی

وقت آ گیا کہ دفعتہً ان سبھوں نے آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے' چپ رہو' چپ رہو' وہ دیکھنے لگے کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ انہی کپڑوں کے نیچے سے آ رہی ہے جو مُردے پر پڑے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے میت کا چہرہ اور سینہ کھولا' کیا دیکھتے ہیں کہ ایک غیبی شخص ان کی زبان سے یہ کہہ رہا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی اور اُمّی ہیں' خاتم النبیین ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا' یہ پہلی کتاب تورات وانجیل میں موجود ہے کہ اس نے سچ کہا' سچ کہا۔

تشریح: مردہ کا گویا ہونا خوارق عادات میں ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ جب گوہ بول سکتی ہے' کنکری سے آواز آ سکتی ہے تو مردہ کے بولنے میں کون سی ایسی بات ہے جو سمجھ میں آنے والی نہیں ہے مگر یہاں بتایا گیا ہے کہ آواز تو مردہ کی زبان سے آ رہی تھی مگر بولنے والا کوئی فرشتہ تھا اور منشاء یہ ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں یہ عقیدہ پیوست ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری سچے نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے' نبوت کا دروازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قطعاً بند کر دیا گیا ہے' اب یہی شریعت محمدیؐ قیامت تک چلے گی اور اسی کی پیروی میں نجات ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جتنے لوگوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا وہ جھوٹے اور لاغی (بے حیثیت) ہیں اور ان کے ماننے والے کافر و مرتد ہیں' ان کے شر سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

گوہ کی شہادت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ فَقَالَ الْاَعْرَابِیُّ لَا اٰمَنْتُ بِکَ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِکَ هٰذَا الضَّبُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنَا یَاضَبّ فَقَالَ الضَّبُّ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ یَفْهَمُهُ الْقَوْمُ جَمِیْعًا لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ یَا رَسُوْلَ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ مَنْ تَعْبُدُ فَقَالَ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ عَرْشُهٗ وَفِی الْاَرْضِ سُلْطَانُهٗ وَفِی الْبَحْرِ سَبِیْلُهٗ وَفِی الْجَنَّةِ رَحْمَتُهٗ وَفِی النَّارِ عَذَابُهٗ قَالَ فَمَنْ اَنَا قَالَ اَنْتَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ. الحدیث. (اخرجه الطبرانی)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک لمبی حدیث میں یہ بیان ہے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دیہاتی کو اسلام کی دعوت دی) اس نے کہا' میں اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لا سکتا ہوں جب تک یہ گوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آئے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوہ سے مخاطب ہو کر فرمایا' اے گوہ! بتا میں کون ہوں؟ گوہ نے فصیح عربی میں جواب دیا جسے تمام لوگوں نے بخوبی سمجھا' اس نے کہا اے رب العالمین کے رسولؐ! میں حاضر ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانبردار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بتا تو کس کی پوجا کرتی ہے؟ اس نے کہا اس ذات کی جس کا عرش آسمان پر ہے اور جس کی حکومت زمین پر اور جس نے سمندر میں راستہ بنایا اور جنت میں جس کی رحمت کارفرما ہے اور دوزخ میں جس کا عذاب' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا' دنیا جہاں کے پروردگار کے بھیجے ہوئے سچے اور آخری نبی ہیں۔ طبرانی نے اس حدیث کو معجم اوسط اور معجم صغیر میں اور ابن عدی اور حاکم نے اس کو معجزات میں نقل کیا ہے۔

کھجور کے خوشہ کی گواہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا اَعْرِفُ اَنَّکَ نَبِیٌّ قَالَ اِنْ دَعَوْتُ هٰذَا الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ یَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ یَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتّٰی سَقَطَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِرْجِعْ فَعَادَ فَاَسْلَمَ الْاَعْرَابِیُّ. (رواہ الترمذی و صححہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کس بات سے میں یہ جانوں گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے خوشہ کو بلاؤں تو وہ اس بات کی گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آواز دی، پس وہ کھجور کے درخت سے نیچے آنے لگا، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر گرا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ، وہ واپس ہوگیا، یہ دیکھ کر دیہقانی مسلمان ہوگیا۔ (ترمذی شریف)

تشریح: ایک گنوار دیہاتی کے لیے سب سے زیادہ اسی طرح کی چیزوں میں صداقت کی کشش ہوتی ہے اور وہ اسی کو کسی کا کمال تصور کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی فرمائش کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ معجزہ دکھایا کہ ایک خوشہ کھجور کے درخت سے اُتر کر آیا اور پھر واپس ہوگیا۔ (چنانچہ اس سادہ دل انسان نے فوراً اسلام کی دولت قبول کی اور جنتی بن گیا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کی برکت سے بارش

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ اِذَا قُحِطُوْا اِسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَانا نتوسل اِلَیْکَ بِعَمِ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا فَیُسْقُوا (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب قحط پڑتا اور لوگ خشک سالی میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دُعا مانگتے تھے اور کہتے اے اللہ! پہلے ہم اپنے برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور تو ہمیں بارش کی نعمت سے سیراب کرتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ اختیار کررہے ہیں تو ہمیں بارش سے سیراب کردے۔ چنانچہ بارش ہوجاتی تھی، اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں صراحت ہے کہ جب کبھی بارش نہیں ہوتی تھی اور لوگ پانی کی کمی کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوتے تھے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو وسیلہ بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت باراں کیلئے دُعا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے بارش ہوجاتی تھی اور اس طرح مخلوق خدا امساک باراں کی مصیبت سے نجات پاتی تھی۔

شرح مواہب لدنیہ میں ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ قحط پڑا تو لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت

میں آئے اور پریشانی پیش کی، انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مبارک کی چھت اس قدر کھول دی جائے کہ آسمان اس سے نظر آنے لگے؛ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ بھی ایک طرح کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے توسل کا طریقہ تھا۔ چنانچہ بارش ہوئی اور اتنی ہوئی کہ ہر جگہ سبزہ زار اُگ آئے اور اس طرح خدا کی مخلوق نے اطمینان کا سانس لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یقین

عَنْ عبد اللّٰهِ بن هَشَّامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ اٰخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ حَتّٰى اَكُوْنَ اِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ عُمَرُ فَاِنَّكَ الْاٰنَ وَاللّٰهِ اَحَبُّ اِلَيَّ مَنْ نَفْسِيْ فَقَالَ الْاٰنَ يَا عُمَرُ. (رواه البخاری فی الایمان والنذور)

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی' یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ مجھے اپنی جان کے سوا آپ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے جب تک میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ عزیز نہ بن جاؤں۔ تم مؤمن نہیں ہو۔ (آپ کے اس جملہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کی کیفیت بدل گئی) چنانچہ انہوں نے کہا کہ بخدا اب آپ یقیناً اپنی جان سے بھی مجھے زیادہ عزیز ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اب اے عمرؓ! تم پکے مؤمن ہو۔ اس حدیث کو بخاری نے کتاب الایمان والنذور میں نقل کیا ہے۔

تشریح: محبت دو طرح کی ہوتی ہے ایک طبعی دوسری عقلی' ماں باپ' بیٹا بیٹی اور بیوی کی محبت طبعی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' محبت عقلی ہے اور کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ عقل طبیعت پر غالب آجائے۔ چنانچہ عہد صحابہؓ سے لے کر اب تک عام مسلمانوں میں یہی دیکھا گیا ہے کہ محبت رسول کے آگے ماں باپ اور اولاد کی طبعی محبت کو وہ خاطر میں نہیں لاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کبار اور خلفائے راشدین میں ہیں۔ اس وقت ان کے دل میں جو کیفیت تھی بے کم وکاست انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھول کر رکھ دی۔ آپ نے یہ سن کر اپنا جملہ کچھ اس انداز میں فرمایا کہ وہ بجلی کی سی تیزی سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رگ وریشہ میں پیوست ہوگیا۔ درنگاہِ نبویؐ نے سیکنڈوں میں ان کی کائنات دل میں انقلاب بپا کر دیا اور انہوں نے دفعتہً اپنے دل کی کیفیت بالکل بدلی ہوئی پائی اور برملا اظہار کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس طرح کہ اس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تصرف بھی ایک معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محبت عقلی کی طرف ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے: "لاتجد قوما یؤمنون باللّٰہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللّٰہ ورسولہ ولو کانوا آباء ھم او ابناء ھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی قلوبھم الایمان ۵" (مجادلہ ع۳)

مسجد نبوی کا مساجد انبیاء میں آخری ہونا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ قارظٍ اَشْهَدُ اَنِّیْ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ اٰخِرُ الانبياءِ وَمَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ. (رواه مسلم)

عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمام انبیاء کرام کے آخیر میں ہوں اور میری مسجد بھی تمام مساجد انبیاء کے بعد ہے اور آخری ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور نسائی نے بھی مگر اس میں ''آخر الانبیاء'' اور ''آخر المساجد'' کا لفظ آیا ہے۔

تشریح: منشاء نبویؐ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، نبوت کا دروازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہو چکا ہے اور مسجدیں جو کسی نبی کی طرف منسوب ہوتی ہیں ان میں مسجد نبوی آخری مسجد ہے، اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ اس کی طرف منسوب ہو کر کوئی مسجد تعمیر ہوگی۔ چنانچہ دوسری حدیث میں صراحت ہے۔ ''مسجدی خاتم مساجد الانبياء'' یعنی میری مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے۔

ہیبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمن کے ہاتھ سے تلوار کا گر پڑنا

عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهٗ فَاَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِیْ وَادٍ كَثِيْرِ الْعِضَاه فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهٗ وَنمنا نَوْمَةً فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَاِذَا عِنْدَهٗ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا اِخْتَرَطَ عَلَیَّ سَيْفِیْ وَاَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِیْ يَدِهٖ صَلْتًا قَالَ مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّیْ فَقُلْتُ اللّٰهُ ثَلاَثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ. متفق عليه. وفى رواية ابى بكر الاسمعيلى فى صحيحه فقال مَنْ يَمنعک مِنّی قال الله فسقط السيف من يده فاخذ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السيف فقال من يمنعک منى فَقَالَ كُنْ خَيْرَ اٰخِذٍ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلٰكِنِّیْ اُعَاهِدُكَ عَلٰى اَنْ لَا اُقَاتِلَكَ وَلَا اَكُوْنَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُوْنَكَ فَخلى سَبِيْلَهٗ فَاتى اَصْحَابَهٗ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ. (هكذا فى كتاب الحميدى وفى الرياض مشكوٰة)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں نکلے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے وہ بھی آپ کے ساتھ ہی واپس ہو گئے اور دوپہر کے وقت ایک ایسی وادی میں پہنچے جہاں بہت سی خار دار جھاڑیاں تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نزول اجلال فرمایا اور درختوں کے سایہ کی طلب میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے نیچے فروکش ہو گئے اور اپنی تلوار اس درخت سے لٹکا دی اور ہم

لوگ بےخبر سو گئے کہ دفعتہً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو آواز دی' دیکھا ایک دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھ پر میری تلوار کھینچ لی اور میں سویا ہوا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھلی' دیکھا اس کے ہاتھ میں کھنچی ہوئی تلوار موجود تھی' اس نے مجھ سے کہا بتاؤ مجھ سے تم کو کون بچائے گا؟ میں نے کہا اللہ' تین دفعہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی سزا نہیں دی بلکہ بیٹھ گئے۔ (متفق) ابوبکر اسماعیلی نے اس کو اپنی صحیح میں اس طرح بیان کیا ہے کہ اس گنوار دیہاتی نے جب کہا تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ' یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اُٹھالیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اب کہو تم کو مجھ سے کون بچائے گا' اس نے کہا تلوار لینے والوں میں بہتر آپ ہی بن جائیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا نہیں لیکن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب آپ سے جنگ نہیں کروں گا اور نہ ان لوگوں کا ساتھ دوں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور اس نے ان سے کہا کہ میں لوگوں میں جو بہترین شخص ہیں ان کے پاس سے آیا ہوں۔ (کتاب الحمیدی وغیرہ)

تشریح: اس گنوار دیہاتی حملہ آور کا نام غورث بن الحارث بتایا گیا ہے اور قسطلانی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ اس وقت گو مسلمان نہ ہوا مگر اپنی قوم میں پہنچ کر مسلمان ہوگیا اور اس کی وجہ سے اس کی قوم کے دوسرے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہوئے۔

ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ پر یقین و اعتماد ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف یہ غور کریں کہ قدرت پاکر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن سے کس طرح درگزر فرمایا اور جانی دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ حق فرمایا' کہ یہ آپ کا فریضہ تھا مگر کیا کہیں سے کسی جبر و اکراہ کی بو محسوس ہوتی ہے؟ اس کے باوجود دشمنان اسلام کا یہ کہنا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا کس قدر غلط ہے۔

ہدایت نبوی ﷺ کی خلاف ورزی کا نتیجہ

عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قال فی مسيرٍ اِنَّا مُدْلِجُوْنَ اللَّيْلَة فَلاَ يَرْحَلَنَّ مَعَنَا مُضْعَفٌ وَلاَ مُصْعَبٌ فَارْ تَحَلَ رَجُلٌ عَلٰى نَاقَةٍ لَهٗ صَعْبَةٍ فَسَقَطَ فَاندَقَّتْ عُنقُه فَمَاتَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّدْفَن ثُمَّ اَمِرَ بلالا فَنَادٰى اَنَّ الْجَنَّةَ لَاتَحِلُّ لِعَاصٍ. (رواه الحاكم)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں فرمایا کہ ہم لوگ آج رات میں اندھیرے ہی میں چل پڑیں گے۔ لہٰذا ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص سفر نہ کرے جس کی اونٹنی کمزور یا سخت مزاج ہو لیکن ایک شخص اپنی سخت مزاج اونٹنی پر سوار ہو کر چل پڑا۔ چنانچہ وہ اس سے گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس کو دفن کر دیا جائے۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ وہ پکار کر یہ کہہ دیں کہ جنت نافرمان کیلئے نہیں ہے۔ (مستدرک)

3

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے مقصد کی اطلاع انکی آمد سے پہلے

عَنْ اُسَامَةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا اِذْ جَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَاذِنَانِ فَقَالاَ لاُسَامَةَ اِسْتَاذِنْ لَنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاس يَسْتَاذِنَانِ فَقَالَ اَتدرِىْ مَاجَاءَ بِهِمَا قُلْتُ لَا قَالَ لٰكِنِّى اَدْرِىْ ائذنْ لَهُمَا فَدَخَلا فَقَالاَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جِئْنَاكَ نَسْئَلُكَ اَىُّ اَهْلِكَ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ فَاطِمَةَ بِنْتِ محمدٌ قَالَ مَا جِئْنَاكَ نَسْئَلُكَ عَنْ اَهْلِكَ قَالَ اَحَبُّ اِلَيَّ مَنْ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰه عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتُ عَلَيْهِ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ قَالاَ ثُمَّ مَنْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِىْ طَالِبٍ فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰه جَعَلْتَ عَمَّكَ اٰخِرَهُمْ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا سَبَقَكَ بِالْهِجْرَةِ. (رواه الترمذى)

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور شرف ملاقات کی اجازت طلب کی اور دونوں بزرگوار نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا' کہ تم ہمارے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت حاصل کرلو۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے درخواست کی یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت علی اور عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئے ہوئے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میں جانتا ہوں' اچھا انہیں اجازت دیدو۔ چنانچہ دونوں آ گئے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کریں کہ اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس سے ہے؟ فرمایا' اپنی لخت جگر فاطمہؓ سے۔ انہوں نے کہا میرا مطلب یہ نہیں ہے اور ان گھر والوں کے بارے میں ہمارا سوال نہیں ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اسامہؓ بن زید سے جس پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا اور پھر میں نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی اور میں نے آزاد کیا) انہوں نے عرض کی پھر اس کے بعد کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علیؓ بن ابی طالب' یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے' یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اپنے چچا کو ان سب کے اخیر میں ڈال دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' علیؓ نے آپ سے پہلے ہجرت کی ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔

تشریح: اس حدیث میں صراحتہً مذکور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا ''لکنّی ادری'' لیکن میں ان کے آنے کا مقصد جانتا ہوں۔ چنانچہ پہلے سوال کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب اس انداز میں دیا کہ یہ جو سوال دل میں لے کر آئے ہیں نہ پوچھیں اور اسی سے سمجھ جائیں کہ آپ کو ان دونوں میں زیادہ عزیز کون ہیں لیکن چونکہ یہ دونوں بزرگوار طے کر کے آئے تھے اس لیے خاموش کیسے رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے کہلوانا چاہتے تھے اس لیے دوبارہ پوچھا اور اس کے بعد پھر پوچھا' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ بیان فرمادیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ محبت ہے اور اس کی وجہ بھی بیان فرمادی۔ اس جواب کے بعد آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشفی ہوگئی۔

یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک طرح کا معجزہ ہی تھا کہ کہنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوگیا کہ

یہ دونوں کیوں آئے ہیں اور کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہوگیا کہ اسلام میں محبت کا مدار ایمان اور ایثار و قربانی پر ہے، رشتہ سے زیادہ عظمت دین کو حاصل ہے اور دراصل وہی سرمایہ افتخار بھی ہے۔

یہود کا اعتراف کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ یهودیٌّ لِصَاحِبِه اِذْهَبْ بنا الٰی هٰذَا النَّبِیِّ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ نَبِیٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَکَ لَکَانَ لَهٗ اَرْبَعُ اَعْیُنٍ فَاَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَاهُ عَنْ اٰیَاتٍ بَیِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ شَیْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِیْءٍ اِلٰی ذِیْ سُلْطَانٍ لِیَقْتُلَهٗ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْکُلُوْا الرِّبَا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصِنَةً وَلَا تَوَلَّوْا لِلْفِرَارِ یَوْمَ الزَّحْفِ وَعَلَیْکُمْ خَاصَّةً الْیَهُوْدَ لَا تَعْتَدُوْا فِی السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا یَدَیْهِ وَرِجْلَیْهِ وَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّکَ نَبِیٌّ قَالَ فَمَا یَمْنَعُکُمَا اَنْ تَتَّبِعَانِیْ قَالَا اِنَّ دَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَا یَزَالَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ نَبِیٌّ وَاِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاکَ اَنْ یَّقْتُلَنَا الْیَهُوْدُ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت صفوان بن عسال راوی ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو، اس نے اپنے ساتھی سے کہا "نبی" نہ کہو، اگر وہ اس لفظ کو سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی یعنی بہت خوش ہوگا، پھر وہ دونوں خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور آیات بینات کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، اس جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے محترم بنایا ہے مگر حق کے سلسلہ میں اور کسی بے قصور کو صاحب اقتدار کے پاس نہ لیجاؤ کہ وہ اسے قتل کر ڈالے، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی پارسا عورت کو تہمت نہ لگاؤ اور جہاد سے پیٹھ نہ پھیرو، اور اے یہود! تمہارے لیے ایک خاص حکم یہ ہے کہ شنبہ کے دن زیادتی نہ کرو۔ راوی نے کہا کہ پھر ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر کیا بات مانع ہے کہ تم میری پیروی کرو، انہوں نے (جھوٹ) کہا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعاء کی تھی کہ ہمیشہ نبی ان کی اولاد میں سے ہو اور ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا تو یہود ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔ (احمد، ترمذی)

عہد شباب میں منجانب اللہ لغویات سے حفاظت

عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا هَمَمْتُ بِقَبِیْحٍ مِمَّا کَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِیَّةِ یَهُمُّوْنَ بِهٖ اِلَّا مَرَّتَیْنِ مِنَ الدَّهْرِ کِلْتَاهُمَا یَعْصِمُنِی اللّٰهُ مِنْهُمَا قُلْتُ لِفَتًی کَانَ مَعِیْ مِنْ قُرَیْشٍ بِاَعْلٰی مَکَّةَ فِیْ اَغْنَامٍ لَهَا تَرْعٰی اَبْصِرْلِیْ غَنَمِیْ حَتّٰی اَسْمَرَ هٰذِهِ اللَّیْلَةَ بِمَکَّةَ کَمَا یَسْمُرُ الْفِتْیَانُ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا خَرَجْتُ فَجِئْتُ اَدْنٰی دَارٍ مِنْ دُوْرِ مَکَّةَ سَمِعْتُ غِنَاءً وَصَوْتَ دُفُوْفٍ وَ

زَمِيرٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالُوْا فُلاَنٌ تَزَوَّجَ فُلاَنَةَ لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَلَهَوْتُ بِذٰلِكَ الْغِنَاءِ وَبِذٰلِكَ الصَّوْتِ حَتّٰى غَلَبَتْنِيْ عَيْنِيْ فَمَا اَيْقَظَنِيْ اِلَّا مَسُّ الشَّمْسِ فَرَجَعْتُ اِلٰى صاحبى فَقَالَ لِيْ مَا فَعَلْتَ فَاَخْبَرْتُهٗ ثُمَّ قُلْتُ لَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ فَفَعَلَ فَخَرَجْتُ فَسَمِعْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقِيْلَ لِيْ مِثْلَ مَا قِيْلَ لِيْ فَلَهَوْتُ بِمَا سَمِعْتُ حَتّٰى غَلَبَتْنِيْ عَيْنِيْ فَمَا اَيْقَظَنِيْ اِلَّا مَسُّ الشَّمْسِ فَرَجَعْتُ اِلٰى صَاحِبِيْ فَقَالَ لِيْ مَافَعَلْتَ قُلْتُ. مَافَعَلْتُ شَيْئًا فَوَاللّٰهِ مَا هَمَمْتُ بَعْدَهَا بِسُوْءٍ مِمَّا يَعْمَلُ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ حَتّٰى اَكْرَمَنِيَ اللّٰهُ بنبوته. (رواه ابن راهويه فى مسنده و ابن اسحاق والبزار والبيهقى)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان ناشائستہ حرکتوں کا میرے دل میں دو مرتبہ کے سوا کبھی خطرہ نہیں گزرا جن کا جاہلیت کے لوگ عام طور پر ارتکاب کرتے تھے لیکن دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان لغویات سے محفوظ رکھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے اپنے قریشی نوجوان ساتھی سے کہا جو مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ تم ذرا میری بکریوں کی بھی دیکھ بھال رکھنا تا کہ میں آج کی رات مکہ مکرمہ جا کر قصہ گوئی کی مجلس میں شرکت کر سکوں جیسا عموماً نوجوان کیا کرتے ہیں' اس نے کہا اچھی بات ہے میں نگرانی رکھوں گا' چنانچہ جب میں چلا اور مکہ کی آبادی کے قریب ایک گھر کے پاس پہنچا تو میں نے گانے بجانے اور باجہ کی آواز سنی' میں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں قریشی کی فلاں عورت سے شادی ہوئی ہے۔ میں اس گانے بجانے کے قصہ میں ایسا پڑا کہ قصہ گوئی کی محفل کا خیال جاتا رہا اور ایسی نیند آئی کہ جب تک آفتاب نکل کر تیز نہ ہو گیا میری آنکھ نہ کھلی' میں واپس اپنے ساتھی کے پاس پہنچا' اس نے دریافت کیا کہ بتاؤ کیا کیا؟ میں نے پورا ماجرا کہہ سنایا۔ پھر ایک دوسری رات میں نے اپنے ساتھی سے ایسا ہی کہا' وہ مان گیا لیکن جب میں نکلا تو پھر میں نے آج بھی ایسی ہی آواز راستہ میں سنی جیسی پہلی مرتبہ سنی تھی۔ پوچھنے پر وہی تفصیل بتائی گئی۔ چنانچہ میں اسی میں اُلجھ کر رہ گیا اور پھر نیند کا ایسا زور ہوا کہ سو گیا اور دھوپ کی تپش نے مجھے بیدار کیا' میں لوٹ کر ساتھی کے پاس آیا تو اس نے پوچھا کہ بتاؤ تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا' خدا کی قسم! اس کے بعد پھر کبھی میں نے اس طرح کی حرکت کا ارادہ نہیں کیا جس کے جاہلیت والے عادی اور شائق تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ (خصائص الکبریٰ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات کا اثر

عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَسِيْرٍ فَلَهَوْتُ عَنْهُ مع النسوة فَذَهَبَ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ الْاَسِيْرُ قَالَتْ لَهَوْتُ عنه مع النسوة فَخَرَجَ فَقَالَ مَالَكِ قَطَعَ اللّٰهُ يَدَكِ اَوْ يَدَيْكِ فَخَرَجَ فَاٰذَنَ بِهِ النَّاسَ فَطَلَبُوْهُ فَجِيْءَ بِهٖ قَالَتْ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَاَنَا اُقَلِّبُ يَدَيَّ فَقَالَ اَجُنِنْتِ قُلْتُ دَعَوْتَ وانا اُقلب بارى اَنْظُرُ اَيُّهُمَا تُقْطَعَانِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ بَشَرٌ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ فَاَيُّمَا مُؤْمِنٍ اَوْ مُؤْمِنَةٍ دَعَوْتُ عَلَيْهِ فَاجْعَلْهُ لَهٗ زَكٰوةً وَطَهُوْرًا. (رواه احمد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیدی لے کر گھر میں داخل ہوئے، میں عورتوں سے بات چیت میں اس قیدی سے غافل ہوگئی اور وہ نکل بھاگا' دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ قیدی نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں عورتوں سے بات چیت میں اس سے غافل ہوگئی تھی وہ موقع پا کر چل دیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا' اللہ تیرا ہاتھ کاٹے؟ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے' لوگوں کو صورت حال بتائی' انہوں نے تلاش شروع کردی اور اس کو پکڑ لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اندر تشریف لائے تو میں اپنے ہاتھوں کو اُلٹ پلٹ کر رہی تھی' یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا پاگل جیسی حرکت کر رہی ہو؟ میں نے عرض کی کہ جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کاٹنے کے الفاظ نکلے ہیں' میں ایسی ہی اُلٹ پلٹ کر رہی ہوں' میں دیکھتی ہوں کہ ان میں سے کون سا کاٹا جاتا ہے' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی' پھر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر پھیلا دیئے اور دُعا کی۔ اے اللہ! میں بشر ہوں اور آدمیوں کی طرح مجھے بھی غصہ آتا ہے لہٰذا جس مسلمان مرد و عورت پر مجھ سے کلمات بددعا نکلے ہوں تو اس کو ان کے لیے پاکی اور صفائی کا ذریعہ بنادے۔ (احمد)

تشریح: سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات بہرحال اثر رکھتے ہیں۔ ادھر کلمات نکلے' ادھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اثر ہوا۔ قربان جایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومحبت اُمت پر' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جونہی احساس ہوا تمام کے حق میں دُعا فرمائی کہ اگر کبھی غصہ میں کوئی جملہ ایسا زبان پر آجائے جو اُمت کے کسی فرد کے لیے مضر ہوسکتا ہو تو اسے اس کے لیے موجب صفائی و پاکی بنادے۔

لوگوں کو اس سے یہ سبق بھی لینا چاہیے کہ حتیٰ الوسع زبان پر بددعا کے کلمات نہ لائے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے ہاتھ کا شل ہوجانا

عَنْ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلاً اَکَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِہٖ فَقَالَ کُلْ بِیَمِیْنِکَ قَالَ لَا اَسْتَطِیْعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَامَنَعَہٗ اِلَّا الْکِبْرُ فَمَا رَفَعَھَا اِلٰی فِیْہِ. (رواہ مسلم' ریاض الصالحین)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ' اس نے جواب دیا' مجھے اس کی قدرت نہیں ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو قدرت نہ رکھے حالانکہ اس کو سوائے تکبر کے اور کسی چیز نے دائیں ہاتھ سے کھانے سے نہیں روکا تھا۔ پھر وہ اس کو اپنے منہ تک کبھی نہ اُٹھا سکا۔ (مسلم شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی ضرب کا اثر

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کُنْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ یُصَلِّیْ فَقَرَأَ قِرَاءَۃً اَنْکَرْتُھَا عَلَیْہِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ وَ فَقَرَأَ قِرَاءَۃً سِوَیٰ قِرَاءَۃِ صَاحِبِہٖ فَلَمَّا قَضَیْنَا الصَّلٰوۃَ دَخَلْنَا جَمِیْعًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ فَقُلْت اِنَّ هٰذَا قَرَأَةٌ اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ سِوٰى قِرَاءَ ةِ صَاحِبِهٖ فَاَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَحَسَّنَ شَانَهُمَا فَسُقِطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا اِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَى اللّٰهِ فَرَقًا فَقَالَ لِيْ يَا اُبَيُّ اُرْسِلَ اِلَيَّ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ اِلَيْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰى اُمَّتِيْ فَرُدَّ اِلَيَّ الثَّالِثَةَ اِقْرَأْهُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ وَلَكَ لِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مسئَلَةٌ تَسْئَالنيها فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ وَاَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ اِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتّٰى اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہوا اور نماز پڑھنے لگا' اس نے ایسی قرأت کی جو میرے لیے بالکل اجنبی تھی' پھر دوسرا آیا اور اس نے اپنے ساتھی سے بالکل مختلف طرز میں قرأت شروع کی۔ ہم لوگ جب نماز ادا کر چکے تو سب مل کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس نے ایسی قرأت کی ہے جو میرے لیے بالکل اجنبی تھی' دوسرا شخص آیا اور وہ اپنے ساتھی سے بالکل مختلف طرز میں پڑھنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا۔ چنانچہ ان دونوں نے سنایا' سن کر آپ نے دونوں کی قرأت کی تحسین فرمائی۔ یہ سن کر میرے دل میں آپ کی تکذیب پیدا ہوئی اور اس طرح کہ جاہلیت میں بھی یہ کیفیت نہ تھی مگر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اس کیفیت کو محسوس فرمایا جس نے مجھ کو ڈھانپ لیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جس کے نتیجے میں میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور خوف کی یہ حالت ہو گئی۔ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں' پھر مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا' اے ابی! میرے پاس پہلے ہی وحی آئی تھی کہ میں قرآن ایک ڈھنگ سے پڑھوں لیکن میں نے بار بار درخواست کی کہ میری اُمت کے لیے آسانی فرما دے۔ تیسری دفعہ مجھے جواب ملا کہ تم اسے سات طرح سے پڑھو اور تم کو اپنی ہر درخواست کے بدلے میں ایک دُعا کا حق ہے جس کی آپ مانگ کر سکتے ہیں۔ پس میں نے دوبارہ دُعا کی اے اللہ! میری اُمت کی مغفرت فرما دیجئے' اے اللہ! میری اُمت کو بخش دیجئے اور تیسری دُعا اس دن کے لیے رکھ چھوڑی ہے جس دن تمام مخلوق میری طرف رغبت کے ساتھ آئے گی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

عبداللہؓ بن سلام کا مشرف باسلام ہونا

عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ بِمَقْدَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ اَرْضٍ يَخْتَرِفُ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ سَائِلُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا نَبِيٌّ فَمَا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَمَا اَوَّلُ طَعَامِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدَ اِلٰى اَبِيْهِ وَاُمِّهٖ قَالَ اَخْبَرَنِيْ بِهِنَّ جِبْرَئِيْلُ اٰنِفًا' اَمَّا اَوَّلُ اشراطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ وَاَمَّا اَوَّلُ طَعَامٍ يَاْكُلُهُ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوْتٍ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْاَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَ اِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْاَةِ نَزَعَتْ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ بُهْتٌ

وَاِنَّهُمْ اِنْ يَعْلَمُوْا بِاِسْلَامِيْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَسْأَلَ هُمْ يَبْهَتُوْنِيْ فَجَاءَ تِ الْيَهُوْدُ فَقَالَ اَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ فِيْكُمْ قَالُوْا خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا وَ سَيِّدِنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا فَقَالَ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَالُوْا اَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ فَخَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالُوْا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا فَانْتَقَصُوْهُ قَالَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُ اَخَافُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. (رواه البخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سنی۔ اس وقت وہ ایک کھیت میں پھل توڑ رہے تھے پس وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزوں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ بتائے قیامت کی علامات میں سب سے پہلی علامت کیا ہے جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہوگا اور بچہ اپنے باپ کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے متعلق خبر دی ہے قیامت کی سب سے پہلی علامت تو ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لیجا کر جمع کر دے گی اور پہلا کھانا جسے جنتی کھائیں گے پس وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہوگا اب رہی تیسری بات تو جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب ہوتی ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کی منی غالب ہوتی ہے تو بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہود ایک بہتان طراز قوم ہے اس لیے اگر ان کو میرے اسلام کا حال اس سے پہلے معلوم ہوگیا کہ آپ ان سے میرے متعلق دریافت کریں تو پھر وہ ضرور مجھ پر بہتان باندھیں گے۔ (اس لیے آپ پہلے ان سے میرا حال معلوم کرلیں پھر ان کو اس کی خبر دیں) چنانچہ جب یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا تم میں عبداللہ کون شخص ہے؟ انہوں نے کہا وہ ہم میں سے ایک بہترین شخص ہیں اور بہترین شخص کے لڑکے ہیں اور ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے لڑکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بتاؤ کہ اگر عبداللہ بن سلام اسلام قبول کرلیں (تو کیا سمجھو گے) انہوں نے کہا اللہ ان کو اس سے محفوظ رکھے اس کے بعد عبداللہ نکلے اور پڑھا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه" یہ سن کر یہود کہنے لگے ہم میں سے بدترین شخص ہے اور بدترین شخص کا لڑکا ہے اور وہ عیب لگانے لگے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہی بات تھی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس سے میں ڈر رہا تھا۔ (بخاری شریف)

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم جن کے دلوں میں کج و پیچ نہیں ہوتا وہ فوراً اسلام قبول کر لیتے ہیں اور یہ پہچاننے میں انہیں ذرا بھی تاخیر نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں ساتھ ہی یہود قوم کی فطرت آشکارا ہوتی ہے کہ من حیث قوم ان کے اعمال واخلاق کس قدر پست ہوتے ہیں اور آن کی آن میں کیسے پلٹ جاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نیند طاری ہونا اور ایک غیبی آواز کا سننا

عَنْ عَائِشَةَ ؓ لَمَّا اَرَادُوْا غُسْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا وَاللّٰهِ ما تدری اَنُجَرِّدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثِيَابِهٖ كَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا اَم نَغْسِلُهُ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهُ فَلَمَّا اخْتَلَفُوْا

اَلْقَى اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّوْمَ حَتّٰى مَامِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَذَقْنُهٗ فِي صَدْرِهٖ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ مُكَلِّمٌ مِنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ لَا يَدْرُوْنَ مَنْ هُوَ اَنِ اغْسِلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثِيَابُهٗ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا' وہ کہنے لگے ہمیں معلوم نہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کپڑے اُتار ڈالیں جس طرح ہم اپنے دوسرے مُردوں کے ساتھ کرتے ہیں یا ہم کپڑے کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیدیں۔ جب اس مسئلہ میں ان کے اندر اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کردی حتیٰ کہ ان میں کوئی ایسا باقی نہ رہا جس کو نیند نہ آئی ہو اور اس کی ٹھڈی اس کے سینہ پر نہ جھک گئی ہو۔ پھر گھر کے ایک کونے سے ایک کہنے والے نے کہا جس کے متعلق لوگوں کو معلوم نہیں کہ وہ کون تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تم کپڑوں سمیت غسل دو۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دن رات پیش آنے والی باتیں ایک ایک کرکے بتائی تھیں۔ عام دستور یہی تھا کہ مُردہ سے کپڑے اُتار کر پردہ والے حصہ کو ڈھک کر غسل دیا کرتے تھے مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کو حیات ابدی حاصل تھی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح غسل دیا جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی۔ ایک طرف ادب واحترام' دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی مرتبہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان' اجتہاد میں ہر ایک اپنی سمجھ پر عمل کا مکلف ہے اس لیے باہم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ناگزیر تھا مگر قدرت نہیں چاہتی تھی کہ یہاں کوئی اختلافی شکل باقی رکھی جائے۔ چنانچہ ہاتف غیبی کے ذریعے فیصلہ کر دیا گیا۔

جسم مبارک پر ہاتھ رکھنے سے اس میں مشک کی پائیدار خوشبو

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ وَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى صَدْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ فَمَرَّبِيْ جُمَعٌ اٰكُلُ وَاَتَوَضَّأُ مَا يَذْهَبُ رِيْحُ الْمِسْكِ مِنْ يَدِيْ. (اخرجه البيهقي)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک پر رکھا جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اس کے بعد مجھ پر کئی جمعے گزر چکے' کھاتی بھی ہوں اور وضو بھی کرتی ہوں مگر میرے ہاتھ سے مشک کی خوشبو نہیں جاتی۔ (بیہقی)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا نور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف طور پر نوازا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کے متعلق مختلف روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں کہ مشک سے زیادہ خوشبو ہوتی تھی اور صحابہ عطر میں ملا کر خوشبو میں تیزی پیدا فرماتے تھے۔ سوچئے کہ پسینہ میں یہ خوشبو کیوں تھی؟ آخر جسم مبارک کا ہی تو اثر تھا۔ وفات کے بعد اس دنیا سے جو معمولی رشتہ تھا وہ بھی منقطع ہو گیا لہٰذا نورانیت پورے طور پر ابھر آئی' خوشبو اضعافاً مضاعفاً ہو گئی اور ہونی ہی چاہیے۔

اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت فرشتوں کی طرف سے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَزَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَسْمَعُوْنَ

الحِسَّ وَلَا يَرَوْنَ الشَّخْصَ فَقَالَتْ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اِنَّ فِي اللّٰهِ عَزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَخَلَفًا مِنْ كُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَثِقُوْا وَاِيَّاهُ فَارْجُوْا فَاِنَّمَا الْمَحْرُوْمُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ.

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو چکی تو فرشتوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی تعزیت کی وہ آواز سنتے تھے اور کسی شخص کو دیکھتے نہ تھے۔ وہ آواز یہ تھی (السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الخ) اے رسول خدا کے اہل بیت تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں، ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی ذات باعث صبر ہے اور ہر نکل جانے والی چیز کا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانشین ہے۔ پس اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے اُمید رکھو، محروم وہ ہے جو ثواب سے محروم کیا گیا (تم کو صبر کا ثواب مل کر رہے گا، تم محروموں میں نہیں)۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ (خصائص کبریٰ)

تشریح: عام انسانوں کی تعزیت آدمی کرتے ہیں۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے مگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا گھرانا ایسا ہوتا ہے کہ فرشتوں کو اس سے کسی نہ کسی درجہ میں لگاؤ ہوتا ہے۔ نزول وحی کے موقع سے فرشتے آتے رہتے ہیں جس نبی سے فرشتوں کو لگاؤ ہوگا یقیناً اس کے گھر والوں سے بھی کچھ نہ کچھ تعلق خاطر ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات یقیناً ایک حادثہ عظیم تھا جس سے سبھی متاثر ہوئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا زیادہ غمگین ہونا قدرتی تھا اور وہ واقعتہً تعزیت کے مستحق تھے بھی، اس لیے فرشتوں نے صبر کی تلقین کی مگر اس طرح یہ تعزیت ہوئی کہ وہ مجسم ہو کر سامنے نہیں آئے۔

جسم اطہر صلی اللہ علیہ وسلم میں بعد وفات کوئی تغیر نہ ہونا

عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے افضل ایام میں جمعہ کا دن ہے کہ اسی دن آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا کیے گئے اور اسی دن ان کی وفات ہوئی اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سارے لوگ بیہوش ہوں گے۔ لہٰذا اس دن مجھ پر بکثرت دُرود بھیجو، اس لیے کہ تمہارا دُرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا دُرود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کس طرح پیش کیا جاتا ہے؟ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک تو مٹی میں مل چکا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسموں کو حرام کر دیا ہے وہ ان پر کوئی اثر نہیں کرتی ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام روح، جسم، ملکات فاضلہ اور خواہشات ہر اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں اسی لیے آپ پڑھتے ہیں کہ ان کی نیند کی کیفیت عام انسانوں سے الگ ہوتی تھی۔ ان کا پسینہ عام انسانوں سے الگ ہوتا تھا اور ان کا ادراک عام انسانوں سے

الگ تھا اس لیے اگر ان کے اجسام بعد وفات صحیح وسالم رہتے ہیں اور زمین اس میں تصرف نہیں کرتی تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔
تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام، شہداء اسلام اور بعض اولیاء کے اجسام بھی جوں کے توں محفوظ ہوتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کے حق میں محدثیت کی بشارت

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَّكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنُوْا اَنْبِيَاءَ فَاِنْ يَّكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ. (متفق علیه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی اُمتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ایک روایت یہ ہے کہ البتہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ وہ نبی نہیں ہوتے تھے مگر ان سے غیبی باتیں کی جاتی تھیں۔ اگر میری اُمت میں کوئی شخص ایسا ہے تو وہ عمر ہیں۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔

تشریح: بعض طرق میں محدثوں کی جگہ ''ملہوں'' اور بعض میں ''الملهم بالصواب'' کا لفظ آیا ہے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''محدث'' کیسا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ فرشتے ان کی زبان سے بولتے ہیں۔ اس کا ماحصل یہ بیان کیا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جس کا خیال اکثر درست ہوتا ہے یعنی فرشتوں کی جانب سے اس کے دل میں کوئی بات اس طرح ڈال دی جائے کہ گویا اس سے کسی نے کہہ دی ہے کہ یہی ٹھیک ہے بعض محدث کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ اس کی زبان سے صدق وصواب بلا قصد نکلے۔ بہر حال وہ نبی تو نہیں ہوتا ہے مگر اس کی زبان سے عموماً درست باتیں ہی نکلتی ہیں۔ اس طرح جیسے معلوم ہوتا ہو کہ اس کو الہام ہو رہا ہے۔

دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر کھانے میں

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَاَصَابَنَا جُوْعٌ شَدِيْدٌ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْعَدُوَّ قَدْ حَضَرَ وَهُمْ شَبَاعٌ وَالنَّاس جَيَاعٌ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ اَلَا نَنْحَرُ نواضِحَنا فَنُطْعِمُهَا النَّاسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ يَجِيْءُ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ بِمَا فِيْ رَحْلِهٖ وَفِيْ لَفْظٍ مَنْ كَانَ مَعَهٗ فَضْلُ طَعَامٍ فَلْيَجِيْ بِهٖ وَبَسَطَ نِطْعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْ بِالْمُدِّ وَالصَّاعِ وَاَكْثَروا قلّ فَكَانَ جَمِيْعُ مافِي الْجَيْشِ بِضْعًا وَعِشْرِيْنَ صَاعًا فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنْبِهٖ وَدَعَا بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ دَعَا النَّاسَ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ خُذُوْا وَلَا تَنْتَهِبُوْا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَاخُذُ فِيْ جَرَابِهٖ وَفِيْ غَرَارَتِهٖ وَاَخَذُوْا فِي اوعيتهم حتّٰى اِنَّ الرَّجُلَ لَيَرْبِطَ كُمَّ قَمِيْصِهٖ فَيَمْلَاهُ فَفَرَغُوْا وَالطَّعَامُ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ

اللّٰہِ لَا یَأْتِیْ بِھِمَا عَبْدٌ مُحِقٌّ اِلَّا وَقَاہُ اللّٰہُ حَرَّالنَّارِ۔ (الحاکم)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شریک تھے کہ ہمیں سخت بھوک کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم نے درخواست کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) دشمن ہمارے سامنے موجود ہیں اور وہ آسودہ ہیں اور ہمارا یہ حال ہے کہ بھوک سے بیتاب ہیں۔ چنانچہ انصار نے کہا' کیا ہم ایسا نہ کریں کہ ہم اپنی اونٹنیاں ذبح کرڈالیں اور لوگوں کو کھلا دیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' ایسا نہ کرو بلکہ ہر شخص کے کجاوہ میں جو کچھ ہو لے آئے یا یہ فرمایا کہ جو کچھ کھانے کا سامان بچا ہوُا اس کو لے آئے' ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دینے کے بعد چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا' پس لوگ کھانا بچا کھچا لانے لگے' کوئی ایک مد لایا اور کوئی ایک صاع اور کوئی اس سے زیادہ اور کوئی اس سے کم' پس تمام لشکر سے جو سامان آیا وہ کل کچھ اوپر بیس صاع ہوں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کھانے کے پہلو میں بیٹھ گئے اور برکت کی دُعا فرمائی۔ پھر لوگوں کو بلایا اور فرمایا کہ اللہ کے نام کے ساتھ سب اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لیتے جاؤ اور لوٹ نہ مچاؤ' پھر تو لوگ اپنے توشہ دانوں' بوریوں اور برتنوں میں بھرنے لگے' یہاں تک کہ بعضوں نے اپنی قمیص کی آستینوں کا منہ باندھ لیا اور اس کو بھر لیا۔ اس طرح تمام فوج نے فراغت حاصل کر لی اور کھانا جوں کا توں تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور بلاشبہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں جو بندہ بھی ان دو چیز کی گواہی سچے دل سے دے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے بچالے گا۔ (حاکم)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مسیر قَالَ فَنَفِدَتْ اَزْوَادُ الْقَوْمِ حَتّٰی ھَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حمَائِلِھِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لو جمعت مابقی مِنْ ازوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتَ اللّٰہَ عَلَیْہِ قَالَ فَفعَلَ قَالَ فَجَاءَ ذوالْبُرِّ ببُرّہٖ وَذُوالتَّمرِ بتَمرِہٖ قَالَ وَقَالَ مُجَاھِدٌ وَذو النَّوَاۃِ بنَوَاہُ قُلْتُ وَمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ بَالنَّوىٰ قَالَ کَانُوْا یَمُصُّوْنَہٗ وَیَشْرَبُوْنَ عَلَیْہِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَاھَا عَلَیْھَا قَالَ حَتّٰی مَلَأَ الْقَوْمُ اَزْوَدَتَھُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَلْقَی اللّٰہ بِھِمَا عَبْدٌ غَیْرَ شَاکٍ فِیْھِمَا اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ لوگوں کا زادِراہ ختم ہوگیا۔ انہوں نے کہا کہ حال یہ ہوگیا تھا کہ کچھ لوگوں نے اپنی سواری کی اونٹنیاں ذبح کرنے کا ارادہ کرلیا۔ راوی نے کہا کہ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کاش ایسا ہوتا کہ آپ لوگوں کے مابقیہ زادِ راہ کو جمع کر کے اس پر دُعا فرما دیتے۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے ایسا ہی کیا' چنانچہ جس کے پاس گیہوں تھا' وہ گیہوں لے آیا جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجور لے آیا' مجاہد کہتے ہیں کہ حتیٰ کہ جس کے پاس کھجور کی گٹھلیاں تھیں وہ اپنی گٹھلیاں لے آیا' میں نے کہا کہ وہ گٹھلیاں کیا کرتے تھے' انہوں نے کہا کہ وہ ان کو اس لیے رکھتے تھے کہ ان کو چوس لیتے تھے اور اس پر پانی پی لیتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ جب سب چیزیں جمع ہو چکیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر دعائے برکت فرمائی۔ پھر

اتنی برکت ہوئی کہ بقول راوی لوگوں نے اپنے اپنے ناشتہ دان بھر لئے' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بے شک میں اللہ کا رسول ہوں' کوئی ان دو کلمات کے اقرار کے ساتھ جب اللہ سے ملے گا اس طرح کہ اس کو اس میں کوئی تردد وشک باقی نہ رہا ہو تو بلاشبہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم)

یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے اور برکت کے اس طرح کے واقعات حدیث میں متعدد مذکور ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاء سے اسلام قبول کرنا

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّیْ اِلَی الْاِسْلَامِ وَهِیَ كَارِهَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَاَسْمَعَتْنِیْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِیْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِیْ اُمَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُتَبَشِّرًا بِدَعْوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ اِلَی الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّیْ خَشْفَ قَدَمَیَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفُتِحَتِ الْبَابُ ثُمَّ قَالَتْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِیْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَقَالَ خَيْرًا. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں اپنی ماں کو برابر اسلام کی دعوت دیتا رہا اور وہ نفرت کا اظہار کرتی رہیں۔ ایک دن میں نے ان کو اسلام کی طرف بلایا تو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں سنائیں جو مجھے بہت ناگوار گزریں۔ میں روتا ہوا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اللہ سے دعا فرمادیں کہ وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں کو ہدایت دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً فرمایا' اے اللہ! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا سن کر خوش خوش نکلا' جب میں دروازے کے پاس آیا تو دیکھا دروازہ بند ہے' میری ماں نے میرے پاؤں کی آہٹ سن لی' اندر سے انہوں نے کہا ابوہریرہ وہیں ٹھہرنا اور میں پانی کے گرنے کی آواز سن رہا تھا۔ انہوں نے غسل کیا' پھر اپنی قمیص پہنی اور جلدی میں اپنی اوڑھنی سر پر ڈالنی رہ گئی اور اسی حالت میں آکر انہوں نے دروازہ کھولا' پھر بولیں اے ابوہریرہ! میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کی بھی گواہی دیتی ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس طرح پلٹا کہ خوشی سے آنسو نکل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کی اور ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے۔

حضرت علیؓ کا شانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عجیب منظر دیکھنا

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اِنْطَلَقْتُ اَنَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِیْ اِجْلِسْ وَصَعِدَ عَلٰی مَنْكِبِیْ فَذَهَبْتُ لِاَنْتَهِضَ بِهٖ فَرَاٰی مِنِّیْ ضُعْفًا فَنَزَلَ وَجَلَسَ لِیْ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَقَالَ لِیْ اِصْعَدْ عَلٰی مَنْكِبِیْ فَصَعِدْتُ عَلٰی مَنْكِبَيْهِ قَالَ فَنَهَضَ بِیْ فَاِنَّهٗ يُخَيَّلُ اِلَیَّ اَنِّیْ لَوْ شِئْتُ لَنِلْتُ اُفُقَ السَّمَاءِ حَتّٰی صَعِدْتُ عَلَی الْبَيْتِ وَعَلَيْهِ تِمْثَالُ صُفْرٍ اَوْنحاسٍ اُناوِلُهٗ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَبَيْنَ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ اِسْتمكنْتُ مِنْهُ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْذِفْ بِهٖ فَانْكَسَرَ كَمَا يَنْكَسِرُ الْقَوَارِيْرُ ثُمَّ نَزَلْتُ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَبِقُ حَتّٰی تَوَارَيْنَا بِالْبُيُوْتِ خَشْيَةَ اَنْ يَلْقَانَا اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ. (رواہ احمد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ساتھ چلے (بیت اللہ کے اندر جا کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے شانوں پر چڑھ گئے، میں آپ کو لے کر اُٹھنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کمزور محسوس کیا، لہٰذا اُتر گئے اور خود بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا میرے مونڈھوں پر چڑھ جا، میں آپ کے مونڈھوں پر چڑھ گیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ مجھ کو لے کر اُٹھے، اس وقت میں ایسا محسوس کرنے لگا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کے کناروں کو پالوں، یہاں تک کہ میں بیت اللہ پر چڑھ گیا اور اس پر پیتل اور تانبے کی مورتیاں بنی رکھی تھیں، میں ان کو اپنے دائیں، بائیں، سامنے اور پیچھے سے اُٹھانے لگا تا آنکہ میں نے سب اٹھا لیے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، ان کو پھینک دے (چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا) وہ شیشہ کی طرح گر کر چور چور ہو گئے پھر میں اترا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ ساتھ جلدی جلدی چلے اور گھروں کی دیواروں میں چھپتے چھپاتے واپس آ گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ہمیں دیکھ لے۔ (رواہ احمد)

تشریح: رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خلاصہ کائنات کہی جاتی ہے اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل اور خاتم النبیین تھے اس لیے اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں پر چڑھ کر یہ محسوس کیا کہ وہ آسمان کے کناروں کو پا سکتے ہیں تو اس میں حیرت کی کونسی بات ہے۔ آخر حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ (علیہم السلام) جس پتھر پر چڑھ کر خانہ کعبہ کی بنیاد رکھ رہے تھے وہ بھی جتنی ضرورت ہوتی خود بخود اونچا ہو جاتا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضرت انسان تھے اور تمام مخلوقات اور تمام انسانوں سے افضل کے شانہ مقدس پر چڑھے ہوئے تھے اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو منظر بتوں سے صفائی کے موقع پر نظر آیا وہ نظر آنا ہی چاہیے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ توحید دیکھئے کہ خود اپنے شانہ مبارک پر آدمی کو چڑھا کر اس کی صفائی فرما رہے تھے اور اس میں قطعاً عار محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

درخت کیکر کی گواہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَاَقْبَلَ اَعْرَابِیٌّ فَلَمَّا اَتٰی قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ قَالَ وَمَنْ يَّشْهَدُ عَلٰی مَا تَقُوْلُ قَالَ هٰذِهِ السَّلَمَةُ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِشَاطِئِ الْوَادِیْ فَاَقْبَلَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ حَتّٰی قَامَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلٰثًا فَشَهِدَتْ ثَلَاثًا اَنَّهٗ كَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰی مَنْبَتِهَا. (رواہ الدارمی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ سامنے سے ایک دیہاتی آتا نظر آیا، جب وہ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، تو اس بات کی گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے اور اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں؟ اس نے کہا کہ اور کون ہے جو اس کی گواہی دے جس کو آپ فرما رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیکر کا درخت، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا، وہ وادی کے کنارے کھڑا تھا، زمین پھاڑتا ہوا وہ چلا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے تین بار گواہی طلب کی، اس نے تینوں دفعہ گواہی دی کہ بات ویسی ہے جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر وہ جہاں کھڑا تھا چلا گیا۔ (دارمی)

تشریح: بے علم لوگوں میں اسی طرح کی باتوں سے یقین پیدا ہوتا ہے اس نے اپنی آنکھوں سے جب دیکھا کہ بظاہر ایک بے جان کیکر کا درخت ایک شخص کی اس طرح اطاعت کرتا ہے اور اس کی صداقت پر شہادت پیش کرتا ہے تو اس خون و گوشت اور ہڈی سے بنے ہوئے انسان کو شرم محسوس ہوئی کہ یہ اس کے بعد بھی کفر و شرک میں ملوث رہے۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کر کے انسانیت کی لاج رکھ لی۔

خدا کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں۔ اب تو آپ دیکھتے ہیں کہ لوہے کے پرزے انسان کی طرح بات کرتے ہیں اور انسانوں کی گفتگو محفوظ کر لیتے ہیں پھر اس کے آنے اور گفتگو کرنے میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔

بہائم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا

عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَ لَهٗ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ امر اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَلَوْ اَمَرَهَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تَفْعَلَهٗ. (رواہ احمد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین وانصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے، ایک اونٹ آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چوپائے اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔ پس ہم تو بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے پروردگار کی پرستش کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو، اگر میں کسی انسان کو اس کی اجازت دیتا کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کریں۔ اگر اس کا شوہر یہ حکم دے کر زرد پہاڑ کو سیاہ پہاڑ کی جگہ اور سیاہ کو زرد کی جگہ رکھ دے تو اس کا فریضہ ہے کہ وہ ایسا کرنے کو آمادہ ہو جائے۔ (رواہ احمد)

تشریح: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا مرتبہ جانور اور درخت سے بہت اونچا ہے اس کی یہ شان نہیں ہونی چاہیے کہ وہ جانور اور درخت کی پیروی کرے، غیر مکلف کی پیروی مکلف کے لیے کسی حال میں درست نہیں ہے۔

باقی جانور اور درخت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یہ آپ کا ان کی طرف سے احترام تھا، انسان کا اظہارِ احترام یہ ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر عمل پیرا ہو۔

بیل اور بھیڑیئے کا عبرت آموز کلام کرنا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْ اَعْیٰی فَرَکِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا اِنَّمَا خَلقنَا بِحِرَاثَةِ الْاَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَکَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ اُؤْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ وَقَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ فِیْ غَنَمٍ لَهٗ اِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلٰی شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَهَا فَاَدْرَکَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا یَوْمَ السَّبُعِ یَوْمَ لَارَاعِیَ لَهَا غَیْرِیْ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ یَتَکَلَّمُ فَقَالَ اُؤْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ وَمَاهُمَا ثَمَّ. (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص ایک بیل ہانکے جا رہا تھا کہ اچانک وہ تھک گیا اور اس پر سوار ہو گیا (اس بیل کو قدرت نے گویائی عطا فرمائی) وہ بول پڑا کہ ہم اس کام کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہیں، ہماری تخلیق زمین کے جوتنے کے لیے ہوئی ہے'لوگوں نے کہا' سبحان اللہ! بیل باتیں کرنے لگا؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حالانکہ اُس وقت دونوں موجود نہیں تھے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص اپنی بکریوں میں تھا کہ دفعتہً بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا اس کے مالک نے بھیڑیئے کا پیچھا کیا اور اس بکری کو چھڑا لیا' بھیڑیا بولا کہ اس دن کون چھڑانے آئے گا جس دن درندوں ہی کا راج ہو گا اور میرے سوا کوئی اس کا دوسرا چرواہا نہ ہو گا' یہ سن کر لوگوں نے کہا' سبحان اللہ! بھیڑیا اور باتیں کرے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس پر یقین رکھتا ہوں (کہ ایسا ہوا ہو گا) اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی۔ حالانکہ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔ (مسلم و بخاری)

تشریح: بیل اور بھیڑیا کا اپنی زبان میں کلام کرنا تو مشہور بات ہے' جانور بولتے ہیں اور مشاہدہ ہے کہ جانور ایک دوسرے کی بات سمجھتے بھی ہیں' حیرت جو کچھ ہے وہ انسانوں کی زبان میں بولنے پر ہے مگر یہ بھی کوئی بعید از عقل بات نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خود بھی تصدیق فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنہم کی طرف سے بھی تصدیق کی گو وہ موجود نہ تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کے ایمان وایقان پر اعتماد تھا۔ قیامت جس قدر قریب آتی جائے گی۔ عالم غیب سے پردہ اُٹھتا جائے گا اور خلاف عادت باتیں بکثرت ظاہر ہوتی چلی جائیں گی۔ چنانچہ بہت ساری ایسی باتوں کی تصدیق ہو رہی ہے۔ وہ زمانہ جلد ہی آنے والا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کا بھی لوگ خود مشاہدہ کر لیں گے اور جانوروں کی بولیاں چیستان بنی نہیں رہیں گی۔

اُمت کو بشارت کہ عام قحط اور دشمن اُنکا استیصال نہ کر سکیں گے

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَهَا

وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا وَأُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ وَإِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ لِأُمَّتِيْ أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَأَنْ لَّا يُسَلِّطَهَا عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَاى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ وَإِنَّ رَبِّيْ قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ وَإِنِّيْ أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَّا أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَأَنْ لَّا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ وَيَهْلِكَ بَعْضًا وَيَسْبِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا. (رواہ مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے روئے زمین کو سکیڑ دیا۔ پس میں نے اس کے مشرق و مغرب سب کو دیکھ لیا اور یقیناً میری اُمت کا ملک اس حصہ تک پہنچ کر رہے گا جو حصہ زمین میرے لیے سکیڑ دیا گیا تھا اور مجھے دو خزانے بھی دیئے گئے۔ ایک سرخ اور ایک سفید اور میں نے اپنے پروردگار سے اپنی اُمت کے لیے درخواست کی کہ وہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کرے اور یہ کہ ان پر ایسے دشمن کو تسلط کا موقع نہ دے جو ان کے انڈے بچے سب کو بیخ و بن سے تباہ کر ڈالے' میرے رب نے فرمایا' اے محمدؐ! جب میں کوئی فیصلہ کر لیتا ہوں تو پھر وہ رد نہیں ہوتا ہے اور میں بلاشبہ تجھ کو تیری اُمت کے باب میں یہ اطمینان دلاتا ہوں کہ میں نہ تو ان کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک کروں گا اور نہ ان کے کسی ایسے دشمن کو ان پر تسلط دوں گا جو ان کے انڈے بچے کو تباہ کر ڈالے' اگرچہ تمام روئے زمین کے دشمن اکٹھے ہو جائیں تا آنکہ خود ان کے بعض بعض کو ہلاک اور قید نہ کرنے لگیں۔ (مسلم شریف)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے لاڈلے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ساری زمین سکیڑ دی اور اسے سامنے کر دیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجمالی طور پر سب کو ایک نظر دیکھ لیں اور اس دیکھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ میری اُمت ان حصوں تک پہنچ کر رہے گی' پوری دنیا ایک مختصر سے نقشہ میں آ جاتی ہے اور آپ بیٹھ کر اپنی جگہ دیکھ لیتے ہیں کہ فلاں ملک یہاں ہے اور فلاں یہاں' تمام ممالک کے سمت بھی معلوم ہو جاتے ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پوری دنیا کے ممالک کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر کر لی اور تمام جزئیات سے واقف ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کہ فلاں جہنمی ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ كَرْكَرَةُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا. (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامان کی نگرانی میں ایک شخص مقرر تھا جس کا نام کرکرہ تھا اور لوگ اس کو اسی نام سے پکارتے تھے' وہ مر گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ کی آگ میں ہے۔ چنانچہ لوگوں کو حیرت ہوئی اور وہ تلاش کرنے لگے کہ کیا بات ہے' انہوں نے ایک عبا اس کے پاس پائی جس کو اس نے مال غنیمت سے چرا لیا تھا۔ (بخاری شریف)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهُ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ هٰذَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ حَتّٰى اَثْبَتَتْه فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الَّذِیْ تُحَدِّثُ اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَرْتَابُ فَبَيْنَاهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ اِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاَهْوٰى بِيَدِهٖ اِلٰى كِنَانَتِهٖ فَانْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهٖ فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَّقَ اللّٰهُ حَدِيْثَكَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مُؤْمِنٌ فَاِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ. (رواہ البخاری ۹۷۷)

ایک جانباز کے دوزخی ہونے کی پیشین گوئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر میں شریک ہوئے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق جو اسلام کا دعویٰ کرتا تھا فرمایا کہ یہ دوزخیوں میں ہے لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو اس شخص نے بڑی بڑی جوانمردی سے جنگ کی اس طرح کہ زخم سے اس کا بدن چور چور ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے ایک صحابی آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرماتے تھے کہ وہ دوزخیوں میں سے ہے، اس نے جنگ میں بڑی بہادری اور جانفشانی سے جنگ کی ہے، اس طرح کہ زخموں سے اس کا جسم بھر گیا ہے، یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سن لو کہ وہ دوزخی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملے سے بعض شبہ میں پڑ گئے (کہ یہ کیا فرما رہے ہیں) ابھی لوگ اسی حیص بیص میں تھے کہ اس مجاہد نے زخم کی تکلیف اس طرح محسوس کی کہ اس نے اپنا ہاتھ تیردان کی طرف بڑھایا اور اس سے ایک تیر نکالا اور اسے اپنے سینہ کے پار کر لیا (یعنی خودکشی کر لی) یہ دیکھ کر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سچ کر دی، فلاں نے خودکشی کر لی اور خود تیر لگا لیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا، اے بلالؓ! کھڑے ہو اور اعلان کر دو کہ جنت میں سوائے مؤمن کے کوئی داخل نہیں ہوگا اور بلاشک اللہ تعالیٰ اس دین کی بدکار آدمی سے بھی تائید کرا لیتا ہے۔ (بخاری)

تشریح: عام لوگ ظاہر کے دیکھنے کے عادی ہیں اور اسی پر حکم لگاتے ہیں اور سچ پوچھئے تو عوام ظاہر بیں کا منصب بھی یہی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے جن برگزیدہ حضرات کو علم نبوت سے نوازا ہے اور جن کے پاس وحی آتی رہتی ہے۔ ان کی نگاہ میں بڑی وسعت اور دور بینی عطا کی گئی ہے اور یقیناً ان کا منصب بھی عام مسلمانوں سے بہت اونچا ہوتا ہے۔ یہ حضرات انسان اور خدا کے درمیان کی ایک مضبوط کڑی ہوتے ہیں اس لیے ان کا ان باتوں کو قبل از وقت دیکھ لینا جن کو عام نگاہیں نہیں دیکھ سکتی ہیں قطعاً حیرت انگیز نہیں۔

دوسرا اصول یہ بھی مسلم ہے کہ "انما الاعمال بالنیات" انسانوں کے عمل کا فیصلہ ان کی نیتوں کے پیش نظر ہوتا ہے۔ رب العالمین ظاہر اجسام کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ انسانوں کے دلوں کو دیکھتا ہے اس لیے ظاہری عمل خواہ کتنا ہی شاندار ہو۔ اگر نیت میں

نیکی نہیں ہے تو بیکار ہے اور یہ حقیقت بھی کسی سے مخفی نہیں کہ اعتبار خاتمہ کا ہوا کرتا ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اور پھر اس کے مطابق جو کچھ پیش آیا' یہ عقل کے مطابق ہے۔

رہی دینی خدمت تو یہ رب العالمین بلاشبہ کبھی کبھی فاجر بندے سے بھی لے لیتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ خَیْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِّنْ صَحَابَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَہِیْدٌ حَتّٰی مَرُّوْا عَلٰی رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَہِیْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلَّا اِنَّمَا رَأَیْتُہٗ فِی النَّارِ. فِیْ بُرْدَۃٍ غَلَّہَا اَوْ عَبَاءَۃٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِذْہَبْ فَنَادِ فِی النَّاسِ اِنَّہٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَیْتُ اَلَا اِنَّہٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا. (رواہ مسلم)

ایک مجاہد کے دوزخی ہونے کی اطلاع

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ جس دن خیبر کی جنگ تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک ٹولی آئی اور کہنے لگی کہ فلاں شہید ہو گیا' یہاں تک کہ وہ ایک شخص کے پاس سے گزرے' تو دیکھ کر کہا کہ فلاں بھی شہید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' ہرگز نہیں' میں نے تو اس کو دوزخ کی آگ میں جلتا ہوا دیکھا ہے' اس چادر کی وجہ سے یا عبا کی وجہ سے جس کو اس نے مال غنیمت سے چرالیا تھا' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا' اے ابن الخطابؓ! جاؤ اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مؤمن داخل ہوں گے' تین مرتبہ یہ اعلان کرو' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نکل کر گیا اور میں نے پکار کر کہہ دیا کہ سن لو! کہ جنت میں مؤمن کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہوگا' یہ تین مرتبہ میں نے کہا۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ اَہْدٰی رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غُلَامًا یُقَالُ لَہٗ مِدْعَمٌ فَبَیْنَمَا مِدْعَمٌ یَحُطُّ رَحْلاً لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَہٗ سَہْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَہٗ فَقَالَ النَّاسُ ہَنِیْئًا لَہُ الْجَنَّۃُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلَّا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ الشَّمْلَۃَ الَّتِیْ اَخَذَہَا یَوْمَ خَیْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْہَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَیْہِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِکَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاکٍ اَوْ شِرَاکَیْنِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاکٌ مِنْ نَارٍ اَوْ شِرَاکَانِ مِنْ نَارٍ. (متفق علیہ)

ایک مسلمان کے دوزخی ہونے کی خبر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ ایک غلام پیش کیا جس کو "مدعم" کے نام سے پکارا جاتا تھا' وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے ایک کجاوہ اُتار رہا تھا کہ اچانک اس کے ایک تیز تیر آ کر لگا جس سے وہ مر گیا' یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ جنت اس کو مبارک ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بے شک وہ اونی چادر جو اس نے خیبر کے دن غنیمت سے لی تھی اور وہ اس کے حصہ میں نہیں آئی تھی اس پر آگ بھڑک رہی ہے، لوگوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سنی، ایک شخص ایک یا دو تسمہ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ کا ایک تسمہ ہے یا آگ کے دو تسمے ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: یہ غلام ہدیہ میں آیا تھا۔ رفاعہ بن زید نے یہ پیشکش کی تھی، ابھی چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ یہ غزوہ سامنے آ گیا اور اسی میں یہ شہید ہو گیا۔ گویا اس نے فیض صحبت کا موقع ابھی نہیں پایا تھا۔

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلاً مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوَفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَفَتَشْنَا مَتَاعَهُ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرْزِ يَهُوْدَ لَا يُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ. (رواه مالک و ابوداؤد والنسائی)

ایک صحابی کے متعلق پیشین گوئی اور اس کی صداقت

یزید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے خیبر کے دن ایک شخص کی وفات ہوگئی، لوگوں نے اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو (خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت نہیں کی اس سے) لوگوں کے چہرے بدل گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اس ساتھی نے مال غنیمت میں خیانت کی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ ہم نے اس کے سامان کی تفتیش کی تو ہم نے یہود کے منکوں میں ایک منکا پایا جو دو درہم کا بھی نہ تھا۔ (مالک، ابوداؤد، نسائی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مصائب کی قبل از وقت اطلاع دینا

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْصُوْلِيْ كَمْ يَلْفِظُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَخَافُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ مَا بَيْنَ السِّتِّ مَائَهِ اِلَى السَّبْعِ مِائَة قَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّكُمْ اَنْ تُبْتَلُوْا قَالَ فَابْتُلِيْنَا حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا يُصَلِّيْ اِلَّا سِرًّا. (رواه مسلم والبخاری)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے گن کر کے بتاؤ کہ اسلام کا کلمہ پڑھنے والے کتنے ہیں؟ ان کا بیان ہے کہ ہم نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے بارے میں خطرہ ہے اور ہم اس وقت چھ سو سے سات سو تک ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیشک تم نہیں جانتے ہو، ہو سکتا ہے کہ تم آزمائش میں ڈالے جاؤ، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا، ہم لوگ آزمائش میں ڈالے گئے، یہاں تک کہ ہم میں سے کچھ لوگ چھپ چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات فرمائیں یا کسی اندیشہ کا اظہار کریں اور وہ پیش نہ آئے کیسے ممکن ہے۔ سینکڑوں واقعات وحقائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اور جیسا فرمایا وہی سامنے آیا اور ایک نبی کی یہی شان ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو افضل الانبیاء اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

باقی خوف وہراس اور جان کا جب خطرہ درپیش ہوٗیا اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ کا ظن غالب ہوٗ اس وقت عبادات کے چھپ کرانجام دینے کی اجازت کوئی حیرت انگیز بات نہیں' اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور اس میں ہر پہلو کی رعایت ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ بزدلی کا قائل ہے' دور اندیشی اور ناعاقبت اندیشی بوقت ضرورت کوئی ناگوار چیز نہیں۔

غزوۂ بدر کے مشرک مقتولین کی نام بنام نشاندہی

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوِرا حِيْنَ بَلَغنا اِقْبَالُ اَبِیْ سُفْيَانَ وَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَاَ خُضْنَاهَا وَلَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا اِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰى نَزَلُوْا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَيَضَعُ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ هٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت ابوسفیان کے لشکرکشی کی خبر ملی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کیا' حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں گے کہ ہم اپنے گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیں تو یقیناً ہم اسے سمندر میں ڈال دیں گے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرمائیں گے کہ ہم اپنے گھوڑوں کو برک الغماد تک لیجائیں تو ہم ایسا ہی کریں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے چلنے کو کہا' پس وہ سب چل پڑے تاآنکہ وہ سب مقام بدر پر آکر اترے یہاں پہنچنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ رکھ رکھ کر بتایا کہ یہ فلاں کے قتل ہوکر گرنے کی جگہ ہے اور یہاں فلاں قتل ہوکر گرے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس جگہ سے نہیں ہٹا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھ کر بتائی تھی' (ٹھیک اسی جگہ پر ہر ایک مقتول پایا گیا)۔ (مسلم شریف)

ایک صحابی کے متعلق ''رحمہ اللہ'' کہنا اور انکا شہید ہوجانا

عَنْ سَلَمَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الى خَيْبَرَ فقال رَجُلٌ مِنْهُمْ اَسْمِعْنَا يَا عَامِرُ مِنْ هُنَيَّاتِكَ فَحَدَابِهِمْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ السَّائِقُ قَالُوْا عَامِرٌ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَّاهُ اَمْتَعْتَنَا بِهٖ فَاُصِيْبَ صَبِيْحَةَ لَيْلَتِهٖ فَقَالَ الْقَوْمُ حَبِطَ عَمَلُهٗ قَتَلَ نَفْسَهٗ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَهُمْ يَتَحَدَّثُوْنَ اَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهٗ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ

یَا نَبِیَّ اللّٰہِ فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ زَعَمُوْا اَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُہٗ فَقَالَ کَذَبَ مَنْ قَالَھَا اِنَّ لَہٗ لَاَجْرَیْنِ اِثْنَیْنِ اِنَّہٗ لَجَاھِدٌ مُجَاھِدٌ وَاَیُّ قَتْلٍ یَزِیْدُہٗ عَلَیْہِ. (رواہ البخاری)

حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ خیبر کے لیے نکلے' ان میں سے ایک شخص نے کہا اے عامر! تم اپنے کچھ اشعار ہم لوگوں کو سناؤ' وہ گا گا کر سنانے لگے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' کون ہے جو حدی پڑھ کر اونٹوں کو تیز تیز ہنکار رہا ہے' ان لوگوں نے کہا عامر ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے' لوگوں نے عرض کیا' یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں نہیں ہمیں تھوڑی دیر اور ان سے لطف اندوز ہونے دیتے' اسی رات کی صبح میں ان کو اپنی ہی تلوار اُچٹ کر لگی اور وہ شہید ہو گئے۔ لوگ کہنے لگے ان کا عمل حبط ہو گیا کہ انہوں نے خودکشی کر لی' میں جب واپس ہوا' تو وہ لوگ یہی بات کر رہے تھے کہ عامر کے اعمال حبط ہو گئے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں' لوگوں کا خیال ہے کہ عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری نیکیاں اکارت گئیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کس نے کہا' غلط کہا' بے شک ان کو دُہرا اجر ملے گا' وہ پکے مجاہد تھے اس کے قتل سے بڑھ کر کون قتل ہو سکتا ہے۔

تشریح: صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تجربہ سے یہ بات معلوم تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی صحابی کے متعلق ''رحمہ اللہ'' فرما دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ انہیں دولت شہادت سے نوازتا تھا۔ چنانچہ حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کا استعمال کیا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی اس نعمت سے سرفراز کیے جائیں گے۔ اس لیے انہوں نے ضروری سمجھا کہ جس قدر بھی ان سے مستفید ہوا جا سکتا ہے ہو لینا چاہیے اور یہی وجہ ہوئی کہ صحابہؓ نے آپ سے درخواست کی کہ ان سے لطف اندوز ہوتے' کاش کچھ اور موقع مل جاتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اچھی موت بہت عزیز تھی اور ہر مسلمان کو ہونی چاہیے اس لیے جب خود ان کی تلوار ان کے گھٹنے میں لگی اور اسی زخم کے صدمے سے وہ شہید ہو گئے تو ان کو یہ دھیان ہوا کہ کہیں یہ بھی خودکشی کے مترادف نہ قرار دی جائے اور اسی وجہ سے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم عمل کے اکارت کی باتیں کرنے لگے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ الفاظ سنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تردید ضروری سمجھی تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے اور ایک صحابی کے متعلق یہ سوء ظن باقی نہ رہے۔

دعائے برکت اور اس کا اثر

عَنْ صَخْرٍ الْغَامِدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا قَالَ وَکَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِیَّۃً اَوْ جَیْشًا بَعَثَھُمْ فِیْ اَوَّلِ النَّھَارِ قَالَ وَکَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا فَکَانَ یَبْعَثُ تِجَارَتَہٗ فِیْ اَوَّلِ النَّھَارِ فَاَثْرٰی وَکَثُرَ مَالُہٗ. (رواہ ابن ماجہ)

صخر الغامدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا فرمائی' اے اللہ! سویرا میں میری اُمت کے لیے برکت عطا فرما دے' چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی لشکر جہاد کے لیے روانہ فرماتے

تو صبح سویرے روانہ کرتے' کہتے ہیں کہ حضرت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تاجر آدمی تھے' وہ اپنا تجارتی مال ہمیشہ صبح سویرے بھیجا کرتے تھے' اس کی برکت سے وہ خوشحال اور سرمایہ دار ہو گئے۔ (ابن ماجہ)

ایک صحابیہؓ کیلئے درازی عمر کی دُعا اور اس کا اثر

عَنْ اُمِّ قَيْسٍ تُوُفِّيَ ابْنِيْ فَجَزِعْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لِلَّذِيْ يَغْسِلُهُ لَا تَغْسِلِ ابْنِيْ بِالْمَاءِ الْبَارِدِ فَتَقْتُلُهُ فَانْطَلَقَ عَكَاشَةُ بْنُ مُحْصِنٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ بِقَوْلِهَا فَتَبَسَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا قَالَتْ طَالَ عمرها فَلَا نَعْلَمُ امْرَأَةً عُمِّرَتْ. (رواه النسائی)

حضرت اُم قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ اس حادثہ سے میں بہت گھبرائی (اور اس کا یہ اثر ہوا کہ ہوش و حواس جاتا رہا) چنانچہ میں غسل دینے والے سے کہنے لگی کہ میرے بیٹے کو ٹھنڈے پانی سے غسل نہ دو کہ وہ اس سے مرجائے گا' حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی کہ اس کا یہ حال ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مسکرائے' پھر فرمایا جس نے ایسا کہا اس کی عمر دراز ہو' لوگوں کا بیان ہے ہمارے علم میں اتنی عمر کسی اور عورت کو نہیں ملی۔ (نسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے ہدایت کی برکت

عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنُ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ رَافِعِ بِن سِنَانٍ اَنَّهٗ اَسْلَمَ وَ اَبَتْ امْرَأَتُهٗ اَنْ تُسْلِمَ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ ابْنَتِيْ وَهِيَ فَطِيْمٌ اَوْ شِبْهُهٗ وَقَالَ رَافِعٌ ابْنَتِيْ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْعُدْ نَاحِيَةً وَقَالَ لَهَا اُقْعُدِيْ نَاحِيَةً وَاَقْعَدَ الصَّبِيَّةَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ قَالَ اُدْعُوْهَا فَمَالَتِ الصَّبِيَّةُ اِلٰى اُمِّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اهْدِهَا فَمَالَتْ اِلٰى اَبِيْهَا فَاَخَذَهَا. (رواه ابو داؤد)

عبدالحمید بن جعفر راوی ہیں کہ رافع بن سنان نے بتایا کہ وہ مسلمان ہو گئے اور ان کی بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا' وہ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری بچی ہے (مجھے ملنی چاہیے) اور وہ بچی دودھ چھوڑ چکی تھی اور حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میری بچی ہے' ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک کنارے پر تم بیٹھ جاؤ اور ان کی بیوی سے کہا کہ دوسرے کنارے پر تو بیٹھ جا اور بچی کو دونوں کے درمیان میں آپ نے بٹھا دیا' پھر فرمایا اس بچی کو بلاؤ' پہلے بچی اپنی ماں کی طرف مائل ہوئی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا فرمائی' اے اللہ! تو اس بچی کو ہدایت دے چنانچہ اس کے بعد وہ اپنے باپ کی طرف آئی اور اس نے اسے اُٹھا لیا۔ (ابوداؤد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں شیطان کا متمثل نہ ہو سکنا

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْتَنُوْا بكنيتي وَمَنْ رَاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِيْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَتِيْ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ. (رواه البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے نام کے ساتھ نام

رکھو‘ لیکن میری کنیت نہ رکھو اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا اس لیے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آتا ہے اور جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ (بخاری)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شیطانی تصرف سے محفوظ کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل مبارک خواب کے اندر شیطان اختیار کرنے پر قادر نہیں ہے اس سے یہ طاقت سلب کر لی گئی ہے اور چاہیے بھی یہی کہ جو ہادی ہو اس کی صورت شیطان کسی حال میں اختیار نہ کر سکے اور جب خواب میں قادر نہیں ہے تو حالت بیداری میں تو بدرجہ اولیٰ قدرت نہیں ہو سکتی۔

خواب میں خیالی زیارت کا امکان بھی ہے اس کی نفی نہیں کی گئی ہے۔

واقعہ حرہ میں روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان کی آواز سننا

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ لَيَالِيَ الْحَرَّةِ وَمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرِيْ وَمَا يَاتِيْ وَقْتُ صَلٰوةٍ اِلَّا سَمِعْتُ الْاَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ. (رواہ ابو نعیم کذافی الخصائص)

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ واقعہ حرہ کی راتوں میں میں نے دیکھا اور اس دن میرے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد اقدس میں کوئی اور نہ تھا‘ کہ جب جب نماز کا وقت آتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر سے میں اذان کی آواز سنتا تھا۔ (خصائص)

تشریح: حرہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اس کی پیشین گوئی حدیث میں مذکور تھی۔ چنانچہ واقعہ بھی یزید کے زمانہ میں پیش آیا اور مدینہ منورہ میں سخت خون ریزی ہوئی۔ انسانی خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا‘ ہزاروں جانیں برباد ہوئیں۔ ان حالات میں مسجد نبویؐ میں کس کو آنے کی ہمت تھی‘ جان کے لالے پڑ رہے تھے‘ اس وقت اور بھی جبکہ قتل عام کا بازار گرم ہو۔

سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان حالات میں بھی مسجد نبویؐ سے جدا نہیں ہوئے۔ ان کے کان میں پنج وقتہ اذان کی آواز ٹھیک وقت پر روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آتی تھی اور اسی آواز پر آپ نماز ادا کرتے تھے۔

صحابہ کرامؓ کے مختلف سوالات کا جواب مرحمت فرمانا

اَخْبَرَنِيْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى لَهُمْ صَلٰوةَ الظُّهْرِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنبرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ اَنَّ قَبْلَهَا اُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّسْاَلَنِيْ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْاَلْنِيْ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ لَاتَسْاَلُوْنَنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ مَادُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَاَكْثَرَ النَّاسُ الْبُكَاءَ حِيْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ اَبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَبُوْكَ حُذَافَةُ فَلَمَّا اَكْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ بَرَكَ عُمَرُ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ حِينَ قَالَ عمر ذلک ثمّ قال رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَقَدْ عَرَضَتْ عَلَى الْجَنَّةُ وَالنَّارُ انِفًا فِي عرض هٰذَا الْحَائط فلم اركا لْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَخْبَرَنِىْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰه بن عُتْبَةَ قَالَ قَالَتْ اُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ مَا سَمِعْتُ بِابْنٍ قَطُّ اَعَقَّ مِنْکَ اَاَمِنْتَ اَنْ تَكُوْنَ اُمُّکَ قَدْ قَارَفَتْ بَعْضَ مَا تُقَارِفُ نِسَاءُ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَفْضَحَهَا عَلٰى اَعْيُنِ النَّاسِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَذَافَةَ وَاللّٰهِ لَوْ اَلْحَقَنِىْ بِعَبْدٍ اَسْوَدَ لَلَحِقْتُهٗ. (مسلم والبخاری)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آفتاب ڈھلنے کے بعد باہر تشریف لائے لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی' جب سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو چکے تو منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر چھیڑا اور اسی ضمن میں بیان فرمایا کہ قیامت سے پہلے بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے' پھر فرمایا جو شخص کسی چیز کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہے وہ مجھ سے دریافت کرے' خدا کی قسم! تم جو بھی مجھ سے سوال کرو گے میں تم کو اس کا جواب دوں گا مگر اس وقت تک جب تک میں اس جگہ موجود ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا تو بہت روئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار یہ جملہ فرما رہے تھے' تم پوچھو' آخر عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے پوچھا' فرمائیے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا باپ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ جب اس کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے تم مجھ سے پوچھو تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ ہم راضی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے' اسلام ہمارا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے رسول ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے جب کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ کلمات سنے' پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے' ابھی مجھ پر جنت و دوزخ دونوں اس دیوار کی طرف پیش کیے گئے میں نے آج بھلائی اور برائی کا جو منظر دیکھا ہے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے مجھ سے بتایا۔ انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے عبداللہ بن حذافہ سے کہا' تجھ جیسی نافرمان اولاد میں نے کبھی نہیں دیکھی' تیرے پاس اس کی کیا ضمانت تھی کہ تیری ماں نے زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح نازیبا حرکت نہ کی ہوگی۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو تم اس کو تمام لوگوں کے سامنے رسوا کیے ہوتے۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' خدا کی قسم! اگر آپ مجھ کو کسی حبشی غلام کی اولاد قرار دیتے تو بلا شبہ میں اپنے کو اُسی کے ساتھ منسوب کرتا۔ (بخاری ومسلم)

یہود کے سوالات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَضَرَتْ عَصَابَةٌ مِنَ الْيَهُوْدِ يَوْمًا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَدِّثْنَا عَنْ خِلَالٍ نَسْئَلُکَ عَنْهَا لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا نَبِيٌّ فَقَالَ سَلُوْنِىْ مِمَّا شِئْتُمْ وَلٰكِنِ اجْعَلُوْا لِىْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَمَا اَخَذَ يَعْقُوْبُ عَلٰى بنيهِ اِنْ اَنَا حَدَّثْتُكُمْ بِشَىْءٍ تَعْرِفُوْنَهٗ صِدْقًا لَتُتَابِعُوْنِىْ عَلَى الْاِسْلَامِ

قَالُوْا لَکَ ذٰلِکَ قَالَ فَسَلُوْنِیْ مِمَّا شِئْتُمْ قَالُوْا اَخْبِرْنَا عَنْ اَرْبَعِ خِلَالٍ اَخْبِرْنَا عَنِ الطَّعَامِ الَّذِیْ حَرَّمَ اِسْرَائِیْلُ عَلٰی نَفْسِہٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاۃُ وَاَخْبِرْنَا عَنْ مَاءِ الرَّجُلِ کَیْفَ یَکُوْنَ الذَّکَرُ مِنْہُ حَتّٰی یَکُوْنَ ذَکَرًا وَکَیْفَ یَکُوْنُ اُنْثٰی حَتّٰی یَکُوْنَ اُنْثٰی وَاَخْبِرْنَا کَیْفَ ھٰذَا النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ فِی التَّوْرَاتِ وَمَنْ وَّلِیُّہٗ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ قَالَ فَعَلَیْکُمْ عَھْدُ اللّٰہِ وَ مِیْثَاقُہٗ لَئِنْ اَنَا حَدَّثْتُکُمْ لَتُتَابِعُوْنِیْ فَاَعْطُوْہُ مَاشَاءَ مِنْ عَھْدٍ وَمِیْثَاقٍ قَالَ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرَاتَ عَلٰی مُوْسٰی ھَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ اِسْرَائِیْلَ مَرِضَ مَرَضًا شَدِیْدًا طَالَ سَقَبَہٗ فِیْہِ فَنَذَرَ لِلّٰہِ نَذْرًا لَاَنْ شَفَاہُ اللّٰہُ مِنْ سَقَمِہٖ لَیُحَرِّمَنَّ اَحَبَّ الشَّرَابِ وَاَحَبَّ الطَّعَامِ اِلَیْہِ وَکَانَ اَحَبُّ الشَّرَابُ اِلَیْہِ اَلْبَانَ الْاِبِلِ وَاَحَبَّ الطَّعَامِ اِلَیْہِ لَحُوْمَ الْاِبِلِ قَالُوْا اَللّٰھُمَّ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اَشْھَدَ عَلَیْھِمْ فَقَالَ فَاَنْشُدُکُمْ بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرَاتَ عَلٰی مُوْسٰی ھَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ مَاءَ الرُّجُلِ غَلِیْظٌ اَبْیَضُ وَ اَنَّ مَاءَ الْمَرْأَۃِ رَقِیْقٌ اَصْفَرُ فَاَیُّھُمَا عَلاکَانَ الْوَلَدُ وَالشَّبْہُ لَہٗ بِاِذْنِ اللّٰہِ قَالُوْا اَللّٰھُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ قَالَ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَ اَنْزَلَ التَّوْرَاتَ عَلٰی مُوْسٰی ھَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ ھٰذَا النَّبِیَّ تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبَہٗ قَالُوْا اَللّٰھُمَّ نَعَمْ قَالَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ قَالُوْا اَنْتَ الْاٰنَ حَدِّثْنَا مَنْ وَلِیُّکَ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ فَعِنْدَھَا تُجَامِعُکَ اَوْ نُفَارِقُکَ قَالَ وَلِیِّ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَلَمْ یَبْعَثِ اللّٰہُ نَبِیًّا قَطُّ اِلَّا وَھُوَ وَلِیُّہٗ قَالُوْا فَعِنْدَھَا نُفَارِقُکَ وَلَوْ کَانَ غَیْرُہٗ لَا تَّبَعْنَاکَ وَصَدَّقْنَاکَ قَالَ فَمَا یَمْنَعُکُمْ اَنْ تُصَدِّقُوْا بِہٖ قَالُوْا اِنَّہٗ عَدُوُّنَا مِنَ الْمَلَائِکَۃِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ اِلٰی قَوْلِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ. (رواہ ابو داؤد الطیالسی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک دن یہود کی ایک جماعت حاضر ہوئی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ سے چند باتیں پوچھتے ہیں' ان کو آپ ہم سے بیان فرما دیجئے کیونکہ ان باتوں کا جواب صرف نبی ہی جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم جن چیزوں کے متعلق چاہو مجھ سے سوال کرو لیکن تم اس کا عہد کرو کہ اگر میں تم کو ایسا جواب دیدوں جس کی صداقت تم کو بھی تسلیم ہو تو تم اسلام قبول کرلو گے اور اس بات کا بھی عہد کرو جس کا عہد یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے لیا تھا' یعنی یہ کہ تم خدا کی عبادت میں کسی کو ساجھی نہ گردانو گے؟ ان لوگوں نے کہا اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد ہے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ انہوں نے کہا چار باتوں کا جواب دیجئے۔ پہلی یہ کہ وہ کھانا کیا تھا جس کو توریت کے نزول سے پہلے اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا؟ دوسرے یہ بتائیے کہ مرد کی منی سے جب لڑکا بنتا ہے تو کیسے بنتا ہے؟ اور لڑکی بنتی ہے تو کیسے بنتی ہے؟ تیسرے یہ بیان فرمائیے کہ توراۃ میں اس نبی کی علامت کیا بیان کی گئی ہے؟ چوتھے یہ کہ فرشتوں میں سے کون سا فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ولی بنا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے اوپر خدا کا یہ عہد لازم کرلو کہ اگر میں نے ان کا جواب دے دیا تو تم

لوگ اسلام کے باب میں میری پیروی کرو گے۔ اس پر انہوں نے وعدے کیے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو اس خدائے پاک کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی تھی' کیا تم جانتے ہو کہ اسرائیل جب سخت بیمار ہوئے اور ان کی بیماری نے طول کھینچا تو انہوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا دی تو وہ اپنے اوپر کھانے پینے کی اس چیز کو حرام کر دیں گے جو سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگی' پینے کی چیزوں میں ان کو سب سے زیادہ پسند اونٹ کا دودھ تھا اور کھانے میں اونٹ کا گوشت (بعد صحت انہوں نے ایسا ہی کیا) یہ جواب سن کر یہود نے کہا اے اللہ! بیشک یہی بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے اللہ! تو گواہ رہ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی' کیا تم یہ نہیں جانتے کہ مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی زرد پتلی' ان میں جو غالب ہوتی ہے' بچہ اللہ کے حکم سے اسی کے مشابہ ہوتا ہے' یہ سن کر یہود بول اُٹھے' اے اللہ! بات بے شک یہی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' اے اللہ! تو گواہ رہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور جس نے تورات اتاری' کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اس نبی کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل بیدار رہتا ہے۔ انہوں نے کہا بے شک یہی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے اللہ! تو گواہ رہ' ان یہود نے کہا اب آپ یہ بیان فرمائیں کہ فرشتوں میں سے کون فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق کار ہے؟ اس کے بعد یا تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جائیں گے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو جائیں گے' یہ ہمارا آخری سوال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ولی اور رفیق کار جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب کبھی کسی نبی کو بھیجا یہی اس کے ولی اور رفیق ہوئے۔ یہود نے کہا بس اسی بات پر ہم آپ سے جدا ہوتے ہیں' اگر ان کے سوا کوئی اور فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوتا تو بلاشبہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر لیتے اور آپ کی تصدیق کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ان کی تصدیق کرنے سے تم کو کیا چیز روکتی ہے؟ انہوں نے کہا فرشتوں میں یہ ہمارے دشمن ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِلٰى قَوْلِهٖ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ" تک۔ (ابوداؤد طیالسی)

تشریح: اس حدیث میں ان سوالات کے جواب ہیں جو یہود کی طرف سے کیے گئے ہیں۔ جوابات میں کوئی گنجلک نہیں ہے نہ کوئی رو رعایت ہے' بے کم و کاست جو کچھ صحیح جواب ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرما دیا ہے اور ان یہود نے سب کی خود تصدیق کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے ہیں وہ بالکل درست اور صحیح ہیں' یہ بات جہاں آ کر یہود کے خلاف ہوئی ہے وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ انہوں نے یہاں پہنچ کر اپنی دشمنی کا اظہار کیا کہ وہ ہمارے دشمن ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق بات کے سلسلے میں یہود سے کوئی ایسی بات پسند نہیں فرمائی جس سے وہ محسوس کریں کہ حق گوئی اور حق پر جمے رہنے میں ہماری رعایت کی گئی۔ خدا کے دوست و دشمن میں میل میلاپ کی کوئی بات تک زبان پر لانا گوارا نہ ہوئی۔

یہود کا روح کے متعلق سوال اور اس کا جواب

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا اَمْشِيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ حَرْثٍ اَوْ خِرَبِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى عَسِيْبٍ مَعَهٗ فَمَرَرْنَا عَلٰى نَفَرٍ مِنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوْهُ اَنْ يَجِيْءَ فِيْهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُوْنَهٗ فَقَالَ بَعْضُهُمْ وَلَنَسْأَلَنَّهٗ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوْحُ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ يُوْحٰى اِلَيْهِ فَقَالَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلاً۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ کے بعض کھیت یا ویرانے میں چل رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک شاخ پر سہارا دے کر کھڑے ہوئے تھے' اتنے میں ہم یہود کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے' ان میں سے بعض نے اپنے بعض سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کرو' بعض نے کہا مت پوچھو' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے ایسی بات پیدا ہو جائے جس کو تم ناگوار سمجھو' بعض نے کہا کہ ہم ضرور پوچھیں گے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا اے ابوالقاسم! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روح کیا ہے؟ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ مجھے معلوم ہو گیا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوگی' پھر ان کے جواب میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ" یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے اور جو کچھ ان کو علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔ (بخاری)

اہل مکہ کا سوال کرنا اور جواب پانا

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَتْ قُرَيْشٌ النَّضْرَ بْنَ الْحَارِثِ وَعُقْبَةَ بْنَ اَبِيْ مُعَيْطٍ اِلٰى اَحْبَارِ يَهُوْدَ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالُوْا لَهُمْ اَسْئَالُوْهُمْ عَنْ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَصِفُوْا لَهُمْ صِفَتَهٗ وَاَخْبِرُوْهُمْ بِقَوْلِهٖ فَاِنَّهُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ الْاَوَّلِ وَعِنْدَهُمْ عِلْمٌ مَا لَيْسَ عِنْدَنَا مِنْ عِلْمِ الْاَنْبِيَاءِ فَخَرَجَا حَتّٰى قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَسَأَلُوْا اَحْبَارَ يَهُوْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَصَفُوْا لَهُمْ اَمْرَهٗ وَبَعْضَ قَوْلِهٖ وَقَالَا اِنَّكُمْ اَهْلُ التَّوْرَاةِ وَقَدْ جِئْنَاكُمْ لِتُخْبِرُوْنَا عَنْ صَاحِبِنَا هٰذَا قَالَ فَقَالَتْ لَهُمْ اَحْبَارُ يَهُوْدَ سَلُوْهُ عَنْ ثَلَاثٍ فَاٰمُرُكُمْ بِهِنَّ فَاِنْ اَخْبَرَكُمْ بِهِنَّ فَهُوَ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَاِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَالرَّجُلُ مُتَقَوِّلٌ فَرَوْا فِيْهِ رَأْيَكُمْ سَلُوْهُ عَنْ فِتْيَةٍ ذَهَبُوْا فِي الدَّهْرِ الْاَوَّلِ مَا كَانَ مِنْ اَمْرِهِمْ فَاِنَّهٗ قَدْ كَانَ لَهُمْ حَدِيْثٌ عَجِيْبٌ وَسَلُوْهُ عَنْ رَجُلٍ طَوَّافٍ بَلَغَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا مَا كَانَ نَبَأُهٗ وَسَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ مَا هُوَ فَاِنْ اَخْبَرَكُمْ بِذَالِكَ فَاِنَّهٗ نَبِيٌّ فَاتَّبِعُوْهُ وَاِنْ هُوَ لَمْ يَفْعَلْ فَهُوَ رَجُلٌ مُتَقَوِّلٌ فَاصْنَعُوْا فِيْ اَمْرِهٖ مَا بَدَا لَكُمْ فَاَقْبَلَ النَّضْرُ وَعُقْبَةُ حَتّٰى قَدِمَا مَكَّةَ عَلٰى قُرَيْشٍ فَقَالَا يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ قَدْ جِئْنَاكُمْ بِفَصْلِ مَا بَيْنَكُمْ

وَبَيۡنَ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ) قَدۡ اَمَرَنَا اَحۡبَارُ يَهُوۡدَ اَنۡ نَسۡأَلَهُ عَنۡ اُمُوۡرٍ فَاَخۡبَرُوۡهُمۡ بِهَا فَجَاءُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ خَبِّرۡوۡ فَافنسأَلُوۡهُ عَمَّا مَرُوۡهُمۡ بِهٖ فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اُخۡبِرُكُمۡ وَجَاءَ جِبۡرَئِيۡلُ مِنَ اللّٰهِ بِسُوۡرَةِ الۡكَهۡفِ فِيۡهَا خَبَرُ فَاسَأَلُوۡهُ عَنۡهُ مِنۡ اَمۡرِ الۡفِتيةِ وَالرَّجُلِ الطَّوَّافِ وَقَوۡلِ اللّٰهِ يَسۡئَلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ الخ. (ذكره محمد بن اسحق كمافى الجواب الصحيح)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش نے نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابومعیط کو مدینہ منورہ یہودی علماء کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان علماء سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں پوچھو اور ان سے ان کا حال بتاؤ اور ان کو یہ بھی بتاؤ کہ وہ ہم کو قرآن سناتے ہیں اس لیے وہ لوگ پہلی کتابوں کے جاننے والے ہیں اور ان کو انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو علم حاصل ہے وہ ہمیں حاصل نہیں۔ چنانچہ وہ دونوں چل کر مدینہ منورہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں علماء یہود سے پوچھا، ان علماء یہود سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بھی بتائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقوال بھی نقل کیے۔ انہوں نے علماء یہود سے کہا کہ آپ حضرات تورات کے عالم ہیں، ہم اسی واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ہمارے اس ہم وطن کے متعلق بیان کریں۔ علماء یہود نے ان سے کہا کہ تم جا کر (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) تین باتیں پوچھو، اگر وہ یہ باتیں بتادیں تو بے شک وہ خدا کے بھیجے ہوئے نبی ہیں اور اگر نہ بتائیں تو سمجھنا کوئی افتراء پرداز آدمی ہے، پھر جو سلوک تم مناسب سمجھنا کرنا۔ (۱) ان جوانوں کے بارے میں پوچھنا جو پہلے زمانہ میں اپنے شہر سے باہر چلے گئے تھے کہ ان کا معاملہ کیا ہے؟ کیونکہ ان کا قصہ عجیب قصہ ہے۔ (۲) اور پھر تم اس آدمی کے متعلق سوال کرنا جس نے زمین کے مشرق ومغرب حصہ کی سیاحت کی تھی کہ ان کا واقعہ کیا ہے؟ (۳) تیسرا سوال روح کے متعلق کرنا کہ وہ کیا ہے؟ اگر وہ ان چیزوں کے متعلق بتادیں تو بلاشبہ وہ نبی ہیں، ان کی پیروی کرنا اور اگر وہ یہ نہ بتاسکیں تو سمجھ لینا کہ وہ ایک بات بتانے والے آدمی ہیں۔ پھر ان کے ساتھ جو سلوک چاہنا کرنا۔ نضر اور عقبہ علماء یہود کی یہ باتیں سن کر مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور یہاں پہنچ کر کہا، اے قریش! ہم تمہارے پاس ایک فیصلہ کن بات۔ لے کر واپس ہوئے ہیں جو تمہارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان ہے۔ علماء یہود نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند باتیں پوچھیں، پھر انہوں نے اس کی تفصیل بیان کی۔ چنانچہ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا محمدؐ! ہمیں آپ ان باتوں کے متعلق بتائیں، پھر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ سوالات کیے جن کا علماء یہود نے ان کو حکم دیا تھا۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں ان کا جواب دے رہا ہوں اور اتنے میں جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ کہف لے کر نازل ہوئے جس میں ان نوجوانوں کا اور اس سیاح کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہ آیت بھی نازل ہوئی ”يَسۡئَلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ الخ“ (الجواب الصحیح)

تشریح: قریش کے سنجیدہ افراد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت معلوم کرنے کیلئے باضابطہ علماءِ یہود کے پاس اپنے نمائندے بھیجے کہ وہ جا کر ان سے نبوت کی علامت پر گفتگو کریں جن سے خود اپنی تشفی ہو سکے اور کوئی ذہنی خلفشار باقی نہ رہنے پائے۔ چنانچہ وہ آ کر اپنے بیان میں کہتے ہیں کہ ہم فیصلہ کن باتیں لے کر آئے ہیں اور پھر وہ خدمت نبویؐ میں

ان سوالات کو لے کر حاضر ہوتے ہیں اور سوال کرتے ہیں، جواب میں وحی کا نزول ہوتا ہے اور آپ ان کے سامنے جوابات بیان کرتے ہیں اور وہ اس سے مطمئن ہو کر واپس ہوتے ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی سرعت اشاعت میں ان چیزوں کو بڑا دخل ہے۔ سمجھ دار طبقہ جن میں ضد نہیں تھی ان کے دلوں میں یہ بات پہلے جاگزیں ہو چکی تھی کہ یہ سچے نبی ہیں کیونکہ وہ ہر پہلو سے جانچ چکے تھے دیکھ چکے تھے اور اطمینان حاصل کر چکے تھے۔

بکری کے زہر آلود گوشت کی اطلاع کہ اسمیں زہر ملایا گیا ہے

عَنْ جَابِرٍ ؓ اَنَّ يَهُوْدِيَةً مِنْ اَهْلِ خَيْبَر سَمَّتْ شَاةً مَصْلِيَّةً ثُمَّ اَهْدَتْهَا الرَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذراع فاكل مِنْهَا واكل رهط من اصحابه معه فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْفَعُوْا اَيْدِيْكُمْ وَاَرْسَلَ اِلَى الْيَهُوْدِيَّةِ فَدَعَاهَا فَقَالَ سَمَمْتِ هٰذِهِ الشَّاةَ فَقَالَتْ مَنْ اَخْبَرَكَ قَالَ اَخْبَرَتْنِى هٰذِهِ فِىْ يَدِى الذِّرَاعِ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ اِنْ كَانَ نَبِيًّا فَلَنْ تَضُرَّهُ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ نَبِيًّا اِسْتَرَحْنَا مِنْهُ فَعَفَا عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُعَاقِبْهَا وَتُوُفِّىَ اَصْحَابُهُ الَّذِيْنَ اَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ وَاحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كَاهله مِنْ اَجلِ الَّذِىْ اَكَلَ مِنَ الشَّاةِ حَجَمَهُ اَبُوْ هِنْدٍ بِالْقَرْنِ وَالشَّفْرَةِ وَهُوَ مَوْلًى لِبَنِىْ بَيَاضَةَ مِنَ الْاَنْصَارِ. (رواہ ابو داؤد والدارمی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اہل خیبر میں سے ایک یہودی عورت نے بکری کا گوشت زہر ڈال کر پکایا اور پھر اس کا ایک دست بطور ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ چنانچہ اُسے آپ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے بعض صحابہؓ نے کھانا شروع کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ہی فرمایا، تم لوگ کھانے سے پہلے اپنے ہاتھ روک لو (چنانچہ انہوں نے ہاتھ روک لیا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی عورت کو بلا بھیجا، (وہ آئی تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے بکری کے اس گوشت میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا کس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گوشت کے اسی ٹکڑے نے جو میرے ہاتھ میں ہے، اس یہودیہ نے کہا جی ہاں! میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوں گے تو آپ کو یہ نقصان نہیں پہنچائے گا اور اگر نبی نہ ہوں گے تو ہم آپ سے اطمینان کا سانس لیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اس کو معاف کر دیا اور اس کو کوئی سزا نہیں دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے وہ زہر آلود گوشت کھا لیا تھا ان کا انتقال ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زہر آلود گوشت کی وجہ سے اپنے شانوں کے درمیان پچھنا لگوایا کرتے تھے، پچھنا لگانے والا ابو ہند تھا جو سینگ اور نشتر سے پچھنا لگایا کرتا تھا اور یہ انصار قبیلہ بنو بیضہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ (ابوداؤد و دارمی)

تشریح: اللہ تعالیٰ جس کو رسالت و نبوت کی دولت سے نوازتے ہیں اس کی قدر و منزلت انسان ناشکرے کے علاوہ ساری مخلوق اپنا فرض سمجھتی ہے اس لیے یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ گوشت کے ٹکڑے نے خبر دی کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے تا کہ خدا کے برگزیدہ رسول اس کے مہلک اثرات سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں۔

باقی جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے جو اثر رکھا ہے وہ اثر بہرحال اپنا کام کرتا ہے۔ چنانچہ جس مقدار میں زہر نے جسموں میں اثر کیا، اپنا عمل دکھایا حتیٰ کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی اس کا اثر ظاہر ہو کر رہا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گوشت کے بارے میں خبر دینا

عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيه عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جنازَةٍ فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوْصِي الحافِرَ يَقُوْلُ اَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ اَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ فَلَمَّا رَجَعَ اِسْتَقْبَلَ دَاعِي اِمْرأَتِهِ فَاَجَابَ وَنَحْنُ مَعَهُ فَجِيْئَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَاَكَلُوْا فَنَظَرْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُوْكُ لُقْمَةً فِيْ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ اَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ اُخِذَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَاَرْسَلَتِ الْمَرأَةُ تَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَرْسَلْتُ اِلَى النَّقِيْعِ وَهُوَ مَوْضَعٌ يُبَاعُ فِيْهِ الْغَنَمُ لِيَشْتَرِیٰ لِيْ شَاةٌ فَلَمْ تُوجَدْ فَاَرْسَلْتُ اِلٰى جارلِي اشترىٰ ان يُرسل بها اليّ بثمنها فلم يوجد فارسلتُ الى امراتِه فارسلت اليّ بها فقال رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اطعمى هذالطعام الاسرىٰ. (رواہ ابو داؤد)

عاصم بن کلیب سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک انصاری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم لوگ ایک جنازہ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے، میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ قبر کے پاس تھے اور قبر کھودنے والے کو تاکید فرما رہے تھے کہ اس کے پاؤں کی طرف سے ذرا کشادہ کرنا اور سراہنے کی طرف سے بھی کشادہ کرنا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفن کے بعد واپس ہوئے تو سامنے سے اس مرنے والے کی بیوی کی طرف سے ایک بلانے والا آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بلاوا قبول فرمالیا اور اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ چنانچہ ہم لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئے، آپ کی خدمت میں کھانا لایا گیا، پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کیا، پھر قوم نے اور سبھوں نے کھایا، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ ایک لقمہ منہ میں لے کر چبا رہے ہیں، پھر فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس بکری کا گوشت ہے جو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پکڑ لی گئی ہے۔ مرنے والے کی بیوی نے کہلا بھیجا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعہ یہ ہے کہ میں نے بازار نقیع میں جہاں بکریاں فروخت ہوتی ہیں ایک آدمی بھیجا کہ وہ جا کر میرے لیے ایک بکری خرید لائے، اس کو بکری نہیں ملی، پھر میں نے اسے اپنے ایک پڑوسی کے پاس بھیجا جس نے ایک بکری خرید رکھی تھی کہ قیمت لے کر وہ بکری مجھے بھیج دے، وہ بھی نہ ملا، پھر میں نے اس کی بیوی کے پاس آدمی بھیجا، چنانچہ اس کی بیوی نے وہ بکری میرے پاس بھیج دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ (ابوداؤد)

تشریح: تلخ و شیریں اور نمکین و پھیکا کا احساس ہر باذوق بلکہ بے ذوق انسان بھی کر لیتا ہے۔ انبیاء و رسل کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسی طرح حلال و حرام کی تمیز بھی زبان پر رکھتے ہی کر لیتے ہیں کہ یہ کھانا حرام ہے یا حلال، جائز ہے یا ناجائز، ان کا ذوق اس سلسلہ میں عمدہ ہوتا ہے، کھانا زبان حال سے گویا ان سے خود کہتا ہے کہ ہماری نوعیت یہ ہے۔

اُمت میں بھی بعض افراد ایسے ہوتے ہیں کہ کھانے کو گو وہ ناجائز کھانا دھوکہ میں کھا لیتے ہیں۔ مگر ان کو وہ ہضم نہیں ہوتا' قے کے ذریعے وہ باہر نکل آتا ہے اور کبھی ناجائز کھانے سے اندر سے طبیعت خود بخود بتایا کرتی ہے۔ باقی رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان جو زبان رسالت کا فریقہ بھی انجام دیتی رہی اس کو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا احساس نہ ہوتا تو پھر کس کو ہوتا۔

عدیؓ بن حاتم کے اسلام کی پیشین گوئی

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ جَالِسٌ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ ھٰذَا عَدِیٌّ وَکُنْتُ جِئْتُ بِغَیْرِ اَمَانٍ وَلَا کِتَابٍ فَلَمَّا دُفِعْتُ اِلَیْہِ اَخَذَ بِیَدِیْ وَقَدْ کَانَ بَلَغَنِیْ اَنَّہٗ کَانَ قَالَ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ یَجْعَلَ اللّٰہُ یَدَہٗ فِیْ یَدِیْ قَالَ فَقَامَ لِیْ قَالَ فَلَقِیَتْہُ اِمْرَأَۃٌ مَعَھَا صَبِیٌّ فَقَالَا اِنَّ لَنَا اِلَیْکَ حَاجَۃً فَقَامَ مَعَھَا حَتّٰی قَضٰی حَاجَتَھُمَا ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ حَتّٰی اَتٰی دَارَہٗ فَاَلْقَتْ لَہُ الْوَلِیْدَۃُ وَسَادَۃً فَجَلَسَ عَلَیْھَا وَجَلَسْتُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ لِیْ یَاعَدِیُّ مَا یُعِزُّکَ مِنَ الْاِسْلَامِ اَنْ تَقُوْلَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَھَلْ تَعْلَمُ مِنْ اِلٰہٍ سِوَی اللّٰہِ قُلْتُ لَا ثُمَّ تَکَلَّمَ سَاعَۃً ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا تَفِرُّ اَنْ تَقُوْلَ اللّٰہُ اَکْبَرُ فَھَلْ تَعْلَمُ شَیْئًا اَکْبَرُ مِنَ اللّٰہِ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّ الْیَھُوْدَ مَغْضُوْبٌ عَلَیْھِمْ وَالنَّصَارٰی ضُلَّالٌ قُلْتُ فَاِنِّیْ حَنِیْفٌ مُسْلِمٌ قَالَ فَرَأَیْتُ وَجْھَہٗ تَبَسَّطَ فَرِحًا ثُمَّ اَمَرَبِیْ فَاُنْزِلْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَجَعَلْتُ اَغْشَاہُ اٰتِیْہِ طَرَفَیِ النَّھَارِ۔ (رواہ الترمذی)

عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے' لوگوں نے (مجھے دیکھ کر) کہا یہ عدی بن حاتم ہے' میں آپ کی خدمت میں اچانک آیا تھا نہ میرے پاس امان نامہ تھا اور نہ کوئی تحریر تھی' جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا' مجھے پہلے یہ خبر مل چکی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مجھے اُمید ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا' انہوں نے کہا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے' انہوں نے کہا اتنے میں ایک عورت بچہ لیے ہوئے آئی اور اس نے درخواست کی کہ مجھے آپ سے ایک ضرورت ہے' آپؐ یہ سنتے ہی اس کے ساتھ ہو لئے' یہاں تک کہ ان کی ضرورت پوری کی اور پھر آ کر میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا اور اسی طرح مجھے اپنے گھر میں لائے' لونڈی نے فوراً ایک گدا بچھا دیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھ گئے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور اس کے بعد مجھ سے فرمایا' اے عدی! کونسی چیز ہے جو تم کو اسلام سے روکتی ہے اور اس بات سے کہ تم کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کے سوا بھی کوئی معبود ہے؟ میں نے کہا نہیں' پھر ایک گھنٹہ مجھ سے بات کرتے رہے۔ پھر فرمایا' کیا تم اس سے بھاگتے ہو کہ تم اللہ اکبر کہو' کیا تمہارے علم میں اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز ہے؟ میں نے کہا نہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہود پر اللہ کا غضب ہے اور نصاریٰ پرلے درجے کے گمراہ ہیں' میں نے عرض کی میں تو دین حنیف کا مطیع بنتا ہوں' عدی

کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے کھل پڑا ہے، پھر میرے باب میں حکم فرمایا اور میں ایک انصاری کے یہاں مہمان بنا دیا گیا۔ پس میں صبح و شام خدمت اقدس میں حاضری دینے لگا۔ (ترمذی)

پیشین گوئی کے مطابق امیہ کا بدر میں قتل کیا جانا

عَنْ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ اَنَّهُ قَالَ كَانَ صَدِيْقًا لِاُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَكَانَ اُمَيَّةُ اِذَا مَرَّ بِالْمَدِيْنَةِ نَزَلَ عَلٰى سَعْدٍ وَكَانَ سَعْدٌ اِذَا مَرَّ بِمَكَّةَ نَزَلَ عَلٰى اُمَيَّةَ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اِنْطَلَقَ سَعْدٌ مُعْتَمِرًا فَنَزَلَ عَلٰى اُمَيَّةَ بِمَكَّةَ فَقَالَ لِاُمَيَّةَ اُنْظُرْ لِيْ سَاعَةَ خَلْوَةٍ لَعَلِّيْ اَنْ اَطُوْفَ بِالْبَيْتِ فَخَرَجَ بِهٖ قَرِيْبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ فَلَقِيَهُمَا اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ يَا اَبَا صَفْوَانَ مَنْ هٰذَا مَعَكَ فَقَالَ هٰذَا سَعْدٌ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ جَهْلٍ اَلَا اَرَاكَ تَطُوْفُ بِمَكَّةَ اٰمِنًا وَقَدْ اٰوَيْتُمُ الصُّبَاةَ وَزَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ تَنْصُرُوْنَهُمْ وَتُعِيْنُوْنَهُمْ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْلَا اَنَّكَ مَعَ اَبِيْ صَفْوَانَ مَا رَجَعْتَ اِلٰى اَهْلِكَ سَالِمًا فَقَالَ لَهٗ سَعْدٌ وَرَفَعَ صَوْتَهٗ عَلَيْهِ اَمَا وَاللّٰهِ لَئِنْ مَنَعْتَنِيْ هٰذَا لَاَمْنَعَنَّكَ مَا هُوَ اَشَدُّ عَلَيْكَ مِنْهُ طَرِيْقَكَ عَلٰى اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهٗ اُمَيَّةُ لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ يَا سَعْدُ عَلٰى اَبِي الْحَكَمِ سَيِّدِ اَهْلِ الْوَادِيْ فَقَالَ سَعْدٌ دَعْنَا عَنْكَ يَا اُمَيَّةُ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُمْ قَاتِلُوْكَ قَالَ بِمَكَّةَ قَالَ لَا اَدْرِيْ فَقَالَ اُمَيَّةُ وَاللّٰهِ لَا اَخْرُجُ مِنْ مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ اِسْتَنْفَرَ اَبُوْجَهْلٍ النَّاسَ قَالَ اَدْرِكُوْا عِيْرَكُمْ فَكَرِهَ اُمَيَّةُ اَنْ يَّخْرُجَ فَاَتَاهُ اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ يَا اَبَا صَفْوَانَ اِنَّكَ مَتٰى يَرَاكَ النَّاسُ قَدْ تَخَلَّفْتَ وَاَنْتَ سَيِّدُ اَهْلِ الْوَادِيْ تَخَلَّفُوْا مَعَكَ فَلَمْ يَزَلْ بِهٖ اَبُوْجَهْلٍ حَتّٰى قَالَ اَمَّا اِذَا غَلَبْتَنِيْ فَوَاللّٰهِ لَاَشْتَرِيَنَّ اَجْوَدَ بَعِيْرٍ بِمَكَّةَ ثُمَّ قَالَ اُمَيَّةُ يَا اُمَّ صَفْوَانَ جَهِّزِيْنِيْ فَقَالَتْ لَهٗ يَا اَبَا صَفْوَانَ وَقَدْ نَسِيْتَ مَا قَالَ لَكَ اَخُوْكَ الْيَثْرِبِيُّ قَالَ لَا وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَخْرُجَ مَعَهُمْ اِلَّا قَرِيْبًا فَلَمَّا خَرَجَ اُمَيَّةُ اَخَذَ لَا يَنْزِلُ مَنْزِلًا اِلَّا عَقَلَ بَعِيْرَهٗ فَلَمْ يَزَلْ بِذٰلِكَ حَتّٰى قَتَلَهُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ. (رواه البخاری فی باب من يقتل ببدر)

سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ وہ امیہ بن خلف کے دوست تھے چنانچہ امیہ بن خلف مدینہ منورہ سے گزرتا تھا تو وہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قیام کرتا اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مکہ جاتے تو امیہ کے پاس ٹھہرتے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کے لیے مکہ آئے۔ چنانچہ آپ نے امیہ کے پاس قیام کیا، امیہ سے آپ نے کہا تم دیکھنا کہ ایک گھنٹہ فراغت کا مجھے مل جائے کہ میں بیت اللہ کا طواف کرلوں۔ چنانچہ دوپہر کے وقت امیہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر طواف کے لیے چلے، راستہ میں ابوجہل کی ان دونوں سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا، ابوصفوان! (امیہ کی کنیت ہے) یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ امیہ نے جواب دیا یہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ابوجہل نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اطمینان کے ساتھ طواف کررہے ہو حالانکہ تم نے ان بتوں سے رشتہ توڑنے والوں کو پناہ دے رکھی ہے اور تمہارا خیال ہے کہ تم ان کی مدد بھی کروگے اور ان کو قوت بھی پہنچاؤ گے۔ خدا کی قسم! اگر

تم اس وقت صفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو پھر صحیح سالم (زندہ) گھر نہیں لوٹ سکتے تھے۔ یہ سن کر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوجہل کو جواب دیا اور ان کی آواز تیز تھی۔ سنو خدا کی قسم! اگر تم مجھے اس طواف سے روکو گے تو میں تم کو ایسی بات سے روک دوں گا جو تم پر اس سے بھی زیادہ شاق گزرے گی یعنی اہل مدینہ کی طرف سے تیرا تجارتی راستہ بند کر دوں گا۔ اُمیہ نے کہا اے سعد! تم ان سے تیز ہو کر نہ بولو یہ ابوالحکم (کنیت ابوجہل) وادی کے سردار ہیں۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اے امیہ! تم رہنے دو خدا کی قسم! میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ تم کو قتل کر ڈالیں گے۔ اُمیہ نے پوچھا' مکہ میں؟ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ میں نہیں جانتا کہ کہاں۔ اُمیہ نے کہا خدا کی قسم! میں مکہ سے باہر نہیں نکلوں گا۔ چنانچہ جب کچھ دنوں بعد غزوہ بدر پیش آیا تو ابوجہل نے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا لوگو! تم اپنے تجارتی قافلہ کی خبر لو وہ روک لیا گیا ہے' اس موقع سے امیہ نکلنا پسند نہیں کرتے تھے' ابوجہل کو جب اس کا احساس ہوا تو وہ خود اس کے پاس آ کر کہنے لگا' اے ابوصفوان! جب لوگ دیکھیں گے کہ تم ہی پیچھے رہ گئے ہو حالانکہ تم وادی کے سردار ہو تو وہ لوگ بھی پیچھے رہ جائیں گے۔ ابوجہل اس کو برابر یہ سمجھاتا رہا یہاں تک کہ اس نے کہا کہ جب تم مجھے نہیں چھوڑتے تو میں خدا کی قسم! مکہ میں جو سب سے عمدہ اونٹ ہے اس کو خریدتا ہوں اس کے بعد اپنی بیوی اُم صفوان سے امیہ نے کہا سامان سفر تیار کرو' اس کی بیوی نے ابوصفوان کو یاد دلایا کہ تم کیا وہ بات بھول گئے جو تمہارے یثربی دوست نے کہی تھی' ابوصفوان نے کہا بھولا نہیں ہوں مگر صرف دو چار دن ان کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ جب اُمیہ نکلا تو اس نے اس کا پورا اہتمام کیا کہ جس منزل پر قیام کرتا تھا اپنا اونٹ اپنے پاس ہی باندھتا تھا (تاکہ موقع پر بھاگ سکے) وہ برابر ایسا ہی کرتا رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر میں ہلاک کر دیا۔ (بخاری)

حضرت داؤد علیہ السلام کا زبور پڑھنے کی خبر دینا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُفِّفَ عَنْ دَاوٗدَ الْقُرْاٰنُ وَکَانَ یَاْمُرُ بِدَوَابِّهٖ فَتُسْرَجُ فَیَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهٗ وَلَا یَاْکُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ یَدَیْهِ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور پڑھنا بہت ہلکا کر دیا گیا تھا۔ آپ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم فرماتے اور اِدھر زبور پڑھنا شروع کرتے اور ابھی سواری پر زین کسا بھی نہیں جاتا کہ آپ زبور پڑھ چکتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ (رواہ البخاری)

تشریح: قدرت کے یہاں یہ بھی ایک خاص بات ہے کہ جب کوئی کسی عمل صالح پر مداومت کرتا ہے تو وہ اسے اس کے لیے بہت سہل کر دیتی ہے اور اس میں ایسی برکت ہوتی ہے کہ وہ آن کی آن میں ہو جاتا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات تاریخ میں موجود ہیں اور جن لوگوں کو نیک کام کرنے کا تجربہ ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ عمل صالح کے خوگر سے یہ کام منٹوں میں ہو جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر پر عصا مارنے کا تذکرہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مُوْسٰی کَانَ رَجُلًا حَیِیًّا

سِتِّيْرًا لَا يُرٰى مِنْ جِلْدِهٖ شَيْءٌ اِسْتِحْيَاءً مِنْهُ فَاٰذَاهُ مَنْ اٰذَاهُ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَقَالُوْا مَا يَسْتَتِرُ هٰذَا السَّتَّرَ اِلَّا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهٖ اِمَّا بَرَصٌ وَاِمَّا اُدْرَةٌ وَاِمَّا اٰفَةٌ وَاَنَّ اللّٰهَ اَرَادَ اَنْ يُبَرِّئَهٗ مِمَّا قَالُوْا بِمُوْسٰى فَخَلَا يَوْمًا وَّحْدَهٗ فَوَضَعَ ثِيَابَهٗ عَلَى الْحَجَرِ ثُمَّ اغْتَسَلَ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ اِلٰى ثِيَابِهٖ لِيَاْخُذَ وَاَنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهٖ فَاَخَذَ مُوْسٰى عَصَاهُ وَطَلَبَ الْحَجَرَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ ثَوْبِيْ حَجَرُ ثَوْبِيْ حَجَرُ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى مَلَاءٍ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ فَرَاَوْهُ عُرْيَانًا اَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَاَبْرَأَهٗ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ وَقَامَ حَجَرٌ فَاَخَذَ ثَوْبَهٗ فَلَبِسَهٗ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِنْ اَثَرِ ضَرْبِهٖ ثَلٰثًا اَوْ اَرْبَعًا اَوْ خَمْسًا فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا۔ (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام بہت شرمیلے اور پردہ والے شخص تھے' حیا کا اثر یہ تھا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ کھلا ہوا دیکھا نہیں جا سکتا تھا' بنی اسرائیل میں سے جس کو ایذاء پہنچانی تھی اس نے آپ کو ایذاء پہنچائی اور وہ کہنے لگے کہ آپ اتنا پردہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہونہ ہو آپ کے جسم میں کوئی نہ کوئی عیب ہے یا برص ہو' یا ورم خصیہ یا اسی طرح کی کوئی اور بیماری' اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ آپ کو ان عیوب سے بری کر دے جو وہ لگاتے تھے چنانچہ ایک دن آپ علیہ السلام نے تنہائی میں اپنے کپڑے اُتار کر پتھر پر رکھ دیئے' پھر غسل کرنے لگے' جب غسل سے فارغ ہوئے' کپڑے کی طرف متوجہ ہوئے کہ اس کو لے کر پہنیں لیکن وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی اُٹھائی اور پتھر سے کپڑے کا مطالبہ کیا اور فرمانے لگے' پتھر میرے کپڑے لاؤ' پتھر میرے کپڑے دو' اس کا پیچھا کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے ایک مجمع کے پاس پہنچ گئے' انہوں نے آپ علیہ السلام کو ننگا دیکھا اور اُن تمام عیوب سے پاک جو بنی اسرائیل (برص وغیرہ کا) لگاتے تھے' یہاں آ کر پتھر رُک گیا' آپ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لیے اور پہنے اور پھر اپنی لاٹھی سے پتھر کو مارنے لگے' خدا کی قسم! آپ کے ڈنڈے برسانے کی وجہ سے پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشان پڑ گئے' اسی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا الخ" (بخاری شریف)

تشریح: اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بالخصوص انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے' پتھر میں شعور کا پیدا ہو جانا' کوئی مستبعد چیز نہیں ہے اور جب ایک پتھر باشعور انسان کا سا وطیرہ اختیار کرے تو اس کی تنبیہ بھی اسی طرح ہونی چاہیے۔ باقی مار سے نشانات کا پڑنا کوئی حیرت انگیز بات سرے سے نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ جو واقعہ خرق عادت کے طور پر واقع ہوا سے دن رات کے واقعات پر قیاس کرنا اور اس نقطہ نظر سے دیکھنا سرے سے غلط ہے۔ اگر زمین کا کرہ حرکت کر سکتا ہے تو پتھر کی حرکت پر تعجب کیوں کیجئے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کا ذکر فرمانا

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُمِرَ اَنْ يَخْتَتِنَ وَهُوَ حِيْنَئِذٍ اِبْنُ ثَمَانِيْنَ سَنَةً فَعَجَّلَ

وَاخْتَتَنَ بِالْقُدُوْمِ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْوَجْعُ فَدَعَا رَبَّهُ فَاَوْحٰى اِلَيْهِ اَنَّکَ عَجَّلْتَ قَبْلَ اَنْ نَامُرَکَ بِاٰلَتِهٖ قَالَ يَا رَبِّ كَرِهْتُ اَنْ اُؤَخِّرَ اَمْرَکَ. (درمنثور ص ١١٥ ج ١)

حضرت علی بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب اسی سال کی ہوئی تو آپ علیہ السلام کو ختنہ کا حکم کیا گیا، حکم ملتے ہی آپ علیہ السلام نے جلدی کی اور بسولہ لیکر اپنا ختنہ کرلیا۔ اس میں سخت تکلیف ہوئی تو آپ علیہ السلام نے پروردگار سے دُعا کی وحی آئی تو نے جلدی کی آلہ کا ابھی میں نے حکم نہیں دیا تھا، انہوں نے کہا الٰہ العالمین! میں نے تاخیر پسند نہیں کی۔ (درمنثور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین باتوں کا ذکر فرمانا

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ كَلِمَاتِ اِبْرَاهِيْمَ الثلاثِ الَّتِیْ قَالَ مَا مِنْهَا كَلِمَةٌ اِلَّا مَاحَلَ بِهَا عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ. (رواہ ابن ابی حاتم)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین باتوں کے متعلق فرمایا کہ ان میں سے کوئی بات ایسی نہ تھی جن سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی تائید نہ ہو۔ (ابن ابی حاتم)

تشریح: کذب اصطلاح میں ”جھوٹ“ کے معنی میں اس طرح ہمارے یہاں مشہور ہوگیا ہے کہ سننے کے ساتھ فوراً ذہن اسی طرف جاتا ہے حالانکہ کتاب وسنت میں کذب کا لفظ ”خطا“، ”غلطی“ اور ”خلاف واقعہ“ مضمون میں بکثرت مستعمل ہے، پھر اسے بھی سامنے رکھئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان بہت اونچی ہوتی ہے اور بلند فطرت ہوتے ہیں۔ مخاطبوں کو چونکہ مراد کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی اس لیے اسے کذب سے تعبیر کیا۔ حالانکہ وہ درحقیقت صدق تھا اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں باتوں کے متعلق وضاحت فرمادی کی ہر طرح وہ صحیح تھیں۔

آتشِ نمرود میں چھپکلی کے پھونک مارنے کا ذکر فرمانا

عَنْ نَافِعٍ اِنَّ اِمْرَاَةً دَخَلَتْ عَلٰى عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فَاِذَا رُمْحٌ مَنْصُوْبٌ فَقَالَتْ مَا هٰذَا الرُّمْحُ فَقَالَتْ نَقْتُلُ بِهِ الْاَوْزَاغَ ثُمَّ حَدَّثَتْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَمَّا اُلْقِیَ فِی النَّارِ جَعَلَتِ الدَّوَابُّ كُلُّهَا تُطْفِئُ عَنْهُ النَّارَ اِلَّا الْوَزَغَ فَاِنَّهٗ جَعَلَ يَنْفُخُهَا عَلَيْهِ. (رواہ احمد)

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ ایک نیزہ رکھا ہوا ہے، اس نے پوچھا یہ کیسا نیزہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس سے ہم چھپکلیاں مارتے ہیں، پھر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس وقت آگ میں ڈالے گئے تھے تو تمام جانور آگ بجھانے کی فکر میں تھے سوائے چھپکلی کے، کہ یہ اسے ہوا دیتی تھی یعنی پھونک مارتی تھی۔ (رواہ احمد)

تشریح: طبیعت کی سلامتی وخباثت حیوانات اور انسان کے فطری خواص سے ہیں، کوئی ضروری نہیں ہے کہ سارا کام سوچ سمجھ کر ہی کیا جائے، فطرت سے آدمی اور بعض جانور مجبور ہوتے ہیں، بچھو کا ڈسنا، زہریلے جانور کا کاٹنا، اسی

طرح چھپکلی کا پھونک مارنا، یہ سب سے فطری خواص ہیں۔ یہاں بھی اس نے آگ میں پھونک ماری تو کچھ سوچ سمجھ کر نہیں بلکہ اس کی فطرت نے اسے مجبور کیا اور اس کو اسی میں مزہ آیا۔

مسیلمہ، عنسی اور مختار کے مدعیانِ نبی ہونے کی پیشین گوئی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلٰثُوْنَ كَذَّابًا دَجَّالاً مِنْهُمُ الْمُسَيْلَمَةُ وَالْعَنَسِيُّ وَالْمُخْتَارُ. (ابو یعلی فتح الباری)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آسکتی ہے جب تک تیس جھوٹے دجال نہ پیدا ہو چکیں گے جن میں مسیلمہ، عنسی اور مختار بھی ہیں۔ (ابو یعلی فتح الباری)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ پیشین گوئی بھی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور مسیلمہ، اسود عنسی اور مختار نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا اور اس طرح اپنے آپ کو مستحق جہنم بنایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیس جھوٹے مدعیان نبوت کے متعلق پیشین گوئی

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سَيَكُوْنُ فِىْ اُمَّتِىْ كَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهُ نَبِىٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِىَّ بَعْدِىْ. (رواہ مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری اُمت میں تیس بہت بڑے جھوٹے ہوں گے، یہ سب کے سب اپنے متعلق خیال کریں گے کہ وہ نبی ہیں حالانکہ میں خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (مسلم شریف)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صراحت کے باوجود کچھ لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی تصدیق ہو کر رہی۔ اس میں قطعاً شبہ نہیں ہے کہ نبوت کا دروازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے کسی طرح کا کوئی نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہرگز نہیں ہو سکتا۔

قیامت تک کے بڑے بڑے واقعات کا بیان فرمانا

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَاتَرَكَ شَيْئًا يَقُوْمُ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِىْ هٰؤُلَاءِ وَاَنَّهٗ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّىْءُ قَدْ نَسِيْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْكُرُهٗ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ عَرَفَهٗ. (متفق علیہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ میں ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو چیز ہونے والی تھی ان میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑا، سب کو بیان کر دیا جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا اور اس کو میرے تمام ساتھی جانتے ہیں اور یقیناً ایسا ہوتا رہتا ہے کہ میں کوئی بات بھول

جا تا ہوں لیکن جب وہ کبھی سامنے آتی ہے تو وہ بات اس طرح یاد آجاتی ہے جیسا کہ ایک دیکھا ہوا شخص جب غائب ہو جاتا ہے اور پھر جب کبھی وہ سامنے آتا ہے تو دیکھنے والا اسے پہچان لیتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: وحی کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بات معلوم ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جب کبھی موقع ملتا اُمت کے سامنے رکھ دیتے۔ اسی طرح کا واقعہ یہ تھا' آپ کو بتایا گیا ہوگا کہ قیامت تک یہ یہ اہم واقعات رونما ہونے والے ہیں' کسی وعظ میں یہ مضمون آ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ فرما دیا' یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی بات چھوڑی ہی نہیں اور ایک ایک جزئی بات بیان فرما دی۔ یہ ایک محاورہ ہے کہ جب تفصیل سے کوئی بات کو بیان کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ ساری باتیں بیان کر دی گئیں' کوئی بات رہ نہ گئی۔

اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہم چیزوں کی نشان دہی فرمادی تھی تا کہ اُمت متنبہ ہو جائے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِیْ اَنسِیَ اَصْحَابِیْ تَنَاسَوْا وَاللّٰهِ مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَاعِدِ فِتْنَةٍ اِلٰی اَنْ تَنْقَضِیَ الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَعَهٗ ثَلٰثمأَةٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاِسْمِهٖ وَاِسْمِ اَبِيْهِ وَاِسْمِ قَبِيْلَتِهٖ. (رواہ ابو داؤد)

روساء فتن کے ناموں کی نشان دہی

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میرے رفقاء واقعی فراموش کر گئے یا وہ تجاہل عارفانہ کرتے ہیں' خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے خاتمہ تک کے ان تمام قائدین فتنہ کا نام اور اس کے باپ اور قبیلہ کا نام ہمیں بتا دیا ہے جن کی جماعت تین سو تک یا اس سے اوپر تک ہوگی۔ (رواہ ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت تک جو بڑے بڑے فتنے ہونے والے تھے اور ان کے جو قائدین تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام پر روشنی ڈال دی' یہ منشاء نہیں ہے کہ کوئی بات رہ نہ گئی ورنہ یہ ستم ہے کہ عہد نبویؐ سے لے کر قیامت تک کل کچھ اوپر تین سو ہی فتنے برپا نہیں ہوں گے' ہزاروں لاکھوں فتنے تو شاید ہو چکے ہوں گے۔

باقی عالم الغیب ہونے کا دعویٰ اس سے ثابت کرنا یہ زبردستی والی بات ہوگی۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی جو باتیں معلوم ہوتی تھیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں وہ ساری باتیں جن کو مناسب سمجھتے اُمت کے سامنے بیان فرما دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کے منافقین

عَنْ قَيْسٍ قَالَ قُلْتُ لِعَمَّارٍ اَرَاَيْتُهُمْ صَنِيْعَكُمْ هٰذَا الَّذِیْ صَنَعْتُمْ فِیْ اَمْرِ عَلِیٍّ اَرَاْيًا رَاَيْتُمُوْهُ اَوْ شَيْئًا عَهِدَهٗ اِلَيْكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عَهِدَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْهَدْهُ اِلَی النَّاسِ كَافَّةً وَلٰكِنْ حُذَيْفَةُ اَخْبَرَنِیْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَصْحَابِیْ اثنا عَشَرَ مُنَافِقًا فِیْھِمْ ثَمَانِیَۃٌ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ثَمَانِیَۃٌ مِّنْھُمْ تَکْفِیْھِمُ الدُّبَیْلَۃُ وَاَرْبَعَۃٌ لَمْ اَحْفَظْ مَا قَالَ شُعْبَۃُ فِیْھِمْ. (رواہ مسلم)

حضرت قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ فرمائیے' آپ کی یہ روش جو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ میں اختیار کی ہے یہ آپ کی ذاتی رائے ہے جو آپ کی سمجھ میں آئی ہے یا آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عہد تھا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بات ہم سے ایسی نہیں کہی جو آپ نے عام مسلمانوں سے نہ فرمائی ہو لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' میری اُمت میں بارہ منافق ہوں گے ان میں سے آٹھ جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو جائے' ان کی پشت پر پھوڑا نکلے گا اور وہی ان کے لیے کافی ہو جائے گا اور چار کے متعلق یاد نہیں رہا کہ شعبہ (راوی) نے ان کے متعلق کیا بیان کیا۔ (مسلم شریف)

عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ کُنْتُ اٰخِذًا بِخِطَامِ نَاقَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقُوْدُبِہٖ وَعَمَّارٌ یَسُوْقُ النَّاقَۃَ اَوْ اَنَا اَسُوْقُہٗ وَعَمَّارٌ یَقُوْدُہٗ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِالْعَقَبَۃِ فَاِذَا اَنَا بِاِثْنٰی عَشَرَ رَاکِبًا قَدِ اعْتَرَضُوْہُ فِیْھَا قَالَ فَانْبَھْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِھِمْ فَصَرَخَ بِھِمْ فَوَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ عَرَفْتُمُ الْقَوْمَ قُلْنَا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانُوْا مُلْتَثِمِیْنَ وَلٰکِنَّا قَدْ عَرَفْنَا الرِّکَابَ قَالَ ھٰؤُلَاءِ الْمُنٰفِقُوْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَھَلْ تَدْرُوْنَ مَا اَرَادُوْا قُلْنَا لَا قَالَ اَرَادُوْا اَنْ یُزَاحِمُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْعَقَبَۃِ فَیُلْقُوْہُ مِنْھَا قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَفَلَا تَبْعَثُ اِلٰی عَشَائِرِھِمْ حَتّٰی یَبْعَثَ اِلَیْکَ کُلُّ قَوْمٍ بِرَاْسِ صَاحِبِھِمْ قَالَ لَا اَکْرَہُ اَنْ یَّتَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَیْنَھَا اَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ حَتّٰی اِذَا اَظْھَرَہُ اللّٰہُ بِھِمْ اَقْبَلَ عَلَیْھِمْ بِقَتْلِھِمْ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ ارْمِھِمْ بِالدُّبَیْلَۃِ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا الدُّبَیْلَۃُ؟ قَالَ شِھَابٌ مِنْ نَارٍ یَضَعُ عَلٰی نِیَاطِ قَلْبِ اَحَدِھِمْ فَیُھْلِکُ. (رواہ البیہقی)

بارہ نقاب پوش منافقین کی نشاندہی

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر کھینچ رہا تھا اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے پیچھے سے ھانک رہے تھے' یا میں پیچھے سے ہانک رہا تھا اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے سے کھینچ رہے تھے' جب ہم عقبہ میں پہنچے تو دفعتہً بارہ سوار ملے جو سامنے سے آ رہے تھے' میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی آمد سے مطلع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زور سے آواز دی' وہ سب آواز سنتے ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم نے ان سب کو پہچانا؟ ہم نے جواب دیا نہیں یا رسول اللہ! وہ سب تو منہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھے' البتہ ہم نے ان کے اونٹوں کو پہچان لیا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ

سب منافقین تھے جو ہمیشہ تا قیامت منافقین ہی رہیں گے۔ تم جانتے ہو ان کا ارادہ کیا تھا؟ ہم نے کہا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گھاٹی میں مزاحمت کر کے اس کو کھائی میں گرا دینا چاہتے تھے، ہم نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا کیوں نہ ہو کہ ہم ان کے قبیلہ کو اس کی اطلاع کر دیں تا کہ وہ ان کا سر کاٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہ نہیں چاہتا۔ مجھے یہ ناگوار ہے کہ اہل عرب آپس میں یہ کہنا شروع کر دیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک قوم سے جنگ کی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسے کامیابی عطا کر دی اور ان کو غالب کر دیا تو ان کو قتل کرنے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا فرمائی، اے اللہ! ان کو دبیلہ میں مبتلا کر دے، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) دبیلہ کیا ہے؟ فرمایا وہ زہریلا پھوڑا ہے جو آگ کی طرح دل کو جلا ڈالتا ہے۔ پس وہ اس سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ)

حَدَّثَنَا زَیْدُ بْنُ وَھَبٍ قَالَ کُنَّا عِنْدَ حُذَیْفَۃَ فَقَالَ مَابَقِیَ مِنْ اَصْحَابِ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ (قَاتِلُوْا اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ) اِلَّا ثَلَاثَۃٌ وَّلَا مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ اِلَّا اَرْبَعَۃٌ فَقَالَ اَعْرَابِیٌّ اِنَّکُمْ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ تُخْبِرُوْنَا لَا تَدْرِیْ فَمَا بَالُ ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ یَنْقُرُوْنَ بُیُوْتَنَا وَیَسْرِقُوْنَ اَعْلَاقَنَا قَالَ اُولٰئِکَ الْفُسَّاقُ اَجَلْ لَمْ یَبْقَ مِنْھُمْ اِلَّا اَرْبَعَۃٌ اَحَدُھُمْ شَیْخٌ کَبِیْرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَا وَجَدَ بَرْدَہٗ. (رواہ البخاری فی التفسیر)

اپنے عہد کے منافقین کا تذکرہ

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے، انہوں نے فرمایا کہ آیت "قَاتِلُوْا آئمۃ الْکُفْرِ" کے مصداق میں سے تین کے سوا کوئی باقی نہ رہا اور منافقین میں بھی بجز چار کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ اس پر ایک دیہاتی نے کہا آپ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں، آپ بھی ایسی بات بتاتے ہیں جو ہم نہیں جانتے، ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور ہمارے قیمتی مال چراتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بدکار لوگ ہیں، ہاں ان منافقوں میں سے بجز چار کے اب کوئی نہیں رہا۔ ایک بہت بوڑھا ہے اتنا کہ اگر ٹھنڈا پانی پئے تو اسے اس کا بھی احساس نہ ہو۔ (بخاری)

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا کَانَ قُرْبَ الْمَدِیْنَۃِ ھَاجَتْ رِیْحٌ شَدِیْدَۃٌ تقاد اَنْ تُدْفِنَ الرَّاکِبَ فَزَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثَتْ ھٰذِہِ الرِّیْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ فَاِذَا مُنَافِقٌ عَظِیْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِیْنَ قَدْمات. (رواہ مسلم)

ایک منافق کی موت کی خبر

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر سے واپس ہو رہے تھے اور مدینہ کے قریب پہنچ چکے تھے کہ اس قدر تیز ہوا چلی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوار کو مٹی میں دفن کر دے گی۔ راوی کا خیال ہے کہ اس پر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' یہ ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ منافقوں میں سے ایک بڑے منافق کی موت واقع ہوئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنی اسرائیل کے تین شخصوں کا تذکرہ فرمانا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ثَلَاثَةً مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَبْرَصَ وَ اَقْرَعَ وَاَعْمٰی فَاَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّبْتَلِیَهُمْ فَبَعَثَ اِلَیْهِمْ مَلَكًا فَاَتَی الْاَبْرَصَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَیَذْهَبُ الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِی النَّاسُ. قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهٗ وَاُعْطِیَ لَوْنًا حَسَنًا وَّجِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ الْاِبِلُ (وَالْبَقَرُ شَكَّ اِسْحٰقُ اِلَّا اَنَّ الْاَبْرَصَ وَالْاَقْرَعَ قَالَ اَحَدُهُمَا الْاِبِلَ وَقَالَ الْاٰخَرُ الْبَقَرَ قَالَ فَاُعْطِیَ نَاقَةً عُشَراء فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْهَا قَالَ فَاَتَی الْاَقْرَعَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَ یَذْهَبُ عَنِّیْ هٰذَا الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِی النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَاُعْطِیَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ الْبَقَرِ فَاُعْطِیَ بَقَرَةً حَامِلاً قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْهَا قَالَ فَاَتَی الْاَعْمٰی فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ اَنْ یَّرُدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ بَصَرِیْ فَاُبْصِرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیْهِ بَصَرَهٗ قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْكَ قَالَ الْغَنَمُ فَاُعْطِیَ شَاةً وَالِدًا فَاُنْتِجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْاِبِلِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ اِنَّهٗ اَتَی الْاَبْرَصَ فِیْ صُوْرَتِهٖ وَهَیْئَاتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِیْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِیَ الْجِبَالُ فِیْ سَفَرِیْ فَلَا بَلَاغَ لِیَ الْیَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْئَلُكَ بِالَّذِیْ اَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِیْرًا اَتَبَلَّغُ بِهٖ فِیْ سَفَرِیْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ كَثِیْرَةٌ فَقَالَ اِنَّهٗ كَاَنِّیْ اَعْرِفُكَ اَلَمْ تَكُنْ اَبْرَصَ یَقْذِرُكَ النَّاسُ فَقِیْرًا فَاَعْطَاكَ اللّٰهُ مَالاً فَقَالَ اِنَّمَا وُرِّثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَیَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰی مَا كُنْتَ قَالَ فَاَتَی الْاَقْرَعَ فِیْ صُوْرَتِهٖ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا وَرد علیه مثل مارد علی هٰذا فقال ان كنت كاذباً فصیرك اللّٰه الی مَا كُنْتَ قَالَ وَاَتَی الْاَعْمٰی فِیْ صُوْرَتِهٖ وَهَیْئَاتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِّسْكِیْنٌ وَابْنُ سَبِیْلٍ اِنْقَطَعَتْ بِیَ الْجِبَالُ فِیْ سَفَرِیْ فَلَا بَلَاغَ لِیَ الْیَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْئَلُكَ بِالَّذِیْ رَدَّ عَلَیْكَ بَصَرَه شَاةً اَتَبَلَّغُ بِهَا فِیْ سَفَرِیْ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ اَعْمٰی فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیَّ بَصَرِیْ فَخُذْ مَاشِئْتَ وَدَعْ مَاشِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا اَجْهَدُكَ الْیَوْمَ بِشَیْءٍ اَخَذْتَهُ اللّٰهِ فَقَالَ اَمْسِكْ مَالَكَ فَاِنَّمَا اُبْتُلِیْتُمْ فَقَدْ رَضِیَ عَنْكَ وَسُخِطَ عَلٰی صَاحِبَیْكَ. (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے' ایک برص والا' ایک گنجا اور ایک اندھا' اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کرنی چاہی' چنانچہ ان کی طرف ایک

فرشتہ کو بھیجا، وہ پہلے ابرص کے پاس آیا اور پوچھا تم کو کیا چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا اچھا رنگ اور عمدہ کھال اور جس بدنمائی کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں وہ مجھ سے دور ہو جائے، فرشتہ نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور اس کی ساری بدنمائی جاتی رہی اور اسے خوبصورت رنگ اور حسین کھال عطا کر دی گئی۔ فرشتہ نے پوچھا کونسا مال تم کو زیادہ محبوب ہے؟ اس نے اونٹ یا گائے بتائی، اسحاق راوی کو اس میں شک ہے کہ ان دونوں میں سے کس کا نام لیا مگر اتنی بات یقینی ہے کہ برص والے اور گنجا میں سے ایک نے اونٹ کا نام لیا اور دوسرے نے گائے کا، چنانچہ اس کو ایک گابھن اونٹنی دیدی گئی جو بچہ دینے والی ہی تھی، اس کے بعد فرشتہ نے دُعا دی کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس میں برکت دے، پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تم بتاؤ تمہاری بہترین تمنا کیا ہے۔ اس نے کہا خوبصورت بال اور مجھ سے یہ گندی بیماری دفع ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے بھاگتے ہیں۔ فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور اس کا سارا گنجا پن جاتا رہا اور اس کو خوشنما بال عطا کر دیے گئے۔ فرشتہ نے کہا مال کونسا پسند ہے؟ اس نے کہا گائے۔ چنانچہ اس کو حاملہ گائے دیدی گئی اور دُعا دی کہ اللہ تعالیٰ اس میں تجھ کو برکت دے، پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا بتاؤ تم کو کیا چیز زیادہ پیاری ہے؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں واپس دے دے اور میں لوگوں کو دیکھنے لگوں، فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے اس کی آنکھیں لوٹا دی، فرشتہ نے کہا مال کونسا پسند ہے اس نے بکری بتائی، اس کو ایک بچہ دینے والی تیار بکری دیدی گئی، کچھ ہی دنوں کے بعد ان تینوں کے جانوروں نے بچے دیئے اور حال یہ ہوا کہ ایک کو وادی بھر اونٹ ہو گئے اور دوسرے کو وادی بھر گائے ہو گئی اور تیسرے کو وادی بھر بکریاں، پھر وہ فرشتہ اس کے بعد برص والے کے پاس گیا اور بالکل پہلی ہی صورت اور ہیئت میں اور اس نے کہا، میں ایک مسکین آدمی ہوں، سفر میں میرے سارے اسباب و ذرائع ختم ہو چکے ہیں، اب منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ سوائے اللہ کے کوئی نہ رہا اور ظاہر اسباب میں آپ کے پاس آیا ہوں اور اس ذات کے واسطہ سے آپ سے ایک اونٹ کی درخواست ہے کہ جس نے آپ کو خوبصورت رنگ، عمدہ کھال اور دولت عطا کی تاکہ میں اس کے ذریعہ اپنا سفر طے کرلوں، اس نے کہا میرے ذمہ بہت سارے حقوق ہیں، اس نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کو پہچانتا بھی ہوں، کیا آپ کو برص نہ تھا کہ لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے اور کیا آپ محتاج نہیں تھے، اللہ نے آپ کو مال و دولت عطا کی، اس نے کہا یہ مال تو خاندانی ہے، نسلاً بعد نسل چلا آ رہا ہے، اس فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ایسا ہی بنادے جیسا پہلے تھا، پھر وہ گنجے کے پاس پہنچا اور اپنی پہلی ہی صورت میں اور اس سے بھی وہی سب کچھ کہا جو اس سے پہلے والے سے کہا تھا اور اس نے بھی وہی جواب دیا جو اس نے دیا تھا، اس نے اس سے بھی یہی کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو تم کو اللہ تعالیٰ پہلے جیسا کردے، پھر وہ نابینا کے پاس پہنچا اور اپنی پہلی ہی شکل و صورت میں اور کہا کہ میں ایک غریب اور مسافر آدمی ہوں، راستہ میں میرا سارا سامان ختم ہو گیا ہے، اب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی صورت نہیں کہ میں منزل تک پہنچوں اور پھر تم سے اس ذات کے واسطے ایک بکری کی التجا کرتا ہوں جس نے تم کو بینائی عطا کی تاکہ میں ضروریات سفر پوری کرسکوں، اس نے کہا میں اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے بینائی عطا فرمائی تو ان میں سے جتنی چاہے لے لے اور جتنی چاہے چھوڑ دے، آج بخدا مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی جتنی بکری بھی تو خدا کے لیے لے لے گا، اس نے کہا اپنا مال اپنے پاس رکھ، تم لوگوں کی آزمائش تھی، تجھ سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض۔ (متفق علیہ)

اہل شیاطین اور بیوت شیاطین کی پیشین گوئی

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ هِنْدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ اِبِلٌ لِلشَّيَاطِيْنِ وَبُيُوْتٌ لِلشَّيَاطِيْنِ فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيَاطِيْنِ فَقَدْ رَأَيْتُهَا يَخْرُجُ اَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَعَهُ قَدْ اَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْا بَعِيْرًا مِنْهَا وَيَمُرُّ بِاَخِيْهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهٖ فَلَا يَحْمِلُهُ وَاَمَّا بُيُوْتُ الشَّيَاطِيْنِ فَلَمْ اَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ يَقُوْلُ لَا اُرَاهَا اِلَّا هٰذِهِ الْاَقْفَاصَ الَّتِیْ يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيْبَاجِ. (رواہ ابو داؤد)

سعید بن ہند حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں' ان کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اونٹ شیاطین کے لیے ہوں گے اور کچھ مکانات شیاطین کے ہوں گے' شیاطین کے اونٹ تو میں نے دیکھے ہیں کہ تم میں سے ایک اپنے ساتھ عمدہ اونٹنیاں لے کر نکلتا ہے جس کو اس نے خوب فربہ بنا رکھا ہے اور وہ ان میں سے کسی پر سوار نہیں ہوتا ہے' اپنے بھائی کے پاس سے گزرتا ہے جس کی سواری ہلاک ہو چکی ہوتی ہے لیکن وہ اس کو سوار نہیں کرتا ہے' باقی رہے شیاطین کے مکانات' تو میں نے اسے نہیں دیکھا' سعید کہتے تھے میرا خیال یہ ہے وہ یہ پنجرے سے کجاوہ ہوں گے جن کو لوگ ریشم ڈال کر ڈھکتے ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح: نمائش کے طور پر جانور رکھنا کہ بوقت ضرورت وہ کسی کے کام نہ آئے' اس کو شیاطین کی سواری سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعبیر فرمایا اور اُن کجاووں کو جو ریشم سے مزین کیا جائے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیاطین کے گھر کا نام دیا' اب یہ باتیں عام طور پر پائی جانے لگی ہیں۔

قریش کے سوال پر بیت المقدس کا سامنے آ جانا

عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمَّا كَذَّبَنِیْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِی الْحِجْرِ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ فَسَاَلَتْنِیْ عَنْ اَشْيَاءَ لَمْ اُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبًا مَا كُرِبْتُ مِثْلَهٗ فَجَلَّى اللّٰهُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِیْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ مَا يَسْئَالُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَنْبَأْتُهُمْ.

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے جب قریش نے جھٹلایا تو اس وقت میں حجر میں تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے مجھ سے (بیت المقدس کے متعلق) ایسے ایسے سوالات کیے جو محفوظ نہ تھے' اس وقت مجھے ایسی پریشانی ہوئی جیسی کبھی نہ ہوئی تھی' اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میری آنکھوں کے سامنے کر دیا اور میں دیکھ دیکھ کر ان کو تمام سوالات کا جواب دینے لگا اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے اس طرح اُٹھا کر رکھ دیا کہ میں اس کو اچھی طرح دیکھ رہا تھا اور جو کچھ وہ سوال کرتے تھے میں ان کو جواب دیتا تھا۔

تشریح: سرسری طور پر انسان اگر کسی عمارت یا شہر کو دیکھتا ہے تو اس کی تفصیل کبھی ذہن میں محفوظ کرنے کی سعی نہیں کرتا لیکن جب قریش نے از راہ شکوک وشبہات سوالات کیے تو اب ان کی تشفی ضروری تھی اور اس موقع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی پشیمانی فطری تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پریشانی پر رحم کھایا اور بیت المقدس آپؐ کے سامنے کر دیا گیا اور اس طرح کہ آپؐ نے ایک ایک جز دیکھ کر جواب دینا شروع کیا۔

اَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ قَالَ قُلْتُ لِاِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَوْفَا الْبِکَالِیَّ یَزْعَمُ اَنَّ مُوْسٰی لَیْسَ بِمُوْسٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِنَّمَا ھُوَ مُوْسٰی اٰخَرُ فَقَالَ کَذَبَ عَدُوُّ اللّٰہِ حَدَّثَنَا اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوْسٰی النَّبِیُّ (علیہ السلام) خَطِیْبًا فِی بنی اِسْرَائِیْلَ فَسُئِلَ اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ فَقَالَ اَنَا اَعْلَمُ فَعَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ اِذَا لَمْ یَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَیْہِ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ اَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِیْ بِمَجْمَعِ الْبَحْرَیْنِ ھُوَ اَعْلَمُ مِنْکَ قَالَ یَا رَبِّ وَکَیْفَ بِہٖ فَقِیْلَ لَہٗ اِحْمِلْ حُوْتًا فِیْ مِکْتَلٍ فَاِذَا فَقَدْتَّہٗ فَھُوَ ثَمَّ فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ بِفَتَاہُ یُوْشَعَ بْنِ نُوْنٍ وَحَمَلَا حُوْتًا فِیْ مِکْتَلٍ حَتّٰی کَانَا عِنْدَ الصَّخْرَۃِ وَضَعَارُءُ وُسَھُمَا وَنَامَا فَانْسَلَّ الْحُوْتُ مِنَ الْمِکْتَلِ فَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا وَکَانَ لِمُوْسٰی وَفَتَاہُ عَجَبًا فَانْطَلَقَا بَقِیَّۃَ لَیْلَتِھِمَا وَیَوْمِھِمَا فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مُوْسٰی لِفَتَاہُ اٰتِنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا ھٰذَا نَصَبًا وَلَمْ یَجِدْ مُوْسٰی مَسًّا مِنَ النَّصَبِ حَتّٰی جَاوَزَ الْمَکَانَ الَّذِیْ اُمِرَ بِہٖ فَقَالَ لَہٗ فَتَاہُ اَرَاَیْتَ اِذْ اَوَیْنَا اِلَی الصَّخْرَۃِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ قَالَ مُوْسٰی ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰی اٰثَارِھِمَا قَصَصًا فَلَمَّا انْتَھَیَا اِلَی الصَّخْرَۃِ اِذَا رَجُلٌ مُسَجًّی بِثَوْبٍ اَوْ قَالَ تسجی بِثَوْبِہٖ فَسَلَّمَ مُوْسٰی فَقَالَ الْخَضِرُ وَاَنّٰی بِاَرْضِکَ السَّلَامُ فَقَالَ اَنَا مُوْسٰی فَقَالَ مُوْسٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ ھَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا یَا مُوْسٰی اِنِّیْ عَلٰی عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰہِ عَلَّمَنِیْہِ لَا تَعْلَمُہٗ اَنْتَ وَاَنْتَ عَلٰی عِلْمٍ عَلَّمَکَہُ اللّٰہُ لَا اَعْلَمُہٗ قَالَ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا فَانْطَلَقَا یَمْشِیَانِ عَلٰی سَاحِلِ الْبَحْرِ لَیْسَ لَھُمَا سَفِیْنَۃٌ فَمَا بِھِمَا سَفِیْنَۃٌ فَکَلَّمُوْھُمْ اَنْ یَحْمِلُوْھَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوْھَا بِغَیْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عَصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلٰی حَرْفِ السَّفِیْنَۃِ فَنَقَرَ نَقْرَۃً اَوْ نَقْرَتَیْنِ فِی الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ یَا مُوْسٰی مَا نَقَصَ عِلْمِیْ وَعِلْمُکَ مِنْ عِلْمِ اللّٰہِ اِلَّا کَنَقْرَۃِ ھٰذَا الْعُصْفُوْرِ فِی الْبَحْرِ فَعَمِدَ الْخَضِرُ اِلٰی لَوْحٍ مِنْ اَلْوَاحِ السَّفِیْنَۃِ فَنَزَعَہٗ فَقَالَ مُوْسٰی قَوْمٌ حَمَلُوْنَا بِغَیْرِ نَوْلٍ عَمِدْتَّ اِلٰی سَفِیْنَتِھِمْ فَخَرَ قْتَھَا لِتُغْرِقَ اَھْلَھَا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ فَکَانَتِ الْاُوْلٰی مِنْ مُوْسٰی نِسْیَانًا فَانْطَلَقَا فَاِذَا غُلَامٌ یَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَ الْخَضِرُ بِرَاْسِہٖ مِنْ اَعْلَاہُ فَاقْتَلَعَ رَاْسَہٗ بِیَدِہٖ فَقَالَ مُوْسٰی اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَکِیَّۃً بِغَیْرِ نَفْسٍ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا قَالَ اِبْنُ عُیَیْنَۃَ وَھٰذَا اَوْ کَدُ فَانْطَلَقَا حَتّٰی اِذَا اَتَیَا اَھْلَ قَرْیَۃِ ن اسْتَطْعَمَا اَھْلَھَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْھُمَا فَوَجَدَا فِیْھَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَہٗ قَالَ الْخَضِرُ بِیَدِہٖ فَاَقَامَہٗ فَقَالَ لَہٗ مُوْسٰی لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَیْہِ اَجْرًا قَالَ ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَمْرِهِمَا. (رواہ البخاری)

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ نوف بکائی تو یہ کہتے ہیں کہ جن موسیٰ کی سرگزشت خضر علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور ہے وہ بنی اسرائیل والے موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے بلکہ کوئی دوسرے موسیٰ ان کے ہم نام شخص تھے' اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' نوف خدا کے دشمن نے غلط کہا' ہم سے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے ہوئے وعظ فرما رہے تھے' تو ان سے سوال ہوا' فرمایئے انسانوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' سب سے بڑا عالم میں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب ہوا کہ انہوں نے اس بات کا علم خدا تعالیٰ کے حوالے کیوں نہ کیا اس لیے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی (اے موسیٰ) مجمع بحرین میں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی' پروردگار پھر اس سے ملاقات کیسے اور کہاں ہو؟ ارشاد ہوا تو یوں کرو کہ ایک زنبیل میں مچھلی اپنے ہمراہ لے لو اور جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے بس وہیں وہ ملے گا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہ ان کے رفیق یوشع بن نون روانہ ہو گئے اور (حسب ہدایت) اپنے ہمراہ زنبیل میں ایک مچھلی بھی لے لی۔ چلتے چلتے جب ایک بڑے پتھر کے پاس پہنچے تو اپنا سر رکھ کر وہاں دونوں سو گئے' ادھر مچھلی زنبیل سے نکل گئی اور اس طرح سمندر میں داخل ہوئی کہ اس کے داخل ہونے کی جگہ پر سرنگ کی شکل بن گئی۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق کو بعد میں بڑا تعجب ہوا۔ وہ آگے چل پڑے اور جب بقیہ ایک دن رات کی مسافت طے کر چکے اور صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سے کہا' لاؤ بھئی ذرا ہمارا ناشتہ تو نکالو' آج کے سفر میں تو ہم کو کچھ تکان ہو گیا۔ اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام کو سفر میں تکان محسوس نہیں ہوا تھا اور آج بھی تکان اس وقت محسوس ہوا جب کہ وہ اس جگہ سے آگے نکل چکے تھے جس کا ان کو پتہ دیا گیا تھا۔ ان کے رفیق سفر نے عرض کی جی ہاں جہاں ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا مچھلی تو اس جگہ گم ہو گئی تھی مگر مجھ کو آپ سے اس کا ذکر کرنا یاد نہیں رہا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' اسی جگہ کی تو ہم کو تلاش تھی' آخر پھر اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے اسی راستے پر واپس ہوئے' جب اس پتھر کے پاس پہنچے' کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ہے جو چادر اوڑھے بیٹھا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سلام کیا۔ اس پر خضر علیہ السلام نے کہا' اس ملک میں سلام کہنے والا کہاں۔ انہوں نے فرمایا' میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے کہا کیا وہ موسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے ہیں' انہوں نے فرمایا جی ہاں' میں وہی موسیٰ ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کیا میں آپ کے ہمراہ رہ سکتا ہوں تاکہ جو علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے وہ آپ مجھ کو بھی تعلیم فرمائیں۔ انہوں نے کہا آپ ہرگز صبر کے ساتھ اس کو حاصل نہیں کر سکتے' اے موسیٰ علیہ السلام! بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو علم مجھ کو عطا فرمایا ہے وہ آپ نہیں جانتے اور جو علم آپ کو بخشا ہے وہ میں نہیں جانتا۔ انہوں نے فرمایا' ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صابر دیکھیں گے اور کسی معاملہ میں آپ کے خلاف نہیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ دونوں سمندر کے کنارہ کنارہ روانہ ہو گئے' کشتی ان کے پاس نہ تھی کہ دریا عبور کر سکتے۔ آخر اِدھر سے ایک کشتی گزری تو انہوں نے اس کے ملاح سے گفتگو کی کہ ان کو بھی سوار کر لے' اتفاق سے کسی نے خضر علیہ

السلام کو پہچان لیا اور کسی اجرت کے بغیر ان کو کشتی میں بٹھالیا' اتنے میں ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور آ کر کشتی کے کنارہ بیٹھ گئی اور سمندر میں ایک دو چونچیں ماریں۔ اس پر خضر علیہ السلام نے فرمایا' اے موسیٰ! (علیہ السلام) میرا اور تمہارا علم مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنی نسبت بھی نہیں رکھتا جتنی کہ اس چڑیا کی چونچ کے پانی کی اس سمندر کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام اُٹھے اور کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ پھینکا' موسیٰ علیہ السلام فوراً بولے' یہ وہ شریف لوگ تھے جنہوں نے اجرت لیے بغیر ہم کو کشتی میں بٹھالیا تھا' آپ نے یہ کیا کیا کہ لگے تو اُن ہی کی کشتی کو توڑ ڈالا تاکہ سارے کشتی والوں کو ڈبو دیں۔ انہوں نے کہا میں نے تو پہلے ہی کہا تھا' آپ صبر کے ساتھ میرے ہمراہ نہیں رہ سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں بھول گیا' اور آپ بھولی بات پر مجھ سے گرفت نہ فرمائیں۔ یہ پہلی بے صبری موسیٰ علیہ السلام سے ازراہ نسیان سرزد ہوئی' آگے چلے تو ایک بچہ جو بچوں میں کھیل رہا تھا' خضر علیہ السلام نے اس کا سر پکڑ کر گردن سے اکھاڑ ڈالا' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' آپ نے یہ کیا کیا ایک معصوم بچہ کو بے گناہ مار ڈالا۔ خضر علیہ السلام نے کہا میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا' آپ صبر کے ساتھ میرے ہمراہ نہیں رہ سکتے۔ ابن عیینہ راوی حدیث کہتے ہیں یہاں لفظ "لَکَ" (آپ سے) زیادہ تاکید کے لیے اضافہ فرمایا' آگے چلے تو ایک بستی سے گزرے اور ان سے مہمانی کی درخواست کی۔ انہوں نے مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ وہاں ایک دیوار تھی جو بالکل ٹوٹنے والی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے ایک اشارے سے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت ان سے لے سکتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اچھا بس' اس کے بعد اب ہماری آپ کی جدائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے' ہماری تمنا تھی کاش کہ موسیٰ علیہ السلام ذرا اور صبر کر لیتے تاکہ ان کے کچھ واقعات ہم کو اور معلوم ہو جاتے۔ (بخاری شریف)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی سرگزشت کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا تفصیلی تذکرہ خود قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور جب اس پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام سرگزشت کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دہن مبارک سے نکلا ہوا' ایک ذرا سا کلمہ تھا جس کو اگر مخلوق کے دائرہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو سرتاسر صدق ہی صدق آتا ہے یعنی سائل بنی اسرائیل ہیں اور مخاطب نبی وقت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ادھر محاورات میں صیغہ تفضیل کا مطلب کثرت اور زیادتی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا' اب اس میں کیا شبہ تھا کہ نبی وقت پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی ان سے بڑھ کر علم میں اور کون شخص ہو سکتا تھا لیکن جب یہی معاملہ رسول اور خالق کے درمیان آیا تو اس صدق در صدق میں بھی خامی کا ایک پہلو نکل آیا اور وہ یہ کہ صیغہ تفضیل عرف عام میں خواہ کسی معنی میں مستعمل ہو لیکن بلحاظ لغت اس میں اتنی وسعت ہے کہ اتنی وسعت اور اطلاق کا لفظ استعمال کرنا ایک نبی کی شان کے مناسب نہ تھا اس لیے جب سوال یہ ہے کہ سب سے بڑا عالم کون ہے تو نبی کی شان کے مطابق جواب یہ ہونا چاہیے کہ اس عموم واطلاق کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو ہے چونکہ جواب میں ذرا سی خامی رہ گئی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے "انا اعلم" (میں سب سے بڑا عالم ہوں) کا لفظ نکل گیا اس لیے فوراً گرفت ہوگئی اور ارشاد ہوا' کیوں نہیں ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اس پر جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کا پتہ دریافت کیا تو ان کے علمی نقصان کا ظہور تو یہیں سے شروع ہو گیا اور اس پہلے قدم پر ہی علم کا اتنا قصور واضح ہوا کہ جب ایسے بڑے علم والے شخص کے مقام کا بھی تم کو علم نہیں تو سوچو

تمہارے علم کا مقام کیا ہے؟ پھر جب پتہ بتایا گیا ہو تو وہ بھی ایک ابہام کے ساتھ یعنی یہ کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے اب کہاں؟ یہ معلوم نہیں۔ پھر جب سفر شروع ہوتا ہے تو موقع کی تلاش ہے مگر جب موقع سامنے آ جاتا ہے تو وہیں ذہول ہوتا ہے اور سفر کا قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔ آخر پھر واپس ہونا پڑتا ہے۔ آخر جب خود کشش ربانی ہی کھینچ کر ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے تو معاہدہ کے وقت جو پہلی بات وہ سنتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو علم مجھ کو ہے وہ تم کو نہیں اور جو تم کو ہے وہ مجھ کو حاصل نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ علمی دنیا میں ہم دونوں ناقص در ناقص ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علمی قصور کی منزل ختم ہوئی تو اب خضر علیہ السلام کے علمی وفور کی منزل شروع ہوئی اور اس کا آغاز بھی ایک پرندہ کی آمد سے اس طرح ہوا کہ اے موسیٰ ہمارا اور تمہارا دونوں کا علم مل کر بھی کچھ نہیں ہے۔ آخر بڑے عہد و پیمان کے بعد سفر شروع ہوا اور قدم قدم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاعلمی اور حضرت خضر علیہ السلام کے علم کی برتری کا ظہور ہوتا چلا گیا۔ آخر جب واقعات سفر اور ان کے حکم سب بیان میں آ گئے تو کچھ اور عجائبات قدرت کے سننے کی تمنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں رہ گئی اور آپ نے بڑی حسرت کے انداز میں فرمایا، کاش کہ موسیٰ علیہ السلام ذرا اور صبر سے کام لیتے۔

اس ایک واقعہ ہی سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کا معاملہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کتنا نازک ہوتا ہے یہاں صغائر و کبائر درکار ہیں یا حسنات میں کسی باریکی کی فروگذاشت بھی کافی ہے۔ ابھی آپ پڑھ چکے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ وسلامہ کو جب ختنے کا حکم ہوا اور امتثال امر کی عجلت میں انہوں نے فوراً کدال لے کر ختنہ کر ڈالی تو کیا اس سے بڑھ کر بھی وفاداری اور اطاعت شعاری کا مظاہرہ کچھ ہو سکتا تھا مگر جب انہوں نے اپنی تکلیف کا اظہار فرمایا تو جواب یہ ملا کہ ختنہ کس طرح کرنی چاہیے یہ ہم سے پوچھا کیوں نہیں۔ گویا اب اگر تکلیف ہوئی تو یہ تمہارا قصور ہے۔ سبحان اللہ! جو لوگ گرفت کی اس شدت کو نہیں جانتے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ "ربّ السجن احب الی"، پر گرفت کا راز بھلا کیا سمجھ سکتے ہیں۔ ادھر ہمارے متکلمین ہیں کہ وہ صرف تعبیرات کی شدت سے انبیاء علیہم السلام کی علی الاطلاق عصمت میں اختلاف کر رہے ہیں۔ اگر ان لغزشوں پر پھر اس کے نتائج پر غور سے نظر ڈالی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لغزشیں حکم و اسرار کا ایک بحر بیکراں تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش سب سے پہلے ہے مگر عالم کی آبادی کا سارا راز اسی ایک لغزش میں پنہاں تھا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دہن مبارک سے لغزش کا یہ کلمہ ضرور نکلا اور ان کو اس طویل سفر کی مشقت بھی جھیلنا پڑی مگر اس سفر میں کتنے اسرار حکمت کے دریا بہہ نکلے اس کا اندازہ کچھ اسی سے فرما لیجئے کہ اس پورے سفر کو قرآن کریم نے کس تفصیل سے بیان کیا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا مزے لے لے کر اس کو سنا۔ آخر جب یہ طویل سفر ختم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی اس کی حسرت رہ گئی۔ کاش کہ یہ سفر کچھ اور دراز ہو جاتا تو عجائبات قدرت کچھ اور بھی کھلتے۔

اس سرگزشت میں نہ معلوم کتنے درس عبرت ہوں گے۔ ہم اپنے قصور علم اور وقت کی فرصت کے لحاظ سے چند اہم اسباق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ واقعات کی سطح اور اندرونی حکم ربانی کے درمیان مناسبتوں کا ادراک انسانی عقول کے احاطہ سے باہر ہے اور اسی لیے ان حکمتوں کے ادراک کے درپے ہوئے بغیر صبر کے ساتھ واقعات کا مطالعہ کرنا چاہیے مگر یہی صبر عقول

انسانیہ کے لیے بڑی امتحان گاہ ہے۔ اسی کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے "عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَعَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ" اور یہ کہ خضر علیہ السلام کو جب واقعات وحکم کے اس غیر مدرک بالعقول ربط کا علم بخشا گیا تھا تو اسی کے ساتھ ان کو وہ قوت بھی عنایت فرمادی گئی تھی جس کی وجہ سے ایک گرنے والی دیوار صرف ان کے ایک اشارہ سے سیدھی ہوگئی بلکہ اتنی مستحکم ہوگئی تھی کہ جب تک اس کے نیچے دفینہ کا مالک جوان نہ ہولے وہ دیوار نہ گر سکے اور یہ کہ جب تک مصالح ربانیہ کا کسی کو قطعی علم حاصل نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ خود قطعی طور پر ان کا مامور بھی نہ ہو اس وقت تک شریعت میں وہ افعال جرم اور معصیت ہی کی فہرست میں شمار ہوں گے اور یہ کہ تکوینی امور کا راستہ تشریعی احکام سے الگ ہے اور ان کی تنفیذ کے لیے بھی تشریعی احکام کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بندے مقرر ہیں مگر وہ اتنے پوشیدہ رکھے جاتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی ان کا علم ضروری نہیں ہوتا اور یہ کہ ایسے افراد کو قدرت اس لیے عوام کی نظروں سے پوشیدہ رکھتی ہے کہ ان کے اس قسم کے افعال شریعت کی زد میں آ کر اختلال نظم کا باعث نہ بنیں اور یہ کہ علم تشریعی کا درجہ علم تکوینی سے بلند ہے اور یہ کہ افضل کو اگر اس قسم کے جزئیات کا علم نہ ہو تو اس سے اس کے فضل وکمال میں کوئی فرق نہیں آتا اور یہ کہ جن کو ان علوم کا حامل نہیں بنایا گیا' ان کے لیے ان علوم کے حاملین کی نہ تلاش چاہیے اور نہ ان کی رفاقت اپنے لیے موجب کمال اور اگر کہیں حسب الاتفاق ملاقات ہو جائے تو ان پر زبان طعن کھولنا بھی غلط ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ خصوصیات

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّكَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَیُّكُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ. (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ دو روزے درمیان میں افطار کیے بغیر ایک ساتھ رکھے جائیں۔ اس پر ایک مسلمان شخص نے عرض کی اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ بھی تو ایسا کر لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (جی ہاں) مگر کیا تم میں کوئی میری طرح ہے؟ میں شب بسر کرتا ہوں اس حالت میں کہ میرا رب مجھ کو (غیر معمولی طریقے سے نیند میں حقیقتاً) کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے (اس لیے میری توانائی بحال رہتی ہے)

غیر معمولی بصارت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاَقْبَلَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِیْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّیْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ. (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جماعت کھڑی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف اپنا رخ پھیر کر فرمایا' اپنی صفیں سیدھی کر و اور خوب مل کر کھڑے ہو کیونکہ (اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ غیر معمولی بصارت عطا کی ہے کہ پشت کی طرف کی روشنی کی شعاعیں میرے دائرہ بصارت میں داخل ہو جاتی ہیں اور) میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھ لیتا ہوں۔

نیند میں خصوصیت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ. (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے (انہوں نے جب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھ کر وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں اور پھر اُٹھ کر بلا وضو کیے وتر پڑھ لیتے ہیں تو) انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا وتر کی نماز پڑھنے سے پہلے آپ (اس طرح) سو سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' اے عائشہؓ! میری آنکھیں سوتی ہیں (لیکن) میرا (دل و دماغ) نہیں سوتا (بلکہ وہ بیدار رہتا ہے اور کام کرتا رہتا ہے جس سے مجھے پتہ رہتا ہے کہ میرا وضو ٹوٹا ہے یا نہیں جبکہ اور لوگوں کو یہ غیر معمولی وصف حاصل نہیں ہے اس لیے وہ جب لیٹ کر یا ٹیک لگا کر سوتے ہیں تو ان کو پتہ نہیں ہوتا کہ ان کے وضو کا کیا حال ہے اور چونکہ نیند میں جسم و جوڑ ڈھیلے ہو جانے کی وجہ سے ہوا خارج ہو سکتی ہے اس لیے محض نیند کی وجہ سے وضو ٹوٹنے کا حکم ہے)

شیطان سے حفاظت

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالُوْا وَإِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَإِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِيْ إِلَّا بِخَيْرٍ. (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ (کی جانب سے) دو ساتھی مقرر کیے گئے ہیں جو اس کے ساتھ رہتے ہیں ایک جن دوسرا فرشتہ۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ دونوں آپ کے ساتھ بھی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہیں لیکن شر کی قوت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے۔ اس لیے میں اس کے فریب سے محفوظ ہوں۔ (اس لیے کوئی زور نہ پا کر) وہ جن مجھے (اگر کچھ مشورہ دیتا ہے تو) بھلائی کا ہی مشورہ دیتا ہے۔



دربار رسالت میں مختلف وفود کی آمد

معاویہ بن حیدہ کی آمد

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَؓ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَاللّٰهِ مَا اَتَيْتُكَ حَتّٰى حَلَفْتُ اَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ اُوْلَاءِ اَنْ لَا اٰتِيَكَ وَلَا اٰتِيَ دِيْنَكَ وَجَمَعَ بَهْزٌ بَيْنَ كَفَّيْهِ (وفي رواية حَتّٰى حَلَفْتُ عَدَدَ اَصَابِعِيْ هٰذِهِ اَنْ لَّا اٰتِيَكَ وَلَا اٰتِيَ دِيْنَكَ) وَاِنِّيْ قَدْ جِئْتُ امْرَءً لَا اَعْقِلُ شَيْئًا اِلَّا مَا عَلَّمَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ وَاِنِّيْ اَسْأَلُكَ بِوَجْهِ اللّٰهِ بِمَ بَعَثَكَ رَبُّنَا اِلَيْنَا قَالَ بِالْاِسْلَامِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا اٰيَةُ الْاِسْلَامِ (وفي رواية ما الاسلام) قَالَ اَنْ تَقُوْلَ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ وَتَخَلَّيْتُ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَكُلُّ مُسْلِمٍ عَلٰى مُسْلِمٍ مُحَرَّمٌ. اَخَوَانِ نَصِيْرَانِ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ مُشْرِكٍ يُشْرِكُ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ عَمَلًا اَوْ يُفَارِقُ الْمُشْرِكِيْنَ اِلَى الْمُسْلِمِيْنَ مَالِيْ اُمْسِكُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ اَلَا اِنَّ رَبِّيْ دَاعِيَّ وَاِنَّهٗ سَائِلِيْ هَلْ بَلَّغْتَ عِبَادِيْ وَاَنَا قَائِلٌ لَهٗ رَبِّ قَدْ بَلَّغْتُهُمْ اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ. ثُمَّ اِنَّكُمْ مَدْعُوُّوْنَ وَمُفَدَّمَةٌ اَفْوَاهُكُمْ بِالْفِدَامِ وَاِنَّ اَوَّلَ مَا يُبِيْنُ (وفي رواية يُتَرْجِمُ) قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ عَلٰى فَخِذِهٖ (وفي رواية ثم اِنَّ اَوَّلَ مَا يُبِيْنُ عَنْ اَحَدِكُمْ لَفَخِذُهٗ وَكَفُّهٗ) قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) هٰذَا دِيْنُنَا قَالَ هٰذَا دِيْنُكُمْ وَاَيْنَمَا تُحْسِنْ يَكْفِكَ. (رواه احمد والحاكم وقال صحيح الاسناد واقره الذهبي واخرجه النسائي مختصرا)

بہز بن حکیم اپنے دادا معاویہ بن حیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم میں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا مگر جب کہ ان انگلیوں کی گنتی سے زیادہ مرتبہ یہ قسم کھا چکا تھا کہ نہ تو میں آپ کے پاس آ کر پھٹکوں گا اور نہ آپ کا دین اختیار کروں گا "بہز" نے اپنی دونوں مٹھیاں جمع کر کے (دس کے عدد کی طرف اشارہ کیا اور ایک روایت میں لفظ اولاء کی بجائے "اصابعی هذه" (ان انگلیوں کے) کا لفظ ہے اور میں آپ کی خدمت میں ایک ایسا شخص آیا ہوں جو قطعاً بے علم اور یکسر نا سمجھ ہے بس وہی جانتا ہے جو خدا اور خدا کا رسول اس کو بتا دے۔ میں خدا کا واسطہ دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ ہمارے پروردگار نے آپ کو ہمارے پاس کیا کیا احکام دے کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا (سب سے پہلے) اسلام کا حکم دیا ہے۔ اس نے عرض کیا اسلام کی نشانی کیا ہے (ایک روایت میں ہے اسلام کیا چیز ہے) آپ نے فرمایا

اسلام یہ ہے کہ تو یہ اقرار کرے کہ میں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر چکا اور شرک و کفر سب چھوڑ چکا، نماز پڑھے، زکوٰۃ دے، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہے، مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں ایک دوسرے کا مددگار رہنا چاہیے جو مشرک اسلام لانے کے بعد پھر شرک کرے اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ان کو چھوڑ کر پھر مسلمانوں کے گروہ میں شامل نہ ہو جائے۔ یہ کیا بات ہے کہ میں تو تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں دوزخ کی آگ سے بچا رہا ہوں (اور تم ایک نہیں مانتے) سن لو میرا پروردگار (قیامت کے دن) مجھے بلائے گا اور مجھ سے یقیناً یہ سوال کرے گا کہ آپ نے میرے بندوں کو تبلیغ کر دی؟ میں عرض کروں گا پروردگار! کر دی۔ سن لو تم میں جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میرا پیغام ان کو بھی پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں پھر تم کو بھی بلایا جائے گا اور تمہارے منہ پر کپڑا لگا دیا جائے گا۔ (تاکہ غلط بات نہ بول سکو) پھر سب سے پہلے انسان کا جو حصہ بیان کرنا شروع کرے گا (اور ایک روایت نے ترجمانی کا لفظ ہے) راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنی ران کی طرف اشارہ کر کے بتایا (کہ وہ حصہ یہ ہوگا) دوسری روایت میں ہے کہ سب سے پہلے تمہاری طرف سے جسم کا جو حصہ بولے گا وہ تمہاری ران اور تمہارے ہاتھ ہوں گے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ بس ہمارا دین یہ ہے آپؐ نے فرمایا ہاں یہ تو تمہارا دین ہے پھر بھلائی جہاں بھی کرو گے کافی ہوگی۔

تشریح۔ بہز بن حکیم کی اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے چند ایسے احکام کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کا عام روایات میں ذکر نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا اسلام کے مفہوم میں داخل ہے۔ اکثر احادیث میں آپؐ نے صرف ارکان اسلام پر کفایت کی ہے اور حسب موقعہ و محل کہیں کہیں اسلام کے کچھ اور اہم احکام بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ اس حدیث میں اسلام کی جو تشریح کی گئی ہے وہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ سے ملتی جلتی ہے انہوں نے بھی خدا کی پوری پوری حکم برداری کے بعد "وما انا من المشرکین" فرمایا تھا اور یہاں بھی "تخلیت" کا لفظ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جس شدت کے ساتھ شریعت پر عمل کا عہد کرنا ضروری ہے اسی شدت کے ساتھ کفر و شرک سے دور رہنے کا عہد بھی ضروری ہے۔ شریعت کے فرائض و واجبات میں سستی کرنا فسق ہے اور خلاف شریعت میں شدت اختیار نہ کرنا مداہنت ہے ایمان یہ ہے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھے اور ساتھ ہی معبودانِ باطل کے متعلق یہ یقین کرے کہ ان میں معبودیت کی ایک شمہ برابر بھی اہلیت نہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہمہ وقت مقہور و ذلیل ہیں چنانچہ ضمام جب آپ کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنی قوم کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے جو الفاظ ان کے منہ سے نکلے وہ یہ تھے "بئست اللات والعزیٰ" لات و عزیٰ دونوں ذلیل و خوار ہیں (شرح مواہب)

پس اگر حریم معبودیت میں ایک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کسی غیر کے لئے کوئی ادنیٰ گنجائش باقی ہے تو یہ ایمان نہیں ہے ایمان و اسلام یہ ہے کہ باطن میں ایک اللہ کے سوا کسی غیر کی معبودیت اور قانون شریعت کے سوا کسی اور قانون پر راضی ہونے کی گنجائش باقی نہ رہے۔ رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا کا مفہوم یہی ہے۔ با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تک قلب میں کفر کی طرف میلان باقی ہے اسلام مسلمان کے ظاہر و باطن کے ساتھ کفر کا کوئی تسمہ لگا رکھنا نہیں چاہتا۔ اسلام اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ "وما انا من المشرکین" کا نعرہ نہ لگا دیا جائے۔ الوہیت کے مقام میں ایک اللہ کے سوا بقیہ تمام معبودوں کو ذلیل سمجھنا دوسروں کی تذلیل نہیں بلکہ مقام الوہیت کی تعظیم ہے، قانون شریعت کے سوا باطل

قوانین کو دستور العمل بننے کے نا قابل سمجھنا۔ دوسرے قوانین کی توہین نہیں بلکہ شریعت کا ایک حق ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام آپ کو دوسرے معبودوں کی تذلیل یا دوسرے مذاہب کی توہین کرنے کی دعوت دیتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی سچائی کی سچائی ہونے پر آپ کو پورا پورا یقین اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ باطل کے باطل ہونے کا بھی آپ کو پورا پورا یقین ہو جائے اگر آپ کے قلب میں باطل پر بھی صداقت کا شبہ پڑسکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حق و باطل کو ابھی تک ٹھیک طور پر پہچانتے ہی نہیں۔ اسلام عقیدہ کے باب میں کوئی لچک نہیں رکھتا۔ ہاں جب دنیا کے ساتھ معاملات کا نمبر آتا ہے تو وہ اس میں بڑی سے بڑی رواداری کی بھی تعلیم دیتا ہے اور یہی وجادلهم بالتی هی احسن کا مفہوم ہے۔ منہ پر کپڑا لگانا حقیقتاً نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ. الآیه (یٰس: ۶۵) آج ہم ان کے منہ پر مہر کردیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ اور پیر تمام واقعات جو انہوں نے کیے تھے وہ خود بتائیں گے۔

ابورزین عقیلی کی آمد

عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعَقِیْلِیِّ قَالَ عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعَقِیْلِیِّ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مَاالْاِيْمَانُ قَالَ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ تُحْرَقَ بِالنَّارِ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِنْ اَنْ تُشْرِكَ بِاللّٰهِ وَاَنْ تُحِبَّ غَيْرَ ذِىْ نَسَبٍ لَا تُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِذَا كُنْتَ كَذٰلِكَ فَقَدْ دَخَلَ حُبُّ الْاِيْمَانِ فِىْ قَلْبِكَ كَمَا دَخَلَ حُبُّ الْمَاءِ لِلظَّمْاٰنِ فِى الْيَوْمِ الْقَائِظِ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ لِىْ بِاَنْ اَعْلَمَ اَنِّىْ مُؤْمِنٌ قَالَ مَامِنْ اُمَّتِىْ اَوْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَبْدٌ يَعْمَلُ حَسَنَةً فَيَعْلَمُ اَنَّهَا حَسَنَةٌ وَاَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ جَازِيْهِ بِهَا خَيْرًا وَلَا يَعْمَلُ سَيِّئَةً فَيَعْلَمُ اَنَّهَا سَيِّئَةٌ وَاسْتَغْفَرَاللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مِنْهَا وَيَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يَغْفِرُ اِلَّا هُوَ اِلَّا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (انفرد به احمد وفی اسناده سلیمان بن موسیٰ وثقه قوم وضعفه آخرون)

ابورزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کی گواہی دے کہ معبود کوئی نہیں مگر اللہ جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں، اللہ اور اس کا رسول تجھ کو تمام ماسویٰ سے زیادہ محبوب ہوجائیں اور آگ میں جل کر خاک ہوجانا اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرانے سے زیادہ پسند ہوجائے اور جن شخصوں سے رشتہ ونسب کا کوئی تعلق بھی نہ ہو ان سے اللہ ہی کے نام پر محبت ہوجائے۔ جب یہ علامات پائی جائیں تو (سمجھ لینا کہ) اب تمہارے دل میں ایمان کی محبت ایسی سماگئی ہے جیسے سخت گرمی میں پیاسے کے دل میں پانی کی محبت۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں یہ بات کیسے سمجھوں کہ اب میں مؤمن کامل ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے یا یہ فرمایا کہ اس امت میں کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں ہے (راوی کا شک ہے) کہ جب نیکی کرے تو اس کو محسوس ہو کہ یہ نیکی ہے اور اس پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بدلہ دے گا اور جب کوئی برائی کرے تو اسے محسوس ہو کہ یہ برائی ہے اور اللہ

تعالیٰ سے استغفار کرے اور یہ یقین رکھے کہ بخشنے والا بجز اس کے کوئی نہیں تو یقیناً وہ شخص کامل مؤمن ہے۔ (احمد)

تشریح۔ حدیث مذکور میں پیاسے اور پانی کی تشبیہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا باطن جب ایمان کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے تو اب اس کی محبت صرف عقلی نہیں رہتی بلکہ تقاضاء طبیعت بن جاتی ہے۔ نفس کو جو راحت و سرور اپنی طبعی مرغوبات میں اور جو کراہت و نفرت طبعی مکروہات میں محسوس ہوا کرتی ہے وہی راحت و سرور ایک مؤمن کامل کو شریعت کی اتباع میں اور وہی نفرت و کراہت اس کی مخالفت میں محسوس ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ احکام شریعت کی محبت اور اس کے خلاف سے نفرت اختیاری نہیں رہتی۔ اسی کی طرف آیت ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (الحجرات:۷)

”یعنی خدا کا یہ بڑا انعام ہے کہ اس نے ایمان کی محبت تمہارے دلوں میں ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں کی زینت بنا دیا ہے اور کفر، فسق اور نافرمانی کی نفرت بٹھا دی ہے۔“

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ مؤمن کے لیے صرف کفر سے نفرت کرنا کافی نہیں بلکہ فسق اور خدا کی نافرمانی سے نفرت کرنا بھی ضروری ہے۔ گناہ کی چند قسمیں ہیں جن میں کفر تو سب سے بڑا گناہ ہے۔ دوسری قسم فسق ہے یہ کفر سے ہلکا ہے۔ معصیت درمیانی چیز ہے۔ نہ ہمیشہ فسق ہوتی ہے نہ کفر زیادہ ترقی کر جائے تو کفر تک جاسکتی ہے اور اس سے کچھ کم رہے تو فسق بھی ہوسکتی ہے۔ اسی لیے معصیت میں کبیرہ و صغیرہ کی تفصیل ہے۔ پس ایمان کی اتنی محبت کہ وہ قلوب کی زینت بن جائے اور کفر کی اتنی نفرت کہ وہ اپنے تمام انواع و اقسام کے ساتھ قابل نفرت ہو جائے اس کی علامت ہے کہ اب ایمان انسانی فطرت و مزاج کا جزء بن گیا ہے۔ آیت بالا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمت کسبی نہیں، خدا کی دین کی بات ہے جسے چاہے دے دے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے محدثین کے مذاق پر یہ بھی تحریر کیا ہے کہ آیت میں کفر و فسق اور معصیت کی تفصیل کرنا اور ایمان میں فرائض و مستحبات وغیرہ کی تفصیل اختیار نہ کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان دراصل ان تمام کے مجموعہ ہی کا نام ہے صرف تصدیق قلبی کا نام نہیں۔ پس ایمان کی محبت کے معنی تمام شریعت کی محبت ہیں۔ محدثین اعمال کو ایمان سے جدا کرنا نہیں چاہتے اور عملی دنیا کے لیے یہی نظریہ مفید بھی ہے۔ حقیقت ایمانیہ کا تجزیہ اور تحلیل کر کے اس کے اجزاء کی حیثیات اور مراتب میں بحث کرنا فقہ کے لحاظ سے گو اہم سہی لیکن عمل کے دائرہ میں یقیناً مفید نہیں ہے۔ (کتاب ایمان ص ۱۷)

وفد عبد القیس کی آمد

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِمَّنِ الْوَفْدُ اَوْ قَالَ الْقَوْمُ قَالُوْا رَبِيْعَةَ قَالَ مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ اَوْقَالَ الْقَوْمِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَيْنَاكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيْدَةٍ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَىُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ وَلَسْنَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ تَاْتِيَكَ اِلَّا فِىْ شَهْرٍ حَرَامٍ فَاَخْبِرْنَا بِاَمْرٍ نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَنُخْبِرُ بِهٖ مَنْ وَرَائَنَا وَسَاَلُوْا عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ قَالُوْا اللّٰهُ

وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحنتم والنقير و وَالْمُزَفَّتِ قَالَ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ قَالَ احْفَظُوْهُنَّ وَاَخْبِرُوْهُنَّ مَنْ وَّرَاءَ كُمْ. (رواہ احمد والشیخان وغیرھم)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب وفد عبدالقیس آپ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا یہ وفد کس قبیلہ کا ہے یا قوم کا لفظ فرمایا (راوی کا شک ہے) انہوں نے جواب دیا قبیلہ ربیعہ کا۔ آپؐ نے فرمایا خوش آمدید (تم لوگ خوشی سے مسلمان ہوکر آئے ہو) اس لیے نہ دنیا میں رسوائی کی نوبت آئی نہ آخرت میں شرمندہ ہوگے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم بڑی دور دراز مسافت طے کرکے آرہے ہیں، ہمارے اور آپ کے درمیان کفارِ مضر کا یہ مشہور جنگ جو قبیلہ پڑتا ہے اس لیے ہم آپ کی خدمت میں صرف ان مہینوں میں حاضر ہو سکتے ہیں جن میں کفار کے نزدیک جنگ کرنا حرام ہے اس لیے ہمیں تو آپ کوئی ایسی مختصر بات بتا دیجئے جس پر عمل کرکے ہم جنت میں چلے جائیں اور جو لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی اس کی اطلاع کردیں اور اسی کے ساتھ انہوں نے ان برتنوں کی بابت بھی پوچھا جن میں نبیذ بنائی جاتی تھی (کون سے استعمال میں لائے جاسکتے ہیں اور کون سے نہیں لائے جاسکتے) آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے روکا (ا) صرف اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، یہ کہہ کر فرمایا جانتے بھی ہو اللہ پر ایمان لانا کس طرح ہوتا ہے انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ واقف ہیں، فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ قابل عبادت کوئی نہیں مگر ایک اللہ تعالیٰ کی ذات اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر ہیں، باقاعدہ نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں پانچواں حصہ بھی دیا کرو اور چار برتنوں کے استعمال سے منع کیا، دباء سے، حنتم سے، نقیر سے اور مزفت سے (ابن عباسؓ مزفت کے بجائے کبھی مقیر کہا کرتے تھے) اور فرمایا کہ ان باتوں کو یاد کرلو اور جو تم سے اس طرف مسلمان رہتے ہیں ان کو بھی ان باتوں کی خبر کردو۔

تشریح۔ یہ وفد آپ کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوا ہے ایک مرتبہ فتح مکہ سے پہلے ۵ھ میں یا اس سے بھی قبل اس مرتبہ یہ کل تیرہ یا چودہ آدمی تھے جن کے نام فتح الباری میں مذکور ہیں پھر دوسری مرتبہ ۸ھ یا ۹ھ میں اس وقت یہ چالیس اشخاص مل کر آئے تھے۔ یہ لوگ بحرین کے باشندہ تھے۔ اسلام میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ ان ہی کی مسجد میں قائم ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبدالقیس بجوائی من البحرین. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین کے مقام جواثی میں عبدالقیس کی مسجد میں قائم ہوا ہے۔

زرقانی نے شرح مواہب میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس ابھی ایک قافلہ آنے والا ہے جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے حضرت عمرؓ ان کے دیکھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو انہیں ۱۳ آدمیوں کا ایک قافلہ آتا ہوا دکھائی دیا انہوں نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت سنائی پھر ان کے ساتھ ساتھ آپ کی خدمت میں آئے جب ان لوگوں نے دور سے آپ کو دیکھا تو بے تاب ہوگئے اور فرطِ اشتیاق سے اپنا سامان اسی طرح چھوڑ کر دیوانہ وار آپ کی خدمت میں دوڑ پڑے حاضر ہوکر آپ کا دست مبارک چومنے لگے۔ شیخ عبدالقیس جو ان کے سردار تھے اگرچہ نوعمر تھے سب سے پیچھے رہ گئے

تھے انہوں نے پہلے تو سب کے اونٹ باندھے پھر اپنا بکس کھول کر سفر کے کپڑے اتارے اور دوسرا سفید لباس پہنا پھر باطمینان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ آدمی بدشکل تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر اٹھائی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آدمی کی قیمت صرف اس کے ڈھانچے سے نہیں ہوتی اس کی قیمت صرف اس کے دو چھوٹے سے چھوٹے اعضاء سے ہوتی ہے زبان اور دل۔ آپؐ نے فرمایا تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ ورسول پسند کرتے ہیں دانائی اور بردباری انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ خصلتیں مجھ میں پیدائشی ہیں یا میں نے اپنے کسب سے حاصل کی ہیں؟ فرمایا پیدائشی۔

ان کی روایت میں عام طور پر حج کا ذکر نہیں ہے صرف بیہقی نے سنن کبریٰ کی کتاب الصیام میں "**وتحجوا البیت الحرام**" کا لفظ روایت کیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کو شاذ قرار دیا ہے مسند امام احمد میں بھی ایک طریقے میں حج کا ذکر موجود ہے۔

یہ بات آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اسلام کامل اور ایمان کامل بلحاظ مصداق جدا جدا دو چیزیں نہیں ان میں جو کچھ فرق ہے وہ صرف بلحاظ مفہوم ہے۔ وفد مذکور آپؐ کی خدمت میں ایمان واسلام کا فرق دریافت کرنے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ صرف ایسا نظام عمل معلوم کرنے کے لیے آیا تھا جس پر وہ کاربند ہو کر نجات پا جائے اس لیے آپؐ نے ان کے سامنے ان کے سوال کے مطابق ایک مختصر نظام العمل بیان فرما دیا تھا لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام (جن کی حدیث آئندہ آ رہی ہے) اسلام وایمان اور احسان کی جدا جدا حقیقتیں دریافت کرنے کے لیے آئے تھے ان کے سامنے کوئی مختصر اور مجمل نقشہ عمل بتانا ان کے سوال کا جواب نہیں ہوسکتا تھا اس لیے ان سے ہر ایک کی حقیقت جدا جدا بیان فرمانا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان دو حدیثوں میں آپؐ نے دو منصبوں کے فرائض انجام دیئے ہیں یہاں ایک واعظ ومذکر کے اور حضرت جبرئیلؑ کی حدیث میں ایک مدرس ومعلم کے، ایک مذکر وواعظ کا فرض علمی چھان بین نہیں وہ صرف عمل کی ترغیب دیتا ہے اور معلم کا فرض علمی مشکلات کو واضح اور صاف کرنا ہے۔ ان دو منصبوں کے لحاظ سے طریقہ تعبیر بدلنا بھی ضروری ہے اس لیے یہ شبہ نہ کرنا چاہیے کہ ایمان کی جو تشریح یہاں کی گئی ہے جبرئیل علیہ السلام کی حدیث میں وہی تشریح اسلام کی کیسے قرار دے دی گئی۔ بات یہ ہے کہ ایمان واسلام کا پورا پورا مفہوم تو بلاشبہ حدیث جبرئیل ہی میں ادا کیا گیا ہے لیکن عملی دائرہ میں چونکہ ایمان واسلام جدا چیزیں نہ تھیں اس لیے ضمام کی حدیث میں ان کی حقیقتوں پر جدا جدا روشنی ڈالنا غیر ضروری سمجھا گیا ہے۔

ابن المنفتق کی آمد

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْيَشْكُرِیْ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اِنْطَلَقْتُ اِلَى الْكُوْفَةِ لِاَجْلِبَ بِغَالًا قَالَ فَاَتَيْتُ السُّوْقَ وَلَمْ تَقُمْ قَالَ قُلْتُ لِصَاحِبٍ لِّیْ لَوْ دَخَلْنَا الْمَسْجِدَ وَمَوْضِعُهٗ يَوْمَئِذٍ فِیْ اَصْحَابِ التَّمْرِ فَاِذَا فِيْهِ رَجُلٌ مِّنْ قَيْسٍ يُقَالُ لَهٗ اِبْنُ الْمُنْفَتِقِ وَهُوَ يَقُوْلُ وَصَفَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَطَلَبْتُهٗ بِمِنًى فَقِيْلَ لِیْ هُوَ بِعَرَفَاتٍ فَانْتَهَيْتُ اِلَيْهِ فَزَاحَمْتُ عَلَيْهِ فَقِيْلَ لِیْ اِلَيْكَ عَنْ طَرِيْقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعُوا الرَّجُلَ اَرِبَ مَالَهٗ قَالَ فَزَاحَمْتُ عَلَيْهِ حَتّٰى خَلَصْتُ اِلَيْهِ قَالَ فَاَخَذْتُ بِخِطَامِ رَاحِلَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْقَالَ زِمَامِهَا هٰكَذَا

حَدَّثَ مُحَمَّدُ بْنُ حُجَادَةَ قَالَ قُلْتُ ثِنْتَانِ اَسْأَلُکَ عَنْهُمَا مَا يُنَجِّيْنِيْ مِنَ النَّارِ وَمَا يُدْخِلُنِيْ الْجَنَّةَ قَالَ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ نَكَسَ رَأْسَهٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيَّ بِوَجْهِهٖ قَالَ لَئِنْ كُنْتَ اَوْجَزْتَ فِي الْمَسْأَلَةِ لَقَدْ اَعْظَمْتَ وَاَطْوَلْتَ فَاَعْقِلْ عَنِّيْ اِذًا اُعْبُدِاللّٰهَ لَا تُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَاَدِّ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَصُمْ رَمَضَانَ وَمَا تُحِبُّ اَنْ يَّفْعَلَهٗ بِكَ النَّاسُ فَافْعَلْ بِهِمْ وَمَا تَكْرَهُ اَنْ يَّأْتِيَ اِلَيْكَ النَّاسُ فَذَرِ النَّاسَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ خَلِّ سَبِيْلَ الرَّاحِلَةِ.

وَعَنْهُ مِنْ طَرِيْقٍ اٰخَرَ بِنَحْوِهٖ وَفِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ يُدْخِلُنِيْ الْجَنَّةَ وَيُنَجِّيْنِيْ مِنَ النَّارِ قَالَ بَخٍ بَخٍ لَئِنْ كُنْتَ قَصَّرْتَ فِي الْخُطْبَةِ لَقَدْ اَبْلَغْتَ فِي الْمَسْئَلَةِ اِتَّقِ اللّٰهَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤَدِّي الزَّكٰوةَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ خَلِّ عَنْ طَرِيْقِ الرِّكَابِ. (رواه احمد وفى البخارى وتصل الرحم وليس فيه ذكر الحج والاسلام)

مغیرہ بن عبداللہ یشکری اپنے والد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں خچر خریدنے کے لیے کوفہ گیا، بازار پہنچا تو اس وقت تک بازار ٹھیک نہ لگا تھا، میں نے اپنے رفیق سے کہا اتنی دیر مسجد ہی میں چلیں اس وقت اس کی جگہ کھجور والوں کے محلّہ میں تھی، کیا دیکھتا ہوں کہ قبیلہ قیس کا ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جس کو ابن المنفق کہتے تھے، وہ یہ کہہ رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں تلاش کیا تو کسی نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں ہیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو (بھیڑ بہت تھی اس لیے) زبردستی گھسنے لگا، مجھ سے کسی نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ سے ایک طرف ہٹ جا، آپؐ نے فرمایا اس آدمی کو آنے دو ضرورت مند ہے (دیکھو) اسے کیا ضرورت ہے، وہ فرماتے ہیں میں گھس گھسا کر آپؐ کی خدمت میں جا ہی پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سانڈنی کی مہار پکڑ لی ایک راوی نے خطام کے بجائے زمام کا لفظ کہا ہے۔ محمد بن حجادۃ نے (مغیرہ کا شاگرد) ہم نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ میں نے عرض کیا دو باتیں ہیں جنہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہتا ہوں، آتش دوزخ سے مجھے کون سا عمل نجات دے سکتا ہے اور جنت کے لیے کیا عمل درکار ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا پھر سر مبارک نیچے جھکا لیا اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اگرچہ تو نے سوال تو بہت مختصر کیا مگر بات بڑی لمبی دریافت کی ہے اچھا تو اب اس کو مجھ سے خوب سمجھ لے۔ صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کر اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کر، فرض نماز اچھی طرح پڑھا کر، فرض زکوٰۃ دیا کر، رمضان کے روزے رکھا کر اور جو بات تو چاہتا ہے کہ لوگ تیرے ساتھ کریں وہی تو ان کے ساتھ کیا کر اور جو بات تو نہیں چاہتا کہ لوگ تیرے ساتھ کریں دوسروں کو بھی اس سے معاف رکھا کر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا لے اب سانڈنی کا راستہ چھوڑ۔

اس روایت کے دوسرے طریقہ میں بھی اسی قسم کا مضمون ہے لیکن اس کے لفظ یہ ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو جنت میں پہنچا دے اور دوزخ کی آگ سے بچا دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت خوب بہت خوب تم نے درخواست تو مختصر کی مگر سوال بہت گہرا کیا ہے اللہ سے ڈر اور کسی کو اسکے ساتھ شریک نہ کر، باقاعدہ نماز پڑھا کر، زکوٰۃ دیا

کر، حج کر، رمضان کے روزہ رکھا کر، اس کے بعد فرمایا اچھا اب میری سواری کے سامنے سے ہٹ جا۔ (بخاری واحمد)

تشریح۔ امام بخاریؒ نے باب فضل صلۃ الرحم میں اس روایت کو بیان کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں **فقال القوم ماله ماله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ارب ماله.** یعنی جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ شخص بھیڑ میں زبردستی گھسا آ رہا ہے تو کہا ارے اسے کیا ہوگیا ہے، آپؐ نے فرمایا ہو کیا گیا ہے کوئی ضرورت مند شخص ہے۔ (جو ترجمہ یہاں ہم نے کیا ہے وہ صحیح بخاری کی اسی روایت کی مدد سے کیا ہے)۔ شارحین کو اس لفظ کے ترجمہ میں اختلاف ہے۔ بخاریؒ کی روایت میں محشی نے **كانه كان على راحلة** کی شرح ہمارے نزدیک صحیح نہیں کی جو احتمالات انہوں نے لکھے ہیں وہ سب یہاں چسپاں نہیں ہوتے۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت کے آخر میں وہی لفظ مذکور ہیں جو ضمام نے کہے تھے "**والذی نفسی بیده لا ازید على هذا شيئا ابدا ولا انقص منه**" یعنی میں آپؐ کے ارشاد پر کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا۔ ہمارے نزدیک امتثال امر کے لیے اس سے زیادہ ادب کے الفاظ اور نہیں ہو سکتے اس لیے جو صحیح الفطرت شخص بھی آپؐ کی خدمت میں آیا ہے اس نے ان ہی الفاظ کو دہرایا۔ الفاظ کی روح نظر انداز کر کے محض ان کی سطح سے سوال و جواب پیدا کرنا نامناسب ہے۔

سوید ازدی کی آمد

عَنْ سُوَيْدِ الْاَزْدِيِّ قَالَ وَفَدْتُ سَابِعَ سَبْعَةٍ مِنْ قَوْمِيْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا دَخَلْنَا عَلَيْهِ وَكَلَّمْنَاهُ اَعْجَبَهُ مَارَاٰى مِنْ سَمْتِنَا وَزِيِّنَا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ قُلْنَا مُؤْمِنُوْنَ فَتَبَسَّمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَقَالَ اِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ قَوْلِكُمْ وَاِيْمَانِكُمْ قُلْنَا خَمْسَ عَشَرَةَ خَصْلَةً خَمْسٌ مِنْهَا اَمَرَتْنَا رُسُلُكَ اَنْ نُؤْمِنَ بِهَا وَخَمْسٌ اَمَرْتَنَا اَنْ نَعْمَلَ بِهَا وَخَمْسٌ تَخَلَّقْنَا بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَنَحْنُ عَلَيْهَا اِلَّا اَنْ تَكْرَهَ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْخَمْسُ الَّتِيْ اَمَرَتْكُمْ بِهَا رُسُلِيْ قُلْنَا اَمَرَتْنَا اَنْ نُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ وَمَا الْخَمْسُ الَّتِيْ اَمَرْتُكُمْ اَنْ تَعْمَلُوْا بِهَا قُلْنَا اَمَرْتَنَا اَنْ نَقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَنُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَنَصُوْمَ رَمَضَانَ وَنَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْنَا اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ وَمَا الْخَمْسُ الَّتِيْ تَخَلَّقْتُمْ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ قُلْنَا الشُّكْرُ عِنْدَ الرَّخَاءِ وَالصَّبْرُ عِنْدَ الْبَلَاءِ وَالرِّضَا بِمَرِّ الْقَضَاءِ وَالصِّدْقُ فِيْ مَوَاطِنِ اللِّقَاءِ وَتَرْكُ الشَّمَاتَةِ بِالْاَعْدَاءِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُكَمَاءُ عُلَمَاءُ كَادُوْا مِنْ فِقْهِهِمْ اَنْ يَكُوْنُوْا اَنْبِيَاءَ ثُمَّ قَالَ وَاَنَا اَزِيْدُكُمْ خَمْسًا فَتَتِمُّ لَكُمْ عِشْرُوْنَ خَصْلَةً اِنْ كُنْتُمْ كَمَا تَقُوْلُوْنَ فَلَا تَجْمَعُوْا مَالَا تَاْكُلُوْنَ وَلَا تَبْنُوْا مَالَا تَسْكُنُوْنَ وَلَا تَنَافَسُوْا فِيْ شَيْءٍ اَنْتُمْ عَنْهُ غَدًا زَائِلُوْنَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَعَلَيْهِ تُعْرَضُوْنَ وَارْغَبُوْا فِيْمَا تُقَدِّمُوْنَ وَفِيْهِ تَخْلُدُوْنَ فَانْصَرَفُوْا وَقَدْ حَفِظُوْا مِنْ وَصِيَّةِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَعَمِلُوْا بِهَا (رواه ابونعيم فى كتاب معرفة الصحابة كما فى شرح المواهب)

سوید ازدی روایت فرماتے ہیں کہ ہماری قوم کے سات آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں

ساتواں شخص میں تھا جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے گفتگو کی تو جو طرز و انداز آپؐ نے ہمارا دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آیا آپ نے فرمایا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے عرض کیا مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا ہر بات کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا پندرہ چیزیں ہیں جن میں پانچ تو ایسی ہیں جن کے متعلق آپ کے قاصدوں نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان پر یقین رکھیں اور پانچ ایسی ہیں جن کے متعلق کہا ہے کہ ان پر عمل کیا کریں اور پانچ وہ ہیں جن کی عادت ہمیں زمانہ جاہلیت سے پڑی ہوئی ہے اور اب تک ہم ان پر قائم ہیں ہاں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پسند نہ کریں تو البتہ ہم انہیں چھوڑ سکتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتاؤ وہ پانچ باتیں کیا ہیں جن پر میرے قاصدوں نے تم کو یقین رکھنے کے لیے کہا ہے، ہم نے عرض کیا یہ ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے، اس کی کتابیں اس کے سب رسولوں کو مانیں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین کریں فرمایا وہ پانچ باتیں کیا ہیں جن پر عمل کرنے کے لیے کہا ہے، ہم نے عرض کیا یہ کہ ہم اقرار کریں کہ ایک اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں، نماز باضابطہ پڑھیں، زکوٰۃ دیں، رمضان کے روزے رکھیں اور اگر زادِ راہ موجود ہو تو بیت اللہ کا حج بھی کریں فرمایا اچھا اب وہ پانچ باتیں بتاؤ جن کی کفر کے زمانہ سے تمہیں عادت ہے ہم نے عرض کیا، فراخی میں شکر کرنا، مصیبت میں صبر کرنا، مقدرات جب سامنے آجائیں تو ان پر خوش رہنا، جنگ میں ثابت قدمی اور دشمنوں کی مصیبت پر ہنسی نہ اڑانا آپ نے فرمایا تم تو سب کے سب بڑے حکیم اور عالم نکلے قریب تھا کہ اپنے اس علم وفہم کی بدولت نبی بن جاتے (اگر نبوت جاری ہوتی) اچھا تو اب پانچ باتیں میں تمہیں بتاتا ہوں تاکہ کل مجموعہ بیس باتیں ہو جائیں۔ اگر بات اسی طرح سے ہے جیسا تم کہتے ہو تو حاجت سے زیادہ کھانا جمع نہ کرو اور ضرورت سے زیادہ مکانات نہ بناؤ اور جس چیز کو چھوڑ کر کل تمہیں چلا جانا ہے اس میں ایک دوسرے کی حرص نہ کرو اور ایک اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف پھر لوٹ کر تمہیں جانا ہے اور جس کے سامنے حساب دینے کے لیے پیش ہونا ہے اور اس گھر کی فکر رکھنا جس میں تمہیں آئندہ جانا اور ہمیشہ رہنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت سن کر وہ اپنے وطن کو واپس ہو گئے اور ان پر عمل کیا۔

تشریح چونکہ یہ لوگ عام اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور نظر آرہے تھے اس لیے آپؐ نے ان کو اسلام کے ایک بلند مقام کی تعلیم دی یعنی توکل کی۔ جن پانچ چیزوں کا آپؐ نے ذکر فرمایا ہے ان کا زیادہ تعلق اسی صفت توکل کے ساتھ ہے توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ اسباب پر ترکِ اعتماد کا نام ہے۔ ترکِ اسباب آسان ہے اور اسباب کر کے ان پر ترک اعتماد مشکل ہے۔ بقدرِ ضرورت غذا کی تلاش، رہائش کا انتظام توکل کے منافی نہیں البتہ حاجت سے زیادہ غذاء، ضرورت سے زیادہ تعمیر یہ توکل کے منافی ہے اسی لیے یہاں آپ نے بقدر حاجت غذاء یا مکان کی ممانعت نہیں کی۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دین اسلام چونکہ ایک عالمگیر مذہب ہے اس لیے اس میں ہر ذوق اور ہر مزاج کے مناسب تعلیمات رکھی گئی ہیں اگر کوئی ورع وتقویٰ کی باریکیوں سے گذرتے ہوئے گھبراتا ہے تو اس کے لیے رخصتوں کے صاف اور کھلے ہوئے راستے موجود ہیں اور اگر کوئی بلند فطرت رخصتوں کی بجائے ان دشوار گذار وادیوں میں گذرنے کی تلاش رکھتا ہے جن سے گذرنے کی تمنا ہر عاشق مزاج کو ہوا کرتی ہے تو ایسی قربان گاہوں کی بھی یہاں کمی نہیں ہے، ان دونوں کے درمیان اعتدال کا

راستہ ہے جن میں نہ وہ سہولتیں ہیں نہ یہ دشواریاں، یہاں اپنی حاجت سے زیادہ جمع کرنے اور ضرورت سے زیادہ مکان تعمیر کرنے کی اجازت بھی مل جاتی ہے مگر پھر ان کے لیے کچھ حقوق بھی رکھے گئے ہیں جان کے ادانہ کرنے میں مواخذہ کا کھٹکا لگا رہتا ہے اب یہ آپ کے پسند کی بات ہے چاہے تو وہ زندگی گذاریئے جو بے کھٹکے ہو اور چاہے وہ بسر کیجئے جس میں خطرات ہیں۔

اُن وفود کی آمد جن کا نام روایات میں مذکور نہیں

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ اَنْ يُسْلِمَ قَلْبُكَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَنْ يَسْلَمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِكَ وَيَدِكَ قَالَ فَاَىُّ الْإِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ الْإِيْمَانُ (وفى رواية قال خُلُقٌ حَسَنٌ) قَالَ وَمَا الْإِيْمَانُ قَالَ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ (وفى رواية قَالَ وَمَا الْإِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ) قَالَ فَاَىُّ الْإِيْمَانِ اَفْضَلُ قَالَ الْهِجْرَةُ قَالَ فَمَا الْهِجْرَةُ قَالَ تَهْجُرُ السُّوْءَ قَالَ فَاَىُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ الْجِهَادُ قَالَ اَنْ تُقَاتِلَ الْكُفَّارَ اِذَا لَقِيْتَهُمْ قَالَ فَاَىُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهٗ وَاُهْرِيْقَ دَمُهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عَمَلَانِ هُمَا اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اِلَّا مَنْ عَمِلَ بِمِثْلِهِمَا حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ اَوْ عُمْرَةٌ. (رواه احمد والطبرانی ورجاله موثوقون)

عمرو بن عبسہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ اسلام کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ تیرا قلب اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائے اور تیری زبان اور ہاتھ کی ایذا رسانی سے تمام مسلمان محفوظ رہیں پھر اس نے پوچھا اچھا اسلام کا سب سے بہتر جزء کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان! (ایک روایت میں فرمایا اچھے اخلاق) اس نے پوچھا ایمان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو دل سے مانے اور مرنے کے بعد پھر جینے پر یقین رکھے (ایک روایت میں ہے اس نے پوچھا ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا صبر اور سخاوت) اس نے عرض کیا اچھا ایمان میں بہتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہجرت، اس نے عرض کیا ہجرت سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو برائیاں چھوڑ دے، اس نے عرض کیا اچھا تو ہجرت سب سے بہتر کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا جہاد کرنا اور کافروں سے لڑائی کے وقت خوب لڑنا، اس نے عرض کیا اچھا تو جہاد کون سا بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس شخص کا جہاد جس کا گھوڑا زخمی ہو جائے اور اس کا خون بھی بہا دیا جائے آپؐ نے فرمایا اس کے بعد دو کام اور ہیں جو سب سے عمدہ ہیں مگر ہاں وہ شخص جو یہی کام کرے ایک حج جس میں جنایت نہ ہو دوم عمرہ کرنا۔

تشریح۔ عمل کون سا بہتر ہے؟ اس کا ہمیشہ ایک ہی جواب نہیں ہوسکتا۔ فی نفسہ اس عمل کے وزن، مخاطب کے حالات اور زمانوں کے مختلف تقاضوں کے ساتھ ساتھ ہمیشہ مختلف ہوتا جائے گا اسی لیے حدیثوں میں بھی اس سوال کے جوابات مختلف ہی دیئے گئے ہیں اس حدیث میں افضل ہجرت کی تفسیر جہاد کی گئی ہے۔ چونکہ جہاد میں بھی وطن، اہل وعیال کو ترک کرنا پڑتا ہے اس لیے اصل مفہوم کے لحاظ سے اس تفسیر میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اب اصطلاحی لحاظ سے ہجرت کا لفظ مسلمانوں کی ایک مشہور قربانی

کے لیے مخصوص ہوگیا ہے، اس تعبیر کا حسن ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کسی مناسب مقام پر آئندہ ذکر کریں گے۔

عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عَامِرٍ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَأَلِجُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَادِمِهِ أُخْرُجِي إِلَيْهِ فَإِنَّهُ لَا يُحْسِنُ الْإِسْتِيْذَانَ فَقُوْلِي لَهُ فَلْيَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَدْخُلُ فَقَالَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ ذَالِكَ فَقُلْتُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ قَالَ فَأُذِنَ لِي أَوْ قَالَ فَدَخَلْتُ فَقُلْتُ بِمَ أَتَيْنَا بِهِ قَالَ لَمْ آتِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ أَتَيْتُكُمْ بِأَنْ تَعْبُدُوا اللهَ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ قَالَ شعبة واحسبه قَالَ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنْ تَدَعُو اللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَأَنْ تُصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَأَنْ تَصُوْمُوْا مِنَ السَّنَةِ شَهْرًا وَأَنْ تَحُجُّوا الْبَيْتَ وَأَنْ تَأْخُذُوْا مِنْ مَالِ أَغْنِيَاءِ كُمْ فَتَرُدُّوْهَا عَلٰى فُقَرَاءِ كُمْ قَالَ فَقَالَ هَلْ بَقِيَ مِنَ الْعِلْمِ شَيْءٌ لَا تَعْلَمُهُ قَالَ قَدْ عَلَّمَنِيَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ خَيْرًا وَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللهُ (إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (قال الهيثمي اخرج ابوداؤد طرفاً منه وقدر رواه احمد ورجاله كلهم ثقات ائمة)

ربعی بن حراش بنی عامر قبیلہ کے کسی آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے اجازت طلب کی (مگر جو لفظ اس کے لیے اسلام نے مقرر فرمائے تھے وہ استعمال نہ کیے اور کہا) کیا میں اندر گھس آؤں، آپؐ نے اپنی ایک باندی سے کہا اس شخص کو اجازت حاصل کرنے کا سلیقہ نہیں آتا، جا اور اسے بتا کہ پہلے اسے السلام علیکم کہنا چاہیے اس کے بعد یوں کہنا چاہیے کیا میں حاضر ہوسکتا ہوں، وہ شخص کہتا ہے کہ آپ کی یہ بات میں نے بھی سن لی تو اسی کے مطابق میں نے عرض کیا السلام علیکم، کیا میں حاضر ہوسکتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ ان کو اجازت مل گئی یا یہ کہ میں اندر چلا آیا (راوی کو شک ہے) اور پوچھا آپ ہمارے پاس کیا دین لے کر آئے ہیں آپؐ نے فرمایا جو لایا ہوں سب بہتر ہی بہتر ہے، یہ لے کر آیا ہوں کہ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، جس کا کوئی شریک نہیں۔ شعبہ (راوی حدیث) کہتا ہے کہ مجھے خیال ہے کہ **وحدہ لا شریک له** کا لفظ آپؐ نے فرمایا تھا اور یہ کہ لات وعزیٰ بتوں کو یکلخت ترک کردو اور شب و روز میں پانچ نمازیں ادا کرو، سال بھر میں ایک مہینہ کے روزے رکھو، بیت اللہ کا حج کرو اور اپنے مال داروں سے روپیہ لے کر اپنے غریبوں پر تقسیم کرو اس نے پوچھا اچھا کوئی علم ایسا باقی ہے جو آپؐ نہ جانتے ہوں؟ آپ نے فرمایا ابھی تو بہت سی عمدہ عمدہ باتیں باقی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتائی ہیں ہاں علم کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جسے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا (اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی) **إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ...... الخ** (لقمان: ۳۴) قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے وہی بارش بھیجتا ہے وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے رحم میں کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا کہ کل اسے کیا کرنا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ وہ کس ملک اور کس بستی میں مرے گا اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا خبردار ہے۔

تشریح۔ اسلام ایک مکمل آئین ہے اس نے معمولی غیر معمولی تمام ضروریات کے لیے قانون مقرر کیے ہیں۔ موجودہ ترقی

یافتہ دور میں اجازت کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اجازت نامہ (Visting Card) بھیجا جائے اسلام نے اجازت کو ضروری اور کارڈ کو غیر ضروری سمجھا ہے اور اس کے لیے مختصر دعا کے ساتھ مناسب کلمات مقرر کر دیئے ہیں آپ کے زمانہ میں ان آداب کی عملی طور پر بھی کافی نگرانی رکھی جاتی تھی جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے، اب اگر اس زمانہ میں کوئی شخص اجازت کے بغیر داخل ہو جاتا ہے تو یہ قصور اس کا ہے نہ کہ ادب اسلامی کا۔

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَرَزْنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِذَا رَاكِبٌ يُوْضِعُ نَحْوَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنَّ هٰذَا الرَّاكِبَ اِيَّاكُمْ يُرِيْدُ قَالَ فَانْتَهَى الرَّجُلُ اِلَيْنَا فَسَلَّمَ فَرَدَدْنَا عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ اَقْبَلْتَ قَالَ مِنْ اَهْلِیْ وَوَلَدِیْ وَعَشِيْرَتِیْ قَالَ فَاَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ اُرِيْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَدْ اَصَبْتَهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ قَالَ قَدْ اَقْرَرْتُ قَالَ ثُمَّ اِنَّ بَعِيْرَهٗ دَخَلَتْ يَدُهٗ فِیْ شَبَكَةِ جُرْذَانٍ فَهَوٰى بَعِيْرُهٗ وَهَوَى الرَّجُلُ فَوَقَعَ عَلٰى هَامَتِهٖ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَیَّ بِالرَّجُلِ فَقَالَ فَوَثَبَ اِلَيْهِ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وَحُذَيْفَةُ فَاَقْعَدَاهُ فَقَالَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قُبِضَ الرَّجُلُ قَالَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَارَاَيْتُمَا اِعْرَاضِیْ عَنِ الرَّجُلِ فَاِنِّیْ رَاَيْتُ مَلَكَيْنِ يَدُسَّانِ فِیْ فِيْهِ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ مَاتَ جَائِعًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا وَاللّٰهِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ فِيْهِمْ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (الانعام: ۸۲)

ثُمَّ قَالَ دُوْنَكُمْ اَخَاكُمْ قَالَ فَاحْتَمَلْنَاهُ اِلَى الْمَاءِ فَغَسَّلْنَاهُ وَحَنَّطْنَاهُ وَكَفَّنَّاهُ وَحَمَلْنَاهُ اِلَى الْقَبْرِ قَالَ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى جَلَسَ عَلٰى شَفِيْرِ الْقَبْرِ قَالَ فَقَالَ اَلْحِدُوْا وَلَا تَشُقُّوْا فَاِنَّ اللَّحْدَ لَنَا وَالشَّقَّ لِغَيْرِنَا. (وَعَنْهُ اَيْضًا مِنْ طَرِيْقٍ ثَانٍ) قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ نَسِيْرُ اِذْ رُفِعَ لَنَا شَخْصٌ فَذَكَرَ نَحْوَهٗ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ وَقَعَتْ يَدُ بَكْرِهٖ فِیْ بَعْضِ تِلْكَ الَّتِیْ تَحْفُرُ الْجُرْذَانُ وَقَالَ فِيْهِ هٰذَا مِمَّنْ عَمِلَ قَلِيْلًا وَاُجِرَ كَثِيْرًا.

(وعنه ايضا من طريق ثالث) اَنَّ رَجُلًا جَاءَ فَدَخَلَ فِی الْاِسْلَامِ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُ الْاِسْلَامَ وَهُوَ فِیْ مَسِيْرِهٖ فَدَخَلَ خُفُّ بَعِيْرِهٖ فِیْ جُحْرِيْرَ بُوْعٍ فَوَقَصَهٗ بَعِيْرُهٗ فَمَاتَ فَاَتٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَمِلَ قَلِيْلًا وَاُجِرَ كَثِيْرًا قَالَهَا حَمَّادٌ ثَلَاثًا اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا. (رواه الطبرانی وابن ابی حاتم فی تفسیره و الحکیم الترمذی)

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے جب مدینہ طیبہ سے باہر

نکل لیے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سوار ہماری سواری بھگا تا ہوا آ رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارے ہی پاس آ رہا ہے اتنے میں وہ آ ہی پہنچا اور سلام کیا ہم نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کدھر سے آ رہے ہو۔ اس نے عرض کیا بیوی، بچوں اور اپنے خاندان کے پاس سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کدھر کا قصد ہے؟ اس نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ٹھیک مقصد پر پہنچ گئے، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے سکھایئے ایمان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کی گواہی دو کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز اچھی طرح ادا کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، بیت اللہ کا حج کرو۔ اس نے عرض کیا میں نے ان سب باتوں کا اقرار کیا راوی کہتا ہے اس کے بعد اس کے اونٹ کا پیر کسی جنگلی چوہے کے سوراخ میں جا پڑا وہ اونٹ گرا اور کھوپڑی کے بل یہ خود بھی جا گرا اور مر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو ذرا بلا کر لانا فوراً عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو بلانے کے لیے لپکے اس کو بٹھایا (تو وہ مر چکا تھا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا تو انتقال ہو گیا۔ راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی بجائے کسی اور سمت دیکھنے لگے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے دیکھا کہ میں اس شخص کی بجائے دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا میں نے دیکھا تھا کہ دو فرشتے اس کے منہ میں جنت کے میوے ڈال رہے ہیں، یہ دیکھ کر میں سمجھا کہ ضرور یہ شخص بھوکا مرا ہوگا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم یہ ان لوگوں میں ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (جو لوگ ایمان لا چکے پھر انہوں نے اپنے ایمان میں معصیت کا ذرا بھی داغ لگنے نہیں دیا یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں پھر فرمایا اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو، ہم اسے اٹھا کر پانی کے پاس لائے، غسل دیا، خوشبو لگائی، کفن پہنایا، اور قبر میں دفن کے لیے اٹھا کر لے چلے، راوی کہتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قبر کے ایک کنارہ پر بیٹھ گئے اور فرمایا بغلی بنانا صندوق نہ بنانا کیونکہ ہمارے لیے بغلی ہی مناسب ہے صندوق دوسروں کے لیے ہے۔

(اسی روایت کے دوسرے طریقے میں ہے) ہم کسی سفر کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے ابھی جا رہے تھے کہ دفعۃً ایک شخص نظر آیا اس کے بعد وہی مضمون مذکور ہے، اس طریقے میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے اونٹ کا ہاتھ ان سوراخوں میں سے کسی سوراخ میں جا پڑا جو جنگلی چوہے کھود لیا کرتے ہیں اور یہ مضمون اور ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے، جنہوں نے عمل تو تھوڑا کیا لیکن ثواب بہت پایا۔

(تیسرے طریقے میں ہے) کہ ایک شخص آیا اور مسلمان ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر ہی میں اس کو اسلام کی تعلیم دیتے جاتے تھے اس کے اونٹ کا ایک پیر کسی جنگلی چوہے کے سوراخ میں جا پڑا وہ اونٹ گرا اور یہ بھی گرا گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اس شخص نے عمل تو تھوڑا ہی کیا مگر ثواب بہت پایا۔ حماد نے تین بار فرمایا۔ بغلی قبر ہمارے لیے ہے اور صندوق دوسروں کے لیے ہے۔

تشریح۔ عالم فانی سے گذرنے کے بعد ہی عالم آخرت کی نعمتوں سے کچھ نہ کچھ تمتع حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے، یہی حال عذاب کا بھی ہے پورے طور پر ثواب و عذاب قیامت کے بعد ہوگا۔ شہداء کے لیے رزق ملنا شریعت میں ثابت ہے۔ یہ شخص بھی کتنا خوش قسمت تھا

کہ تعلیمات اسلامی حاصل کرنے کے بعد اس کو خدا کی نافرمانی کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ ادھر اسلام لایا اُدھر شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ فرشتوں نے فوراً اکرام مومن کے فرائض انجام دیئے اور اس کے لیے اس عالم کے مناسب نعمتوں کا دروازہ کشادہ ہوگیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ماجرا دیکھ کر بے ساختہ فرمایا کہ اس خوش نصیب نے عمل تو بہت تھوڑا کیا تھا مگر ثواب کتنا عظیم الشان پایا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجْلِسًا لَهُ فَجَاءَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَجَلَسَ بَيْنَ يَدَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى رُكْبَتَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ حَدِّثْنِىْ بِالْاِسْلَامِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تُسْلِمَ وَجْهَكَ لِلّٰهِ وَتَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ قَالَ اِذَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَنَا مُسْلِمٌ قَالَ اِذَا فَعَلْتَ ذَالِكَ فَقَدْ اَسْلَمْتَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَحَدِّثْنِىْ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ الْاِيْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَتُؤْمِنَ بِالْمَوْتِ وَبِالْحَيَاتِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَتُؤْمِنَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْحِسَابِ وَالْمِيْزَانِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ كُلِّهٖ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذَالِكَ فَقَدْ اٰمَنْتُ قَالَ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَقَدْ اٰمَنْتَ. قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِحْسَانُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنَّكَ اِنْ لَّمْ تَرَهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَحَدِّثْنِىْ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ فِىْ خَمْسٍ مِنَ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا هُوَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (لقمان:۳۴) وَلٰكِنْ اِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُكَ بِمَعَالِمَ لَهَا دُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ اَجَلْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَحَدِّثْنِىْ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتَ الْاَمَةَ وَلَدَتْ رَبَّتَهَا اَوْ رَبَّهَا وَرَاَيْتَ اَصْحَابَ الشَّاءِ تَطَاوَلُوْا بِالْبُنْيَانِ وَرَاَيْتَ الْحُفَاةَ الْجِيَاعَ الْعَالَةَ كَانُوْا رُءُوْسَ النَّاسِ فَذٰلِكَ مِنْ مَعَالِمِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ اَصْحَابُ الشَّاءِ وَالْحُفَاةُ الْجِيَاعُ الْعَالَةُ قَالَ الْعَرَبُ. (رواہ احمد وقال الحافظ اسنادہ حسن ورواہ البزار ایضا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ بے وہم وگمان جبرئیل علیہ السلام آ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانو مبارک پر رکھ کر سامنے بیٹھ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے اسلام کی حقیقت بیان کیجئے آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا ہمہ تن تابعدار ہو جائے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے اور یہ گواہی دے کہ معبود کوئی نہیں مگر صرف وہی ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں، اس نے عرض کیا اچھا جب میں یہ گواہی دے دوں گا تو کیا میں مسلمان ہو جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب تو یہ عہد کرلے گا تو یقیناً مسلمان ہو جائے گا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اچھا اب ایمان کی حقیقت بتائیے؟

آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، قیامت، فرشتے، اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور اس کے سب نبیوں کو مانے اور موت پھر موت کے بعد جی اٹھنے، جنت اور دوزخ، حساب و کتاب اور اعمال کی ترازو کا یقین کرے کہ ہر بری بھلی بات تقدیر میں لکھی ہوئی ہے اس نے کہا جب میں ان سب باتوں کو مان لوں گا تو کیا میں مؤمن بن جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو یہ باتیں مان لے گا تو مؤمن بن جائے گا۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب یہ فرمایئے کہ احسان کسے کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا اس طرح خوگر ہو جائے گویا تو اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ تو اگر اسے نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے یقیناً دیکھتا ہے۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے یہ بتایئے قیامت کب آئے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ اس کا علم تو غیب کی ان پانچ باتوں میں داخل ہے جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا (قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، بارش کو وہی بھیجتا ہے، رحم مادر میں کیا ہے اس کا علم اسی کو ہے، اور کل کیا کرنا ہے اسے بھی کوئی نہیں جانتا اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ اس کا انتقال کہاں ہوگا بلا شبہ اللہ ہی ہر چیز کا جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے) ہاں اگر تو چاہے تو اس سے پہلے جو اس کی علامتیں ہیں وہ بتا سکتا ہوں اس نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اچھا تو وہی بتایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو یہ دیکھے کہ باندیوں کی اولاد مالکوں کی طرح ان کی حکمراں بن گئی ہے، بھیڑ بکری چرانے والے یہ فخر کرنے لگیں کہ اونچی اور شاندار کوٹھی کس کی ہے۔ برہنہ پا، بھوکے اور محتاج لوگوں کے افسر بن جائیں تو بس یہی قیامت کی نشانیاں اور اس کے نزدیک آنے کی علامات ہیں اس نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) چرواہوں، پیادہ پا، فاقہ مست اور محتاجوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی عرب کے عوام۔

تشریح۔ (الف) چونکہ اس واقعہ کے آخر میں معلوم ہو گیا تھا کہ یہ سائل حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے اس لیے یہاں راوی نے روایت کے شروع ہی میں ان کا نام ذکر کر دیا ہے ورنہ اکثر روایات سے یہ ثابت ہے کہ سائل کی پوری تشخیص اس کی آمد کے وقت کوئی شخص نہ کر سکا تھا حتیٰ کہ خود خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ اس کے سوا بعض بعض الفاظ میں یہاں راویوں کا کچھ اور اختلاف بھی ہے جو صرف لفظی اختلاف کہا جا سکتا ہے اصل واقعہ پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ اس روایت میں اسلام کی تعریف میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ اسلام صرف انقیاد ظاہری کا نام نہیں بلکہ اپنے آپ کو خالق کے پورے طور پر سپرد کر دینے کا نام ہے ایسی سپردگی جس کے بعد اپنی جان و مال پر اختیار باقی نہ رہے یہ وہی اسلام ہے جس کا مطالبہ حضرت ابراہیم علیہ خلیل اللہ علیہ السلام سے کیا گیا تھا اور جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا تھا "**اسلمت للہ رب العالمین**" میں اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے سپرد کر چکا اور اس کے سامنے سر تسلیم جھکا چکا۔ **ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک له**، میری نماز، میرے افعال حج حتیٰ کہ میرا مرنا اور جینا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ ایمان کی تعریف میں بھی یہاں میزان اور حساب کا ذکر پہلی روایت سے زیادہ ہے ایسے اسلام اور ایسے ایمان والا شخص کامل مسلمان اور کامل مومن کہلاتا ہے۔ جو شخص صرف شہادتین ادا کرتا ہے اگرچہ وہ بھی ایک مسلمان ہے لیکن ابھی اسے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا باقی ہے۔

(ب) نااہلوں میں سرداری اور مال داری علامات قیامت میں اس لیے شمار کی گئی ہے کہ قیامت عالم پر سب سے بڑے

انقلاب کا نام ہے اور نظام عالم کی بربادی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اس کی زمام اختیار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے جو اس کے اہل نہ ہوں یہ ظاہر ہے کہ ادنیٰ ہمت، پست فطرت، درشت خصلت اور جاہل لوگوں کے دلوں میں سوائے ایک جذبہ جلب مال کے کوئی دوسرا جذبہ نہیں ہوتا وہ ہر موقعہ پر اپنے ہی اغراض کو مقدم رکھتے ہیں دنیا و دین کے نظام میں صرف کرنے کے لیے ان کے ہاتھ کبھی نہیں کھلتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے حقوق تلف ہونے لگتے ہیں قلوب میں ان سے نفرت وعداوت پیدا ہونے لگتی ہے۔ تعلیم دین کا نظم قائم نہ ہونے کے باعث دین سے عام جہالت روز بروز ترقی کرتی ہے اور عالم پر خدا کی معرفت کے لحاظ سے ایک عام تاریکی چھا جاتی ہے۔ ادھر علم وفکر کے فقدان کی وجہ سے انہیں اس کا کوئی احساس بھی نہیں ہوتا اس لیے دین ودنیا ہر دو کا نظام تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب اس طرح عالم کی بربادی سامنے آجائے تو یقین کر لینا چاہیے کہ اب خود عالم کی بربادی جس کا دوسرا نام قیامت ہے، بہت نزدیک آ گئی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم اسباب میں ہر چیز اسباب کے ساتھ وابستہ ہے حتیٰ کے قیامت بھی اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک اس کے اسباب نہ آجائیں۔

(ج) حافظ فضل اللہ تو ربشتی فرماتے ہیں کہ یہ مکالمہ حجۃ الوداع سے ذرا قبل واقع ہوا ہے جب کہ انقطاع وحی اور اکمال دین کا زمانہ قریب آ چکا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ احتمال یہ بھی ہے کہ حجۃ الوداع کے بعد واقع ہوا ہو، ان حضرات کی نظر حافظ ابن مندہ کی ایک روایت پر ہے جس کے لفظ یہ ہیں کہ **"ان رجلاً فی اخر عمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاء الخ"** (عمدۃ القاری ص ۳۴۰) یعنی ایک شخص آپ کی آخری عمر میں حاضر ہوا" آخری عمر میں دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔ بہر حال اس لفظ سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہ آمد آپ کے آخری زمانہ میں ہوئی تھی۔ چونکہ وحی ہمیشہ کے لیے بند ہو جانے والی تھی اس لیے عرب کی امی قوم کے لیے ضرورت تھی کہ جو دین تئیس سال میں تدریجاً اترتا رہا ہے آخر میں اس کی ایک مختصر مگر مکمل فہرست ان کو دے دی جائے۔ اس کام کے لیے قدرت نے سب سے زیادہ سلیقہ شعار فرشتہ منتخب کیا اور جو اصولی سوالات تھے وہ اس کی زبان سے پیش کرا دیئے اور بارگاہ رسالت سے اس کا جو آخری جواب ہو سکتا تھا وہ بھی دلوا دیا گیا اور اس طور پر صحابہ کرام نے اپنی خاموشی میں دین کی ایک تسلی بخش فہرست پھر سن لی۔ اس حدیث نے دین کے تین درجے بتائے ہیں ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ پہلا درجہ یہ ہے کہ شہادتین کے ساتھ صرف ظاہری اعضاء و جوارح ارکانِ خمسہ سے مزین ہو جائیں اگرچہ حقائق ایمانیہ سے قلب ابھی تک منور نہ ہو۔ اس ناتمام انقیاد کا نتیجہ یہ ضرور ہونا چاہیے کہ حجاب غفلت میں کبھی کبھی معصیت بھی سرزد ہو جائے اسی کو قرآن کریم نے اپنے حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ **قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ**...... الخ (الحجرات:۱۴) اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیجئے کہ یہ دعویٰ ابھی مت کرو ابھی تو صرف ظاہری انقیاد حاصل ہوا ہے ہاں اس کی توقع ہے کہ آئندہ دین تمہارے دلوں میں اتر جائے۔ پھر تمہارا باطن بھی ظاہر کی طرح پیکر تسلیم بن جائے گا۔ اسی کا نام ایمان ہے اور یہی دین کی اوسط منزل ہے۔ یہاں پہنچ کر واجبات کا تحفظ اور محرمات سے اجتناب ضروری ہو جاتا ہے اب اگر قسمت نے کسی صاحب نصیب کی دستگیری فرمائی اور اس سے بھی آگے عروج میسر آ گیا تو تیسرا درجہ یہ ہے کہ قلب میں حاضر و غائب کا فرق نہ رہے اور دنیا میں عین حجاب غیب میں عبادت کا وہ سلیقہ ہاتھ آ

جائے جو عالم بے حجابی میں ہوتا۔ ان ہر سہ منازل کی طرف قرآن نے آیت ذیل میں اشارہ فرمایا ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (فاطر: ۳۲) پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں چھانٹ لیا تھا اس میں کوئی تو اپنی جان پر ظلم کرتا رہا اور کوئی میانہ چلتا رہا اور خدا کے حکم سے کوئی ہر نیکی میں آگے آگے رہا یہی اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اس کے بعد گو اسے انبیاء کی سی عصمت تو حاصل نہیں ہوتی مگر ان کی وراثت میں اس کا کوئی نمونہ ضرور میسر آجاتا ہے۔ اس تیسرے درجہ کا نام احسان ہے۔ (کتاب الایمان ص ۱۴۴)

(د) قیامت کا وعدہ آفرینش عالم کی ابتداء سے ہوتا چلا آیا ہے مگر وہ آنے کا نام نہیں لیتی۔ انسان کی بے صبر طبیعت اتنا انتظار نہیں کرسکتی، اس لیے وہ اندر ہی اندر اس سوال کے لیے مضطر رہا کرتی ہے "ویقولون متی هو" وہ کہتے ہیں کہ آخر وہ کب آئے گی۔ قد عسیٰ ان یکون قریبًا۔ آپ فرما دیجئے کہ اب آئی۔ قیامت کو جب آنا ہے وہ اپنے وقت پر آجائے گی اس بارے میں طبیعت کا انتظار یا سوال و جواب کا بے معنی سلسلہ قائم کرنا عملی زندگی کے لیے مضر ہے۔ اس لیے آئندہ اس دروازہ کو یہ بتا کر بند کر دیا گیا ہے کہ دین کا علم رسول سے ہی حاصل ہوسکتا ہے مگر جب وہی اپنی آخری حیوٰۃ پر اس مسئلہ کو طے کرنا نہیں چاہتا تو اس کے بعد دوسرا کون ہوگا جو اسے طے کر سکے۔ صاحب موافقات فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قیامت کا علم دین کے ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کا جاننا ضروری ہو۔

(ہ) یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ دنیا جس کو غیب دانی کے نام سے موسوم کرتی ہے عرب میں پہلے یہ ایک مستقل فن تھا اور اس کا نام کہانت تھا۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ حضرت استاد (مولانا انور شاہ کشمیری) قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ قرآن کریم کے محاورہ میں علم وہ ہیں جو واقعہ سے مستفاد ہو اور جو اپنی جانب سے تیار کیا جائے اس کو ظن کہا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اتباع ظن کی جا بجا مذمت کی گئی ہے۔ مالهم به من علم الا اتباع الظن. یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل و صلب میں اختلاف کرنے والوں کو واقعہ کا کچھ علم نہیں ہے صرف اپنی جانب سے اٹکل لگاتے ہیں ان یتبعون الا الظن وان هم الا یخرصون یہ لوگ صرف ظن کے متبع ہیں اور تخمینے لگاتے ہیں۔ مدعیین غیب کو واقعہ کا علم نہیں ہوتا۔ دھواں اٹھتا ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ آگ لگی ہے۔ ہوا چلتی ہے مٹی کی خوشبو سے پتہ لگتا ہے کہ بارش ہوگئی ہے۔ مون سون اٹھتا ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ برسات قریب ہے۔ ہوا کا تموج بتا دیتا ہے کہ سمندر میں طوفان کس سمت سے آنے والا ہے یہ سب استدلالات ہیں جن سے درجہ بدرجہ گو یقین حاصل ہو جاتا ہے مگر واقعہ کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کو بلا واسطہ واقعہ کا علم ہے اور اتنا قطعی ہے کہ اس کا تخلف محال ہے۔ یہاں تک کہ اشیاء اپنے وجود میں اس کے تابع ہیں وہ اشیاء کا تابع نہیں ہے۔ مخلوق کے دائرہ میں کمال یہ ہے کہ اس کا علم واقع کے مطابق ہو جائے اور علم الٰہی کا کمال یہ ہے کہ خود اشیاء اپنے لباس وجود میں علم الٰہی کے تابع رہیں۔ ہاں کبھی خزانہ غیب سے خواص کو کوئی حصہ بخش دیا جاتا ہے تو وہ اس کے تعلق و خصوصیت کی ایک برہان بن جاتا ہے مگر یہ علم بھی اتنا ہی ملتا ہے جتنا کہ ایک ضعیف انسان کا ظرف متحمل ہوسکتا ہے۔ مخلوق کسی ایک چیز کے علم میں بھی خالق کی ہمسری نہیں کرسکتی۔ قدیم کا علم

حادث میں کب سما سکتا ہے، ذرہ میں آفتاب چمکتا ہے مگر نہ ذرہ آفتاب بنتا ہے نہ آفتاب ذرہ بن سکتا ہے ولله مثل الاعلیٰ۔
غرض خالق کی نوعیت علم ہی مخلوق کے علم کی نوعیت سے جداگانہ ہے ایک کو دوسرے پر قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا ہمسری تو کجا۔

عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمُرَ فِيمَا حَدَّثَهُ ابْنُ عُمَرَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ فَذَكَرَ مِنْ هَيْئَتِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْنُهُ فَدَنَا فَقَالَ اُدْنُهُ فَدَنَا حَتّٰى كَادَرُ كُبَتَاهُ تَمَسَّانِ رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ مَا الْاِيْمَانُ اَوْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ قَالَ سُفْيَانُ اُرَاهُ قَالَ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ فَمَا الْاِسْلَامُ قَالَ اِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَحَجُّ الْبَيْتِ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمْضَانَ وَغُسْلٌ مِنَ الْجَنَابَةِ كُلُّ ذٰلِكَ قَالَ صَدَقْتَ صَدَقْتَ قَالَ الْقَوْمُ مَا رَأَيْنَا رَجُلًا اَشَدَ تَوْقِيْرًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا كَاَنَّهٗ يُعَلِّمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِلَّا تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ كُلُّ ذٰلِكَ نَقُوْلُ مَا رَأَيْنَا رَجُلًا اَشَدَّ تَوْقِيْرًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا فَيَقُوْلُ صَدَقْتَ صَدَقْتَ قَالَ اَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ بِهَا مِنَ السَّآئِلِ قَالَ فَقَالَ صَدَقْتَ قَالَ ذَاكَ مِرَارًا مَا رَأَيْنَا رَجُلًا اَشَدَّ تَوْقِيْرً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا ثُمَّ وَلّٰى قَالَ سُفْيَانُ فَبَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوْهُ فَلَمْ يَجِدُوْهُ قَالَ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ جَاءَ كُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ مَا اَتَانِیْ فِیْ صُوْرَةٍ اِلَّا عَرَفْتُهٗ غَيْرَ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ. وفی رواية ابن حبان زيادات منها فی الاسلام قال وتحج وتعتمر وتغتسل من الجنابة وان تتم الوضوء الی اخره خذوا عنه والذی نفسی بيده ما اشتبه علی منذا تانی قبل مرتی هذه وما عرفته حتی ولّٰی (جامع العلوم والحكم ص ۱۶) (وعنه من طريق ثانٍ) جَاءَ جِبْرَئِيْلُ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَامُحَمَّدُ مَا الْاِسْلَامُ فَقَالَ تَعْبُدُاللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمْضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَنَا مُسْلِمٌ قَالَ نَعَمْ صَدَقْتَ قَالَ فَمَا الْاِحْسَانُ قَالَ تَخْشَى اللّٰهَ تَعَالٰى كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَاتَكُ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَنَا مُحْسِنٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَمَا الْاِيْمَانُ قَالَ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْبَعْثِ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْقَدْرِ كُلِّهٖ قَالَ فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَنَا مُؤْمِنٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ صَدَقْتَ (زاد فی رواية وكان جبرئيل ياتی النبی صلی الله عليه وسلم فی صورة دحية وعنه من طريق ثالث اَنَّ جِبْرَئِيْلَ قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ فَقَالَ لَهٗ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَدَقْتَ قَالَ فَتَعَجَّبْنَا مِنْهُ يَسْاَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ذَاکَ جِبْرِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ مَعَالِمَ دِیْنِکُمْ. وعنه عن طریق رابع قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِؓ اَنَّھُمْ بَیْنَاھُمْ جُلُوْسٌ اَوْ قُعُوْدٌ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَ رَجُلٌ یَمْشِیْ حَسَنَ الْوَجْہِ حَسَنَ الشَّعْرِ عَلَیْہِ ثِیَابٌ بِیْضٌ فَنَظَرَ الْقَوْمُ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ مَا نَعْرِفُ ھٰذَا اَوْمَا ھٰذَا بِصَاحِبِ سَفَرٍ ثُمَّ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰتِیْکَ؟ قَالَ نَعَمْ فَجَاءَ فَوَضَعَ رُکْبَتَیْہِ عِنْدَ رُکْبَتَیْہِ وَیَدَیْہِ عَلٰی فَخِذَیْہِ (وساق الحدیث بنحو ما تقدم وفیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بعد ان ذھب السائل) عَلَیَّ بِالرَّجُلِ فَطَلَبُوْہُ فَلَمْ یَرَوْا شَیْئًا فَمَکَثَ یَوْمَیْنِ اَوْ ثَلَاثَۃً ثُمَّ قَالَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اَتَدْرِیْ مَنِ السَّائِلُ عَنْ کَذَا وَکَذَا قَالَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ ذَاکَ جِبْرِیْلُ جَاءَ کُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ.

یحیٰی بن یعمر نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں یہ مضمون اس طرح روایت کیا ہے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا، راوی نے پھر اس کی صورت کا مفصل ذکر کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ذرا قریب آ جاؤ وہ قریب آ گیا۔ آپؐ نے فرمایا اور قریب آ جاؤ وہ اور قریب آ گیا یہاں تک کہ اس کے زانو آپؐ کے زانو سے آ لگے، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے ایمان کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت کو مانو اور تقدیر پر یقین رکھو۔ سفیان کہتے ہیں کہ میرے خیال میں شاید آپؐ نے تقدیر کے ساتھ بری بھلی کا لفظ بھی ارشاد فرمایا تھا اس نے عرض کیا اچھا تو اسلام کے متعلق فرمایئے، آپؐ نے فرمایا نماز اپنے شرائط و آداب کے ساتھ پڑھنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور ماہ رمضان شریف کے روزے رکھنا اور جنابت سے غسل کرنا۔ ہر بات پر وہ بجا اور درست کہتا جاتا تھا۔ حاضرین نے کہا اس سے بڑھ کر آپؐ کی توقیر و تعظیم کرنے والا شخص ہم نے کوئی نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا یہ پہلے سے آپ کو جانتا تھا۔ پھر اس نے کہا یا رسول اللہ احسان کے متعلق ارشاد ہو۔ آپؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں بلاشبہ دیکھتا ہی ہے۔ ہر مرتبہ ہم یہی کہتے ہیں کہ اس جیسا آپؐ کی تعظیم اور توقیر کرنے والا شخص ہم نے کوئی نہیں دیکھا، بات بات پر بجا درست ہی کہہ رہا ہے اس کے بعد اس نے عرض کیا اچھا اب قیامت کے متعلق فرمایئے کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا اس بارے میں تو سائل اور جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ دونوں کا علم برابر ہے (نہ اسے معلوم نہ اسے معلوم) راوی کہتا ہے اس پر پھر اس نے وہی بجا و درست کہا۔ بار بار وہ یہی کہتا رہا۔ ہم نے کہا اس جیسا شخص ہم نے آپؐ کی توقیر کرنے والا نہیں دیکھا پھر وہ پشت پھیر کر چلا گیا۔ سفیان کہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اس شخص کو تلاش کرو لوگ تلاش کرنے کے لئے گئے مگر وہ نہ ملا، آپؐ نے فرمایا یہ جبریل تھے اس پیرایہ سے تمہارا دین تمہیں سکھانے آئے تھے اس سے قبل وہ جس صورت میں بھی میرے پاس آئے میں نے انہیں ہمیشہ پہچان لیا ہے لیکن اس صورت میں میں ان کو پہچان نہیں سکا۔ ابن حبان سے بھی اس واقعہ کو روایت کیا ہے اس میں کچھ زیادتیاں اور بھی ہیں مثلاً اس میں اسلام کی تشریح میں حج، عمرہ، غسل جنابت اور پورے طور پر وضوء کرنے کا ذکر بھی ہے اور آخر میں حج، عمرہ، غسل جنابت اور پورے طور پر وضوء کرنے کا ذکر بھی ہے اور آخر میں ہے مجھ سے اپنا

دین سیکھ لو۔ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب سے کہ میرے پاس یہ تشریف لاتے ہیں کبھی مجھ پر مشتبہ نہیں ہوئے بجز اس مرتبہ کے کہ میں ان کو شناخت نہیں کر سکا یہاں تک کہ وہ پشت پھیر کر چلے گئے) ابن عمرؓ کی روایت کے دوسرے طریقہ میں اس روایت کا مضمون یوں ہے جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا اے محمدؐ اسلام کی حقیقت کیا ہے، آپؐ نے فرمایا اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرا، نماز ادا کر، زکوٰۃ دے، رمضان شریف کے روزے رکھ، بیت اللہ کا حج کر، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ جب یہ باتیں میں کرلوں تو کیا میں مسلمان ہو جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا ضرور، اس نے کہا آپؐ نے درست فرمایا۔ پھر پوچھا احسان کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتا رہ گویا اسے تو آنکھوں سے دیکھتا ہے اگر تو اسے آنکھوں سے نہیں دیکھتا تو وہ تو یقیناً تجھے دیکھتا ہے۔ اس نے کہا اگر میں یہ صفت حاصل کرلوں تو کیا میں محسن ہو جاؤں گا آپ نے فرمایا بے شک۔ اس نے کہا آپؐ نے بجا فرمایا۔ پھر بولا کہیے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے تمام رسولوں کو اور موت کے بعد جی اٹھنے کو، جنت و دوزخ اور ہر قسم کی تقدیر کو دل سے مان لے۔ اس نے کہا جب میں یہ تمام باتیں مان لوں تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا یقیناً۔ اس نے کہا ٹھیک فرمایا (ایک روایت میں یہ اور ہے کہ عام طور پر جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے) ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے تیسرے طریقے میں یہ مضمون اس طرح ہے جبرئیلؑ نے آنحضرتؐ سے پوچھا ایمان کسے کہتے ہیں آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور تمام رسولوں کو اور آخرت کے دن اور ہر بری بھلی چیز کو نوشتہ تقدیر مان لو۔ جبریل علیہ السلام نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک فرمایا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے اس پر تعجب کیا کہ یہ شخص خود ہی پوچھتا ہے اور پھر خود ہی اس کی تصدیق بھی کرتا جاتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے، تمہارے پاس تمہارے دین کے اصول سکھانے آئے تھے روایت مذکورہ کے چوتھے طریقے میں ہے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ ایک شخص نہایت حسین، خوب صورت بالوں والا، سفید لباس پہنے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹہلتا ہوا آیا۔ لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا (اور کہا) ہم اس شخص کو پہچانتے تو نہیں یا یہ کہا کہ یہ شخص مسافر تو معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے بعد وہ بولا یا رسول اللہ میں حاضر ہو سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شوق سے وہ آیا اور اپنے دونوں زانو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو کے برابر اور اپنے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیئے (اس کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا وہی مضمون بیان کیا اس میں یہ اور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے چلے جانے کے بعد فرمایا) اس کو میرے پاس لاؤ، لوگوں نے اسے ڈھونڈھا تو انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ دو تین دن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جانتے ہو یہ سوالات کرنے والا شخص کون تھا؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی واقف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام تھے تمہارا دین سکھانے کے لیے تمہارے پاس آئے تھے۔

تشریح۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سوالات کی ترتیب میں یہاں کچھ اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ایمان کا سوال مقدم

ہے اور بعض میں اسلام کا لیکن سائل کے اصل سوال اور آپ ؐ کے اصل جواب میں کہیں کوئی فرق نہیں ہے سب کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کا تعلق اعمال جوارح سے ہے اور ایمان کا اعتقادیات سے اکثر روایات میں اعمال جوارح کی تفصیل شہادتین اور ارکان خمسہ ذکر کی گئی ہے۔ عمرہ، غسل جنابت اور وضو کی تکمیل صرف ابن حبان کی روایت میں مذکور ہے لیکن چونکہ عمرہ حج کے تابع ہے اور غسل جنابت اور اسباغ وضو نماز کے اس لیے یہ اختلاف کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ایمان کی تشریح میں جن امور خمسہ کا احادیث میں ذکر ہے قرآن کریم نے بھی کئی جگہ ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (البقرة: ۲۸۵) ہمارے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کتاب کو مان لیا جو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی اور (پیغمبر کے ساتھ) دوسرے مسلمانوں نے بھی۔ یہ سب کے سب اللہ اور اس کے فرشتے اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے۔

(۲) وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتَابِ (البقرة: ۱۷۷) بلکہ اصل بھلائی اور نیکی یہ ہے کہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔

چونکہ رسولوں پر ایمان یہ ہے کہ ان کی بیان کردہ سب باتوں کو تسلیم کیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، قیامت اور جنت و دوزخ کی تمام تفصیلات، جیسے صراط و میزان وغیرہ سب کا تسلیم کرنا ایمان بالرسول میں داخل ہے۔ یہاں ایک بات غور طلب یہ ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان کے مفہوم میں فرق ہے اور وفد عبدالقیس کی حدیث میں آپ نے اسلام کی ٹھیک وہی تفسیر بیان فرمائی ہے جو یہاں ایمان کی مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں کوئی فرق نہیں۔ علماء نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں حضرت استاد (مولانا محمد انور شاہ صاحب) قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ ایمان و اسلام مصداق کے لحاظ سے ایک ہی چیز ہیں یعنی اسلام کامل اور ایمان کامل جدا نہیں ہوتے اس لیے ایمان و اسلام کے اجزاء ایک دوسرے کی تعریف میں ذکر کیے جاسکتے ہیں۔

حدیث جبرئیلؑ میں سائل کے سوالات کی نوعیت پھر بار بار اس کی تصدیق کرنے سے یہ اندازہ کرنا بہت ہی قرین قیاس تھا کہ یہ مخاطب کوئی ذی علم اور ذی فہم شخص ہے اس لیے اس کے سامنے ہر ایک کی جداگانہ ماہیت اور علیحدہ علیحدہ حقیقت بیان کرنا اور ان باریک علمی گوشوں پر بھی متنبہ کر دینا جن سے ایمان و اسلام کی حقیقتیں ممتاز ہوتی ہیں نہایت مناسب تھا، وفد عبدالقیس میں آپ کے مخاطب چند نومسلم تھے ان کے سامنے علمی تحقیقات بیان کرنا غیر ضروری تھا۔ نیز وہ صرف ایک ایسا نظام عمل دریافت کرنے آئے تھے جو ان کی نجات کے لیے کافی ہو جائے اس لیے ان کے سامنے آپ نے ایسا ہی نظام عمل رکھ دینا مناسب سمجھا۔ یہاں اسلام و ایمان کا فرق بیان کرنا بالکل غیر ضروری تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ تعبیری فرق صرف مخاطبین کے حالات کی رعایت سے کیا گیا ہے مسئلہ کا فرق نہیں ہے۔

ابن عمرؓ کی روایت کے دوسرے طریقہ کے آخری الفاظ سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ حضرت جبرئیلؑ کو شناخت نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس مرتبہ وہ اپنی عام عادت کے مطابق دحیہ کلبی کی شکل میں تشریف نہ لائے تھے۔ تعجب ہے کہ نسائی شریف میں اس کے بالکل برعکس یہاں راوی یہ بیان کرتا ہے "انه جبريل نزل فی صورة دحية الكلبی" (یہ جبرئیلؑ تھے دحیہ کلبی کی

صورت میں آئے تھے) حافظ ابن حجرؒ نے اس کو راوی کا وہم قرار دیا ہے اور بجا قرار دیا ہے۔

چوتھے طریقہ میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ سے آپ ؐ کا سائل کی تشخیص کے متعلق سوال کرنا اس واقعہ کے دو تین دن بعد ہوا ہے۔ابوداؤد، نسائی اور ترمذی میں راوی نے بلاتر دد تین دن کا لفظ کہا ہے۔لہٰذا اس کے خلاف جو روایت بھی ہو اسکی تاویل کی جائیگی۔

عَنْ اَبِیْ عَامِرِ الْاَشْعَرِیِّؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِہٖ وَفِیْہِ ثُمَّ وَلّٰی (ای السائل) فَلَمَّا لَمْ نَرَ طَرِیْقَہٗ بَعْدُ قَالَ (اَیِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) سُبْحَانَ اللّٰہِ ثَلَاثًا ھٰذَا جِبْرِیْلُ جَاءَ لِیُعَلِّمَ النَّاسَ دِیْنَھُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَاجَاءَ نِیْ قَطُّ اِلَّا وَاَنَا اَعْرِفُہٗ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ ھٰذِہِ الْمَرَّۃَ. (انفرد بہ الامام احمد وحسنہ الحافظ)

ابو عامر اشجعی نے بھی جبریل علیہ السلام کی آمد کا واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔ پھر وہ شخص چلا گیا جب ہمیں اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو آپ ؐ نے تین بار سبحان اللہ سبحان اللہ فرما کر کہا یہ جبریل علیہ السلام تھے اس لیے آئے تھے کہ لوگوں کو اس پیرایہ سے دین کی تعلیم دیں۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس مرتبہ کے سوا کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ وہ میرے پاس آئے ہوں اور میں نے انہیں پہچان نہ لیا ہو۔

تشریح۔حافظ ابن رجبؒ نے یہاں صحابی کی کنیت میں اختلاف نقل کیا ہے کہ ابن عامر ہے یا ابوعمر یا ابو مالک اور ان کی روایت کے الفاظ میں یہ بھی نقل کیا ہے ''کہ ہمیں بات کرنے والا وہاں کوئی شخص نظر نہ آتا تھا ہم صرف آپ کا جواب سن رہے تھے'' مسند احمد کے یہ الفاظ اس باب کی تمام صحیح روایات کے خلاف ہیں، راوی عام طور پر سائل کو بچشم خود دیکھنا بیان کرتے ہیں اس لیے اگر کسی ایک روایت میں اس کے خلاف مذکور ہے تو یقیناً یہ بھی راوی کا وہم ہی سمجھا جائے گا۔صحیحین کی روایات سے ثابت ہے کہ جبریل علیہ السلام کو ایک نوجوان شخص کی صورت میں سب نے دیکھا تھا۔ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عالم روحانیت موجود ہے، اس کو اپنی شکل بدلنے پر قدرت دی گئی ہے، وہ انسانی شکل اختیار کر سکتا ہے اور اپنی شکل پر واپس بھی ہوسکتا ہے۔نقل وحرکت اور سمع وبصر وغیرہ کی تمام صفات اس میں موجود ہیں۔فرشتوں کی بحث میں اس پر مزید کلام کیا جائے گا۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کے مزاج میں تحقیق و تنقیح کی قوت نہیں ہوتی جب وہ کہیں راویوں کا اختلاف دیکھتے ہیں تو اس کی تنقیح کرنے کی بجائے اصل واقعہ کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔یہ ٹھیک ایسی ہی بات ہے جیسے کسی واعظ ومقرر کی تقریر سننے والے اگر آپ کے سامنے اس کی تقریر میں کچھ اختلاف نقل کریں تو آپ سرے سے اس کی تقریر ہی سے انکار کر بیٹھیں پس اگر اس جگہ ناقلین کے اختلاف کی وجہ سے اس تقریر سے انکار کرنا غلط ہے تو پھر راویوں کے اختلاف سے جبرئیل علیہ السلام کی آمد اصل واقعہ ہی سے انکار کرنا کیونکر صحیح کہا جا سکتا ہے اس کا حاصل تو یہ ہے کہ جب تک ایک واقعہ کے نقل پر اس کے تمام ناقل کسی ادنیٰ اختلاف کے بغیر متفق نہ ہو جائیں اس واقعہ کا وجود ہی قابل تسلیم نہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِہٖ وَفِیْہِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَلُوْنِیْ فَھَابُوْہُ اَنْ یَسْاَلُوْہُ وَفِیہِ فَاِذَا کَانَتِ الْعُرَاۃُ الْحُفَاۃُ الْجُفَاۃُ وَفِیْہِ وَاِذَا تَطَاوَلَ رُعَاۃُ الْبُھْمِ فِی الْبُنْیَانِ وَفِیْہِ بَعْد ذکر الایۃ زِیَادَۃُ ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوْا عَلَیَّ الرَّجُلَ فَاَخَذُوْا لِيَرُدُّوْهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا فَقَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِيْنَهُمْ. وفى طريق اراد اَنْ تَعَلَّمُوْا اِذْلَمْ تَسْأَلُوْا. (رواہ احمد والشیخان وغیرھما)

یہ مضمون ابوہریرہؓ سے بھی اسی کے قریب مروی ہے (صرف اتنا فرق ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کی آمد کا سبب اس میں یہ مذکور ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا مجھ سے جو دریافت کرنا ہے وہ دریافت کرلو، صحابہ (قرآن میں سوال کی ممانعت کی وجہ سے) سوال کرتے ہوئے ڈرے، اس پر جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے یہ سوالات خود شروع کیے اور علامات قیامت میں ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ کی بجائے) یہاں یہ لفظ ہیں جب برہنہ جسم، پیادہ پا، گنوار، درشت خصلت (لوگ قوم کے سردار ہو جائیں) اور "ورأیت اصحاب الشاء" کی بجائے یہ لفظ ہیں اور جب جاہل، بھیڑوں کے چرواہے عمارتوں پر فخر کرنے لگیں اور آیت "ان الله عنده علم الساعة" کے بعد اتنا اور ہے اس کے بعد وہ شخص پشت پھیر کر چلا گیا آپؐ نے فرمایا اس شخص کو میرے پاس واپس لاؤ، لوگ چلے کہ اسے واپس لائیں مگر انہیں کوئی نظر نہ آیا آپؐ نے فرمایا یہ جبریلؑ تھے۔ اس لیے آئے تھے کہ لوگوں کو اس پیرایہ سے ان کا دین سکھلائیں۔ دوسرے طریقہ میں یہ لفظ ہیں کہ چونکہ تم نے سوال نہ کیا اس لیے جبریلؑ نے (خود یہ سوالات کیے) تاکہ تم اپنا دین سیکھ لو۔

تشریح۔ اس روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں جبرئیل علیہ السلام کو سائل بن کر تشریف لانے کی ضرورت کیا تھی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قرآن میں سوال کرنے کی ممانعت کا منشا تحقیق سے روکنا نہیں تھا بلکہ بیکار سوالات یا ایسے سوالات سے روکنا مدنظر تھا۔ جن سے دین میں تشدد پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ حدیث جبریل میں سب سے بڑی بحث احسان کی ہے۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر احسان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہیں تقویٰ کے ساتھ، کہیں ایمان اور کہیں عمل صالح کے ساتھ۔

(۱) بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (بقرہ: ۱۱۲) بلکہ واقعی بات تو یہ ہے کہ جس نے خدا کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے تو اس کے لئے اس کا اجر اس کے پروردگار کے یہاں موجود ہے۔

(۲) وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (لقمان: ۲۲) اور جو خدا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرے اور وہ نیکوکار بھی ہو (تو بس اس نے مضبوط رسی تھام لی)۔

(۳) لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (المائدہ: ۹۳) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے تو جو کچھ ممانعت سے پہلے کھا پی چکے اس میں ان پر کسی طرح کا گناہ نہیں جبکہ انہوں نے حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور ایمان لائے پھر حرام چیزوں سے پرہیز کیا اور اچھا پرہیز کیا جیسا کرنے کا حق ہے اور اللہ خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۴) لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (یونس: ۲۶)

جن لوگوں نے دنیا میں بھلائی کی ان کے لئے آخرت میں بھی ویسی ہی بھلائی ہے اور کچھ بڑھ کر بھی۔

صحیح مسلم میں زیادہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے روئے انور کا دیدار کی گئی ہے۔ صفت احسان کے لئے یہ جزاء نہایت ہی موزوں

ہے۔ جب احسان یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس تصور کے ساتھ ادا کی جائے گویا اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے تو آخرت میں اس کے مناسب یہی جزاء ہوسکتی ہے کہ اس کو دیدار الٰہی سے حقیقتاً مشرف فرمایا جائے اس کے بالمقابل کافروں کا حال یہ ہے کہ دنیا میں بھی ان کے اور ان کے پروردگار کے درمیان غفلت کے حجابات پڑے ہوئے ہیں اس لئے ان حجابہائے غفلت کی جزاء آخرت میں بھی دیدار الٰہی سے محرومی ہونا چاہئے اسی لئے فرمایا۔ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُوْنَ (المطففین:۱۵)

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احسان کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس تصور کے ساتھ ہو کہ وہ تم سے اتنا قریب ہے گویا تمہارے سامنے ہے اور تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ تصور دشوار ہو تو پھر اس کے پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اس ایمان کا تصور جماؤ کہ وہ تمہاری تمام حرکات وسکنات دیکھتا ہے۔ یہ ایمان تو ہر شخص کو حاصل ہے جب اس حقیقت پر بار بار غور کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی قرب ومعیت کا تصور تم پر اتنا غالب آجائے گا کہ پھر وہ ہر وقت گویا تمہیں اپنے سامنے نظر آئے گا۔ اس بناء پر حدیث میں ایک ہی حال مذکور ہے اور دوسرا جملہ پہلے حال کی تحصیل کا صرف ایک ذریعہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو دو جداگانہ حال قرار دیئے جائیں اور مطلب یہ ہو کہ اگر تمہیں پہلا حال میسر نہ آسکے تو دوسرے حال ہی پر کفایت کرلو اور کم از کم اس تصور سے تو خالی نہ رہو کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے، خشوع وخضوع عبادت کی روح ہے اور اس کے لئے یہ تصور بھی کافی ہے، بعض عارفین نے ان دو مقاموں کو مقام اخلاص اور مقام مشاہدہ سے تعبیر کیا ہے۔ پہلا مقام، مقام مشاہدہ ہے اور دوسرا مقام اخلاص۔ اگر یہ تصور میسر آجائے کہ خدا تعالیٰ تمہیں ہمہ وقت دیکھتا ہے۔ تمہاری ہر ہر حرکت پر اس کی نظر پڑ رہی ہے تو اس حالت میں غیر اللہ کی طرف التفات یا عبادت میں غیر اللہ کی شرکت کا شائبہ بھی آنا ناممکن ہوگا۔ اس کا نام مقام اخلاص ہے لیکن اگر کسی بلند فطرت کا قلب نور عرفان ویقین سے اتنا لبریز ہوچکا ہے کہ حجاب اغیار اٹھا کر غیب الغیب کو دیکھنے لگا ہے تو یہ مقام مشاہدہ ہے اور دراصل احسان اسی یقین کا نام ہے یہ مشاہدہ اسی یقین کا ایک اثر ہوتا ہے جو کمال استحضار اور انتہائی رسوخ کے بعد یہ شکل اختیار کرلیتا ہے ورنہ ؎

عنقاء شکار کس نشو دام باز چین کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس صفت احسان کی طرف اشارات کئے گئے ہیں۔

(۱) سَالَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (بقرہ:۱۸۶)

ہمارے بندے جب ہمارے بارے میں دریافت کریں تو ان کو (سمجھادو) کہ ہم ان کے بہت قریب ہیں۔

(۲) مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَمَا کَانُوْا (مجادلہ:۷)

جب تین آدمیوں کا مشورہ ہوتا ہے تو ضرور ان کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور پانچ کا مشورہ ہوتا ہے تو ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۳) وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیْکُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ (یونس:۶۱)

اور اے پیغمبر تم کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہو اور (اے لوگو) کوئی سا عمل بھی تم کرتے ہو ہم (ہمہ وقت) جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو تو تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔

(۴) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:۱۶)

اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

(۵) يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ (نساء:۱۰۸)

لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے۔ حالانکہ جب راتوں کو (بیٹھ بیٹھ کر) ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جن سے خدا راضی نہیں تو خدا ان کے ساتھ (موجود) ہوتا ہے۔

(۶) وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (الحدید:۶)

''اور تم کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔''

ان تمام آیات میں حق تعالیٰ کی یہ قرب و معیت اسی صفت احسان کا اثر ہے جس کو حدیث جبرئیل علیہ السلام میں بتایا گیا ہے۔ احادیث ذیل میں بھی اسی کے اثرات ہیں۔

ان احدكم اذاقام يصلى فانما يناجي ربه او ربه بينه وبين القبلة وقوله ان الله قبل وجهه اذا صلى. وقوله ان الله ينصب وجهه لوجه عبده في صلاته مالم يلتفت وقوله للذين رفعوا اصواتهم بالذكر انكم لا تدعون اصم ولا غائبا انكم تدعون سميعا قريبا. وفي رواية وهو اقرب الى احدكم من عنق راحلته وفي روايته وهو قرب اليكم من حبل الوريد وقوله يقول الله عزوجل انا مع عبدى اذا ذكرني وقوله يقول الله عزوجل انا مع ظن عبدى بي وانا معه حيث يذكرني.

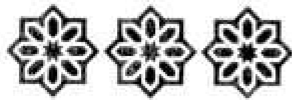
(۱) جب تم میں کوئی شخص نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس وقت وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے یا آپؐ نے یہ فرمایا کہ اس کا پروردگار گویا اسکے اور اس کے قبلہ کے درمیان جلوہ گر ہوتا ہے۔ (۲) جب مصلی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس کے منہ کی جانب جلوہ گر ہوتی ہے۔ (۳) جب تک بندہ نماز میں اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ (۴) کچھ لوگوں نے ایک سفر میں چیخ چیخ کر ذکر اللہ شروع کیا۔ آپ نے فرمایا اتنا چلاؤ مت تم کسی بہرے یا غیر حاضر ذات کو یاد نہیں کر رہے ہو، تم ایسی ذات کو یاد کر رہے ہو جو سننے والی ہے اور تمہارے بہت ہی قریب ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے۔ (۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس وقت اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (۶) حق تعالیٰ کا ارشا ہے کہ میں اپنے بندہ کے اعتقاد کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔

قرب و معیت کی یہ تمام داستانیں بندہ کے اسی یقین و حضور کے کرشمے ہیں جس کے پیدا کرنے کا وہ بہرحال مامور ہے صوفیاء محققین نے اس قرب و معیت کو اپنے فن اور اپنے ذوق کے انداز میں دوسری طرح پیش کیا ہے مگر درحقیقت وہ سب

کیفیات ووجدانیات ہیں جو الفاظ کی محدود تعبیرات میں مقید ہو کر فضول دماغی الجھاؤ کا باعث بن گئی ہیں۔

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تعبیر بہت صاف ہے اور علماء وصوفیاء دونوں کے مذاق کے قریب ہے۔ شریعت کا اصل مقصد توحید ورسالت کا صرف علم حاصل کرنا نہیں بلکہ ان علوم کو حالات اور حالات سے مقامات کی حد تک پہنچانا ہے علوم جب تک حالات ووجدانیات کی شکل اختیار نہیں کرتے اس وقت تک طبیعت میں نہ تو جذبہ عمل پیدا ہوسکتا ہے اور نہ عمل میں کوئی ذوق نصیب ہوسکتا ہے۔ انسانی دماغ ان کو صرف ایک علمی تحقیق کی نظر سے دیکھا کرتا ہے اور یہ باور نہیں کرسکتا کہ یہ تمام علوم درحقیقت عالم غائبات کے وہ عظیم الشان حقائق ہیں جو خارج میں عالم مشاہدہ سے زیادہ مستحکم طور پر موجود ہیں۔ اسے حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے مسائل، تقدیر وبرزخ، جنت ودوزخ کے تمام غیبی حقائق صرف خیالی نظر آتے رہتے ہیں لیکن منازل یقین طے کرتے کرتے جب وہ منزل احسان تک پہنچ جاتا ہے تو پھر جن کو پہلے وہ اوہام سمجھا کرتا تھا اب وہی حقائق ثابتہ نظر آنے لگتے ہیں اور جنہیں حقائق سمجھا کرتا تھا وہ اوہام سے زیادہ ناپائیدار اور بے حقیقت ہوتے چلے جاتے ہیں۔ انسان کے باطن میں جب یہ انقلاب رونما ہوجاتا ہے تو شریعت اس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک سائنس کا ماہر مسلسل تجربات کرتے کرتے جب کسی ایک نقطہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کو اپنی اس تحقیق پر وہ یقین میسر آجاتا ہے جو اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بھی کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ ہر انسان مشاہدہ میں انسان ہے اور دوسرے انسان ہی سے پیدا ہوا ہے۔ تاریخ نے کبھی شہادت نہیں دی کہ کوئی انسان کسی جانور سے پیدا ہوا تھا لیکن جب محض دماغی فلسفہ نے اس کو ہڈیوں کے جوڑ وبند ملانے پر مجبور کردیا تو اس نے اپنے تمام مشاہدات اور دنیا کی تمام موجودہ تاریخ کی صرف دلائل وبراہین اور محض اپنے تجربات کی بناء پر تکذیب کردی اور بڑی خوشی سے یہ کہنے لگا کہ انسان حیوان ہی کی ایک ارتقائی شکل ہے یہ کوئی علمی تحقیق نہیں بلکہ جب دماغ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ کسی ایک جانب مشغول ہوجاتا ہے تو اس کو حقائق کے قلب کرنے میں ایک ملکہ حاصل ہوجاتا ہے اور وہ اوہام کو حقائق اور حقائق کو اوہام کا رنگ دینے لگتا ہے۔ اس کے یقین کی یہ ساری دنیا صرف اس کے دماغ کی تراشیدہ ہوتی ہے۔ آج بھی اوہام کے پرستار کھلے ہوئے امراض کو جنات کا خلل قرار دیتے ہیں۔ قدیم ہندو ذہنیت سے متاثر بعض جاہل مسلمان بھی چیچک کو دیوی کا تصرف خیال کرتے ہیں اور اس زمانہ میں گھر کے اندر گوشت پکانا چیچک بگڑنے کا سبب حقیقی تصور کرتے ہیں۔ اس کے برعکس روحانیات کے منکر روحانی تصرفات کے لئے بھی انجکشن تجویز کراتے پھرتے ہیں۔ اس پر تماشہ یہ ہے کہ ہر فرقہ اپنے اپنے دائرہ یقین کے موافق معالجہ کرتا ہے اور اس پر آثار مرتب ہونے کا دعویٰ بھی رکھتا ہے یہ سب حقائق نہیں بلکہ اپنے ہی یقین کے اثرات ہیں جو بصورت حقائق نظر آنے لگتے ہیں اس کا مقصد دلائل وبراہین کو یکسر معطل کرنا اور دنیا کے اس سارے نظام کو جو ان دلائل پر ہی قائم ہے درہم وبرہم کردینا بھی نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاں صفت احسان کا دخل ہے وہ دنیا دلائل وبراہین کی دنیا نہیں ہے وہ عالم مشاہدہ کا عالم ہے اس لئے وہاں تحصیل یقین کا راستہ صرف مشاہدہ ہے جس کی پہلی کڑی عمل ہے۔ عمل سے عقائد راسخ

ہوتے ہیں اور جب عقائد راسخ ہو جاتے ہیں تو اسی پر صفت احسان کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور اسی راستے سے انسان کے عنصر مادیت کو عروج میسر آتا ہے۔ حقیقی ارتقاء یہی ہے۔ انسان جب تک مادیت میں ڈوبا ہوا ہے وہ صفت احسان سے آشنا نہیں ہوسکتا اور جونہی ان کے عنصر مادیت کو عروج میسر آیا اسی وقت سے اس کی ماہیت کا دوسرا پاک عنصر یعنی روحانیت چمکنے لگتا ہے اور صفت احسان کی ابتداء ہونے لگتی ہے اور جتنا اس کا یہ عنصر شریعت کے تطہیر و تزکیہ کے اثرات سے عنصر مادیت کو مسخر کرتا جاتا ہے اتنا ہی یہ عنصر بھی عنصر روحانیت کے ہمرنگ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ظاہر و باطن، مادیت و روحانیت میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اس انقلاب کے بعد اب اس کے لئے فرشتے، جنت اور دوزخ پر یقین کرنا اسی طرح بدیہی ہو جاتا ہے جیسا اپنی آنکھوں کے مشاہدات پر، انبیاء علیہم السلام کے اکثر غیبی علوم کا تعلق اسی صفت احسان سے ہے۔ جو شخص صفت احسان سے جتنا بے بہرہ ہے اتنا ہی وہ ان علوم سے بھی بے بہرہ ہے یہ اس کی خوش فہمی ہے کہ وہ اس کا انکار اپنے روشن خیالی کا ثمرہ تصور کرتا ہے۔ حقیقت یہ نہیں بلکہ دراصل اس کا یہ تردد یا تمرد اس صفت احسان سے دوری اور محرومی کا ثمرہ ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ دین اسلام کے منکر ہیں ان کا عنصر روحانیت رفتہ رفتہ ان کی مادیت کے ہمرنگ ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت وہ آجاتا ہے جبکہ ان کی روحانیت قطعاً مردہ ہو جاتی ہے اور اب ان کے لئے صرف عالم مادیت میں ڈوبنے اور ڈوب کر مر جانے ہی کی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے اور ان کے لئے صفت احسان تک رسائی کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ شاید اسی کو قرآن کے الفاظ میں طبع اور قلبی مہر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کی اس صورت میں تمام علوم اسلامیہ کا خلاصہ موجود ہے فقہاء کا موضوع عبادات و معاملات ہیں، یہ تمام مسائل مفہوم اسلام میں درج ہیں اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لانا، جنت دوزخ، تقدیر، اور قیامت پر یقین رکھنا متکلمین کا موضوع ہے یہ تمام مباحث لفظ ایمان میں داخل ہیں، توکل، رضا، صبر اور بقیہ مقامات عشرہ وغیرہ عرفاء کا موضوع ہے یہ سب مقامات احسان کے ابواب ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ حدیث کتنی عظیم الشان ہے۔



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں اور اولاد

اپنے آقا اور دو جہان کے سردار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں اور اولاد کا حال معلوم کرنے کا اشتیاق ہوا کرتا ہے اور ہر مسلمان کو ہونا بھی چاہئے۔ اس لئے مختصر حال ان کا لکھا جاتا ہے کہ تفصیلی حالات کے لئے تو بڑی ضخیم کتاب چاہئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جن پر محدثین اور مؤرخین کا اتفاق ہے گیارہ عورتوں سے ہوا۔ اس سے زیادہ میں اختلاف ہے۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان میں سب سے پہلا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوا جو بیوہ تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت پچیس برس کی تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ حضور کی اولاد بھی بجز حضرت ابراہیمؓ کے سب انہیں سے پیدا ہوئی۔ جن کا بیان بعد میں آئے گا۔ حضرت خدیجہؓ کے نکاح کی سب سے اول تجویز ورقہ بن نوفل سے ہوئی تھی مگر نکاح کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد دو شخصوں سے نکاح ہوا۔ اہل تاریخ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے پہلے کس سے ہوا۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ عتیق بن عائذ سے ہوا جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام ہند تھا اور وہ بڑی ہو کر مسلمان ہوئیں اور صاحب اولاد بھی اور بعضوں نے لکھا ہے کہ عتیق سے ایک لڑکا بھی ہوا جس کا نام عبداللہ یا عبدِ مناف تھا۔ عتیق کے بعد پھر خدیجہؓ کا نکاح ابو ہالہ سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو اولاد ہوئیں اکثروں نے کہا ہے کہ دونوں لڑکے تھے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ ہند لڑکا اور ہالہ لڑکی۔ ہند حضرت علی کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے اور ابو ہالہ کے انتقال کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔ جس وقت کہ حضرت خدیجہ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ نکاح کے بعد پچیس برس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں اور رمضان ۱۰ ہجری نبوی میں پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بیحد محبت تھی اور ان کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ان کا لقب اسلام سے پہلے ہی سے طاہرہ تھا اسی وجہ سے ان کی اولاد جو دوسرے خاوندوں سے ہے وہ بھی بنو الطاہرہ کہلاتی ہے ان کے فضائل حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ہیں۔ ان کے انتقال پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر مبارک میں اتر کر دفن فرمایا تھا۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔

ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کے بعد اسی سال شوال میں حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے نکاح ہوا۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس کا نکاح ہوا۔ بعض مؤرخین نے حضرت عائشہؓ سے نکاح پہلے ہونا لکھا ہے اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت سودہؓ سے پہلے

ہوا۔ بعد میں حضرت عائشہؓ سے حضرت سودہؓ بھی بیوہ تھیں۔ ان کے والد کا نام زمعہ بن قیس ہے پہلے سے اپنے چچازاد بھائی سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ دونوں مسلمان ہوئے اور ہجرت فرما کر حبشہ تشریف لے گئے اور حبشہ میں سکران کا انتقال ہو گیا بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مکہ واپس آ کر انتقال فرمایا اور ان کے انتقال کے بعد کہ ۱۰ انبوی میں حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے کچھ دنوں بعد ان سے نکاح ہوا اور رخصتی حضرت عائشہؓ کی رخصتی سے سب کے نزدیک پہلے ہی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تو کثرت سے نماز میں مشغول رہنا ہی تھی۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے عرض کیا کہ رات آپ نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ مجھے اپنی ناک سے نکسیر نکلنے کا ڈر ہو گیا (یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں۔ چونکہ بدن کی بھاری تھیں اس وجہ سے اور بھی مشقت ہوئی ہو گی) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خاوند کی خواہش نہیں مگر یہ تمنا ہے کہ جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں داخل رہوں اس لئے مجھے طلاق نہ دیں میں اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور اس وجہ سے ان کی باری کا دن حضرت عائشہ کے حصہ میں آتا تھا۔ سن ۵۴ ہجری یا ۵۵ ہجری میں اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ خلافت میں وفات پائی۔ انکے علاوہ ایک سودہ اور بھی ہیں جو قریش ہی کی ہیں۔ حضور نے ان سے نکاح کا ارادہ فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ مجھے ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں۔ مگر میرے پانچ چھ بچے ہیں۔ مجھے یہ بات گراں ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے روئیں چلائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو پسند فرمایا۔ تعریف کی اور نکاح کا ارادہ ملتوی فرمادیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت عائشہؓ سے بھی نکاح مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شوال سن ۱۰ ہجری میں ہوا جس وقت کہ ان کی عمر چھ سال کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں صرف یہی ایک ایسی ہیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا اور باقی سب سے نکاح بیوگی کی حالت میں ہوا۔ نبوت سے چار سال بعد یہ پیدا ہوئیں اور ہجرت کے بعد جب کہ ان کی عمر نو اں برس تھا رخصتی ہوئی اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا...اور چھیاسٹھ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان سن ۵۷ ہجری کو منگل کی شب میں ان کا وصال ہوا۔ خود ہی وصیت فرمائی تھی کہ مجھے عام قبرستان میں جہاں اور بیبیاں دفن کی گئی ہیں دفن کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب حجرہ شریفہ میں نہ دفن کیا جائے چنانچہ بقیع میں دفن کی گئیں...عرب میں یہ مشہور تھا کہ شوال کے مہینہ میں نکاح نامبارک ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرا نکاح بھی شوال میں ہوا اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں کونسی مجھ سے زیادہ نصیبہ ور اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ تھی۔

پیغام اور نکاح

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم کی بیٹی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نکاح کیوں نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس سے عرض کیا کنواری بھی ہے اور بیوہ بھی

جو منظور ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو عرض کیا کہ کنواری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ دوست ابوبکرؓ کی لڑکی عائشہؓ ہے اور بیوہ سودہؓ بنت زمعہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تذکرہ کر کے دیکھ لو۔ وہ وہاں سے حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئیں اور حضرت عائشہؓ کی والدہ اُمِ رومانؓ سے عرض کیا کہ میں ایک بڑی خیر و برکت لے کر آئی ہوں۔ دریافت کرنے پر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عائشہؓ سے منگنی کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ ام رومان نے کہا کہ وہ تو انکی بھتیجی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے نکاح ہوسکتا ہے۔ اچھا ابوبکرؓ کو آنے دو۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت گھر پر موجود نہ تھے ان کے تشریف لانے پر ان سے بھی یہی ذکر کیا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے نکاح ہوسکتا ہے خولہؓ نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے اسلامی بھائی ہیں ان کی لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے۔ خولہؓ واپس ہوئیں اور حضرت ابوبکرؓ کو جواب سنایا۔ وہاں کیا دیر تھی کہا بلا لاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور نکاح ہو گیا۔

رخصتی: ہجرت کے بعد چند مہینے گذر جانے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی عائشہ کو کیوں نہیں بلا لیتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان مہیا نہ ہونے کا عذر فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے نذرانہ پیش کیا جس سے تیاری ہوئی اور شوال ۱ھ یا ۲ھ میں چاشت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کے دولت کدہ پر بنا یعنی رخصتی ہوئی۔ یہ تین نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت سے پہلے ہوئے اس کے بعد جتنے نکاح ہوئے وہ ہجرت کے بعد ہوئے۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ سے نکاح ہوا۔ حضرت حفصہ نبوت سے پانچ برس قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح مکہ ہی میں خنیسؓ بن حذافہ سے ہوا۔ یہ بھی پرانے مسلمان ہیں جنہوں نے اول حبشہ کی ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ بدر میں بھی شریک ہوئے اور اسی لڑائی میں یا احد کی لڑائی میں ان کے ایسا زخم آیا جس سے اچھے نہ ہوئے اور ۲ھ یا ۳ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت حفصہؓ بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ ہی آ گئی تھیں جب بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمرؓ نے اول حضرت ابوبکرؓ صدیق سے درخواست کی کہ میں حفصہؓ کا نکاح تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے خاموشی اختیار کی تھی۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی اہلیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا جب انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ سے ذکر فرمایا۔ انہوں نے فرما دیا کہ میرا تو اس وقت نکاح کا ارادہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمرؓ نے اُس کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں حفصہؓ کے لئے عثمانؓ سے بہتر خاوند اور عثمانؓ کے لئے حفصہ سے بہتر بیوی بتاتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت حفصہؓ سے ۲ھ میں ہے یا ۳ھ میں خود نکاح کیا اور حضرت عثمانؓ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے کر دیا۔ ان کے پہلے خاوند کے انتقال میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ بدر کے زخم سے شہید ہوئے یا احد کے۔ بدر ۲ھ اور احد ۳ھ میں۔ اسی وجہ سے ان کے نکاح میں بھی اختلاف ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جب تم نے حفصہؓ کے نکاح کا ذکر کیا تھا اور میں نے سکوت کیا تھا جو تم کو ناگواری ہوئی ہو گی مگر چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے نکاح کا تذکرہ فرما

چکے تھے اس لئے نہ تو میں قبول کرسکتا تھا اور نہ حضورؐ کے راز کو ظاہر کرسکتا تھا اس لئے سکوت کیا تھا... اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ ملتوی کردیتے تو میں ضرور کرلیتا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ابوبکرؓ کی خاموشی کا حضرت عثمانؓ کے انکار سے بھی زیادہ رنج تھا۔ حضرت حفصہؓ بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔ رات کو اکثر جاگتی تھیں اور دن میں کثرت سے روزہ رکھا کرتی تھیں۔ کسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک طلاق بھی دی تھی جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو بہت رنج ہوا اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور عرض کیا۔ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ حفصہؓ سے رجوع کرلو یہ بڑی شب بیدار اور کثرت سے روزہ رکھنے والی ہیں اور عمرؓ کی خاطر بھی منظور ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع فرمالیا۔ جمادی الاولیٰ ۴۵ھ جب ان کی عمر تریسٹھ برس کی تھی مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا بعض نے ان کا انتقال ۴۱ھ میں اور عمر ساٹھ سال لکھی ہے۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینبؓ سے ہوا... حضرت زینبؓ خزیمہ کی بیٹی جن کے پہلے نکاح میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ پہلے عبداللہ بن جحشؓ سے نکاح ہوا تھا۔ جب وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے جن کا قصہ باب ے کی پہلی حدیث میں گذرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور بعض نے لکھا کہ اُن کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا تھا۔ اُن کے طلاق دینے کے بعد اُن کے بھائی عبیدہؓ بن الحارث سے ہوا جو بدر میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے اکتیس مہینے بعد رمضان ۳ھ میں ہوا۔ آٹھ مہینے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ دو ہی بیبیاں ایسی ہیں جن کا وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا۔ باقی نو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد زندہ تھیں جن کا بعد میں انتقال ہوا حضرت زینبؓ بڑی سخی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کا نام اسلام سے پہلے بھی ام المساکین (مسکینوں کی ماں) تھا۔

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت اُم سلمہؓ سے ہوا۔ حضرت اُم سلمہؓ ابوامیہ کی بیٹی تھیں جن کا پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابوسلمہؓ سے ہوا تھا۔ جن کا نام عبداللہ بن عبدالاسد تھا دونوں میاں بیوی ابتدائی مسلمانوں میں ہیں۔ کفار کے ہاتھ سے تنگ آکر اول دونوں نے حبشہ کی ہجرت کی وہاں جا کر ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جن کا نام سلمہ تھا حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ کی ہجرت کی جس کا قصہ اسی باب کے نمبر ۵ پر مفصل گذر چکا ہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ایک لڑکا عمرؓ اور دو لڑکیاں درہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ ابوسلمہ دس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ بدر اور اُحد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے تھے اُحد کی لڑائی میں ایک زخم آ گیا تھا جس کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ اسکے بعد صفر ۴ھ میں ایک سریہ میں تشریف لے گئے تو واپسی پر وہ زخم پھر ہرا ہوگیا اور اُسی میں آٹھ جمادی الاخریٰ ۴ھ میں انتقال کیا۔ حضرت اُم سلمہؓ اس وقت حاملہ تھیں اور زینب پیٹ میں تھیں۔ جب وہ پیدا ہوئیں تو عدت پوری ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نکاح کی خواہش فرمائی تو انہوں نے عذر کر دیا۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارادہ فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے بچے بھی ہیں اور میرے مزاج میں غیرت کا مضمون بہت ہے اور میرا کوئی ولی یہاں ہے نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بچوں کا اللہ محافظ ہے اور یہ غیرت بھی ان شاء اللہ جاتی رہے گی اور کوئی ولی اس کو ناپسند نہیں کرے گا تو انہوں نے اپنے بیٹے سلمہؓ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو۔ اخیر شوال ۴ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔ بعض نے ۳ھ میں اور بعض نے ۲ھ میں لکھا ہے۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دُعاء کرے اَللّٰهُمَّ اُجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْنِیْ خَیْرًا مِّنْهَا

''اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل نصیب فرما'' تو اس کو اللہ جل شانہٗ بہترین بدل عطا فرماتے ہیں۔ ابوسلمہؓ کے مرنے پر میں یہ دُعا پڑھ لیتی مگر یہ سوچتی تھی کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون ہوسکتا ہے۔ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرا دیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اُن کے حُسن کی بہت شہرت تھی۔ جب نکاح ہوگیا تو میں نے چھپ کر حیلہ سے جا کر دیکھا تو جیسا سنا تھا اُس سے زیادہ پایا۔ میں نے حفصہؓ سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا نہیں ایسی حسین نہیں ہیں جتنی شہرت ہے۔ امہات المؤمنین میں سب سے اخیر میں ام سلمہؓ کا انتقال ۵۹ھ یا ۶۲ھ میں ہوا۔ اس وقت چوراسی سال کی عمر تھی۔ اس لحاظ سے نبوت سے تقریباً نو برس پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کے انتقال کے بعد اُن سے نکاح ہوا اور حضرت زینب کے مکان میں مقیم ہوئیں۔ انہوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جَو رکھے ہیں اور ایک چکی اور ہانڈی بھی۔ انہوں نے جَو خود پیسے اور چکنائی ڈال کر ملیدہ تیار کیا اور پہلے ہی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ ملیدہ کھلایا جو نکاح کے دن اپنے ہی ہاتھ سے پکایا تھا۔

اُم المؤمنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کا پہلا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنّٰی حضرت زید بن حارثہؓ سے کیا تھا۔ ان کے طلاق دینے کے بعد اللہ جل شانہٗ نے خود اُن کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ جس کا قصہ سورۂ احزاب میں بھی ہے اسوقت ان کی عمر پینتیس (۳۵) سال کی تھی۔ مشہور قول کے موافق ذیقعدہ ۵ھ میں نکاح ہوا۔ بعض نے ۳ھ میں لکھا ہے مگر صحیح ۵ھ ہے اور اس حساب سے نبوت سے گویا سترہ سال قبل ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کو اس بات پر فخر تھا کہ سب عورتوں کا نکاح اُن کے اولیا نے کیا اور ان کا نکاح اللہ جل شانہٗ نے کیا۔ حضرت زیدؓ نے جب ان کو طلاق دی اور عدت پوری ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس پیام بھیجا۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی جب تک اپنے اللہ سے مشورہ نہ کرلوں اور یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور یہ دُعا کی کہ یا اللہ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اگر میں ان کے قابل ہوں تو میرا نکاح اُن سے فرما دے۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قران شریف کی آیت فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری بھیجی۔ حضرت زینبؓ خوشی کی وجہ سے سجدہ میں گر گئیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے نکاح کا ولیمہ بڑی شان سے کیا بکری ذبح کی اور گوشت روٹی کی دعوت فرمائی ایک ایک جماعت کو بلایا جاتا تھا اور جب وہ فارغ ہوجاتی تھی تو دوسری جماعت اسی طرح بلائی جاتی حتیٰ کہ سب ہی لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ حضرت زینبؓ بڑی سخی تھیں

اور بڑی محنتی۔ اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور۔ جو حاصل ہوتا وہ صدقہ کر دیتیں۔ ان ہی کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ سے سب سے پہلے مرنے کے بعد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لانبا ہوگا۔ بیبیاں ظاہری لمبائی سمجھیں۔ اس لئے لکڑی لے کر سب کے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے۔ دیکھنے میں حضرت سودہؓ کا ہاتھ سب سے لانبا ملا۔ مگر جب حضرت زینبؓ کا انتقال سب سے پہلے ہوا جب سمجھیں کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ کی کثرت تھی۔ روزے بھی بہت زیادہ رکھتی تھیں ۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پچاس برس کی عمر تھی۔ ان کا قصہ اسی باب کے نمبر ۱۰ پر بھی گذرا ہے۔

اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت جویریہؓ بنت الحارث بن ابی ضرار سے ہوا۔ یہ غزوۂ مریسیع میں قید ہو کر آئی تھیں اور غنیمت میں حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔ قید ہونے سے پہلے مسافع بن صفوان کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ثابتؓ نے اُن کو نو اوقیہ سونے پر مکاتب کر دیا۔ مکاتب اس غلام یا لونڈی کو کہتے ہیں جس سے یہ مقرر کر لیا جاوے کہ اتنے دام تم اگر دیدو۔ تو تم آزاد۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنے کا۔ اس حساب سے نو اوقیہ کی قیمت (ﷲ۸/۱۲) ہوئی اور چار آنے کا اگر درہم ہو تو (لعہ ۹۰) ہوئی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔ جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی آپ کو معلوم ہے۔ اب اتنی مقدار پر میں مکاتب ہوئی ہوں اور یہ مقدار میری طاقت سے باہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمید پر آئی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر راستہ بتاؤں کہ تجھے مال ادا کر کے آزاد کرا دوں اور تجھ سے نکاح کر لوں۔ ان کیلئے اس سے بہتر کیا تھا۔ بخوشی قبول کر لیا۔ اور ۵ھ میں مشہور قول کے موافق اور بعضوں نے ۶ھ میں اس قصہ کو بتایا ہے۔ نکاح ہو گیا۔ صحابہؓ نے جب سُنا کہ بنوالمصطلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال بن گئے۔ تو انہوں نے بھی اس رشتہ کے اعزاز میں اپنے اپنے غلام آزاد کر دیئے۔ کہتے ہیں کہ ایک حضرت جویریہ کی وجہ سے سو گھرانے آزاد ہوئے جن میں تقریباً سات سو آدمی تھے۔ اس قسم کی مصلحتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب نکاحوں میں تھیں۔ حضرت جویریہؓ نے اس لڑائی سے تین دن پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ یثرب سے ایک چاند چلا اور میری گود میں آ گیا۔ کہتی ہیں کہ جب میں قید ہوئی تو مجھے اپنے خواب کی تعبیر کی اُمید بندھی۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی اور ربیع الاول ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق پینسٹھ برس کی عمر میں مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا اور بعضوں نے ان کا انتقال ۵۶ھ میں ستر برس کی عمر میں لکھا ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ام المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ۔ ابوسفیان کی صاحبزادی ہیں ان کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثروں نے رملہ

اور بعضوں نے ہند بتایا ہے۔ ان کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحشؓ سے مکہ مکرمہ ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تھے۔ کفار کی تکالیف کی بدولت وطن چھوڑنا پڑا اور حبشہ کی ہجرت دونوں نے کی۔ وہاں جا کر خاوند نصرانی ہو گیا۔ یہ اسلام پر باقی رہیں۔ انہوں نے اسی رات میں اپنے خاوند کو خواب میں نہایت بری شکل میں دیکھا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ وہ نصرانی ہو گیا ہے۔ اس تنہائی میں اس حالت میں ان پر کیا گذری ہو گی۔ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا نعم البدل یہ عطا فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پیام بھیجا کہ ان کا نکاح مجھ سے کر دو۔ چنانچہ نجاشی نے ایک عورت ابرہہ کو ان کے پاس اس کی خبر کے لئے بھیجا۔ انہوں نے خوشی سے اپنے دونوں کنگن جو پہن رہی تھیں اسکو عطا کر دیئے اور پاؤں کے چھلے کڑے وغیرہ متعدد چیزیں دیں۔ نجاشی نے نکاح کیا اور اپنے پاس سے چار سو دینار مہر کے ادا کئے اور بہت کچھ سامان دیا۔ جو لوگ مجلس نکاح میں موجود تھے ان کو بھی دینار دیئے اور کھانا کھلایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نکاح ۷ ھ میں ہوا جیسا کہ اکثر کا قول ہے یا ۶ ھ میں جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ صاحب تاریخ خمیس نے لکھا ہے کہ ان کا نکاح ۶ ھ میں ہوا اور رخصتی ۷ ھ میں۔ جب یہ مدینہ طیبہ پہنچیں۔ نجاشی نے بہت سی خوشبو اور سامانِ جہیز وغیرہ دے کر ان کو نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ بعض کتب تواریخ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ نے نکاح کیا۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ان کے باپ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ اس قصہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کا یہ قصہ اسی باب کے نمبر ۹ میں گذر چکا ہے۔ اس کے انتقال میں بہت اختلاف ہے اکثر نے ۴۴ ھ بتایا ہے اور اس کے علاوہ ۴۲ ھ اور ۵۵ ھ اور ۵۰ ھ وغیرہ اقوال بھی ہیں۔

اُم المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُم المؤمنین حضرت صفیہ حیی کی بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ اوّل سلام بن مشکم کے نکاح میں تھیں اس کے بعد کنانہ بن ابی حقیق کے نکاح میں آئیں۔ اس سے نکاح اس زمانہ میں ہوا تھا کہ خیبر کی لڑائی شروع ہو گئی تھی اور ان کا خاوند قتل ہو گیا تھا۔ خیبر کی لڑائی کے بعد دحیہ کلبی ایک صحابی تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک باندی مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مرحمت فرما دیا۔ چونکہ مدینہ میں بھی دو قبیلے قریظہ اور نضیر آباد تھے اور یہ سردار کی بیٹی تھیں اسلئے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار ہو گی۔ صفیہؓ کو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نکاح میں لے لیں تو بہت سے لوگوں کی دلداری ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہؓ کو خاطر خواہ عوض دے کر ان کو لے لیا اور ان کو آزاد فرما کر نکاح کر لیا اور خیبر سے واپسی میں ایک منزل پر ان کی رخصتی ہوئی۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے پاس جو کھانے کی چیز ہو وہ لے آئے۔ صحابہؓ کے پاس متفرق چیزیں کھجور۔ پنیر۔ گھی وغیرہ جو تھا وہ لے آئے۔ ایک چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا اور اس پر وہ سب ڈال دیا گیا اور سب نے شریک ہو کر کھا لیا۔ یہی ولیمہ تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان کو اختیار دیدیا تھا کہ اگر تم اپنی قوم اور اپنے ملک میں رہنا چاہو تو آزاد ہو چلی جاؤ اور میرے پاس نکاح میں رہنا چاہو تو رہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں شرک کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کرتی تھی اب مسلمان ہو کر کیسے جا سکتی ہوں۔ اس سے مراد غالباً ان کا وہ خواب ہے جو انہوں نے مسلمان ہونے سے پہلے دیکھا تھا کہ ایک چاند کا ٹکڑا میری گود میں ہے۔ اس خواب کو انہوں نے اپنے خاوند کنانہ سے کہا اُس نے ایک طمانچہ اس زور سے منہ پر مارا کہ آنکھ پر اس کا نشان پڑ گیا۔ اور یہ کہا کہ تو یثرب کے بادشاہ کے نکاح کی تمنا کرتی ہے۔ ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ آفتاب ان کے سینہ پر ہے۔ خاوند سے اس کو بھی ذکر کیا۔ اُس نے اس پر بھی یہی کہا کہ تو یہ چاہتی ہے کہ یثرب کے بادشاہ کے نکاح میں جائے۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے چاند کو گود میں دیکھا تو اپنے باپ سے ذکر کیا۔ اس نے بھی ایک طمانچہ مارا اور یہ کہا کہ تیری نگاہ یثرب کے بادشاہ پر جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ چاند کا وہی خواب خاوند اور باپ دونوں سے کہا ہو۔ یا چاند دو مرتبہ دیکھا ہو۔ رمضان ۵۰ ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور تقریباً ساٹھ برس کی عمر پائی خود کہتی ہیں کہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تو میری عمر سترہ سال کی نہیں ہوئی تھی۔

اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُم المؤمنین حضرت میمونہؓ حارث بن حزن کی بیٹی ان کا اصل نام برہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہؓ رکھا۔ پہلے سے ابورحم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ اکثر مؤرخین کا یہی قول ہے اور بہت سے اقوال اُن کے پہلے خاوند کے نام میں ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی دو نکاح ہوئے تھے۔ بیوہ ہو جانے کے بعد ذیقعدہ ۷ ھ میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے۔ موضع سرف میں نکاح ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ عمرہ سے فراغت کے بعد مکہ میں رخصتی ہو جائے مگر مکہ والوں نے قیام کی اجازت نہ دی۔ اس لئے واپسی میں سرف ہی میں رخصتی ہوئی اور سرف ہی میں خاص اسی جگہ جہاں رخصتی کا خیمہ تھا ۵۱ ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور بعض نے ۶۱ ھ میں لکھا ہے۔ اس وقت ان کی عمر اکیاسی برس کی تھی اور اسی جگہ قبر بنی۔ یہ بھی عبرت کا مقام ہے اور تاریخ کا عجیبہ ہے کہ ایک سفر میں وہاں نکاح ہوا اور دوسرے سفر میں وہاں رخصتی اور عرصہ کے بعد اُسی جگہ قبر بنی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میمونہؓ ہم سب میں زیادہ متقی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔ یزید بن اصمؒ کہتے ہیں کہ ان کا مشغلہ ہر وقت نماز تھا یا گھر کا کام۔ اگر دونوں سے فراغت ہوتی تو مسواک کرتی رہتی تھیں۔ جن عورتوں کے نکاح پر محدثین و مؤرخین کا اتفاق ہے۔ ان میں حضرت میمونہؓ کا نکاح سب سے آخری نکاح ہے۔ انکی درمیانی ترتیب میں البتہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے ان نکاحوں کی تاریخ کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ مختصر طور پر معلوم ہوا ان گیارہ بیویوں میں سے دو کا وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو چکا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کا اور حضرت زینب بنت خزیمہ کا۔ باقی نو بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت موجود تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض نکاح بعض محدثین و مؤرخین نے لکھے ہیں جن کے ہونے میں اختلاف ہے اس لئے انہیں بیبیوں کا ذکر لکھا ہے جن پر اتفاق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

مؤرخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ ہیں پھر حضرت رقیہؓ پھر حضرت ام کلثومؓ پھر حضرت سیدہ فاطمہؓ۔ لڑکوں میں البتہ بہت اختلاف ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب حضرات بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور عرب میں اس زمانہ میں تاریخ کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا۔ صحابہؓ جیسے جاں نثار بھی اس وقت تک کثرت سے نہیں ہوئے تھے جو ہر بات پوری پوری محفوظ رہتی۔ اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ تین لڑکے حضرت قاسمؓ۔ حضرت عبداللہؓ۔ حضرت ابراہیمؓ ہوئے۔ بعضوں نے کہا کہ چوتھے صاحبزادے حضرت طیبؓ اور پانچویں حضرت طاہرؓ تھے۔ اس طرح پانچ ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ طیبؓ اور طاہرؓ دونوں ایک ہی صاحبزادہ کے نام ہیں۔ اس طرح چار ہوئے۔ اور بعض نے کہا کہ حضرت عبداللہؓ ہی کا نام طیبؓ اور طاہرؓ تھا۔ اس طرح تین ہی لڑکے ہوئے اور بعضوں نے دو لڑکے اور بھی بتائے۔ مطیبؓ اور مطہرؓ اور لکھا ہے کہ طیبؓ اور مطیبؓ ایک ساتھ پیدا ہوئے اور طاہرؓ اور مطہرؓ ایک ساتھ پیدا ہوئے۔ اس طرح سات لڑکے ہوئے لیکن اکثر کی تحقیق تین لڑکوں کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت ابراہیمؓ کے سوا حضرت خدیجہؓ ہی سے پیدا ہوئی۔

صاحبزادہ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لڑکوں میں حضرت قاسمؓ سب سے پہلے پیدا ہوئے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حضرت زینبؓ ان سے بڑی تھیں یا چھوٹی۔ حضرت قاسمؓ نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا۔ دو سال کی عمر اکثر نے لکھی ہے اور بعضوں نے اس سے کم یا زیادہ بھی لکھی ہے۔

صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے ان کا نام طیبؓ اور طاہرؓ بھی پڑا اور بچپن ہی میں انتقال ہوا۔ اُن کے انتقال پر بعضوں نے لکھا ہے کہ حضرت قاسمؓ کے انتقال پر کفار بہت خوش ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل منقطع ہوگئی جس پر سورۂ اِنَّا اَعْطَیْنَا نازل ہوئی اور کفار کے اس کہنے کا کہ جب نسل ختم ہوگئی تو کچھ دنوں میں نام مبارک بھی مٹ جائے گا۔ یہ جواب ملا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد تک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے فدائی کروڑوں موجود ہیں۔

صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ تھے جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بالاتفاق ذی الحجہ ۸ ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضور کی باندی حضرت ماریہؓ کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن اُن کا عقیقہ کیا اور دو مینڈھے ذبح کیے اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بالوں کو دفن کرایا۔ ابو ہند بیاضیؓ نے سر کے بال اُتارے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے نام پر نام رکھا ہے اور

سولہ مہینے کی عمر میں ان صاحبزادہ نے بھی ۱۰ ربیع الاوّل ۱۰ھ میں انتقال فرمایا بعضوں نے اٹھارہ مہینے کی عمر بتلائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابراہیمؓ کیلئے جنت میں دودھ پلانے والی تجویز ہوگئی۔

صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب ہیں اور جن مؤرخین نے اس کے خلاف لکھا ہے غلط ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے پانچ برس بعد جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تیس برس کی تھی پیدا ہوئیں اور اپنے والدین کے آغوش میں جوان ہوئیں۔ مسلمان ہوئیں اور اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے نکاح ہوا۔ غزوۂ بدر کے بعد ہجرت کی جس میں مشرکین کی ناپاک حرکتوں سے زخمی ہوئیں جس کا قصہ اسی باب کے نمبر ۲۰ میں گذر چکا ہے اور اسی بیماری کا سلسلہ اخیر تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ۸ھ کے شروع میں انتقال فرمایا۔ ان کے خاوند بھی ۶ھ یا ۷ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور انہی کے نکاح میں رہیں۔ اُن سے دو بچے ہوئے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام حضرت علیؓ تھا۔ جنہوں نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد بلوغ کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا۔ فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونٹنی پر جو سوار تھے وہ یہی حضرت علیؓ تھے۔ لڑکی کا نام حضرت امامہؓ تھا جن کے متعلق حدیث کی کتابوں میں کثرت سے قصہ آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سجدہ کرتے تو یہ کمر پر سوار ہو جاتیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ کے وصال کے بعد جو اِن کی خالہ تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ان سے نکاح کیا اور ان کے وصال کے بعد مغیرہؓ بن نوفل سے نکاح ہوا۔ حضرت علیؓ کے کوئی اولاد اُن سے نہیں ہوئی۔ البتہ مغیرہؓ سے بعضوں نے ایک لڑکا یحییٰ لکھا ہے۔ اور بعضوں نے انکار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے خود وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت علیؓ کا نکاح بھانجی سے کردیا جائے۔ ان کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں جو اپنی بہن حضرت زینبؓ سے تین برس بعد پیدا ہوئیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تینتیس (۳۳) برس کی تھی۔ اور بعضوں نے حضرت رقیہؓ کو حضرت زینبؓ سے بڑا بتایا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ حضرت زینبؓ سے چھوٹی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح ہوا تھا۔ جب سورۃ تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے اُن سے اور ان کے دوسرے بھائی عتیبہ سے جس کے نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی حضرت اُم کلثومؓ تھیں۔ یہ کہا کہ میری ملاقات تم دونوں سے حرام ہے اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دیدو۔ اس پر دونوں نے طلاق دیدی۔ یہ دونوں نکاح بچپن میں ہوئے تھے۔ رخصتی کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد فتح مکہ پر حضرت رقیہؓ کے خاوند عتبہ مسلمان ہوگئے تھے مگر بیوی کو پہلے ہی طلاق دے چکے تھے اور

حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے عرصہ ہوا ہو چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ نے دونوں مرتبہ حبشہ کی ہجرت کی تھی جس کا بیان پہلے باب کے نمبر ۱۰ میں گذر چکا۔ اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہونے والا ہے اور مدینہ منورہ میری ہجرت کی جگہ ہوگی تو صحابہؓ نے مدینہ طیبہ کی ہجرت شروع کردی۔ اسی سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی یہ دونوں حضرات بھی مدینہ طیبہ پہنچ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی لڑائی میں تشریف لیجانے لگے تو حضرت رقیہؓ بیمار تھیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے واسطے مدینہ چھوڑ گئے۔ بدر کی فتح کی خوشخبری مدینہ طیبہ میں اسوقت پہنچی۔ جب یہ حضرات حضرت رقیہؓ کو دفن کر کے آ رہے تھے۔ اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفن میں شرکت نہ فرما سکے۔ حضرت رقیہؓ کے پہلے خاوند کے یہاں رخصتی بھی نہیں ہوسکی تو اولاد کا کیا ذکر۔ البتہ حضرت عثمانؓ سے ایک صاحبزادہ جن کا نام عبداللہؓ تھا۔ حبشہ میں پیدا ہوئے تھے جو اپنی والدہ کے انتقال کے بعد تک زندہ رہے اور چھ سال کی عمر میں ۴ھ میں انتقال فرمایا اور بعض نے لکھا ہے کہ اپنی والدہ سے ایک سال پہلے انتقال کیا۔ ان کے علاوہ کوئی اور اولاد حضرت رقیہؓ سے نہیں ہوئی۔

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم تھیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں اور حضرت فاطمہ میں سے کونسی بڑی تھیں۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ ام کلثوم بڑی تھیں۔ اول عتیبہ بن ابی لہب سے نکاح ہوا مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ سورۂ تبت کے نازل ہونے پر طلاق کی نوبت آئی۔ جیسا کہ حضرت رقیہؓ کے بیان میں گذرا۔ لیکن ان کے خاوند تو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے جیسا کہ گذر چکا اور ان کے خاوند عتیبہ نے طلاق دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آ کر نہایت گستاخی۔ بے ادبی اور نامناسب الفاظ بھی زبان سے نکالے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا دی کہ یا اللہ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرما۔ ابولہب اس وقت موجود تھے۔ باوجود مسلمان نہ ہونے کے ڈر گئے اور کہا کہ اس کی بددعا سے تجھے خلاصی نہیں۔ چنانچہ عتیبہ ایک مرتبہ شام کے سفر میں جارہا تھا۔ اسکا باپ ابولہب باوجود ساری عداوت اور دشمنی کے کہنے لگا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بدُعا کا فکر ہے۔ قافلہ کے سب لوگ ہماری خبر رکھیں۔ ایک منزل پر پہنچے وہاں شیر زیادہ تھے۔ رات کو تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کیا اور اس کا ٹیلہ سا بنا کر عتیبہ کو سلایا اور قافلہ کے تمام آدمی چاروں طرف سوئے۔ رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے۔ اس کے بعد ایک زقند لگائی اور اس ٹیلے پر پہنچ کر عتیبہ کا سر بدن سے جدا کردیا۔ اس نے ایک آواز دی مگر ساتھ ہی کام تمام ہو چکا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ مسلمان ہوگیا تھا اور یہ قصہ پہلے بھائی کے ساتھ پیش آیا۔ بہر حال حضرت رقیہؓ اور حضرت کلثومؓ کے پہلے شوہروں میں سے ایک مسلمان ہوئے۔ دوسرے کے ساتھ یہ عبرت کا واقعہ پیش آیا (حدیث قدسی) اسی واسطے اللہ والوں کی دشمنی سے ڈرایا جاتا ہے۔ خود

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے من عادی لی ولیا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ (جو میرے کسی ولی کو ستائے میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے) حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے ام کلثوم کا نکاح آسمانی وحی کے حکم سے حضرت عثمانؓ سے کیا۔ بعض روایات میں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ دونوں کے متعلق یہی ارشاد فرمایا۔ پہلے خاوند کے یہاں تو رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اولاد کوئی حضرت عثمانؓ سے بھی نہیں ہوئی اور شعبان ۹ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقال کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر میری سو ۱۰۰ لڑکیاں ہوتیں اور انتقال کرتیں تو اسی طرح ایک دوسری کے بعد سب کا نکاح عثمانؓ سے کرتا۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہؓ جو عمر میں اکثر مؤرخین کے نزدیک سب سے چھوٹی ہیں۔ نبوت کے ایک سال بعد جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اکتالیس برس کی تھی۔ پیدا ہوئیں اور بعض نے نبوت سے پانچ سال پہلے پینتیس (۳۵) سال کی عمر میں لکھا ہے کہتے ہیں کہ ان کا نام فاطمہؓ الہام یا وحی سے رکھا گیا۔ فطم کے معنی روکنے کے ہیں۔ یعنی یہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں ۲ھ محرم یا صفر یا رجب یا رمضان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے نکاح ہوا اور نکاح سے سات ماہ اور پندرہ دن بعد رخصتی ہوئی۔ یہ نکاح بھی اللہ جل شانہٗ کے حکم سے ہوا۔ کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت آپؓ کی عمر پندرہ سال پانچ ماہ کی تھی۔ اس سے بھی اکتالیسویں سال میں پیدائش یعنی پہلے قول کی تصدیق ہوتی ہے اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ یا چوبیس سال ڈیڑھ ماہ کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام صاحبزادیوں میں اُن سے زیادہ محبت تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لے جاتے تو سب سے اخیر میں ان سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے اُن کے پاس تشریف لے جاتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ابوجہل کی لڑکی سے دوسرے نکاح کا ارادہ فرمایا تو اُن کو رنج ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو رنج پہنچایا اُس نے مجھے رنج پہنچایا۔ اس لئے حضرت علیؓ نے اُن کی زندگی میں کوئی نکاح نہیں کیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی بھانجی امامہؓ سے نکاح کیا۔ جس کا ذکر حضرت زینبؓ کے بیان میں گذرا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ مہینے بعد حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں اور ایک روز خادمہ سے فرمایا کہ میں غسل کروں گی۔ پانی رکھ دو غسل فرمایا نئے کپڑے پہنے۔ پھر فرمایا کہ میرا بسترہ گھر کے بیچ میں کردو۔ اس پر تشریف لے گئیں اور قبلہ رخ لیٹ کر داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھا اور فرمایا کہ بس اب میں مرتی ہوں۔ یہ فرما کر وصال فرمایا۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ کی اولاد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا سلسلہ انہیں سے چلا اور ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ان کی چھ اولاد تین لڑکے تین لڑکیاں ہوئیں۔سب سے اوّل حضرت حسنؓ نکاح سے دوسرے سال میں پیدا ہوئے پھر حضرت حسینؓ تیسرے سال میں یعنی ۴ھ میں۔ پھر حضرت محسّنؓ (یہ س کی تشدید کے ساتھ ہے) پیدا ہوئے جن کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا۔صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہؓ کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا۔اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے ان کو لکھا بھی نہیں۔دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثومؓ کا پہلا نکاح حضرت عمرؓ امیر المومنین سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے زیدؓ اور ایک صاحبزادی رقیہؓ پیدا ہوئیں۔حضرت عمرؓ کے وصال کے بعد اُم کلثومؓ کا نکاح عون بن جعفرؓ سے ہوا۔اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔اُن کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفرؓ سے ہوا۔اُن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بچپن ہی میں انتقال کرگئی۔ان کے انتقال کے بعد ان کے تیسرے بھائی عبداللہ بن جعفرؓ سے ہوا۔ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور انہیں کے نکاح میں حضرت ام کلثومؓ کا انتقال ہوا اور اُسی دن ان کے صاحبزادے زیدؓ کا بھی انتقال ہوا۔دونوں جنازے ساتھ ہی اُٹھے اور کوئی سلسلہ اولاد کا اُن سے نہیں چلا۔یہ تینوں بھائی وہی عبداللہؓ اور عون اور محمدؓ ہیں جن کا قصہ چھٹے باب کے نمبر ۱۱ پر گذرا ہے۔یہ حضرت علیؓ کے بھتیجے اور جعفر طیار کے صاحبزادے ہیں۔حضرت فاطمہؓ کی تیسری صاحبزادی حضرت زینبؓ تھیں جن کا نکاح عبداللہ بن جعفرؓ سے ہوا اور دو صاحبزادے عبداللہؓ اور عونؓ پیدا ہوئے اور انہیں کے نکاح میں انتقال فرمایا۔اُن کے انتقال کے بعد عبداللہ بن جعفرؓ کا نکاح ان کی ہمشیرہ حضرت اُم کلثومؓ سے ہوا تھا۔یہ اولاد حضرت فاطمہؓ سے ہے ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دوسری بیویوں سے جو بعد میں ہوئیں اور بھی اولاد ہے۔مؤرخین نے حضرت علیؓ کی تمام اولاد بتیس (۳۲) لکھی ہے جن میں سولہ لڑکے سولہ لڑکیاں اور حضرت امام حسنؓ کے پندرہ لڑکے آٹھ لڑکیاں اور حضرت امام حسینؓ کے چھ لڑکے تین لڑکیاں۔رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم وارضاھم اجمعین



حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف عنوانات سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بلکہ فضیلت اور امت میں ان کے امتیازی مقام کا ذکر خاص اہتمام سے فرمایا ہے۔ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے افضل ترین فرد حضرت ابوبکرؓ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم مقام یعنی خلافت نبوت کے لئے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں متعین تھے۔ ان زبانی ارشادات کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں (جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منجانب اللہ معلوم ہو چکا تھا کہ اسی مرض میں میری وفات مقدر ہو چکی ہے) اصرار اور تاکید کے ساتھ حضرت ابوبکر کو اپنی جگہ امام نماز بنا کر اس طرف امت کو واضح رہنمائی بھی فرمادی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے سلسلہ کی ان حدیثوں کے علاوہ چند اور حدیثیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت اور افضلیت کے بارے میں ذیل میں درج کی جارہی ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی ہیں اور بعض اکابر صحابہ کی شہادتیں بھی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ اِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ، مَاخَلَا اَبَابَكْرٍ، فَاِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِيْهِ اللهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلاً لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلاً اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللهِ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) ارشاد فرمایا کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہو کچھ ہم کو دیا ہو اور ہم نے اس کی مکافات نہ کردی ہو، سوائے ابوبکرؓ کے، انہوں نے ہمارے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس کی مکافات اللہ تعالیٰ ہی کرے گا قیامت کے دن اور کسی شخص کا بھی مال کبھی اتنا میرے کام نہیں آیا جتنا ابوبکر کا مال کام آیا اور اگر میں (اپنے دوستوں میں سے) کسی کو خلیل (جانی دوست) بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا اور معلوم ہونا چاہئے کہ میں بس اللہ کا خلیل ہوں (اور میرا حقیقی دوست و محبوب بس اللہ ہے) (جامع ترمذی)

تشریح ...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ کو ہدیہ پیش کرتا تو آپ اس کو قبول فرمالیتے اور اسی وقت یا بعد میں کسی وقت اسے اتنا ہی یا زیادہ کسی شکل میں عطا فرما کر مکافات فرمادیتے، زیر تشریح حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ ابوبکرؓ کے سوا جس کسی نے بھی ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہم نے دنیا ہی میں اس کی مکافات کردی، لیکن ابوبکرؓ نے جو حسن سلوک کیا اس کی مکافات آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا، حضرت ابوبکرؓ کے نواسے حضرت عروہؓ کا بیان ہے کہ

حضرت ابوبکرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق دین کی خدمت میں خرچ ہوگئے، سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کے کافر و مشرک مالک و آقا اسلام قبول کرنے ہی کے ''جرم'' میں ان کو ستاتے اور مظالم کے پہاڑ توڑتے تھے، حضرت بلالؓ بھی انہی میں سے تھے...... حضرت ابوبکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا تھا کہ میں اور میرا سارا مال گویا آپ کی ملک ہے جس طرح چاہیں استعمال فرمالیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں اپنے آخری خطاب میں بھی حضرت ابوبکرؓ کی اس خصوصیت اور امتیاز کا ذکر فرمایا تھا۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَبِىْ بَكْرٍ: اَنْتَ صَاحِبِىْ فِى الْغَارِ وَصَاحِبِىْ عَلَى الْحَوْضِ." (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم غار میں میرے ساتھی تھے اور آخرت میں حوض کوثر پر بھی میرے ساتھی ہو گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو تین دن تک مکہ مکرمہ کے قریب ثور پہاڑ کے ایک غار میں روپوش رہے تھے، اس غار میں حضرت ابوبکرؓ ہی آپ کے ساتھ تھے، ہجرت کے اس سفر میں اور خاص کر اس غار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا (جس میں آخری حد تک کے خطرات تھے) وفاداری اور فدائیت کا بے مثال عمل تھا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے اس کو یاد رکھا (قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے ''ثانی اثنین اذھما فی الغارا ذیقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا'' (سورۂ توبہ آیت نمبر ۴۰) اردو زبان میں یار غار کا لفظ قرآن پاک کی اسی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے ارشادات ہی سے آیا ہے۔ غار کی اس تین روزہ رفاقت میں حضرت ابوبکرؓ نے جس فدائیت کا ثبوت دیا اس کا کچھ حال آگے درج ہونے والے حضرت عمرؓ کے ایک بیان سے معلوم ہوگا۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِىْ جِبْرِيْلَ فَاَخَذَ بِيَدِىْ، فَاَرَانِىْ بَابَ الْجَنَّةِ الَّذِىْ يَدْخُلُ مِنْهُ اُمَّتِىْ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ، يَارَسُوْلَ اللهِ! وَدِدْتُّ اَنِّىْ كُنْتُ مَعَكَ حَتّٰى اَنْظُرَ اِلَيْهِ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَمَا اِنَّكَ يَا اَبَابَكْرٍ! اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِىْ." (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین میرے پاس آئے، میرا ہاتھ پکڑا او مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت کا جنت میں داخلہ ہوگا ابوبکرؓ نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر عرض کیا کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ میں بھی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا اور میں بھی اس دروازہ کو دیکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گے (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جبرائیل امین آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے

ساتھ لے گئے اور جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ شب معراج کا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے موقع پر جبرائیل بحکم خداوندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کا وہ دروازہ دکھانے کے لئے لے گئے ہوں، یہ معراج کی طرح کا ملا اعلیٰ کا سفر بھی ہوسکتا ہے اور مکاشفہ بھی ہوسکتا ہے۔ بہر حال جب حضرت ابوبکرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر عرض کیا کہ حضرت میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی اس وقت آپ کے ساتھ ہوتا اور میں بھی جنت کا وہ دروازہ دیکھتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بشارت سنائی کہ تم جنت کا دروازہ دیکھنے کی آرزو کرتے ہو میں تم کو اس سے بڑی خداوندی نعمت کی خوشخبری سناتا ہوں، یقین کرو کہ میری امت میں سب سے پہلے جنت میں تم داخل ہوگے، بلاشبہ یہ اس کی روشن دلیل ہے کہ امت میں سب سے افضل اور عالی مرتبت حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں۔ رضی اللہ عنہٗ وارضاہ.

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِاَبِىْ بَكْرٍ اَحَدًا، ثُمَّ عُمَرَ، ثُمَّ عُثْمَانَ، ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ. (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابوبکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمان۔ پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے، ان کے درمیان ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب بہ ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل دیکھ کر ہم یہ سمجھتے تھے کہ سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں، ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ، یہ تینوں حضرات سن رسیدہ تھے، اہم امور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان ہی سے مشورہ فرماتے تھے، اگرچہ ان تین حضرات کے بعد وہ بلاشبہ امت میں سب سے افضل ہیں اور بعض خصوصیات میں بہت اعلیٰ و بالا ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ بیان شخصیات کے بارے میں ہے، طبقات اور صفات کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ میں جو درجات و مراتب کا فرق ہے اس سے حضرت ابن عمرؓ نے تعرض نہیں کیا ہے۔ مثلاً عشرۂ مبشرہ، اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان سابقین اولین من المہاجرین والانصار (رضی اللہ عنہم اجمعین) حضرت ابن عمرؓ کے اس بیان میں ان کے فضائل کی نفی نہیں ہے، انہوں نے جو فرمایا اس کا تعلق، اس خاص فضیلت سے ہے جو ان تین بزرگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حاصل تھی۔ واللہ اعلم.

عَنْ عُمَرَ، ذُكِرَ عِنْدَهٗ اَبُوْبَكْرٍ فَبَكٰى وَقَالَ: وَدِدْتُ اِنَّ عَمَلِىْ كُلَّهٗ مِثْلَ عَمَلِهٖ يَوْمًا وَاحِدًا مِنْ اَيَّامِهٖ، وَلَيْلَةً وَاحِدَةً مِنْ لَيَالِيْهِ، اَمَّا لَيْلَتُهٗ فَلَيْلَةٌ سَارَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْغَارِ، فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَيْهِ قَالَ: وَاللّٰهِ لَا تَدْخُلُهٗ حَتّٰى اَدْخُلَ قَبْلَكَ، فَاِنْ كَانَ فِيْهِ شَيْءٌ اَصَابَنِىْ دُوْنَكَ، فَدَخَلَ فَكَسَحَهٗ وَوَجَدَ فِىْ جَانِبِهٖ ثُقْبًا، فَشَقَّ اِزَارَهٗ وَسَدَّهَا بِهٖ، وَبَقِىَ مِنْهَا اثْنَانِ فَاَلْقَمَهُمَا رِجْلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اُدْخُلْ، فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ

رَاسَهُ فِيْ حِجْرِهٖ وَنَامَ فَلُدِغَ اَبُوْبَكْرٍ فِيْ رِجْلِهٖ مِنَ الْجُحْرِ، وَلَمْ يَتَحَرَّكْ مَخَافَةَ اَنْ يَّنْتَبِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَقَطَتْ دُمُوْعُهُ عَلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَالَكَ يَا اَبَابَكْرٍ؟ قَالَ لُدِغْتُ، فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ، فَتَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبَ مَايَجِدُهٗ، ثُمَّ انْتَقَضَ عَلَيْهِ، وَكَانَ سَبَبَ مَوْتِهٖ، وَاَمَّا يَوْمُهٗ ، فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْتَدَّتِ الْعَرَبُ وَقَالُوْا: لَا نُؤَدِّيْ زَكَاةً فَقَالَ: لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا لَجَاهَدْتُّهُمْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ: يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاَلِّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ فَقَالَ لِيْ: اَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْاِسْلَامِ؟ اِنَّهٗ قَدْ اِنْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّيْنُ اَيُنْقَصُ وَاَنَا حَيٌّ. (رواہ رزین)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کا ذکر کیا گیا تو رونے لگے اور کہا کہ میں دل سے چاہتا ہوں کہ میرے تمام عمر کے عمل ان کے ایام زندگی کے ایک دن کے عمل کے برابر اور ان کی زندگی کی راتوں میں سے ایک رات کے عمل کے برابر ہو جائیں (یعنی مجھ کو میری زندگی بھر کے اعمال کا اللہ تعالیٰ وہ اجر عطا فرما دیں جو ابوبکرؓ کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کا عطا ہوگا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ابوبکرؓ کی رات سے میری مراد وہ خاص رات ہے جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کے سفر میں (اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق روپوشی کے ارادہ سے) غار (یعنی غار ثور) کی طرف چلے تو جب غار کے پاس پہنچے (اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غار کے اندر جانا چاہا) تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ خدا کی قسم آپ ابھی غار میں داخل نہ ہوں، پہلے میں غار کے اندر جاؤں گا، تو اگر وہاں کوئی موذی چیز ہوگی (مثلاً درندہ یا سانپ بچھو جیسا زہریلا جانور) تو جو گزرے گی مجھ پر گزرے گی آپ محفوظ رہیں گے، پھر ابوبکرؓ غار کے اندر چلے گئے اس کی صفائی کی۔ اس غار میں ایک طرف چند سوراخ نظر آئے تو اپنے تہبند میں سے پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں اور چیتھڑوں سے ان سوراخوں کو بند کیا۔ لیکن دو سوراخ باقی رہ گئے (تہبند میں سے جو کچھ پھاڑا تھا اس میں سے اتنا باقی نہیں رہا کہ ان دو سوراخوں کو بھی بند کیا جا سکتا) تو ابوبکرؓ نے ان دو سوراخوں میں اپنے دونوں پاؤں اڑا دیئے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لے آئیں! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے (رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نیند کا غلبہ تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے (اسی حالت میں) ابوبکرؓ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹ لیا (اگر چہ اس کے اثر سے حضرت ابوبکرؓ کو سخت تکلیف ہونے لگی) لیکن اس اندیشہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ نہ کھل جائے آپ بیدار نہ ہو جائیں اسی طرح بیٹھے رہے حرکت بھی نہیں کی، یہاں تک کہ تکلیف کی شدت سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر گرے (تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھے تو) دریافت فرمایا کہ ابوبکرؓ تم کو کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان مجھے سانپ نے کاٹ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس جگہ پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا) اپنا آب دہن ڈال دیا تو ابوبکرؓ کو جو تکلیف ہو رہی تھی وہ اسی وقت چلی گئی (آگے حضرت عمرؓ بیان

فرماتے ہیں) پھر (ابوبکرؓ کی وفات سے کچھ پہلے) اس زہر کا اثر لوٹ آیا اور وہی ان کی وفات کا سبب بنا (اس طرح ان کو شہادت فی سبیل اللہ کی سعادت وفضیلت بھی نصیب ہوگئی) اور یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ خیبر میں کھائے ہوئے زہر کا اثر قریباً چار سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب لوٹ آیا تھا اور وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سبب بنا تھا...... تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے سفر ہجرت کی اس رات کے اس عمل کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اس دن کا اور اس دن کے حضرت ابوبکرؓ کے اس عمل کا ذکر فرمایا جس کے بارے میں انہوں نے کہا تھا کہ میں دل سے چاہتا ہوں کہ میرے ساری عمر کے اعمال ان کے ایک دن کے عمل کے برابر ہو جائیں، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دن سے مراد ابوبکرؓ کی زندگی کا وہ دن ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے اور عرب (کے بعض علاقوں کے لوگ) مرتد ہو گئے اور انہوں نے فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو ابوبکرؓ نے کہا کہ اگر وہ لوگ اونٹ کا پاؤں باندھنے کی رسی (۱) دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ (حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ (اس وقت ان لوگوں کے ساتھ تالیف اور نرمی کا معاملہ کیجئے! تو انہوں نے (غصہ کے ساتھ) مجھے فرمایا کہ تم زمانہ جاہلیت میں تو بڑے زور آور اور غصہ ور تھے کیا اسلام کے دور میں بزدل اور ڈرپوک ہو گئے ہو (یہ کیسا انقلاب ہے) وحی کا سلسلہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) ختم ہو گیا، دین مکمل ہو چکا۔ کیا دین کو ناقص کیا جائے گی اس میں کمی کی جائے گی اس حال میں کہ میں زندہ ہوں۔ (یہ نہیں ہوسکتا) (رزین)

(۱)۔ حدیث میں عقال کا لفظ ہے اس کے عام مشہور معنی اس رسی کے ہیں جس سے اونٹ کے پاؤں اس طرح باندھ دیئے جاتے ہیں کہ اس کے بھاگ جانے کا خطرہ بالکل نہیں رہتا۔ اس لفظ عقال کے دوسرے معنی اونٹ یا بکری کے بچہ کے بھی ہیں، اگر یہ معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والے یہ لوگ اگر اونٹ یا بکری کا بچہ دینے سے بھی انکار کریں گے جس کا ادا کرنا ان پر واجب تھا تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ زکوٰۃ دین کا رکن ہے اس کا انکار موجب کفر ہے۔ اگر کسی قوم یا علاقہ کے لوگ اجتماعی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کریں تو وہ مرتد اور واجب القتال ہیں۔

تشریح...... حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے جس قدر تشریح وتوضیح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ کے ضمن میں کر دی گئی ہے، البتہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس بیان میں مرتدین کے خلاف جہاد سے متعلق حضرت ابوبکرؓ کے جس پُرعزیمت فیصلہ اور اقدام کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں انکار جو خاتمہ کلام نقل فرمایا ہے (**اینقص الدین وانا حی**) اس کی تشریح اور وضاحت کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے عام اسباب کے لحاظ سے بڑی خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے جو شکستہ دلی عام صحابہ میں پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات ہی میں حضرت اسامہ کی قیادت میں ایک بڑی مہم پر ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ آنحضرت کے حکم کے مطابق یہ لشکر بلا تاخیر روانہ ہو جائے، چنانچہ وہ روانہ ہو گیا اس طرح اس وقت کی فوجی طاقت کا ایک بڑا حصہ اس محاذ پر چلا گیا۔ اس کے علاوہ حجاز مقدس کے

قریب علاقے یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور حیات ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کچھ قبیلے اس کے ساتھ ہو گئے تھے، اس طرح ایک حکومت سی قائم ہو گئی تھی۔

صدیق اکبرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فوراً فیصلہ فرمایا کہ اس فتنہ کو بھی جلد سے جلد ختم کیا جائے، چنانچہ خالد بن الولید کی قیادت میں اس کے لئے بھی ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا۔ انہی حالات میں حجاز ہی کے بعض علاقوں کے لوگوں نے (جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے) زکوٰۃ کی ادائیگی سے اجتماعی طور پر انکار کر دیا، صدیق اکبرؓ نے اس کو ارتداد قرار دیا اور اس کے خلاف بھی جہاد اور لشکر کا فیصلہ فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس وقت کی ساری فوجی طاقت ان محاذوں پر چلی جاتی اور مرکز اسلام مدینہ منورہ کا حال یہ ہو جاتا کہ اگر کوئی دشمن حملہ کر دے یا آس پاس کے منافقین کوئی فتنہ برپا کر دیں تو اس کی مدافعت اور اس پر قابو پانے کیلئے فوجی طاقت موجود نہ ہو۔

اس لئے حضرت عمرؓ اور روایات میں ہے کہ ان کے ساتھ حضرت علیؓ کی بھی رائے تھی کہ صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر اس وقت زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد اور لشکر کشی نہ کی جائے، مصلحت اندیشی اور حکمت عملی کے طور پر ان کے معاملہ میں تالیف اور نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کے دل میں یقین پیدا فرما دیا تھا کہ اس فتنہ ارتداد کا استیصال فوراً ضروری ہے، کسی مصلحت اندیشی کے تحت اس کو نظر انداز کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، زکوٰۃ دین کا اہم رکن ہے نماز ہی کی طرح گویا جزو ایمان ہے، اس کی ادائیگی سے انکار کو برداشت کرنے کا مطلب دین کی قطع و برید کو برداشت کرنا ہوگا آپ نے فرمایا دین مکمل ہو چکا ہے، وحی کا سلسلہ ختم اور منقطع ہو چکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو جس شکل و صورت میں چھوڑا ہے، اپنی جان دے کر بھی اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔

اس سلسلہ کلام کے آخر میں آپ نے فرمایا "أَيُنْقَصُ الدِّيْنُ وَأَنَا حَيٌّ"...... صدیق اکبرؓ کے ان دو لفظوں سے دین کے ساتھ ان کے جس خاص الخاص عاشقانہ تعلق اور اس کی راہ میں قربانی اور فدائیت کے جس جذبہ کا اظہار ہوتا ہے۔

اس واقعہ میں یہ نکتہ خاص طور سے قابل غور اور ہمارے لئے سبق آموز ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے حضرت ابو بکرؓ کے اس فیصلہ اور اقدام کے خلاف تھی بعد میں وہی فیصلہ ان کی نظر میں اتنا عظیم ہو گیا کہ اپنے زندگی بھر کے اعمال کو وہ حضرت ابو بکرؓ کے اسی ایک عمل سے کمتر سمجھنے لگے، اور اس کا برملا اعتراف فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وارضاھما.

فضائل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یقول "اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ یَقُوْلُ بِہٖ". (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر حق رکھ دیا ہے، وہ حق ہی کہتا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن خاص انعامات سے

نوازا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے دل میں جو کچھ آتا ہے اور جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہیں وہ حق ہی ہوتا ہے، وہ حق ہی سوچتے ہیں اور حق ہی بولتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سے اجتہادی غلطی بھی نہیں ہوتی۔ اجتہادی غلطی تو حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی ہو جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مطلع کر کے اصلاح کرا دی جاتی ہے، حضرت عمرؓ سے بھی کبھی کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی تھی، لیکن حق واضح ہو جانے پر رجوع فرما لیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کے خلاف ان کی جو رائے تھی وہ ان کی اجتہادی غلطی ہی تھی، بعد میں حق واضح ہو جانے پر انہوں نے رجوع اور حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے سے اتفاق فرما لیا، بہرحال اجتہادی غلطی کے اس طرح کے چند استثنائی واقعات کے علاوہ (جن میں حق واضح ہو جانے پر انہوں نے رجوع فرما لیا) انہوں نے جو سوچا سمجھا اور جو احکام جاری کئے وہ سب حق ہی تھے۔

بلاشبہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام تھا۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ." (رواه الترمذی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک صحبت میں) ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہی ہوتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرمایا اور قیامت تک کے لئے نبوت کا دروازہ بند ہو گیا (جس کا اعلان قرآن پاک میں بھی فرما دیا گیا ہے) اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ نہ فرما دیا گیا ہوتا اور میرے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو عمر بن الخطاب اپنی روحانی خصوصیات کی وجہ سے بالخصوص اس لائق تھے کہ ان کو نبی بنایا جاتا۔ اس حدیث میں بھی ان کے اس خصوصی کمال و امتیاز کی طرف اشارہ ہے، جس کا ذکر اور احادیث کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے قلب پر حق کا القا اور الہامات کی کثرت۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ، قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلٰثٍ: فِیْ مُقَامِ اِبْرَاهِيْمَ، وَفِی الْحِجَابِ وَفِیْ اُسَارٰی بَدْرٍ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تین باتوں میں اپنے خداوند تعالیٰ سے موافقت کی (یعنی میری رائے وہ ہوئی جو خداوند تعالیٰ کا حکم آنے والا تھا) مقام ابراہیم کے بارے میں اور پردے کے مسئلہ میں اور غزوۂ بدر کے قیدیوں کے مسئلہ میں...... (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... واقعہ یہ ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں کم از کم پندرہ ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے، کہ کسی مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی ایک رائے ہوئی یا ان کے قلب میں داعیہ پیدا ہوا کہ کاش اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آ جاتا تو وہی حکم وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آ گیا اس حدیث میں ان میں سے صرف تین کا ذکر کیا گیا ہے...... ایک مقام ابراہیم سے متعلق حکم کا، دوسرے پردے کے بارے میں، تیسرے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حکم کا...... جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ "مقام ابراہیم" سفید رنگ کا

ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی (اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات معجزانہ طور پر پڑ گئے تھے جواب تک باقی ہیں) وہ اسی زمانہ سے محفوظ چلا آ رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک خانہ کعبہ کے قریب ہی میں ایک جگہ کھلا رکھا رہتا تھا) بعد میں اس کو عمارت میں محفوظ کر دیا گیا۔

اب وہ جس شکل میں محفوظ ہے وہ مرحوم مغفور شاہ فیصل بن عبدالعزیز بن سعود کے دور حکومت کی یادگار ہے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش ایسا ہوتا کہ مقام ابراہیم کو خصوصیت سے نماز کی جگہ قرار دے دیا جاتا، تو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۵ نازل ہوئی اور اس میں حکم آ گیا "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیا کرو) آیت کا سہل الفہم مطلب یہ ہے کہ طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جائیں، فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے، اگر سہولت سے مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جاسکیں تو وہیں پڑھی جائیں، ورنہ مسجد حرام میں کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔

دوسرا مسئلہ حجاب یعنی پردے سے متعلق ہے، جب تک مستورات کے لئے حجاب یعنی پردے کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بھی بضرورت صحابہ کرامؓ کی آمد ورفت ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے داعیہ پیدا فرمایا کہ خاص کر ازواج مطہرات کیلئے حجاب کا خصوصی حکم آ جائے چنانچہ اس بارے میں آیت نازل ہوگئی "وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ". (سورۂ احزاب آیت ۵۳)

تیسری بات یہ کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی شکست کے بعد ان کے جو آدمی گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے، ان کے متعلق میری رائے یہ تھی کہ یہ سب اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے جانی دشمن اور اکابر مجرمین ہیں، ان سب کو قتل کر دیا جائے، ان کو زندہ چھوڑ دینا ایسا ہی ہے، جیسے زہریلے سانپوں کو زندہ چھوڑنا لیکن ابوبکر صدیقؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم دلی کا غلبہ تھا ان کی رائے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی ہوئی اور اسی پر عمل کیا گیا...... بعد میں سورۂ انفال کی وہ آیات نازل ہوئیں جو میری رائے کے مطابق تھیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ واقعہ یہ تھا کہ ان تینوں مسئلوں میں وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی موافقت کی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے ازراہِ ادب اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ میں نے حکم خداوندی کی موافقت کی تین مسئلوں میں۔ بلاشبہ یہ حسن ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور فیض صحبت ہی کا نتیجہ تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِىْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَصْبَحَ عُمَرُ فَغَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ ثُمَّ صَلّٰى فِى الْمَسْجِدِ ظَاهِرًا. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی (رات میں) کہ اے میرے اللہ! اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما ابوجہل ابن ہشام کے ذریعہ یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ پس صبح کو اٹھے

عمرؓ اور آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور اسلام لے آئے اور مسجد حرام میں علانیہ نماز پڑھی۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، یہاں ہر بڑے کام اور ہر عظیم مقصد کے لئے اس کے مطابق تدبیر اور عملی جدوجہد اور خاص صلاحیت رکھنے والے جانباز کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے، ابو جہل بن ہشام اور عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کے درجہ اول کے دشمن تھے، اسی کے ساتھ ان دونوں میں وہ صلاحیتیں تھیں جو کسی بڑے کام کے لئے درکار ہوتی ہیں، (غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کر دیا گیا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو ہدایت دی جا سکتی ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات کو یہ دعا فرمائی جس کا حدیث میں ذکر ہے۔

تقدیر الٰہی میں یہ سعادت حضرت عمرؓ کے لئے مقدر ہو چکی تھی، ان کے حق میں دعا قبول ہوگئی اور ان کو توفیق مل گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے جو کام لیا خاص کر خلافت کے دس سالوں میں وہ بلاشبہ امت میں ان کا اور صرف ان کا حصہ ہے۔

مسند احمد اور جامع ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح کے بعض شارحین نے ابو عبداللہ حاکم کی ''دلائل النبوۃ'' کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت سے یہ واقعہ مفصل روایت کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابو جہل جو مشرکین مکہ کا سردار اور بڑا سرمایہ دار بھی تھا اس نے اعلان کیا کہ جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے میں اس کو سو اونٹنیاں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی بطور انعام دینے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ عمرؓ نے ابو جہل سے کہا کہ تمہاری یہ بات پکی ہے؟ ابو جہل نے کہا بالکل پکی، فوراً ادا کروں گا۔ اس کے بعد عمر تلوار لے کر اس ناپاک ارادہ سے نکلے، راستہ میں ایک شخص نے ان کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا کہ عمر کہاں اور کس ارادہ سے جا رہے ہو۔ عمرؓ نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا کیا تم ان کے کنبہ بنی ہاشم سے بے خوف ہو (وہ ان کی حمایت میں میدان میں آ جائیں گے اور پھر خونریز جنگ ہوگی) عمرؓ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو نے بھی باپ دادا کا دین چھوڑ کے محمد کا دین قبول کر لیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں تم کو بتلاتا ہوں کہ تمہاری بہن (فاطمہ) اور بہنوئی (سعید بن زید) نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر عمرؓ سیدھے بہن کے گھر کی طرف گئے۔ وہ اس وقت سورۂ طٰہٰ تلاوت کر رہی تھیں، عمرؓ نے دروازہ پر کھڑے ہو کر سنا، پھر دروازہ کھلوایا اور کہا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں؟ ان کی بہن نے بتایا کہ ہم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اس میں قرآن کی آیتیں پڑھ رہی تھیں؟ عمرؓ نے کہا مجھے بھی پڑھ کر سناؤ! چنانچہ ان کی بہن نے سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی۔ جب یہ آیت تلاوت کی ''اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى''. تو عمر کے دل کی دنیا میں انقلاب آ گیا اور بول اٹھے کہ بیشک وہی اور صرف وہی اللہ اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اور کلمہ شہادت پڑھا، پھر بہن ہی کے گھر میں رات گزاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی تڑپ دل میں پیدا ہوگئی۔ بار بار کہتے تھے ''وَاشَوْقَاهُ اِلٰى مُحَمَّدٍ'' اسی حال میں خباب بن الارت ان کے پاس آئے اور ان کو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج رات برابر دعا کرتے رہے کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعہ اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما! اور میرا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی۔ اس کے بعد صبح کو عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ اور اسی وقت کہا کہ ہم لات اور عزیٰ کی پرستش کرتے تھے

وادیوں کے نشیب میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خدا کی عبادت کریں ہم چھپ چھپا کر؟ یہ نہیں ہوگا۔ خدا کی قسم ہم اللہ کی عبادت اعلانیہ خانہ کعبہ کے صحن میں کریں گے۔ (اس وقت تک مسلمان علانیہ مسجد حرام میں نماز ادا نہیں کرتے تھے)

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابو جعفر بن ابی شیبہؒ کی تاریخ کے حوالہ سے ابن عباسؓ ہی کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد طے کیا کہ ہم ابھی چل کر اعلانیہ مسجد حرام میں نماز پڑھیں گے اور ایسا ہی کیا گیا۔ فتح الباری ہی میں ابن ابی شیبہ اور طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان نقل کیا گیا ہے۔

وَاللهِ مَا اسْتَطَعْنَا اَنْ نُصَلِّيَ حَوْلَ الْبَيْتِ ظَاهِرِيْنَ حَتّٰى اَسْلَمَ عُمَرُ.

خدا کی قسم عمر کے اسلام لانے سے پہلے ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم بیت اللہ کے قریب میں علانیہ نماز پڑھ سکتے (عمر کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہی ہمارے لئے یہ ممکن ہوا)

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ: لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ جَعَلَ يَتَأَلَّمُ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَكَأَنَّهُ يُصَبِّرُهُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! وَلَا كُلُّ ذٰلِكَ لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ، ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ، ثُمَّ صَحِبْتَ اَبَابَكْرٍ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ، ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ، ثُمَّ صَحِبْتَ اَبَابَكْرٍ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُ، ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُمْ وَلَئِنْ فَارَقْتَهُمْ لَتُفَارِقَنَّهُمْ وَهُمْ عَنْكَ رَاضُوْنَ، قَالَ: اَمَّا مَاذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِضَاهُ فَاِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللهِ مَنَّ بِهِ عَلَيَّ وَاَمَّا مَاذَكَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَرِضَاهُ فَاِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللهِ مَنَّ بِهِ عَلَيَّ، وَاَمَّا مَاتَرٰى مِنْ جَزَعِيْ، فَهُوَ مِنْ اَجْلِكَ وَمِنْ اَجْلِ اَصْحَابِكَ وَاللهِ لَوْ اَنَّ لِيْ طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ عَذَابِ اللهِ قَبْلَ اَنْ اَرَاهُ. (رواه البخاری)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب زخمی کئے گئے حضرت عمرؓ (ان کو خنجر سے زخمی کیا ابو لولو مجوسی نے) تو تکلیف اور دکھ کا اظہار فرمانے لگے تو حضرت ابن عباسؓ نے ان سے اس طرح کہا کہ گویا وہ سمجھتے تھے کہ تکلیف کا یہ اظہار صبر و برداشت کی کمی کی وجہ سے ہے (اور تسلی دینے کے لئے کہا) کہ اے امیر المؤمنین درد و تکلیف کا یہ اظہار آپ کی طرف سے بالکل نہ ہونا چاہئے (آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کیجئے کہ اس نے آپ کو کیسی عظیم نعمتوں سے نوازا) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور رفیق بن کر آپ کے ساتھ رہے اور آپ نے اس صحبت و رفاقت کا اچھا حق ادا کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں آپ سے جدا ہوئے کہ وہ آپ سے راضی اور خوش تھے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ابو بکرؓ کے خصوصی ساتھی اور رفیق بنے تو ان کی صحبت و رفاقت کا بھی آپ نے اچھا حق ادا کیا، پھر وہ بھی اس حال میں آپ سے جدا ہوئے کہ وہ آپ سے پوری طرح راضی اور خوش تھے (یہاں تک کہ آپ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنایا) پھر (اپنے دور خلافت میں) سب مسلمانوں کے ساتھ آپ کا اچھا معاملہ رہا (آپ نے سب کے حقوق ادا کئے) اور اگر آپ ان کو چھوڑ کر جائیں گے تو اس حال میں ان سے جدا ہوں گے کہ وہ سب آپ سے راضی اور خوش ہوں گے

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور پھر حضرت ابو بکرؓ کا اور پھر سب مسلمانوں کا آپ سے راضی اور خوش رہنا اس بات کی دلیل اور علامت ہے کہ اللہ بھی آپ سے راضی ہے اس لئے آپ کی طرف سے تکلیف اور بے قراری کا جو اظہار ہو رہا ہے نہ ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو یاد کر کے مطمئن رہنا چاہئے)

حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ کی اس بات کے جواب میں فرمایا کہ (اے ابن عباس) تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری صحبت و رفاقت کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا جو ذکر کیا تو یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا جو اس نے مجھ پر فرمایا اور اسی طرح ابو بکرؓ کے ساتھ صحبت و رفاقت اور ان کی رضا کا جو ذکر کیا وہ بھی خداوندی انعام و احسان تھا (یعنی یہ میرا ذاتی کمال نہیں تھا) اور میری طرف سے تکلیف اور پریشانی کا اظہار جو تم دیکھتے ہو وہ (زخم کی تکلیف کی وجہ سے نہیں بلکہ) تم لوگوں کی وجہ سے ہے (یعنی مجھے فکر اور ڈر ہے کہ تم لوگ میرے بعد فتنوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔)

اور جہاں تک اخروی انجام کی فکر کا تعلق ہے تو (میرا حال یہ ہے کہ اگر میرے پاس اتنا سونا ہو کہ ساری زمین بھر جائے تو میں وہ سب عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے بطور فدیہ دے دوں قبل اس کے کہ اللہ کا عذاب دیکھوں...... (صحیح بخاری)

تشریح...... حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو جواب دیتے ہوئے آخر میں جو یہ فرمایا کہ تم جو مجھے بے چینی اور بے قراری کی حالت میں دیکھ رہے ہو یہ زخم کی تکلیف کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ اس فکر اور اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ میرے بعد تم لوگ فتنوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ عمر فتنوں کے لئے بند دروازہ ہیں۔ جب تک وہ ہیں امت فتنوں سے محفوظ رہے گی، جب وہ نہ رہیں گے، تو فتنوں کے لئے دروازہ کھل جائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کی شہادت کے بعد سے شیاطین الجن والانس کی طرف سے فتنوں کی تخم ریزی شروع ہوئی اور حضرت عثمانؓ کے آخری دور خلافت میں فتنہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اپنے کو مسلمان کہنے والوں ہی کے ہاتھوں وہ انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید ہوئے اور اس کے بعد خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں ہزار ہا صحابہ و تابعین شہید ہوئے۔ یہی وہ فتنے تھے جن کی فکر اور اندیشہ سے اپنے زخم کی تکلیف کو بھلا کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بے چین اور مضطرب تھے اور آخر میں جو فرمایا "واللہ لو ان لی طلاع الارض ذھباً الخ" (خدا کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو تو میں اللہ کا عذاب دیکھنے سے پہلے ہی اس سے بچنے کے لئے وہ سارا سونا فدیہ میں دے دوں) اس کا مقصد حضرت ابن عباسؓ کو یہ بتلانا ہے کہ میں جو اضطراب اور بے چینی محسوس کر رہا ہوں اس کا ایک دوسرا سبب جو زیادہ اہم ہے وہ عذاب الٰہی کا خوف بھی ہے۔ فاروق اعظم کا یہ خوف ان کے کمال ایمان اور کمال معرفت کی دلیل ہے، جس کا ایمان اور عرفان جس قدر کامل ہوگا اس پر اسی قدر خوف خدا کا غلبہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا اعلمکم باللہ و اخشاکم مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم اور معرفت تم سب سے زیادہ اور اس کا خوف ڈر بھی مجھے تم سب سے زیادہ ہے۔ قرآن مجید میں بار بار یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی خاص رحمت اور جنت کے مستحق وہ بندے ہیں جو اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں سورۃ "بینۃ" میں مؤمنین صالحین کا یہ انجام بیان فرما کر وہ "خیر البریۃ" (اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں) وہ آخرت میں ان غیر فانی جنتی

باغات میں رہیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان کو رضائے خداوندی کی نعمت حاصل ہوگی اور وہ اپنے اس خداوند سے راضی ہوں گے، آخر میں فرمایا گیا ہے "ذَالِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ" (یہ سب ان مؤمنین صالحین کے لئے ہے جو خداوند تعالیٰ سے (یعنی اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے) ڈرتے رہے ہیں۔

شہادت

اس حدیث میں حضرت فاروق اعظمؓ کے جس زخمی کئے جانے کا ذکر ہے وہ وہی ہے، جس کے نتیجہ میں آپ کی شہادت ہوئی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اختصار کے ساتھ انتہائی المناک واقعہ کا ذکر کردیا جائے۔ فاروق اعظم کے دور خلافت میں ہی ایران فتح ہوا، ایران کے جو مجوسی جنگی قیدیوں کی حیثیت سے گرفتار کر کے لائے گئے وہ شرعی قانون کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم کردیئے گئے کہ ان سے غلام اور خادم کی حیثیت سے کام لیں اور ان کے کھانے پینے وغیرہ ضروریات زندگی کی کفالت کریں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ایران سے آئے ہوئے ان اسیران جنگ میں ایک بدبخت ابولولو نامی مجوسی بھی تھا جو مشہور صحابی مغیرہ بن شعبہ کے حوالے کیا گیا تھا اس نے فاروق اعظم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنالیا ایک خنجر تیار کیا اور اس کو بار بار زہر میں بجھایا اور اس کے بعد رات میں مسجد شریف کے محراب میں چھپ کر بیٹھ گیا، فاروق اعظم فجر کی نماز بہت سویرے اندھیرے میں شروع کرتے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، ذی الحجہ کی ستائیسویں تاریخ تھی وہ حسب معمول فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے اور محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانی شروع کردی ابھی تکبیر تحریمہ ہی کہی تھی کہ اس خبیث ایرانی مجوسی نے اپنے خنجر سے تین کاری زخم آپ کے شکم مبارک پر لگائے، آپ بے ہوش ہو کر گر گئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے جلدی سے آپ کی جگہ آ کر مختصر نماز پڑھائی، ابولؤلؤ نے بھاگ کر مسجد سے نکل جانا چاہا نمازیوں کی صفیں دیواروں کی طرح حائل تھیں، پھر اس نے اور نمازیوں کو زخمی کر کے نکل جانا چاہا اس سلسلہ میں اس نے تیرہ صحابہ کرامؓ کو زخمی کیا جن میں سے سات شہید ہو گئے اتنے میں نماز ختم ہوگئی اور ابولؤلؤ کو پکڑ لیا گیا، تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کرلی نماز ختم ہو جانے کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کو اٹھا کر گھر لایا گیا، تھوڑی دیر میں آپ کو ہوش آیا تو اسی حالت میں آپ نے نماز ادا کی۔ سب سے پہلے آپ نے پوچھا کہ میرا قاتل کون ہے بتلایا گیا کہ ابولؤلؤ مجوسی آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک کافر کے ہاتھ شہادت عطا فرمائی۔ آپ کو یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبولیت اس طرح مقدر فرمائی۔ آپ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے شہادت نصیب فرما اور میری موت تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ میں ہو۔ ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے آپ کی زبان سے یہ دعا سن کر عرض کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ فی سبیل اللہ شہید ہوں اور آپ کی وفات مدینہ میں ہو (ان کا خیال تھا کہ فی سبیل اللہ شہادت کی صورت تو یہی ہے کہ اللہ کا بندہ میدان جہاد میں کافروں کے ہاتھ سے شہید ہو) آپ نے فرمایا کہ اللہ قادر ہے اگر چاہے گا تو یہ دونوں نعمتیں مجھے نصیب فرمادے گا بہرحال آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہوگیا، آپ نے حضرت صہیبؓ کو اپنی جگہ امام نماز مقرر کیا اور اکابر صحابہ میں سے چھ حضرات کو (جو سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے) نامزد کیا کہ وہ میرے بعد تین دن کے اندر مشورہ سے اپنے ہی میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کرلیں۔

پھر آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ اور میری طرف سے سلام کے بعد عرض کرو کہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں اپنے دونوں بزرگ ساتھیوں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ) کے ساتھ دفن کیا جاؤں، اگر آپ اس کے لئے دل سے راضی نہ ہوں تو پھر جنۃ البقیع میرے لئے بہتر ہے۔ انہوں نے ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ پیغام پہنچایا انہوں نے فرمایا کہ وہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی، لیکن اب میں اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتی ہوں۔ جب عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کو یہ خبر پہنچائی تو فرمایا کہ میری سب سے بڑی تمنا یہی تھی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے یہ بھی پوری فرمادی۔

۲۷ ذی الحجہ بروز چہارشنبہ آپ زخمی کئے گئے تھے یکم محرم بروز یکشنبہ وفات پائی جب آپ کا جنازہ نماز کے لئے رکھا گیا تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے آپ کے بارے میں وہ فرمایا جو ناظرین کرام آگے فضائل شیخین میں درج ہونے والی حدیث میں پڑھیں گے۔ نماز جنازہ حضرت صہیبؓ نے پڑھائی اور روضہ اقدس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں آپ دفن کئے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنه وارضاه.

فضائل شیخین

عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ وُضِعَ عُمَرُ عَلٰى سَرِيْرِهٖ فَتَكَنَّفَهُ النَّاسُ يَدْعُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ قَبْلَ اَنْ يُّرْفَعَ وَاَنَا فِيْهِمْ فَلَمْ يَرُعْنِىْٓ اِلَّا رَجُلٌ اٰخِذٌ مَنْكِبِىْ فَاِذَا عَلِىٌّ فَتَرَحَّمَ عَلٰى عُمَرَ وَقَالَ مَا خَلَّفْتَ اَحَدًا اَحَبَّ اِلَىَّ اَنْ اَلْقَى اللّٰهَ بِمِثْلِ عَمَلِهٖ مِنْكَ وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَاَظُنُّ اَنْ يَّجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ وَحَسِبْتُ اَنِّىْ كُنْتُ كَثِيْرًا اَسْمَعُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ذَهَبْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَدَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ. (رواه البخاری ومسلم)

ابن ابی ملیکہ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ ابن عباسؓ سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کو (وفات کے بعد) جب (غسل دینے کے لئے) تخت پر رکھا گیا تو لوگ ان کے اردگرد کھڑے تھے اور ان کے لئے دعائیں اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی استدعا کر رہے تھے، قبل اس کے کہ ان کو تخت سے اٹھایا جائے اور میں بھی ان لوگوں میں کھڑا تھا، تو اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی آدمی میرا کندھا پکڑے کھڑا ہے (میں نے دیکھا) کہ وہ حضرت علی ابن ابی طالبؓ ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے لئے رحمت کی دعائیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا کہ مجھے اس کی خواہش ہو کہ میں اس شخص سے عمل لے کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوں، اور خدا کی قسم! میں یہی گمان کرتا تھا کہ تم کو اللہ تعالیٰ تمہارے دونوں (پیش رو) ساتھیوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر صدیقؓ) کے ساتھ کر دے گا، میں (یہ اس لئے) سمجھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت موقعوں پر سنتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے (فلاں کام کے لئے) میں گیا اور ابوبکر وعمر بھی گئے اور (مسجد میں یا فلاں مکان میں) داخل ہوا اور میرے ساتھ ابوبکر وعمر بھی داخل ہوئے اور میں نکلا اور ابوبکرؓ وعمرؓ بھی نکلے...... (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا یہ بیان کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں ہے، اس میں انہوں نے یہ جو

فرمایا کہ ''اللہ کی قسم! میں یہی گمان کرتا تھا کہ وہ تم کو تمہارے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ) کے ساتھ کردے گا'' اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجھے یہی امید تھی کہ تم انہیں کے ساتھ دفن کئے جاؤ گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت میں جنت میں تم ان کے ساتھ کردیئے جاؤ گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں ہی مراد ہوں اور یہی راجح ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے اس بیان میں اس واقعی حقیقت کا واضح طور پر اظہار فرما دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ان دونوں صاحبوں رفیقوں کے ساتھ خاص الخاص تعلق تھا جو صرف انہی کا حصہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے اپنے اس کلام کے شروع میں یہ جو فرمایا مَا خَلَّفْتَ اَحَدًا الخ (یعنی تم نے اپنے بعد اللہ کا کوئی ایسا بندہ نہیں چھوڑا جس کے اعمال کے مثل اعمال لے کر اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کی مجھے تمنا اور خواہش ہو) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی تمنا اور خواہش تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حضرت عمرؓ کے جیسے اعمال لے کر حاضر ہوں اور حضرت عمرؓ کے بعد کوئی آدمی ایسا نہیں رہا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْ اَعْيٰى فَرَكِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا، اِنَّمَا خُلِقْنَا لِحِرَاثَةِ الْاَرْضِ، فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَتَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ وَقَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِیْ غَنَمٍ لَهٗ اِذْعَدَا الذِّئْبُ عَلٰى شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَهَا، فَاَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا، فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَا رَاعِیَ لَهَا غَيْرِیْ؟ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَاهُمَا ثَمَّ. (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مجلس میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی ایک بیل کو ہانکے لئے جارہا تھا وہ (چلتے چلتے) تھک گیا، تو وہ بیل پر سوار ہوگیا، بیل نے کہا کہ ہم اس لئے پیدا نہیں کئے گئے تھے ہم تو زمین کی کاشت کے کام (جتائی وغیرہ) کے لئے پیدا کئے گئے تھے تو (حاضرین مجلس میں سے بعض) آدمیوں نے کہا، سبحان اللہ بیل بھی بات کرتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ایمان ہے، اس پر کہ (ایسا ہی ہوا) اور ابوبکر و عمر کا بھی ایمان ہے (راوی کا بیان ہے کہ) اس مجلس میں (اس وقت) وہ دونوں موجود نہیں تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ایک آدمی اپنی بکریوں کے ریوڑ میں تھا ایک بھیڑیئے نے ریوڑ کی ایک بکری پر حملہ کر کے اس کو اٹھالیا، بکریوں والوں نے اس کو جا پکڑا اور بھیڑیئے سے بکری کو چھڑا لیا تو بھیڑیئے نے اس سے کہا کہ ان بکریوں کے لئے کون (محافظ اور رکھوالا) ہوگا ''یوم السبع'' میں، وہ دن وہ ہوگا جس دن میرے سوا ان بکریوں کے اور کوئی چرواہا اور محافظ نہ ہوگا تو (حاضرین میں سے بعض) لوگوں نے کہا سبحان اللہ! بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا ایمان ہے کہ یہ بات حق ہے اور ابوبکر و عمر کا بھی ایمان ہے، اور وہ دونوں (اس وقت) وہاں موجود نہ تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر جو کچھ بیان فرمائیں اس

پر یقین کیا جائے اور اس کو بغیر شک وشبہ کے حق مانا جائے اگر چہ دنیا کے عام حالات کے لحاظ سے وہ بات نا قابل فہم ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیل اور بھیڑیئے کے کلام کرنے کی جو بات بیان فرمائی وہ اسی طرح کی بات تھی، اسی وجہ سے بعض حاضرین نے تعجب کا اظہار کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے اور اپنے ساتھ ابوبکرؓ وعمرؓ کا بھی نام لے کر فرمایا کہ ان دونوں کا بھی ایمان ہے کہ یہ حق ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت فرمائی جب کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا اس لئے یہ شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور ان کو خوش کرنے کے لئے یہ بات فرمائی ہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے کمال ایمان اور ایمانی کیفیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تر ہونے اور اس بارے میں ان کے اختصاص و امتیاز کی دلیل اور شہادت ہے اور ان دونوں حضرات کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رویہ کی یہ ایک اہم مثال ہے جس کا ذکر حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے موقعوں پر اپنے ساتھ ان دونوں کا ذکر بھی نام لے کر فرمایا کرتے تھے۔ رضی اللہ عنهما وارضاهما.

حدیث کے آخری حصہ میں "یوم السبع" کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے شارحین نے اس کی تشریح میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں، اس عاجز کے نزدیک راجح یہ قول ہے کہ اس سے مراد قیامت کے قریب کے وہ دن ہیں جب قیامت کے آثار ظاہر ہو جائیں گے اس وقت لوگ بھیڑ بکری وغیرہ اپنے مویشیوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کو بالکل بھول جائیں گے وہ لاوارث ہو کر جنگلوں میں پھریں گے اور گویا بھیڑیئے وغیرہ درندے ہی ان کے وارث و مالک ہوں گے۔ اسی لحاظ سے اس کو "یوم السبع" (درندوں کا دن) کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم.

فضائل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ خَبَّابٍ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحُثُّ عَلٰى تَجْهِيْزِ جَيْشِ الْعُسْرَةِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ مِائَةُ بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ، فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ عَلَيَّ مِائَتَا بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ، فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ثَلٰثُمِائَةِ بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، فَاَنَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ مِنَ الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ، مَاعَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ کی، روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (منبر پر تشریف فرما تھے اور) جیش عسرہ (غزوۂ تبوک) کے لئے مدد کرنے کی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے تو حضرت عثمان کھڑے ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے ذمے ہیں سو اونٹ، مع نمدوں اور کجاووں کے (یعنی میں سو اونٹ پیش کروں گا مع پورے ساز وسامان کے) فی سبیل اللہ (حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن خباب بیان کرتے ہیں کہ) اس کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی مدد کے لئے لوگوں کو ترغیب دی تو پھر حضرت عثمان کھڑے ہوئے

اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ذمے ہیں (مزید) دوسو اونٹ معہ نمدوں اور کجاوؤں کے فی سبیل اللہ اس کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کی امداد کے لئے اپیل فرمائی اور ترغیب دی تو پھر (تیسری مرتبہ) حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے ذمہ ہیں (مزید) تین سو اونٹ مع نمدوں اور کجاوؤں کے فی سبیل اللہ (عبدالرحمٰن بن خباب کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر رہے تھے اور فرماتے تھے "مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ" (یعنی عثمان اپنے اس عمل اور اس مالی قربانی کے بعد جو بھی کریں اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا) یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرر ارشاد فرمائی۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... فتح مکہ کے اگلے سال ۹ھ میں بعض اطلاعات کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ملک شام کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ فرمایا یہ سفر مقام تبوک تک ہوا جو اس وقت کے ملک شام کی سرحد کے اندر تھا، وہاں لشکر کا پڑاؤ تقریباً بیس دن تک رہا جس مقصد سے دور دراز کا یہ سفر کیا گیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مدد سے جنگ و قتال کے بغیر ہی صرف تبوک تک پہنچنے اور وہاں بیس روزہ قیام ہی سے حاصل ہو گیا تو وہیں سے واپسی کا فیصلہ فرمالیا گیا اس وجہ سے یہ غزوۂ غزوۂ تبوک کے نام سے معروف ہو گیا...... حدیث میں اس لشکر کو "جیش العسرة" فرمایا گیا ہے عسرة کے معنی ہیں تنگ حالی اور سخت حالی...... یہ سفر ایسے حال میں کیا گیا تھا کہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس میں قحط اور پیداوار کی بہت کمی کی وجہ سے بہت تنگ حالی تھی اور موسم سخت گرمی کا تھا، لشکریوں کی تعداد اس زمانے کے لحاظ سے بہت غیر معمولی تھی (روایات میں تیس ہزار ذکر کی گئی ہے) سواریاں یعنی اونٹ اور گھوڑے بہت کم تھے، زاد راہ یعنی کھانے پینے کا سامان بھی لشکریوں کے تعداد کے لحاظ سے بہت ہی کم تھا، انہیں وجوہ سے اس غزوۂ کو "جیش العسرة" کہا گیا ہے۔

اسی غیر معمولی صورت حال کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوۂ کے لئے لوگوں کو مالی و جانی قربانی کی اس طرح ترغیب دی جو غزوات کے سلسلہ میں آپ کا عام معمول نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کی امداد و اعانت میں سب سے زیادہ حصہ لیا، حضرت عبدالرحمٰن بن خبابؓ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر انہوں نے چھ سو اونٹ مع ساز و سامان کے پیش فرمائے...... شارحین حدیث نے بعض دوسری روایات کی بنیاد پر لکھا ہے کہ ان چھ سو کے علاوہ انہوں نے ساڑھے تین سو اونٹ اور پیش کئے اس طرح ان کے پیش کئے ہوئے اونٹوں کی تعداد ساڑھے نو سو ہوئی...... ان کے علاوہ پچاس گھوڑے بھی پیش کئے...... آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اونٹوں گھوڑوں کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اشرفیاں بھی لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے ان عطیات کو قبول فرما کر مجمع عام میں یہ بشارت سنائی اور بار بار فرمایا "مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ" (مطلب یہ ہے کہ جنت اور رضا الٰہی حاصل کرنے کے لئے عثمانؓ کا یہی عمل اور یہی مالی قربانی کافی ہے)...... جب ان حالات کا تصور کیا جائے جن کی وجہ سے اس لشکر کو جیش العسرہ کہا گیا ہے تو حضرت عثمانؓ کی اس مالی قربانی کی قدر و قیمت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے...... رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

عَنْ اَنَسٍ، قَالَ: قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ

رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى مَكَّةَ، فَبَايَعَ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ عُثْمَانَ فِيْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ" فَضَرَبَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فَكَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِنْ اَيْدِيْهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ. (رواه الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (حدیبیہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کے لئے ارشاد فرمایا تو اس وقت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد اور سفیر کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے۔ تو ان سب لوگوں نے (جو اس وقت موجود اور حاضر تھے) بیعت کر لی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (لوگوں سے) فرمایا کہ عثمان (اس وقت یہاں نہیں ہیں) اللہ کے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کام سے مکہ گئے ہوئے ہیں (اگر وہ یہاں ہوتے تو تم سب کے ساتھ وہ بھی بیعت کرتے، اب میں خود ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں) پھر آپ نے (حضرت عثمانؓ کے قائم مقام کی حیثیت سے) اپنا ایک دست مبارک اپنے ہی دوسرے دست مبارک پر رکھا (جس طرح بیعت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے۔ آگے حدیث کے راوی حضرت انسؓ جو خود بیعت کرنے والوں میں تھے کہتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک جس سے آپ نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی وہ عثمانؓ کے حق میں ان دوسرے تمام لوگوں کے ہاتھوں سے بہتر تھا جنہوں نے خود اپنی طرف سے بیعت کی تھی۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... بیعت رضوان کا واقعہ معلوم و معروف ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے، یہاں مختصراً صرف اتنا ذکر کیا جاتا ہے جتنا حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب کی بناء پر، بہت سے صحابہؓ کے شدید اصرار سے عمرہ کے لئے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ فرمایا جن لوگوں کو اس کا علم ہوا تو اس مبارک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ساتھ ہو گئے، ان ساتھیوں کی تعداد چودہ سو ۱۴۰۰ کے قریب ہوگئی، چونکہ سفر عمرہ کی نیت سے کیا گیا تھا اور ذیقعدہ کے مہینہ میں کیا گیا تھا جو اشہر حرم میں سے ہے جن کا مشرکین مکہ بھی احترام کرتے اور جنگ و جدال سے پرہیز کرتے تھے۔ اس لئے اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ پہلے سے کسی کو بھیج کر مکہ والوں کی رضا مندی حاصل کی جائے۔ مشرکین مکہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے سخت ترین دشمن تھے جب ان کے علم میں یہ بات آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آ رہے ہیں تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے طے کرلیا کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ہم اپنے شہر مکہ میں نہیں داخل ہونے دیں گے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور پورا قافلہ مکہ کے قریب مقام حدیبیہ پر پہنچ گیا (جہاں سے مکہ مکرمہ کی مسافت ۲۰ میل سے کچھ زیادہ ہے) تو مکہ والوں کے فیصلہ اور ارادے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے قافلہ کے ساتھ حدیبیہ میں قیام فرمالیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کو سرداران قریش سے گفتگو کرنے کے لئے اپنا خاص قاصد اور سفیر بنا کر مکہ بھیج دیا، ان کا انتخاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے فرمایا کہ مخالفین کے لیڈروں میں ان کے بعض قریبی رشتہ دار تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس مقصد سے بھیجا کہ وہ بالخصوص قریش کے سرداروں کو اطمینان

دلائیں کہ ہم لوگ صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں، اس کے سوا کوئی مقصد نہیں ہے، ہم عمرہ کر کے مدینہ واپس ہو جائیں گے۔

حضرت عثمانؓ مکہ معظمہ چلے گئے لیکن حساب سے ان کو جس وقت تک واپس آ جانا چاہئے تھا واپس نہیں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ میں کسی طرح یہ خبر پہنچ گئی کہ عثمانؓ کو دشمنوں نے شہید کر دیا تو آپ کو بہت رنج اور دکھ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے فرمالیا کہ اگر ایسا ہوا ہے تو پھر جنگ ہوگی، تمام ساتھیوں میں بھی اس خبر سے سخت اشتعال تھا اس مرحلہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے جہاد فی سبیل اللہ اور اس میں شہادت تک ثابت قدمی پر خصوصی بیعت لی، یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی، قرآن مجید میں اس موقع پر بیعت کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رضا کا اعلان فرمایا گیا ہے، اسی لئے اس کا نام بیعت رضوان، معروف ہو گیا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ بیعت جس وقت لی گئی حضرت عثمانؓ اس وقت موجود نہیں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے، تو جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا حدیبیہ میں موجود تمام صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ عثمانؓ موجود نہیں تھے، ان کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیعت کی اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کے قائم مقام قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت فرمائی...... بلاشبہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خاص الخاص فضائل میں سے ہے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر صحیح نہیں تھی وہ گفتگو کر کے واپس آ گئے اور اس وقت اہل مکہ اور سرداران قریش کسی طرح اس پر آمادہ نہیں ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو عمرہ کے لئے مکہ معظمہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں۔ اس کے بعد قریش کی طرف سے گفتگو کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے ان کے نمائندے آئے اور بالآخر وہ صلح ہوئی جو صلح حدیبیہ کے نام سے تاریخ اسلام کا مشہور ترین واقعہ ہے اور قرآن مجید میں اس کو "فتح مبین" فرمایا گیا ہے۔ (تفصیلات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔)

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیْ، قَالَ: کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ حَائِطٍ مِنْ حِیْطَانِ الْمَدِیْنَةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا اَبُوْبَکْرٍ، فَبَشَّرْتُهٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَاللّٰهَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَفَتَحْتُ لَهٗ، فَاِذَا عُمَرُ، فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَاللّٰهَ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ، فَقَالَ لِیْ "اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، عَلٰی بَلْوٰی تُصِیْبُهٗ" فَاِذَا عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، فَحَمِدَاللّٰهَ، ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں مدینہ کے ایک باغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو ایک شخص آئے اور انہوں نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لئے دروازہ

کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو، تو میں نے اس شخص کے لئے دروازہ کھول دیا تو دیکھا کہ وہ ابوبکر ہیں، میں نے ان کو جنت کی بشارت دی، تو اس پر انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر ایک اور شخص آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لئے دروازہ کھول دو اور جنت کی خوشخبری دو، تو میں نے ان کے لئے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ عمر ہیں تو میں نے ان کو وہ بتلا دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر ایک اور شخص نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لئے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو اور ایک بڑی مصیبت جو ان کو پہنچے گی (تو میں نے دروازہ کھول دیا) تو دیکھا کہ وہ عثمان ہیں، تو میں نے ان کو وہ بتلا دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر کہا **اللہ المستعان** (یعنی آنے والی مصیبت کے لئے میں اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں)...... (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... حدیث میں باغ کے لئے حائط کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے، حائط اس باغ کو کہا جاتا ہے جو چہار دیواری سے گھیر دیا گیا ہو، اس میں داخلہ کے لئے دروازہ ہوتا ہے۔ اس حدیث میں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے کسی ایسے ہی باغ میں تشریف فرما تھے، اور اس وقت صرف ابوموسیٰ اشعری آپ کے پاس تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا تھا کہ دروازہ کی حفاظت کریں اور کسی کو بغیر اجازت کے اندر نہ آنے دیں) تو اسی وقت کوئی شخص دروازہ کھلوا کر اندر آنا چاہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری سے فرمایا کہ ان کے لئے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی بشارت دے دو۔ ابوموسیٰ اشعری کو معلوم نہیں تھا کہ یہ دروازہ کھلوانے والے کون صاحب ہیں، جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ ابوبکر ہیں، تو ابوموسیٰ نے ان کو وہ بتلایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور جنت کی بشارت دی، تو جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، انہوں نے جنت کی بشارت سن کر اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا، پھر حضرت عمرؓ نے دروازہ کھلوا کر اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ سے وہی فرمایا جو اس سے پہلے ابوبکرؓ کے لئے فرمایا تھا، ان کو معلوم نہ تھا کہ اب یہ دروازہ کھلوانے والے کون صاحب ہیں، دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ یہ عمرؓ ہیں تو انہوں نے ان کو جنت کی بشارت دی، انہوں نے بھی بشارت سن کر اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا، اس کے بعد تیسرے شخص آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوا کر اندر آنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری سے فرمایا ان کے لئے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو اور ایک بڑی مصیبت جو ان پر آنے والی ہے ابوموسیٰ اشعری کو معلوم نہیں تھا کہ یہ آنے والے کون ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق دروازہ کھولا تو دیکھا کہ عثمان بن عفانؓ ہیں تو انہوں نے ان کو وہ بتلایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور ان کو جنت کی بشارت دی اور ساتھ ہی یہ کہ وہ ایک عظیم آزمائش اور مصیبت میں مبتلا ہوں گے، تو انہوں نے جنت کی بشارت پر اللہ کی حمد کی، شکر ادا کیا اور مصیبت کی بات سن کر کہا **اللہ المستعان** (کہ اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں) حضرت عثمانؓ پر آنے والی اس مصیبت کی کچھ تفصیل آگے ذکر کی جانے والی حدیثوں سے معلوم ہوگی۔

وَعَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْمِ الْقُشَيْرِيِّ، قَالَ شَهِدْتُ الدَّارَ حِيْنَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ فَقَالَ اُنْشِدُكُمْ

اللّٰهَ وَالْإِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرَ بِئْرِ رُوْمَةَ فَقَالَ: "مَنْ يَشْتَرِىْ بِئْرَ رُوْمَةَ يَجْعَلُ دَلْوَهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِىْ الْجَنَّةِ" فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِىْ وَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِىْ اَنْ اَشْرَبَ مِنْهَا حَتّٰى اَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ؟ فَقَالُوْا: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. فَقَالَ: اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْإِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِاَهْلِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ يَّشْتَرِىْ بُقْعَةَ اٰلِ فُلَانٍ فَيَزِيْدُهَا فِى الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِى الْجَنَّةِ؟ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِىْ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِىْ اَنْ اُصَلِّىَ فِيْهَا رَكْعَتَيْنِ؟ فَقَالُوْا: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ: قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْإِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّىْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِىْ؟ قَالُوْا: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ، قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْإِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى ثَبِيْرِ مَكَّةَ وَمَعَهُ اَبُوْبَكْرٍؓ وَعُمَرُؓ وَاَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ حِجَارَتُهُ بِالْحَضِيْضِ، فَرَكَضَهُ بِرِجْلِهِ قَالَ: اُسْكُنْ ثَبِيْرُ! فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِىٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ! شَهِدُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اِنِّىْ شَهِيْدٌ ثَلَاثًا. (رواہ الترمذی، والنسائی والدارقطنی)

ثمامہ بن حزم قشیری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ میں حضرت عثمانؓ کے گھر پر اس وقت حاضر تھا جب انہوں نے بالا خانے کے اوپر سے (اپنے گھر کا محاصرہ کرنے والے باغیوں بلوائیوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: کہ میں تمہیں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو وہاں بئر رومہ کے علاوہ شیریں پانی کا کوئی کنواں نہ تھا (اور وہ ایک یہودی کی ملکیت تھا وہ اس کا پانی جس قیمت پر چاہتا بیچتا تھا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) ارشاد فرمایا کہ ''کون اللہ کا بندہ ہے جو بئر رومہ کو خرید کر سب مسلمانوں کو اس سے پانی لینے کی اجازت دیدے (یعنی عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے) تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا'' تو میں نے اس کو اپنے ذاتی مال سے خرید لیا (اور وقف کر دیا) اور آج تم لوگ مجھے اس کا پانی پینے سے روکتے ہو؟ جس کی وجہ سے میں سمندر کا (سا کھاری) پانی پینے پر مجبور ہوں، تو اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا **اللهم نعم** (یعنی اے اللہ ہم جانتے ہیں کہ عثمان کی یہ بات صحیح ہے۔) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بنوائی ہوئی مسجد نمازیوں کے لئے تنگ ہوگئی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) ارشاد فرمایا ''کون اللہ کا بندہ ہے جو فلاں گھرانے کے قطعہ زمین کو (جو مسجد کے برابر میں تھا) خرید کر ہماری مسجد میں شامل کر دے تو اللہ اس کو جنت میں اس سے بہتر قطعہ عطا فرمائے گا'' تو میں نے اس کو اپنے ذاتی مال سے خرید لیا (اور مسجد میں شامل کر دیا) اور آج تم لوگ مجھے اس بات سے روکتے ہو کہ میں اس میں دو رکعت نماز پڑھ سکوں؟...... تو ان لوگوں نے کہا **اللهم نعم** (اے اللہ بے شک ہم یہ بات جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر عثمانؓ نے وہ قطعہ زمین خرید کر مسجد میں شامل کیا تھا)...... اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ

میں نے غزوۂ تبوک کے لشکر کے لئے اپنے مال سے ساز وسامان کیا تھا؟ ان لوگوں نے کہا اللهم نعم (اے اللہ ہم یہ بات بھی جانتے ہیں) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ میں اللہ کا اور اسکے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے علم میں یہ بات ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے جبل ثبیر پر تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ تھے اور میں بھی تھا تو پہاڑ حرکت کرنے لگا یہاں تک کہ اس کے پتھر اوپر سے نیچے کی جانب نشیب میں گرنے لگے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبیر پہاڑ پر اپنا قدم مبارک زور سے مارا اور فرمایا "اسکن ثبیر" (اے ثبیر ساکن ہو جا) کیونکہ اس وقت تیرے اوپر ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں'' ...... تو ان لوگوں نے کہا اللهم نعم (خداوند یہ واقعہ بھی ہمارے علم میں ہے) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا اللہ اکبر! ان لوگوں نے بھی گواہی دی، اسی کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے فرمایا) قسم ہے رب کعبہ کی کہ میں شہید (ہونے والا) ہوں، یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، دارقطنی)

تشریح ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے لئے ان کی بنائی ہوئی مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب فرمایا تھا تمام صحابہ مہاجرین وانصارؓ نے ان کو اسی طرح خلیفہ تسلیم کر لیا جس طرح حضرت عمرؓ کو اور اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا ...... تقریباً بارہ برس تک آپ خلیفہ رہے آپؓ کی خلافت کے آخری سالوں میں آپ کے خلاف وہ فتنہ برپا ہوا جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی۔ یہ محاصرہ جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اس فتنہ کے سلسلہ کی آخری کڑی تھا، محاصرہ کرنے والے مصر اور عراق کے بعض شہروں کے باغی اور بلوائی تھے جن کو فتنہ پردازی کے ماہر ایک منافق یہودی عبداللہ بن سبا نے خفیہ سازشی تحریک کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا تھا (اس فتنے اور عبداللہ بن سبا کی خفیہ تحریک کی تفصیلات سیر و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں)

جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا باغی بلوائیوں کا یہ محاصرہ اتنا شدید ہو گیا تھا کہ حضرت عثمانؓ مسجد شریف آکر نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے اور آپؓ کو اور آپ کے گھر والوں کو پینے کا پانی نہیں پہنچ سکتا تھا، ان بلوائیوں کا مطالبہ تھا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں یعنی خود اپنے آپ کو معزول کر دیں۔ حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تاکیدی ہدایت کی بنیاد پر ان لوگوں کے مطالبہ پر خلافت سے از خود دستبردار ہونے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اس کے مقابلہ میں ان باغیوں، بلوائیوں کے ہاتھوں مظلومیت کے ساتھ جان دے دینا اور شہید ہو جانا بہتر سمجھتے تھے۔

معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور حکومت کے فرمانروا تھے، اگر ان باغیوں کے خلاف طاقت کے استعمال کرنے کا فیصلہ فرماتے یا اس کی اجازت چاہنے والوں کو اجازت ہی دے دیتے تو یہ بغاوت پوری طرح کچل دی جاتی لیکن آپ کی فطرت اور طبیعت پر حیا کی طرح حلم کا بھی غلبہ تھا، نیز آپؓ اس کے لئے کسی طرح تیار نہیں تھے کہ آپ کی جان کی حفاظت کے لئے کسی کلمہ گو کے خون کا قطرہ زمین پر گرے اس لئے آپؓ نے آخری حد تک افہام و تفہیم کی کوشش کی اور آخر میں اتمام حجت کے طور پر وہ خطاب فرمایا جسے اس حدیث کے راوی ثمامہ ابن حزم قشیریؒ نے بیان فرمایا ہے جنہوں نے یہ خطاب خود اپنے کانوں سے سنا تھا اور محاصرہ کا وہ منظر آنکھوں سے دیکھا تھا ...... آخر میں حدیث کے الفاظ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اِنِّیْ شَهِيْدٌ

ثلاثًا (رب کعبہ کی قسم! میں شہید ہونے والا ہوں یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کو خداداد ایمانی فراست اور کچھ غیبی اشارات سے (جن کا ذکر بعض روایات میں کیا گیا ہے) یقین ہو گیا تھا کہ یہ فتنہ میری شہادت کا تکوینی انتظام ہے جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی، اس لئے آپ نے مظلومانہ شہید ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جانے کا فیصلہ فرمایا اور مظلومانہ شہادت اور قربانی کی ایک لاثانی مثال قائم کر دی۔ اسی سلسلہ میں وہ حدیث ناظرین کرام عنقریب پڑھیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہید ہونے کے لئے کس طرح تیاری کی تھی۔

حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جو خطاب ذکر فرمایا گیا ہے، اس کے آخر میں یہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ مکہ کے قریب کے پہاڑ ثبیر پر ایک دن تشریف لے گئے تو پہاڑ میں ایک خاص قسم کی حرکت پیدا ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زور سے قدم مبارک مارا اور فرمایا "اُسْكُنْ ثَبِيْرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَان" (اے ثبیر ساکن ہو جا اس وقت تیرے اوپر اللہ کا ایک نبی ہے، اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں)۔

عَنْ اَبِیْ سَهْلَةَ قَالَ لِیْ عُثْمَانُ يَوْمَ الدَّارِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَهِدَ اِلَیَّ عَهْدًا فَاَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ. (رواہ الترمذی)

ابو سہلہ سے روایت ہے کہ جس دن حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور وہ شہید کئے گئے اسی دن حضرت عثمانؓ نے مجھ کو بتلایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک خاص وصیت فرمائی تھی، میں نے صبر کے ساتھ اس وصیت پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... یہ ابو سہلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے وہ محاصرہ کے وقت حضرت عثمانؓ کے پاس تھے اور دوسرے ہمدردوں اور وفادار رفیقوں کے ساتھ وہ بھی چاہتے تھے کہ باغیوں کے خلاف طاقت استعمال کی جائے، غالباً یہی بات انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں عرض کی تھی، جس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت اور وصیت کا حوالہ دیا، جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ خاص ہدایت اور وصیت تھی جس کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باغیوں بلوائیوں کے مطالبہ پر خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس کے مقابلہ میں مظلومیت کے ساتھ شہید ہو جانے کا فیصلہ فرمایا جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر بار بار فرمائی تھی۔

عَنْ مُسْلِمِ بْنِ سَعِيْدٍ مَوْلٰى عُثْمَانَ اِنَّ عُثْمَانَ اَعْتَقَ عِشْرِيْنَ عَبْدًا وَدَعَا بِسَرَاوِيْلَ فَشَدَّهَا عَلَيْهِ وَلَمْ يَلْبَسْهَا فِیْ جَاهِلِيَّةٍ وَالْاِسْلَامِ وَقَالَ اِنِّیْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَارِحَةَ فِی الْمَنَامِ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ، فَقَالُوْا لِیْ: اِصْبِرْ فَاِنَّكَ تُفْطِرُ عِنْدَنَا الْقَابِلَةَ فَدَعَا بِمُصْحَفٍ فَنَشَرَهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقُتِلَ وَهُوَ بَيْنَ يَدَيْهِ. (رواہ ابن والموصلی)

حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام مسلم ابن سعید سے روایت ہے کہ (جس دن حضرت عثمان شہید کئے گئے اس دن) انہوں نے بیس غلام آزاد کئے اور سراویل (پاجامہ) منگوایا (اور پہنا) اور اس کو بہت مضبوط باندھا اور اس سے پہلے کبھی نہ زمانہ جاہلیت میں (یعنی اسلام لانے سے پہلے) پہنا تھا اور نہ اسلام لانے کے بعد کبھی پہنا تھا اور فرمایا کہ میں نے گذشتہ رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکرؓ وعمرؓ کو بھی، ان حضرات نے مجھ سے فرمایا کہ عثمان! صبر پر قائم رہو تم کل ہمارے پاس روزہ افطار کرو گے۔ اس کے بعد آپؓ نے مصحف (قرآن مجید) منگوایا اور اس کو سامنے رکھ کر کھولا (اور تلاوت شروع کردی) پھر آپؓ اسی حال میں شہید کئے گئے کہ مصحف آپ کے سامنے تھا۔ (مسند احمد، مسند احمد، ابویعلی موصلی)

تشریح...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نور قلب یعنی ایمانی فراست سے اور بعض غیبی اشارات سے یقین ہوگیا تھا کہ باغیوں بلوائیوں کا یہ فتنہ میری شہادت کا تکوینی انتظام ہے، جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی اور اس حدیث میں گذری ہوئی رات کے جس خواب کا ذکر ہے، جس میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ عثمان! صبر اور تسلیم ورضا کے راستے پر قائم رہو، کل تم ہمارے پاس آکر روزہ افطار کرو گے، یہ آخری غیبی تلقین تھی جس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شہادت کی تیاری شروع فرمائی۔ جس رات کو یہ خواب دیکھا پنجشنبہ اور جمعہ کی درمیانی رات تھی، اگلے دن جمعہ کو آپ نے روزہ رکھا مختلف انواع کے اعمال صالحہ کا خاص طور سے اہتمام فرمایا، بیس غلام اس دن آزاد کئے اور جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے آپ نے پاجامہ منگوایا جو اس سے پہلے کبھی آپؓ نے نہیں پہنا تھا، عرب میں عام طور سے تہبند پہننے کا رواج تھا، آپ بھی ہمیشہ تہبند ہی پہنتے تھے، لیکن چونکہ آپؓ پر شرم وحیا کا غلبہ تھا، اس لئے آپ نے اس دن بجائے تہبند کے پاجامہ منگوا کر پہنا اور اس کو بہت مضبوط باندھا تاکہ شہادت اور موت کے بعد بھی جسم کا وہ حصہ نہ کھلے جس کا کھلنا شرم وحیا کے خلاف ہے پھر آپؓ نے قرآن شریف منگوایا اور اس کی تلاوت شروع فرمادی اسی حال میں بدبخت ظالم باغیوں نے آپ کو شہید کیا، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے وقت سورۂ بقرہ کا وہ حصہ تلاوت فرما رہے تھے جہاں پاروں کی تقسیم کے لحاظ سے پہلا پارہ الم ختم ہوتا ہے آپؓ کے خون کے قطرے اس آیت پر گرے:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.

آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے اللہ ان ظالموں سے انتقام لینے کیلئے کافی ہے وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

یہ منجانب اللہ اس کا اعلان ہے کہ ان بدبخت ظالموں سے اللہ تعالیٰ پورا انتقام لے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کے سلسلہ میں جو حدیثیں یہاں تک درج کی گئیں ان میں ان کی ان دو اہم فضیلتوں کا ذکر نہیں آیا جن میں وہ تمام صحابہ کرام اور خلفائے راشدین میں بھی ممتاز ومنفرد ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کا ان کے ساتھ نکاح کیا اسی وجہ سے ان کو ذوالنورین کہا جاتا ہے اور دوسری یہ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ کے ساتھ دو دفعہ ہجرت فرمائی، پہلی ہجرت مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف

اور دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی طرف۔ اب چند وہ حدیثیں نذر ناظرین کی جارہی ہیں جن میں ان دونوں فضیلتوں کا ذکر ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَوَّلَ مَنْ هَاجَرَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَى الْحَبْشَةِ بَاَهْلِهٖ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَخَرَجَ وَخَرَجَ مَعَهٗ بِابْنَةِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحْتَبَسَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرُهُمَا فَجَعَلَ يَخْرُجُ يَتَوَكَّفُ الْاَخْبَارَ فَقَدِمَتْ اِمْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ فَسَأَلَهَا فَقَالَتْ: يَا اَبَا الْقَاسِمِ! رَاَيْتُهُمَا قَالَ: عَلٰى اَيِّ حَالٍ رَاَيْتِهِمَا؟ قَالَتْ: رَاَيْتُهٗ وَقَدْ حَمَلَهَا عَلٰى حِمَارٍ مِنْ هٰذِهِ الدَّبَّةِ وَهُوَ يَسُوْقُ بِهَا يَمْشِىْ خَلْفَهَا فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَحِبَهُمَا اللّٰهُ اِنَّ كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ لَاَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ اِلَى اللّٰهِ بِاَهْلِهٖ بَعْدَ لُوْطٍ. (رواه الطبرانى فى الكبير والبيهقى وابن عساكر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے جس شخص نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ عثمان بن عفان تھے وہ اپنی اہلیہ محترمہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا) کو ساتھ لے کر حبشہ کے لئے روانہ ہو گئے (پھر طویل مدت تک) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تو آپ باہر تشریف لے جاتے اور خبر معلوم ہونے کا انتظار فرماتے اور کہیں سے خبر حاصل ہونے کی کوشش فرماتے تو قبیلہ قریش کی ایک خاتون ملک حبشہ سے (مکہ) آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (ان کے بارے میں) دریافت فرمایا تو اس نے کہا اے ابو القاسم! میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم نے ان کو کس حال میں دیکھا تو خاتون نے کہا کہ میں نے عثمانؓ کو دیکھا انہوں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) رقیہ کو آہستہ چلنے والے ایک حمار پر سوار کر دیا تھا اور وہ خود پیدل پیچھے چل رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ رہے (اور ان کی حفاظت فرمائے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ کے پیغمبر) لوط (علیہ السلام) کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر اللہ کی طرف ہجرت کی ہے...... (معجم کبیر للطبرانی بیہقی، ابن عساکر)

تشریح...... حدیث اور سیر و تاریخ کی روایات کی روشنی میں یہ معلوم و مسلم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے (باختلاف روایات دو یا تین صاحبزادوں کے علاوہ جو صغر سنی ہی میں وفات پا گئے) آپ کی چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہن) حضرت زینب جو سب سے بڑی تھیں ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص ابن الربیع سے کر دیا تھا اور وہ انہی کے ساتھ رہیں (یہاں ان کے بارے میں اس سے زیادہ لکھنا غیر ضروری ہے) اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا رشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہو گیا تھا، لیکن رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ابولہب اور اس کی بیوی (ام جمیل) کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید کی شدید ترین مخالفت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی پر سورۂ لہب نازل ہوئی جس میں ان دونوں میاں بیوی کی بدانجامی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا گیا اس سے طیش میں آ کر ابولہب اور اس کی بیوی نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ پر دباؤ ڈالا کہ رقیہ اور ام کلثوم سے تمہارا جو رشتہ ہو چکا ہے اس کو ختم کر دو، انہوں

نے ایسا ہی کیا فی الحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا کہ یہ پاک صاحبزادیاں اس ناپاک گھرانے میں نہ جاسکیں۔ (اِنَّ رَبِّی لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے بڑی بہن رقیہ کا نکاح بحکم خداوندی (جیسا کہ دوسری روایات میں بصراحت موجود ہے) حضرت عثمان بن عفانؓ سے کر دیا جو دعوت اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ایمان لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص اصحاب و رفقاء میں شامل ہو چکے تھے...... معلوم ہے کہ دعوت توحید کے ابتدائی دور میں مکہ کے شریر و ظالم اور سنگدل مشرکین کی طرف سے اسلام قبول کرنے والوں پر کیسے کیسے ظلم و ستم ڈھائے جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ ملک حبشہ کا بادشاہ جو دین عیسوی کا پیرو ہے ایک نیک دل اور عادل حکمران ہے اور امید ہے کہ وہاں جو بھی جائے گا امن وامان سے رہ سکے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان لانے والے اپنے اصحاب کو مشورہ دیا کہ جو لوگ جا سکتے ہوں وہ فی الحال حبشہ چلے جائیں، چنانچہ چند حضرات نے اس کا ارادہ کر لیا، ان میں سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے حضرت عثمانؓ تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو بھی ساتھ لے کر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی...... پھر جیسا کہ حضرت انسؓ کی اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدت تک ان دونوں کے بارے میں کوئی خیر خبر نہیں ملی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت فکر مند رہے اور کوشش فرماتے رہے کہ کسی طرح ان کا حال معلوم ہو...... تو طویل عرصہ کے بعد قبیلہ قریش کی ایک عورت حبشہ سے مکہ مکرمہ آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے بتلایا کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کس حال میں دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے ان کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ عثمانؓ نے اپنی اہلیہ رقیہؓ کو آہستہ آہستہ چلنے والے ایک حمار پر (۱) سوار کر دیا تھا اور خود پیدل اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ اس قریشی خاتون سے یہ حال معلوم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ "صَحِبَهُمَا اللهُ" (ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت اور حفاظت نصیب رہے) اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کے پیغمبر لوط علیہ السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی رفیقہ حیات کو ساتھ لے کر اللہ کی طرف یعنی اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی، اپنا وطن اپنا گھر بار اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑا اور محض لوجہ اللہ جلاوطنی اختیار کی...... اس زمانہ میں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنا کتنا بڑا مجاہدہ تھا، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۱)۔ حدیث میں حمار کا لفظ ہے۔ اردو میں حمار کا ترجمہ گدھا کیا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب کا حمار ہمارے ملک کے گدھے سے بالکل مختلف ہے، وہ گھوڑے سے چھوٹا گھوڑے ہی کی طرح سواری کا جانور ہے، ہمارے ایک استاد فرماتے تھے کہ حجاز کا حمار گدھا نہیں وہ حمار ہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حمار پر سوار ہونا ثابت ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ اسلام میں یہ پہلی ہجرت تھی جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس قافلہ میں چند ہی حضرات تھے، اس کے بعد ایک بڑے قافلہ نے بھی مکہ سے حبشہ کو ہجرت کی۔ ان سب حضرات کا طویل مدت تک حبشہ میں قیام رہا، حضرت عثمانؓ چند برس وہاں قیام کے بعد مکہ مکرمہ واپس آئے، لیکن ایسے وقت پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ منورہ ہجرت فرما چکے تھے تو حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی زوجہ مطہرہ حضرت رقیہؓ اور ایک صاحبزادے (عبداللہ کو ساتھ لے کر جو حبشہ میں پیدا ہوئے تھے) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی اس طرح وہ صاحب الھجر تین ہیں اور حضرات خلفاء راشدین میں بھی یہ فضیلت انہی کو حاصل ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ.

مدینہ منورہ ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر پیش آیا انہی دنوں حضرت رقیہؓ بیمار ہو گئیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو حضرت عثمانؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم رقیہؓ کی تیمارداری کے لئے یہیں رہو ہمارے ساتھ نہ چلو، اللہ تعالیٰ تم کو وہی اجر عطا فرمائے گا جو اس غزوۂ کے مجاہدین کو عطا فرمایا جائے گا اور غنیمت میں تمہارا وہی حصہ ہوگا جو غزوۂ میں شریک ہونے والے مجاہدین کا ہوگا...... حضرت عثمانؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی وجہ سے غزوۂ بدر کے لئے نہیں جا سکے، حضرت رقیہؓ کی تیمارداری میں مصروف رہے...... لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قضا و قدر کا فیصلہ کہ وہ صحت یاب نہ ہو سکیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی سے پہلے ہی وفات پا گئیں واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو رقیہ جیسی لخت جگر کی وفات کا جو صدمہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ اُزَوِّجَ كَرِيْمَتَيَّ مِنْ عُثْمَانَ. (رواه ابن عدی والدارقطنی وابن عساکر)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بذریعہ وحی حکم دیا کہ میں اپنی دونوں عزیز بیٹیوں کا نکاح عثمان سے کروں۔ (ابن عدی، دارقطنی، ابن عساکر)

تشریح...... اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ پہلے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کیا تھا اور ہجرت کے دوسرے سال ان کی وفات کے بعد دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ وحی کے ذریعہ ملنے والے خداوندی حکم سے ہی کیا۔

عَنْ عَصْمَةَ بْنِ مَالِكٍ الْخَطْمِيِّ قَالَ: لَمَّا مَاتَتْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ عُثْمَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : زَوِّجُوْا عُثْمَانَ، لَوْ كَانَ لِيْ ثَالِثَةٌ لَزَوَّجْتُهُ، وَمَا زَوَّجْتُهُ اِلَّا بِالْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ. (رواه ابن عساکر)

حضرت عصمۃ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صاحبزادی کا انتقال ہو گیا جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں (یعنی ام کلثومؓ) تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ آپ لوگ عثمانؓ کا نکاح کر دیں، اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان ہی سے کر دیتا اور میں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح عثمان سے وحی کے ذریعہ ملے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کیا تھا...... (ابن عساکر)

تشریح...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ جن کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بڑی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی ۲ھ میں انتقال فرما جانے کے بعد حضرت عثمانؓ سے کر دیا تھا، وہ بھی ۹ھ میں وفات پا گئیں، تو آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام سے فرمایا کہ آپ لوگوں میں سے کوئی اپنی بیٹی یا اپنے زیر ولادت بہن یا کسی عزیزہ کا عثمانؓ سے نکاح کر دیں، اگر میری کوئی تیسری غیر شادی شدہ بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان ہی سے کر دیتا اس کے لئے آپ لوگوں سے نہ کہتا ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح جو عثمان کے ساتھ کیا تھا تو وہ محض اپنی صوابدید اور اپنی رائے سے نہیں بلکہ وحی کے ذریعہ ملے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت عثمانؓ کا جو مقام و مرتبہ معلوم ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَوْتِ اِبْنَتِہِ الْاٰخِیْرَۃِ یَاعُثْمَانُ! لَوْ اَنَّ عِنْدِیْ عَشْرًا لَزَوَّجْتُکَھُنَّ وَاحِدَاۃً بَعْدَ وَاحِدَۃٍ فَاِنِّیْ عَنْکَ رَاضٍ. (رواہ الطبرانی)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی (ام کلثوم) کا انتقال ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے عثمان! اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں ان میں سے ایک کے بعد ایک کا (سب کا) تم سے نکاح کر دیتا، کیونکہ میں تم سے بہت راضی اور خوش ہوں۔ (معجم اوسط طبرانی، افراد دارقطنی، ابن عساکر)

تشریح...... حدیث کا مضمون واضح ہے، اس سے پہلی عصمہ بن مالک الخطمی کی روایت کی ہوئی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادی ام کلثوم کے انتقال کے بعد حاضرین مجلس صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا کہ "اگر میری تیسری کوئی بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمانؓ ہی سے کر دیتا" اور اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ "اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کا نکاح تمہارے ساتھ ہی کر دیتا"۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے۔ پہلی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائی تھی اور اس حدیث میں جو فرمایا گیا ہے اس کے مخاطب خود حضرت عثمانؓ تھے اور مقصد یہ تھا کہ ان کے ساتھ اپنی رضا اور قلبی تعلق کا اظہار فرمائیں۔ حضرت ام کلثوم کی وفات پر حضرت عثمانؓ کو جو غیر معمولی صدمہ تھا، اس کی تعزیت اور تسلی و تسکین کا یہ بہترین طریقہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کریمی اور خلق عظیم کے عین مطابق تھا۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم. بعض روایات میں اس سے زیادہ عدد بھی آیا ہے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف اور تضاد نہیں، مقصد وہی ہے جو عرض کیا گیا۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے فضائل کے اس سلسلہ کو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد پر ختم کیا جاتا ہے۔

عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَیْدٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِعَلِیٍّ: یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنِّیْ اَرْجِعُ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ وَاَنَّھُمْ سَائِلِیْ عَنْ عُثْمَانَ فَمَاذَا اَقُوْلُ لَھُمْ؟ قَالَ اَخْبِرْھُمْ اَنَّ عُثْمَانَ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَاَحْسَنُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ. (رواہ ابن مردویہ وابن عساکر)

ثابت بن عبید سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں مدینہ جانے والا ہوں، وہاں لوگ مجھ سے عثمانؓ کے بارے میں سوالات کریں گے تو (مجھے بتلا دیجئے) کہ میں ان کو کیا جواب دوں، تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو

جواب دیجیو اور بتلائیو کہ عثمانؓ اللہ کے ان بندوں میں سے تھے (جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے)

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.

وہ بندے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے، پھر انہوں نے تقویٰ اور کامل ایمان والی زندگی گزاری پھر تقویٰ اور احسان کا مقام ان کو حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں سے محبت و پیار فرماتا ہے جو مقام احسان پر فائز ہوں۔ (ابن مردویہ ابن عساکر)

تشریح...... معلوم ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دارالحکومت بنالیا تھا جو صاحب مدینہ جانے والے تھے اور انہوں نے حضرت سے وہ سوال کیا تھا جو روایت میں ذکر کیا گیا ہے بظاہر وہ حضرت علیؓ کے خواص اہل تعلق میں سے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ جب میں مدینہ پہنچوں گا تو لوگ مجھ سے آپ کے تعلق سے عثمانؓ کے بارے میں سوالات کریں گے تو میں ان کو کیا جواب دوں؟ (ملحوظ رہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت عثمانؓ کی شخصیت متنازعہ ہوگئی تھی اور وہ شہید کردیئے گئے تھے اور ان کو شہید کرنے والے باغی حضرت علیؓ کی محبت کا دم بھرتے تھے) تو حضرت علیؓ نے ان کو وہ جواب دیا جو روایت میں ذکر کیا گیا ہے...... یہ دراصل سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۹۳ کا اقتباس ہے، آیت کا مطلب ہے کہ جو بندے ایمان، اعمال صالحہ، تقویٰ اور احسان والی زندگی گزاریں، ان سے کسی قصور کے بارے میں آخرت میں پوچھ گچھ نہ ہوگی اور وہ اللہ کے محبوب اور پیارے ہیں، عثمانؓ اللہ کے انہی محبوب و مقبول بندوں میں سے تھے۔

ملحوظ رہے کہ یہاں جو احسان کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ ایک خاص دینی اصطلاح ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور اس کے احکام کی فرمانبرداری اس طرح کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس کی نگاہ کے سامنے ہے...... ظاہر ہے کہ یہ ایمان و یقین کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سطروں کے لکھنے والے اور پڑھنے والے اپنے بندوں کو بھی اس احسانی کیفیت کا کوئی ذرہ نصیب فرمادے۔

فضائل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ: "لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ" فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَرْجُوْنَ اَنْ يُّعْطَاهَا فَقَالَ "اَيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ؟" فَقَالُوْا: هُوَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)! يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ قَالَ: فَاَرْسِلُوْا اِلَيْهِ" فَاُتِيَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَيْنَيْهِ فَبَرَاَ حَتّٰى كَاَنْ لَمْ يَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ عَلِيٌّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا؟ قَالَ: "اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ، وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ لَاَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمُرُ النَّعَمِ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ارشاد فرمایا کہ کل میں یہ پرچم ایسے ایک شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرادے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول کا محبّ اور محبوب ہوگا۔ پس جب صبح

ہوئی تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ سب امید اور تمنا رکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرچم ان کو عطا فرمادیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟" تو لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے (اس لئے وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں) آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو بلانے کیلئے کسی کو بھیجو۔ چنانچہ ان کو بلا کر لایا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا لعاب دہن (تھوک) ڈال دیا تو وہ ایسے اچھے ہو گئے کہ گویا ان کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرچم ان کو عنایت فرمایا (یہ اس کا نشان تھا کہ آج لشکر کے سپہ سالار اور قائد یہ ہوں گے) تو حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میں خیبر والوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کرلیں) تو آپ نے فرمایا کہ تم آہستگی کے ساتھ جاؤ، یہاں تک کہ ان کی زمین اور ان کے علاقہ میں پہنچ جاؤ، پھر ان کو اسلام کی دعوت دو، اور ان کو بتلا دو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق واجب ہوگا۔ خدا کی قسم! یہ بات کہ تمہارے ذریعہ ان میں سے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نصیب ہو جائے تمہارے حق میں اس سے بہتر ہے کہ مال غنیمت میں سرخ اونٹ تم کو ملیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... خیبر مدینہ سے ایک سو چوراسی کلومیٹر (تقریباً سوا سو میل) شمال میں واقع ہے، یہ یہودیوں کی بستی تھی، یہ وہ یہودی تھے جو کسی زمانے میں شام سے نکالے گئے اور خیبر میں آ کر بس گئے تھے، یہ سب دولت مند اور سرمایہ دار تھے، یہاں انہوں نے بہت مضبوط قلعے بنا لئے تھے اور اس وقت کے معیار کے مطابق جنگی ساز و سامان کا اچھا ذخیرہ بھی رکھتے تھے، یہ علاقہ سرسبز و شاداب اور بہت زرخیز تھا۔

مدینہ منورہ کے قرب و جوار کے جن یہودیوں کو ان کی غداریوں اور شرارتوں کی وجہ سے نکالا اور جلا وطن کیا گیا تھا وہ بھی یہیں آ کر بس گئے تھے، یہ مسلمانوں کے خلاف سخت کینہ رکھتے اور سازشیں کرتے رہتے تھے۔ مدینہ منورہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرہ اور مسلمانوں کا دار الحکومت تھا، اس کے لئے خیبر کے یہ یہودی ایک مستقل خطرہ تھے۔

۶ھ کے اواخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آ کر اور قریش مکہ سے مصالحت اور دس سال کیلئے امن معاہدہ کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، ذی الحجہ کا تقریباً پورا مہینہ مدینہ ہی میں گزارا، محرم ۷ھ میں آپ نے خیبر کی خطرناک دشمن طاقت سے تحفظ اور مامون رہنے کے لئے صرف تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر ساتھ لے کر خیبر کی طرف کوچ فرمایا، خیبر کے قریب پہنچ کر جس جگہ کو لشکر کے قیام کیلئے مناسب سمجھا وہاں قیام فرمایا، حسب معمول آپؐ نے خیبر کے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور ساتھ ہی یہ کہ اگر وہ فی الحال اسلام قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوں تو سیاسی ماتحتی قبول کر کے جزیہ ادا کیا کریں اور اگر ان میں سے کوئی بات قبول نہ کی گئی تو ہم اللہ کے حکم کے مطابق جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دینا منظور کریں۔

خیبر کے یہودی سرداروں نے کسی بات کے بھی قبول کرنے سے متکبرانہ انداز میں انکار کر دیا اور جنگ کیلئے تیار ہو گئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے انہوں نے متعدد قلعے بنا لئے تھے جن میں سامان جنگ کے علاوہ کھانے پینے کی چیزوں کا بھی وافر ذخیرہ تھا وہ مطمئن تھے کہ مسلمانوں کا لشکر کسی طرح بھی ان پر فتح نہ حاصل کر سکے گا۔ بہرحال جنگ شروع ہوئی اور کئی دن تک جاری رہی مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے ان کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا، لیکن ایک قلعہ جو بہت مضبوط اور مستحکم تھا اور اس کی

حفاظت اور دفاع کا بھی غیر معمولی انتظام کیا گیا تھا بار بار کے حملوں کے باوجود وہ فتح نہ ہو سکا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ کل میں یہ پرچم اور جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کا محبّ اور محبوب ہوگا اور اللہ اس کے ہاتھ پر یعنی اس کے ذریعہ فتح مکمل کرا دے گا اور یہ آخری قلعہ بھی فتح ہو جائے گا اور اس طرح جنگ کا خاتمہ بالخیر ہو جائے گا پھر یہاں کے یہودی یا تو اسلام قبول کرلیں گے یا سیاسی ماتحتی قبول کر کے جزیہ دینا منظور کرلیں گے...... حضور نے اس شخص کو نامزد نہیں فرمایا جس کو آئندہ کل پرچم دینے کا آپ کا ارادہ تھا بس یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا محبّ اور محبوب ہوگا اور اللہ اس کے ذریعہ یہ آخری قلعہ بھی فتح کرا دے گا، بلاشبہ یہ بڑی فضیلت اور سعادت تھی اور بہت سے حضرات اس کے متمنی اور امیدوار تھے کہ کل پرچم ان کو عطا فرمایا جائے۔ حضرت علی المرتضیٰ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے، جب اگلی صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علی بن ابی طالب کدھر ہیں؟ لوگوں نے بتلایا ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے اس لئے وہ اس وقت یہاں حاضر نہیں ہو سکے، آپ نے ارشاد فرمایا کسی کو بھیج کر ان کو بلواؤ، چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان کی دونوں آنکھوں میں تکلیف تھی، حضور نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈال دیا فوراً تکلیف جاتی رہی اور وہ ایسے ہو گئے جیسے آنکھ میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں، اس کے بعد آپ نے پرچم (جھنڈا) ان کو عطا فرمایا، یہ اس بات کی علامت تھی کہ آج لشکر کی قیادت یہ کریں گے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے جھنڈا ہاتھ میں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میں ان یہودیوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ اسلام قبول کر کے ہماری طرح ہو جائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرما دے اور اس کو ایمان کی دولت حاصل ہو جائے تو یہ تمہارے واسطے اس سے بہتر ہوگا کہ تم کو غنیمت میں بہت سے سرخ اونٹ مل جائیں (اس زمانے میں سرخ اونٹ عربوں کے لئے عزیز ترین دولت تھی) حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ ہماری جنگ کا مقصد دشمن پر فتح حاصل کر کے مال غنیمت سمیٹنا نہیں ہے، اصل مقصد اور نصب العین بندگان خدا کی ہدایت ہے، جہاد اور قتال فی سبیل اللہ میں بس یہی نصب العین پیش نظر رکھنا چاہئے اور اسی کے تقاضے کے مطابق رویہ متعین کرنا چاہئے۔

واضح رہے کہ صحیحین کی مندرجہ بالا حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں حاضرین مجلس اور اپنے مخاطبین کی خصوصیت یا کسی دوسرے وقتی تقاضے سے جنگ خیبر کے آخری مرحلہ کا صرف اتنا ہی واقعہ بیان کیا ہے جس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ خاص فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے محبّ اور محبوب ہیں۔ یہ بھی بیان نہیں فرمایا کہ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ ہی کے ہاتھ پر یہودیوں کا آخری قلعہ بھی فتح ہوا اور خیبر کی فتح مکمل ہوئی۔

جنگ خیبر کے سلسلہ میں صرف اتنا ہی لکھنا مناسب سمجھا جس سے اس کا پس منظر اور کچھ اجمالی حال بھی معلوم ہو جائے، اس غزوۂ خیبر سے متعلق تفصیلات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس حدیث میں ضمنی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے بھی معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ کی دونوں آنکھوں میں سخت تکلیف تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فوراً تکلیف دور ہو گئی اور وہ ایسے ہو گئے جیسے کوئی تکلیف تھی ہی

نہیں۔دوسرا معجزہ یہ معلوم ہوا کہ آئندہ کل فتح مکمل ہوجانے کے بارے میں حضور نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ پوری ہوئی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہوئی اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اللہ اوراس کے رسول کے محبّ ومحبوب ہیں اور الحمدللہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ اورامت کے سواداعظم کا یہی عقیدہ ہے۔لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے سوا کسی دوسرے کو اللہ اوراس کے رسول کا محبّ ومحبوب ہونے کی سعادت نصیب نہ ہو اور اللہ ورسول پر ایمان رکھنے والا ہر مؤمن صادق اپنے ایمانی درجہ کے مطابق اللہ اوراس کے رسول کا محبّ ومحبوب ہے،سورۂ آل عمران کی آیت "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ." بھی اس کی دلیل اور شاہد عدل ہے۔

عَنْ زِرِّبْنِ حُبَيْشٍ قَالَ، قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: وَالَّذِىْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ اَنَّهُ لَعَهِدَ النَّبِىَّ الْاُمِّىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّايُحِبَّنِىْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضَنِىْ اِلَّا مُنَافِقٌ. (رواه مسلم)

زربن حبیش سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم ہے اس پاک ذات کی جو دانے کو پھاڑ کر پودا نکالتا ہے اور جس نے جانداروں کو پیدا فرمایا، نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے مجھ سے فرمایا تھا کہ مجھ سے وہی بندہ محبت کرے گا جو مومن صادق ہوگا اور وہی شخص مجھ سے بغض وعداوت رکھے گا جو منافق ہوگا۔(صحیح مسلم)

تشریح...... بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ وارضاہ کو جن عظیم انعامات اور دینی فضائل سے نوازا،مثلاً یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں ہیں اور یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور حضورؐ ان سے محبت فرماتے تھے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ان کے نکاح میں دے کر دامادی کا شرف عطا فرمایا اور اکثر غزوات میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور بار بار میدان جہاد وقتال میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر کارہائے نمایاں انجام دیئے اور جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا غزوۂ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد وعمل سے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ اللہ اوراس کے رسولؐ کے محبّ اور محبوب ہیں۔الغرض ان اوران جیسے ان کے دوسرے فضائل اور خداوندی انعامات کا یہ حق ہے کہ ہر مؤمن صادق ان سے محبت کرے اوران سے بغض وکینہ رکھنے والوں کے متعلق سمجھا جائے کہ وہ ایمان کی حقیقت سے محروم اور نفاق کے مریض ہیں۔

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ محبت سے مراد وہی محبت ہے جو اللہ اوراس کے رسول کے نزدیک معتبر اور شریعت کی حدود میں ہو،ورنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں میں سب سے پہلا نمبران بدبختوں کا ہے، جنہوں نے ان کو خدا مانا یا پھران بدنصیبوں کا ہے، جن کا عقیدہ ہے کہ نبوت کے اصل مستحق حضرت علی مرتضیٰ تھے، اللہ نے جبرائیل کو انہیں کے پاس بھیجا تھا وہ غلطی سے محمد بن عبداللہ کے پاس پہنچ گئے، اسی طرح شیعوں کے اسماعیلیہ ونصیریہ وغیرہ فرقے جو اپنے اماموں کے بارے میں یہ مشرکانہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا کا روپ ہیں اور خداوندی صفات واختیارات ان کو حاصل ہیں۔اسی طرح وہ شیعہ اثنا عشریہ جو حضرت علی مرتضیٰ اوران کی اولاد میں گیارہ شخصیتوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیوں رسولوں کی طرح نامزد امام معصوم مفترض الطاعۃ، تمام انبیاء سابقین سے افضل کمالات میں ان سے فائق، صاحب وحی وکتاب وصاحب معجزات اور متصرف

فی الکائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ محبت ایسی ہی ہے جیسی محبت کا دعویٰ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں، جس نے ان کو مشرک اور جہنمی بنا دیا۔ الغرض حضرت علی مرتضیٰؓ سے اس طرح کی محبت کرنے والے فرقے مشرک فی الالوہیت یا مشرک فی النبوۃ ہیں، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان سے بری اور بیزار ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے نزدیک مقبول محبت وہی ہے، جو حضرت علی مرتضیٰ اور ان کی اولاد بزرگان دین سے اہل السنہ والجماعت کو نصیب ہے۔

اس حدیث میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والوں کو منافق فرمایا گیا ہے، اس کا خاص مصداق خوارج و نواصب ہیں، جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، پر قرآنی ہدایت سے انحراف کا بہتان لگایا اور ان کو دینی حیثیت سے گمراہ قرار دیا اور انہیں میں سے ایک بد بخت عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت کو شہید بھی کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خود صحابہ کرامؓ میں اختلافات پیدا ہوئے اور جمل وصفین کی جنگوں کی بھی نوبت آئی، یہ اختلافات کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے، صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دینی حیثیت سے گمراہ سمجھ کر ان سے بغض نہیں رکھتا تھا یہ اجتہادی اختلاف تھا اور ہر فریق نے دوسرے فریق کو مومن و مسلم ہونے کا اظہار و اعلان فرمایا، اور بعد میں اس جنگ وقتال پر فریقین کو رنج وافسوس اور اس سب کے بعد سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت نے ثابت کر دیا کہ جو کچھ ہوا بغض وعداوت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ اجتہادی اختلاف کی وجہ سے ہوا...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا

"اِبْنِیْ هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ"

(میرا یہ بیٹا عظیم المقام سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے تھے، کوئی گروہ بھی منافق نہیں تھا۔

آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح مسلم شریف میں زر بن حبیش کی یہ حدیث ذکر کی گئی ہے اس سے پہلے متصلاً حضرت انس، حضرت براء بن عازب، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے مختلف سندوں سے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ انصار سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔

حضرت براء بن عازب کی حدیث کے الفاظ صحیح مسلم میں یہ ہیں، حضورؐ نے انصار کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

لَا يُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ مَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ.

انصار سے صرف وہی شخص محبت کرے گا جو مؤمن صادق ہو گا اور وہی شخص بغض رکھے گا جو منافق ہو گا، جو انصار سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ اللہ کا مبغوض ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف اصحاب کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے اور بلا شبہ اس بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اپنی، اپنے رسول پاک اور اپنے تمام محبین ومحبوبین کی محبت ہم کو نصیب فرمائے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلٰى تَبُوْكَ فَاسْتَخْلَفَ عَلِيًّا قَالَ اَتُخَلِّفُنِیْ عَلَى الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ قَالَ اَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو آپؐ نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنا خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑ دیا، تو انہوں نے عرض کیا، کیا آپؐ مجھ کو بچوں اور عورتوں پر خلیفہ (اور نگراں) بنا کر چھوڑ رہے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ تمہارا مرتبہ اور درجہ میری نسبت سے وہ ہو جو ہارون کا مرتبہ ودرجہ موسیٰ کی نسبت سے تھا، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا...... (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... غزوۂ تبوک اور اس کی غیر معمولی اہمیت کا ذکر حضرت عثمانؓ کے فضائل کے سلسلہ میں کیا جا چکا ہے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا اور بعض پہلوؤں سے سب سے اہم غزوہ تھا جس میں روایات کے مطابق تیس ہزار صحابہ کرام کا لشکر آپ کے ساتھ تھا، مدینہ منورہ کے سب ہی اہل ایمان جو آپؐ کے ساتھ جا سکتے تھے، لشکر میں شامل تھے، پس وہ منافقین جن کو ایمان کی حقیقت نصیب نہیں تھی جھوٹے بہانے کر کے لشکر میں شامل نہیں ہوئے تھے (مؤمنین صادقین میں سے بھی دو چار ایسے تھے جو ساتھ چلنے کی نیت رکھنے کے باوجود کسی وجہ سے ساتھ نہیں جا سکے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، اور صاحبزادی سیدہ فاطمہ طاہرہؓ اور ان کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں اور لشکر میں جانے والے سب ہی صحابہ کرامؓ کے اہل وعیال مدینہ ہی میں چھوڑ دیئے گئے تھے۔ چونکہ سفر دور دراز کا تھا، اندازہ تھا کہ واپسی طویل مدت میں ہو سکے گی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری سمجھا کہ اس مدت کے لئے کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑ دیا جائے تاکہ خدانہ کرے وہ اگر کوئی خارجی یا داخلی فتنہ برپا ہو تو اس کی قیادت میں اس سے مدینہ میں رہ جانے والوں کی اور دین کی حفاظت کی کارروائی کی جا سکے۔ اس کیلئے آپؐ نے حضرت علیؓ کو زیادہ مناسب سمجھا اور ان کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ نہ چلیں بلکہ مدینہ میں رہیں۔

روایات میں ہے کہ بعض بد باطن منافقین نے کہنا شروع کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو اس لئے ساتھ نہیں لیا کہ ان کو اس کا اہل نہیں سمجھا، بس بچوں اور عورتوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کیلئے مدینہ میں چھوڑ دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "اَتُخَلِّفُنِیْ عَلَى الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ"؟ (کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں پر خلیفہ اور نگراں بنا کر چھوڑے جا رہے ہیں؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "کیا تم اس پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ تمہارا مرتبہ مجھ سے وہ ہو جو ہارون کا موسیٰ سے تھا) بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

(سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۴۲) میں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو تورات عطا فرمانے کے لئے طور سینا پر طلب فرمایا (تاکہ وہاں چالیس دن تک گویا اعتکاف کریں اور عبادت ودعا ومناجات میں مشغول رہیں۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے غار حرا میں رہے تھے) تو موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اپنی قوم بنی اسرائیل کی اصلاح وتربیت اور فتنوں سے حفاظت کا ذمہ دار بنا کر قوم کے

ساتھ چھوڑ دیا تھا......تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کو جواب دیا کہ میں تم کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اسی طرح مدینہ میں چھوڑ رہا ہوں جس طرح اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام طور سینا جاتے وقت اپنی عدم موجودگی کے زمانے تک کے لئے ہارون کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر قوم میں چھوڑ گئے تھے...... بلاشبہ حضرت علیؓ کی یہ بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ سفر کے لئے انہیں کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر مدینہ منورہ میں چھوڑا......اور یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت قریبہ اور بعض دوسرے وجوہ سے بھی جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں اس کام کے لئے حضرت علیؓ ہی زیادہ موزوں تھے (یہ بھی ملحوظ رہے کہ شیخین اور دوسرے تمام ہی اکابر صحابہ لشکر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والوں میں تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات میں مشورہ کے لئے بھی ان کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شیعہ علماء و مصنفین غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل اور اس ارشاد کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت علیؓ ہی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی زندگی میں خلیفہ بنا کر اپنے بعد کے لئے خلافت کا مسئلہ بھی طے فرما دیا تھا...... ظاہر ہے کہ اس دلیل کی رکاکت اور غیر معقولیت سمجھنے کے لئے کسی خاص درجہ کی عقل وفہم کی ضرورت نہیں......سفر وغیرہ کی محدود مدت کیلئے عارضی طور پر کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام بنانے میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے مستقل خلیفہ اور امت کی امامت عامہ میں جو فرق ہے اس کو ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

پھر اگر ایسا ہوا ہوتا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے خلیفہ اور ان کی جگہ امت کے امام عام حضرت ہارونؑ ہوئے ہوتے تب تو یہ واقعہ کسی درجہ میں دلیل ہو سکتا تھا لیکن معلوم و مسلم ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کی زندگی ہی میں روایات کے مطابق حضرت موسیٰ کی وفات سے چالیس سال پہلے وفات پا گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ یوشعؑ ہوئے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کو جاتے وقت حضرت علی المرتضیٰؓ کو تو اپنی جگہ گویا مدینہ کا امیر و حاکم اور خلیفہ بنایا تھا لیکن مسجد نبوی میں اپنی جگہ نماز کی امامت کیلئے عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ حالانکہ حضرت علیؓ ہر حیثیت سے ان سے افضل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اسی لئے کیا تھا کہ غزوۂ تبوک کے زمانہ کی حضرت علیؓ کی اس خلافت و نیابت کو حضور کی مستقل خلافت اور امامت عامہ کی دلیل نہ بنایا جا سکے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ، وَلَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِيٌّ. (رواه الترمذی)

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی مجھ سے ہیں اور میں علی میں سے ہوں، اور میری طرف سے (یہ اہم پیغام) خود میں پہنچا سکتا ہوں یا علیؓ"......(جامع ترمذی)

تشریح......حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے وہ صورت حال پیش نظر رکھنی ضروری ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ ۸ھ میں فتح مکہ اور وہاں اسلامی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد اگلے سال سورۂ براءۃ نازل ہوئی، جس میں

مشرکین و کفار کے بارے میں خاص اور اہم احکام ہیں، مثلاً یہ کہ جو معاہدہ ان کے ساتھ کیا گیا تھا ان کی شرارتوں کی وجہ سے وہ فسخ کر دیا گیا اور مثلاً یہ کہ اس سال کے بعد کسی مشرک و کافر کو مسجد حرام میں داخلہ کی اجازت نہیں ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو امیر حج بنا کر بھیجا اور یہ ذمہ داری بھی انکے سپرد ہوئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج کے موقع پر مختلف علاقوں سے آنے والے تمام کفار و مشرکین کو اللہ تعالیٰ کے وہ احکام پہنچا دیں جو سورۂ براءۃ میں ان کے بارے میں نازل کئے گئے ہیں اور سورۂ براءۃ کی وہ سب آیتیں بھی ان کو سنا دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں حج کے لئے ساتھ جانے والوں کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آیا کہ عربوں کا یہ قانون اور ان کی یہ روایت رہی ہے کہ اگر کوئی معاہدہ کیا جائے یا کسی معاہدہ کو فسخ کیا جائے یا اس طرح کا کوئی بھی اہم معاملہ ہو تو وہ قبیلہ کا سردار یا سربراہ بذات خود کرے یا اس کے نائب اور قائم مقام کی حیثیت سے نسبی رشتے سے اس کا کوئی قریب ترین عزیز۔ اس کے بغیر وہ قابل قبول نہ ہوگا تو آپ نے ضروری سمجھا کہ آپ کی طرف سے ان اہم اعلانات کے لئے علی مرتضیٰؓ کو بھیجا جائے جو آپ کے حقیقی چچازاد بھائی اور داماد بھی تھے چنانچہ آپ نے ان کو اس کام کے لئے بعد میں مکہ معظمہ کے لئے روانہ فرمایا۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَلَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِيٌّ" الغرض اس ارشاد کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کو اس کام کے لئے بھیجنے کی غرض و غایت بیان فرمائی۔

پھر جب حضرت علی المرتضیٰ جا کر صدیق اکبرؓ سے مل گئے تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ آپ امیر کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں یا مامور کی حیثیت سے، تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا، میں امیر کی حیثیت سے نہیں مامور کی حیثیت سے آیا ہوں، امیر آپ ہی ہیں اور میں خاص طور سے اس غرض سے بھیجا گیا ہوں۔

یہ جو کچھ ہوا من جانب اللہ ہوا، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو امیر حج کی حیثیت سے روانہ فرماتے تو اس سے غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی خلافت کے اولین حق دار حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں، امت کو اس غلط فہمی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ڈالا گیا کہ امیر حج بنا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو روانہ کریں، بعد میں حضور کے قلب میں وہ بات ڈالی گئی جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو بھیجنا ضروری سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح امت میں رہنمائی فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے امیر اور آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوں گے یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں جب آپ خود مسجد جا کر امامت کرنے سے معذور ہو گئے تو آپ کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالا گیا کہ اپنی جگہ ابوبکر صدیقؓ کو نماز کا امام مقرر فرما دیں۔ ان ربی لطیف لما یشآء.

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ آخٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ، فَجَاءَ عَلِيٌّ تَدْمَعُ عَيْنَاهُ، فَقَالَ: اٰخَيْتَ بَيْنَ اَصْحَابِكَ وَلَمْ تُؤَاخِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اَحَدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ أَخِي فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ آ کر) اپنے اصحاب میں مواخاۃ قائم فرمائی (یعنی صحابہؓ میں سے ہر ایک کو کسی دوسرے کا بھائی بنا دیا) تو حضرت علیؓ آئے (اس حال میں کہ رنج وغم سے) ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنے تمام اصحاب کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم فرما دیا اور میرے اور کسی دوسرے کے درمیان آپ نے مواخاۃ قائم نہیں فرمائی (یعنی مجھے کسی کا اور میرا کسی کو بھائی نہیں بنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام جب ہجرت فرما کر مدینہ آئے، یہ آنے والے مہاجرین مختلف قبیلوں اور مختلف مقامات کے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کا نظام قائم فرمایا یعنی دو دو صحابیوں کا ایک جوڑا بنا کر ان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دے دیا تا کہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں اور ضرورت میں حقیقی بھائی کی طرح کام آویں اور کسی کو تنہائی اور بے کسی کا احساس نہ ہو۔

مثلاً آپ نے حضرت ابو الدرداء انصاری اور حضرت سلمان فارسیؓ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا، جن کے درمیان پہلے سے نہ کوئی نسبی رشتہ قائم تھا اور نہ ہم وطنی کا تعلق...... اس طرح آپ نے اپنے تمام اصحاب کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم فرما دیا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا کسی کے ساتھ یہ رشتہ قائم نہیں فرمایا وہ اکیلے ہی رہ گئے، اس سے رنجیدہ اور غمگین ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنے تمام اصحاب کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم فرمایا اور مجھے کسی کا اور کسی کو میرا بھائی نہیں بنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”انت اخی فی الدنیا والاخرة“ (یعنی تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) ظاہر ہے کہ حضرت المرتضیٰؓ کو یہ سن کر کیسی مسرت اور خوشی ہوئی ہوگی۔ بلا شبہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو قرابت نصیب تھی وہ صرف انہیں کا حصہ تھا جیسا کہ معلوم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے اور آپ کی دعوت پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں ہیں اور دامادی کے شرف سے بھی مشرف فرمائے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ.

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا. (رواه الترمذی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... معلوم ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، صغرسنی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسلام لائے اور اس کے بعد برابر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور صحبت میں رہے اس لئے آپ کی تعلیم سے استفادہ میں ان کو ایک درجہ خصوصیت حاصل ہے۔ اسی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ”اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا“ (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں)

لیکن اس سے یہ سمجھنا اور یہ نتیجہ نکالنا کہ بس حضرت علیؓ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آئے ہوئے علم وحکمت کے حامل و

وارث تھے اور ان ہی کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے اور ان کے سوا کسی دوسرے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم و حکمت کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ انتہائی درجہ کی نافہمی ہے، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امیین میں اپنا رسول بنا کر بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور کتاب اللہ اور حکمت کی ان کو تعلیم دیتے ہیں قرآن مجید کی یہ آیتیں بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب وحکمت کی تعلیم اپنے اپنے ظرف اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق تمام صحابہ کرامؓ نے پائی، لہٰذا یہ سبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آئے ہوئے علم وحکمت کا ذریعہ اور دروازہ ہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، جب اسلام لائے تو جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ وہ صغیر السن تھے ان کی عمر مشہور روایات کے مطابق صرف آٹھ یا دس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے استفادہ کی وہی استعداد اور صلاحیت اس وقت ان کو حاصل تھی جو فطری طور پر اس عمر میں ہونا چاہئے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسلام قبول کیا تو ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی اور فطری طور پر ان کو استفادہ کی وہ کامل استعداد اور صلاحیت حاصل تھی جو اس عمر میں ہونی چاہئے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے آئے ہوئے علم وحکمت میں ان کا حصہ دوسرے تمام صحابہ کرامؓ سے مجموعی طور پر زیادہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں ان کو اپنی جگہ نماز کا امام مقرر فرمایا یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت صدیق اکبرؓ کے اعلم بالکتاب والحکمۃ ہونے کی سند تھی پھر صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور امت کا امام تسلیم کر کے عملی طور پر اس کا اعتراف کیا اور گویا اس حقیقت کی شہادت دی۔

نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ مختلف صحابہ کرام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم دین کے مختلف شعبوں میں ان کے تخصص اور امتیاز کا ذکر فرمایا ہے۔

پھر اس واقعی حقیقت میں کس کو شک وشبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ حضرات تابعینؒ نے مختلف صحابہ کرام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا علم حاصل کیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے محدثین کے ذریعہ حدیث کی کتابوں میں محفوظ کرا دیا اور اسی سے قیامت تک امت کو رہنمائی ملتی رہے گی۔ **ذالک تقدیر العزیز العلیم.**

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابن الجوزی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ ناقد محدثین نے زیر تشریح اس حدیث "انا دار الحکمۃ الخ" کو موضوع قرار دیا ہے، خود امام ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ "ھذا حدیث غریب منکر"۔

بہر حال سند کے لحاظ سے یہ حدیث محدثین کے نزدیک غیر مقبول اور نا قابل استناد ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ! تُرْسِلُنِيْ وَاَنَا حَدِيْثُ السِّنِّ وَلَاعِلْمَ لِيْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ: اِنَّ اللهَ سَيَهْدِيْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ اِذَا تَقَاضٰى اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ الْاٰخَرِ فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ: فَمَا شَكَكْتُ فِيْ قَضَاءٍ بَعْدُ. (رواہ الترمذی وابوداؤد ابن ماجہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قاضی بنا کر یمن بھیجا (یعنی بھیجنے کا فیصلہ فرمایا) تو میں نے عرض کیا کہ اے رسول خدا! آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں اور میں نوعمر ہوں اور مجھے قضاء کا (یعنی نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کا کما حقہ) علم نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی رہنمائی فرمائے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا (یعنی دل میں وہی ڈالے گا اور زبان سے وہی کہلوائے گا جو صحیح اور حق ہوگا) جب تمہارے پاس دو آدمی کسی نزاعی معاملہ کا فیصلہ کروانے کیلئے آئیں تو تم (معاملہ کو) پہلے پیش کرنے والے کے حق میں فیصلہ نہ کر دینا یہاں تک کہ دوسرے فریق کی بات سن لو، یہ طریقہ تم کو فیصلہ کرنے میں زیادہ کارآمد ہوگا'' حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم اور دعا کے) بعد مجھے کسی قضیہ کا فیصلہ کرنے کے بارے میں شک و شبہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داوٗد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... متن حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ میں کر دی گئی ہے البتہ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ کی روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف راویوں سے کی گئی ہے جن میں سے بعض میں کچھ اضافے ہیں، اب سب روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد پورا واقعہ سامنے آ جاتا ہے۔

کنز العمال میں ابن جریر کے حوالے سے واقعہ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ:

''یمن کے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں کسی ایسے صاحب کو بھیج دیجئے جو ہمیں دین سکھائیں اور شریعت کی تعلیم دیں اور ہمارے نزاعات اور قضیوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کریں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم اس کے لئے یمن چلے جاؤ حضرت علیؓ کا بیان ہے میں نے عرض کیا ہو سکتا ہے کہ وہاں کے لوگ میرے پاس ایسے مقدمات اور ایسے قضیے لے کر آئیں جن کے بارے میں مجھ کو علم نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا ''اِذْهَبْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِىْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ'' (جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی رہنمائی فرمائے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا) آگے حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ اس کے بعد سے اب تک مجھے کسی قضیہ کا فیصلہ کرنے میں کوئی شک و شبہ پیش نہیں آیا۔'' (کنز العمال ص ۱۱۳ جلد نمبر ۱۳ مطبوعہ حلب)

کنز العمال ہی میں مستدرک حاکم، ابن سعد، مسند احمد، ابن جریر وغیرہ کے حوالہ سے اسی واقعہ کی ایک اور روایت حضرت علیؓ ہی سے کی گئی ہے، اس میں ہے کہ:

''جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ میں نوعمر ہوں اور مجھے نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ کرنے میں کوئی خاص بصیرت حاصل نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا اور دعا فرمائی۔ ''اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهٗ وَهْدِ قَلْبَهٗ'' (اے اللہ تو اس کی زبان کو ثابت رکھ اور اس کے قلب کو ہدایت عطا فرما)۔

آخر میں حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ ''فَمَا اَشْكَلَ عَلَىَّ قَضَاءٌ بَعْدُ'' (تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد میرے لئے کسی قضیہ کا فیصلہ مشکل نہیں ہوا) (ایضاً)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے سینہ پر دست مبارک رکھا اور وہ دعا فرمائی جو روایت میں ذکر کی گئی ہے

اور ساتھ ہی آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ دعا قبول فرمالی گئی تو آپ نے فرمایا۔ ''اِنَّ اللهَ سَيَهْدِىْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ''...... ''سیھدی'' میں ''س'' یقین کے اظہار کے لئے ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے، انہوں نے اپنی قوم سے کہا، ''کلا انی معی ربی سیھدین''۔

یہ حقیقت امت کے مسلمات میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو نزاعات اور خصوصیات کے فیصلہ کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور اس بارے میں آپؓ کو تخصص اور امتیاز کا مقام حاصل تھا...... اور بلاشبہ یہ ان کی ایک بڑی فضیلت ہے اور ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فِيْكَ مَثَلٌ مِنْ عِيْسٰى ابْنِ مَرْيَمَ أَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ، حَتّٰى بَهَتُوْا أُمَّهُ وَأَحَبَّتْهُ النَّصَارىٰ حَتّٰى اَنْزَلُوْهُ مَنْزِلَتَهُ الَّتِىْ لَيْسَتْ لَهُ'' ثُمَّ قَالَ: يَهْلِكُ فِىَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُفَرِّطُنِىْ بِمَا لَيْسَ فِىَّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهُ شَنَاٰنِىْ عَلٰى اَنْ يَبْهَتَنِىْ. (رواہ احمد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! تم کو عیسیٰ ابن مریم سے خاص مشابہت ہے، یہودیوں نے ان کے ساتھ بغض وعداوت کا رویہ اختیار کیا، یہاں تک کہ ان کی ماں مریم پر (بدکاری کا) بہتان لگایا اور نصاریٰ نے ان کے ساتھ ایسی محبت کی کہ ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا جو مرتبہ ان کا نہیں تھا، (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (بیشک ایسا ہی ہوگا) دو طرح کے آدمی میرے بارے میں ہلاک ہوں گے، ایک محبت میں غلو کرنے والے جو میری وہ بڑائیاں بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں، دوسرے بغض وعداوت میں حد سے بڑھنے والے۔ جن کی عداوت ان کو اس پر آمادہ کرے گی کہ وہ مجھ پر بہتان لگائیں۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اور اسی کی بنیاد پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے جو کچھ فرمایا اس کا ظہور ان کے دور خلافت ہی میں ہو گیا...... خوارج کا فرقہ آپ کی مخالفت وعداوت میں اس حد تک چلا گیا کہ آپ کو مخرب دین۔ کافر اور واجب القتل قرار دیا اور انہیں میں کے ایک شقی عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپؓ کو شہید کیا اور اپنے اس بدبختانہ عمل کو اس نے اعلیٰ درجہ کا جہاد فی سبیل اللہ اور داخلہ جنت کا وسیلہ سمجھا۔ اور آپ کی محبت میں ایسے غلو کرنے والے بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے آپ کو مقام الوہیت تک پہنچا دیا اور ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ نبوت ورسالت کے لائق دراصل آپؓ ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کا مقصد آپ ہی کو نبی ورسول بنانا تھا اور جبرائیل امین کو وحی لے کر آپ ہی کے پاس بھیجا تھا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور وحی لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور ان کے علاوہ ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور آپ کے بعد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام وخلیفہ اور سربراہ امت تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ تھے اور مقام ومرتبہ میں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بالاتر تھے اور کائنات میں تصرف اور علم غیب جیسی خداوندی صفات کے بھی آپؓ حامل تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں غلو کرنے والے یہ لوگ مختلف فرقوں میں منقسم ہیں، مذاہب اور فرقوں کی تاریخ

میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فرقوں کی تعداد پچاس کے قریب تک پہنچتی ہے۔

ان فرقوں میں اکثر وہ ہیں جن کا ذکر صرف کتابوں میں ملتا ہے، ہماری اس دنیا میں جہاں تک ہمارا علم ہے اب ان کا کہیں وجود نہیں ہے جو فرقے اب موجود ہیں ان میں بڑی تعداد فرقہ اثناعشریہ کی ہے جس کا دوسرا نام امامیہ بھی ہے، اب اکثر ملکوں اور علاقوں میں اسی فرقہ کو "شیعہ" کہا جاتا ہے، یہ فرقہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی اولاد میں گیارہ حضرات کو انہیں کی طرح اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نامزد امت کا امام وحاکم اور آپ ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ اور تمام انبیاء سابقین سے افضل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اس فرقہ کے عقائد کی تفصیل اور حقیقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی بے نظیر فارسی تصنیف **"تحفہ اثنا عشریہ"** کے مطالعہ سے معلوم کی جاسکتی ہے اردو خواں حضرات اس موضوع پر امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے مطالعہ سے بھی اس فرقہ کا تعارف حاصل کر سکتے ہیں۔

عَنْ صُهَيْبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ: مَنْ اَشْقَى الْاَوَّلِيْنَ؟ قَالَ، اَلَّذِىْ عَقَرَ النَّاقَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ صَدَقْتَ فَمَنْ اَشْقَى الْاٰخِرِيْنَ؟ قَالَ، لَاعِلْمَ لِىْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اَلَّذِىْ يَضْرِبُكَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى يَافُوْخِهٖ فَكَانَ عَلِيٌّ يَقُوْلُ لَاَهْلِ الْعِرَاقِ: وَدِدْتُّ اَنَّهٗ قَدْ اَنْبَعَثَ اَشْقَاكُمْ فَيَخْضِبُ هٰذِهٖ يَعْنِىْ لِحْيَتَهٗ مِنْ هٰذِهٖ، وَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى مُقَدَّمِ رَاْسِهٖ. (رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے (ایک دن) فرمایا، (بتلاؤ) اگلی امتوں میں سب سے زیادہ شقی اور بدبخت کون تھا؟ تو حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ اے رسول خدا (قوم ثمود کا) وہ بدبخت آدمی تھا جس نے اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر اس کو مار ڈالا تھا (جس کو حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے پتھر کی چٹان سے پیدا فرمایا تھا، یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا کہ تم نے سچ اور ٹھیک بتایا، (اب بتلاؤ) بعد کے لوگوں میں سب سے زیادہ شقی اور بدبخت کون ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا، مجھ کو اس کا علم نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے سر کے اگلے حصہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ (انتہائی بدبخت اور سب سے زیادہ شقی) وہ ہوگا جو (تلوار سے) تمہاری اس جگہ پر ضرب لگائے گا۔ داڑھی خون سے رنگ جائیگی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر اپنی داڑھی پکڑ کر) فرمایا کرتے تھے، اے عراق والو میں آرزومند ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شقی اور بدبخت ترین آدمی اٹھے اور میری اس داڑھی کو رنگ دے میری اس پیشانی کے خون سے...... (معجم کبیر)

تشریح...... قرآن مجید کے آخری پارہ کی سورۂ والشمس کے آخر میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کی بدترین کافرانہ سرکشی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ **"كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوَاهَا اِذِانْبَعَثَ اَشْقٰهَا"**...... **الآیہ**...... ان آیتوں میں اس شخص کو "أشقى" یعنی انتہائی درجہ کا شقی اور بدبخت فرمایا گیا ہے جس نے اس اونٹنی کو مار ڈالا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر پیدا فرمایا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر انہیں آیات کی روشنی میں عرض کیا تھا کہ اگلی امتوں میں کا انتہائی درجہ کا شقی اور بدبخت وہ تھا جس نے اس ناقہ کو مار ڈالا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال دراصل تمہید تھی اس پیش گوئی کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے خود انہیں کے بارے میں فرمائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت علیؓ کی شہادت کی پیشین گوئی اس تفصیل کے ساتھ فرمائی کہ بد بخت قاتل تمہارے سر کے اگلے حصہ پر تلوار سے ضرب لگائے گا جس کے نتیجہ میں تمہاری یہ داڑھی خون سے رنگ جائے گی اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ وہ قاتل بعد میں آنے والے لوگوں میں سب سے زیادہ شقی اور انتہائی درجہ کا بد بخت ہوگا۔ آگے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ، اپنی شہادت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کو اپنے حق میں بڑی بشارت سمجھتے تھے اور اپنے دارالحکومت عراق کے شہر کوفہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل عراق میں اس کا آرزومند ہوں اور شوق سے اس دن کا انتظار کر رہا ہوں، جب تم میں کا بد بخت ترین انسان میرے سر کے خون سے میری داڑھی کو رنگ دے گا۔ اور جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریباً تیس سال بعد بالکل اسی طرح حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ بلاشبہ پیشین گوئی اور اس کا ٹھیک اسی طرح پورا ہو جانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وبارک وسلم.

فضائل خلفاء اربعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض ارشادات میں جس طرح ایک ساتھ شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فضائل بیان فرمائے اور جس طرح بعض ارشادات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرما کر ایک ساتھ تینوں حضرات کے فضائل بیان فرمائے (جو اپنے موقعہ پر پہلے ذکر کئے جا چکے ہیں) اسی طرح آپ نے اپنے بعض ارشادات میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرما کر چاروں خلفاء کے فضائل ایک ساتھ بیان فرمائے ہیں ذیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی چند ارشادات پیش کئے جا رہے ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَكْرٍ فَاِنَّهُ زَوَّجَنِىْ اِبْنَتَهُ وَحَمَلَنِىْ اِلٰى دَارِ الْهِجْرَةِ وَاَعْتَقَ بِلَالاً مِّنْ مَّالِهٖ، رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَا لَهُ صَدِيْقٌ، رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ تَسْتَحْيِيْهِ الْمَلَائِكَةُ، رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ. (رواه الترمذى)

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ابوبکر پر، انہوں نے اپنی بیٹی (عائشہ) کا میرے ساتھ نکاح کر دیا، اور دارالہجرۃ مدینہ منورہ تک پہنچنے کیلئے میرے واسطے (سواری وغیرہ) سفر کے انتظامات کئے، اور بلال کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا۔ اللہ کی رحمت ہو عمر پر، وہ حق بات کہتا ہے اگرچہ کڑوی ہو، اس کی اس (بے لاگ) حق گوئی نے اس حال میں کر چھوڑا ہے کہ کوئی اس کا سچا اور پورا دوست نہیں۔ اللہ کی رحمت ہو عثمان پر جس کا حال یہ ہے کہ فرشتے بھی اس سے شرماتے ہیں اور اللہ کی رحمت ہو علی پر، اے اللہ! تو حق اور سچائی کے ساتھ دائر اور سائر کر دے، وہ حق کے ساتھ رہے اور حق اس کے ساتھ۔“ (جامع ترمذی)

تشریح......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں چاروں خلفاء راشدین کے لئے رحمت کی دعا فرمائی، سب سے پہلے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں دعاء رحمت فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ ان کے تین اعمال خیر کا ذکر فرمایا، سب سے پہلے ان کے اس عمل کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اگرچہ کم از کم آٹھ ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بھی ہوئیں، لیکن حضرت عائشہؓ کے نکاح کی خاص اہمیت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی رفیقہ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جن کا وجود ان کے کمال ایمان، ان کی فراست و دانشمندی اور بالخصوص ان کی وجہ سے خانگی ضروریات کی فکروں سے بےفکر اور آزادی حاصل ہو جانے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث سکون خاطر تھا۔ ان کی وفات سے فطری طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر معمولی رنج اور صدمہ تھا، اس وقت عالم غیب کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ ملا کہ ابوبکر کی بیٹی عائشہ تمہاری رفیقہ حیات ہوں گی۔ اگرچہ وہ اس وقت بہت کمسن تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبی اشارہ کی بناء پر یقین فرمالیا کہ یہ منجانب اللہ مقدر ہو چکا ہے اور ان کی رفاقت حضرت خدیجہؓ ہی کی طرح میرے لئے خیر اور باعث سکون خاطر ہوگی، چنانچہ ایک نیک خاتون خولہ بنت حکیم نے حضرت ابوبکرؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رشتہ کا پیغام پہنچایا۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حضرت عائشہؓ اس وقت بہت کمسن تھیں نیز ان کی نسبت جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے ہو چکی تھی جو ابوبکر ہی کی طرح مکہ کے خوشحال اور دولت مند لوگوں میں تھے اور مالی حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حال تھا وہ ابوبکرؓ کے سامنے تھا اس کے باوجود انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اس امید پر کہ یہ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کے سکون کا ذریعہ بنے گا اپنی اور بیٹی کی سعادت سمجھ کر اسے قبول کرلیا اور حضرت عائشہؓ کا آپ سے نکاح کر دیا۔ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مندرجہ بالا ارشاد میں حضرت ابوبکرؓ کے حق میں رحمت کی دعا کرنے کے ساتھ پہلے ان کے اس احسان کا ذکر فرمایا اس کے بعد ان کے اس دوسرے احسان کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے لئے میرے واسطے انتظامات کئے اور پورے سفر میں میرے ساتھ رہے، آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ کے اس تیسرے عمل خیر کا ذکر فرمایا کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، کو جو مکہ کے ایک انتہائی سنگدل کافر و مشرک کے غلام تھے وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور شرک چھوڑ کر توحید کو قبول کر لینے کی وجہ سے ان کو سخت لرزہ خیز تکلیفیں دیتا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کے مالک کو منہ مانگے دام دے کر خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کے علاوہ بھی ایسے متعدد غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا تھا جن کو ان کے کافر و مشرک مالک صرف ایمان لانے کے جرم میں تکلیفیں دیتے تھے لیکن حضرت بلال حبشی کی خصوصیات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں صرف انہیں کو خرید کر آزاد کرنے کا ذکر فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد آپ نے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ان کے اس خاص وصف کا ذکر فرمایا کہ وہ مخلوق کی رضامندی وناراضی سے بے پرواہ ہو کر ہر معاملے میں حق بات کہتے ہیں اگرچہ وہ لوگوں کو کڑوی

معلوم ہوا اور اس کی وجہ سے ان سے دور اور ناراض ہو جائیں۔ معلوم ہوا کہ کسی بندہ کا یہ حال بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور ایسا بندہ اللہ کی رحمت کا خاص طور سے مستحق ہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ان کے اس وصف کا ذکر فرمایا کہ اللہ کے فرشتے بھی ان سے شرماتے ہیں۔ حضرت عثمان کے بعد آپ نے چوتھے خلیفہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ساتھ ہی یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ! تو علی کے ساتھ حق کو دائر وسائر کردے یعنی ہمیشہ وہ حق پر رہیں اور حق ان کے ساتھ رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جس ترتیب کے ساتھ ان چاروں کا ذکر کیا اور ان کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں یہ چاروں حضرات سب سے افضل اور بلند مرتبہ ہیں اور ان کے درمیان اسی ترتیب کے مطابق درجات کا فرق ہے، نیز اس ترتیب سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ چاروں حضرات اسی ترتیب کے مطابق یکے بعد دیگرے آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوں گے...... اس کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے ارشادات میں اسی ترتیب سے ان چاروں حضرات کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان سب احادیث سے یہی اشارہ ملتا ہے...... ان میں سے چند حدیثیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَرْحَمُ اُمَّتِىْ بِاُمَّتِىْ اَبُوْبَكْرٍ وَاَشَدُّهُمْ فِىْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ وَاَكْرَمُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ بْنِ عَفَّانَ وَاَقْضَاهُمْ عَلِىُّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ. (رواه ابن عساكر)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ رحم دل میری امت میں ابوبکر ہیں اور اللہ کے معاملہ میں سب سے سخت عمر بن خطاب ہیں اور حیاء کے لحاظ سے میری امت میں سب سے افضل عثمان بن عفان ہیں اور نزاعات وخصومات کا فیصلہ کرنے میں علی ابن ابی طالب میری امت میں سب سے فائق ہیں۔'' (ابن عساکر)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں خلفاء اربعہ میں سے ہر ایک کے اس وصف کا ذکر فرمایا ہے، جس میں اس کو امت کے تمام دوسرے افراد پر امتیاز حاصل ہے۔ حضرت ابوبکرؓ صفت رحمت اور رحم دلی کے لحاظ سے تمام امت میں فائق ہیں۔ اسی طرح شدت فی امر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور حقوق کے بارے میں سخت گیری کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ممتاز ہیں، علیٰ ہذا صفت حیاء جس کو حدیث شریف میں ایمان کا خاص شعبہ بتایا گیا ہے اس ایمانی صفت کے لحاظ سے امت میں حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو امتیاز حاصل ہے اور نزاعات وخصومات کا صحیح اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی صلاحیت جو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور الٰہی اور نبوی خلافت کا خاص وظیفہ ہے اس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام امت پر فوقیت حاصل ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَجْتَمِعُ حُبُّ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَةِ اَبِىْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِىٍّ فِىْ قَلْبِ مُنَافِقٍ. (رواه الطبرانى فى الاوسط وابن عساكر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان چاروں (میرے ساتھیوں اور رفیقوں ابوبکر و عمر اور عثمان و علی) کی محبت کسی منافق کے دل میں جمع نہ ہوگی۔ (معجم اوسط طبرانی، ابن عساکر)

تشریح ...... یہ حدیث بھی کسی تشریح کی محتاج نہیں بفضلہٖ تعالیٰ اہل السنۃ والجماعۃ کا حال یہی ہے کہ وہ ان چاروں حضرات سے محبت کو گویا جزو ایمان یقین کرتے ہیں اور جو بدنصیب ان میں سے کسی ایک سے بھی بغض رکھے اس کو فاسد العقیدہ اور حقیقی ایمان سے محروم جانتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا تھا کتب حدیث میں اور بھی ایسی روایات ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خلفاء اربعہ کی فضیلت اور ان کے امتیاز کا ذکر اسی ترتیب سے فرمایا ہے، ان سب روایات سے ان حضرات کی فضیلت کے ساتھ ان کے درمیان فرق مراتب اور خلافت کے بارے میں ترتیب کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

عشرہ مبشرہ کے بقیہ حضراتؓ کے فضائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں (جو ناظرین کرام ان تمہیدی سطروں کے بعد جامع ترمذی کے حوالہ سے پڑھیں گے) اپنے اصحاب کرام میں سے خصوصیت کے ساتھ دس حضرات کو نامزد کرکے اعلان فرمایا کہ یہ جنتی ہیں ...... ان حضرات کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔

ان دس میں خلفاء اربعہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور حضور نے سب سے پہلے انہیں کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا ہے، ان حضرات کے فضائل و مناقب سے متعلق حدیثیں ناظرین کرام کی نظر سے گذر چکی ہیں، ان کے علاوہ باقی حضرات کے فضائل سے متعلق حدیثیں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَبُوْبَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ ، وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ، وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعْدُ ابْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعِيْدُ ابْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ. (رواه الترمذی)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ جنتی ہیں ...... (جامع ترمذی)

تشریح ...... ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع اور اس کے حکم سے تھا۔ جمہور علماء اہل سنت نے حضور کے اس ارشاد ہی سے یہ سمجھا ہے کہ یہ دس حضرات باقی اصحاب کرام اور پوری امت میں افضل ہیں، اگرچہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کے جنتی ہونے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر اطلاع دی ہے، لیکن ان دس حضرات کو دوسرے تمام حضرات کے مقابلہ میں امتیاز اور فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد میں حضرات خلفاء اربعہ کے بعد جس ترتیب سے باقی حضرات کے اسماء گرامی درج کئے گئے ہیں اسی ترتیب کے مطابق ان حضرات کے فضائل کی حدیثیں ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: نَظَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللهِ، قَالَ: مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى شَهِيْدٍ يَمْشِىْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى طَلْحَةَ. (رواه الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ ابن عبیداللہ کو دیکھ کر فرمایا جس کے لئے یہ بات خوشی اور مسرت کا باعث ہو کہ وہ کسی ایسے شہید کو دیکھے جو زمین پر چل پھر رہا ہو تو وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے...... (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف فرمادی گئی تھی کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ شہید ہوں گے، آپ نے اس ارشاد میں جس خاص انداز میں ان کے شہید ہونے کی اطلاع دی، ظاہر ہے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان کی ایک خاص فضیلت اور عنداللہ ان کی شہادت کی غیر معمولی اہمیت اور مقبولیت بیان فرمانا تھا۔

حضرت طلحہ ابن عبیداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے تقریباً پچیس سال بعد جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی شہادت کی اطلاع دینا آپ کے معجزات میں سے ہے۔

عَنْ قَيْسِ ابْنِ اَبِىْ حَازِمٍ قَالَ: رَاَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقٰى بِهَا النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ. (رواه البخاری)

قیس ابن ابی حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے طلحہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل ہو چکا تھا، انہوں نے غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہاتھ کے ذریعہ (دشمن کے تیروں کا نشانہ بننے سے) بچایا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... جنگ احد کے دن ایک وقت ایسا آیا کہ دشمن لشکر کے تیراندازوں نے خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا کر آپ کو شہید کر دینا چاہا...... اس وقت جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، حضرت طلحہ ابن عبیداللہؓ نے اپنے سپر کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کی کوشش کی، اسی حال میں ہاتھ ایسا زخمی ہوا کہ سپر ہاتھ سے گر گیا تو انہوں نے خود اپنی ذات اور اپنے پورے جسم کو خاص طور سے اپنے دونوں ہاتھوں کو سپر بنا لیا اور حضور کی طرف آنے والے ہر تیر کو اپنے اوپر لیا دشمن کا ایک تیر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچنے دیا، جس کی وجہ سے ایک ہاتھ تو بالکل شل ہو گیا اور پورا جسم گویا چھلنی ہو گیا، روایات میں ہے کہ ان کے جسم پر اسی سے اوپر زخم شمار کئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق زندہ رہے اور احد کے بعد بھی تقریباً تمام ہی غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک دین اور امت مسلمہ کی خدمت ہی ان کا نصب العین اور ان کی زندگی کا مصرف رہا یہاں تک کہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

اس روایت کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کے راوی قیس ابن ابی حازم معروف اصطلاح کے مطابق صحابی نہیں ہیں، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست

مبارک پر بیعت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کیا لیکن ایسے وقت پہنچے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت فرما چکے تھے، اس لئے اگرچہ تابعین میں ہیں، لیکن چونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور زیارت و بیعت کی نیت سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کیا تھا، اس لئے ان کتابوں میں جو صحابہ کرامؓ ہی کے حالات میں لکھی گئی ہیں ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ گویا ان کتابوں کے مصنفین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "**انما الاعمال بالنیات وانما لامرء مانوی**" کی روشنی میں ان کی نیت ہی کو عمل کے قائم مقام قرار دے کر صحابہ کرامؓ کے ساتھ شمار کر لیا ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

عَنْ جَابِرٍ قَالَ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَاتِيْنِيْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ يَوْمَ الْاَحْزَابِ، قَالَ الزُّبَيْرُ: اَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًا وَحَوَارِيِّ الزُّبَيْرُ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احزاب کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے جو دشمن قوم (کے لشکر) کی خبر لائے، حضرت زبیرؓ نے عرض کیا۔ میں (خبر لاؤں گا) اس پر (ان کے اس عرض کرنے پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں...... (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... غزوۂ احزاب جس کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے، راجح قول کے مطابق ۵ھ کے اواخر میں ہوا بعض حیثیتوں سے اس غزوۂ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے قرآن مجید میں غیر معمولی انداز میں پورے دو رکوع میں اس غزوۂ کے حالات کا ذکر فرمایا گیا ہے، اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام الاحزاب ہے، اس کے بارے میں تفصیلات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں، ہاں عام ناظرین کی واقفیت کے لئے کسی قدر اختصار کے ساتھ اس کا واقعہ لکھا جاتا ہے۔

معلوم ہے کہ قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کے شدید ترین دشمن تھے۔ بدر اور احد کے تجربوں اور حالات کی رفتار دیکھنے کے بعد انہوں نے گویا طے کر لیا تھا کہ آئندہ وہ اپنی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کوئی جنگی اقدام نہیں کریں گے۔ مدینہ طیبہ کے جوار میں جو یہودی قبائل آباد تھے، ان میں سے بنو نضیر کو ان کی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کرا دیا تھا اور وہ خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے۔ سازش اور فتنہ پردازی یہودیوں کی گویا فطرت ہے، انہوں نے خیبر میں آباد ہو جانے کے بعد یہ اسکیم بنائی کہ عرب کے تمام بڑے قبائل کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی پوری اجتماعی طاقت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے مرکز مدینہ پر حملہ کریں اور ان کو نیست و نابود کر دیں گے اس مقصد کے لئے بنو نضیر کا ایک وفد پہلے مکہ معظمہ پہنچا اور قریش کے سرداروں کے سامنے جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے اپنی یہ اسکیم رکھی، اور ساتھ ہی بتلایا کہ ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ دوسرے قبیلے بھی اس جنگ میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ شریک ہوں اور مدینہ کے قریب میں جو یہودی آبادیاں ہیں (بنو قریظہ وغیرہ) وہ بھی اس جنگ میں آپ کا پورا ساتھ دیں گے اور اس صورت میں مسلمان آپ لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ان کا نام و نشان تک مٹ جائے گا...... قریش مکہ کے ان سرداروں کو راضی کرنے کے بعد اس وفد نے قبیلہ غطفان اور بنو اسد وغیرہ قبائل میں پہنچ کر ان کو بھی

اس جنگ میں شرکت پر آمادہ کیا اور بتلایا کہ اس جنگ کے نتیجہ میں مدینہ اور اس کے قرب وجوار کے پورے علاقے پر جو بہت سرسبز وشاداب اور بہت زرخیز تھا، آپ لوگوں کا قبضہ ہو جائے گا، چنانچہ یہ قبیلے بھی آمادہ ہو گئے، اس طرح قریش مکہ، غطفان، بنواسد وغیرہ عرب قبائل پر مشتمل دس ہزار اور ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ کے لئے تیار ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنان اسلام کے اس ناپاک منصوبہ کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمول کے مطابق اپنے خواص اصحاب سے مشورہ کیا...... صورت حال یہ تھی کہ مدینہ میں ان مسلمانوں کی کل تعداد جن سے جنگ میں حصہ لینے کی توقع کی جا سکتی تھی، تین ہزار سے زیادہ نہ تھی وہی اس وقت کی اسلامی فوج تھی، اس کے پاس زندگی کی ضروریات اور جنگ کا سامان اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا، جو دشمن لشکر کے پاس تھا، اس لئے مشورہ ہی سے جنگی حکمت عملی یہ طے کی گئی کہ باہر نکل کر کھلے میدان جنگ نہ کی جائے بلکہ مدینہ میں رہ کر ہی مدافعانہ جنگ کی جائے۔

سلمان فارسیؓ جو ایرانی النسل تھے انہوں نے بتلایا کہ ایسے موقعوں پر ہمارے ملک ایران میں کثیر التعداد اور طاقت ور دشمن لشکر کے مقابلے اور اس سے بچاؤ کے لئے طریقہ یہ ہے کہ ایسی خندق کھودی جاتی ہے کہ آدمی نہ خود ہی چھلانگ لگا کر اس کو پار کر سکے اور نہ گھوڑے کا سوار۔ مدینہ منورہ تین طرف سے قدرتی طور پر پہاڑوں وغیرہ سے اس طرح گھرا ہوا تھا کہ ان سمتوں سے کسی بڑے لشکر کے حملہ آور ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا، ایک سمت شمال مشرق کھلی ہوئی تھی کہ دشمن لشکر اس طرف سے حملہ کر سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام نے سلمان فارسیؓ کے مشورہ کو قبول کرنا مناسب سمجھا اور اس سمت میں خندق کھودے جانے کا فیصلہ کر لیا گیا اس خندق کی گہرائی اور چوڑائی تقریباً دس ہاتھ تھی، دس دس مسلمانوں کی جماعت بنا کر ان پر خندق کا کام تقسیم کر دیا گیا اور صحابہ کرامؓ نے انتہائی مشقت کے ساتھ سخت سردی کے موسم میں دن کے علاوہ سرد راتوں میں بھی کھدائی کا کام کیا، اس خندق کا طول آثار مدینہ کے بعض ماہرین کے لکھنے کے مطابق تقریباً پانچ ہزار ذراع یعنی ڈھائی ہزار گز تھا (گویا تقریباً ڈیڑھ میل)۔

دشمن لشکر ابوسفیان کی سربراہی میں آیا اور خندق کے مقابل میدان میں پڑاؤ ڈالا ان لوگوں کے ساتھ خیمے وغیرہ بھی تھے اور کھانے پینے کا سامان بھی وافر، تقریباً ایک مہینے تک یہ لشکر پڑاؤ ڈالے رہا لیکن خندق کو پار کر کے مدینہ پر حملہ کرنا اس لشکر کے لئے ممکن نہ تھا بس دونوں طرف سے کچھ تیر اندازی ہوئی، سیر کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں صحابہ کرام میں سے سات شہید ہوئے اور مشرکین میں سے چار جہنم واصل ہوئے...... قرآن مجید (سورۃ الاحزاب) میں اس غزوہ میں مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش اور قربانی کا جس طرح ذکر فرمایا گیا ہے اس طرح کسی دوسرے غزوہ کے بارے میں ذکر نہیں فرمایا گیا، آگے قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب مسلمانوں کی مشقت و مصیبت اور قربانی انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد آئی یہ ایسی تیز و تند ہوا تھی جس نے دشمن لشکر کے سارے خیمے اکھاڑ پھینکے چولہوں پر دیگیں چڑھی ہوئی تھیں وہ سب الٹ گئیں، ان کے کچھ گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر مختلف سمتوں میں بھاگ گئے...... (میرا خیال ہے کہ لشکر کے بہت سے لوگوں نے آندھی کی اس غیر معمولی نوعیت کی وجہ سے اس کو خداوندی عذاب سمجھا ہو گا)...... لشکر کے قائد اور سپہ سالار ابوسفیان نے بھی واپسی کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح پورا لشکر نامراد ہو کر واپس ہو گیا۔ وکفی اللہ المؤمنین القتال.

اسی غزوہ میں کسی خاص مرحلہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن لشکر کا حال معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو آپ نے فرمایا "مَنْ يَّأْتِيْنِىْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ" یعنی کون ہے جو دشمن لشکر کا حال معلوم کر کے لائے، ظاہر ہے کہ اس میں جان کا بھی خطرہ تھا...... حضرت زبیرؓ نے سبقت کر کے عرض کیا کہ اس خدمت کو میں انجام دوں گا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔ اردو میں کوئی لفظ نہیں ہے جو حواری کے پورے مفہوم کو ادا کر سکے (جاں نثار، رفیق کار اور مددگار کے الفاظ سے کسی حد تک حواری کا مطلب ادا ہو جاتا ہے)...... بلاشبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، کی یہ بڑی فضیلت ہے۔

ان کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عشرہ مبشرہ میں حضرت علی مرتضیٰ کی طرح ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت قریبہ حاصل ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ آپ کے چچا ابو طالب بن عبدالمطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں اور حضرت زبیرؓ آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: سَمِعَتْ اُذُنَىَّ مِنْ فِىْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ جَارَاىَ فِى الْجَنَّةِ. (رواه الترمذى)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میرے دونوں کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ طلحہؓ و زبیرؓ جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب واضح ہے کہ کسی تشریح کا محتاج نہیں البتہ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات (حضرت طلحہؓ و زبیرؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے فضائل خاص طور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات جن میں ان دونوں بزرگوں کے شہید فی سبیل اللہ اور جنتی ہونا ذکر فرمایا گیا ہے خاص اہتمام سے بیان فرماتے تھے چنانچہ یہی حدیث جس میں ان دونوں حضرات کی یہ عظیم ترین فضیلت بیان ہوئی ہے کہ "یہ دونوں جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے، اس کے لئے حضرت علیؓ نے یہ پیرایہ بیان اختیار فرمایا کہ "**سَمِعَتْ اُذُنَىَّ مِنْ فِىْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ**" کہ میرے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ پیرایہ بیان اسی خاص اہتمام کا مظہر ہے...... اور اس کی خاص وجہ غالباً یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کو جنگ جمل کے موقعہ پر جب کہ یہ دونوں جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے حضرت علی مرتضیٰؓ کے لشکر کے بعض بدبختوں نے ان کو شہید کیا تھا۔

اس جنگ کے بارے میں اتنی وضاحت یہاں بھی کر دینا ضروری ہے کہ یہ اس دنیا کی وہ عجیب وغریب اور عبرت آموز جنگ تھی جس کے دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک بھی جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا، دونوں ایک دوسرے کے فضائل و مناقب سے واقف اور ان کے معترف تھے، لیکن کچھ شیاطین الانس عبداللہ بن سبا اور اس کے چیلوں نے اپنی شیطنت وفریب کاری سے رات کے اندھیرے میں دونوں فریقوں میں جنگ کرا دینے میں کامیابی حاصل کر لی...... بہر حال یہ جنگ بلا ارادہ محض دھوکہ میں ہوئی، جنگ کے بعد دونوں فریقوں کو انتہائی رنج و افسوس ہوا، اور وہ برابر استغفار اور تلافی کی ممکن کوشش کرتے رہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

عَنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ: سَأَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ وَهُوَ فِي الشِّعْبِ هَلْ رَأَيْتَ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ؟ قُلْتُ: نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْتُهُ اِلٰى حَرِّ الْجَبَلِ وَعَلَيْهِ عِكْرٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَهَوَيْتُ اِلَيْهِ لِاَمْنَعَهُ فَرَاَيْتُكَ فَعَدَلْتُ اِلَيْكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُقَاتِلُ مَعَهُ فَرَجَعْتُ اِلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ فَاَجِدُهُ بَيْنَ نَفَرٍ سَبْعَةٍ صَرْعٰى فَقُلْتُ لَهُ، ظَفِرَتْ يَمِيْنُكَ اَكُلُّ هٰؤُلَاءِ قَتَلْتَ؟ قَالَ: اَمَّا هٰذَا لِاَرْطَاةَ بْنِ عَبْدِ شُرَحْبِيْلَ وَهٰذَانِ فَاَنَا قَتَلْتُهُمَا، وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَقَتَلَهُمْ مَنْ لَمْ اَرَهُ، قُلْتُ: صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه ابن منده فى مسنده والطبرانى فى المعجم الكبير، وابونعيم فى طلحلية)

حضرت حارث بن صمہ انصاریؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ غزوۂ احد کے دن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: "کہ تم نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا "ہاں یارسول اللہ! میں نے ان کو دیکھا ہے، پہاڑ کے سیاہ پتھروں والے حصے کی طرف، اوران پر حملہ کر رہی تھی مشرکین کی ایک جماعت تو میں نے ارادہ کیا ان کے پاس جانے کا تا کہ میں ان کو بچاؤں کہ اسی وقت میری نگاہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی، تو میں آپ کی طرف چلا آیا!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے فرشتے عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔" (حارث کہتے ہیں کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سننے کے بعد میں عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف لوٹ آیا، تو میں نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ سات مشرکوں کی لاشیں ان کے پاس پڑی تھیں تو میں نے ان سے کہا۔ کامیاب اور فتح یاب رہیں تمہارے ہاتھ، کیا ان سب کو تم نے قتل کیا ہے؟" انہوں نے کہا: کہ یہ ارطاۃ بن عبد شرحبیل اور یہ دو۲، ان کو تو میں نے قتل کیا ہے، باقی یہ چار میں نے نہیں دیکھا کہ ان کو کس نے قتل کیا ہے۔" (ان کا یہ جواب سن کر) میں نے کہا کہ "صادق ہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ (روایت کیا اس کو ابن مندہ نے اپنی "مسند" میں اور طبرانی نے "معجم کبیر" میں اور ابونعیم نے حلیہ میں)

تشریح...... حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ غزوۂ احد کے بارے میں مختصراً کچھ ذکر کر دیا جائے۔

غزوۂ بدر جو رمضان المبارک ۲ھ میں ہوا تھا، اس میں مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے اور سامان جنگ نہ ہونے کے برابر تھا، کیونکہ مدینہ سے کسی باقاعدہ جنگ کے ارادہ سے چلے ہی نہ تھے، اس لئے جو سامان جنگ ساتھ لے سکتے تھے وہ بھی ساتھ نہیں اور مکہ کے مشرکین کے لشکر کی تعداد تین گنی سے بھی زیادہ ایک ہزار تھی، وہ جنگ ہی کے ارادہ سے پورے سامان جنگ کے ساتھ لیس ہو کر آئے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خاص غیبی مدد سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی، مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں سے قتل ہو کر مشرکین مکہ میں سے ستر ۷۰ جہنم رسید ہوئے، جن میں ابوجہل اور اس جیسے کئی دوسرے قریشی سردار بھی تھے اور ستر ۷۰ کو قیدی بنالیا گیا، باقی سب نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی جنگ کے اس نتیجہ نے مکہ کے خاص کر ان مشرکوں میں جو جنگ میں شریک نہیں تھے، مسلمانوں کے خلاف سخت غیظ وغضب کی آگ بھڑکا دی اور انہوں نے طے کیا کہ ہمیں اس کا انتقام لینا ہے اور پوری تیاری کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو نیست ونابود کر دینا ہے، چنانچہ پورے ایک سال تک ان لوگوں نے تیاری کی

اور واقعہ بدر کے ٹھیک ایک سال بعد شوال ۳ھ میں تین ہزار کا لشکر ابوسفیان کی قیادت میں مسلمانوں کو ختم کر دینے کے ناپاک ارادہ کے ساتھ روانہ ہوا اور منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ کی قریب پہنچ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاں نثار صحابہؓ کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے تشریف لائے، آپ کے ساتھ مجاہدین کی تعداد صرف سات سو تھی۔ مدینہ کی آبادی سے دوڈھائی میل کے فاصلہ پر احد پہاڑ ہے، اس کے دامن میں ایک وسیع میدان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں صحابہؓ کے لشکر کو اس طرح صف آرا کیا کہ احد پہاڑ ان کی پشت پر تھا جس کی وجہ سے یہ اطمینان تھا کہ دشمن پیچھے سے حملہ نہیں کر سکے گا، لیکن پہاڑ میں ایک درہ ایسا تھا کہ دشمن اس درہ سے آ کر پیچھے سے حملہ کر سکتا تھا، اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انتظام فرمایا کہ پچاس تیراندازوں کی ایک جماعت کو درہ کے قریب کی ایک پہاڑی پر متعین کیا اور عبداللہ بن جبیرؓ کو (جو تیراندازی میں خود بھی خاص مہارت رکھتے تھے) اس دستہ کا امیر مقرر فرمایا اور ہدایت فرمادی کہ "وہ اسی جگہ رہیں" آپ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن لشکر اس درہ کی طرف سے آ کر حملہ نہ کر سکے۔

جنگ شروع ہوئی، پہلے ہی مرحلہ میں مسلمان مجاہدین نے ایسے زور کا حملہ کیا کہ دشمن لشکر (جس کی تعداد چار گنا سے زیادہ تھی) کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا، یہاں تک کہ مجاہدین نے سمجھ لیا کہ جنگ ہماری فتح پر ختم ہو گئی اور وہ دشمن کا چھوڑا ہوا مال غنیمت بٹورنے میں مشغول ہو گئے۔ درہ پر متعین کی ہوئی تیراندازوں کی جماعت نے جب یہ حال دیکھا تو ان میں سے بھی بہت سے مال غنیمت بٹورنے کے لئے پہاڑی سے نیچے اتر کر میدان کی طرف آنے لگے، ان کے امیر عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو روکنا چاہا اور یاد دلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی کہ "تم کو ہر حال میں یہیں رہنا ہے۔" انہوں نے کہا کہ یہ حکم تو اس وقت تک کے لئے تھا جب تک جنگ جاری ہو، مگر اب جب کہ جنگ ختم ہو گئی اور دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، تو ہم یہاں کیوں رہیں، الغرض ان لوگوں نے اپنے امیر کی بات نہیں مانی اور پہاڑی سے نیچے اتر کر یہ بھی مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے، مگر دستہ کے امیر عبداللہ بن جبیر اور چند ساتھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق پہاڑی ہی پر رہے..... خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مشرکین کے ایک دستہ کو ساتھ لے کر اس درہ کی طرف سے آ گئے، عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے جو پہاڑی پر تھے، روکنا چاہا، لیکن وہ نہیں روک سکے اور سب کے سب شہید ہو گئے، خالد بن ولید نے اپنے دستہ کے ساتھ درہ میں سے آ کر پیچھے سے اچانک مسلمانوں پر ایسے وقت میں حملہ کر دیا جب وہ لوگ غلطی سے جنگ ختم سمجھ چکے تھے، اس حملہ نے بہت سے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا اور وہ جم کر اور منظم ہو کر اس حملہ کا مقابلہ نہیں کر سکے، ان میں افراتفری کی کیفیت پیدا ہو گئی، متعدد جلیل القدر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے، حتیٰ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شدید طور پر زخمی ہو گئے۔ (اس صورت حال کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے) پھر اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے پانسہ پلٹا، صحابہ کرام جو منتشر ہو گئے تھے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کی خبر نہ تھی، یہ معلوم ہونے کے بعد کہ حضور بفضلہ تعالیٰ زندہ وسلامت ہیں، پھر منظم ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے پھر دشمن کو شکست دی۔ مندرجہ بالا حارث بن صمہؓ کی اس حدیث کا تعلق بظاہر اسی مرحلہ سے ہے، معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبدالرحمٰن بن عوف کا یہ حال منکشف کیا گیا کہ وہ مشرکین سے جنگ کر رہے ہیں اور اللہ کے فرشتے ان کے ساتھ شریک جنگ ہیں، اور ان کی مدد کر رہے ہیں آپ نے

اسی بناء پر حارث بن صمہؓ سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں دریافت کیا، اور انہوں نے وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا، ان کا جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَمَا إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُقَاتِلُ مَعَهُ" (معلوم ہونا چاہئے کہ فرشتے ان کے ساتھ ہو کر جنگ کر رہے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سننے کے بعد حارث بن صمہؓ پھر وہاں پہنچے جہاں انہوں نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ سات مشرکوں کی لاشیں پڑیں ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے انہوں نے دریافت کیا، کیا ان سب کو تم نے ہی جہنم رسید کیا ہے؟ تو انہوں نے سات میں سے تین کے بارے میں کہا کہ "ان کو تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں نے ہی قتل کیا ہے۔ باقی چار کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ ان کو کس نے قتل کیا، ان کا یہ جواب سن کر حارث بن صمہؓ کہہ اٹھے کہ: "صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ" مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ "عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ فرشتے جنگ کر رہے ہیں، اس کو میں نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور میرا ایمان تازہ ہو گیا۔

اس حدیث سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی یہ خصوصیت معلوم ہوئی کہ وہ جنگ احد کے خاص آزمائشی وقت میں بھی استقامت کے ساتھ مشرکین سے جنگ کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے جنگ میں ان کی مدد کر رہے تھے...... بلاشبہ یہ واقعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے خاص فضائل میں سے ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں جو فرمایا تھا کہ "فرشتے جنگ میں ان کی مدد کر رہے ہیں۔" یقیناً یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

عَنِ الْمُغِيْرَةِ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَتَاهُ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثُمَّ لَحِقَ بِالنَّاسِ فَاِذَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ يُصَلِّيْ بِهِمْ، فَلَمَّا رَاٰهُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ هَمَّ اَنْ يَّرْجِعَ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ مَكَانَكَ فَصَلَّيْنَا خَلْفَهٗ مَا اَدْرَكْنَا وَقَضَيْنَا مَافَاتَنَا. (رواه الضيا المقدسى فى المختاره)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ وہ ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضو کا پانی لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور اس وضو میں خفین پر مسح کیا پھر آپ لوگوں کے ساتھ نماز کی جماعت میں شریک ہوئے، اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ امام کی حیثیت سے نماز پڑھا رہے تھے، تو جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹ کر جماعت میں شامل ہو جائیں، (اور باقی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھائیں) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو" (پیچھے نہ ہٹو...... آگے حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ تو ہم دونوں نے نماز با جماعت کا جو حصہ پایا وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں پڑھا، اور جو فوت ہو گیا تھا وہ ہم نے بعد میں ادا کیا...... (مختارہ لضیاء المقدسی)

تشریح...... اس روایت میں واقعہ کے بیان میں انتہائی درجہ کے اجمال اور اختصار سے کام لیا گیا ہے، واقعہ کی پوری تفصیل حضرت مغیرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتی ہے جو سنن سعید بن منصور کے حوالہ سے "کنز العمال" میں مندرجہ بالا روایت کے ساتھ ہی درج کی گئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ

کسی نے مغیرہ بن شعبہؓ سے دریافت کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کسی اور شخص کی اقتداء میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے کوئی نماز پڑھی ہے؟ تو مغیرہؓ نے بیان کیا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جب صبح صادق کا وقت قریب آیا تو آپ نے مجھے اشارہ فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ قضاء حاجت کے لئے جانا چاہتے ہیں، تو میں آپ کے ساتھ ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی ساتھیوں سے الگ ہو کر ایک طرف چل دیئے یہاں تک کہ لوگوں سے بہت دور ہو گئے...... پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوڑ کر ایک طرف چلے گئے یہاں تک کہ میری نظر سے بھی آپ غائب ہو گئے، کچھ دیر کے بعد فارغ ہو کر آپ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ''ہاں، ہے'' پھر میں نے اپنے مشکیزہ سے پانی لیا جو میری سواری کے کجاوے کے ساتھ لٹکا ہوا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ...... کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے دونوں ہاتھ بہت اچھی طرح دھوئے اور پانی میں نے آپ کے ہاتھوں پر ڈالا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرۂ مبارک اور دونوں ہاتھ (کہنیوں تک) دھوئے اور سر کا مسح فرمایا، اور خفین پر بھی مسح فرمایا پھر ہم دونوں اپنی سواریوں پر سوار ہو کر واپس آئے اور ایسے وقت پہنچے کہ فجر کی جماعت شروع ہو چکی تھی، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، امام کی حیثیت سے نماز پڑھا رہے تھے، وہ دوسری رکعت میں تھے تو میں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بتلانا چاہا (یعنی یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں) تو آپ نے مجھے منع فرما دیا، اور دوسری رکعت جو ہم نے پائی تھی وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں ادا کی، اور پہلی رکعت جو ہمارے آنے سے پہلے ہو چکی تھی، اس کو ہم دونوں نے بعد میں ادا کیا۔

اسی واقعہ کی دوسری بعض روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فجر کی نماز میں جب زیادہ تاخیر ہونے لگی، (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کے رفقاء میں سے کسی کو علم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کدھر تشریف لے گئے ہیں اور کب تک تشریف لائیں گے) تو مشورہ سے طے ہوا کہ اب نماز ادا کر لی جائے اور لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اپنا امام بنا کر نماز شروع کر دی، تو جیسا کہ مندرجہ بالا روایت سے معلوم ہو چکا، ایک رکعت ہو چکی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مغیرہ بن شعبہؓ پہنچے اور جماعت میں شامل ہو کر دوسری رکعت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں ادا کی اور پہلی رکعت جو فوت ہو چکی تھی اس کو بعد میں ادا کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو یہ خاص امتیازی فضیلت بھی حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی اور انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیچھے ہٹنے سے منع فرما دیا۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِأَزْوَاجِهٖ: إِنَّ الَّذِىْ يَحْثُوْ عَلَيْكُنَّ بَعْدِىْ هُوَ الصَّادِقُ الْبَادِ، اَللّٰهُمَّ اسْقِ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ. (رواہ احمد)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ ''میں نے خود سنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ اپنی ازواج سے فرماتے تھے، کہ ''جو شخص میرے بعد اپنی دولت سے تمہاری بھرپور خدمت کرے گا، وہ ہے صادق الایمان اور صاحب احسان بندہ، اے اللہ! عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت کے سلسبیل سے سیراب فرما۔ (مسند احمد)

تشریح...... حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ''سلسبیل'' کا لفظ آیا ہے وہ جنت کا ایک خاص اور نفیس ترین چشمہ ہے۔ قرآن مجید سورۂ دہر میں فرمایا گیا ہے عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا...... چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا تھا کہ "انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی، وہ جو کچھ چھوڑیں وہ فی سبیل اللہ صدقہ ہے، اس لئے فطری طور پر ازواج مطہرات کے لئے ازراہ بشریت یہ فکر و تشویش کی بات ہو سکتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا گذارہ کس طرح اور کہاں سے ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مطمئن کرنے کے لئے فرمایا کہ "اللہ کا ایک صادق الایمان بندہ جس کی فطرت میں اللہ نے احسان کی صفت خاص طور سے رکھی ہے، تمہاری بھرپور خدمت کرے گا۔ آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیہ کلمہ میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام لے کر متعین بھی فرما دیا کہ وہ کون ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔ جامع ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے صاحبزادے ابوسلمہ سے (جو اکابر تابعین میں سے ہیں) فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے والد عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جنت کے خاص چشمہ "سلسبیل" سے سیراب فرمائے۔ آگے اسی روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنا ایک ایسا قیمتی باغ ازواج مطہرات کی خدمت میں لوجہ اللہ پیش کر دیا تھا جو بعد میں چالیس ہزار میں فروخت ہوا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ چار لاکھ میں فروخت ہوا تھا۔ بعض شارحین نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح کی ہے کہ "چالیس ہزار" سے مراد چالیس ہزار دینار ہیں اور "چار لاکھ" سے مراد چار لاکھ درہم ہیں۔ (عہد نبوی میں درہم و دینار کا یہی تناسب تھا۔)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

وَعَنْ عَلِيٍّ، قَالَ، مَاسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ أَبَوَيْهِ لِأَحَدٍ إِلَّا لِسَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَإِنِّيْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ يَوْمَ أُحُدٍ "يَاسَعْدُ! اِرْمِ فَدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کیا ہو اپنے ماں باپ دونوں کو کسی کے لئے (یعنی فداک ابی و امی فرمایا ہو) سوائے سعد بن مالک (یعنی سعد بن ابی وقاصؓ) کے میں نے غزوۂ احد کے دن آپ کو فرماتے ہوئے سنا "یَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ" (اے سعد! تیر چلاتے رہو اسی طرح، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں)۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح ...... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس بیان میں حضرت سعد بن مالک سے مراد "سعد بن ابی وقاصؓ" ہیں، ان کے والد کا نام مالک تھا، ابو وقاص کنیت تھی۔

غزوۂ احد کا مختصر حال حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے تذکرہ میں بیان کیا جا چکا ہے، اس غزوۂ میں صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے پوری طرح ثابت قدم رہے، ان میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی ہیں، یہ تیراندازی میں بڑے ماہر تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی تھے، تیر پر تیر چلا رہے تھے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "یَا سَعْدُ اِرْمِ فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ" (سعد! تم پر میرے ماں باپ قربان، اسی طرح تیر چلاتے رہو۔)

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ صرف ہمت افزائی نہ تھی، بلکہ بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی انتہائی دلی مسرت اور خوشنودی کا اظہار بھی تھا اور شرح السنہ میں خود حضرت سعد بن ابی وقاص ہی کی روایت ہے کہ غزوۂ احد کے دن رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے یہ دعا بھی فرمائی "اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ رَمْيَتَه، وَاَجِبْ دَعْوَتَه" (اے اللہ اپنے اس بندے (سعد) کی تیراندازی میں قوت وطاقت پیدا فرمادے اور اس کی دعائیں قبول فرما)

اور جامع ترمذی میں حضرت سعدؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ "اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاکَ!" خداوند، سعد جب تجھ سے کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول فرمالے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت سعدؓ جو دعا کرتے وہ عموماً قبول ہی ہوتی، اسی لئے لوگ ان سے اپنے واسطے دعائیں کراتے تھے اور ان کی بددعا سے بہت ڈرتے تھے۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِیْ حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِیْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ: اِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ مِّنَ الْعَرَبِ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ وَرَأَيْتُنَا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا الْحُبْلَةُ وَوَرَقُ السَّمُرِ، وَاِنْ كَانَ اَحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَالَهٗ خِلْطٌ، ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ تُعَزِّرُنِیْ عَلَى الْاِسْلَامِ، لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِیْ، وَكَانُوْا وَشَوَابِهٖ اِلٰی عُمَرَ، وَقَالُوْا: لَا يُحْسِنُ يُصَلِّیْ. (رواہ البخاری ومسلم)

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے (جو تابعی ہیں) انہوں نے بیان کیا کہ سنا میں نے سعد بن ابی وقاصؓ سے فرماتے تھے: "عربوں میں سے میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستہ میں (اسلام کے دشمنوں پر) تیراندازی کی اور میں نے دیکھا اپنے کو اور اپنے ساتھی دوسرے صحابہ کو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (دشمنان اسلام سے) جہاد کرتے تھے ایسی حالت میں کہ ہمارے لئے کھانے کا کوئی سامان نہیں ہوتا تھا، سوائے ببول (کیکر) کی پھلیوں اور اسی کے پتوں کے (ببول کی ان پھلیوں اور پتوں کے کھانے کی وجہ سے) ہم لوگوں کو اجابت ہوتی تھی، بکریوں کی مینگنی کی طرح (بالکل خشک) جس میں کوئی چپک نہیں ہوتی تھی، پھر اب بنواسد مجھے سرزنش کرنے لگے ہیں، اسلام کے بارے میں پھر تو میں خائب ونامراد رہ گیا اور میرے سارے عمل غارت گئے (واقعہ یہ ہوا تھا کہ) بنواسد کے لوگوں نے اس بات کی شکایت کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھتے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا ولی وحاکم مقرر فرمایا تھا، قاعدہ کے مطابق وہی نماز کی امامت بھی فرماتے تھے۔ حضرت زبیر بن عوام کے پردادا کا نام اسد ہے اسی وجہ سے حضرت زبیرؓ کے پورے خاندان کو "بنواسد" کہا جاتا تھا۔

اسی خاندان کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں شکایت بھیجی کہ سعد نماز اچھی نہیں پڑھتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت سعدؓ کو لکھا کہ تمہارے بارے میں یہ شکایت کی گئی ہے، جب یہ بات حضرت سعدؓ تک پہنچی تو یہ فطری طور پر سخت متاثر ہوئے اور وہ فرمایا جو اس روایت میں قیس بن حازم سے نقل کیا گیا کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے دشمنان اسلام پر تیراندازی کی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے پہلے ہی سال صحابہ کرامؓ ایک جماعت کو جس میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے روانہ فرمایا، اسی غزوہ میں سعد بن ابی وقاصؓ نے تیراندازی کی، جہاد اسلامی کی تاریخ میں یہ پہلی تیراندازی تھی، اسی واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ اللہ کی توفیق سے راہ خدا میں تیر سب سے پہلے میں نے ہی چلایا۔

آگے حضرت سعدؓ نے اپنا اور اپنے ساتھ والے مؤمنین سابقین کے مجاہدوں اور قربانی کا یہ حال بیان فرمایا کہ "ہم ایسی بے سروسامانی کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار سے جہاد کرتے تھے کہ ہمارے پاس انسانی خوراک اور غذا کی قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی، ہم ببول (کیکر) کے درخت کی پھلیوں، اور اس کے پتوں کو بطور غذا استعمال کرتے تھے، (جو دراصل جنگل میں چرنے والی بکریاں عام طور سے کھاتی ہیں) اور پھر اسی وجہ سے ہم لوگوں کو بکریوں کی مینگنیوں ہی کی طرح اجابت ہوتی تھی۔

اپنا یہ حال بیان فرمانے کے بعد حضرت سعدؓ نے دلی دکھ کے ساتھ فرمایا کہ اب یہ بنو اسد کے کچھ لوگ میری سرزنش کرتے ہیں اسلام کے بارے میں، تو اگر ان کی شکایت صحیح ہو تو پھر تو میں بالکل ہی ناکام اور نامراد رہ گیا، اور میرے سارے عمل غارت وضائع ہو گئے۔

اگرچہ شکایت کرنے والوں نے حضرت عمرؓ سے حضرت سعدؓ کے نماز اچھی طرح نہ پڑھنے ہی کی شکایت کی تھی، لیکن نماز چونکہ اسلام کا اولین رکن ہے اور اسلام کے قالب کی گویا روح اور جان ہے۔

اس لئے حضرت سعدؓ نے نماز اچھی نہ پڑھنے کی شکایت کو ناقص الاسلام ہونے کی شکایت سے تعبیر فرمایا: (تُعَزِّرُنِىْ عَلَى الْاِسْلَامِ) ...... آگے اسی روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو شکایت کے جواب میں لکھا کہ میں ویسی ہی نماز پڑھاتا ہوں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھاتے دیکھا تھا، پہلی دو رکعتوں میں قرأت طویل کرتا ہوں اور بعد کی دو رکعتوں میں مختصر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے جواب میں ان کو لکھا:۔

"میرا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال تھا مطلب یہ ہے کہ میں نے خود اس شکایت کو صحیح نہیں سمجھا تھا، لیکن میں نے اصول وضابطہ کے مطابق ضرور سمجھا کہ تم کو اس کی اطلاع کروں اور حقیقت حال دریافت کروں۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بنو اسد کے لوگوں کی شکایت کو رد فرما دیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اللہ کا کوئی بندہ کسی وقت ضروری سمجھے تو اپنی اسلامی خدمات اور اس سلسلہ کے ان مجاہدات کا بیان کرنا جن سے اس کی بڑائی ثابت ہو جائز ہے اور یہ وہ تفاخر اور خودستائی نہیں ہے جس کی ممانعت ہے۔

حضرت سعدؓ سے متعلق یہ چند باتیں بھی قابل ذکر ہیں، جو صحیح احادیث وروایات میں متفرق طور پر بیان کی گئیں ہیں۔

ایک یہ کہ آپؓ نے خود بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان واسلام کی دعوت کو قبول کرنے والا تیسرا آدمی ہوں، مجھ سے پہلے اللہ کے صرف دو بندوں نے اسلام قبول کیا تھا...... وہ اس وقت صرف سترہ سالہ نوجوان تھے۔

ان کی والدہ نے ان پر انتہائی درجہ دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے باپ دادا کا مشرکانہ دین و مذہب چھوڑ کر اس نئے دین (اسلام) کو قبول نہ کریں، جب حضرت سعدؓ ان کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے تو انہوں نے قسم کھا لی کہ جب تک تو میری بات نہیں مانے گا میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ کچھ پیوں گی۔

اسی کے مطابق انہوں نے عمل شروع کر دیا، کئی دن تک نہ کچھ کھایا نہ پیا، اس درمیان میں تین دفعہ ان پر بے ہوشی بھی طاری ہوئی۔

لیکن حضرت سعدؓ ان کو منانے کی کوشش تو کرتے رہے، مگر اسلام چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے ...... صحیح مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اسی موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"وَاِنْ جَاهَدَاکَ عَلٰى اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَالَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا".

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا یہ واقعہ بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کی شہادت کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سے بیعت تو کر لی تھی، لیکن جب اس مظلومانہ شہادت کے نتیجہ ہی میں باہمی خانہ جنگی اور قتل وقتال کا فتنہ شروع ہوا تو حضرت سعدؓ نے اپنے کو اس سے بالکل الگ اور دور رہنے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا ان کے بعض خاص رفیقوں نے حضرت سعدؓ کو جنگ میں اپنا ساتھ دینے کے لئے فرمایا تو انہوں نے کہا کہ: "مجھ کو ایسی تلوار لا کر دے دو کہ اس سے میں کافر پر وار کروں تو اس کو قتل کر دے اور اگر وار مومن پر ہو تو کوئی اثر نہ کرے۔" اور پھر اس خانہ جنگی اور قتل وقتال سے الگ رہنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مدینہ طیبہ کی آبادی سے فاصلہ پر وادی عقیق میں ان کی جو زمین تھی، اس پر مکان بنالیا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ سب سے الگ تھلگ وہیں پر رہائش اختیار فرمالی، چاہتے تھے کہ باہمی خانہ جنگی کی باتیں بھی ان تک نہ پہنچیں۔

اسلامی تاریخ سے معمولی سی واقفیت رکھنے والے ہر شخص کو معلوم ہے کہ عراق اور پورا ملک فارس انہیں کی قیادت میں فتح ہوا۔

راجح قول کے مطابق حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں ۵۵ھ میں اپنے وادی عقیق والے مکان ہی میں وفات پائی، وہاں سے جنازہ مدینہ منورہ لایا گیا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ عشرۂ مبشرہ میں سب سے آخر میں وفات پانیوالے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہی ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ وَاَرْضَاهُ.

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدِ بْنِ عُمَرِو بْنِ نُفَیْلٍ اَنَّهٗ قَالَ: اَشْهَدُ عَلَى التِّسْعَةِ اَنَّهُمْ فِی الْجَنَّةِ، وَلَوْ شَهِدْتُ عَلَى الْعَاشِرِ لَمْ اٰثِمْ، قِیْلَ: وَکَیْفَ ذَاکَ، قَالَ: کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِحِرَاءَ، فَقَالَ: اُثْبُتْ حِرَاءَ فَاِنَّهٗ لَیْسَ عَلَیْکَ اِلَّا نَبِیٌّ اَوْصِدِّیْقٌ اَوْشَهِیْدٌ، قِیْلَ: وَمَنْ هُمْ؟ قَالَ، رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَکْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ وَعَلِیٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَیْرُ وَسَعْدٌ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ، قِیْلَ: فَمَنِ الْعَاشِرُ؟ قَالَ اَنَا. (رواه الترمذی)

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: "میں نو حضرات کے بارے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ "جنتی" ہیں اور اگر ایک دسویں آدمی کے بارے میں یہی شہادت دوں کہ وہ جنتی ہیں تو گنہگار رہوں گا، آپ سے کہا گیا، "یہ بات کس طرح ہے؟" یعنی آپ کس بنیاد پر یہ بات فرما رہے ہیں؟" تو اس کے جواب میں) حضرت سعیدؓ نے بیان کیا: کہ ہم لوگ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حراء پہاڑ پر تھے، (پہاڑ میں جنبش پیدا ہوئی، اور وہ حرکت کرنے لگا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے حراء ساکن ہو جا اس وقت تیرے اوپر یا تو اللہ کے نبی ہیں یا صدیق یا شہید...... (اس کے بعد حضرت سعیدؓ سے دریافت کیا گیا "وہ کون حضرات تھے؟" تو انہوں نے بتایا۔ ایک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آپ کے علاوہ) ۲۔ ابوبکر، اور ۳۔ عمر اور ۴۔ عثمان اور ۵۔ علی اور ۶۔ طلحہ اور ۷۔ زبیر اور ۸۔ سعید (یعنی ابن ابی وقاصؓ) اور ۹ عبدالرحمٰن بن عوفؓ "لوگوں نے آپ سے کہا: بتلایئے کہ دسواں آدمی کون ہے؟ تو فرمایا "خود یہ بندہ"...... (جامع ترمذی)

تشریح...... "ایک عورت نے (جس کا نام اروی تھا) حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں انہی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، کے خلاف مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ "انہوں نے میری فلاں زمین دبالی ہے۔" حضرت سعید رضی اللہ عنہ" کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا، انہوں نے مروان سے کہا:

"قَالَ: اَنَا اَنْتَقِصُ مِنْ حَقِّهَا شَيْئًا اَنِّي اَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ."

"کہ کیا میں اس عورت کی زمین دباؤں گا اور غصب کروں گا؟ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "جس شخص نے ظالمانہ طور پر کسی کی ایک بالشت بھر زمین بھی غصب کر لی تو قیامت کے دن زمین کا وہ غصب کیا ہوا ٹکڑا ساتوں زمین تک طوق بنا کر اس ظالم کے گلے میں ڈالا جائے گا"

یہ روایت حضرت سعیدؓ نے دل کے کچھ ایسے تاثر کے ساتھ اور ایسے انداز سے کہی کہ خود مروان بہت متاثر ہوا اور اس نے آپ سے کہا کہ "اب میں آپ سے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں مانگتا...... اس کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ، نے (دکھے ہوئے دل سے) بددعا کی کہ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کر دے، اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنا دے۔"

(واقعہ کے راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ) "پھر ایسا ہی ہوا، میں نے خود اس عورت کو دیکھا ہے کہ وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئی، اور خود کہا کرتی تھی کہ "سعید بن زیدؓ کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے، اور پھر ایسا ہوا کہ وہ ایک دن اپنی زمین ہی میں چلی جا رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر پڑی، اور بس وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن گیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق لینے کی توفیق دے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ جَاءَ اَهْلُ نَجْرَانَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ابْعَثْ اِلَيْنَا رَجُلاً اَمِيْنًا، فَقَالَ لَاَبْعَثَنَّ اِلَيْكُمْ رَجُلاً اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ، فَاسْتَشْرَفَ لَهَا النَّاس، قَالَ فَبَعَثَ اَبَا عُبَيْدَةَ بِنَ الْجَرَّاحِ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نجران کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ آپ ایک امین شخص کو ہمارے لئے مقرر فرما کر بھیج دیں تو آپ نے فرمایا کہ "میں ایک ایسے "مرد امین" کو تمہارے لئے مقرر کروں گا جو سچا پکا امین ہوگا" تو لوگ اس کے لئے متوقع اور خواہش مند ہوئے، آگے حدیث کے راوی (حضرت حذیفہؓ) نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ بن جراحؓ کو نجران بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح...... نجران ایک علاقہ تھا یمن اور شام اور حجاز کے درمیان، اس کے بڑے اور مرکزی شہر کو نجران ہی کہا جاتا تھا، یہ ۱۰ھ میں فتح ہوا، اس میں بیشتر آبادی عیسائیوں کی تھی اور یہ اس پورے علاقہ میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس نجران کے ایک وفد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ درخواست کی تھی جس کا حذیفہ بن الیمانؓ کی زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اور ان

کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو وہاں کا عامل اور حاکم بنا کر بھیجا۔ کنز العمال میں حضرت حذیفہؓ کی یہ حدیث مسند احمد وغیرہ متعدد کتب حدیث کے حوالہ سے بھی نقل کی گئی ہے اور اس میں نجران کے وفد کی اس درخواست کے جواب میں کہ "آپ ہمارے لئے ایک "مرد امین" کو مقرر فرمادیجئے"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

"لَا بْعَثَنَّ اِلَيْكُمْ اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ، اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ."

آپ نے "اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ" کا لفظ تین دفعہ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین دفعہ اس کلمہ کے ارشاد فرمانے سے وصف امانت کے لحاظ سے حضرت ابوعبیدہؓ کی عظمت وفضیلت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ وَسُئِلَتْ: مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَخْلِفًا لَوِ اسْتَخْلَفَهُ؟ قَالَتْ اَبُوْبَكْرٍ، فَقِيْلَ : ثُمَّ مِنْ بَعْدِ اَبِىْ بَكْرٍ؟ قَالَتْ: عُمَرُ، قِيْلَ: مَنْ بَعْدَ عُمَرَ؟ قَالَتْ: اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ. (رواه مسلم)

ابن ابی ملیکہ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے خود سنا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، ان سے دریافت کیا گیا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ مقرر فرماتے تو کس کو نامزد کرتے؟ تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: ابوبکرؓ کو، اس کے بعد ان سے پوچھا گیا کہ ابوبکر کے بعد کے لئے کس کو نامزد فرماتے تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: عمرؓ کو پھر دریافت کیا گیا عمرؓ کے بعد کے لئے کس کو نامزد فرماتے؟ تو انہوں نے فرمایا: ابوعبیدہ بن جراحؓ کو...... (صحیح مسلم)

تشریح...... ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک، اور رجحانات وعزائم سے واقفیت میں خاص امتیاز حاصل تھا، انہوں نے حضور کا جو معاملہ اپنے والد ماجد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ، اور حضرت ابوعبیدہ ابن جراحؓ کے ساتھ دیکھا تھا، اس کی بناء پر انہوں نے یہ رائے قائم فرمائی۔

اور بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار بھی فرما دیا تھا، اسی سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے بیان میں حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کا یہ بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مرض کے آغاز ہی میں فرمایا تھا کہ اپنے والد ابوبکر اور بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلوالو، میں ابوبکر کی خلافت کے بارے میں وصیت لکھوادوں۔

لیکن پھر آپ نے یہ لکھانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اپنے اس یقین اطمینان کا اظہار فرمایا۔ "یابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر" (یعنی مجھے اطمینان ہے کہ اللہ اور مومنین ابوبکر کے سوا کسی کو قبول نہیں کریں گے) پھر حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے آخری وقت میں جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر فرمایا اور جس طرح اس وقت کی امت مسلمہ نے اس کو بشرح صدر قبول کیا اس سے بھی حضرت عمرؓ کے بارے میں حضرت صدیقہؓ کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔

اور کنز العمال میں مسند احمد اور ابن جریر وغیرہ کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ملک شام کی فتح مکمل ہوجانے کے بعد (ملک کے عمائد کی درخواست پر) شام کی طرف روانہ ہوئے اور راستہ میں مقام سرغ پر پہنچے تو آپ کو

بتایا گیا کہ ملک شام میں سخت وبا ہے اور لوگ بکثرت لقمہ اجل بن رہے ہیں، اس اطلاع کے دینے والوں کا مقصد یہ تھا کہ آپ اس وقت شام تشریف نہ لے جائیں، لیکن آپ نے شام کی طرف سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس وقت یہ بھی فرمایا:

اِنْ اَدْرَكَنِىْ اَجَلِىْ وَاَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ حَىٌّ اِسْتَخْلَفْتُهٗ فَاِنْ سَأَلَنِىَ اللّٰهُ لِمَ اِسْتَخْلَفْتَهٗ عَلٰى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ: اِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ اَمِيْنًا وَّاَمِيْنِىْ اَبُوْعُبَيْدَةَ ابْنُ الْجَرَّاحِ.

اگر میری موت کا مقررہ وقت آ گیا اور ابوعبیدہ اس وقت زندہ ہوئے تو میں ان کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر کروں گا پھر اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ ابوعبیدہ کو تم نے کس وجہ سے امت محمدیہ پر خلیفہ مقرر کیا ہے تو میں عرض کروں گا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ ”ہر پیغمبر کا ایک امین ہوتا ہے اور میرے امین ابوعبیدہ ابن جراح ہیں۔“

لیکن اللہ کی مشیت اور قضا وقدر کے فیصلے کے مطابق حضرت عمرؓ، تو شام کے سفر سے صحیح سالم واپس تشریف لے آئے، مگر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، طاعون میں مبتلا ہو کر واصل بحق ہوئے۔

”وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا.“

اور کنز العمال ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

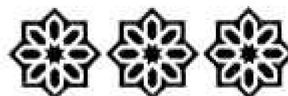
لَوْ اَدْرَكْتُ اَبَاعُبَيْدَةَ ابْنِ الْجَرَّاحِ لَاسْتَخْلَفْتُهٗ وَمَا شَاوَرْتُ، فَاِنْ سُئِلْتُ عَنْهُ قُلْتُ: اِسْتَخْلَفْتُ اَمِيْنَ اللّٰهِ وَاَمِيْنَ رَسُوْلِهٖ.

اگر میں ابوعبیدہ کو پاتا تو ان کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد کرتا اور کسی سے مشاورت بھی نہ کرتا، اگر اس بارے میں مجھ سے پوچھا جاتا تو میں جواب دیتا کہ میں نے اس شخص کو خلیفہ نامزد کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک امین ہے۔

بظاہر یہ بات آپ نے اس وقت فرمائی جب آپ کو ایک شقی ازلی ابولؤلؤ مجوسی نے عین نماز کی حالت میں خنجر سے ایسا زخمی کیا کہ اس کے بعد زندہ رہنے کی توقع نہیں رہی اور اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر کرنے یا نہ کرنے کا اہم مسئلہ آپ کے سامنے آیا۔ واللہ اعلم۔

الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات سے بھی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس خیال کی پوری تصدیق وتوثیق ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ فرماتے تو پہلے نمبر پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے پر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد ابوعبیدہ ابن جراحؓ کو نامزد فرماتے، بلاشبہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کا یہی مقام ومرتبہ تھا۔ رضی اللہ عنہ، وارضاہ۔

اللہ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے حضرات عشرہ مبشرہ کے مناقب کا سلسلہ ختم ہوا۔



کرامات صحابہ رضی اللہ عنہم

علاء بن الحضرمی کے لشکر کو بادل کا سیراب کرنا اور بغیر کشتی کے خلیج عبور کرنا

قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بَعَثَ الْعَلَاءُ بْنُ الْحَضْرَمِيُّ فِيْ جَيْشٍ كُنْتُ فِيْهِمْ اِلَى الْبَحْرَيْنِ فَسَلَكْنَا مَفَازَةً فَعَطِشْنَا عَطْشًا شَدِيْدًا حَتّٰى خِفْنَا الْهَلَاكَ فَنَزَلَ الْعَلَاءُ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ يَاحَلِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيْمُ اَسْقِنَا فَجَاءَ تْ سَحَابَةٌ كَاَنَّهَا جَنَاحُ طَائِرٍ فَقَعْقَعَتْ عَلَيْنَا وَاَمْطَرَتْنَا حَتّٰى مَلَأْنَا الْاٰنِيَةَ وَسَقَيْنَا الرِّكَابَ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا الْخَلِيْجَ مِنَ الْبَحْرِ مَاخِيْضَ قَبْلَهٗ وَلَا خِيْضَ بَعْدَهٗ فَلَمْ يَجِدْ سُفُنًا فَصَلَّى الْعَلَاءُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيْمُ اَجِزْنَا ثُمَّ اَخَذَ بِعَنَانِ فَرَسِهٖ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ جُوْزُوْا قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَمَشَيْنَا عَلَى الْمَاءِ فَوَاللّٰهِ مَاابْتَلَّ لَنَا قَدَمٌ وَلَا خُفٌّ وَلَا حَافِرٌ وَكَانَ الْجَيْشُ اَرْبَعَةَ اٰلَافٍ. (رواه الدميرى تحت مادة ب ع و ض وذكر القصة الحافظ ابن تيميه فى اقتضاء صراط المستقيم ص ۳۶۳)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ علاء بن حضرمی بحرین کی طرف ایک لشکر لے کر روانہ ہوا جس میں خود میں بھی شریک تھا' ہمارا راستہ ایک ایسے بے آب جنگل سے تھا جس میں ہم کو سخت پیاس لگی یہاں تک کہ ہم کو موت کا خطرہ ہونے لگا' پانی کا کہیں ایک قطرہ نہ ملا تو علاء بن حضرمی نے نیچے اُتر کر دو رکعت نماز ادا کی اور دُعاء مانگی اے حلیم! اے علیم! اے علی! اے عظیم! ہم کو تو سیراب فرما دے۔ پس فوراً ایک ذرا سا بادل ایک طرف سے اُٹھا جو دیکھنے میں تو پرندہ کے ایک بازو کی طرح تھا پھر وہ گرجا اور ہمارے اوپر ایسا برسا کہ ہم نے اپنے پانی کے سب برتن بھر لیے اور اپنی سواریوں کو اچھی طرح پانی پلا لیا۔ اس کے بعد ہم چلے تو ایک ایسی خلیج میں ہمارا گزر ہوا کہ ایسا پانی ہم نے نہ کبھی پہلے عبور کیا تھا نہ اس کے بعد عبور کیا' کسی کشتی کا وہاں پتہ تک نہ مل سکا' پھر انہوں نے اتر کر یوں دُعا مانگی: اے بردباری والے! اے سب کا علم رکھنے والے! اے سب سے بلند! اور اے سب سے بزرگ! ہم کو پناہ دے (یا ہم کو دریا پار کرادے۔ اگر یہاں زاء یعنی اجزنا ہو) پھر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑی اور کہا بسم اللہ کہہ کر دریا پار ہو جاؤ (اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل لفظ اجزنا ہی ہے) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم پانی کے اوپر اوپر گزر گئے' خدا کی قسم! نہ ہمارا قدم' نہ کسی اونٹ کا خف نہ کسی جانور کا کھر تک ذرا تر ہوا اور پورا لشکر چار ہزار آدمیوں کا تھا۔

پانی پر چلنا

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ مُصْعَبِ الْمَدَنِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ ابْنُ ثَابِتٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ ثَابِتِ الْبَصْرِيْ قَالَ دَخَلَتْ فِيْ اُذُنِ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الْبَصْرَةِ بَعُوْضَةٌ حَتّٰى وَصَلَتْ اِلٰى صِمَاخِهٖ

فَانْصَبْتُهُ وَاَسْهَرْتُهُ لَيْلَهُ وَنَهَارَهُ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ الْحَسَنِ الْبَصْرِىِّ يَا هٰذَا اُدْعُ بِدُعَاءِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَضْرَمِىِّ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِىْ دَعَابِهٖ فِى الْمَفَازَةِ وَفِى الْبَحْرِ فَخَلَّصَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ وَمَا هُوَ رَحِمَكَ اللّٰهُ فَقَالَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بُعِثَ الْعَلَاءُ بْنُ الْحَضْرَمِىِّ فِىْ جَيْشٍ كُنْتُ فِيْهِمْ اِلَى الْبَحْرَيْنِ فَسَلَكْنَا مَفَازَةً فَعَطِشْنَا عَطْشًا شَدِيْدًا حَتّٰى خِفْنَا الْهَلَاكَ فَنَزَلَ الْعَلَاءُ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا عَلِىُّ يَا عَظِيْمُ اَسْقِنَا فَجَاءَ تْ سَحَابَةٌ كَاَنَّهَا جَنَاحُ طَائِرٍ فَقَعْقَعَتْ عَلَيْنَا وَاَمْطَرَتْنَا حَتّٰى مَلَأْنَا الْاٰنِيَةَ وَسَقَيْنَا الرِّكَابَ ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى خَلِيْجٍ مِّنَ الْبَحْرِ مَا خِيْضَ قَبْلَهُ وَلَا خِيْضَ بَعْدَهُ فَلَمْ يَجِدْ سُفُنًا فَصَلَّى الْعَلَاءُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ يَا حَلِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا عَلِىُّ يَا عَظِيْمُ اَجِزْنَا ثُمَّ اَخَذَ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ جُوْزُوْا قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَمَشَيْنَا عَلَى الْمَاءِ فَوَاللّٰهِ مَاابْتَلَّ لَنَا قَدَمٌ وَلَاخُفٌّ وَلَا حَافِرٌ وَكَانَ الْجَيْشُ اَرْبَعَةَ الْاٰفٍ' ذكره الشيخ الامام العلامة ابوبكر محمد بن الوليد الفهرى الطرطوشي ويعرف بابن ابى رنده كمانقله العلامة الدميرى فى مادة ب ع و ض: وذكره الحافظ ابن تيمةؒ فى اقتضاء الصراط المسقيم ص ٣٦٣ و رواه البيهقى عن انس رضى اللّٰه تعالٰى عنه فى حديثه قال ادركت فى هذه الامة ثلاثا الخ كما سيجئ تفصيله عند بيان كرامة هذه الامة فى احياء الميت. فذكر عن انس:.

قَالَ: ثُمَّ جَهَّزَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰه تَعَالٰى عَنْهُ جَيْشًا وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِىَّ قَالَ اَنَسٌ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ كُنْتُ فِىْ غُزَاتِهٖ فَاَتَيْنَا مَغَازِيْنَا فَوَجَدْنَا الْقَوْمَ قَدْ بَدَرُوْا بِنَافَعَفَوْا اٰثَارَ الْمَاءِ وَالْحَرُّ شَدِيْدٌ فَجَهَدَنَا الْعَطْشُ وَدَوَابَّنَا وَذَالِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلَمَّا مَالَتِ الشَّمْسُ لِغُرُوْبِهَا صَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ مَدَّيَدَهُ اِلَى السَّمَاءِ وَمَا نَرٰى فِى السَّمَاءِ شَيْئًا قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا حَطَّ يَدَهُ حَتّٰى بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحًا وَاَنْشَأَ سَحَابًا وَاَفْرَغَتْ حَتّٰى عَلَاءَ تِ الْغُدُرَ وَالشِّعَابَ فَشَرِبْنَا وَسَقَيْنَا رِكَابَنَا وَاسْتَقَيْنَا ثُمَّ اَتَيْنَا عَدُوَّنَا وَقَدْ جَاوَزُوْا خَلِيْجًا فِى الْبَحْرِ اِلَى الْجَزِيْرَةِ فَوَقَفَ عَلَى الْخَلِيْجِ وَقَالَ يَا عَلِىُّ! يَا عَظِيْمُ! يَا حَلِيْمُ! يَا كَرِيْمُ! ثُمَّ قَالَ اَجِيْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ قَالَ فَاَجَزْنَا مَا يَبُلُّ الْمَاءُ حَوَافِرَ دَوَابِّنَا فَلَمْ نَلْبَثْ اِلَّا يَسِيْرًا فَاَصَبْنَا الْعَدُوَّ عَلَيْهِ فَقَتَلْنَا وَاَسَرْنَا وَسَبَيْنَا ثُمَّ اَتَيْنَا الْخَلِيْجَ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ فَاَجَزْنَا مَا يَبُلُّ الْمَاءُ حَوَافِرَ دَوَابِّنَا ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةَ مَوْتِهٖ وَدَفْنِهٖ وَنَبْشِ قَبْرِهٖ وَسِعَتِهٖ مَدَّالْبَصَرِ وَامْتِلَاءِ هٖ نُوْرًا.

(ثم قال البيهقى و قد روى عن ابى هريرة فى قصة العلاء بن الحضرمى فى استسقائه ومشيهم على الماء دون قصة الموت بنحو من هذا وذكر البخارى فى التاريخ لهذه القصة اسناد اٰخر وقد اسنده ابن ابى الدنيا عن ابى كريب وقد ذكره الحافظ ابن تيميهؒ اِجمالا فى كتاب النبوات ص ٢٦٠)

مطرف بن عبداللہ بن ابی مصعب مدنی کہتے ہیں کہ محمد بن ثابت نے عمر بن ثابت بصری سے روایت کی ہے کہ ایک بصری شخص کے کان میں مچھر گھس گیا اور کان کے اندرونی حصہ تک جا پہنچا جس سے ان کو بہت تکلیف ہوئی اور شب و روز جاگتے رہے۔ان سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ اے شخص! علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دُعا پڑھو اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا فخر حاصل تھا۔اس دُعا کی بدولت انہوں نے خشکی اور تری کی مشکلات پر قابو پایا اور اللہ تعالیٰ نے بڑی مصیبت سے نجات دلائی۔اس شخص نے دریافت کیا وہ دعا کیا ہے خدا تم پر رحم فرمائے۔انہوں نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علاء بن حضرمی ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیے گئے اور میں بھی ان کے ہمرکاب تھا اور یہ لشکر بحرین کی طرف روانہ ہوا اور ہم سب جنگلات طے کرتے ہوئے جا رہے تھے اور سخت پیاس میں مبتلا ہوئے حتیٰ کہ ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا۔اس کے بعد علاء اترے اور دو رکعت نماز ادا کی پھر یہ دُعا مانگی یاحلیم! یا علیم! یا علی! یا عظیم! ہم کو سیراب فرما' یہ کہنا تھا کہ ایک بادل نمودار ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پرندے کے پَر کی طرح ہم پر سایہ کیے ہوئے ہے پھر گرج کر برسا اور ہم نے اپنے برتن بھر لیے اور اپنی سواریوں کو پانی پلایا اور روانہ ہو گئے۔چلتے چلتے ایک خلیج پر پہنچے جس کو نہ پہلے پار کیا گیا اور نہ بعد میں اور نہ وہاں کوئی کشتی تھی لہٰذا حضرت علاء نے دو رکعت نماز پڑھی' پھر دُعا مانگی یا حلیم! یا علیم! یا علی! یا عظیم! ہم کو اس دریا سے پار کر دے۔پھر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا کہ آؤ اور اللہ کا نام لے کر پار ہو جاؤ۔ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پانی پر چل رہے تھے اور ہمارا قدم تک تر نہ ہوا اور نہ ہمارے اونٹوں اور گھوڑوں کے پیر پانی میں بھیگے اور لشکر کی تعداد چار ہزار تھی۔امام علامہ ابوبکر محمد بن ولید فہری طرطوشی نے بھی یہ مضمون علامہ دمیری سے ب ع وض کے مادہ میں نقل کیا ہے اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر تیار کیا اور اس کی قیادت علاء بن حضرمی کے سپرد کی۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اسی لشکر میں تھا' جب ہم میدان کارزار پر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ دشمن نے پہلے ہی سے پانی کے نشانات مٹا دیئے اور اس وقت سخت گرمی پڑ رہی تھی' پیاس سے ہماری اور ہمارے جانوروں کی بری حالت تھی۔جمعہ کا دن تھا' جب سورج کے غروب ہونے کا وقت نزدیک ہوا تو حضرت علاء نے ہم کو دو رکعت نماز پڑھائی پھر اپنا ہاتھ آسمان کی جانب پھیلا اس وقت آسمان پر بادل وغیرہ بالکل نہ تھے۔ہم قسمیہ کہتے ہیں کہ وہ ہاتھ نیچے نہ کرنے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوائیں چلانا شروع کر دیں اور بادل نمودار ہوئے اور خوب برسے اور اس سے تالاب اور نالے بھر گئے۔پھر ہم نے پانی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا اور سیراب ہو گئے۔پھر ہم نے دشمن پر چڑھائی کی اور وہ خلیج سے گزر کر جزیرے تک پہنچ گئے تھے۔پھر حضرت علاء خلیج کے پاس ٹھہر گئے اور یہ دُعا کی یا علی! یا عظیم! یا حلیم! یا کریم! پھر فرمایا کہ بسم اللہ کہہ کر پار کرو اور ہم پار ہو گئے۔پانی سے ہمارے جانوروں کے سُم تک تر نہ ہوئے۔تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ہم نے دشمن کو جا لیا اور کچھ تو قتل کر ڈالے اور کچھ کو قیدی بنا لیا۔پھر لوٹتے ہوئے اس خلیج پر دوبارہ آئے اور حضرت علاء نے وہی کلمات دُہرائے اور ہم نے خلیج کو عبور کر لیا اور ہمارے سواری کے جانوروں کے سم تر نہ ہوئے تھے۔پھر راوی نے ان کی موت اور ان کے

دفن کرنے کا واقعہ ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ان کی قبر کھودنے اور اس کی کشادگی اور نور سے بھر پور ہونے کا بھی واقعہ بیان کیا ہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ علاء بن حضرمی کے قصے میں یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نقل کی گئی ہے اور اس میں بھی سیراب ہونے اور پانی پر چلنے کا ذکر ہے لیکن ان کی موت کا ذکر نہیں ہے۔ واقعہ کی تفصیل قریب قریب ملتی جلتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں اس واقعہ کو دوسری سند سے بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب النبوات میں اجمالی طور پر یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کیلئے ہوا کا مطیع ہو جانا

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَجَّہَ جَیْشًا وَرَأَسَ عَلَیْھِمْ رَجُلاً یُّقَالُ لَہٗ سَارِیَۃُ قَالَ فَبَیْنَمَا عُمَرُ یَخْطُبُ فَجَعَلَ یُنَادِی یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ ثَلاثًا ثُمَّ قَدِمَ رَسُوْلُ الْجَیْشِ فَسَئَلَہٗ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ھُزِمْنَا فَبَیْنَمَا نَحْنُ کَذٰلِکَ اِذْ سَمِعْنَا مُنَادِیًا یَّا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ ثَلاثًا فَاَسْنَدْنَا ظُھُوْرَنَا بِالْجَبَلِ فَھَزَمَھُمُ اللّٰہُ قَالَ فَقِیْلَ لِعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِنَّکَ کُنْتَ تَصِیْحُ بِذَالِکَ. (رواہ عبداللّٰہ بن وھب وقال الحافظ بن کثیر ھذا اسنادٌ جید حسن) (وقد ذکرہ الحافظ ابن تیمۃ رحمۃ اللہ علیہ اجمالاً فی کتاب النبوات ص ۲۷۴) وذکر سیف عن مشائخہٖ ان ساریۃ بن زُنَیم قَصَدَ فَسَارَ دَارَ اَبْجَرْدَ فَاجْتَمَعَ لَہ جموع من الفُرسِ والاکراد عظیمۃ ودھم مسلمین منھم امر عظیم وجمع کثیر ورأی عمر رضی اللّٰہ عنہ.

نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فوج کہیں روانہ کی اور اس پر ایک شخص کو جن کا نام ساریہ تھا' امیر بنایا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ یکا یک پکار کر کہنے لگے کہ اے ساریہ! ذرا اس پہاڑ کا رُخ لو۔ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی (پھر بدستور خطبہ وغیرہ پورا کیا' کچھ عرصہ بعد) اس فوج کی طرف سے ایک قاصد آیا تو اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حالات جنگ دریافت کیے وہ کہنے لگا کہ اے امیر المؤمنین! ہم جنگ میں ہارنے اور بھاگنے لگ گئے تھے کہ اتنے میں ہم نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جس نے تین بار کہا اے ساریہ! اس پہاڑ کی آڑ لو' ہم نے اسی پہاڑ کی طرف پیٹھ کر لی اور لڑے۔ بس پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست دے دی۔ راوی کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ہاں ہاں آپ ہی نے تو ایک دن پکار کر یہ الفاظ کہے تھے۔ (ابن کثیر)

حضرت عمر فاروقؓ کا دریائے نیل کے نام فرمان اور اس کا جاری ہو جانا

رُوِیْنَا مِنْ طَرِیْقِ ابْنِ لَھِیْعَۃَ عَنْ قَیْسِ بْنِ الْحَجَّاجِ قَالَ لَمَّا اُفْتُتِحَتْ مِصْرُ اَتٰی اَھْلُھَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ حِیْنَ دَخَلَ بُؤْنَۃَ مِنْ اَشْھُرِ الْعَجَمِ فَقَالُوْا اَیُّھَا الْاَمِیْرُ لِنِیْلِنَا ھٰذَا سُنَّۃٌ لَا یَجْرِیْ اِلَّا بِھَا قَالَ وَمَا ذَاکَ قَالُوْا اِذَا کَانَتْ اِثْنَی عَشَرَ لَیْلَۃً خَلَتْ مِنْ ھٰذَا الشَّھْرِ عَمِدْنَا اِلٰی جَارِیَۃٍ بِکْرٍمِّنْ اَبَوَیْھَا

فَاَرْضَيْنَا اَبَوَيْهَا وَجَعَلْنَا عَلَيْهَا مِنَ الْحُلِيِّ وَالثِّيَابِ اَفْضَلَ مَا يَكُوْنُ ثُمَّ اَلْقَيْنَاهَا فِيْ هٰذَا النِّيْلِ فَقَالَ لَهُمْ عَمْرٌو اِنَّ هٰذَا مِمَّا لَاتَكُوْنُ فِي الْاِسْلَامِ اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَاقَبْلَهٗ قَالَ فَاَقَامُوْا بُوْنَةَ وَ ابيب وَ مسرى وَالنِّيْلُ لَا يَجْرِيْ قَلِيْلاً وَلَا كَثِيْرًا حَتّٰى هَمُّوْا بِالْجَلَاءِ فَكَتَبَ عَمْرٌو اِلٰى عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِؓ بِذَالِكَ فَكَتَبَ اِلَيْهِ اَنَّكَ قَدْ اَصَبْتَ بِالَّذِيْ فَعَلْتَ وَاِنِّيْ قَدْ بَعَثْتُ اِلَيْكَ بِطَاقَةً دَاخِلَ كِتَابِيْ فَاَلْقِهَا فِي النِّيْلِ فَلَمَّا قَدِمَ كِتَابُهٗ اَخَذَ عَمْرٌو الْبِطَاقَةَ فَاِذَا فِيْهَا مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ عُمَرَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلٰى نِيْلِ اَهْلِ مِصْرَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنْ كُنْتَ اِنَّمَا تَجْرِيْ مِنْ قِبَلِكَ وَمِنْ اَمْرِكَ فَلَا تَجْرِ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِيْكَ وَاِنْ كُنْتَ اِنَّمَا تَجْرِيْ بِاَمْرِ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ وَهُوَ الَّذِيْ يُجْرِيْكَ فَنَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْ يُجْرِيَكَ قَالَ فَاَلْقَى الْبِطَاقَةَ فِي النِّيْلَ فَاَصْبَحُوْا لِيَوْمِ السَّبْتِ وَقَدْ جَرَى النِّيْلُ سِتَّةَ عَشَرَ ذِرَاعًا فِيْ لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ وَقَطَعَ اللّٰهُ تِلْكَ السُّنَّةَ عَنْ اَهْلِ مِصْرَ اِلَى الْيَوْمِ.

بہ طریق ابن لہیعہ قیس بن الحجاج سے روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوگیا تو لوگ عمرو بن العاص گورنر مصر کے پاس آئے اور جب عجم کے بونہ کا دن منانے کا وقت آیا تو انہوں نے کہا' اے امیر المؤمنین! جب یہاں قحط پڑتا ہے تو یہاں کی روایات کے مطابق وہ بونہ کی رسم ان ہی دستور کے مطابق ادا کیے بغیر نہیں جاتا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا وہ رسم کیا ہے؟ انہوں نے کہا جب مہینے کی ۱۲ رتاریخ ہو جاتی ہے تو ہم ایک باکرہ لڑکی کے والدین کو راضی کر کے اس کو زیورات ولباس سے خوب آراستہ کرتے ہیں پھر اس کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ سن کر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' یہ مکروہ رسم اسلام برداشت نہیں کرسکتا اور جو اسلام سے پہلے پہلے رسوم بد ہوچکیں وہ سب ختم ہوئیں۔ آخر جب رسم بونہ کے منانے کا دن آیا تو دریائے نیل میں نہ تھوڑا پانی رہا نہ بہت تا آنکہ لوگوں نے وہاں سے جلاوطن ہونے کا ارادہ کرلیا۔ اس پر عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ قصہ لکھ بھیجا۔ انہوں نے اس مضمون کا خط جواباً ارسال فرمایا' تم نے جو کیا وہ بالکل درست کیا۔ (بیشک اسلام میں یہ رسم ناقابل برداشت ہے) میں تمہارے پاس ایک خط بھیج رہا ہوں میرے اس خط کو تم دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب وہ خط عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا دیکھا تو اس میں یہ مضمون تھا۔ یہ خط ہے ایک اللہ کے بندہ کی طرف سے دریائے نیل کے نام وہ شخص تمام مسلمانوں کا امیر مقرر ہوا ہے۔ امابعد! اودریائے نیل اگر تو پہلے سے اپنے ارادہ سے چڑھا کرتا ہو تو مت چڑھ ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر ایک اللہ واحد قہار کے ارادہ سے چڑھا کرتا ہو اور وہی تجھ کو جاری کیا کرتا ہو تو ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتے ہیں کہ وہ تجھ کو پھر جاری کردے۔ چنانچہ حسب الحکم یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا گیا تو ایک ہی شب کے اندر دریائے نیل میں سولہ سولہ گز پانی آ گیا اور وہ دن ہے اور آج کا دن کہ اللہ تعالیٰ نے اس دستور کو مصر والوں سے ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔

آگ کا ٹھنڈک اور سلامتی بن جاتا

عَنْ شُرَحْبِيْلِ بْنِ مُسْلِمٍ اَنَّ الْاَسْوَدَ بْنَ قَيْسٍ مَرَّ بِالْيَمَنِ وَكَانَ الْاَسْوَدُ جَبَّارًا فَبَعَثَ اِلٰى اَبِيْ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيْ فَاَتَاهُ فَقَالَ لَهٗ اَتَشْهَدُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْ مُسْلِمٍ مَا اَسْمَعُ فَقَالَ لَهٗ

اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ فَرَدَّدَ ذَالِکَ عَلَيْهِ مِرَارًا فَاَمَرَ بِنَارٍ عَظِيْمَةٍ فَاُضْرِمَتْ ثُمَّ اَمَرَ بِاِلْقَاءِ اَبِیْ مُسْلِمٍ فِيْهَا فَلَمْ تَضُرُّهُ فَاَحْمَدَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى حِيْنَ اُلْقِیَ فِيْهَا فَقِيْلَ لَهٗ اَخْرِجْ هٰذَا عَنْکَ مِنْ اَرْضِکَ لِئَلَّا يُفْسِدَ عَلَيْکَ اَتْبَاعَکَ فَاَخْرَجَهٗ فَقَدِمَ اَبُوْ مُسْلِمٍ الْمَدِيْنَةَ وَقَدْ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ اَبُوْ بَكْرٍؓ فَاَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ بِبَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَامَ يُصَلِّیْ اِلٰى سَارِيَةٍ فَبَصَرَ بِهٖ عُمَرُؓ فَقَامَ اِلَيْهِ فَقَالَ مِمَّنِ الرَّجُلُ قَالَ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ قَالَ مَافَعَلَ الَّذِیْ حَرَّقَهُ الْكَذَّابُ قَالَ ذَالِکَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ ثُوَبٍ قَالَ نَشَدْتُکَ بِاللّٰهِ اَنْتَ هُوَ قَالَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَاعْتَنَقَهٗ ثُمَّ بَكٰى ثُمَّ ذَهَبَ بِهٖ حَتّٰى اَجْلَسَهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَبِیْ بَكْرٍؓ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ يُمِتْنِیْ حَتّٰى اَرَانِیْ فِیْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُعِلَ بِهٖ كَمَا فُعِلَ بِاِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ خَرَجَ فِيْرُوْزُ الدَّيْلَمِیُّ عَلَى الْاَسْوَدِ فَقَتَلَهٗ وَجَاءَ الْخَبَرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِهٖ وَهُوَ فِیْ مَرَضِ مَوْتِهٖ فَخَرَجَ فَاَخْبَرَ اَصْحَابَهٗ بِذَالِکَ وَقَالَ قُتِلَ الْاَسْوَدُ الْعَنسی اللَّيْلَةَ قَتَلَهٗ رَجُلٌ صَالِحٌ مِنْ قَوْمٍ صَالِحِيْنَ وَقِصَّةٌ مَشْهُوْرَةٌ وَكَذَالِکَ قِصَّةُ مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ وَهُمَا مِنَ الْكَذَّابِيْنَ. (ذکرہ الی حافظ ابن تیمیہؒ و اخرج فی الخصائص ص ۸۰/ ج ۲ الجواب الصحیح ص ۱۱۲. ۱۱۳' ج ۱ و کتاب النبوات ص ۲۶۵)

شرحبیل بن مسلم سے روایت ہے کہ اسود بن قیس یمن کی طرف چلا اور یہ بڑا ظالم شخص تھا اس نے شرحبیل بن مسلم کو پکڑ بلایا' یہ آئے تو اس کمبخت نے کہا کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں' ابو مسلم نے کہا (ایسی خرافات) میں سنتا بھی نہیں (جواب تو کیا دوں) پھر اس نے کہا کہ اچھا تو یہ گواہی دیتے ہو کہ محمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ انہوں نے کہا بیشک میں اس کی گواہی دیتا ہوں پھر وہ مکرر یہ بات مزے لے کر فرماتے رہے۔ آخر اس نے ایک بڑی جگہ ان کے لیے بنوا کر اس میں آگ روشن کی۔ پھر حکم دیا کہ ابو مسلم کو اس میں جھونک دو۔ عجیب بات ہے کہ ابو مسلم جب اس آگ میں ڈالے گئے تو ان پر اس کا اثر ذرا سا بھی نہ ہوا۔ جب ان کو نذر آتش کیا گیا تو ابو مسلم نے اس انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس نے عاجز آ کر ان کے متعلق یہ حکم دیا کہ ان کو شہر سے باہر نکال دو تاکہ تمہارے دوسرے ہم مذہبوں کو یہ شخص خراب نہ کرے' چنانچہ ان کو باہر نکال دیا گیا۔ ابو مسلم جب مدینہ منورہ آئے تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ تھے وہ مسجد شریف کے پاس آئے اور اپنی سواری دروازہ پر بٹھا کر سب سے پہلے مسجد میں گئے اور ایک ستون کے پیچھے آ کر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے ان کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھ پائے' تو اُٹھ کر ان سے یہ پوچھنے لگے کہ تم کہاں کے باشندے ہو؟ وہ بولے یمن کا' اس پر انہوں نے یہ سوال فرمایا جس شخص کو اسود عنسی نے جلا دیا تھا تم کو ان کی کچھ خیر و خبر ہے؟ انہوں نے کہا اچھا وہ عبداللہ بن ثوب۔ انہوں نے فرمایا تم کو خدا کی قسم! سچ بتاؤ وہ تم ہی تو نہ تھے؟ انہوں نے کہا جی ہاں میں ہی تھا' پھر کیا تھا مارے خوشی کے انہوں نے اپنے سینے سے لگا لیا اور رو پڑے' پھر ان کو اپنے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان لے کر بیٹھے اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اس وقت تک مجھ کو موت نہ دی جب تک کہ اُمت محمدیہ میں بھی ایک شخص ایسا نہ دکھلا دیا جس کے ساتھ راہِ خدا میں وہی سلوک نہ ہوا ہو جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے

ساتھ ہوا تھا۔ پھر فیروز دیلمی نے اسود پر حملہ کر کے اس کو ہلاک کر ڈالا اور اس کے قتل کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت پہنچی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخری لمحات میں تھے۔ اِدھر وہ مرا اُدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کے جہنم واصل ہو جانے کی خوشخبری ملی کہ آج ہی کی شب میں اس بدبخت کی موت واقع ہوگئی۔ اسی طرح بعد میں مسیلمۃ بن کذاب کی خبر قتل ملی اور یہ دونوں شخص ان کذابین میں تھے جن کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دیدی تھی۔

ابو مسلم خولانی کا اپنے لشکر کیساتھ پانی پر سے گزرنا اور دُعا فرمانا

عَنْ اَبِیْ مُسْلِمِ الْخَوْلَانِیِّ اَنَّهٗ کَانَ اِذَا غَزا اَرْضَ الرُّوْمِ فَمَرُّوْا بِنَهرٍ قَالَ اَجِیْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ قَالَ وَیَمُرُّ بَیْنَ اَیَدِیْهِمْ فَیَمُرُّوْنَ عَلَی الْمَاءِ فَمَا یَبْلُغُ مِنَ الدَّوَابِّ اِلَّا اِلَی الرُّکَبِ اَوْ فِیْ بَعْضِ ذَالِکَ اَوْ قَرِیْبًا مِنْ ذَالِکَ قَالَ وَاِذَا جَازُوْا قَالَ لِلنَّاسِ هَلْ ذَهَبَ لَکُمْ شَیْءٌ مَنْ ذَهَبَ لَهٗ شَیْءٌ فَاَنَا ضَامِنٌ قَالَ فَاَلْقٰی مِخْلَاةً عَمَدًا فَلَمَّا جَاوَزُوْا قَالَ الرَّجُلُ مِخْلَاتِیْ وَقَعَتْ فِی النَّهْرِ فَقَالَ لَهٗ اتبعنی فَاِذَا الْمِخْلَاةُ قَدْ تَعَلَّقَتْ بِبَعْضِ اَعْوَادِ النَّهْرِ فَقَالَ خُذْهَا. (رواہ ابن عساکر البدایہ ص ۲۶۱/۶)

ابو مسلم خولانی غزوہ روم کے لیے روانہ ہوئے‘ ان کا ایک نہر پر سے گزر ہوا تو اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا‘ چلو دریا پار چلو‘ لوگ گزرنے لگے تو ان کے گھوڑوں کے تھوڑا نزدیک پانی رہا‘ جب سب پار اُتر گئے تو انہوں نے فوج سے پوچھا کہ کسی کی کوئی چیز گم تو نہیں ہوئی۔ اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو تو میں اس کا ضامن ہوں۔ راوی کہتا ہے ایک شخص نے قصداً اپنا ایک توبرا دریا میں ڈال دیا اور کہا کہ میرا توبرا نہیں ملتا کہیں پانی میں گر گیا ہے اس پر انہوں نے فرمایا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ‘ دیکھا تو وہ توبرا نہر کے کنارہ نہر کی لکڑیوں میں لٹکا ہوا ملا‘ فرمایا لو اپنا توبرا لو۔ (رواہ ابن عساکر البدایہ ص ۲۶۱/۶)

عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ الْمُغِیْرَةِ اَنَّ اَبَا مُسْلِمِ الْخَوْلَانِیَّ جَاءَ اِلٰی دَجْلَةَ وَهِیَ تَرْمِیْ بِالْخُشُبِ مِنْ مَدِّهَا فَمَشٰی عَلَی الْمَاءِ وَالْتَفَتَ اِلٰی اَصْحَابِهٖ وَقَالَ هَلْ تَفْقِدُوْنَ مِنْ مَّتَاعِکُمْ شَیْئًا فَنَدْعُوا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ. (رواہ الحافظ ابن کثیر عن الحافظ البیهقی هذا اسناد صحیح. البدایہ والنهایة ۱۵۶/۶)

سلیمان بن المغیرہ روایت کرتے ہیں کہ ابو مسلم خولانی دریائے دجلہ کے پاس تشریف لائے اور اس پر جوار آ جانے کی وجہ سے لکڑیاں بہہ کر آ رہی تھیں تو وہ خود دریا کی سطح پر چل کر آئے اور اپنے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہو کر بولے کیا تم میں سے کسی کا کوئی مال گم تو نہیں ہوا اور نہ تو پھر ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں‘ اس کی اسناد صحیح ہے۔

ایک مسلمان کی دُعا

عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِهٖ قَالَ انْتَهَیْنَا اِلٰی دَجْلَةَ وَهِیَ مَارَّةٌ وَالْاَعَاجِمُ خَلْفَهَا فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ بِسْمِ اللّٰهِ ثُمَّ اقْتَحَمَ بِفَرَسِهٖ فَارْتَفَعَ عَلَی الْمَاءِ فَقَالَ النَّاسُ بِسْمِ اللّٰهِ ثُمَّ اقْتَحَمُوْا فَارْتَفَعُوْا عَلَی الْمَاءِ فَنَظَرَ اِلَیْهِمُ الْاَعَاجِمُ وَقَالُوْا دِیْوَان دِیْوَالو ثُمَّ ذَهَبُوْا عَلٰی وُجُوْهِهِمْ

قَالَ فَمَا فَقَدَ النَّاسُ اِلَّا قَدْحًا كَانَ مُعَلَّقًا بِعَذْبَةِ سَرْجٍ فَلَمَّا خَرَجُوْا اَصَابُوْا الْغَنَائِمَ فَاقْتَسَمُوْهَا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَقُوْلُ مَنْ يُّبَادِلُ الصَّفْرَاءَ بِبَيْضَاءَ. (رواه البیہقی)

اعمش اپنے بعض رفقاء سے نقل کرتے ہیں کہ جب ہم نہر دجلہ کے کنارے پہنچے تو مسلمانوں کے امیر نے آگے بڑھ کر بسم اللہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو پانی میں ڈال دیا۔ عجب تماشا نظر آیا کہ گھوڑا جہاز کی طرح پانی کے اوپر اوپر چلنے لگا پھر تو اور لوگوں نے بھی بسم اللہ کہہ کر اپنے اپنے گھوڑے پانی میں ڈال دیئے اور سب کے سب اسی طرح پانی کے اوپر تیرتے چلے گئے۔ عجمی اصحاب نے یہ ماجرا دیکھا اور کہنے لگے کہ یہ تو دیو اور جن ہیں۔ پھر واپس آ کر کہنے لگے کہ پانی میں کسی کا کچھ گم نہ ہوا مگر صرف ایک پیالہ تھا جو کہیں گھوڑے کے زین میں لٹکا ہوا تھا' جب پانی سے باہر آ گئے تو سب نے مال غنیمت تقسیم کیا اور باہم سونے اور چاندی کی خرید و فروخت کرنے میں مشغول ہو گئے۔ (بیہقی)

ابو تمیم کا آگ کو دھکیل کر گھاٹی میں داخل کر دینا

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَرمل قَالَ خَرَجَتْ نَار بِالْحَرَّةِ فَجَاءَ عُمَرُ ؓ اِلٰى تَمِيْمِ الدَّارِيّ فَقَالَ قُمْ اِلٰى هٰذِهِ النَّارِ قَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ اَنَا وَمَا اَنَا قَالَ فَلَمْ يَزَلْ بِهٖ حَتّٰى قَامَ مَعَهٗ قَالَ وَتَبِعْتُهُمَا فَانْطَلَقَا اِلَى النَّارِ فَجَعَلَ تَمِيْمٌ يَحُوْشُهَا بِيَدِهٖ حَتّٰى دَخَلَتِ الشِّعْبَ وَدَخَلَ تَمِيْمٌ خَلْفَهَا قَالَ فَجَعَلَ عُمَرُ ؓ يَقُوْلُ لَيْسَ مَنْ رَاٰى كَمَنْ لَمْ يَرَ قَالَهَا ثَلٰثًا. (رواه البیہقی)

معاویہ بن حرمل بیان کرتے ہیں کہ مقام حرہ میں آگ نمودار ہوئی تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمیم داری کے پاس آ کر حکم فرمایا کہ دیکھو یہ آگ لگ رہی ہے اس کی طرف جا کر اس کو ہٹا دو۔ انہوں نے عرض کی اے امیر المومنین! میری ہستی کیا ہے اور میں اس قابل کہاں ہوں' وہ اصرار فرماتے ہی رہے آخر ان کے ساتھ اُٹھ کر چل دیئے اور میں بھی ساتھ ساتھ ہو لیا اور وہ دونوں آگ کی طرف بڑھتے رہے تو تمیم داری اس آگ کو دھکے دے رہے تھے' آخر وہ آگ ایک گھاٹی میں جا گھسی اور تمیم داری تھے کہ اس کے پیچھے لگے رہے۔ اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی بات کو بچشم خود دیکھ لے وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو خود مشاہدہ نہ کرے تین بار یہ کلمات فرمائے۔ (البدایۃ والنھایۃ)

مُردوں کا زندہ کرنا

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَدْرَكْتُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ثَلَاثًا لَوْ كَانَتْ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ لَمَا تَقَاسَمَهَا كذا فى الاصل عَلَمْتُهَا الْاُمَمُ قُلْنَا وَمَا هِيَ يَا اَبَا حَمْزَةَ قَالَ كُنَّا فِي الصُّفَّةِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ مُهَاجِرَةٌ وَمَعَهَا ابْنٌ لَهَا قَدْ بَلَغَ فَاَضَافَ الْمَرْاَةَ اِلَى النِّسَاءِ وَاَضَافَ اِبْنَهَا اِلَيْنَا فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ اَصَابَهٗ وَبَاءُ الْمَدِيْنَةِ فَمَرِضَ اَيَّامًا ثُمَّ قُبِضَ فَغَمَّضَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِجَهَازِهٖ فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَغْسِلَهٗ قَالَ يَا اَنَسُ اِئْتِ اُمَّهٗ فَاَعْلِمْهَا فَاَعْلَمْتُهَا

قَالَ فَجَاءَتْ حَتّٰی جَلَسَتْ عِنْدَ قَدَمَیْهِ فَاَخَذَتْ بِهِمَا ثُمَّ قَالَتْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ لَکَ طَوْعًا وَخَالَفْتُ الْاَوْثَانَ زُهْدًا وَهَاجَرْتُ لَکَ رَغْبَةً اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیْ عَبَدَةَ الْاَوْثَانِ وَلَا تَحْمِلْنِیْ مِنْ هٰذِهِ الْمُصِیْبَةِ مَالَا طَاقَةَ لِیْ بِحَمْلِهَا قَالَ فَوَاللّٰهِ مَاانْقَضٰی کَلَامُهَا حَتّٰی حَرَّکَ قَدَمَیْهِ وَاَلْقَی الثَّوْبَ عَنْ وَجْهِهٖ وَعَاشَ حَتّٰی قَبَضَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَحَتّٰی هَلَکَتْ اُمُّهٗ. (رواہ البیہقی)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس اُمت میں تین شخصوں کو دیکھا کہ اگر کہیں وہ بنی اسرائیل میں ہوتے تو وہ اُمتوں میں نہ بنتے، ہم نے ان کی کنیت ابوحمزہ پکار کر کہا کہ ان کو ہمیں بھی بتایئے اور ہم اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایک عورت اپنے ساتھ ایک اپنا بچہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ بلوغ تک پہنچ چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو مستورات کا مہمان بنادیا اور اس کے بیٹے کو ہماری مہمانی میں دیدیا بس کچھ دیر نہ لگی ہوگی کہ مدینہ میں اس کو ایک وبائی بیماری لگ گئی تو کچھ دن تو وہ لڑکا بیمار پڑا رہا اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اس کی آنکھیں بند کردیں اور اس کی تجہیز و تکفین کا حکم فرمایا، جب ہم نے اس کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے انس! اس کی والدہ کے پاس جاؤ اور ان کو مطلع کرو۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی والدہ کو وفات کی خبر دی وہ آئیں یہاں تک کہ اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئیں اور غم میں اس کے پیر پکڑ کر کہا الٰہی میں دل سے تجھ پر ایمان رکھتی ہوں اور بتوں سے متنفر ہو کر ان کو چھوڑ دیا اور تیری محبت میں تیرے لیے ہجرت بھی کی، الٰہی! اب تو مجھ پر بت پرستوں کو ہنسی اُڑانے کا موقع نہ دے اور ایسی مصیبت مجھ پر نہ ڈال جس کے اُٹھانے کی مجھ میں طاقت نہ ہو۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی دیر نہ لگی ہوگی کہ اس لڑکے نے اپنے پیروں کو حرکت دی اور اپنے منہ پر سے کپڑا ہٹا کر منہ کھول دیا پھر بڑی مدت تک زندہ وسلامت رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور اس کی ماں کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس واقعہ کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اس کو ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ اور ہے کہ اُم سائب ایک نابینا بوڑھی عورت تھیں۔ الخ (بیہقی)

یمن کے ایک شخص کا دُعا مانگنے کا واقعہ

عَنْ اَبِی النخعی قَالَ اَقْبَلَ رَجُلٌ مِنَ الْیَمَنِ فَلَمَّا کَانَ بِبَعْضِ الطَّرِیْقِ نَفَقَ حِمَارُهٗ فَقَامَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ جِئْتُ مِنَ الْمَدِیْنَةِ مُجَاهِدًا فِیْ سَبِیْلِکَ وَابْتِغَاءِ مَرْضَاتِکَ وَاَنَا اَشْهَدُ اِنَّکَ تُحْیِ الْمَوْتٰی وَتَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ لَا تَجْعَلْ لِاَحَدٍ عَلَیَّ الْیَوْمَ مِنَّةً اَطْلُبُ اِلَیْکَ الْیَوْمَ اَنْ تَبْعَثَ حِمَارِیْ فَقَامَ الْحِمَارُ یَنْفُضُ اُذُنَیْهِ قَالَ الْبَیْهَقِیُّ هٰذَا اَسْنَادُ صحیح و رواہ ابو بکر بن ابی الدنیا عَنِ الشَّعْبِیِّ فِیْ کِتَابِ مَنْ عَاشَ بَعْدَ الْمَوْتِ. وَزَادَ عَلٰی هٰذَا الرِّوَایَةِ فَاَسْرَجَهٗ وَاَلْجَمَهٗ ثُمَّ رَکِبَهٗ وَاَجْرَاهُ فَلَحِقَ بِاَصْحَابِهٖ فَقَالُوْا لَهٗ مَا شَانُکَ قَالَ شَانِیْ اَنَّ اللّٰهَ بَعَثَ حِمَارِیْ قَالَ الشَّعْبِیُّ فَاَنَا رَاَیْتُ الْحِمَارَ بِیْعَ اَوْ یُبَاعُ فِی الْکُنَاسَةِ یَعْنِی الْکُوْفَةَ قَالَ

ابْنُ اَبِی الدُّنیَا بِسَنَدِہٖ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ شَرِیْکِ النَّخْعِیِّ اَنَّ صَاحِبَ الْحِمَارِ رَجُلٌ مِنَ النَّخْعِ یُقَالُ لَہٗ نَبَاتَۃُ بْنُ یَزِیْدَ خَرَجَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ غَازِیًا۔ (البدایہ والنھایہ)

ابوالنخعی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آرہا تھا راستہ میں اس کا گدھا مرگیا اس نے فوراً وضو کیا اور دو رکعتیں نماز ادا کیں اور یہ دُعا مانگی' الٰہی! میں مدینہ سے صرف جہاد کی نیت اور تیری رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن سے آیا ہوں اور میں اس پر گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور جو مرکر دفن ہوچکے ان کو قبروں سے پھر نکال کر زندہ کرنے والا ہے۔ آج میری گردن پر کسی کا احسان نہ رکھنا' میں تجھ سے یہ دُعا کرتا ہوں کہ تو میرے گدھے کو پھر زندہ کردے' بس اسی وقت وہ گدھا اپنے کانوں کو پھٹ پھٹاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ بیہقی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کی اسناد صحیح ہیں۔ ابن ابی الدنیا نے شعبی سے کتاب من عاش بعد الموت میں اس روایت میں اتنی زیادتی اور نقل کی ہے کہ پھر اس نے اس پر زین کسی اور لگام چڑھایا اور اس پر سوار ہوکر اپنے ساتھیوں سے جاملا۔ انہوں نے اتنی دیر لگ جانے کی وجہ پوچھی' اس نے اپنا قصہ بیان کیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے گدھے کو زندہ کردیا۔ شعبی نقل کرتے ہیں کہ اس گدھے کو کوفہ کے محلّہ کناسہ میں بکتے ہوئے میں نے بچشم خود دیکھا ہے یعنی اس شہر کا نام لے کر بتایا کہ وہ کوفہ تھا۔ ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ وہ شخص قبیلہ نخع میں کا تھا اس کا نام نبانہ بن یزید تھا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں غزوہ میں شرکت کے لیے چلا تھا۔ (البدایہ والنھایہ)

چیل کے دوبارہ زندہ کیے جانے کا واقعہ

وَحَکَی الدَّمِیْرِیُّ فِیْ مَادَّۃِ حِدَاۃٍ اَنَّ الشَّیْخَ عَبْدَ الْقَادِرِ الْجِیْلِیَّ (قَدَّسَ اللّٰہُ رُوْحَہٗ) جَلَسَ یَوْمًا یَعِظُ النَّاسَ وَکَانَتِ الرِّیْحُ عَاصِفَۃً فَمَرَّتْ عَلٰی مَجْلِسِہٖ حِدَاۃٌ طَائِرَۃٌ فَصَاحَتْ فَشَوَّشَتْ عَلَی الْحَاضِرِیْنَ مَاھُمْ فِیْہِ فَقَالَ الشَّیْخُ یَا رِیْحُ خُذِیْ رَأْسَ ھٰذِہِ الْحِدَاۃِ فَوَقَعَتْ لِوَقْتِھَا فِیْ نَاحِیَۃٍ وَرَاْسُھَا فِیْ نَاحِیَۃٍ فَنَزَلَ الشَّیْخُ عَنِ الْکُرْسِیِّ وَاَخَذَھَا بِیَدِہٖ وَاَمَرَّ یَدَہُ الْاُخْرٰی عَلَیْھَا وَقَالَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَحَیِیَتْ وَطَارَتْ وَالنَّاسُ یُشَاھِدُوْنَ ذَالِکَ۔ (قال وروینا بسند الصحیح)

امام دمیری نے مادہ حداۃ میں نقل کیا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ ایک دن وعظ فرمارہے تھے ہوا تند و تیز تھی اس طرف سے ایک چیل چکر لگا کر شور کرتی ہوئی آئی جس کی وجہ سے سامعین کو وعظ سننے میں تشویش ہونے لگی۔ شیخ قدس سرہ نے ہوا سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اس چیل کا سر پکڑ لے۔ بس اسی وقت وہ چیل نیچے آپڑی کہ وہ خود ایک طرف پڑی ہوئی تھی اور اس کا سر تن سے جدا ہوکر دوسری طرف پڑا ہوا تھا۔ یہ ماجرا دیکھ کر شیخ قدس سرہ وعظ کی کرسی سے اُتر پڑے اور اس کو ایک ہاتھ میں لیا اور اپنا دوسرا ہاتھ اس پر پھیرتے ہوئے فرمایا' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وہ زندہ ہوکر اُڑ گئی اور سب حاضرین یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ دمیری فرماتے ہیں کہ ہم تک اسناد صحیح سے یہ بات پہنچی ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا زہر پینے اور اس سے انکو کوئی نقصان نہ پہنچنے کا واقعہ

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ كَانَ خَالِدٌ يَشْبَهُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فِيْ خِلْقَتِهِ وَصِفَتِهِ وَلَمَّا نَزَلَ الْحِيْرَةَ قِيْلَ لَهُ اِحْذَرِ السَّمَّ لَا يَسْقِيْكَ الْاَعَاجِمُ فَقَالَ اِيْتُوْنِيْ بِهِ فَاَخَذَهُ بِيَدِهِ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَشَرِبَهُ فَلَمْ يَضُرَّهُ شَيْئًا. (تهذيب التهذيب)

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکل وشمائل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشابہ تھے۔ جب یہ مقام حیرۃ میں پہنچے تو لوگوں نے ان سے کہا خبردار رہیئے کہیں عجم کے لوگ آپ کو زہر نہ پلا دیں۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا وہ زہر میرے پاس لاؤ (چنانچہ زہر لایا گیا) انہوں نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کہہ کر پی لیا لیکن ان کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچا۔ (تہذیب التہذیب)

تشریح: اس قسم کے واقعات میں غور کرنا چاہیے کیا ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی فرد یا کوئی جماعت اس یقین پر اپنے نفس کو کھلی ہلاکت میں ڈال دے کہ اس کا اثر مخالف پر اسلام کی حقانیت کا پڑے گا تو کیا ایسا فعل جائز ہوگا اور کیا اس کو خودکشی کے مرادف تو سمجھا نہیں جائے گا؟ اور یہ کہ کن حالات میں اور کن کن قیود کے ساتھ ایسے فعل کی اجازت دی جا سکے گی۔

عَنْ خَيْثَمَةَ قَالَ اُتِيَ خَالِدٌ بِرَجُلٍ مَعَهُ زِقُّ خَمْرٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ عَسَلًا فَصَارَ عَسَلًا. (رواه ابن ابى الدنيا)

خیثمہ بیان کرتے ہیں کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک شخص پکڑ کر لایا گیا جس کے ساتھ شراب کا مشکیزہ تھا۔ آپ نے دعا کی، اے اللہ! تو اس کو شہد بنا دے وہ شہد بن گئی۔ (ابن ابی الدنیا)

تشریح: دوسری روایت میں یہ ہے کہ جب اس شخص سے پوچھا گیا تیری مشک میں کیا ہے؟ اس نے کہہ دیا سرکہ، آپ نے فرمایا اے اللہ! اس کو سرکہ ہی بنا دے۔ لوگوں نے دیکھا تو وہ سرکہ ہی بن گئی تھی حالانکہ پہلے اس میں شراب تھی۔ (اصابہ)

چھت میں ایک سوراخ کھولنے کا واقعہ

عَنْ اَبِي الْجَوْزَاءِ قَالَ قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَحْطًا شَدِيْدًا فَشَكَوْا اِلٰى عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوًى اِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مَطَرًا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْاِبِلُ حَتّٰى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ. (رواه الدارمى)

ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قحط پڑنے کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا، دیکھو آپ کی قبر مبارک کے ٹھیک بالمقابل چھت میں ایک سوراخ کھولو کہ آسمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے درمیان کوئی حائل باقی نہ رہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے جا کر ایسا ہی کیا، پھر اس زور کی بارش آئی کہ جابجا گھاس کی کثرت ہوگئی، اونٹ فربہ ہوگئے اور مارے فربہی کے ان کے جسم کی چربی پھٹ پڑی اور اسی وجہ سے اس کا نام تاریخ میں عام الفتق پڑ گیا۔ (دارمی)

سمندر کا خط لیکر مکتوب الیہ تک مع اس کی امانت کے پہنچا دینے کا واقعہ

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ سَاَلَ بَعْضَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَنْ يُسْلِفَهُ اَلْفَ دِيْنَارٍ فَقَالَ ائْتِنِيْ بِالشُّهَدَاءِ اُشْهِدُهُمْ فَقَالَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا فَقَالَ فَأْتِنِيْ

بِالْكَفِيْلِ قَالَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلاً قَالَ صَدَقْتَ فَدَفَعَهَا اِلَيْهِ اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى فَخَرَجَ فِي الْبَحْرِ فَقَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ الْتَمَسَ مَرْكَبًا يَرْكَبُهَا يَقْدَمُ عَلَيْهِ لِلْاَجَلِ الَّذِيْ اَجَّلَهٗ فَلَمْ يَجِدْمَرْكَبًا فَاَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا فَاَدْخَلَ فِيْهَا اَلْفَ دِيْنَارٍ وَصَحِيْفَةً مِنْهُ اِلٰى صَاحِبِهٖ ثُمَّ زَجَّجَ مَوْضِعَهَا ثُمَّ اَتٰى بِهَا اِلَى الْبَحْرِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنِّيْ كُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلاَنًا اَلْفَ دِيْنَارٍ فَسَأَلَنِيْ كَفِيْلاً فَقُلْتُ كَفٰى بِاللّٰهِ كَفِيْلاً فَرَضِيَ بِذٰلِكَ فَسَأَلَنِيْ شَهِيْدًا فَقُلْتُ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا فَرَضِيَ بِذَالِكَ وَاِنِّيْ جَهَدْتُ اَنْ اَجِدَ مَرْكَبًا اَبْعَثُ اِلَيْهِ الَّذِيْ لَهٗ فَلَمْ اَقْدِرْ وَاِنِّيْ اَسْتَوْدَعْتُكَهَا فَرَمٰى بِهَا فِي الْبَحْرِ حَتّٰى وَلَجَتْ فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ يَلْتَمِسُ مَرْكَبًا يَخْرُجُ اِلٰى بَلَدِهٖ فَخَرَجَ الَّذِيْ كَانَ اَسْلَفَهٗ يَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْكَبًا جَاءَ بِمَالِهٖ فَاِذَا بِالْخَشَبَةِ الَّتِيْ فِيْهَا الْمَالُ فَاَخَذَهَا لِاَهْلِهٖ حَطَبًا فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِيْفَةَ ثُمَّ قَدِمَ الَّذِيْ كَانَ اَسْلَفَهٗ فَاَتٰى بِالْاَلْفِ دِيْنَارٍ قَالَ وَاللّٰهِ مَازِلْتُ جَاهِدًا فِيْ طَلَبِ مَرْكَبٍ لِاٰتِيَكَ بِمَالِكَ فَمَا وَجَدْتُ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِيْ اَتَيْتُ فِيْهِ قَالَ هَلْ كُنْتَ بَعَثْتَ اِلَيَّ شَيْئًا قَالَ اُخْبِرُكَ اَنِّيْ لَمْ اَجِدْ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِيْ جِئْتُ بِهٖ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَدّٰى عَنْكَ الَّذِيْ بَعَثْتَ فِي الْخَشَبَةِ فَانْصَرِفْ بِالْاَلْفِ دِيْنَارٍ رَاشِدًا. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا ذکر کیا کہ اس نے اپنی قوم کے ایک دوسرے آدمی سے ایک ہزار اشرفی قرض مانگی۔ اس نے کہا چند گواہ میرے پاس لاؤ جن کو میں گواہ بنا سکوں' اس نے کہا! جی بس اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں' اس نے کہا اچھا تو کوئی ضامن لاؤ' اس پر بھی اس نے کہا! جی بس اللہ کا ضامن ہونا کافی ہے۔ اس نے کہا ہاں جی ٹھیک کہتے ہو' اس کے بعد اس نے وہ رقم اسے دے دی اور شرط یہ کی کہ ایک مقررہ مدت میں ادا کردے۔ پھر وہ سمندر کے سفر پر چلا گیا اور اپنا کاروبار کیا' پھر اس نے جہاز اور کشتی کی بہت تلاش کی تاکہ اس پر سفر کر سکے اور اپنے قرض خواہ کے پاس مقررہ مدت کے اندر پہنچ جائے مگر اسے کوئی جہاز نہ مل سکا تو اس نے ایک لکڑی لی اس کے اندر ایک ہزار اشرفیاں رکھ دیں اور ایک خط اپنے دوست قرض خواہ کے نام لکھ کر اس کے اندر رکھ دیا پھر اس سوراخ کا منہ خوب بند کر دیا' پھر اسے لے کر سمندر کے کنارے پہنچا اور یوں دُعا کی کہ ''اے میرے اللہ! آپ خوب جانتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار اشرفیاں قرض لی تھیں اس نے ضامن مانگا میں نے کہا اللہ کی ضمانت کافی ہے وہ اس پر راضی ہوگیا پھر اس نے مجھ سے گواہ طلب کیا تو میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں وہ اس پر بھی راضی ہوگیا اور میں نے جہاز بہت تلاش کیا تاکہ اس کے پاس اس کی واجب رقم بھیج سکوں مگر جہاز مجھے نہ مل سکا اب میں وہ رقم آپ کو امانت دے رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا یہاں تک کہ وہ لکڑی اس میں ڈوب گئی اور وہ واپس چلا گیا اور برابر جہاز کشتی کی تلاش میں رہا تاکہ اپنے وطن کو جاسکے۔ ادھر وہ قرض خواہ سمندر کے کنارے اس انتظار میں آیا کہ شاید کوئی جہاز اس کی واجب رقم لے کر آرہا ہو' دیکھا تو وہی لکڑی جس میں اس کی اشرفیاں تھیں سامنے آئی' اس نے وہ لکڑی سمندر سے نکال لی۔ اس خیال سے کہ گھر لیجا کر جلانے کے کام میں لائے گا جب اُسے کھولا تو اس کے اندر اس نے اپنا وہ مال اور قرض دار کا خط اپنے

نام پایا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد وہ قرض دار خود بھی آ گیا اور اس کے پاس ایک ہزار اشرفی لے کر پہنچا اور کہنے لگا کہ معاف کرنا میں برابر ہی جہاز تلاش کرتا رہا تاکہ وعدے کے مطابق آپ کا مطالبہ وقت پر پہنچا سکوں مگر اب جس جہاز سے میں آیا ہوں اس سے قبل کوئی جہاز مل ہی نہ سکا۔ قرض خواہ نے پوچھا' یہ بتاؤ کیا تم نے پہلے میرے پاس کوئی چیز بھیجی تھی؟ اس نے کہا میں تم سے کہہ تو رہا ہوں کہ جس جہاز سے میں آیا ہوں اس سے قبل مجھے کوئی جہاز نہیں مل سکا تو قرض خواہ بولا کہ اچھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے وہ مطالبہ اس رقم کے ذریعے ادا کر دیا جو تم نے بھیجی تھی اب تم یہ ہزار دینار لے کر واپس جاؤ اللہ تمہیں نیکی دے۔ (بخاری)

ایک چٹان کا غار کے منہ پر سے اللہ کے حکم سے خود بخود ہٹ جانے کا واقعہ

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنْطَلَقَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ مِّمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَتّٰى اَوَاهُمُ الْمَبِيْتُ اِلٰى غَارٍ فَدَخَلُوْهُ فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَسَدَّتْ عَلَيْهِمُ الْغَارَ فَقَالُوْا اِنَّهٗ لَا يُنْجِيْكُمْ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ اِلَّا اَنْ تَدْعُوا اللّٰهَ بِصَالِحِ اَعْمَالِكُمْ قَالَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ اَللّٰهُمَّ كَانَ لِيْ اَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَكُنْتُ لَا اَغْبُقُ قَبْلَهُمَا اَهْلاً وَّلَا مَالاً فَنَأَىٰ بِيْ طَلَبُ الشَّجَرِ يَوْمًا فَلَمْ اُرِحْ عَلَيْهِمَا حَتّٰى نَامَا فَحَلَبْتُ لَهُمَا غَبُوْقَهُمَا فَوَجَدْتُّهُمَا نَائِمَيْنِ فَكَرِهْتُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا وَاَنْ اَغْبِقَ قَبْلَهُمَا اَهْلاً اَوْ مَالاً فَلَبِثْتُ وَالْقَدَحُ عَلٰى يَدَيَّ اَنْتَظِرُ اِسْتِيْقَاظَهُمَا حَتّٰى بَرَقَ الْفَجْرُ وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ فَاسْتَيْقَظَا فَشَرِبَا غَبُوْقَهُمَا اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ فَانْفَرَجَتْ شَيْئًا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ مِنْهَا.

قَالَ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ كَانَتْ لِيْ ابْنَةُ عَمٍّ كَانَتْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيَّ وَفِيْ رِوَايَةٍ كُنْتُ اُحِبُّهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ فَاَرَدْتُّهَا عَلٰى نَفْسِهَا فَامْتَنَعَتْ مِنِّيْ حَتّٰى اَلَمَّتْ بِهَا سَنَةٌ مِّنَ السِّنِيْنَ فَجَاءَتْنِيْ فَاَعْطَيْتُهَا عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ دِيْنَارٍ عَلٰى اَنْ تُخَلِّيَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ نَفْسِهَا فَفَعَلَتْ حَتّٰى اِذَا قَدَرْتُ عَلَيْهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا قَعَدْتُّ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ. اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ اِلَّا بِحَقِّهٖ فَانْصَرَفْتُ عَنْهَا وَهِيَ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَيَّ وَتَرَكْتُ الذَّهَبَ الَّذِيْ اَعْطَيْتُهَا اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَانَحْنُ فِيْهِ فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ مِنْهَا.

وَقَالَ الثَّالِثُ اَللّٰهُمَّ اسْتَاجَرْتُ اُجَرَاءَ وَاَعْطَيْتُهُمْ اَجْرَهُمْ غَيْرَ رَجُلٍ وَاحِدٍ تَرَكَ الَّذِيْ لَهٗ وَذَهَبَ فَثَمَّرْتُ اَجْرَهٗ حَتّٰى كَثُرَتْ مِنْهُ الْاَمْوَالُ فَجَاءَنِيْ بَعْدَ حِيْنٍ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَدِّ اِلَيَّ اَجْرِيْ فَقُلْتُ كُلُّ مَا تَرٰى مِنْ اَجْرِكَ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالرَّقِيْقِ. فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَسْتَهْزِئْ بِيْ فَقُلْتُ لَا اَسْتَهْزِئُ بِكَ فَاَخَذَهٗ كُلَّهٗ فَاسْتَاقَهٗ فَلَمْ يَتْرُكْ مِنْهُ شَيْئًا اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذَالِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ فَخَرَجُوْا يَمْشُوْنَ. (رواه الشيخان)

حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تم سے پہلے کی قوموں میں سے ایک بار تین آدمی ایک ساتھ سفر میں نکلے۔ ایک دن رات گزارنے کے لیے پہاڑ کی ایک کھوہ میں پناہ لی اور اس میں تینوں آدمی گھس گئے' اچانک پہاڑ کی ایک چٹان لڑھک کر آئی اور اس غار کے منہ پر ڈھک گئی جس سے اس کا منہ بند ہو گیا۔ تینوں میں گفتگو ہونے لگی کہ اس مصیبت سے تم کو اسی وقت نجات ہو سکتی ہے جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ سے اپنے نیک اعمال کا واسطہ اور وسیلہ دے کر دعا نہ مانگو۔ اس پر ان میں سے ایک نے یوں دعا کی' اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے' میری عادت تھی کہ جب تک وہ دونوں شام کو دودھ نہیں پی لیتے تھے اس وقت تک نہ میں اپنے بیوی بچوں کو دودھ پینے دیتا تھا اور نہ خود پیتا۔ ایک دن اتفاق سے مجھے جانوروں کے لیے درختوں کی پتیاں تلاش کرنے بہت دور چلا جانا پڑا' شام کو اپنے گھر اس وقت بکریوں کو لے کر پہنچا جب وہ دونوں سو چکے تھے' میں نے ان دونوں کی شام کی خوراک دودھ دوہا مگر جب میں نے ان دونوں کو سوتا پایا تو مجھے نہ ان کو جگاتے اچھا معلوم ہوا اور نہ ان سے پہلے بیوی بچوں کو دودھ پلا دینا پسند آیا۔ تو میں پیالہ ہاتھ میں لیے ان کے جاگنے کے انتظار میں کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور میرے بچے میرے پیروں میں پڑے روتے رہے اور تلملاتے رہے۔ جب وہ دونوں جاگے تو انہوں نے اپنا شام کے حصہ کا دودھ پی لیا۔ اے میرے اللہ! اگر میں نے یہ کام آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہو تو اس چٹان کی مصیبت سے جس میں ہم لوگ اس وقت پھنسے ہیں ہم کو نجات دید یجئے تو وہ پتھر ذرا سا کھسکا مگر یہ لوگ اس میں سے نکل نہیں سکتے تھے۔

اب دوسرے شخص نے دعا کی کہ اے میرے اللہ! میری ایک چچیری بہن تھی جس سے مجھے سب سے زیادہ محبت تھی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ مرد کو عورت سے جتنی سخت سے سخت محبت ہو سکتی ہے اتنی مجھے اس سے تھی۔ میں نے اس پر قابو حاصل کرنا چاہا مگر وہ میرے قبضہ میں نہ آسکی۔ یہاں تک کہ ایک بار اُسے قحط اور خشک سالی کی تکلیف ہوئی' وہ میرے پاس مدد مانگنے آئی' میں نے اسے ایک سو بیس اشرفیاں اس وعدہ پر دیں کہ وہ مجھے ایک بار اپنے اوپر پورا اختیار دے گی وہ راضی ہو گئی یہاں تک کہ جب مجھے اس پر قابو حاصل ہو گیا اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں بیٹھا تو اس نے اتنا کہا ذرا خدا سے ڈر اور مہر کو ناجائز طریقے سے مت توڑ۔ یہ سننا تھا کہ میں اس کے پاس سے ہٹ گیا حالانکہ مجھے اس سے عشق تھا۔ میں نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ میں نے اسے وہ اشرفیاں بھی معاف کر دیں جو اسے دی تھیں۔ اے میرے اللہ! اگر میں نے یہ کام آپ کی خوشنودی کے لیے کیا ہو تو جس قید میں ہم لوگ پھنسے ہیں اس سے ہمیں نکال دے تو پتھر تھوڑا سا اور ہٹ گیا اور وہ لوگ اب بھی اس میں نہیں نکل سکے۔

اس کے بعد تیسرے نے یہ دعا کی' اے میرے اللہ! میں نے ایک بار کئی مزدوروں سے مزدوری کرائی تھی سب کو تو میں نے ان کی مزدوریاں ادا کر دیں مگر ایک آدمی کی رہ گئی' وہ اپنی مزدوری میرے ہی پاس چھوڑ کر چلا گیا تو میں نے اس کی مزدوری کے پیسے ایک نفع بخش کام میں لگا دیئے یہاں تک کہ اس رقم سے پھر مال خوب بڑھا' کچھ عرصہ بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے بندے! میری مزدوری تو دے' میں نے کہا میاں یہ سارے اونٹ' یہ گائے' بیل' یہ بھیڑ بکریاں یہ غلام یہ سب تیری مزدوری ہی میں ہیں' یہ سن کر وہ بولا اے اللہ کے بندے! مجھ سے مذاق نہ کر' میں نے کہا میں تم

سے مذاق نہیں کرتا' یہ سن کر اس نے وہ سب مال ساتھ لیا اور سب کو ہانکتا ہوا ساتھ لے گیا اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا' اے اللہ! اگر میں نے یہ کام آپ کی ذات کا خیال کر کے کیا ہو تو جس قید میں ہم لوگ اس وقت پھنسے ہیں اس سے ہمیں نجات دیجئے۔ اس پر وہ چٹان پوری ہٹ گئی اور وہ لوگ اس میں سے نکل کر اپنی راہ چلے گئے۔ (بخاری، مسلم)

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے ایک نیک بندے کے باغ پر بادلوں کا برسنا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَا رَجُلٌ یَمْشِیْ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِیْ سَحَابَةٍ. اِسْقِ حَدِیْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰی ذَالِکَ السَّحَابُ فَاَفْرَغَ مَاءَهٗ فِیْ حَرَّةٍ فَاِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْکَ الشِّرَاجِ قَدِاسْتَوْعَبَتْ ذَالِکَ الْمَاءَ کُلَّهٗ فَتَتَبَّعَ الْمَاءُ فَاِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِیْ حَدِیْقَتِهٖ یُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهٖ فَقَالَ لَهٗ: یَاعَبْدَاللّٰهِ مَااسْمُکَ؟ قَالَ فُلَانٌ لِلْاِسْمِ الَّذِیْ سَمِعَ فِی السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهٗ یَا عَبْدَ اللّٰهِ لِمَ تَسْئَلُنِیْ عَنِ اسْمِیْ؟ فَقَالَ: اِنِّیْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِی السَّحَابِ الَّذِیْ هٰذَا مَاءُهٗ یَقُوْلُ: اِسْقِ حَدِیْقَةَ فُلَانٍ لِاِسْمِکَ فَمَا تَصْنَعُ فِیْهَا فَقَالَ اَمَّا اِذَا قُلْتَ هٰذَا فَاِنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مَا یَخْرُجُ مِنْهَا فَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَاٰکُلُ اَنَا وَ عَیَالِیْ ثُلُثًا وَاَرُدُّ فِیْهَا ثُلُثَهٗ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کسی جگہ چٹیل میدان میں سفر کر رہا تھا کہ اس نے ایک بدلی میں سے یہ آواز سنی کہ چل فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر۔ اس پر وہ بدلی ایک طرف کو چلی (یہ مسافر بھی تحقیق کرنے اسی طرف چلا) اور اس نے اپنا مینھ ایک پتھریلی زمین پر برسا کر ڈال دیا تو وہاں کی پتھریلی نالیوں میں سے ایک نالی نے اس تمام پانی کو سمیٹ لیا۔ یہ شخص اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ دیکھا تو ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا ہوا اپنے پھاوڑے سے پانی اِدھر اُدھر پھیر رہا ہے۔ اس مسافر نے اس باغبان سے پوچھا' اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام یہ ہے اور وہی نام بتایا جو مسافر نے اس بدلی کے اندر سے سنا تھا۔ پھر اُس باغبان نے اس مسافر سے پوچھا' اے اللہ کے بندے! تم نے میرا نام کیوں پوچھا: اس نے کہا یہ پانی جس بدلی سے برسا ہے میں نے اس بدلی میں ایک آواز سنی کہ اے بدلی چل فلاں کے (تیرے ہی) باغ کو سیراب کر' تو ذرا بتلا تو کیا عمل کرتا ہے (کہ اللہ کے یہاں تیرا یہ درجہ ہے) اس نے کہا اچھا جب تم نے پوچھا ہی ہے تو سنو میں اس کی کل پیداوار کا حساب رکھتا ہوں' ایک تہائی خیرات کر دیتا ہوں اور ایک تہائی میں اور میرے بال بچے کھاتے ہیں اور ایک تہائی پھر اسی باغ میں لگا دیتا ہوں۔ (مسلم)

اللہ کے حکم سے شیر خوار بچوں کا باتیں کرنا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ یَتَکَلَّمْ فِی الْمَهْدِ اِلَّا ثَلَاثَةٌ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَصَاحِبُ جُرَیْجٍ وَکَانَ جُرَیْجٌ رَجُلًا عَابِدًا فَاتَّخَذَ صَوْمَعَةً فَکَانَ فِیْهَا فَاَتَتْهُ اُمُّهٗ وَهُوَ یُصَلِّیْ فَقَالَتْ یَا جُرَیْجُ فَقَالَ یَا رَبِّ اُمِّیْ وَصَلَاتِیْ فَاَقْبَلَ عَلٰی صَلَاتِهٖ فَانْصَرَفَتْ فَلَمَّا کَانَ مِنَ الْغَدِ اَتَتْهُ وَهُوَ یُصَلِّیْ فَقَالَتْ یَا جُرَیْجُ فَقَالَ یَا رَبِّ اُمِّیْ وَصَلَاتِیْ فَاَقْبَلَ عَلٰی صَلَاتِهٖ فَلَمَّا کَانَ

مِنَ الْغَدِ اَتَتْهُ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَقَالَتْ يَا جُرَيْجُ فَقَالَ اَيْ رَبِّ اُمِّيْ وَصَلَاتِيْ فَاَقْبَلَ عَلٰى صَلَاتِهٖ فَقَالَتْ اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰى يَنْظُرَ اِلٰى وُجُوْهِ الْمُوْمِسَاتِ فَتَذَاكَرَ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ جُرَيْجًا وَعِبَادَتَهٗ وَكَانَتِ امْرَأَةٌ بَغِيٌّ يُتَمَثَّلُ بِحُسْنِهَا فَقَالَتْ اِنْ شِئْتُمْ لَاُفْتِنَنَّهٗ فَتَعَرَّضَتْ لَهٗ فَلَمْ يَلْتَفِتْ اِلَيْهَا فَاَتَتْ رَاعِيًا كَانَ يَأْوِيْ اِلٰى صَوْمَعَتِهٖ فَاَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا فَوَقَعَ عَلَيْهَا فَحَمَلَتْ فَلَمَّا وَلَدَتْ قَالَتْ هُوَ مِنْ جُرَيْجٍ فَاَتَوْهُ فَاسْتَنْزَلُوْهُ وَهَدَمُوْا صَوْمَعَتَهٗ وَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَهٗ فَقَالَ مَاشَانُكُمْ؟ قَالُوْا زَنَيْتَ بِهٰذِهِ الْبَغِيِّ فَوَلَدَتْ مِنْكَ قَالَ اَيْنَ الصَّبِيُّ؟ فَجَاؤُوْا بِهٖ فَقَالَ دَعُوْنِيْ حَتّٰى اُصَلِّيَ فَصَلّٰى فَلَمَّا انْصَرَفَ اِلَى الصَّبِيِّ فَطَعَنَ فِيْ بَطْنِهٖ وَقَالَ يَا غُلَامُ مَنْ اَبُوْكَ قَالَ: فُلَانٌ الرَّاعِيْ فَاَقْبَلُوْا عَلٰى جُرَيْجٍ يُقَبِّلُوْنَهٗ وَيَتَمَسَّحُوْنَ بِهٖ وَقَالُوْا نَبْنِيْ لَكَ صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ لَا اَعِيْدُوْهَا مِنْ طِيْنٍ كَمَا كَانَتْ فَفَعَلُوْا وَبَيْنَا؟ صَبِيٌّ يُرْضَعُ مِنْ اُمِّهٖ فَمَرَّ رَجُلٌ رَاكِبٌ عَلٰى دَابَّةٍ فَارِهَةٍ وَشَارَةٍ حَسَنَةٍ فَقَالَتْ اُمُّهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اِبْنِيْ مِثْلَ هٰذَا فَتَرَكَ الثَّدْيَ وَاَقْبَلَ اِلَيْهِ فَنَظَرَ اِلَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَاتَجْعَلْنِيْ مِثْلَهٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلٰى ثَدْيِهَا فَجَعَلَ يَرْضَعُ فَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَحْكِيْ اِرْتِضَاعَهٗ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ فِيْ فِيْهِ فَجَعَلَ يَمُصُّهَا ثُمَّ قَالَ وَمَرُّوْا بِجَارِيَةٍ وَهُمْ يَضْرِبُوْنَهَا وَيَقُوْلُوْنَ زَنَيْتِ سَرَقْتِ وَهِيَ تَقُوْلُ: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَقَالَتْ اُمُّهٗ ' اَللّٰهُمَّ لَاتَجْعَلْ اِبْنِيْ مِثْلَهَا فَتَرَكَ الرَّضَاعَ وَنَظَرَ اِلَيْهَا فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِثْلَهَا فَهُنَالِكَ تَرَاجَعَا الْحَدِيْثَ فَقَالَتْ مَرَّ رَجُلٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اِبْنِيْ مِثْلَهٗ فَقُلْتَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ مِثْلَهٗ وَمَرُّوْا بِهٰذِهِ الْاَمَةِ وَهُمْ يَضْرِبُوْنَهَا وَيَقُوْلُوْنَ زَنَيْتِ سَرَقْتِ فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ اِبْنِيْ مِثْلَهَا فَقُلْتَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِثْلَهَا قَالَ اِنَّ ذَالِكَ الرَّجُلَ جَبَّارٌ فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ مِثْلَهٗ وَ اِنَّ هٰذِهٖ يَقُوْلُوْنَ زَنَيْتِ وَلَمْ تَزْنِ وَسَرَقْتِ وَلَمْ تَسْرِقْ فَقُلْتُ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِثْلَهَا. (رواہ الشیخان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' گود کے بچوں میں سے صرف تین ہی بچے بولے ہیں ایک تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور ایک جریج عابد والا لڑکا ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ جریج ایک عابد شخص تھا اس نے اپنی عبادت کے لیے ایک کوٹھڑی بنا رکھی تھی وہ ایک دن اسی میں عبادت کر رہا تھا کہ اس کی ماں اس کے پاس آئی اس نے پکارا اے جُریج! جریج نے خیال کیا کیا کروں اے اللہ! اِدھر خدا کی نماز کا لحاظ اُدھر ماں کا لحاظ۔ پھر نماز ہی کو ترجیح دی اور اُسی میں لگا رہا' ماں واپس چلی گئی۔ دوسرا دن ہوا تو ماں پھر اس کے پاس آئی اور وہ اس وقت بھی نماز پڑھ رہا تھا' اُس نے پکارا اے جُریج! اس نے دل میں سوچا یا اللہ کیا کروں؟ اِدھر ماں اُدھر نماز۔ پھر نماز ہی میں لگا رہا' ماں کے بلانے پر نہیں گیا۔ پھر تیسرے دن ماں آئی اور اس نے پکارا اے جُریج! اس نے دل میں سوچا اے اللہ! اِدھر ماں اُدھر نماز کیا کروں؟ پھر بھی نماز ہی کی طرف متوجہ رہ گیا۔ بس ماں نے جھنجھلا کر بددعا کی اے اللہ! اس کو اس وقت تک موت نہ آئے جب تک کہ اس کو پہلے فاحشہ عورتوں سے پالا نہ پڑے۔ اس کے بعد بنو اسرائیل میں جریج کی عبادت اور زہد وغیرہ کا شہرہ اُڑنے لگا۔ ایک بدکار عورت تھی جس کا حسن و جمال

ضرب المثل تھا۔ اس نے بنو اسرائیل سے کہا اگر تم کہو تو میں جا کر اُسے لبھاؤں' یہ کہہ کر وہ ایک دن اس کے پاس آئی۔ اس نے اس کی طرف نظر تک نہ اُٹھائی' وہ فاحشہ عورت کھسیا کر جذبہ انتقام میں بھر گئی اور ایک گڈریئے کے پاس گئی جو اُسی عبادت خانے میں سویا کرتا تھا اور اس گڈریئے کو اپنے اوپر قابو دیا اور اس کے ساتھ منہ کالا کیا' اس سے حمل ٹھہر گیا' جب اس نے بچہ جنا تو اس نے جُریج سے انتقام لینے کے لیے مشہور کیا کہ یہ لڑکا جُریج سے ہوا ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ لوگ جریج پر ٹوٹ پڑے اس کو عبادت خانے سے نیچے گھسیٹ لائے اس کا عبادت خانہ ڈھا دیا اور لگے اسے مارنے (کہ عابد بن کر حرام کاری کرتا ہے) جُریج نے پوچھا بتاؤ تم مجھے کیوں مار رہے ہو' کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا تو نے اس فاحشہ کے ساتھ زنا کیا اور اس نے تیرے نطفہ کا بچہ جنا ہے۔ جُریج نے کہا اچھا تو وہ بچہ کہاں ہے؟ لوگ وہ بچہ لے کر اس کے سامنے آئے' اس نے کہا ذرا مجھے نماز پڑھ لینے دو' اجازت ملی' اس نے نماز پڑھی' پھر وہ جریج اس بچہ کی طرف متوجہ ہوا اور اس بچہ کے پیٹ میں انگلی چھو کر بولا' اے بچے! تو سچ سچ بتا تیرا باپ کون ہے؟ تو وہ چند دنوں کا بچہ قدرت خدا سے بولا کہ فلاں گڈریا۔ یہ کرامت دیکھ کر اب وہی لوگ جُریج کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے اور اسے تبرک بنا کر چھونے لگے۔ کہنے لگے اب ہم تمہارا عبادت خانہ سونے کا بنائے دیتے ہیں۔ اس نے کہا نہیں یہ سب رہنے دو جیسا مٹی کا وہ پہلے تھا ویسا ہی بنا دو تو لوگوں نے ویسا ہی بنا دیا اور تیسرا بچہ جو گود میں بولا ہے اس کا قصہ یہ ہے' ایک مرتبہ ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں دودھ پی رہا تھا کہ سامنے سے ایک سوار عمدہ گھوڑے پر اچھے لباس اور اچھی شکل وصورت والا گزرا' ماں نے دُعا کی کہ یا اللہ! میرے بچہ کو بس اسی سوار جیسا شاندار بنانا' بچہ نے ماں کا پستان چھوڑ کر اس سوار پر نظر ڈالی اور صاف الفاظ میں کہا نہیں اے اللہ! مجھے اس سوار جیسا نہ بنانا۔ یہ کہہ کر پھر پستان چوسنے اور دودھ پینے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ قصہ سناتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی (سبابہ) جس طرح اپنے دہن مبارک میں ڈالی اور بچہ کے دودھ پینے کو بتانے کے لیے جس طرح خود اس انگلی کو چوسا وہ منظر اس وقت تک میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ قصہ سنایا کہ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ ایک لڑکی کو پکڑے ہوئے اور اُسے مارتے ہوئے سامنے سے گزرے اور کہہ رہے تھے کہ کمبخت تو نے زنا کیا اور چوری کی اور وہ بیچاری کہے جا رہی تھی کہ بس میرا سہارا اللہ ہی ہے اور وہ کیسا اچھا کام بنانے والا ہے۔ ماں نے یہ ذلت کا منظر دیکھ کر شفقت سے بچہ کے لیے دُعا کی کہ اے اللہ! میرے بچے کو اس لونڈی (لڑکی) کی طرح نہ بنانا۔ بچہ نے پھر دودھ چھوڑ کر ایک نظر اس لڑکی پر ڈالی اور صاف صاف کہا کہ اے اللہ! مجھے اسی جیسا بنایئے گا۔ اس پر ماں بیٹوں میں تکرار و حجت ہونے لگی' ماں بولی جب ایک آدمی اچھی حالت میں گزرا تو میں نے تیرے لیے دُعا کی کہ یا اللہ! میرے بچے کو ایسا شاندار بنانا تو اس پر تو تو یوں کہنے لگا کہ نہیں یا اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا اور اب جو لوگ ایک لڑکی کو ذلت کے ساتھ پکڑے مارتے ہوئے لے جا رہے ہیں اور میں نے یہ دُعا کی کہ یا اللہ! میرے بچہ کو ایسا نہ بنانا تو تو یوں کہنے لگا کہ اے اللہ! مجھے ایسا ہی بنانا یہ کیا بے عقلی ہے؟ تب وہ بچہ پھر بولا' سنو بات یہ ہے کہ وہ آدمی بڑا ظالم جابر تھا تو میں نے کہا اے خدا! مجھے اس کی طرح ظالم جابر نہ

بنائیے گا اور بیچاری یہ لڑکی! لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے زنا بھی کیا ہے تو نے چوری بھی کی ہے مگر نہ اس بیچاری نے چوری کی ہے نہ زنا کیا ہے تو میں نے کہا اے اللہ! مجھے ایسا ہی مظلوم بے گناہ بنائیے گا۔ (بخاری مسلم)

سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بد دُعا اور اس کا قبول ہونا

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ شَكَا اَهْلُ الْكُوْفَةِ سَعْدًا يَعْنِىْ بْنَ اَبِىْ وَقَّاصٍ اِلٰى عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا فَشَكَوْا حَتّٰى ذَكَرُوْا اَنَّهٗ لَا يُحْسِنُ يُصَلِّىْ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَقَالَ يَا اَبَا اِسْحَاقَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ يَزْعُمُوْنَ اَنَّكَ لَا تُحْسِنُ تُصَلِّىْ فَقَالَ اَمَّا اَنَا فَوَاللّٰهِ اِنِّىْ كُنْتُ اُصَلِّىْ بِهِمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَخْرِمُ عَنْهَا اُصَلِّىْ صَلَاتَىِ الْعِشَاءِ فَاَرْكُدُ فِى الْاُوْلَيَيْنِ وَاُخِفُّ فِى الْاُخْرَيَيْنِ قَالَ ذَالِكَ الظَّنُّ بِكَ يَا اَبَا اِسْحٰقَ وَاَرْسَلَ مَعَهٗ رَجُلاً اَوْ رِجَالًا اِلَى الْكُوْفَةِ يَسْئَلُ عَنْهُ اَهْلَ الْكُوْفَةِ فَلَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا اِلَّا سَاَلَ عَنْهُ وَيُثْنُوْنَ مَعْرُوْفًا حَتّٰى دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِىْ عَبْسٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ يُقَالُ لَهٗ اُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ يُكْنٰى اَبَا سَعْدَةَ فَقَالَ اَمَّا اِذَا نَشَدْتَنَا فَاِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيْرُ بِالسَّرِيَّةِ وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يَعْدِلُ فِى الْقَضِيَّةِ قَالَ سَعْدٌ اَنَا وَاللّٰهِ لَاَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ عَبْدُكَ هٰذَا كَاذِبًا قَامَ رِيَاءً وَسُمْعَةً فَاَطِلْ عُمْرَهٗ وَاَطِلْ فَقْرَهٗ وَعَرِّضْهُ لِلْفِتَنِ وَكَانَ بَعْدَ ذَالِكَ اِذَا سُئِلَ يَقُوْلُ شَيْخٌ كَبِيْرٌ مَفْتُوْنٌ اَصَابَتْنِىْ دَعْوَةُ سَعْدٍ قَالَ عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرِ نِ الرَّاوِىُ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ فَاَنَا رَاَيْتُهٗ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلٰى عَيْنَيْهِ وَاِنَّهٗ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِىْ فِى الطُّرُقِ فَيَغْمِزُهُنَّ۔ (رواہ الشیخان)

حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ کوفہ والوں نے ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور مستجاب الدعوات عشرہ مبشرہ میں سے تھے) کی شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مدینہ بلا لیا اور ان کی جگہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں کا عامل بنا کر بھیجا۔ ان مفسدہ پردازوں نے ان کے دربار خلافت میں یہ شکایت کی تھی کہ یہ ٹھیک ٹھیک نماز نہیں پڑھاتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شکایت کی تحقیقات فرمائی اور ان کو بلا کر پوچھا کہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم! میں تو اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں جیسی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی۔ اس کے خلاف سرمو بھی نہیں کرتا' عشاء کی نماز میں پہلی دو رکعتیں ذرا ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہوں اور بقیہ دو رکعتوں میں تخفیف کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو اسحاق! مجھے بھی آپ سے ایسی ہی توقع تھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ ایک آدمی یا کئی آدمیوں کو کر دیا جو کوفہ والوں سے خود تحقیقات کریں۔ انہوں نے وہاں جا کر تحقیقات کی اور ہر ہر مسجد میں جا جا کر نمازیوں سے ان کے بارے میں سوالات کیے' سب نے ان کی نیکی کی تعریف ہی کی یہاں تک کہ وہ تحقیقاتی وفد محلّہ بنی عیسیٰ کی مسجد میں پہنچا تو وہاں ایک شخص اسامہ بن قتادہ جس کی کنیت ابو سعدہ تھی وہ بولا' اچھا جب آپ نے پوچھا ہی ہے تو سنئے کہ حضرت سعد تو نہ کسی فوج کے ساتھ جاتے تھے اور نہ انصاف سے مال

برابر تقسیم کرتے تھے اور مقدمات میں انصاف بھی نہیں کرتے تھے یہ جھوٹے الزامات سن کر حضرت سعد نے غصہ میں فرمایا' اچھا تو میں بھی اب تین بددعائیں کرتا ہوں' اے اللہ! اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے اور اس وقت میرے خلاف صرف دکھانے سنانے شہرت کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کردے اس کی تنگدستی بڑھادے اور اسے فتنوں میں پھنسادے۔ پھر اس کا یہ حال ہوا کہ وہ یہ کہتا پھرتا تھا میں ایک بوڑھا آدمی ہوں مصیبت اور فتنوں میں پھنس گیا ہوں مجھے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بددعا لگ گئی ہے۔ عبدالملک بن عمیر راوی حضرت جابر بن سمرہ سے روایت کرتے ہیں کہ مدتوں بعد میں نے اسے دیکھا کہ اس کی دونوں آبروئیں دونوں آنکھوں پر آپڑی تھیں اور وہ راستہ چلتی لڑکیوں کے سامنے آتا انہیں گھورتا اور انہیں آنکھیں مارتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دُعا فرمانا

قَالَ هِشَامٌ فَاَخْبَرَنِیْ اَبِیْ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ سَعْدًا قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیَّ اَنْ اُجَاهِدَهُمْ فِيْکَ مِنْ قَوْمٍ کَذَّبُوْا رَسُوْلَکَ وَاَخْرَجُوْهُ اَللّٰهُمَّ فَاِنِّیْ اَظُنُّ اَنَّکَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَاِنْ کَانَ بَقِیَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَیْءٌ فَاَبْقِنِیْ لَهُمْ حَتّٰی اُجَاهِدَهُمْ فِيْکَ وَاِنْ کُنْتَ وَضَعْتَ الْحَرْبَ فافجرها وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِيْهَا فَانْفَجَرَتْ مِنْ لَبَّتِهٖ فَلَمْ يَرُعْهُمْ وَفِی الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِیْ غِفَارٍ اِلَّا الدَّمُ يَسِيْلُ اِلَيْهِمْ فَقَالُوْا يَا اَهْلَ الْخَيْمَةِ مَا هٰذَا الَّذِیْ يَأْتِيْنَا مِنْ قِبَلِکُمْ فَاِذَا سَعْدٌ يغذو جرحه دَمًا فَمَاتَ مِنْهَا. (رواه البخاری)

ہشام کہتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے بذریعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مجھ کو یہ اطلاع دی ہے کہ سعد نے (جو بنی قریظہ کے معاملہ میں حکم مقرر ہوئے تھے) یہ دُعا مانگی کہ الٰہی! تو خوب دانا و بینا ہے کہ مجھ کو اس قوم کے ساتھ جہاد کرنے سے زیادہ کوئی اور شے محبوب نہیں جنھوں نے تیرے رسول کی تکذیب کی اور اس ذات اقدس کو اپنے وطن سے نکالا تھا۔ الٰہی! میرا گمان یہ ہے کہ تو نے ان کے اور ہمارے درمیان جنگ ختم کردی ہے اب اگر قریش کے ساتھ کسی جنگ کا آئندہ امکان باقی ہو تب تو مجھ کو ان کے ساتھ جنگ کے لیے اور زندہ رکھ اور اگر یہ جنگ ختم ہو چکی ہو تو میرا زخم از سر نو ہرا کردے اور اسی میں میری موت آجائے۔ یہ کہنا تھا (کہ تقدیر الٰہی میں چونکہ جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور آئندہ قریش مدینہ پر چڑھ کر آنے کی ہمت ہار چکے تھے) اس لیے ان کا زخم پھٹ گیا اور اس سے خون بہہ نکلا اور اس زور سے بہا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گھبراہٹ سب سے پہلے اسی خون سے ہوئی جو بہہ کر ان کی طرف آیا۔ اس وقت یہ مسجد کے ایک خیمہ میں تھے جو بنی غفار کا تھا تو سب لوگ چیخ اُٹھے اے خیمہ والو! یہ کیا ہے جو تمہاری طرف سے بہہ بہہ کر ہمارے پاس آرہا تھا' دیکھا تو پھر سعد کا زخم تازہ ہو کر خون بہہ رہا تھا۔ آخر اسی میں ان کی شہادت ہوگئی۔ (بخاری شریف)

اروی بنت اوس کیلئے سعید بن زید کا بددعا کرنا

عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ خَاصَمَتْهُ اَرْوٰی بِنْتُ اَوْسٍ اِلٰی مَرْوَانَ بْنِ الْحَکَمِ وَادَّعَتْ اَنَّهٗ اَخَذَ شَيْئًا مِّنْ اَرْضِهَا فَقَالَ سَعِيْدٌ اَنَا کُنْتُ اٰخُذُ مِنْ اَرْضِهَا شَيْئًا

بَعْدَ الَّذِیْ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهٗ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ فَقَالَ لَهٗ مَرْوَانُ لَااَسْئَلُکَ بَيِّنَةً بَعْدَ هٰذَا فَقَالَ سَعِيْدٌ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَاَعْمِ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِیْ اَرْضِهَا قَالَ فَمَا مَاتَتْ حَتّٰى ذَهَبَ بَصَرُهَا وَبَيْنَمَا هِیَ تَمْشِیْ فِیْ اَرْضِهَا اِذْ وَقَعَتْ فِیْ حُفْرَةٍ فَمَاتَتْ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وفی روایة لمسلم عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِمَعْنَاهُ وَاَنَّهٗ رَاٰهَا عَمْيَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ تَقُوْلُ اَصَابَتْنِیْ دَعْوَةُ سَعِيْدٍ وَاَنَّهَا مَرَّتْ عَلٰى بِئْرٍ فِی الدَّارِ الَّتِیْ خَاصَمَتْهُ فِيْهَا فَوَقَعَتْ فِيْهَا فَكَانَتْ قَبْرَهَا.

حضرت عروۃ بن الزبیر کہتے ہیں کہ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے اروی بنت اوس کا جھگڑا ہوا اور وہ مروان بن الحکم کے پاس مقدمہ لے گئیں۔ دعویٰ یہ تھا کہ سعید بن زید نے اروی کی کچھ زمین دبالی ہے۔ سعید کہنے لگے بھلا میں ان کی کچھ زمین داب لوں گا؟ درآنحالیکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سن چکا ہوں۔ مروان نے پوچھا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کی ایک بالشت بھر زمین بھی زبردستی داب لے گا تو قیامت میں ساتوں طبق زمین کے اتنے حصہ کا طوق اس کی گردن میں پہنایا جائے گا۔ مروان نے یہ حدیث سن کر کہا اب میں آپ سے اس مقدمہ میں کوئی اور شہادت طلب نہیں کروں گا۔ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بددعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کی آنکھیں پٹ کردے اور اسے اسی کی زمین میں ہی موت دے۔ راوی کہتا ہے کہ جب تک وہ اندھی نہیں ہولی اسے موت نہیں آئی۔ دوسری بددعا یوں پوری ہوئی کہ وہ اپنی اسی زمین میں ایک دن چلی جا رہی تھی بس ایک گڑھے میں جا گری اور مرگئی۔ (بخاری مسلم)

مسلم کی محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر والی روایت میں بھی یہی مضمون ہے اور یہ بھی ہے کہ انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ اندھی ہو چکی تھی، لوگوں سے پیسے کوڑی مانگتی پھرتی تھی اور کہتی تھی مجھے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بددعا لگ گئی ہے اور جس زمین کے بارے میں اس نے حضرت سعید پر مقدمہ قائم کیا تھا اسی میں ایک کنوئیں کے پاس سے گزر رہی تھی کہ اچانک اس میں گر پڑی اور وہی کنواں اس کی قبر بن گیا۔

سفینہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شیر سے آمنا سامنا

عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ اَنَّ سَفِيْنَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْطَاَ الْجَيْشَ بِاَرْضِ الرُّوْمِ اَوْ اُسِرَ فَانْطَلَقَ هَارِبًا يَّلْتَمِسُ الْجَيْشَ فَاِذَا هُوَ بِالْاَسَدِ فَقَالَ يَا اَبَا الْحٰرِثِ اَنَا مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ اَمْرِیْ كَيْتَ وَكَيْتَ فَاَقْبَلَ الْاَسَدُ لَهٗ بَصْبَصَةٌ حَتّٰى قَامَ اِلٰى جَنْبِهٖ كُلَّمَا سَمِعَ صَوْتًا اَهْوٰى اِلَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ يَمْشِیْ اِلٰى جَنْبِهٖ حَتّٰى بَلَغَ الْجَيْشَ ثُمَّ رَجَعَ الْاَسَدُ. (رواہ فی شرح السنة)

ابن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ روم کے ملک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج سے کٹ گئے یا شاید قید ہوگئے وہ بھاگ کر اِدھر اُدھر فوج کی تلاش کر رہے تھے کہ اچانک شیر سے اُن کا آمنا سامنا ہوگیا

تو سفینہ نے کہا اے شیر! میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں مجھے تو یہ یہ صورتیں پیش آ گئیں اس پر شیر اور آگے بڑھا اور وہ کچھ منمنا رہا تھا یہاں تک کہ وہ شیر سفینہ کے بغل میں آ کر کھڑا ہو گیا جب وہ کسی طرف سے کوئی آواز سنتا تو اس کی طرف رُخ کرتا پھر واپس آ کر ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگتا یہاں تک کہ حضرت سفینہ نے اپنی فوج پالی' پھر وہ شیر بھی واپس چلا گیا۔ (شرح السنہ)

عَنْ سَفِيْنَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَكِبْنَا الْبَحْرَ فِيْ سَفِيْنَةٍ فَانْكَسَرَتِ السَّفِيْنَةُ فَرَكِبْتُ لَوْحًا مِّنْ اَلْوَاحِهَا فَطَرَحَنِيْ فِيْ اَجَمَةٍ فِيْهَا اَسَدٌ فَلَمْ يَرُعْنِيْ اِلَّا بِهٖ فَقُلْتُ يَا اَبَا الْحَارِثِ اَنَا مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَأْطَأَ رَأْسَهٗ وَغَمَزَ بِمَنْكِبِهٖ شِقِّيْ فَمَا زَالَ يَغْمِزُنِيْ وَيَهْدِيْنِيْ الطَّرِيْقَ حَتّٰى وَضَعَنِيْ عَلَى الطَّرِيْقِ فَلَمَّا وَضَعَنِيْ عَلَى الطَّرِيْقِ هَمْهَمَ فَظَنَنْتُ اَنَّهٗ يُوَدِّعُنِيْ. (رواه الحاكم)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ سمندر کے سفر میں ایک کشتی میں بیٹھے۔ اتفاق سے وہ کشتی ٹوٹ گئی اور میں اس کشتی کے ایک تختہ پر بیٹھ گیا' اس تختہ نے مجھ کو لیجا کر خشکی کی ایک جھاڑی کے قریب ڈال دیا جس میں شیر بھی تھا اسے دیکھ کر تو مجھے خوف آنے لگا' مگر میں نے شیر سے کہا اے ابوالحارث! میں سفینہ ہوں سفینہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم۔ یہ سن کر اس نے اپنا سر جھکا دیا اور اس نے آگے بڑھتے ہوئے اپنا کندھا ہلایا' گویا وہ مجھے راستہ دکھا رہا تھا یہاں تک کہ اس نے مجھے راستہ پر پہنچا دیا۔ جب وہ مجھے راستے تک پہنچا چکا تو وہ ایک بار گرجا تو میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے رخصت کر رہا ہے۔ (حاکم)

بعض شہداء کا آسمان پر اُٹھالیا جانا

عَنْ عُرْوَةَ قَالَ لَمَّا قُتِلَ الَّذِيْنَ بِبِئْرِ مَعُوْنَةَ وَأُسِرَ عَمْرُو بْنُ اُمَيَّةَ الضَّمْرِيُّ قَالَ لَهٗ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ مَنْ هٰذَا فَاَشَارَ اِلٰى قَتِيْلٍ فَقَالَ لَهٗ عَمْرُو بْنُ اُمَيَّةَ هٰذَا عَامِرُ ابْنُ فُهَيْرَةَ فَقَالَ لَقَدْ رَأَيْتُهٗ بَعْدَ مَا قُتِلَ رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى اَنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلَى السَّمَاءِ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْاَرْضِ ثُمَّ وُضِعَ الخ وفی ص ۵۸۴ من البخاری قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عَبْدِ اللّٰهِ اَبِيْ جَابِرٍؓ لَا تُبْكِيْهِ اَوْ مَا تُبْكِيْهِ مَازَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهٗ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رُفِعَ.

عروۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیر معونہ کے واقعہ میں نقل کرتے ہیں کہ جب اس میں شہادت کا بازار گرم ہوا تو عامر ابن الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شہید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ اس پر عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ یہ عامر بن فہیرہ ہیں انہوں نے کہا میں نے اس لیے دریافت کیا تھا کہ شہادت کے بعد میں نے بچشم خود معائنہ کیا کہ ان کا جثہ مبارک آسمان کی طرف اتنی دیر تک اُٹھایا گیا کہ وہ زمین و آسمان کے درمیان مجھ کو نظر آتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ زمین پر لا کر رکھ دیا گیا۔ اسی قسم کا واقعہ جو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کے متعلق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان پر گریہ وزاری نہ کرو' فرشتے اپنے بازوؤں کا ان پر اس وقت تک سایہ کیے رہے یہاں تک کہ وہ آسمان پر اُٹھائے گئے۔

تشریح: ان دونوں واقعات میں آسمان پر اُٹھائے جانے کی تصریح جو بچشم خود دیکھنے والا ہے وہ ان کو ایک کرامت کے طور پر نقل کرتا ہے اب آپ کا دل جو چاہے ان کی تاویلات کرتا پھرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کا سوال تو اب جدید واقعات

کے سامنے لغو ثابت ہو چکا ہے اور عنقریب ان کے نزول کے بعد تو ختم ہی ہو جانے والا ہے۔ وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ۔ زیادہ کیا لکھا جائے۔ مسلمانوں کا ایمان و اسلام کا نوحہ کس سے کیا جائے جو قوم معجزات و کرامات کی تاریخ کبھی اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا کرتی تھی اب وہی اس میں شبہات نکالتی نظر آ رہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت حرامؓ اور انکے نیزہ لگنے کے بعد ان کا قول

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ سَمِعَهُ يَقُوْلُ لَمَا طُعِنَ حِرَامُ بْنُ مِلْحَانَ وَكَانَ خَالُهُ يَوْمَ بِئْرِمَعُوْنَةَ قَالَ بِالدَّمِ هٰكَذَا فَنَضَحَهُ عَلٰى وَجْهِهٖ وَرَأْسِهٖ ثُمَّ قَالَ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ. (رواہ البخاری)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے میں نے خود سنا ہے کہ بئر معونہ کے غزوہ میں حرام کے جو رشتہ میں ان کے خالو لگتے تھے جب نیزہ لگ کر پار ہو گیا تو انہوں نے خارج شدہ خون لے کر اپنے منہ اور سر پر مل کر (ایک ہیئت محمودہ کے باقی رکھنے کے لیے) فرمایا رب کعبہ کی قسم! میرا کام تو بن گیا۔ (رواہ البخاری)

تشریح: ذرا اس کرامت پر بھی نظر ڈال لیجئے کہ وہ قلب کتنے پاکیزہ ہوں گے جو راہِ خدا میں زخم کھا کر مزے لے لے کر بقول الہٰ آبادی فرما رہے ہوں:

وہ کم ہیں تڑپنے میں جنہیں آتی ہو لذت یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں

یہاں دیکھئے وہ خون جس پر ناپاکی کا حکم لگایا جا سکتا ہے "حرام" کس مزے سے اس کو اپنے منہ اور سر پر مل کر کیا فرماتے جاتے ہیں اور مرتے مرتے وہ کلمہ فرماتے ہیں جو ان جیسے ہوش مند کے منہ سے ہی نکل سکتا ہے۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے کام راہِ خدا میں زخم کھا کر بنا کرتے تھے۔ کسی کرامت کے مقابل اس کرامت کو رکھا جا سکتا ہے مگر وہ نظریں کم ہیں جو ان کرامتوں کی طرف اُٹھتی ہوں۔ اس کرامت کی قدر وہی کر سکتے ہیں جو حب الٰہی کا کچھ نشہ رکھتے ہوں۔ آن کہ چشد داند

غزوۂ احد میں ابو طلحہ پر نیند طاری ہو جانے کا واقعہ

عَنْ اَبِىْ طَلْحَةَ قَالَ كُنْتُ فِيْمَنْ تَغَشَّاهُ النُّعَاسُ يَوْمَ اُحُدٍ حَتّٰى سَقَطَ سَيْفِىْ مِنْ يَدِىْ مِرَارًا يَسْقُطُ وَاٰخُذُهٗ وَيَسْقُطُ وَاٰخُذُهٗ. (رواہ البخاری ص ۵۸۲)

ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد میں جن لوگوں پر نیند طاری ہوئی ان میں سے ایک میں بھی تھا حالت یہ تھی کہ میرے ہاتھ سے تلوار بھی گری جاتی تھی وہ گرتی اور میں اس کو اُٹھاتا اور پھر گرتی اور میں پھر اس کو اُٹھاتا۔ (بخاری شریف)

تشریح: عین جنگ کے حال میں نیند کا آنا بھی ایک کرشمۂ قدرت تھا جس کا تذکرہ قرآن کریم میں فرمایا اور یہاں ایک جلیل القدر صحابی صرف اس اعجاز کی تصدیق کے لیے نہیں بلکہ کرامت کے طور پر اس کو ذکر کر رہا ہے کہ میں بھی ان خوش نصیبوں میں سے ایک تھا جن کے ساتھ یہ عجیب واقعہ پیش آیا ورنہ جنگ اور وہ بھی ہزیمت کی جنگ میں کبھی نیند آ سکتی ہے مگر نیند کے مارے میرا حال یہ تھا کہ میرے ہاتھوں سے میری تلوار تک چھوٹ کر گر گر پڑتی تھی۔

جن اور شیاطین سے حفاظت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ وَكَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ وَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ دَعْنِیْ فَاِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَعَلَیَّ عِيَالٌ وَلِیْ حَاجَةٌ شَدِيْدَةٌ قَالَ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَكٰى حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالاً فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ قَالَ فَاِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهٗ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَدَعْنِیْ فَاِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَعَلَیَّ عِيَالٌ وَاِنِّیْ لَا اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَكٰى حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالاً فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ قَالَ اَمَا قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهُ الثَّالِثَةَ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اٰخِرُ ثَلٰثِ مَرَّاتٍ اِنَّكَ تَزْعَمُ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ قَالَ دَعْنِیْ اُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا قُلْتُ مَاهُوَ قَالَ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ اٰيَةَ الْكُرْسِیِّ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ حَتّٰى تَخْتِمَ الْاٰيَةَ فَاِنَّكَ لَا يَزَالُ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرُبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَافَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) زَعَمَ اَنَّهٗ يُعَلِّمُنِیْ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِی اللّٰهُ بِهٖ فَخَلَّيْتَ سَبِيْلَهٗ قَالَ مَاهِیَ قَالَ قَالَ لِیْ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ اٰيَةَ الْكُرْسِیِّ مِنْ اَوَّلِهَا حَتّٰى تَخْتِمَ الْاٰيَةَ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَقَالَ لِیْ لَنْ يَّزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَّلَا يَقْرُبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ وَكَانُوْا اَحْرَصَ شَیْءٍ عَلَى الْخَيْرِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اَنَّهٗ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُذْ ثَلٰثِ لِيَالٍ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ لَا قَالَ ذَاكَ شَيْطَانٌ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ رمضان کے مال کی نگرانی کرنے پر میری تعیناتی فرمادی، میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نے آ کر اپنے لپ بھر بھر کر اس مال میں سے چرانا شروع کیا، میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا تا کہ اس چوری کی سزا ملے، اس پر وہ (خوشامدانہ طریق پر) کہنے لگا کہ میں بہت محتاج یعنی مستحق زکوٰۃ آدمی ہوں اور بال بچے دار ہوں۔ مجھے اس پر رحم آ گیا اور اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال کیا کہو ابو ہریرہ! وہ شب والا تمہارا قیدی کیا ہوا؟ میں نے

جو بات تھی عرض کردی کہ اس نے اپنی حاجت اور بچوں کا ذکر کیا تو میں نے رحم کھا کر اس کو چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے جھوٹ بولا اور وہ پھر آئے گا۔ میں نے یقین کرلیا کہ آج وہ ضرور پھر آئے گا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما چکے تھے کہ وہ پھر آئے گا۔ چنانچہ میں نے اس کی آمد کا انتظار کیا تو جیسا فرمان ہوا تھا وہ آیا پھر وہی حرکت شروع کردی۔ میں نے پھر اس کو پکڑ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیشی کے لیے کہا اس نے پھر وہی اپنی حاجت مندی اور بچوں کی شکایت کی آخر مجھ کو پھر رحم آ گیا اور میں نے پھر اس کو رہا کردیا۔ صبح کو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہو ابو ہریرہ وہ رات والا قیدی کدھر گیا؟ میں نے جو بات تھی وہ عرض کردی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے اپنی بڑی ضرورت اور عیالداری کا اظہار کیا۔ میں نے رحم کھا کر اس کو پھر رہا کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پھر آئے گا اور اس نے جو کہا جھوٹ بکا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد وہ ضرور آئے گا۔ چنانچہ تیسری بار میں نے اس کا پھر انتظار کیا، اس نے آ کر پھر وہی حسب معمول حرکت شروع کردی، میں نے پھر اس کو گرفتار کرلیا اور کہا کہ اب تین بار ہو چکا اب میں تجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضرور پیش کر کے رہوں گا تو ہر بار نہ آنے کا وعدہ کرلیتا ہے اور پھر آ جاتا ہے۔ وہ بولا اب تو مجھے معاف کردو اور میں تم کو چند کلمات بتاتا ہوں جو تم کو نفع بخش ہوں گے، میں نے کہا بتاؤ۔ اس نے کہا بستر پر لیٹتے وقت آیت الکرسی شروع سے آخر تک پڑھ لیا کر۔ اللّٰہ لاالٰہ اِلاَّ ھو الحی القیوم الخ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبح تک ایک فرشتہ تم پر نگراں مقرر رہے گا اور تمہارے پاس شیطان نہ پھٹک سکے گا۔ اس پر میں نے اس کو رہا کردیا۔ صبح کو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت حال دریافت کی، میں نے عرض کی کہ وہ بڑی معذرت کے بعد یہ کہنے لگا مجھے چھوڑ دو تو میں تم کو چند کلمات ایسے بتاؤں گا جو تم کو نفع دیں، میں نے وہ کلمات اس سے پوچھے تو اس نے سوتے وقت آیت الکرسی پڑھنے کے لیے بتایا اور یہ کہا کہ اس کے اثر سے صبح تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر ایک فرشتہ نگراں رہے گا اور کوئی شیطان تمہارے پاس نہ پھٹک سکے گا۔ اس زمانے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ایسی اچھی اچھی باتوں کی بڑی حرص رہا کرتی تھی اس لیے میں نے یہ سن کر اس کو رہا کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے بالکل سچ کہا مگر ہے وہ سخت جھوٹا، اس کے بعد فرمایا، ابو ہریرہؓ! جانتے بھی ہو تین راتوں سے یہ باتیں کس کے ساتھ کر رہے ہو؟ میں نے عرض کی جی نہیں، فرمایا کہ دراصل یہ شیطان تھا۔ (رواہ البخاری)

تشریح: عالم روحانیات کے عجائبات ہیں یہاں جنات انسانی شکل میں متشکل ہو کر آیا اور اس کی گرفتاری اور چوری کا واقعہ بھی ثابت ہوا۔ خواہ اس میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانیت کا دخل ہو یا اس شیطان کے ضعف کا مگر اس ایک واقعہ کو پڑھنے والے یہ اندازہ کرلیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں واقعات کی نوعیت کیا تھی اور آپ کی نبوت کا اثر شیاطین پر کیا تھا اور آیت الکرسی کا اثر اس وقت کیا تھا اور اب کیا ہے اور کیوں؟ اور آیت الکرسی کے خصائص کہاں سے معلوم ہوئے۔ ان سب کے علاوہ دنیوی انتظام پھر اس میں افسر متعلقہ کا اختیار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع اس پر آپ کا اس کے عدد پر تین دن تک مطلع فرماتے رہنا مگر مستحق زکوٰۃ کو نہ روکنا اور تین بار کا خاص عدد ملحوظ رکھنا اور تیسری بار کسی عذر کی سماعت نہ کرنا، یہ اور اس کے علاوہ بعض عمیق دقائق اور ہیں جو اس وقت قابل اشارہ بھی نہیں۔

حضرت خبیب اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہم کی شہادت کا واقعہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَرِیَّةً عَیْنًا وَاَمَّرَ عَلَیْهِمْ عَاصِمَ بْنَ ثَابِتٍ وَهُوَ جَدُّ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰى اِذَا كَانَ بَیْنَ عُسْفَانَ وَمَكَّةَ ذُكِرُوا لِحَیٍّ مِنْ هُذَیْلٍ یُقَالُ لَهُمْ بَنُوْ لِحْیَانَ فَتَبِعُوْهُمْ بِقَرِیْبٍ مِنْ مِائَةِ رَامٍ فَاقْتَفَوْا اٰثَارَهُمْ حَتّٰى اَتَوْا مَنْزِلاً نَزَلُوْهُ فَوَجَدُوْا فِیْهِ نَوٰی تَمْرٍ تَزَوَّدُوْهُ مِنَ الْمَدِیْنَةِ فَقَالُوْا هٰذَا تَمْرُ یَثْرِبَ فَتَبِعُوْا اٰثَارَهُمْ حَتّٰى لَحِقُوْهُمْ فَلَمَّا انْتَهٰى عَاصِمٌ وَ اَصْحَابُهٗ لَجَئُوْا اِلٰى فَدْفَدٍ وَجَاءَ الْقَوْمُ فَاَحَاطُوْابِهِمْ فَقَالُوْا لَكُمُ الْعَهْدُ وَالْمِیْثَاقُ اِنْ نَزَلْتُمْ اِلَیْنَا اَلَّا نَقْتُلَ مِنْكُمْ رَجُلاً فَقَالَ عَاصِمٌ اَمَّا اَنَا فَلَا اَنْزِلُ فِیْ ذِمَّةِ كَافِرٍ. اَللّٰهُمَّ اَخْبِرْعَنَّا رَسُوْلَكَ فَقَاتَلُوْهُمْ فَرَمَوْهُمْ حَتّٰى قَتَلُوْا عَاصِمًا سَبْعَةَ نَفَرٍ بِالنَّبْلِ وَبَقِیَ خُبَیْبٌ وَزَیْدٌ وَرَجُلٌ اٰخَرُ فَاَعْطَوْهُمُ الْعَهْدَ وَالْمِیْثَاقَ فَلَمَّا اَعْطَوْهُمُ الْعَهْدَ وَالْمِیْثَاقَ نَزَلُوْا اِلَیْهِمْ فَلَمَّا اسْتَمْكَنُوْا مِنْهُمْ حَلُّوْا اَوْتَارَقِسِیِّهِمْ فَرَبَطُوْهُمْ بِهَا فَقَالَ الرَّجُلُ الثَّالِثُ الَّذِیْ مَعَهُمَا هٰذَا اَوَّلُ الْغَدْرِ فَاَبٰى اَنْ یَّصْحَبَهُمْ فَجَرَّرُوْهُ وَعَالَجُوْهُ عَلٰى اَنْ یَّصْحَبَهُمْ فَلَمْ یَفْعَلْ فَقَتَلُوْهُ وَانْطَلَقُوْا بِخُبَیْبٍ وَزَیْدٍ حَتّٰى بَاعُوْهُمَا بِمَكَّةَ فَاشْتَرٰى خُبَیْبًا بَنُوالْحٰرِثِ بْنِ عَامِرِ بْنِ نَوْفَلٍ وَكَانَ خُبَیْبٌ هُوَ قَتَلَ الْحٰرِثَ یَوْمَ بَدْرٍ فَمَكَثَ عِنْدَهُمْ اَسِیْرًا حَتّٰى اِذَا اَجْمَعُوْا قَتْلَهٗ اِسْتَعَارَ مُوْسٰى مِنْ بَعْضِ بَنَاتِ الْحَارِثِ لِیَستَحِدَّبِهَا فَاَعَارَتْهُ قَالَتْ فَغَفَلْتُ عَنْ صَبِیٍّ لِیْ فَدَرَجَ اِلَیْهِ حَتّٰى اَتَاهُ فَوَضَعَهٗ عَلٰى فَخِذِهٖ فَلَمَّا رَاَیْتُهٗ فَزِعْتُ فَزْعَةً عَرَفَ ذَاكَ مِنِّیْ وَفِیْ یَدِهِ الْمُوْسٰى فَقَالَ اَتَخْشَیْنَ اَنْ اَقْتُلَهٗ مَا كُنْتُ لِاَفْعَلَ ذَاكَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَكَانَتْ تَقُوْلُ مَا رَاَیْتُ اَسِیْرًا قَطُّ خَیْرًا مِّنْ خُبَیْبٍ لَقَدْ رَاَیْتُهٗ یَاْكُلُ مِنْ قِطْفِ عِنَبٍ وَمَا بِمَكَّةَ یَوْمَئِذٍ ثَمَرَةٌ وَاِنَّهٗ لَمُوْثَقٌ فِی الْحَدِیْدِ وَمَا كَانَ اِلَّا رِزْقٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ فَخَرَجُوْا بِهٖ مِنَ الْحَرَمِ لِیَقْتُلُوْهُ فَقَالَ دَعُوْنِیْ اُصَلِّیْ رَكْعَتَیْنِ فَرَكَعَ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَیْهِمْ فَقَالَ لَوْلَا اَنْ تَرَوْا اَنَّ مَابِیْ جَزَعٌ مِّنَ الْمَوْتِ لَزِدْتُّ فَكَانَ اَوَّلَ مَنْ سَنَّ الرَّكْعَتَیْنِ عِنْدَ الْقَتْلِ هُوَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدَدًا (وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا) وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ اَحَدًا ثُمَّ قَالَ:

فَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا ۔۔۔ عَلٰى اَیِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِیْ
وَذَالِكَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ یَّشَاءُ ۔۔۔ یُبَارِكْ عَلٰى اَوْ صَالِ شَلْوٍ مُمَزَّعِ

ثُمَّ قَامَ اِلَیْهِ عُقْبَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَتَلَهٗ وَبَعَثَتْ قُرَیْشٌ اِلٰى عَاصِمٍ لِیُؤْتَوْا بِشَیْءٍ مِنْ جَسَدِهٖ یَعْرِفُوْنَهٗ وَكَانَ عَاصِمٌ قَتَلَ عَظِیْمًا مِنْ عُظَمَائِهِمْ یَوْمَ بَدْرٍ فَبَعَثَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِثْلَ الظُّلَّةِ مِنَ الدَّبْرِ فَحَمَتْهُ مِنْ رُسُلِهِمْ فَلَمْ یَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰى شَیْءٍ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر بنا کر جاسوسی کے لیے بھیجا اور اس

پر عاصم ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا لگتے ہیں۔ لشکر کا یہ دستہ چلتے چلتے جب عسفان اور مکہ کے درمیان پہنچا تو بن لحیان کو جو ھزیل کے خاندان سے تھے ان کی خبر کی گئی انہوں نے سو آدمی تیرانداز ساتھ لے کر ان کا تعاقب کیا یہاں تک کہ جب وہ ایک منزل پر پہنچے تو وہاں اُتر کر کھجوروں کی کچھ گٹھلیاں پڑی ہوئی پائیں جو یہ لوگ مدینہ طیبہ سے اپنے راشن میں لے گئے تھے۔ بس ان کو دیکھ کر یہ لوگ تاڑ گئے کہ یہ مدینہ کی کھجوریں ہیں اور ہو نہ ہو اسی راستے سے ان کا گزر ہوا ہے۔ لہٰذا ان کے پیچھے چل دیئے یہاں تک کہ ان کو جا پکڑا۔ عاصم نے یہ دیکھ کر اپنے رفقاء کے ساتھ ایک پست زمین کی آڑ لی۔ ان لوگوں نے آ کر عاصم اور ان کے ساتھیوں کا گھیراڈال لیا اور ان کے ساتھ یہ عہد کیا کہ اگر تم کسی جھگڑے کے بغیر آج سامنے آ جاؤ تو ہم تم میں سے ایک آدمی کو بھی قتل نہ کریں گے۔ اس پر عاصم بولے میں تو کافروں کے عہد میں آنا نہیں چاہتا اور یوں دُعا کی الٰہی! اپنے رسول کو ہمارے حال کی خبر کر دے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے جنگ اور تیراندازی شروع کر دی یہاں تک کہ عاصم مع سات آدمیوں کے تیروں سے شہید ہو گئے۔ خبیب اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ایک شخص اور تھا ان تینوں نے کافروں کے عہد میں آنا قبول کر لیا۔ جب انہوں نے پورا پورا عہد کر لیا تو یہ ان کے پاس آ اُترے۔ جب کافران پر قابض ہو گئے تو انہوں نے انہی کی کمانوں کی تانتیں اُتار کر انہیں سے باندھ لیا۔ تیسرے شخص نے کہا جوان دو کے ساتھ تھا کہ یہ پہلی غداری ہے اس لیے اس نے اس بات سے صاف انکار کر دیا کہ ان کے ساتھ چلے' کافروں نے کھینچ کر اس پر زور دیا کہ ان کے ساتھ چلے مگر اس شخص نے نہ مانا اس لیے انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اب رہے خبیب اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو صرف ان دونوں کو لے کر کفار چلے اور ان کو مکہ مکرمہ کے بازار میں لا کر بیچ دیا۔ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنوالحارث بن عامر نے خرید لیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان ہی خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ بدر میں حارث کو قتل کیا تھا۔ یہ خبیبؓ بنوالحارث کے پاس قیدی بن کے رہے یہاں تک کہ جب ان لوگوں نے ان کے قتل کر ڈالنے کا پختہ مشورہ کر لیا تو خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنات حارث سے زیر ناف صاف کرنے کے لیے استرا عاریتاً مانگا۔ ایک عورت نے سادگی میں استرا لا کر ان کو دیدیا۔ وہ عورت کہتی ہے کہ اس کا ایک بچہ کہیں اس کی غفلت سے گھسٹتا گھسٹتا ان کے پاس جا پہنچا۔ انہوں نے اس کو اُٹھا کر اپنی ران کے اوپر بٹھا لیا۔ میں نے جب یہ دیکھا تو میں گھبرا گئی (کہ کہیں یہ اس کو قتل نہ کر ڈالیں) استرا تو ان کے ہاتھ میں موجود ہی تھا۔ میری یہ گھبراہٹ دیکھ کر خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' کیا تم کو میری جانب سے اس کا خطرہ ہے کہ میں اس معصوم بچے کو قتل کر دوں گا؟ ایسا جرم مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اُس عورت نے کہا کہ میں نے اس قیدی سے بڑھ کر بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ میں نے اس کو انگور کا خوشہ کھاتے ہوئے بچشم خود دیکھا ہے حالانکہ اس موسم میں انگوروں کا مکہ مکرمہ میں کہیں نام ونشان نہ تھا۔ اِدھر وہ لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے کہیں جا کر خود لا بھی نہیں سکتے تھے۔ پھر اس کے علاوہ اور صورت کیا سمجھی جا سکتی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی خود ان کو کھلاتا تھا (جیسے بے موسم پھل حضرت مریم علیہا السلام کو ملا کرتے تھے) اس کے بعد حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہوں نے حرم سے باہر نکالا تا کہ ان کو قتل کر سکیں (حرم کے اندر یہ ممکن نہ تھا) اس وقت حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اچھا مجھے دو رکعتیں نماز پڑھ لینے دو' نماز کے بعد ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا' اگر تم لوگوں کو یہ خطرہ پیدا نہ ہوتا کہ میں کہیں اپنی موت سے گھبراہٹ میں

دیر کررہا ہوں تو یہ رکعتیں اور لمبی پڑھتا۔ اس واقعہ کی بناء پر خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے وہ شخص تھے جو قتل سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کا طریقہ ڈال گئے۔ اس کے بعد یہ دُعا مانگی' الٰہی! ان غداروں کو چن چن کر مار' پھر یہ اشعار پڑھے:

(جب میں مسلمان مروں تو پھر مجھ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میری موت راہِ مولیٰ میں کس کروٹ پر آتی ہے۔ یہ بات اسی کے قبضہ قدرت میں ہے کہ اگر وہ چاہے تو پور پور شدہ ہڈیوں میں برکت عطا فرمائے)

اس کے بعد عقبہ بن الحارث نے کھڑے ہو کر حارث کے بدلے میں ان کو قتل کر دیا۔ ادھر قریش نے لوگ روانہ کیے کہ اگر ہو سکے تو وہ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر لے آئیں تا کہ وہ اس کو شناخت کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر سکیں مگر حفاظت الٰہی نے ان کا بال بھی بیکا ہونے نہ دیا۔ یہی عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ تھے جنہوں نے جنگ بدر میں ان کی بڑی بڑی شخصیتوں میں سے ایک کو قتل کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت یوں کی کہ ایک مکھیوں کا چھتہ سائبان کی طرح ان کے جسم پر مسلط کر دیا جن کی وجہ سے وہ ان کے جسم کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ (بخاری شریف)

تشریح: حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ میں کتنی کرامات بلکہ معجزہ کا ظہور ہے جن کو دیکھنے کے لیے نظرِ عبرت درکار ہے۔ (۱) جو لوگ اپنے عہد کے بڑے پابند تھے ان کافروں نے کس طرح عہد شکنی کی؟ پھر دوسرے کفار کے معاہدوں پر اعتماد کر بیٹھنا کتنی بڑی عظیم الشان غلطی ہے۔ ایک صحابی شروع سے ان کے چکموں میں نہ آسکے اور جنہوں نے اس کو ایک قابل اعتماد رسم سمجھی تھی انہوں نے ان کی بات مان کر اس کا جو خمیازہ بھگتنا تھا بھگتا۔ (۲) اب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی راست بازی اور دیانت کو ملاحظہ فرمائیے کہ فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس بچہ کو قتل کرنے کے بجائے بڑے آرام سے اپنے زانو پر بٹھالیا اور ان بزدلوں کو اطمینان دلایا کہ یہ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد اب کوئی دوسرا خبیب ہو چکا ہے محض کسی جذبہ انتقام سے کوئی بات خلاف شریعت کر سکے یہ ممکن نہیں۔ (۳) پھر یہ کتنی بڑی کرامت ہے جو اگر ان کی زبانی ادا ہوتی تو متردّدوں کو یہاں تردد کرنے کی کوئی گنجائش نکل سکتی تھی مگر یہاں تو آمادۂ قتل اس بات کی شہادت دینے پر مجبور ہیں کہ ہم نے بے موسم میوہ جات ان کو کھاتے مشاہدہ کیا اور ہمارا یقین ہے کہ اسی رب نے ان کو یہ رزق غیب سے پہنچایا تھا جس نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم میوے دیکھ کر اس سوال پر مجبور کر دیا تھا "یامریم انّی لک هذا" (۴) یہاں یہ بات قابل یادداشت ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے تذکرہ کرنے کی طرف کوئی توجہ نظر نہیں آتی۔ انہیں شوق اُٹھتا ہے تو صرف تھوڑی سی جبہ سائی کا۔ (۵) موت فطرۃً ایک دہشت کی چیز ہے مگر ایک مسلمان کو وہ اتنی پیاری ہے کہ اس کے شوق میں اس کو نمازوں کا طول دینا بھی پسند نہیں ہوتا۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہاں جبہ سائی کی سنت ان کو زیادہ پیاری تھی یا جام شہادت پینے کا شوق زیادہ پیارا تھا۔ یہ معجزہ کچھ کم ہے کیسی قوم کو کیسا بنا دیا۔ (۶) یہ اسی کے رموز ہیں وہی جانے کہ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو شہادت کا جام پلا دیا جائے اور ان کے مقدس جسم کی ایسی محیر العقول طرح نگرانی کی جائے اور دشمنوں کی آرزوئیں خاک میں ملا ڈالی جائیں اور ان کے جسم تک دشمن پہنچنے کی ہمت ہی نہ کر سکیں۔ (۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع غیبی طریقہ پر دی جانی بھی ایک کرشمہ غیبی نہیں تو اور کیا تھا نہ تار نہ ٹیلی فون نہ لاسلکی سے کوئی خبر کرنے والا موجود' ہاں وہ موجود تھا جو جہان بھر ان سب اشیاء کی خلقت کا الہام کرنے والا تھا۔

اندھیری رات میں عصا کا روشن ہو جانا

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ وَاَحْسِبُ الثَّانِىْ اُسَيْدُ بْنِ حُضَيْرٍ فِىْ لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيْئَانِ بَيْنَ اَيْدِيْهِمَا فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ حَتّٰى اَتٰى اَهْلَهُ (رواه البخارى) وذكر الشيخ بدرالعينى انه وقع مثله عن قتادة بن النعمان وابى عبس و محمد بن حمزة بن عمرو الاسلمى من اضاءة الاصابع والعصى فى زمن النبى صلى الله عليه وسلّم ثم ذكر عن الشيخ حسام الدين الرهاوى مثله. (العمدة ص ۳/۴۳۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے نکلے' ایک کا نام ''عباد بن بشر'' تھا اور دوسرے کا نام جہاں تک میرا خیال ہے ''اسید بن حضیر'' تھا۔ رات بہت تاریک تھی مگر خدا کی قدرت کہ ان کے ساتھ ساتھ چراغوں کی طرح کی دو چیزیں ان کے آگے آگے روشنی دکھاتی ہوئی چلی جا رہی تھیں۔ پھر جب دونوں اپنے اپنے گھروں کی طرف الگ ہونے لگے تو وہ روشنیاں بھی ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ہوگئیں یہاں تک کہ وہ اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ (بخاری شریف)

تشریح: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احکام مساجد میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور ہمارے مجتبائی نسخہ میں یہاں ان دونوں شخصوں کا نام حسب سابق موجود ہے پھر ابواب المناقب میں جا کر ان دونوں صحابیوں کے نام کے ساتھ ایک باب باندھا ہے اور اس روایت میں بھی ان دونوں کا نام ذکر کیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ شریف نے بھی باب الکرامات میں اس واقعہ کو کچھ فرق کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں اتنی تفصیل اور ہے کہ یہ دونوں شخص کسی ضرورت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ گئے تھے ان کے ہاتھوں میں دو چھڑیاں تھیں۔ جب یہ رخصت ہوئے تو ان میں سے ایک کی چھڑی روشن ہوگئی پھر جب ہر ایک کا راستہ الگ الگ چھٹنے لگا تو دوسرے کی چھڑی بھی روشن ہوگئی اور اس طرح تاریک شب میں یہ دونوں شخص روشنی میں اپنے اپنے گھروں کو پہنچ گئے۔

تعجب ہے کہ جب ان دونوں شخصوں کے نام خود بخاری شریف مجتبائی میں موجود ہیں اور اپنے ناموں کے ساتھ باب المناقب میں موجود ہیں پھر ان کو صاحب مشکوٰۃ شریف (مجتبائی) نے بھی باب الکرامات میں اپنے ناموں کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور اس کی نسبت کتاب بخاری شریف کی طرف کی ہے تو پھر یہاں بعض سیرت نگاروں نے باہر کی کتاب کی مدد سے نام متعین کرنے کی جو زحمت اُٹھائی اس کی ضرورت کیا تھی۔ محدثین کے نزدیک یہ طریقہ بہت معیوب ہے کیونکہ یہ فن حدیث کے ساتھ عدم اشتغال کا مشعر ہے۔ حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قسم کے چند دوسرے واقعات کا تذکرہ بھی فرمایا ہے جن کو ہم نے عربی عبارت میں اوپر لکھ دیا ہے مگر ان میں سے ایک واقعہ بھی صحابہ کے درمیان نہ کبھی معرض بیان و تکرار میں آیا۔ نہ کچھ تعجب خیز سمجھا گیا نہ اس کی تاویل یا توجیہ کی ضرورت سمجھی گئی بلکہ ان سب واقعات کو صاف اور سیدھے طریقے پر سن کر تسلیم کیا گیا۔

كِتَابُ الْمَنَاقِبِ وَالْفَضَائِلِ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم و معارف عطا ہوئے اور آپ کے ذریعے امت کو ملے، جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اور مختلف ابواب میں منقسم ہیں، ان میں سے ایک مناقب وفضائل کا باب بھی ہے، حدیث کی تقریباً سبھی کتابوں میں ''کتاب المناقب'' یا ''ابواب المناقب'' جیسے عنوانات کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات روایت کئے گئے ہیں جن میں آپ نے بعض خاص اشخاص و افراد، یا خاص طبقات کے وہ مناقب وفضائل بیان فرمائے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرمائے۔ اس کا آغاز چندان حدیثوں کی تشریح سے کیا جارہا ہے، جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے رب کریم کے خصوصی انعامات کا اور ان مقامات عالیہ کا ذکر فرمایا ہے، جن پر آپ کو فائز کیا گیا تھا، ساتھ ہی ان شاء اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و خصائل اور خاص احوال سے متعلق احادیث بھی تشریح کے ساتھ نذر ناظرین کی جائیں گی۔

اللہ اور رسول سے محبت رکھنا

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. ثلث من كن فيه وجد بهن حلاوة الايمان من كان الله ورسوله احب اليه مما سواهما ومن احب عبدا لا تحبه الا الله ومن يكره ان يعود فى الكفر بعد ان انقده الله منه كما يكره ان يلقى فى النار.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں ہوں گی اس کو ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ ایک وہ شخص جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (یعنی جتنی محبت اس کو اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے ہو اتنی محبت کسی سے نہ ہو) اور ایک وہ شخص جس کو کسی بندہ سے محبت ہو اور محض اللہ تعالیٰ ہی کے لیے محبت ہو (یعنی کسی دُنیوی غرض سے نہ ہو محض اس وجہ سے محبت ہو کہ وہ شخص اللہ والا ہے) اور ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچالیا ہو (خواہ پہلے ہی سے بچائے رکھا ہو خواہ کفر سے توبہ کرلی اور بچ گیا) اور اس (بچالینے) کے بعد وہ کفر کی طرف آنے کو اس قدر ناپسند کرتا ہے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ تم میں کوئی شخص (پورا) ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ رکھے کہ اپنے والد سے بھی زیادہ اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اور سب

آدمیوں سے بھی زیادہ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ ایماندار نہیں ہوتا جب تک کہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ رکھے کہ تمام اہل وعیال سے زیادہ اور تمام آدمیوں سے بھی زیادہ۔ روایت کیا اس کو مسلم نے اور بخاری میں عبداللہ بن ہشام کی روایت سے یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بیشک مجھ کو آپ کے ساتھ سب چیزوں سے زیادہ محبت ہے بجز اپنی جان کے (یعنی اپنی جان کے برابر آپ کی محبت معلوم نہیں ہوتی) آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایماندار نہ ہو گے جب تک میرے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت نہ رکھو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اب تو آپ کے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت معلوم ہوتی ہے آپ نے فرمایا اب پورے ایماندار ہوئے عمر!

فائدہ: اس بات کو آسانی کے ساتھ یوں سمجھو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول غور نہیں کیا تھا، یہ خیال کیا کہ اپنی تکلیف سے جتنا اثر ہوتا ہے دوسرے کی تکلیف سے اتنا اثر نہیں ہوتا اس لیے اپنی جان زیادہ پیاری معلوم ہوئی پھر سوچنے سے معلوم ہوا کہ اگر جان دینے کا موقع آ جائے تو یقینی بات ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان بچانے کے لیے ہر مسلمان اپنی جان دینے کو تیار ہو جائے اسی طرح آپ کے دین پر بھی جان دینے سے کبھی منہ نہ موڑے تو اس طرح سے آپ جان سے بھی زیادہ پیارے ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس وجہ سے کہ وہ تم کو غذا میں اپنی نعمتیں دیتا ہے اور مجھ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے محبت رکھو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے۔ روایت اس کو ترمذی نے۔

فائدہ: اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف غذا دینے ہی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات و احسانات جو بے شمار ہیں اگر کسی کی سمجھ میں نہ آویں تو یہ احسان تو بہت ظاہر ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، یہی سمجھ کر اس سے محبت کرو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کب کو ہوگی؟ آپ نے فرمایا تو نے اس کے لیے کیا سامان کر رکھا ہے؟ (جو اس کے آنے کا شوق ہے) اس نے عرض کیا کہ میں نے اس کے لیے کچھ بہت نماز روزہ کا سامان تو کیا نہیں مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ (قیامت میں) ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہوگا (سو تجھ کو میرا یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہوگا اور جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہوگا) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے (کی خوشی) کے بعد کسی بات پر اتنا خوش ہوتا نہیں دیکھا جتنا اس پر خوش ہوئے۔ روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

فائدہ: اس حدیث میں کتنی بڑی بشارت ہے کہ اگر زیادہ عبادت کا بھی ذخیرہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم) کی محبت سے اتنی بڑی دولت مل جاوے گی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (نماز تہجد میں) ایک آیت میں تمام رات گذار کر صبح کردی اور وہ آیت یہ ہے: اِن تُعَذِّبھُم الخ (المائدہ آیت ۱۱۸) یعنی (اے پروردگار) اگر آپ ان کو (یعنی میری اُمت کو) عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں (آپ کو ان پر ہر طرح کا اختیار ہے) اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو (آپ کے نزدیک کچھ مشکل کام نہیں کیونکہ) آپ زبردست ہیں (بڑے سے بڑا کام کرسکتے ہیں اور حکمت والے ہیں (گنہگاروں کو بخش دینا بھی حکمت سے ہوگا) روایت کیا اس کو نسائی اور ابن ماجہ نے۔

فائدہ: شیخ دہلوی نے مشکوٰۃ کے حاشیہ میں کہا ہے کہ اس آیت کا مضمون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے اپنی قوم کے معاملہ میں اور غالباً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے اپنی امت کی حالت حضورِ حق میں پیش کر کے ان کے لیے مغفرت کی درخواست کی۔ فقط۔ شیخ نے یہ لفظ غالباً احتیاط کے لیے فرمادیا ورنہ دوسرا احتمال ہو ہی نہیں سکتا تو دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ کتنی بڑی شفقت ہے کہ تمام رات کا آرام اپنی امت پر قربان کردیا اور ان کے لئے دُعا مانگتے رہے اور سفارش فرماتے رہے کون ایسا بے حس ہوگا کہ اتنی بڑی شفقت سن کر بھی عاشق نہ ہوجاوے گا۔

محبت رسول کا انعام

عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. مثلى كمثل رجل استو قد نارا فلما اضاء ت ما حولها جعل الفراش وهذه الدواب التى تقع فى النار يقعن فيها وجعل يحجزهن ويغلبنه فيتقحمن فيها فانا اخذ بحجزكم عن النار وانتم تقحمون فيها.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری (اور تمہاری) حالت اس شخص کی سی ہے کہ جیسے کسی نے آگ روشن کی اور اس پر پروانے گرنے لگے اور وہ ان کو ہٹاتا ہے مگر وہ اس کی نہیں مانتے اور آگ میں دھنسے جاتے ہیں۔ اسی طرح میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں (کہ دوزخ میں لے جانیوالی چیزوں سے روکتا ہوں) اور تم اس میں گھسے جاتے ہو۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

فائدہ: دیکھئے اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دوزخ سے اپنی اُمت کو بچانے کا کتنا اہتمام معلوم ہوتا ہے یہ محبت نہیں تو کیا ہے؟ اگر ہم کو ایسی محبت والے سے محبت نہ ہو تو افسوس ہے۔

حضرت عباس بن مروان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کیلئے عرفہ کی شام کو مغفرت کی دُعا فرمائی۔ آپ کو جواب دیا گیا کہ میں نے ان کی مغفرت کردی بجز حقوق العباد کے (کہ اس میں ظالم سے مظلوم کا بدلہ ضرور لوں گا اور بدوں عذاب مغفرت نہ ہوگی) آپ نے عرض کیا اے پروردگار اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو (اس کے حق کا عوض) جنت سے دے کر ظالم کی مغفرت فرماسکتے ہیں مگر اس شام کو یہ دُعا قبول نہیں ہوئی۔ پھر جب مزدلفہ میں آپ کو صبح ہوئی آپ نے پھر وہی دُعا کی اور آپ کی درخواست قبول ہوگئی۔ پس آپ ہنسے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) کے

پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ جب ابلیس کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دُعا قبول کر لی اور میری امت کی مغفرت فرمادی، خاک لے کر اپنے سر پر ڈالتا تھا اور ہائے وائے کرتا تھا مجھ کو اس کا اضطراب دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ حقوق العباد علی الاطلاق بدوں سزا معاف ہو جاویں گے اور نہ یہ مطلب ہے کہ خاص حج کرنے سے بدوں سزا معاف ہو جاویں گے بلکہ قبل اس دُعا کے قبول ہونے سے دو احتمال تھے ایک یہ کہ حقوق العباد کی سزا میں جہنم میں ہمیشہ سڑنا پڑے، دوسرا یہ کہ گو جہنم میں ہمیشہ رہنا نہ ہو لیکن سزا ضرور ہو۔ اب اس دُعا کے قبول ہونے کے بعد دو وعدے ہو گئے ایک یہ کہ بعد سزا کبھی نہ کبھی ضرور نجات ہو جاوے گی، دوسرا یہ کہ بعض دفعہ بدوں سزا بھی اس طور پر نجات ہو جاوے گی کہ مظلوم کو نعمتیں دے کر اس سے راضی نامہ دلوایا جاوے گا۔

فائدہ: غور کر کے دیکھو آپ کو اس قانون کی منظوری لینے میں کس قدر فکر اور تکلیف ہوئی ہے۔ کیا اب بھی قلب میں آپ کی محبت میں جوش نہیں اُٹھتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ آیتیں پڑھیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام (ابراہیم آیت ۳۶)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (المائدۃ آیت ۱۱۸) کی دُعائیں اپنی اپنی امت کے لیے مذکور ہیں اور دُعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا اے اللہ میری اُمت، میری اُمت۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور یوں تو تمہارا پروردگار جانتا ہے اور اُن سے پوچھو آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ اُنہوں نے آپ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا تھا ان کو بتلایا۔ حق تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور کہو آپ کو آپ کی اُمت کے معاملہ میں خوش کر دیں گے اور رنج نہ دیں گے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ آپ تو کبھی بھی خوش نہ ہوں گے اگر آپ کی اُمت میں سے ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے (درمنثور عن الخطیب) اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے آپکے خوش کرنے کا تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کا ایک امتی بھی دوزخ میں نہ رہیگا۔ اے مسلمانو! یہ سب دولتیں اور نعمتیں جس ذات کی برکت سے نصیب ہوئیں اگر ان سے محبت نہ کرو گے تو کس سے کرو گے؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تھا جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو شراب نوشی میں سزا بھی دی تھی، ایک دفعہ پھر لایا گیا اور سزا کا حکم ہو کر سزا دی گئی۔ ایک شخص نے کہا اے اللہ اس پر لعنت کر کس کثرت سے اس کو لایا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت نہ کرو، واللہ میرا علم یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی کتنی قدر فرمائی گئی کہ اتنا بڑا گناہ کرنے پر بھی اس پر لعنت کی اجازت نہیں دی گئی۔

اے مسلمانو! ایسی مفت کی دولت جس میں نہ محنت نہ مشقت کہاں نصیب ہوتی ہے اس کو ہاتھ سے مت دینا اپنی رگ رگ

میں اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور عشق سالینا اور رچالینا۔ یہ حدیثیں مشکوۃ میں ہیں اور ایک درمنثور کی ہے جس میں اس کا نام لکھ دیا ہے۔ اس اعتقاد اور اس عمل میں یہ فائدے ہیں:۔

الف۔ کیسی ہی مصیبت یا پریشانی کا واقعہ ہو اُس سے دل مضبوط رہے گا، یہ سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا اس کے خلاف ہو نہیں سکتا تھا اور وہ جب چاہے گا اس کو دفع کر دے گا۔

ب۔ جب یہ سمجھ گیا تو اگر اُس مصیبت کے دور ہونے میں دیر بھی لگے گی تو پریشان اور مایوس اور دل کمزور نہ ہوگا۔

ج۔ نیز جب یہ سمجھ گیا تو کوئی تدبیر اس مصیبت کے دفع کرنے کی ایسی نہ کرے گا جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو۔ یوں سمجھے گا کہ مصیبت تو بدوں خدا تعالیٰ کے چاہے ہوئے دفع ہوگی نہیں پھر خدا تعالیٰ کو کیوں ناراض کیا۔

د۔ نیز اس سمجھنے کے بعد سب تدبیروں کے ساتھ یہ شخص دعا میں بھی مشغول ہوگا کیونکہ یہ سمجھے گا کہ جب اسی کے چاہنے سے یہ مصیبت ٹل سکتی ہے تو اسی سے عرض کرنے میں نفع کی زیادہ اُمید ہے پھر دعا میں لگ جانے سے اللہ تعالیٰ سے علاقہ بڑھ جاوے گا جو تمام راحتوں کی جڑ ہے۔

نیز جب ہر کام میں یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے ہوتا ہے، تو کسی کامیابی میں اپنی کسی تدبیر یا سمجھ پر اس کو ناز اور فخر اور دعویٰ نہ ہوگا۔ حاصل ان سب فائدوں کا یہ ہوا کہ یہ شخص کامیابی میں شکر کرے گا اور ناکامی میں صبر کرے گا۔ اور یہی فائدے اس مسئلہ کے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بطور خلاصہ بتلائے ہیں (لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتکم الآیۃ) (سورۂ حدید آیت ۲۳) اور اس مسئلہ کا یہ مطلب نہیں کہ تقدیر کا بہانہ کر کے شریعت کے موافق ضروری تدبیر کو بھی چھوڑ دے بلکہ یہ شخص تو کمزور تدبیر کو بھی نہ چھوڑے گا اور اس میں بھی امید رکھے گا کہ خدا تعالیٰ اس میں بھی اثر دے سکتا ہے اس لئے کبھی ہمت نہ ہارے گا۔ جیسے بعض لوگوں کو یہ غلطی ہو جاتی ہے اور دین تو بڑی چیز ہے دنیا کے ضروری کاموں میں بھی ایسی کم ہمتی کی بُرائی حدیث میں آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند فرماتا ہے لیکن ہوشیاری سے کام لو (یعنی کوشش وتدبیر میں کم ہمتی مت کرو) پھر جب کوئی کام تمہارے قابو سے باہر ہو جائے تب کہو حسبی اللہ ونعم الوکیل (یعنی خدا کی مرضی میری قسمت) (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور مقاماتِ عالیہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سید (سردار) ہوں گا، اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا، جس کی قبر شق ہوگی (یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، اور میں سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھوں گا) اور میں شفاعت کرنے والا پہلا شخص ہوں گا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلے شفاعت کی اجازت مجھے ملے گی اور سب سے پہلے میں ہی اس کی بارگاہ میں شفاعت کروں گا) اور میں ہی وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول فرمائی جائے گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایک خاص انعام یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پوری نسل میں (جس میں تمام انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں) مجھے سب سے اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے، مجھے سب کا سید و آقا بنایا ہے...... اس کا پورا ظہور جس کو سب آنکھوں سے دیکھیں گے قیامت کے دن ہوگا اور اسی دن اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی انعام کا بھی ظہور ہوگا کہ جب مردوں کے قبر سے اٹھنے کا وقت آئے گا تو بحکم خداوند سب سے پہلے میری قبر اوپر سے شق ہو گی اور میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا اور پھر جب شفاعت کا دروازہ کھلنے کا وقت آئے گا تو باذن خداوندی سب سے پہلے میں ہی شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور میں ہی پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرف قبول حاصل ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے عظیم خداوندی انعامات کا اظہار اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے اس لئے بھی فرماتے تھے کہ امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عالی سے واقف ہو اور اس کے قلب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ عظمت اور محبت پیدا ہو جو ہونی چاہئے اور پھر دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا جذبہ اور داعیہ ابھرے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کے شکر کی توفیق ہو کہ اس نے ایسے عظیم المرتبت پیغمبر کا امتی بنایا۔ الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات تحدیث نعمت اور شکر نعمت کے علاوہ امت کی ہدایت و تربیت کے اسباق بھی ہیں۔

یہاں ایک یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیثیں اس مضمون کی مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں پیغمبر پر مجھے فضیلت نہ دی جائے، آپ کے اس طرح کے ارشادات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی پیغمبر کے ساتھ مقابلہ اور موازنہ کر کے ان کو کمتر ثابت کرنے کی بات نہ کی جائے، اس میں ان کی کسر شان اور سوء ادب کا اندیشہ ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں فرمایا ہے **تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ** (یہ ہمارے رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت اور برتری دی ہے) اور قرآن مجید میں متعدد آیتیں ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، مثلاً **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ**" اور "**وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ...... الْاٰية**" وغیرھا.

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِىْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِىْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يَّنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ. (رواه الترمذى)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تمام بنی آدم کا سید (سردار) ہوں گا اور یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بھی میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور تمام انبیاء علیہم السلام، آدمؑ اور ان کے سوا بھی سب انبیاء و مرسلین اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی قبر کی زمین اوپر سے شق ہوگی اور یہ بھی میں فخر کے طور پر نہیں کہتا (بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے انعام و احسان کا بیان کر رہا ہوں) (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث کے اول و آخر میں اللہ تعالیٰ کے جن دو انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے، ایک "اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" اور دوسرا "وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ" ان دونوں کا ذکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں بھی کیا گیا ہے، اور ان کی تشریح بھی کی جا چکی ہے...... حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید اس خاص الخاص انعام و اکرام کا ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں دیا جائے گا اور تمام انبیاء و مرسلین میرے اس جھنڈے تلے ہوں گے۔ یہ بات معلوم و معروف ہے کہ جھنڈا لشکر کے سپہ سالار اعظم کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے اور باقی لشکری اس کے ماتحت ہوتے ہیں، پس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھنڈا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا جانا اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جھنڈے تلے ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مخلوقات اور تمام انبیاءؑ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت وفضیلت کا ایسا ظہور ہوگا جس کو ہر دیکھنے والا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں بھی اللہ تعالیٰ کا ہر انعام ذکر فرمانے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ "ولا فخر" کہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا ذکر میں فخر کے طور پر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ اس کے حکم کی تعمیل میں تحدیث نعمت اور اداء شکر کے طور پر اور تمہاری واقفیت کیلئے کر رہا ہوں۔

یہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) جو قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا جائے گا اس واقعی حقیقت کی علامت اور اس کا اعلان ہوگا کہ جس برگزیدہ بندے کے ہاتھ میں حمد خداوندی کا یہ جھنڈا ہے، اس کا حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے عمل میں (جو کسی بندے کو اللہ کا محبوب ومقبول بنانے والا خاص الخاص عمل ہے) سب سے زیادہ ہے، اللہ کی حمد خود اس کی زندگی کا ہمہ وقتی وظیفہ تھا، دن رات کی نمازوں میں بار بار اللہ کی حمد، اٹھتے بیٹھتے اللہ کی حمد، کھانا کھانے کے بعد اللہ کی حمد، پانی پینے کے بعد اللہ کی حمد، سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے کے بعد اللہ کی حمد، لذت اور مسرت کے ہر موقع پر اللہ کی حمد، اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت کے احساس کے وقت اس کی حمد، یہاں تک کہ چھینک آنے پر اللہ کی حمد، استنجے سے فراغت پر اللہ کی حمد (ان تمام موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں ثابت ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہی ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو بڑے اہتمام سے اسی طرز عمل کی ہدایت اور تلقین فرمائی جس کے نتیجے میں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی اتنی حمد ہوئی اور قیامت تک ہوگی جس کا حساب بس اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے، اس لئے بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے مستحق ہیں کہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا جائے اور اس کے ذریعہ آپ کی اس خصوصیت کا اعلان و اظہار کیا جائے۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَخَرَجَ حَتّٰى اِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُوْنَ، قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً وَقَالَ اٰخَرُ مُوْسٰى كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا وَقَالَ اٰخَرُ عِيْسٰى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوْحُهُ وَقَالَ اٰخَرُ اٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ. وَعَجَبَكُمْ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَمُوْسٰى نَجِيُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَعِيْسٰى رُوْحُهُ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَاٰدَمُ اِصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ، اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ

اللهِ وَلَا فَخرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهُ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ وَلَا فَخرَ، وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخرَ، وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْخِلُنِيْهَا وَمَعِيَ فُقَرَآءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخرَ، وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخرَ. (رواه الترمذی والدارمی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ بیٹھے باتیں کررہے تھے، اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر سے تشریف لے آئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ وہ آپس میں یہ باتیں کررہے ہیں، ان میں سے ایک نے (حضرت ابراہیمؑ کی عظمت شان بیان کرتے ہوئے) کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، ایک دوسرے صاحب نے کہا کہ اور حضرت موسیٰؑ کو ہم کلامی کا شرف بخشا، پھر ایک اور صاحب نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقام ہے کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، پھر ایک اور صاحب نے کہا کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا (کہ ان کو براہ راست اپنے دست قدرت سے بنایا اور ان کو سجدہ کرنے کا فرشتوں کو حکم دیا، وہ صحابہ یہ باتیں کررہے تھے) کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے، اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارا اظہار تعجب سنا، بے شک ابراہیمؑ اللہ کے خلیل ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں (ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے) اور بے شک موسیٰ نجی اللہ (اللہ کے ہمراز و ہم سخن) ہیں، اور وہ ایسے ہی ہیں، اور بے شک عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، اور وہ ایسے ہی ہیں اور بے شک آدم صفی اللہ (اللہ کے برگزیدہ) ہیں، اور فی الحقیقت وہ ایسے ہی ہیں...... اور تم کو معلوم رہنا چاہئے کہ میں حبیب اللہ (اللہ کا محبوب) ہوں اور یہ میں بطور فخر نہیں کہتا، اور قیامت کے دن میں ہی لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) اٹھانے والا ہوں گا، آدم اور ان کے سوا بھی سب (انبیاء و مرسلین) میرے اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا، جو قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرے گا اور سب سے پہلے جس کی شفاعت قبول فرمائی جائے گی اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا جو (جنت کا دروازہ کھلوانے کے لئے) اس کے حلقہ کو ہلائے گا تو اللہ تعالیٰ میرے لئے اس کو کھلوادے گا اور مجھے جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے، اور یہ بات بھی میں فخر سے نہیں کہتا، اور بارگاہ خداوندی میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ میرا اکرام و اعزاز ہوگا اور یہ بھی میں فخر سے نہیں کہتا...... (جامع ترمذی و مسند دارمی)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک اور عام رویہ تواضع اور انکساری کا تھا، لیکن ضرورت محسوس ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کی تعمیل میں اللہ کے ان خصوصی انعامات اور اعلیٰ کمالات و مقامات کا بھی ذکر فرماتے جن سے آپ سرفراز فرمائے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ حدیث اور جو حدیثیں اوپر درج کی گئیں یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی سلسلہ کے بیانات ہیں۔ وہ صحابہ کرام جن کی گفتگو کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت آدم (علیہم السلام) پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے ان خصوصی انعامات سے تو واقف تھے جن کا وہ تذکرہ کررہے تھے، ان کو یہ سب کچھ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم سے قرآن مجید سے معلوم ہو چکا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عظمت کے بارے میں غالباً ان کی معلومات ناقص تھیں، اس لئے یہ خود ان کی ضرورت اور حاجت تھی کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں ان کو بتلائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلایا اور اس طرح بتلایا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور حضرت آدمؑ پر ہونے والے جن انعامات الٰہیہ اور ان کے جن فضائل و مناقب کا وہ ذکر کر رہے تھے، پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی تصدیق فرمائی اس کے بعد اپنے بارے میں بتلایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا ہی خاص الخاص انعام ہے کہ مجھ کو مقام محبوبیت عطا فرمایا گیا ہے اور میں اللہ کا حبیب ہوں...... (ملحوظ رہے کہ جن اصحاب کرام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا وہ جانتے تھے کہ محبوبیت کا مقام سب سے اعلیٰ و بالا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی)۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان انعامات الٰہیہ کا ذکر فرمایا جس کا ظہور اس دنیا کے خاتمہ کے بعد قیامت میں ہوگا، ان میں سے "لواء الحمد" ہاتھ میں ہونے اور اولین شافع اور اولین مقبول الشفاعۃ ہونے کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں بھی آچکا ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصوصی انعامات خداوندی کا اور ذکر فرمایا، ایک یہ کہ جنت کا دروازہ کھلوانے کے لئے سب سے پہلے میں ہی اس کے حلقوں کو حرکت دوں گا (جس طرح کسی مکان کا دروازہ کھلوانے کے لئے دستک دی جاتی ہے) تو اللہ تعالیٰ فوراً دروازہ کھلوادیں گے اور مجھ کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے وہ بھی میرے ساتھ ہی جنت میں داخل کر لئے جائیں گے...... (یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام محبوبیت پر فائز ہونے کا ظہور ہوگا) آخری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمائی کہ "وانا اکرم الاولین والاخرین علی اللہ" یعنی یہ بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص انعام ہے کہ اس کی بارگاہ میں تمام اولین و آخرین میں سب سے زیادہ اکرام و اعزاز میرا ہی ہے اور جو مقام عزت مجھے عطا فرمایا گیا ہے، وہ اولین و آخرین میں سے کسی اور کو عطا نہیں فرمایا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جن خصوصی انعامات الٰہیہ کا ذکر فرمایا ان میں سے ہر ایک کے ساتھ یہ بھی فرمایا "ولا فخر" جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان خصوصی انعامات کا ذکر میں ازراہ فخر اور اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے نہیں کر رہا ہوں بلکہ محض اللہ کے حکم کی تعمیل میں تحدیث نعمت و اداء شکر کے لئے اور تم لوگوں کو واقف کرنے کے لئے کر رہا ہوں تاکہ تم بھی اس رب کریم کا شکر ادا کرو کیونکہ یہ انعامات تمہارے حق میں بھی وسیلہ خیر و سعادت ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْيَانُهٗ، تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ يَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بِنَائِهٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ وَفِیْ رِوَايَةٍ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور اگلے سب پیغمبروں کی مثال ایسی ہے کہ ایک شاندار محل ہے جس کی تعمیر بڑی حسین اور خوبصورت کی گئی ہے لیکن اس کی تعمیر میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی، دیکھنے والے اس محل کو ہر طرف سے گھوم پھر کے دیکھتے ہیں، انہیں اس کی تعمیر کی خوبی اور خوبصورتی بہت اچھی لگتی ہے، ان کو اس سے تعجب ہوتا ہے، سوائے اینٹ کی خالی جگہ کے۔ (وہ اس حسین عمارت کا ایک نقص

ہے...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ) پس میں نے آ کر اس خالی جگہ کو بھر دیا، میرے ذریعہ اس محل کی تکمیل اور اس کی تعمیر کا اختتام ہو گیا، اور پیغمبروں کا سلسلہ بھی ختم اور مکمل ہو گیا۔

(صاحب ''مشکوٰۃ المصابیح'' محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی کہتے ہیں کہ) اس حدیث کی صحیحین ہی کی ایک روایت میں آخری خط کشیدہ الفاظ کی جگہ یہ الفاظ ہیں، فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ میں ہی وہ اینٹ ہوں جس سے اس قصر نبوت کی تکمیل ہوئی، اور میں خاتم النبیین ہوں) (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... قرآن مجید میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے اور بہت سی حدیثوں میں بھی اور بلاشبہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام ہے کہ قیامت تک آپ ہی پوری انسانی دنیا کے لئے اللہ کے نبی و رسول ہیں...... اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاتمیت کی حقیقت اور نوعیت کو ایک عام فہم مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے جو ایسی سہل الفہم ہے کہ اس کے سمجھانے کے لئے کسی توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں، اس حدیث نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو ہزاروں پیغمبر آئے ان کی آمد سے گویا قصر نبوت کی تعمیر ہوتی رہی اور تکمیل کو پہنچ گئی تھی، بس ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و آمد سے وہ بھی بھر گئی، اور قصر نبوت بالکل مکمل ہو گیا، کسی نئے نبی و رسول کے آنے کی نہ ضرورت رہی نہ گنجائش، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم اور دروازہ بند کر دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خاتم النبیین'' ہونے کا اعلان فرما دیا گیا۔ صلی اللہ علیہ واله وصحبه وبارک وسلم.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاُخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ، وَبِشَارَةُ عِيْسٰى، وَرُؤْيَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِیْ، وَقَدْ خَرَجَ نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ. (رواه احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اپنے اول امر (اپنی ابتداء) کے بارے میں بتلاتا ہوں، میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں (یعنی ان کی دعا کی قبولیت کا ظہور ہوں) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت ہوں (یعنی وہ نبی ہوں جس کی آمد کی بشارت انہوں نے دی تھی) اور اپنی والدہ کا خواب ہوں (یعنی ان کے اس خواب کی تعبیر ہوں) جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس سے میری والدہ کے لئے ملک شام کے محل بھی روشن ہو گئے۔ (مسند احمد)

تشریح...... قرآن مجید سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۷ و نمبر ۱۲۸ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبۃ اللہ کی تعمیر کر رہے تھے تو انہوں نے یہ دعا بھی کی تھی کہ اے ہمارے پروردگار ہماری نسل میں سے ایک ایسی امت پیدا فرمانا جو تیری فرمانبردار ہو، اور ان میں انہیں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمانا جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک صاف کرے...... اور سورۂ صف کی

آیت نمبر ۶ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کی قوم بنی اسرائیل کے پاس بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے لئے بھیجا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں اس عظیم الشان پیغمبر کی آمد کی بشارت سناؤں جو میرے بعد آئے گا، اور اس کا نام احمد ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں قرآن مجید کی انہی آیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ اور ظہور ہوں، اور میں عیسیٰ بن مریم کی بشارت کا مصداق ہوں۔ آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس خواب کی تعبیر ہوں جو میری والدہ ماجدہ نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ایک ایسا غیر معمولی نور ظاہر ہوا جس کی روشنی نے میری والدہ صاحبہ کے لئے ملک شام کی عالی شان عمارتیں اور محل روشن کر دیئے اور میری والدہ نے اس نور کے اجالے میں ان کو دیکھ لیا۔

یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے قریبی وقت میں غالباً اسی رات میں دیکھا تھا، جس کی صبح آپ کی ولادت ہوئی...... ملک شام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سرزمین انبیاء ہے اور اسی میں وہ بیت المقدس ہے جو تمام انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہا ہے۔

حدیث میں لفظ ”رؤیا“ کا ترجمہ خواب کیا گیا ہے اور اسی کی بنیاد پر تشریح کی گئی ہے، لیکن یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے اس نور کا ظہور اور اس کی روشنی میں ملک شام کے محلات عین ولادت کے وقت بیداری میں دیکھے بعض دوسری روایات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ولادت سے پہلے سونے کی حالت میں خواب دیکھا ہو اور پھر ولادت کے وقت بیداری میں بھی آنکھوں نے یہ دیکھا ہو، بہرحال یہ نور کا ظہور اور اس کے اجالے میں ملک شام کے محلات کا نظر آنا اس کی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ اس مولود مسعود کے ذریعہ ہدایت کا نور ملک شام تک بھی پہنچائے گا جو ہزاروں برس تک خود ہدایت کا مرکز رہا ہے، اور بیت المقدس کو قبلہ ماننے والی قومیں بھی اس نور ہدایت سے فیضیاب ہوں گی جیسا کہ ظہور میں آیا اور قیامت تک آتا رہے گا۔

عَنْ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ وُلِدْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ. (رواہ الترمذی)

قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں پیدا ہوئے تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ”فیل“ عربی میں ہاتھی کو کہتے ہیں ”عام الفیل“ سے مراد وہ سال ہے جس میں یمن کے عیسائی حاکم ابرہہ نے کعبۃ اللہ کو ڈھا دینے اور برباد کر دینے کے ارادے سے ایسے لشکر کے ساتھ جس میں بڑے بڑے کوہ پیکر ہاتھی بھی تھے، مکہ معظمہ پر لشکر کشی کی تھی، تو مکہ کے حدود میں ان کے داخل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی شکل میں اپنا غیبی لشکر بھیج دیا، ان چڑیوں نے لشکر پر کنکر کی پتھریاں برسا کر، (جو گولی کا کام کرتی تھیں) سارے لشکر کو تہس نہس کر دیا، قرآن مجید ”سورۃ الفیل“ میں یہی واقعہ بیان فرمایا گیا ہے، جس سال یہ غیری معمولی واقعہ ہوا تھا اسی کو ”عام الفیل“ کہا جاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اسی سال ہوئی، ایک روایت میں معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے پچاس دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

علامہ ابن الجوزی کے بیان کے مطابق اس پر اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اسی سال میں ہوئی، اس پر بھی

قریباً اتفاق ہے کہ مہینہ ربیع الاول اور دن دوشنبہ کا تھا...... تاریخ کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ۲۔ ربیع الاول کی بھی روایت ہے، ۸۔ کی بھی، ۱۰۔ کی بھی اور ۱۲۔ کی بھی (اور یہی زیادہ مشہور ہے) اس کے علاوہ ۱۷۔ ۱۸۔ کی بھی روایتیں ہیں، علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ اکثر محدثین کے نزدیک ۸۔ ربیع الاول والی روایت زیادہ قوی ہے...... ماضی قریب کے مصر کے ایک ماہر فلکیات محمود پاشا نے ریاضی کے حساب سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت عام الفیل ۹۔ ربیع الاول کو ہوئی۔

ٹھیک اس وقت جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں (مکہ مکرمہ ہی میں) آمد کا وقت قریب تھا، ابرہہ کے لشکر کا جس کو قرآن مجید میں "اصحاب الفیل" کہا گیا ہے اور جو کعبۃ اللہ کو ڈھانے اور نیست و نابود کر دینے کے ارادہ سے کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی سنگ باری سے تہس نہس ہو جانا یقیناً قدرت خداوندی کا ایک معجزہ تھا، ہمارے علماء مصنفین نے اس کو ان معجزانہ واقعات میں شمار کیا ہے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں آمد سے پہلے اس کے مقدمات اور پیشگی برکات کے طور پر ظہور میں آئے، اور بلاشبہ ایسا ہی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَوَّلُ مَابُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءَ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ...... وَهُوَ التَّعَبُّدُ...... اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَّنْزِعَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذَالِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَ هُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءَ فَجَاءَ هُ الْمَلَكُ فَقَالَ اِقْرَاْ فَقَالَ مَااَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَاْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَاْ قُلْتُ مَااَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّالِثَ، حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ. فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ فَقَالَ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ، فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا، اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ، ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ اِلٰى وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلٍ ابْنِ عَمِّ خَدِيْجَةَ فَقَالَتْ لَهٗ يَاابْنَ عَمِّ اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ يَاابْنَ اَخِيْ مَاذَا تَرٰى؟ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَاٰى فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى، يَالَيْتَنِيْ كُنْتُ فِيْهَا جَذَعًا يٰلَيْتَنِيْ اَكُوْنُ حَيًّا، اِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ؟ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَاجِئْتَ بِهٖ، اِلَّا عُوْدِيَ وَاِنْ يُّدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ. (رواه البخاری ومسلم)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ وہ پہلی چیز جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ہوئی رؤیاء صادقہ (سچے خواب) تھے، جو آپ سونے کی حالت میں دیکھتے تھے، چنانچہ آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح سامنے آ جاتا...... پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈال دی گئی تو آپ غار حرا میں جا کر خلوت گزینی کرنے لگے۔ وہاں آپ (اپنے اہل خانہ کی طرف اشتیاق سے پہلے) کئی کئی رات تک عبادت فرماتے اور اس کے لئے خورد ونوش کا ضروری سامان ساتھ لے جاتے پھر (اپنی زوجہ محترمہ) حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے، اور اتنی ہی راتوں کے لئے پھر سامان خورد ونوش ساتھ لے جاتے...... یہاں تک کہ اسی حال میں کہ آپ غار حرا میں تھے، آپ کے پاس حق آ گیا (یعنی وحی حق آ گئی) چنانچہ (خدا کا فرستادہ) فرشتہ (جبرائیلؑ) آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اقرا (پڑھئے!) آپ نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ نے بیان فرمایا کہ پھر اس فرشتے نے مجھے زور سے دبایا (بھینچا) یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ اقرا (پڑھئے!) پھر میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے مجھے پکڑا اور پھر دوسری دفعہ زور سے دبایا، یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا اقرا (پڑھئے!) پھر میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے بعد پھر اس فرشتہ نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ زور سے دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا "اِقْرَا بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَا وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ." (اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا، انسان کو جس نے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھئے اور آپ کا پروردگار بڑا اکریم ہے، وہ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)...... پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کو لے کر اس حال میں لوٹے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل لرز رہا تھا...... تو آپ (اپنی زوجہ محترمہ) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کپڑا اڑھا دو، مجھے کپڑا اڑھا دو، تو گھر والوں نے آپ کو کپڑا اڑھا دیا یہاں تک کہ گھبراہٹ اور دہشت کی وہ کیفیت ختم ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے بات کی اور پورا واقعہ بتلایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان پر خطرہ ہو گیا تھا حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز ایسے خطرہ کی بات نہیں، قسم بخدا اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ہمیشہ حق اور سچی بات کہتے ہیں اور بوجھ اٹھاتے ہیں اور ناداروں کے لئے کماتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں ان حادثوں پر جو حق ہوتے ہیں...... پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو لے گئیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس اور ان سے کہا کہ اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات (اور واردات) سنئے! تو ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے بھتیجے بتلاؤ تم کیا دیکھتے ہو؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ سب بتلایا جو مشاہدہ فرمایا تھا تو ورقہ نے کہا کہ یہ وہ خاص راز داں فرشتہ (جبرائیلؑ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر بھیجا تھا (پھر ورقہ نے کہا کہ) کاش میں اس وقت جوان پٹھا ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تمہاری قوم تم کو نکالے گی...... تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے) کہا کہ کیا میری قوم کے لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں (تمہاری قوم تم کو دیس سے نکال دے گی) کوئی آدمی بھی اس طرح کی دعوت لے کر نہیں آیا جیسی تم لائے ہو مگر یہ کہ

لوگوں نے اس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا اور اگر میں ان دنوں تک زندہ رہا تو تمہاری بھرپور مدد کروں گا، پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا، اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء اور نزول وحی کے آغاز کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس کی راوی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، لیکن حدیث کے مستند ہونے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ یا تو انہوں نے یہ واقعہ اس تفصیل کے ساتھ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو گا (اور غالب گمان یہی ہے) یا اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یا کسی دوسرے بزرگوار صحابی سے جنہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو گا اور اہل سنت کا مسلمہ ہے (جو گویا ان کے عقائد میں شامل ہے) کہ اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ (یعنی تمام صحابہ کرام عادل اور ثقہ ہیں) جس صدیقہ نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ یہ بتلائیں کہ انہوں نے یہ کس سے سنا تھا، ہمارے یقین کے لئے ان کا بیان فرمانا کافی ہے، اگر اس بارے میں ان کو پورا اطمینان ویقین نہ ہوتا تو وہ ہرگز اس طرح بیان نہ فرماتیں۔ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے نتیجہ میں وہ یہ جانتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اس طرح کے اہم اور غیر معمولی واقعہ کا بیان کتنی بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔

حدیث میں سب سے پہلی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ آپ کو "رویائے صادقہ" (سچے خواب) آنے شروع ہوئے، آگے خود حدیث میں اس کی یہ وضاحت ہے کہ آپ سونے کی حالت میں جو خواب دیکھتے وہ صبح کے اجالے کی طرح بیداری میں آنکھوں کے سامنے آ جاتا، سمجھنا چاہئے کہ وحی نبوت کے لئے آپ کی روحانی تربیت کا سلسلہ اس طرح کے خوابوں سے شروع ہوا، یہ پہلا مرحلہ تھا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں سب سے یکسوئی اور خلوت گزینی کی محبت اور اس کا شوق وجذبہ پیدا فرما دیا گیا، آگے حدیث میں جو بیان فرمایا گیا ہے، اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں مجرد خلوت گزینی اور سب سے الگ تھلگ رہنے کا جذبہ اور داعیہ ہی پیدا نہیں فرمایا گیا تھا، بلکہ سب سے یکسو ہو کر خلوت میں عبادت کا (گویا ایک طرح کے اعتکاف کا) جذبہ اور شوق پیدا فرمایا گیا تھا، پھر اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا کا انتخاب فرمایا۔ حراء ایک پہاڑ کا نام ہے، مکہ مکرمہ کے ہر طرف پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں، کچھ کم بلند ہیں، کچھ زیادہ بلند ہیں (جہاں تک خیال ہے) ان میں سب سے بلند یہی حراء ہے، جس کو لوگ اب جبل النور کہتے ہیں، یہ مکہ مکرمہ کی آبادی سے قریباً دوڈھائی میل کے فاصلے پر ہے، اس کی چوٹی پر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں باہم اس طرح مل گئی ہیں کہ ان کے درمیان ایک چھوٹا سا مثلث نما (تکونہ) حجرہ سا بن گیا ہے، اسی کو غار حراء کہا جاتا ہے اور اس میں بس اتنی جگہ ہے کہ ایک آدمی کسی طرح داخل ہو کر گزارہ کر سکتا ہے، چونکہ یہ پہاڑ بہت بلند ہے اور غار اس کی بالکل چوٹی پر ہے اور اس تک چڑھائی میں بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اس لئے اچھے تندرست وتوانا آدمی بھی بہ مشکل ہی وہاں پہنچ پاتے ہیں، اب تو اس مبارک واقعہ کی وجہ سے جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ہر مسلمان کا دل چاہتا ہے کہ اگر وہ پہنچ سکے تو اس کی زیارت کی سعادت ضرور حاصل کرے لیکن ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے خلوت میں یکسوئی سے عبادت کے لئے اس کا انتخاب فرمایا تھا تو کسی آدمی کے لئے اس غار میں ایسی کوئی کشش نہیں تھی کہ اس تک پہنچنے کے لئے وہ پہاڑ کی اتنی لمبی چڑھائی کی مشقت برداشت کرے (چنانچہ کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ جن ایام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں خلوت گزیں (گویا معتکف) رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عزیز قریب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا ہو) اس لئے خلوت میں یکسوئی سے عبادت کے لئے اس سے بہتر جگہ کا انتخاب نہیں کیا جا سکتا تھا اور آگے جو ظہور میں آنے والا تھا (جس کا اس حدیث میں بھی ذکر ہے) اس کے لئے ازل سے یہی مبارک غار مقدر ہو چکا تھا۔

آگے حدیث شریف میں جو فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ غار حرا کی اس خلوت گزینی اور عبادت کے سلسلہ میں آپ کا معمول یہ تھا کہ چند دن رات کے لئے خورد و نوش کا ضروری سامان لے کر آپ غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں پوری یکسوئی سے عبادت میں مشغول رہتے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں گھر والوں کی دیکھ بھال اور ملاقات کا داعیہ پیدا ہوتا تو گھر زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے اور پھر اتنے ہی دنوں کے لئے خورد و نوش کا ضروری سامان لے کر غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں عبادت میں مشغول رہتے۔

حضرت صدیقہؓ نے غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشغولیت کے لئے فَيَتَحَنَّثُ کا لفظ استعمال فرمایا ہے حدیث کے ایک راوی امام زہری نے تعبد کے لفظ سے اس کا حاصل مطلب بیان کیا ہے...... لیکن کسی روایت سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ غار حرا کے اس قیام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا طریقہ کیا تھا شارحین حدیث نے اس بارے میں حضرات علماء کرام کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں، لیکن وہ سب قیاسات ہیں...... بہر حال کہ نبوت و رسالت کے منصب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تربیت ہو رہی تھی جس کا پہلا مرحلہ رؤیائے صادقہ کا سلسلہ تھا، وہ بھی ایک طرح کا الہام تھا، اس کے بعد خلوت گزینی اور خلوت میں عبادت کا داعیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں پیدا کیا گیا یہ بھی جاذبہ الٰہیہ اور ایک طرح کے الہام ربانی کا نتیجہ تھا۔

پھر غار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو عبادت فرماتے تھے جس کو حضرت صدیقہؓ نے فیتحنث کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، سمجھنا چاہئے کہ وہ بھی الہام ربانی کی رہنمائی میں تھی، ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے نور ہدایت کی دعا کرتے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم شرک و بت پرستی اور شدید مظالم و معاصی کی جس نجاست و غلاظت میں غرق تھی، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت سلیمہ صالحہ کو سخت اذیت تھی، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بیزاری کا اظہار اور قوم کے لئے بھی اصلاح و ہدایت کی دعا فرماتے ہوں (دعا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا ہے)

آگے حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت گزینی اور عبادت کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک (ایک رات میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ وحی لے کر آ گیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اقرا (پڑھئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ مَا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس لئے پڑھ نہیں سکتا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان ہے کہ اس جواب کے بعد اس نے مجھے پکڑ کے اتنے زور سے دبایا کہ اس کا دباؤ میری حد برداشت کی آخری حد تک پہنچ گیا یعنی اس حد تک کہ اس سے آگے میں برداشت نہیں کر سکتا تھا (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرشتہ

نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلوئے مبارک پکڑ کے اس قدر زور سے دبایا تھا) حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے کہ تین ۳ دفعہ ایسا ہی ہوا کہ اس نے مجھ سے کہا اقرأ (پڑھیے) میں نے کہا کہ ما انا بقارئ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس لئے پڑھ نہیں سکتا) اور میرے اس جواب کے بعد ہر دفعہ اس نے مجھے پکڑ کے اس قدر زور سے دبایا کہ میری حد برداشت کی آخری حد تک پہنچ گیا، تیسری دفعہ کے بعد اس نے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں پڑھیں (اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ تک)

حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا کہ فرشتہ سے یہ آیتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ان کی تلاوت فرمائی، لیکن آگے جو بیان فرمایا گیا ہے، اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیتیں محفوظ ہو گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے غار سے گھر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت جو حالت تھی وہ حدیث میں آگے ذکر کی گئی ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ یوں تو پورا قرآن مجید معجزہ ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کی بعض چھوٹی چھوٹی سورتوں اور اس طرح بعض چھوٹی چھوٹی آیتوں میں اعجاز کی شان ایسی واضح اور نمایاں ہے کہ عربی زبان سے واقفیت اور اس کا ذوق رکھنے والا ہر شخص ان کو صرف سن کر یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں بلکہ خالق بشر کا کلام ہے۔

حدیث میں غار حرا کے مذکورۂ بالا واقعہ کے ذکر کے بعد بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ العلق کی ان ابتدائی پانچ آیتوں کو لے کر غار حرا سے اس حال میں گھر تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دہشت زدہ سے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل لرز رہا تھا، جسم مبارک پر بھی اس کا اثر تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آتے ہی اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو مجھے کپڑا اڑھا دو، (ایسی حالت میں کپڑا اوڑھنے کا طبعی تقاضا ہوتا ہے اور اس سے سکون ملتا ہے) چنانچہ گھر والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اڑھا دیا، پھر وہ دہشت زدگی اور دل کے لرزنے کی کیفیت ختم ہو گئی اور حالت معمول پر آ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو وہ سب بتلایا جو پیش آیا تھا' اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا (لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ) اے خدیجہؓ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا) مطلب یہ ہے کہ فرشتہ نے گلا پکڑ کے تین دفعہ ایسے زور زور سے دبایا تھا کہ مجھے خطرہ تھا کہ میری جان ہی نکل جائے گی۔

آگے حدیث میں جو بیان فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے غار حرا کی ساری واردات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور بشارت دینے کے لئے بڑے اعتماد کے ساتھ اور قسم کھا کے اپنے اس یقین کا اظہار فرمایا کہ ہرگز کوئی خطرہ اور اندیشہ کی بات نہیں تھی اور نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ درجہ کے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے نوازا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی کرتے ہیں یعنی قرابت داروں کے حقوق ادا کرتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، ہمیشہ حق اور سچی بات کرتے ہیں، صداقت اور راست بازی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شعار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ضعیفوں، اپاہجوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں جو بے چارے خود اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے یعنی ان کی کفالت کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ ہے کہ خود محنت کر کے کمائی کرتے ہیں (تا کہ غریبوں حاجت مندوں کی مدد کریں) اور مہمان نوازی

کرتے ہیں اور جو لوگ بغیر کسی جرم وقصور کے کسی حادثہ کا شکار ہو جاتے ہیں آپ ان کی امداد و اعانت کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقصد اس گفتگو سے یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ مکارم اخلاق اور مبارک احوال اس بات کی علامت اور دلیل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا خاص فضل وکرم ہے، اس لئے مجھے یقین ہے کہ یہ جو کچھ ہوا یہ بھی اس کے کرم ہی کا ایک خاص ظہور ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِيْ اُفٍّ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ، وَلَا اَلَّا صَنَعْتَ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے اف کا کلمہ بھی نہیں فرمایا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

تشریح...... عربی زبان میں اف کا کلمہ کسی بات پر ناگواری وناراضی اور غصہ کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی عمر آٹھ (۸) سال (اور ایک دوسری روایت کے مطابق دس ۱۰ سال) تھی، ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جو بڑی مخلص مؤمنہ صالحہ تھیں اپنے ان بیٹے کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیا اور گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا اور پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک پورے دس (۱۰) سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، اس حدیث میں انہوں نے حضور کے حسن اخلاق اور نرم مزاجی کے بارے میں اپنا یہ ذاتی تجربہ بیان فرمایا ہے کہ دس ۱۰ سال کی خادمانہ مدت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی اور غصہ کے اظہار کے لئے اف کا کلمہ بھی فرمایا ہو اسی طرح کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کام کے کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹا ہو کہ یہ کام تم نے کیوں کیا، یا کسی کام کے نہ کرنے پر ڈانٹا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام رویہ عفو ودرگزر کا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے جس کو بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے کہ:

خَدَمْتُهُ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا لَامَنِيْ عَلٰى شَيْءٍ اُتِيَ فِيْهِ عَلٰى يَدَيَّ فَاِنْ لَامَنِيْ لَائِمٌ مِنْ اَهْلِهٖ قَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ لَوْ قُضِيَ شَيْءٌ كَانَ. (مشکوٰۃ المصابیح)

میں نے دس (۱۰) سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، اگر کبھی میرے ہاتھ سے کوئی چیز ضائع یا خراب ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی مجھے ملامت نہیں فرمائی اور اگر میری اس غلطی پر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی ملامت کرتا تو آپ فرما دیتے تھے کہ جب بات مقدر ہو چکی تھی وہ ہونی ہی تھی۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ آپ کا یہ رویہ ذاتی معاملات میں تھا، لیکن جیسا کہ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام وحدود کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی رورعایت نہیں فرماتے تھے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ اِنِّيْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم آپ مشرکین اور کفار کے حق میں بد دعا فرمائیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں لعنت اور بد دعا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار و مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کے لائے ہوئے دین حق کے انتہائی درجہ کے دشمن تھے، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح کی ایذائیں دیتے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عزیز اور مقدس وطن مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا، اس کے بعد بھی ان کی شر انگیزیوں کا سلسلہ جاری رہا، تو کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام نے درخواست کی کہ حضور ان ظالموں بدبختوں کے حق میں بد دعا فرمائیں کہ اللہ ان پر اپنا قہر و عذاب نازل فرمائے اور یہ ہلاک و برباد کر دیئے جائیں جس طرح اگلی بہت سی امتوں کے ایسے ظالم کفار پر عذاب نازل ہوا اور زمین ان کے وجود سے پاک کر دی گئی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں لعنت اور بد دعا کروں، مجھے تو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس قرآن مجید میں فرمایا ہے: "وما ارسلنک الا رحمةً للعٰلمین."

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَا اِمْرَاَةً وَلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ يُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، وَمَانِيْلَ مِنْهُ شَيْئٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمُ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ يُنْتَهَكَ شَيْئٌ مِنْ مَحَارِمِ اللهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، البتہ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں ضرور ایسا ہوا ہے...... اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے والی کوئی حرکت کی گئی ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انتقام لیا ہو، (بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی معاملات میں معافی اور درگزر ہی کا معاملہ فرماتے تھے (البتہ اگر کسی شخص کی طرف سے کسی فعل حرام کا ارتکاب کیا جاتا تو آپ اللہ کے لئے (یعنی فرمان خداوندی کی تعمیل میں) اس مجرم کو سزا دیتے (یا سزا دینے کا حکم فرماتے) تھے...... (صحیح مسلم)

تشریح...... ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کی غلطی یا بدتمیزی پر غصہ ہو کر اس کو نہیں مارا حتیٰ کہ نہ کبھی کسی خادم پر آپ کا ہاتھ اٹھا نہ کسی عورت پر...... یعنی کسی خادم غلام یا باندی سے یا کسی بیوی سے کیسی ہی غلطی ہوئی ہو، کبھی غصہ سے آپ کا ہاتھ اس پر نہیں اٹھا...... ہاں جہاد فی سبیل اللہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے اس کے کسی دشمن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اٹھا ہے، چنانچہ غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کا سردار ابی بن خلف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔

دوسری بات حضرت صدیقہؓ نے یہ بیان فرمائی کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی بدبخت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچائی ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدتمیزی کی ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انتقام لیا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے معاملہ میں ہمیشہ عفو و درگزر ہی سے کام لیتے تھے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی حرام فعل اور جرم کا ارتکاب کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سزا دیتے تھے، لیکن یہ سزا بھی نفس کے تقاضے اور طبیعت کے غصہ سے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور اس کے حکم کی تعمیل میں دی جاتی تھی۔

وفات اور مرض وفات

صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور ولادت باسعادت اور بعثت و آغاز وحی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کے ابواب کے سلسلہ کو باب وفات پر ختم کیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور مرض وفات سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں، اسی کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور مرض وفات سے متعلق چند حدیثوں کے ذکر پر اس سلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

پہلے یہ ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بارے میں اس پر تو محدثین اور اہل سیر و تاریخ کا اتفاق ہے کہ ۱۱ہجری ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا، لیکن تاریخ کے بارے میں، تاریخ ولادت ہی کی طرح روایات اور اقوال مختلف ہیں، حدیث کی کسی کتاب میں کوئی روایت نہیں ہے جس میں حضور کی تاریخ وفات کا ذکر کیا گیا ہو، تاریخ اور سیر کی کتابوں میں تین تاریخوں کی روایات ذکر کی گئی ہیں، ربیع الاول کی پہلی، دوسری اور بارہویں اور تاریخ ولادت کی طرح وفات کی تاریخ بھی بارہویں ہی زیادہ مشہور ہے لیکن بعض محققین نے لکھا ہے کہ تاریخ وفات ۱۲۔ ربیع الاول کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ بات مسلم اور صحیح ترین روایات سے ثابت ہے کہ وفات سے تقریباً پونے تین مہینے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کیا (حجۃ الوداع) تو ۹۔ ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا...... اور یہ بھی مسلم اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دوشنبہ کے دن ہوئی تو ۹۔ ذی الحجہ کو جمعہ ہونے کی صورت میں ۱۲۔ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن کسی طرح نہیں ہوسکتا ذی الحجہ، محرم، صفر تینوں مہینوں کو خواہ ۳۰۔۳۰ دن کا فرض کیا جائے یا ۲۹۔۲۹ دن کا یا بعض کو ۲۹ اور بعض کو ۳۰ دن کا کسی صورت میں بھی ۱۲۔ ربیع الاول کو، دوشنبہ کا دن نہیں ہوسکتا...... ہاں اگر تینوں مہینوں کو ۲۹ دن کا مانا جائے (جو بہت مستبعد ہے اور جس کا امکان بہت کم ہے) تو ربیع الاول کو پہلے دوشنبہ کو ۲ تاریخ ہوگی اور اگر ایک مہینہ کو ۲۹ دن کا اور دو مہینوں کو ۳۰۔۳۰ دن کا مانا جائے (جو بکثرت ہوتا ہے) تو ربیع الاول کے پہلے دوشنبہ کو یکم تاریخ ہوگی۔ ان سب حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ قرین قیاس یکم ربیع الاول والی روایت ہے...... واللہ اعلم۔

"اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ!

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَتْلٰى اُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِيْنَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ، ثُمَّ طَلَعَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ اِنِّىْ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ فَرَطٌ وَاَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيْدٌ، وَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ، وَاِنِّىْ لَاَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاَنَا فِىْ مَقَامِىْ هٰذَا، وَاِنِّىْ قَدْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ، وَاِنِّىْ لَسْتُ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِىْ، وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر آٹھ سال کے بعد نماز پڑھی، اس شخص کی طرح جو الوداع کہنے والا ہو زندوں کو اور مردوں کو، پھر آپ (مسجد شریف آکر) منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارے آگے فرط (میر منزل) کی طرف جانے والا ہوں اور میں تمہارے بارے میں شہادت دینے والا ہوں اور تم میں سے ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے اور میں اپنی اسی جگہ سے اس حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی

طرف سے عطا فرما دی گئی ہیں، زمین کے خزانوں کی کنجیاں، اور مجھے تمہارے بارے میں اس کا خطرہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ میرے بعد تمہاری رغبت اور چاہت کا رخ دنیا کی طرف ہو جائے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح..... واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ احد میں جو صحابہ کرام شہید ہوئے تھے (جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ومحترم چچا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے) ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی (بغیر نماز جنازہ ہی دفن کئے گئے تھے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا کہ آپ کا سفر آخرت قریب ہے تو آپ ایک دن مشہد احد تشریف لے گئے (جہاں شہدائے احد مدفون ہیں) اور آپ نے ان پر جنازہ کی نماز پڑھی..... صحیح للبخاری کتاب الجنائز کی اسی حدیث کی روایت میں ہے "صَلّٰى عَلٰى اَهْلِ اُحُدٍ صَلٰوتَهٗ عَلَى الْمَيِّتِ....." اس میں صراحت ہے کہ آپ نے آٹھ سال پہلے شہید ہو کر دفن ہونے والوں پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح میت کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے..... آگے حدیث کے راوی عقبہ بن عامر کے الفاظ ہیں "كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ" مطلب یہ ہے کہ اس نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال وہ تھا جو زندوں اور مردوں سب کو الوداع کہنے والے اور رخصت کرنے والے کسی شخص کا ہوتا ہے..... آگے حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ پھر وہاں سے آپ مسجد تشریف لائے (غالباً نماز کا وقت ہو گا اور مسجد میں لوگ جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے جمع ہوں گے) آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور خاص اہتمام کے ساتھ یہ چند باتیں ارشاد فرمائیں..... اول یہ کہ میں تم سے پہلے اور تم سے آگے عالم آخرت کی طرف "فرط" کی طرح جانے والا ہوں..... عرب میں دستور تھا کہ جب قافلہ کسی طرف جانے والا ہوتا تو ایک سمجھدار اور تجربہ کار آدمی، آگے کی منزل کی طرف پہلے روانہ ہو جاتا، جو قافلہ سے پہلے منزل پر پہنچ کر قافلہ کے لئے ضروری انتظامات کر لیتا اس کو فرط کہا جاتا تھا (صاحب مظاہر حق نے فرط کا ترجمہ میر منزل کیا ہے)..... اس ارشاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر آخرت کے قریب ہونے کا اشارہ دینے کے ساتھ صحابہ کرام کو تسلی دی کہ میرا تم سے پہلے چلا جانا تمہارے لئے باعث خیر ہو گا، میں آگے جا کر تمہارے لئے وہ کروں گا جو فرط کرتا ہے اور جس طرح قافلہ روانہ ہونے کے بعد منزل پر پہنچ کر پھر فرط سے مل جاتا ہے اسی طرح تم بھی مجھ سے آملو گے..... آگے آپ نے فرمایا اور میں تمہارے بارے میں شہادت دوں گا کہ تم ایمان لائے تھے اور تم نے میرا اتباع کیا اور راہ حق میں ساتھ دیا تھا..... آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں ملاقات حوض کوثر پر ہو گی۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس حوض کوثر کو میں اس وقت اپنی اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ نے سارے پردے اٹھا کر آخرت کے حوض کوثر کو میرے سامنے کر دیا ہے) اس کے ساتھ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس زمین اور اس دنیا کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرما دی گئی ہیں یہ بشارت تھی کہ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں میری امت کو عطا فرمائے جانے کا خداوندی فیصلہ ہو چکا (واقعہ یہ ہے کہ اس کا ظہور عہد صحابہ ہی میں ہو گیا۔)

اس خطاب کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم پھر مشرک ہو جاؤ گے اس طرف سے مجھے اطمینان ہے، ہاں یہ خطرہ ضرور ہے کہ تمہاری رغبت اور طلب کا رخ دنیا کی زینتوں لذتوں کی طرف ہو جائے، حالانکہ مومن کے لئے رغبت اور چاہت کی چیز صرف جنت ونعمہائے آخرت ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہی کے بارے

میں ارشاد فرمایا ہے۔ "وَفِیْ ذَالِکَ فَلْیَتَنَا فَسِ الْمُتَنَا فِسُوْنَ."

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْہُ "لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ" قَالَتْ عَائِشَةُ لَوْلَا ذَاکَ لَاُبْرِزَ قَبْرُہٗ وَخَشْیَةَ اَنْ یُتَّخَذَ مَسْجِدًا. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مرض میں جس سے آپ صحت یاب نہیں ہوئے (یعنی مرض وفات میں) ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کرنے کے بعد) حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا نہ ہوتا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو کھول دیتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو بھی اسی طرح سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی اسی خطاب میں فرمائی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پانچ دن پہلے مسجد میں منبر پر رونق افروز ہو کر فرمایا تھا اور بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کی شدت کی حالت میں جب کہ آپ اپنے بستر ہی پر تھے، یہ فرمایا تھا، قرین قیاس یہ ہے کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض کی شدت کی حالت میں بستر پر بھی فرمائی اور مسجد کے خطاب عام میں بھی کیوں کہ آپ کو اس کی غیر معمولی فکر تھی کہ میرے بعد میرے امتی میری قبر کے ساتھ وہ معاملہ نہ کریں جو یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کے ساتھ کیا ہے اور اس کی وجہ سے خداوندی لعنت کے مستحق ہو گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تو اطمینان تھا کہ میرے امتی بت پرستی جیسے شرک میں کبھی مبتلا نہ ہوں گے (اس اطمینان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار بھی فرمایا) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ تھا کہ شیطان ان کو میری محبت اور تعظیم کے حیلہ سے اس شرک میں مبتلا کر دے کہ وہ میری قبر کو سجدہ کرنے لگیں، اس لئے اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اور مختلف موقعوں پر اور مختلف عنوانوں سے تنبیہ فرمائی اور خاص کر مرض وفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا زیادہ اہتمام فرمایا، خطاب عام میں بھی فرمایا اور گھر میں بستر علالت پر بھی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ ابْنَتَہٗ فِیْ شَکْوَاہُ الَّذِیْ قُبِضَ فِیْہِ فَسَارَّھَا بِسِرٍّ فَبَکَتْ ثُمَّ دَعَاھَا فَسَارَّھَا فَضَحِکَتْ، قَالَتْ فَسَأَلْتُھَا عَنْ ذَالِکَ فَقَالَتْ سَارَّنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّہٗ یُقْبَضُ فِیْ وَجْعِہِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ فَبَکَیْتُ ثُمَّ سَارَّنِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنِّیْ اَوَّلُ اَھْلِ بَیْتِہٖ اَتْبَعُہٗ فَضَحِکْتُ. (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں (ایک دن) اپنی صاحبزادہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (اپنے پاس) بلایا اور راز داری کے طور پر ان سے کوئی بات کی تو وہ رونے لگیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور اسی طرح راز داری کے طور پر کوئی بات کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ) میں

نے اس کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ سے راز داری کے طور پر بات کی تھی تو مجھے یہ اطلاع دی تھی کہ آپ اسی مرض میں وفات پائیں گے (جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی) تو میں رنج اور صدمہ سے رونے لگی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دوبارہ اسی طرح راز داری سے بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے سب سے پہلے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے روانہ ہوں گی (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملوں گی) تو مجھے خوشی ہوئی اور میں ہنسنے لگی۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حدیث کا مضمون واضح ہے البتہ یہ ذکر کردینا مناسب ہوگا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ تفصیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں جس دن یہ واقعہ ہوا اور حضرت صدیقہؓ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرنا چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا بات فرمائی تھی، جس کی وجہ سے تم پہلے رونے لگی تھیں اور پھر جلدی ہی ہنسنے لگی تھیں؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس دن نہیں بتلایا بلکہ یہ کہا کہ جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راز داری کے ساتھ فرمائی ہے اس کو میں ظاہر نہیں کرسکتی...... پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو حضرت صدیقہؓ نے پھر ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ پہلی دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بتلایا تھا کہ میں اسی مرض میں دنیا سے اٹھالیا جاؤں گا تو میں رنج وصدمہ سے رونے لگی تھی، پھر جب دوسری دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملوں گی، تو رنج وغم کی کیفیت ختم ہوگئی اور میں خوشی سے ہنسنے لگی تھی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دونوں باتیں اسی طرح واقع ہوئیں، ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ فرمایا تھا اسی مرض میں وفات پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال میں سے سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہی وفات ہوئی، صرف چھ مہینے کے بعد...... یقیناً یہ ان پیشینگوئیوں میں سے ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِىْ طَالِبٍ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ وَجَعِهِ الَّذِىْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا اَبَا حَسَنٍ كَيْفَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِاللهِ بَارِئًا، فَاَخَذَهٗ بِيَدِهٖ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهٗ اَنْتَ وَاللهِ بَعْدَ ثَلَاثٍ عَبْدُ الْعَصَا، وَاِنِّىْ وَاللهِ لَاَرَىٰ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْفَ يُتَوَفّٰى فِىْ وَجَعِهٖ هٰذَا اِنِّىْ لَاَعْرِفُ وُجُوْهَ بَنِىْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ عِنْدَالْمَوْتِ، اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْنَسْئَلْهُ فِىْ مَنْ هٰذَا الْاَمْرُ؟ اِنْ كَانَ فِيْنَا عَلِمْنَا ذَالِكَ، وَاِنْ كَانَ فِىْ غَيْرِنَا عَلِمْنَاهُ فَاَوْصٰى بِنَا فَقَالَ عَلِيٌّ اِنَّا وَاللهِ لَئِنْ سَاَلْنَاهَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنَعْنَاهَا لَا يُعْطِيْنَاهَا النَّاسُ وَاِنِّىْ وَاللهِ لَا اَسْئَلُهَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه البخارى)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات کے ایام میں (ایک دن) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر نکل کر آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آج رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کا حال کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ الحمدللہ آج حالت اچھی ہے (مرض میں افاقہ ہے) تو (ان کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ، نے ان کا ہاتھ پکڑ کے ان سے کہا کہ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم دوسروں کے تابع اور محکوم ہو جاؤ گے، میں محسوس کر رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد ہی وفات پا جائیں گے...... موت کے قریبی وقت میں عبدالمطلب کی اولاد کے چہروں کی جو کیفیت ہوتی ہے میں اس کو پہچانتا ہوں (اس پہچان اور تجربہ کی بناء پر میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت قریب ہی ہے) تم ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) یہ کام (یعنی کار خلافت و نیابت) کس کے پاس رہے گا؟...... اگر ہمارے (یعنی اہل خاندان) کے سپرد ہونے والا ہوگا تو ہم کو معلوم ہو جائے گا اور اگر ہمارے علاوہ کسی کے سپرد ہونے والا ہوگا تو ہم کو اس کا علم ہو جائے گا اور آپ ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے...... تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر ہم نے خلافت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو منع فرما دیا (یعنی خلافت ہم کو سپرد نہ کرنے کا فیصلہ فرما دیا) تو خدا کی قسم (آپ کے منع فرما دینے کے بعد) لوگ ہم کو خلافت نہ دیں گے تو میں تو خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت کا سوال نہیں کروں گا...... (صحیح بخاری)

تشریح...... یہ بات تو حدیث کے مضمون ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ جو واقعہ اس میں بیان ہوا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے آخری ایام کا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''فتح الباری'' میں اس حدیث کی شرح میں ابن اسحاقؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام زہری جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ یہ خاص اسی دن صبح کا واقعہ ہے جس دن سہ پہر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمائی۔

یہ بات بھی حدیث ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ جس دن کا واقعہ اس میں بیان ہوا ہے اس کی صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بہ ظاہر ایسی اچھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جو آپ کے خاص تیمارداروں میں تھے) اپنے احساس اور اندازہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا اور دوسرے لوگوں کو مطمئن کرنا چاہا تھا...... لیکن ان کے (اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ، (جو خاندان کے بوڑھے بزرگ اور زیادہ تجربہ کار تھے) اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور میں وہ آثار محسوس کر لئے تھے، جن سے ان کو اندازہ اور گویا یقین ہو گیا تھا کہ آپ جلدی ہی اس دنیا دار فانی سے دار البقا آخرت کی طرف رحلت فرمانے والے ہیں، اسی بناء پر انہوں نے حضرت علیؓ سے (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے) وہ بات کہی جو حدیث میں صراحت اور صفائی کے ساتھ ذکر کی گئی ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہے...... ہمارے زمانے کے ان لوگوں کو جو خلافت نبوت کو بھی بادشاہت اور حکومت ہی سمجھتے ہیں حضرت علیؓ کے اس جواب اور طرز عمل سے شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں بادشاہت اور حکومت کی طمع تھی (اور بعض ناآشنایان حقیقت نے اس کا اظہار بھی کیا ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ خلافت نبوت دنیوی بادشاہت اور حکومت سے بالکل مختلف چیز ہے (ان دونوں میں ویسا ہی فرق ہے جیسا کہ دین اور دنیا میں فرق ہے) خلافت نبوت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین حق کی دعوت و اشاعت، امت کی تعلیم و تربیت، اعلاء

کلمۃ الحق، جہاد و قربانی، اور نظام عدل کے قیام کا جو کام وحی الٰہی کی رہنمائی میں نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے جس طریق و منہاج پر اور جن اخلاقی اصولوں کی پابندی کے ساتھ انجام دے رہے تھے، وہی کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور قائم مقام کی حیثیت سے، اسی طریقہ و منہاج پر اور انہی اصولوں کی پابندی کے ساتھ کتاب وسنت اور اسوۂ نبوی کی رہنمائی میں انجام دیا جائے۔ اسی کو خلافت نبوت اور خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ "دنیوی بادشاہت" کی طرح پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں بھرا بستر ہے۔ اس کی طمع اور طلب اس بندہ خدا کے لئے جو امید رکھتا ہو کہ اللہ کی مدد و توفیق سے وہ اس کا حق ادا کر سکے گا، ہرگز مذموم نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کو توقع تھی کہ اگر قرعہ فال میرے نام پر آیا اور یہ خدمت عظمیٰ میرے سپرد ہوئی تو ان شاء اللہ بتوفیق خداوندی میں اس کو کما حقہ، انجام دے سکوں گا، اس لئے اس کی طمع اور طلب ایک اعلیٰ درجہ کی سعادت کی طلب تھی۔ چنانچہ ازل سے طے شدہ ترتیب کے مطابق جب پہلے تین خلفائے راشدین کے بعد آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے کتاب وسنت کی رہنمائی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے اصولوں کی پابندی کے ساتھ کار خلافت انجام دیا، لیکن چونکہ آپ کا پورا دور خلافت فتنوں کا زمانہ تھا، (جن میں امت حضرت عثمانؓ کی انتہائی مظلومانہ شہادت کی پاداش میں مبتلا کر دی گئی تھی) اس لئے آپ کا پورا وقت اور تمام تر قوت و صلاحیت فتنوں کی آگ بجھانے میں صرف ہوئی اور مثبت تعمیر کا آپ کو وقت ہی نہ ملا۔ وکان ذلک قدراً مقدوراً.

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ وَجَعُهٗ اِسْتَاذَنَ اَزْوَاجَهٗ اَنْ يُّمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ فَاَذِنَّ لَهٗ فَخَرَجَ وَهُوَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلاً فِي الْاَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَبَيْنَ رَجُلٍ اٰخَرَ فَكَانَتْ عَائِشَةُ تُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دَخَلَ بَيْتِيْ وَاشْتَدَّ بِهٖ وَجَعُهٗ قَالَ هَرِيْقُوْا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحَلَّلْ اَوْ كِيَتُهُنَّ لَعَلِّيْ اَعْهَدُ اِلَى النَّاسِ فَاَجْلَسْنَاهُ فِي الْمِخْضَبِ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْقِرَبِ حَتّٰى طَفِقَ يُشِيْرُ اِلَيْنَا بِيَدِهٖ اَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى النَّاسِ فَصَلّٰى لَهُمْ وَخَطَبَهُمْ. (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھ گیا اور تکلیف میں شدت زیادہ ہوگئی تو آپ نے ازواج مطہرات سے اجازت چاہی کہ اب آپ کا علاج اور تیمارداری میرے ہی گھر میں ہو (یعنی مستقل قیام میرے ہی گھر میں رہے) تو سب ازواج مطہرات نے اس کی اجازت دے دی (اور سب اس پر راضی ہوگئیں) تو آپ کو دو آدمی اس طرح لے کر میرے گھر آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک (کے گھسٹنے سے) زمین پر لکیر بن رہی تھی (آپ کو لانے والے یہ دو آدمی) ایک ان میں سے عباس بن عبدالمطلب تھے اور دوسرے ایک اور صاحب تھے...... آگے حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف لے آئے تو (ایک دن) آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو آپ نے ہم سے (یعنی ازواج مطہرات سے) فرمایا کہ مجھ پر سات ایسی مشکوں سے پانی چھوڑو جن کے بند کھولے نہ گئے ہوں، تاکہ (میری حالت بہتر اور پرسکون ہو جائے تو) میں (مسجد جا کر) لوگوں سے بہ طور وصیت کچھ ضروری

باتیں کرسکوں (حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں) کہ ہم نے آپ کو ایک ٹب میں بٹھایا جو آپ کی زوجہ مطہرہ حفصہؓ کا تھا، پھر ہم نے (آپ کی ہدایت کے مطابق) آپ پر مشکوں سے پانی چھوڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ہمیں اشارہ فرمایا کہ تم نے کام پورا کردیا۔ (حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آپ کو سکون ہوگیا)۔ چنانچہ آپ مسجد تشریف لے گئے پھر آپ نے نماز پڑھائی اور اس کے بعد خطاب بھی فرمایا (جس کا آپ کے دل میں خاص تقاضا تھا)۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... اس حدیث کا مضمون صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواج مطہرات تھیں جن کے حجرات (چھوٹے چھوٹے گھر) الگ الگ تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور ومعمول تھا کہ عدل و انصاف کے تقاضے کے مطابق باری باری ان سب کے ہاں ایک ایک رات قیام فرماتے، آپ اس کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ بعض علمائے کرام نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ ایسا کرنا آپ کے حق میں فرض وواجب تھا۔ بہر حال ماہ صفر ۱۱ھ کی کسی تاریخ کو (جس کے بارے میں روایات مختلف ہیں) آپ کے اس مرض کا سلسلہ شروع ہوا جس کا اختتام وفات ہی پر ہوا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام تھا پھر اگلے دن جن زوجہ مطہرہ کے ہاں قیام کی باری تھی، آپ ان کے ہاں منتقل ہوگئے اور اس بیماری ہی کی حالت میں کئی دن تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ جن زوجہ مطہرہ کے ہاں قیام کی باری ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں منتقل ہوجائیں۔ بیماری کی حالت میں روزانہ ایک گھر سے دوسرے گھر منتقلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سخت تکلیف کا باعث تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی گھر میں قیام فرمائیں اور مختلف وجوہ سے اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت عائشہؓ کے گھر کو ترجیح تھی۔

صحیح بخاری کی جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے، اس کے الفاظ کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ازواج مطہرات سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا اور ان سے اس کی اجازت چاہی لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے صحیح سند سے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ امہات المؤمنین سے یہ اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے لی تھی، (۱) بہر حال سب ازواج مطہرات اس پر راضی ہوگئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں پہنچا دیئے گئے۔ (۱)۔ فتح الباری جز ۱۸ ص ۱۰۴ طبع انصاری دہلی۔

خود حضرت صدیقہؓ کی روایت ہے کہ یہ دوشنبہ کا دن تھا، یعنی وفات سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے...... آپ مرض کے اثر سے اس وقت تک اتنے ضعیف ونحیف ہوگئے تھے کہ آپ خود نہیں چل سکتے تھے، بلکہ دو آدمی اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان دو آدمیوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کا تو نام لیا اور دوسرے صاحب کا نام نہیں لیا، شارحین نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت عباسؓ تو ایک طرف سے مستقل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھائے ہوئے تھے اور دوسری جانب سے اٹھانے والے تبدیل ہوتے رہتے تھے، کبھی حضرت علیؓ اور کبھی حضرت عباسؓ کے صاحبزادے فضل بن عباسؓ اور کبھی حضرت اسامہؓ۔

بہر حال اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں پہنچا دیا گیا جس کو ہمیشہ کے لئے آپ کی آرام گاہ بننا مقدر ہو چکا تھا اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ دوشنبہ کا دن تھا۔

آگے حدیث میں حضرت عائشہؓ کا جو بیان ہے کہ میرے گھر میں تشریف لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں شدت ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کرایا گیا اور سات مشکوں سے آپ پر پانی چھوڑا گیا جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بہتر اور طبیعت ہلکی ہوگئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی اور نماز کے بعد صحابہ کرامؓ سے خطاب فرمایا۔

تو یہ واقعہ اس دن کا نہیں ہے جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہؓ کے گھر میں تشریف لائے بلکہ یہ تین دن کے بعد جمعرات کے دن کا واقعہ ہے جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے۔ اور یہ ظہر کی نماز تھی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری نماز تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد شریف میں پڑھائی اور اس کے بعد جو خطاب فرمایا وہ مسجد شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری خطاب تھا۔

صحیح بخاری جزوسوم "بَابُ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ الخ" میں اس واقعہ سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جو روایت ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ یہ ظہر کا وقت تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتداء میں نماز شروع ہو چکی تھی، تو اس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکون اور طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا اور آپ دو صاحبوں کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے، حضرت ابوبکرؓ جو نماز پڑھا رہے تھے، ان کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو وہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو اپنی جگہ پر رہو اور جو دو حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گئے تھے، ان سے فرمایا کہ مجھے ابوبکر کے برابر ہی میں بٹھا دو، انہوں نے ایسا ہی کیا، اب اصل امام خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے اور حضرت ابوبکر مقتدی۔ اس نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا۔

اس سلسلہ کی مختلف روایات سامنے رکھنے کے بعد واقعات کی ترتیب یہ معلوم ہوتی ہے کہ وفات سے پانچ ۵ دن پہلے جمعرات کے دن ظہر سے پہلے کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض اور تکلیف میں شدت ہوگئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور وصیت کچھ لکھوانے کا ارادہ فرمایا اور لکھنے کا سامان لانے کے لئے ارشاد فرمایا۔

پھر آپ کی رائے لکھوانے کی نہیں رہی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تقاضا رہا کہ وصیت کے طور پر کچھ ضروری باتیں صحابہ کرامؓ سے فرما دی جائیں۔

چنانچہ جب ظہر کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا کہ مجھے غسل کراؤ اور سات ایسی مشکوں سے جن کے بند کھولے نہ گئے ہوں مجھ پر پانی چھوڑو، (۱) ازواج مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بڑے ٹب میں بٹھلا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق غسل کرایا۔

(۱)۔ یہ ایک طریقہ علاج تھا جس کا اس زمانے میں حجاز مقدس میں رواج تھا اور ایک خاص قسم کے بخار میں یہ علاج نافع ہوتا تھا۔

اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بہتر اور طبیعت ہلکی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے سہارے مسجد تشریف لے گئے اور جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے نماز بھی پڑھائی اور اس کے بعد منبر پر رونق افروز ہو کر خطاب بھی فرمایا۔

اس خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ امت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے امتیازی مقام کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ امت میں جو مرتبہ ابوبکرؓ کا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں ہے اور اپنی جگہ نماز کا امام تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلے ہی بنا دیا تھا...... ان سب چیزوں کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو ایک حد تک یقین ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن ظہر سے پہلے تکلیف کی شدت کی حالت میں بہ طور وصیت لکھوانے کا جو ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت و امامت ہی کا مسئلہ تھا۔

اگر چہ بعد میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک لکھوانے کی نہیں رہی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی جگہ امام نماز بنا کر اور مسجد شریف کے اس آخری خطاب میں ان کا امتیاز اور امت میں ان کا بلند ترین مقام بیان فرما کر ان کی خلافت و امامت کے مسئلہ کی طرف پوری رہنمائی فرما دی اور صحابہ کرامؓ کے لئے وہ رہنمائی کافی ہوئی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ مَرِضَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ مَرَضُهٗ فَقَالَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ اِنَّهٗ رَجُلٌ رَقِیْقٌ اِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ یَسْتَطِعْ اَنْ یُّصَلِّیَ بِالنَّاسِ، قَالَ مُرِیْ اَبَابَكْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَعَادَتْ فَقَالَ مُرِیْ اَبَابَكْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ، فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَصَلّٰی بِالنَّاسِ فِیْ حَیَاتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریض ہوئے اور پھر آپ کا مرض بہت بڑھ گیا (اور آپ مسجد تشریف لا کر نماز پڑھانے سے بالکل معذور ہو گئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (میری طرف سے) ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو (جو جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہیں) نماز پڑھا دیں تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ وہ رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ نماز پڑھانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو (ان پر رقت غالب آ جائے گی اور) وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی یہ بات سن کر بھی یہی) فرمایا کہ ابوبکر کو حکم پہنچا دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں (حضرت عائشہؓ نے پھر اپنی بات دہرائی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا کہ ابوبکر کو حکم پہنچا دو کہ وہ نماز پڑھا دیں (اسی کے ساتھ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا "فانکن صواحب یوسف" پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم لے کر) حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اور حکم) ان کو پہنچایا تو پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں (یعنی وفات تک برابر) لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح...... مرض وفات میں مسجد تشریف لے جا کر نماز پڑھانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل معذور ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ کے نماز پڑھانے کا یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مختلف صحابہ کرامؓ سے کہیں بہت اختصار کے ساتھ اور کہیں پوری تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جو حدیث یہاں درج کی گئی ہے وہ امام بخاری نے "بَابُ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ" میں روایت کی ہے، اسی باب

میں اسی واقعہ سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اور اس اگلے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں بھی امام بخاری نے درج فرمائی ہیں۔ ان سب میں یہ واقعہ بہت اختصار کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کے تین باب آگے "بَابُ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ، لِيُؤْتَمَّ بِهٖ" میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس واقعہ سے متعلق جو حدیث امام بخاری نے روایت کی ہے اس سے واقعہ کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے آٹھ دن پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی مرض کی شدت اور ضعف و نقاہت بہت زیادہ بڑھ جانے کے باوجود کئی دن تک ہر نماز کے وقت مسجد تشریف لے جا کر حسب معمول خود ہی نماز پڑھاتے رہے پھر اسی حال میں ایک دن ایسا ہوا کہ عشاء کی اذان ہوگئی اور لوگ جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہو گئے، لیکن اس وقت مرض کی شدت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی اور غفلت کی سی کیفیت طاری ہوگئی جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے مسجد میں نماز ادا کر لی؟...... عرض کیا گیا کہ ابھی لوگوں نے نماز ادا نہیں کی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے ٹب میں پانی رکھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ غسل کرنے سے ان شاء اللہ مرض کی شدت میں تخفیف ہو جائے گی اور میں مسجد جا کر نماز پڑھا سکوں گا حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ہم نے ٹب میں پانی رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور اٹھ کر کھڑے ہونے لگے، لیکن پھر وہ غشی اور غفلت کی سی کیفیت طاری ہوگئی پھر جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز ادا کر لی؟ عرض کیا گیا کہ ابھی نماز ادا نہیں کی گئی لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ٹب میں پانی بھرنے کا حکم فرمایا اور پھر غسل فرمایا اور پھر مسجد تشریف لے جانے کیلئے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو پھر وہی غشی اور غفلت کی سی کیفیت طاری ہوگئی، پھر جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز ادا کر لی عرض کیا گیا کہ ابھی نماز ادا نہیں کی گئی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ٹب میں پانی بھرنے کے لئے فرمایا اور غسل فرمایا کہ مسجد جانے کے لئے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو پھر وہی غشی اور غفلت کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ (غرض تین دفعہ ایسا ہی ہوا) اس کے بعد جب افاقہ ہوا اور دریافت کرنے پر پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ ابھی مسجد میں جماعت نہیں ہوئی، لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں مسجد میں جمے بیٹھے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ابوبکرؓ کو میری طرف سے کہہ دیا جائے کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی جو روایت اوپر درج کی گئی ہے اس میں بھی ہے اور اس واقعہ کی اکثر روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس موقعہ پر عرض کیا کہ میرے والد ابوبکر رقیق القلب ہیں وہ جب نماز پڑھانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رقت غالب آ جائے گی اور وہ نماز پڑھا نہیں سکیں گے، اس لئے بجائے ان کے حضرت عمرؓ کو حکم دیدیا جائے وہ مضبوط دل کے آدمی ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کو قبول نہیں فرمایا اور جب انہوں نے دوبارہ وہی بات کہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ ابوبکر ہی کو میرا یہ پیغام پہنچایا جائے کہ وہ نماز پڑھا دیں) چنانچہ

حضرت بلالؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم پہنچایا...... (ان کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت عائشہؓ اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عرض کر چکی ہیں اور ان کو کیا جواب مل چکا ہے۔) انہوں نے بھی اپنی قلبی کیفیت کا خیال کرتے ہوئے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم نماز پڑھا دو، انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لئے حکم فرمایا ہے تم ہی نماز پڑھاؤ...... چنانچہ حضرت ابو بکر نے نماز پڑھائی...... اوپر یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ عشاء کی نماز تھی اور یہ پہلی نماز تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی حکم سے حضرت ابو بکرؓ نے پڑھائی اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہی مسجد شریف میں نماز پڑھاتے رہے۔

آگے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر ایک دن نماز ظہر کے وقت جب کہ مسجد شریف میں نماز باجماعت شروع ہو چکی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض اور تکلیف میں تخفیف اور افاقہ کی کیفیت محسوس کی تو دو آدمیوں کے سہارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا احساس ہو گیا وہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ مقتدیوں کی صف میں شامل ہو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو اپنی جگہ رہو...... اور جو دو آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے کر مسجد لے گئے تھے، ان سے فرمایا کہ مجھے ابو بکرؓ کے پہلو میں بٹھا دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اب یہاں سے اصل امام حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ مقتدی ہو گئے، لیکن ضعف و نقاہت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیرات وغیرہ کی آواز چونکہ سب نمازی نہیں سن سکتے تھے اس لئے تکبیرات وغیرہ حضرت ابو بکرؓ ہی کہتے رہے بعض راویوں نے اس کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے، اور باقی تمام نمازی ابو بکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے، مطلب یہی ہے کہ عام نمازیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیرات وغیرہ کی آواز نہیں پہنچتی تھی ابو بکرؓ ہی کی آواز پہنچتی تھی اور وہ اسی کے مطابق رکوع و سجدہ وغیرہ کرتے تھے، یہ ظہر کی وہی نماز تھی جس کا ذکر پہلے بھی متعدد روایات میں آچکا ہے اور یہ کہ اس نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر رونق افروز ہو کر خطاب بھی فرمایا جو مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطاب تھا۔ اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اپنی جگہ امام مقرر فرما دینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی یہ نماز مسجد تشریف لا کر ادا فرمائی اس کے علاوہ بھی کوئی نماز ان دنوں میں مسجد تشریف لا کر ادا فرمائی یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ سے متعلق متعدد روایات میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ذکر کیا گیا ہے کہ میں نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار عرض کیا کہ ابو بکرؓ رقیق القلب ہیں وہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رقت طاری ہو جائے گی اور وہ نماز نہ پڑھا سکیں گے تو اس کا اصل محرک میرا یہ خیال تھا کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے گا لوگ اس کو اچھی محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے اس لئے میں چاہتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نماز پڑھانے کا حکم نہ دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً ان کے دل اور زبان کے اس فرق کو محسوس فرما لیا اس لئے ڈانٹا اور فرمایا "ان کن صواحب یوسف" حضرت عائشہؓ یہ نہ سمجھ سکیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان

کو اپنی حیات میں امام نماز بنا کر اپنے بعد کے لئے امت کی امامت کبریٰ (خلافت نبوت) کا فیصلہ اپنے عمل سے فرما دینا چاہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے امام بنانے پر اصرار اسی مقصد سے تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ، كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِىْ مَرَضِهِ الَّذِىْ مَاتَ فِيْهِ يَاعَائِشَةُ مَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِىْ أَكَلْتُ بِخَيْبَرِ، وَهٰذَا أَوَانٌ وَجَدْتُ اِنْقِطَاعَ أَبْهَرِىْ مِنْ ذٰلِكَ السَّمِّ. (رواه البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں مجھ سے فرماتے تھے کہ اے عائشہ! میں اس (زہر آلود) کھانے کی کچھ تکلیف برابر محسوس کرتا رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب اس وقت میں محسوس کرتا ہوں کہ اس زہر کے اثر سے میری رگ جان کٹی جا رہی ہے...... (صحیح بخاری)

تشریح ...... ۷ ہجری میں جب خیبر فتح ہوا اور جنگ کے خاتمہ پر معاہدہ بھی ہو گیا تو یہود کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بھنی ہوئی بکری ہدیہ کے طور پر بھیجی گئی، مشکوٰۃ المصابیح ہی میں ابوداؤد اور دارمی کی ایک روایت ہے جس میں یہ وضاحت اور صراحت ہے کہ اس بھنی بکری میں ایک یہودی عورت نے ایسا زہر ملا دیا تھا جس کو آدمی اگر کھا لے تو فوراً ہی اس کی زندگی ختم ہو جائے اور اس یہودی عورت نے کسی طرح یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دست کا گوشت زیادہ پسند فرماتے ہیں تو اس قاتلہ نے اس بکری کی دست میں وہ زہر بہت زیادہ ملا دیا تھا، بہرحال وہ بھنی بکری کھانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند اصحاب اور بھی اس کھانے میں شریک تھے، جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کے دست میں سے ایک لقمہ لیا اور کھایا۔ ''فوراً ہاتھ روک لیا اور ساتھیوں سے بھی فرمایا کہ ہاتھ روک لو، بالکل نہ کھاؤ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اسی وقت آپ نے اس یہودیہ کو بلوایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تو نے اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا کہ کس نے یہ بات بتلائی؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بکری کی دست جو میری ہاتھ میں ہے اسی نے بحکم خدا مجھے بتلایا ہے کہ میرے اندر زہر ملایا گیا ہے۔ یہودی عورت نے اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے زہر ملایا تھا اور یہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ اگر تم سچے نبی ہو گے تو تم پر زہر کا اثر نہیں ہو گا اور اگر تم جھوٹے مدعی نبوت ہو گے تو ختم ہو جاؤ گے اور تمہارے ختم ہو جانے سے ہمیں راحت اور چین حاصل ہو جائے گا اور اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی ہیں۔ اسی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف فرما دیا۔

یہاں خیبر کے اس واقعہ کا ذکر صرف یہ بتلانے کے لئے کیا گیا ہے کہ خیبر میں زہر آلود لقمہ کے کھانے کا وہ واقعہ معلوم ہو جائے، جس کا ذکر زیر تشریح حدیث میں کیا گیا ہے...... جو زہر بکری کی دست میں ملایا تھا وہ ایسا ہی تھا کہ اس کا لقمہ کھا کر آدمی ختم ہی ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے معجزانہ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا لیا۔ لیکن اس کا کچھ اثر باقی رہا جس کی کچھ تکلیف کبھی کبھی آپ محسوس فرماتے تھے، اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ جب دعوت حق امت کی تعلیم و تربیت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا وہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پورا ہو جائے جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی تو پھر اس زہر کا اثر پوری طرح ظاہر ہو کر آپ کی وفات کا وسیلہ بنے اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "شهادت فی سبیل الله" کی سعادت و فضیلت بھی حاصل ہو۔

اس تفصیل کی روشنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب و مفہوم پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد اور حال بیان کیا ہے وہ بظاہر اسی دن کا ہے جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور تکلیف میں شدت شروع ہوئی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَابَكْرٍ اَقْبَلَ عَلٰى فَرَسٍ مِنْ مَسْكَنِهٖ بِالسُّنحِ حَتّٰى نَزَلَ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ فَتَيَمَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُغْشِىٌّ بِثَوْبِ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهٖ ثُمَّ اَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهٗ وَبَكٰى ثُمَّ قَالَ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ وَاللّٰهِ لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ اَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِىْ كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا. قَالَ الزُّهْرِىُّ وَحَدَّثَنِىْ اَبُوْ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَبَابَكْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اِجْلِسْ يَا عُمَرُ فَاَبٰى عُمَرُ اَنْ يَّجْلِسَ فَاَقْبَلَ النَّاسُ اِلَيْهِ وَتَرَكُوْا عُمَرَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ. اَمَّابَعْدُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُاللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَىٌّ لَا يَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ. وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اِلَى الشَّاكِرِيْنَ وَقَالَ وَاللّٰهِ لَكَاَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ حَتّٰى تَلَاهَا اَبُوْبَكْرٍ فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ، فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ اِلَّا يَتْلُوْهَا. (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قیام گاہ سنح سے آئے، گھوڑے سے اتر کر مسجد میں آئے، جو لوگ وہاں جمع تھے، ان سے کوئی بات نہیں کی پہلے حضرت عائشہ کے گھر میں آئے اور سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، آپ کو ایک دھاری دار یمنی چادر اڑھا دی گئی تھی، حضرت ابوبکرؓ نے چادر ہٹا کر چہرۂ مبارک کھولا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر جھک پڑے اور بوسہ دیا، پھر کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر میرے ماں باپ قربان! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا جو موت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقدر ہو چکی تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہو گئی (یہاں تک حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے جس کو امام زہری نے ابوسلمہ کے حوالہ سے حضرت صدیقہؓ سے روایت کیا ہے) آگے امام زہری ابوسلمہ ہی کے حوالہ سے (اسی موقع سے متعلق) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان روایت کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کے گھر سے باہر آئے، اس وقت حضرت عمرؓ (اپنے خاص حال میں) لوگوں سے بات کر رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ عمر بیٹھ جاؤ (اور جو بات کر رہے ہو وہ نہ کرو) لیکن حضرت عمرؓ نے (اپنے خاص حال میں) یہ بات نہیں مانی تو (حضرت ابوبکرؓ منبر کی طرف آئے) تو سب لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کی بات سننے کے لئے ان کی طرف آ گئے، انہوں نے (منبر سے) خطاب کرتے ہوئے۔ (حمد صلوٰۃ اور توحید و رسالت کی شہادت کے بعد) فرمایا:

اَمَّابَعْدُ. مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُاللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَىٌّ لَا يَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ. وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّاللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ.

اما بعد تم میں سے جو کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت اور بندگی کرتا تھا تو وہ تو وفات پا گئے اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی عبادت اور بندگی کرتا تھا تو وہ "حَيٌّ لَا يَمُوْت" ہے، اس کو کبھی فنا نہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے۔

"اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پلٹ جائے تو وہ خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو ضرور صلہ عطا فرمائے گا۔

(حدیث کے راوی) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ایسا معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کے اس موقع پر یہ آیت تلاوت فرمانے سے پہلے گویا لوگوں نے جانا ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے (یعنی اس وقت لوگ اس آیت کے مضمون سے غافل ہو گئے تھے) پھر تو سب ہی لوگوں نے اس کو لے لیا، پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی اور میں ہر شخص کو یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے سنتا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... مندرجہ بالا حدیث معلوم ہو چکا ہے کہ جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کی صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بہت بہتر اور قابل اطمینان ہو گئی تھی، اسی لئے حضرت ابو بکرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر اپنی قیام گاہ سنخ چلے گئے تھے، وہ ابھی وہیں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، جن لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی وہ جمع ہونا شروع ہو گئے، ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے جو کسی طرح اس کے ماننے بلکہ سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے کہ حضور وفات پا گئے۔ حافظ ابن حجر نے اسی حدیث کی شرح میں مسند احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر اڑھا دی حضرت عمرؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کیلئے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے پردہ کر لیا اور ان دونوں کی اجازت دے دی تو وہ دونوں اندر آئے حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور کہا "واغشیتاہ" (ہائے کیسی غشی ہے) اس کے بعد یہ دونوں باہر جانے لگے تو حضرت مغیرہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ (غشی یا سکتہ نہیں ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو زور سے ڈانٹا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھائے جائیں گے جب تک فلاں فلاں کام انجام نہ پا جائیں جو ابھی انجام نہیں پائے ہیں، بہر حال حضرت عمرؓ کا یہی حال تھا اور وہ پورے زور و شور سے لوگوں سے یہی کہہ رہے تھے اسی حال میں حضرت ابو بکرؓ گھوڑے پر سوار ہو کر آ پہنچے، پہلے مسجد آئے جہاں لوگ جمع تھے لیکن کسی سے کوئی بات نہیں کی بلکہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اہٹایا اور روتے ہوئے بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، جو موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقدر تھی وہ آ چکی (صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے اس موقع پر "انا لله وانا اليه راجعون" بھی کہا)...... اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ باہر تشریف لائے یہاں حضرت عمرؓ اپنے خیال کے مطابق لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ یعنی لوگوں سے جو بات کر رہے ہو نہ کرو، لیکن حضرت عمرؓ اس وقت ایسے مغلوب الحال تھے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بات

نہیں مانی بلکہ اس وقت ماننے سے صاف انکار کر دیا، حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کو اسی حال میں چھوڑ کر مسجد میں منبر پر تشریف لائے، پھر سب لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر انہی کے پاس آ گئے حضرت ابو بکرؓ نے وہ خطاب فرمایا جو اوپر حدیث کے ترجمہ میں لفظ بہ لفظ نقل کر دیا گیا ہے اور قرآن مجید کی سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ تلاوت فرمائی۔

حضرت ابو بکرؓ کے اس خطبہ اور اس آیت نے ہر صاحب ایمان کے دل میں یہ یقین پیدا کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن یقیناً وفات فرمانے والے تھے، وفات فرما گئے اور ہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے ہوئے جینا اور مرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس خاص موقع پر حضرت ابو بکرؓ سے یہ آیت سن کر سب کی زبان پر یہی آیت جاری تھی ہر ایک اسی آیت کی تلاوت کر کے اپنے نفس کو اور دوسروں کو اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر ثابت قدمی کا سبق دے رہا تھا۔

اسی واقعہ کے سلسلہ میں آگے امام زہری ہی نے سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ خود حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ جب ابو بکر نے آیت "**وما محمد الا رسول**"...... **الآية** تلاوت کی تو اپنی غلطی کے احساس سے میرا یہ حال ہو گیا کہ گویا میں بے جان ہو گیا میری ٹانگوں میں دم نہیں رہا کہ میں کھڑا ہو سکوں میرے دل نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک وفات پا گئے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهٖ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ: سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَالَ، "مَاقَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ اَنْ يُدْفَنَ فِيْهِ" اِدْفِنُوْهُ فِيْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو آپ کی تدفین کے بارے میں لوگوں میں رائے کا اختلاف ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایک بات سنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اسی جگہ وفات دیتا ہے جہاں وہ اس کا دفن کیا جانا پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کی جگہ ہی دفن کیا جائے...... (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس بارے میں صحابہؓ کی رائیں مختلف ہوئیں کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ شارحین نے نقل کیا ہے کہ بعض حضرات کی رائے تھی کہ آپ کو بلد اللہ الحرام مکہ مکرمہ لے جا کر دفن کیا جائے بعض کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں بقیع میں دفن کیا جائے۔

اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ اس بارے میں میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی ہے، آپ فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ رہا ہے کہ ان کی وفات خاص اسی جگہ ہوتی ہے، جہاں ان کا دفن ہونا ان پیغمبر کو یا خود اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتا ہے۔

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی بستر کی جگہ دفن کیا جائے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اسی جگہ دفن کئے گئے جہاں بستر پر آپ آرام فرماتے تھے اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی...... کیسا خوش نصیب ہے زمین کا وہ قطعہ جس نے سید المرسلین خاتم النبیین محبوب رب العالمین کو قیامت تک کے لئے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ دَائِمًا اَبَدًا.**

كِتَابُ التَّقْدِيْرِ

قضاء وقدر پر ایمان لانا اسلام کا ایک رکن ہے

عَنْ يَحْيٰى بْنِ يَعْمُرٍ فِيْ مسلم قَالَ كَانَ اَوَّلُ مَنْ قَالَ فِى الْقَدْرِ بِالْبَصْرَةِ مَعْبَدَ الْجُهَنِىَّ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِىُّ حَاجَّيْنِ اَوْ مُعْتَمِرَيْنِ فَقُلْنَا لَقِيْنَا اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْنَاهُ عَمَّا يَقُوْلُ هٰؤُلَاءِ فِى الْقَدْرِ فَوُفِّقَ لَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرُ بن الخطاب دَاخِلاً الْمَسْجِدَ فَاكْتَنَفْتُهُ اَنَا وَصَاحِبِىْ اَحَدُنَا عَنْ يَمِيْنِه وَالْاٰخَرُ عَنْ شِمَالِهٖ فَظَنَنْتُ اَنَّ صَاحِبِىْ سَيَكِلُ الْكَلَامَ اِلَيَّ فَقُلْتُ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِنَّهٗ قَدْ ظَهَرَ لَنَا قِبَلَنَا اُنَاسٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ وَيَتَقَفَّرُوْنَ الْعِلْمَ وَذَكَرَ مِنْ شَانِهِمْ وَاَنَّهُمْ يَزْعَمُوْنَ اَنْ لَا قَدَرَ وَاَنَّ الْاَمْرَ اُنُفٌ قَالَ اِذَا لَقِيْتَ اُوْلٰئِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اِنِّىْ بَرِئٌ مِنْهُمْ وَاِنَّهُمْ بُرَاءُ مِنِّىْ وَالَّذِىْ يَحْلِفُ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بن عُمَرَ لَوْ اَنَ لِاَحَدِهِمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فَاَنْفَقَهٗ مَاقَبِلَ اللّٰهُ مِنْهُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ. (رواه مسلم)

یحییٰ بن یعمر بیان کرتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر میں جس نے سب سے پہلے کلام کیا وہ بصرہ میں ایک شخص معبد جہنی تھا۔ میں اور میرے ساتھ حمید بن عبدالرحمٰن حمیری حج یا عمرہ کرنے کی نیت سے نکلے تو ہم نے کہا کاش! ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی شخص مل جاتا تو ہم اس سے ان شبہات کے متعلق جو یہ لوگ تقدیر کے بارے میں نکالتے رہتے ہیں، کچھ باتیں دریافت کر لیتے۔ حسب الاتفاق ہمیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے ملاقات نصیب ہوگئی۔ اس وقت وہ اور میں مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ بس میں اور میرا ساتھی ایک ان کی دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں جانب سے ان کو لپٹ گئے۔ میں جانتا تھا کہ میرا رفیق سلسلہ گفتگو کا آغاز میرے ہی سپرد کرے گا۔ اس بناء پر میں نے ہی عرض کی، اے ابو عبدالرحمٰن! (عبداللہ بن عمر کی کنیت ہے) ہمارے اطراف میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم میں بہت کدوکاوش بھی کرتے ہیں، پھر ان کی مفصل روئداد بیان کی، ان کا عقیدہ ہے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں اور دنیا کے واقعات کسی تقدیر کے بغیر یونہی چلتے رہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا جب ان سے تمہاری ملاقات ہو تو ان کو مطلع کر دینا کہ نہ میرا ان سے کوئی تعلق رہا نہ ان کا مجھ سے۔ اس ذات کی قسم جس کے نام کی قسم عبداللہ بن عمر کھاتا ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور وہ اس کو خیرات کر ڈالے جب بھی وہ اس وقت تک اس سے قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کا ایمان تقدیر پر نہ ہو۔ (مسلم)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ وَحَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهٗ وَاَنَّ مَا اَخْطَاءَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهٗ. (رواه الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک بندہ اس پر ایمان نہ لائے کہ برا بھلا سب تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس کا یقین نہ کرے کہ جو خیر وشر اس کو پہنچ گیا یہ ناممکن تھا کہ اس کو پہنچتا اور جو نہیں پہنچا یہ بھی ممکن نہ تھا کہ اس کو پہنچ جاتا۔ اس وقت تک اس کا ایمان کچھ نہیں۔ (ترمذی)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ بِاَرْبَعٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنَ بِالْمَوْتِ وَيُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ. (رواه الترمذی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک بندہ چار باتوں کی دل سے گواہی نہ دے مؤمن نہیں ہوتا۔ اس بات کی کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی کہ میں کسی تردد کے بغیر اس کا رسول ہوں' اس نے سچا دین دے کر مجھ کو بھیجا ہے اور مرکر قیامت میں پھر جینے کا یقین نہ کرے اور جب تک کہ تقدیر کو نہ مانے۔ (ترمذی)

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ شَيْءٍ حَقِيْقَةٌ وَمَا بَلَغَ عَبْدٌ حَقِيْقَةَ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهٗ وَمَا اَخْطَاَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهٗ. (رواه احمد والطبرانی)

ابو درداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح ایمان کی بھی ایک حقیقت ہے۔ بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت نہیں پا سکتا جب تک اس کا یقین نہ رکھے کہ جو کچھ اس کو پہنچ گیا یہ ناممکن تھا کہ اس کو نہ پہنچتا اور جو نہیں پہنچا یہ بھی ناممکن تھا کہ اس کو پہنچ جاتا۔ (احمد' الطبرانی)

تشریح۔ انسان اس عالم میں مختار ہی مختار نظر آتا ہے اگر کہیں انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر اس پر عالم غیب کے جبر کی اطلاع نہ دیں تو وہ مدت العمر اپنے اسی جہل میں مبتلا رہے۔ وہ نظر حقیقت میں اس کی مجبوری کو پیرایہ بہ پیرایہ سمجھاتے ہیں اور اس تاکید کے ساتھ سمجھاتے ہیں کہ اگر اس کو اپنی اس مجبوری کا یقین نہیں تو وہ اس کا بھی یقین رکھے کہ ابھی اس کو ایمان کی حقیقت بھی حاصل نہیں۔ پس جبکہ حقیقت یہ ٹھہری کہ انسان مختار ہونے کے ساتھ مجبور بھی ہے تو پھر ان احادیث کی اہمیت بھی واضح ہو گئی۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ لَمَّا قَدِمَ عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ الْكُوْفَةَ اَتَيْنَاهُ فِيْ نَفَرٍ مِنْ فُقَهَاءِ اَهْلِ الْكُوْفَةِ فَقُلْنَا لَهٗ حَدِّثْنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَدِيُّ بْنَ حَاتِمٍ اَسْلِمْ تَسْلَمْ قُلْتُ وَمَا الْاِسْلَامُ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتُؤْمِنُ بِالْاَقْدَارِ كُلِّهَا خَيْرِهَا وَشَرِّهَا حُلْوِهَا وَمُرِّهَا. (رواه ابن ماجه)

امام شعبی روایت کرتے ہیں کہ عدی بن حاتم جب کوفہ آئے تو ہم اہل کوفہ کے کچھ سمجھ دار لوگوں کو لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے ان سے گزارش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو باتیں آپ نے سنی ہیں وہ ہمیں بھی سنائیے۔ انہوں نے فرمایا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' عدی! اسلام قبول کرلو تو امن

وچین سے رہو گے۔ میں نے عرض کی اسلام کیا چیز ہے؟ فرمایا یہ کہ اس بات کی دل سے گواہی دو کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ کی ذات (عزوجل) اور اس بات کی کہ میں کسی تردد کے بغیر اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس پر بھی یقین کرو کہ برا بھلا اور تلخ وشیریں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا رہتا ہے وہ سب پہلے سے مقدر ہو چکا ہے۔ (ابن ماجہ)

عَنْ اَبِیْ حَفْصَۃَ قَالَ قَالَ عُبَادَۃُ بْنُ الصَّامِتِ لِاِبْنِہٖ یَابُنَیَّ اِنَّکَ لَنْ تَجِدَطَعْمَ حَقِیْقَۃِ الْاِیْمَانِ حَتّٰی تَعْلَمَ اَنَّ مَااَصَابَکَ لَمْ یَکُنْ لِیُخْطِئَکَ وَمَا اَخْطَاَکَ لَمْ یَکُنْ لِیُصِیْبَکَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَاخَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْقَلَمُ وَقَالَ لَہٗ اُکْتُبْ فَقَالَ رَبِّ وَمَاذَا اَکْتُبُ قَالَ اُکْتُبْ مَقَادِیْرَ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ یَابُنَیَّ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ مَاتَ عَلٰی غَیْرِ ھٰذَا فَلَیْسَ مِنِّیْ. (رواہ ابو داؤد)

ابوحفصہ روایت فرماتے ہیں کہ عبادہ بن صامت نے اپنے فرزند سے کہا اے میرے عزیز فرزند تم کو اس وقت تک ایمان کی حقیقت کی لذت نہیں آ سکتی جب تک کہ تم اس کا یقین نہ کرو کہ جو خیر وشر تم کو پہنچ گیا وہ کبھی خطا نہیں کر سکتا تھا اور جو نہیں پہنچا اس کا پہنچنا ممکن نہ تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو شے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بنائی) وہ قلم ہے پھر اس کو حکم دیا کہ لکھ۔ اس نے عرض کی کہ پروردگار! کیا لکھوں؟ ارشاد ہوا قیامت تک جس چیز کے لیے جو کچھ مقدر ہو چکا ہے وہ سب لکھ۔ اے میرے فرزند! عزیز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ جو شخص اس عقیدہ کے سوا کسی دوسرے عقیدہ پر مرے گا وہ مجھ سے نہ ہوگا۔ (ابوداؤد)

تشریح۔ پہلی حدیث میں اسی پختہ اعتقاد کو حقیقت ایمان سے تعبیر کیا گیا تھا۔ اعتقاد جب پختہ ہو جاتا ہے تو پھر قلب سے گزر کر تمام جسم کو اس کی لذت کا احساس ہونے لگتا ہے اس لیے اعتقاد اب ذائقہ کی چیز بن جاتا ہے اسی کو اس حدیث میں "طعم" لذت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قضاء وقدر پر اس درجہ کا اعتقاد چونکہ ہر شخص کا حصہ نہیں ہوتا اس لیے ان دونوں حدیثوں میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ یہ مقام کامل مؤمن کا ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ جان ودل سے اس مقام اعلیٰ پر پہنچنے کی کوشش کرے تا کہ جو اب تک صرف مؤمن تھا وہ حقیقی مؤمن بن جائے اور جس کا ایمان آج تک صرف ایک علمی حیثیت رکھتا تھا اب وہ وجدانی ووجدانی سے حسّی بن جائے۔

منکرین تقدیر کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید کلمات

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْقَدَرِیَّۃُ مَجُوْسُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْھُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْھَدُوْھُمْ. (رواہ احمد و ابو داؤدُ وروی الطبرانی فی الاوسط عن انس الوعید فی القدریۃ والمرجئۃ کلیھا قال الھیثمی ورجالہ' رجال الصحیح غیر ھارون بن موسٰی الفردی وھو ثقۃٌ و ماروی عن ابن عمر فیہ زکریا بن منظور و ثقہ احمد بن صالح وغیرہ وضعفہ جماعۃ قال السندیُ وقد جاء اصل ھذا المتن من حدیث ابن عمر ایضًا عند ابی داؤد و قد اخرجہ الترمذی وحسنہ' وقد صححہ الحاکم وقال علٰی شرط

الشیخین ان صحّ سماعُ ابی حازم عن ابن عمرو حقق الحافظ ابن حجرانه صحیح علی شرط مسلم فی الاکتفاء بالمعاصرة فلا وجه للحکم بوضعه کما قیل (وفی النسخه بوصفه وهو غلط)

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تقدیر کا انکار کرنے والے اس اُمت کے مجوسی ہیں۔ اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت بھی نہ کرنا اور اگر مرجائیں تو ان کے جنازہ میں بھی شریک نہ ہونا۔ (احمد ابوداؤد ابن ماجہ)

تشریح۔ حدیث مذکور میں عیادت اور جنازہ کی شرکت کے متعلق خاص طور پر ممانعت فرمانے کا نکتہ یہ ہے کہ یہ اُن حقوق میں سے ہیں جو عام مسلمانوں کے لیے بھی واجب ہیں۔ پس جب منکرین قدر کے لیے یہ عام حقوق بھی واجب نہ رہے تو سوچو ان کا شمار کیا مسلمانوں کے زمرہ میں ہوگا؟ قدریہ چونکہ تقدیر کے منکر ہیں اور بندوں کے افعال کا خالق خود ان کو قرار دیتے ہیں اس لیے وہ بھی گویا خالق ہیں تقسیم کے قائل ہوگئے جس طرح کہ مجوس قائل ہیں۔ یہ خیر وشر کے خالق کو جدا جدا مانتے ہیں اور منکرین قدر بندوں کے افعال کے خالق جدا جدا مانتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس اُمت کے مجوس یہ ہوئے بلکہ یہ ان سے بھی بدتر ہیں کہ مجوس تو صرف دو خالق کے قائل ہیں اور یہ بے شمار خالقوں کے قائل ہوگئے۔ (نعوذ باللہ منہ)

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْکَ السَّلَامَ فَقَالَ اِنَّهُ بَلَغَنِیْ اَنَّهُ قَدْ اَحْدَثَ فَاِنْ کَانَ قَدْ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّی السَّلَامَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَکُوْنُ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوْ فِیْ اُمَّتِیْ اَلشَّکُّ مِنْهُ خَسْفٌ اَوْ مَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِیْ اَهْلِ الْقَدَرِ. (رواه الترمذی)

نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے۔ فرمایا میں نے سنا ہے اس نے تقدیر کے متعلق کوئی نیا عقیدہ اختیار کیا ہے۔ اگر اس نے کوئی نیا عقیدہ اختیار کیا ہو تو میری جانب سے اس کو سلام مت کہنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ اس اُمت میں یا میری اُمت میں (یہ شک راوی کی جانب سے ہے) جو لوگ تقدیر کا انکار کریں گے ان پر عذاب نازل ہوگا زمین میں دھنسا کر یا اس کی شکل بدل کر یا اوپر سے پتھر برسا کر۔ (ترمذی مسند احمد)

عَنْ نَافِعٍ قَالَ کَانَ لِابْنِ عُمَرَ صَدِيْقٌ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ يُکَاتِبُهُ فَکَتَبَ اِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَنَّهُ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ تَکَلَّمْتَ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الْقَدَرِ فَاِيَّاکَ اَنْ تَکْتُبَ اِلَیَّ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنَّهُ سَيَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ يُکَذِّبُوْنَ بِالْقَدَرِ. (رواه الحاکم)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک شامی دوست تھا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اس مضمون کا ایک خط لکھا: مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے تقدیر کے بارے میں کچھ بات چیت شروع کی ہے لہٰذا آئندہ سے ہرگز مجھ سے خط وکتابت نہ رکھنا' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں کہ اس اُمت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو تقدیر کی تکذیب کریں گے۔ (مستدرک)

تشریح۔ اس حدیث میں اس سے پہلی حدیث سے کچھ زیادہ تفصیل تھی اس لیے اس کو دوبارہ درج کیا گیا ہے جو لوگ اسلامی تعلیمات سے دور ہو جائیں ان کے ساتھ مذاق سلف کیا تھا؟ اس حدیث سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے جہاں معمولی باتوں پر سخت گیری اسلامی معاشرت سے ناواقفی کی دلیل ہے وہاں اہم امور میں تساہل بھی اسلامی تعلیمات سے جہالت کا ثمرہ ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ثَلَاثَةٌ اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ الْاِسْتِسْقَاءُ بِالْاَنْوَاءِ وَحَيْفُ السُّلْطَانِ وَتَكْذِيْبٌ بِالْقَدَرِ. (رواہ احمد)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ مجھے اپنی اُمت کے متعلق تین باتوں کا اندیشہ ہے، نچھتروں سے بارش طلب کرنا، بادشاہ کا ظلم کرنا اور تقدیر کا انکار کرنا۔ (احمد)

تشریح۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کا تخم کلیۃً ایسا فنا نہیں ہوگا کہ ان کا انفرادی طور پر بھی کہیں وجود باقی نہ رہے بلکہ کسی نہ کسی خط میں کسی نہ کسی درجہ تک یہ اعتقاد باقی رہے، چلا جائے گا۔ آپ کا فرمودہ صبح صادق کی طرح پورا ہو رہا ہے۔ آج بھی لوگ گو اپنے منہ سے تقدیر کا اقرار کرتے ہیں مگر کیا اپنے باطن میں بھی اس پر صحیح اعتقاد رکھتے ہیں۔ بادشاہوں کے ظلم کا افسانہ تو کب کا کہنہ ہو چکا، بارش کا معاملہ بھی ظاہر ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُجَالِسُوْا اَهْلَ الْقَدَرِ وَلَا تُفَاتِحُوْهُمْ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا منکرین تقدیر کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھو اور نہ ان کے ساتھ سلام میں پیش قدمی کرو۔ (ابوداؤد) یعنی متعدی بیماری اگر ہے تو یہ ہے اس لیے اس سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ ان کی صحبت سے بھی بچا جائے۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ مُجَابٌ، الزَّائِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ فَيُعِزُّ بِذٰلِكَ مَنْ اَذَلَّهُ اللّٰهُ وَيُذِلُّ مَنْ اَعَزَّهُ اللّٰهُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحَرَمِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِيْ. (اخرجہ الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں بھی لعنت کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ بھی لعنت فرماتا ہے (اور تم جانتے ہو) کہ ہر نبی کی دعاء مقبول ہی ہوتی ہے۔ (لہٰذا میری لعنت معمولی بات نہیں) (۱) کتاب اللہ میں اپنی طرف سے زیادتی کرنے والا (۲) اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا منکر (۳) ظلم و تعدی کر کے بادشاہ بن بیٹھنے والا جس کی حرکات ناشائستہ یہ ہوں کہ خدا کے نزدیک قابل عزت بندوں کو ذلیل کر ڈالے اور جو قابل ذلت ہوں ان کو عزت دے۔ (۴) خدا تعالیٰ کے حرم میں جو باتیں ناروا ہوں ان کو حلال کر دینے والا (۵) میری اولاد کا احترام نہ رکھنے والا (۶) میرا طریقہ چھوڑ بیٹھنے والا۔

تشریح۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اعتقادی یا عملی پہلوؤں میں جب کبھی اسلام کے مرکزی نقطہ سے کوئی ادنیٰ سا ٹکراؤ بھی پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اس کی نظروں میں قابل برداشت نہیں سمجھا جاتا اور اسی مقام پر اس قسم کی تعبیرات آ جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا جتنی باتیں ہیں ان سب ہی میں یہ ٹکر موجود ہے۔

تقدیر لکھی جا چکی ہے

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ اِنِّيْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَ قَوْمٌ مِنْ بَنِيْ

تَمِيْمٍ. فَقَالَ اقْبَلُوْا الْبُشْرٰى يَابَنِىْ تَمِيْمٍ قَالُوْا بَشَّرْتَنَا فَاَعْطِنَا فَجَاءَ نَاسٌ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اقْبَلُوْا الْبُشْرٰى يَا اَهْلَ الْيَمَنِ اِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُوْ تَمِيْمٍ قَالُوْا قَبِلْنَا جِئْنَاكَ لِنَتَفَقَّهَ فِى الدِّيْنِ وَلِنَسْأَلَكَ عَنْ اَوَّلِ هٰذَا الْاَمْرِ مَا كَانَ قَالَ كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَكَتَبَ فِى الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ ثُمَّ اَتَانِىْ رَجُلٌ فَقَالَ يَا عِمْرَانُ اَدْرِكْ نَاقَتَكَ فَقَدْ ذَهَبَتْ فَانْطَلَقْتُ اَطْلُبُهَا فَاِذَا السَّرَابُ يَنْقَطِعُ دُوْنَهَا وَ اَيْمُ اللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنَّهَا قَدْ ذَهَبَتْ وَلَمْ اَقُمْ. (رواه الشيخان)

عمران بن حصین بیان فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا کہ بنی تمیم قبیلہ کے کچھ لوگ آ گئے' آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا' اے بنی تمیم کے لوگو! لو بشارت قبول کرو' انہوں نے عرض کیا اچھا آپ بشارت دیتے ہیں تو اب دیجئے کیا دیتے ہیں؟ اس کے بعد کچھ لوگ یمن والے آ گئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی یہی فرمایا' اے یمن والو! بنو تمیم نے تو اس بشارت کو قبول نہ کیا لو تم قبول کر لو' وہ بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے بسر و چشم قبول کیا' ہم تو دین سیکھنے کے لیے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں' اور یہ بات بھی دریافت کرنی ہے کہ اس عالم کی ابتداء کیسے ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس اللہ تعالیٰ ہی اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا' اس کے بعد اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھ کر ثبت فرما دی ہے' اتنے میں میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا عمران اپنی ناقہ کو پکڑو' وہ تو بھاگ گئی۔ میں اس کو تلاش کرنے کے لیے نکلا تو وہ اتنی دور جا چکی تھی کہ ریت کی چمک بھی نظر نہ آ سکے۔ (حالانکہ وہ بہت دور سے چمکتا رہتا ہے یعنی بہت دور جا چکی تھی) اور خدا کی قسم! مجھے یہ پسند تھا کہ وہ چلی جاتی اور میں اپنی جگہ سے نہ اُٹھتا۔ (متفق علیہ)

یہاں آپ کو بنی تمیم کی یہ اداء پسند نہ آئی کہ انسان اتنا گر جائے کہ اس کی نظر میں خوشخبری کا محور بس دنیوی منفعت کے سوا اور کچھ باقی ہی نہ رہے' آپؐ نے سکوت فرمایا اور یہ ناگواری کا سکوت تھا۔ اس پر بھی ان کو کچھ تنبہ نہ ہوا اور طبائع جب گرنے لگتی ہیں تو یہ قاعدہ ہے کہ ان کا احساس بھی گرنے لگتا ہے' اتنے میں یمن کے کچھ عالی ہمت لوگ آ نکلے' وہ اس بشارت کو لپک کر لے گئے اور ان کے سوال کے جواب میں یہ بات بھی ذکر میں آ گئی کہ عالم کی تقدیر لکھی جا چکی ہے۔ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ عالم غیب چونکہ ہم سے غائب ہی ہے اس لیے اگر وہ ہمارے سامنے بیان میں آتا بھی ہے اس وقت بھی بسا اوقات اس کے گوشوں میں ابہام ہی رہتا ہے گویا مذکور ہو جانے کے بعد بھی وہ مشہود کے درجہ میں نہیں آتا۔ اس کے علاوہ بعض حالتوں میں ابہام فی نفسہ پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ انعام و اکرام کے مواقع پر دنیا کا بھی یہی دستور ہے۔ یہاں بھی بشارت منظور تو ہوئی تھی مگر وہ کس کے نصیب میں ہے یہ گوشہ مبہم چھوڑ دیا گیا تھا حتیٰ کہ جب بانصیب جماعت آ گئی تو یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کے نصیب کی تھی۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کی ایک جماعت کو عالم خواب میں ایک خاص انداز کی فضیلت میں دیکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کا ذکر فرمایا تو ایک شخص عکاشہ بن محصن محفل مبارک میں حاضر تھے' بے ساختہ بول اُٹھے یا رسول اللہؐ! دعاء فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس جماعت میں بنا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا' جاؤتم ان میں سے ہوگئے' اس پر پھر دوسرے صاحب اُٹھے اور انہوں نے بھی یہی درخواست پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سبقک بھا عکاشہ" وہ تو عکاشہ لے اُڑے' یعنی اس وقت کسی مبہم کے حق میں اُس جماعت میں ہونا طے پایا تھا' وہ عکاشہ کے نصیب سے ان کو مل گیا' اب تیسرے اور چوتھے کی گنجائش نہیں ہے' جہاں ایک طرف تقدیر لکھی جا چکی تھی وہاں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کی قبولیت بھی اہل یمن کے حصہ میں لکھی جا چکی تھی۔

قضاء وقدر کی کتابت عالم کی پیدائش سے کتنی قبل ہوئی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ. (رواہ مسلم)

عبداللہ بن عمرو روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوقات کیلیے جو بھی مقدر فرمادیا تھا وہ سب قید کتابت میں لاکر محفوظ کردیا ہے اور اس سے پیشتر اس کا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم)

تشریح:۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیر کے پانچ مراتب تحریر فرمائے ہیں۔ سب سے پہلا مرتبہ ارادۂ ازلیہ ہے جو تمام کائنات کا اصل مبداء ومنشاء ہے۔ اس کے بعد دوسرا نمبر یہ کتابت ہے جس کا یہاں ذکر ہے۔ تیسرا نمبر وہ ہے جبکہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمالیا اور ارادہ کیا کہ نوع انسانی کی ان سے بنیاد قائم ہو تو ان کی تمام اولاد کو ان سے نکالا اور ان میں مطیع وعاصی اور مؤمن وکافر کی تقسیم فرمائی۔ چوتھا نمبر وہ کتابت ہے جو رحم مادر میں ہوتی ہے اس کا تذکرہ آئندہ حدیثوں میں آرہا ہے۔ پانچویں نمبر کی تفصیل یہاں عوام بلکہ اکثر خواص کے ذہن سے بھی بالاتر ہے اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ (حجۃ اللہ ص ۶۵ و ۶۶)۔ عرش اور پانی کے درمیان میں جب تک آسمان وزمین کا وجود ہی نہ تھا اس وقت تک یہی کہا جائے گا کہ نیچے پانی اور اوپر عرش پھر جب درمیان میں آسمان وزمین آ گئے تو اب تعبیر یہ ہوگی کہ عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔ درحقیقت عرش جہاں پہلے تھا اب بھی وہیں ہے' یہ تغیرات سب تحتانی ہوئے ہیں۔

حافظ ابن قیم نے تقدیری مراتب کو ایک دوسرے پیرایہ میں لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ایک تو وہ مرتبہ ہے جو زمین وآسمان کی پیدائش سے بھی پچاس ہزار سال پہلے لکھا گیا تھا۔ دوسرا وہ ہے جو زمین وآسمان کی پیدائش کے بعد لکھا گیا ہے مگر ذریۃ ابن آدم کی پیدائش سے قبل۔ اس کا پتہ حدیث میثاق سے چلتا ہے۔ تیسرا مرتبہ وہ ہے جو شکم مادر میں لکھا جاتا ہے اور چوتھا مرتبہ حولی ہے یعنی وہ سالانہ لکھا جاتا ہے یعنی شب قدر میں اور پانچواں یومی یعنی جو روزمرہ لکھا جاتا ہے۔ کل یوم ھو فی شان' حق تعالیٰ کی شان ہر دن نرالی ہے' کسی کو پست کرتا ہے اور کسی کو بلند' ان میں سے ہر مرتبہ پہلے مرتبہ کی صرف ایک تفصیل ہی ہوتی ہے۔ شفاء العلیل ص ۲۳ و ۲۴ اس کی مثال اس عالم میں بھی ہے یہاں بھی سالانہ بجٹ کی منظوری کے بعد پھر تحتانی دفاتر میں علیحدہ علیحدہ منظوریاں بھی ہوتی ہیں مگر یہ سب بجٹ میں داخل ہوتی ہیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَّلَ اللّٰهُ بِالرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ نُطْفَةٌ اَىْ رَبِّ عَلَقَةٌ اَىْ رَبِّ مُضْغَةٌ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّقْضِيَ خَلْقَهَا قَالَ اَىْ رَبِّ اَذَكَرٌ اَمْ اُنْثٰى اَشَقِيٌّ اَمْ سَعِيْدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الْاَجَلُ فَيُكْتَبُ كَذٰلِكَ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ. (رواہ البخاری)

انس بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے رحم

مادر پر ایک فرشتہ مقرر فرما رکھا ہے، وہ یہ عرض کرتا رہتا ہے، پروردگار! ابھی تک یہ نطفہ ہے، پروردگار! اب یہ خون بستہ کی شکل ہوگیا، پروردگار! اب یہ گوشت کا لوتھڑا بن گیا، اب اگر اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ اس کو پیدا فرمادے تو وہ عرض کرتا ہے، پروردگار! اس کے متعلق کیا لکھوں؟ مرد ہوگا یا عورت؟ بد بخت ہوگا یا نیک بخت، پھر اس کا رزق فراخ ہوگا یا تنگ اور عمر کتنی ہوگی؟ تو اس طرح یہ ساری باتیں ماں کے پیٹ کے اندر ہی اندر لکھ دی جاتی ہیں۔ (بخاری شریف)

تشریح: واضح رہے کہ اس حدیث کی اصل غرض اطوار جنین کی پوری تفصیلات بیان کرنی نہیں ہیں، یہ موضوع علم تشریح کا ہے۔ یہاں اطوار جنین یعنی حمل کے تغیرات اور بچہ کی تدریجی ترقیات کا تذکرہ صرف مسئلہ تقدیر کے لیے ایک تمہید کے طور پر آ گیا ہے تاکہ تقدیر کی کتابت کی نشان دہی ہو سکے۔ اس لیے اس کو پورے طور پر علم تشریح کے ساتھ منطبق کرنا قطعاً غیر ضروری ہے۔ نطفہ اور علقہ اور مضغہ کی تینوں حالتیں بلاشبہ ہر جنین کے لیے ضروری ہیں۔ اب ان کی درمیانی ترقیات کیا کیا ہوتی ہیں نہ ان کا یہاں ذکر ہے اور نہ چالیس دن کی مدت جیسا کہ آئندہ حضرت ابن مسعود کی حدیث میں آ رہی ہے۔ وہ پوری تحدید ہے۔ صحیح مسلم میں اس روایت کے الفاظ میں راویوں کی جانب سے کچھ اور اختلاف بھی ملتا ہے۔ اُدھر اطباء نے جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی اُن کی آراء کے اختلاف کے سوا خود جنین کے اختلاف سے بھی مختلف حالتیں ہو جاتی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب تک نطفہ میں مکمل تغیر نہیں ہوتا اس کو یہاں نطفہ ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر جب اس میں معمولی سا انجماد ہو جاتا ہے اس کو علقہ سے ادا کیا گیا ہے۔ جب اس سے زیادہ انجماد ہو جاتا ہے تو اس کو مضغہ کہا گیا ہے، خواہ اس میں ہڈیاں بھی نمایاں ہو چکی ہوں پھر جس طرح کہ دنیا میں گٹھلی لگا کر باغبان جانتا ہے کہ کتنے کتنے دنوں میں اس میں کیا کیا تغیرات ہوتے ہیں پھر زمین اور پانی کی موافقت کے لحاظ سے کہاں کہاں درخت عمدہ اور کہاں کہاں خراب پیدا ہوتا ہے۔ اسی طریقہ پر وہ فرشتے جو رحم مادر پر مؤکل و مقرر ہیں حق تعالیٰ کی جانب سے۔ اس کے احوال کو جانتے پہنچاتے ہیں۔

قضاء وقدر میں بحث ومباحثہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰی اِحْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی كَاَنَّمَا فُقِیءَ فِیْ وَجْنَتَیْهِ الرُّمَّانُ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْكُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْكُمْ اَلَّا تَنَازَعُوْا فِیْهِ. (رواه الترمذی)

ابوہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے۔ اس وقت ہم تقدیر کے مسئلہ میں بحث کر رہے تھے۔ اس پر آپ کو اتنا غصہ آیا کہ آپ کا چہرہ مبارک مارے غصہ کے سرخ ہوگیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا آپ کے رخساروں میں انار کا عرق نچوڑ دیا گیا ہے۔ فرمایا کیا تم کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے یا میں اسی بات کے لیے تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ خوب یاد رکھو تم سے پہلی اُمتوں نے جب اس بارے میں جھگڑے نکالے تو وہ برباد کر دی گئیں۔ اس لیے میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم ہرگز اس بارے میں بحث وتمحیص نہ کرنا۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ انسانی عاقبت نا اندیشی کی بھی انتہا ہے کہ جس مسئلہ میں گفتگو کرنے کی عاقبت معلوم ہو چکی ہو اس میں بھی ممانعت

کے باوجود وہ اُلجھنے سے باز نہیں آتا۔ یہاں ممانعت اس لیے نہیں کہ درحقیقت یہاں کچھ پانی مرتا ہے بلکہ دریا میں جہاں پانی زیادہ گہرا اور خطرناک ہوتا ہے وہاں ہر شفیق ناآموزوں کو تیراکی سے روکا ہی کرتا ہے۔

انسانی تفتیش کی اس طبعی حرص کو ختم کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی صورت ہی نہ تھی کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر آثار غضب نمایاں ہوں اور بس یہ دیکھتے ہی مخاطبین کے قلوب اس بحث سے ایسے متنفر ہو جائیں کہ دلوں میں کبھی اس کا خطرہ بھی نہ گزر سکے۔ سبحان اللہ یہ غصہ بھی کیسی شان رحمت لیے ہوئے تھا۔

قضاء وقدر میں گفتگو کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُخِّرَ الْكَلَامُ فِی الْقَدْرِ لِشِرَارِ اُمَّتِیْ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ. (رواه الطبرانی والحاکم)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ تقدیر کے بارے میں جھگڑے کرنا میری اُمت کے بدترین افراد کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے، یہ قیامت کے قرب میں ہوں گے۔ (طبرانی، حاکم)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ اَمْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مُرَامِرًا اَوْ قَالَ مُقَارِبًا مَالَمْ یَتَكَلَّمُوْا فِی الْوِلْدَانِ وَالْقَدْرِ. (قال الحاکم علیٰ شرط الشیخین و اقرہ الذہبی)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اُمت کے معاملات درست رہیں گے جب تک کہ وہ دو مسئلوں میں گفتگو نہ کریں، ایک وفات شدہ بچوں کی نجات وعدم نجات کے متعلق، دوم تقدیر کے معاملہ میں۔ (مستدرک)

تشریح۔ صاحب شریعت یہ چاہتے ہیں کہ اُمت اپنی حد استطاعت تک صرف عمل کرنے کی سعی میں لگی رہے۔ دقیق امور میں بحث کرنے سے صرف دماغی انتشار پیدا ہوتا ہے اور اس دماغی انتشار سے مذہب کا شیرازہ بھی منتشر ہونے لگتا ہے۔ وحی کے علوم دماغی مشاقی سے مستغنی ہوتے ہیں اس لیے ان کو جتنا بتا دیا جائے بس اس پر ایمان لے آنا چاہیے اور آئندہ عملی قدم اُٹھائے چلا جانا چاہیے، راہِ سلامتی یہ ہے اس کے سوا ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ پھر جن مسائل سے ہمارے عمل کا تعلق ہے ان کا صاف صاف فیصلہ کیا جا چکا ہے اور اگر ان میں اختلاف ہے بھی تو ہر صورت میں اجر کا وعدہ موجود ہے۔ رہے وہ معاملات جو ہمارے عمل سے متعلق نہیں ہیں ان کا تذکرہ بھی گو کافی حد تک مل جاتا ہے مگر کسی بدیہی چیز کا قبل از وقت معرض بحث میں لانا چونکہ کبھی بے وجہ الجھاؤ کا باعث بھی بن جاتا ہے اس لیے ان کی اتنی تفصیلات جتنی کہ انسان کا نفس بے وجہ کرنا چاہتا ہے نہیں ملتیں اور ان کو اپنے وقت پر چھوڑ دیا جاتا ہے قیامت میں یہ دونوں مسئلے بدیہی ہو کر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے پھر ابھی سے اس کے درپے ہونے کی ضرورت کیا ہے لیکن یہ انسان کی فطرت ہے کہ جتنا اس کو منع کیجئے تحقیقات کے لیے وہ اتنا ہی اور بے چین ہوتا ہے حالانکہ وہ نہیں سمجھتا کہ بعض مرتبہ اگر مسئلہ کی تفصیلات اس کی خاطر سب سامنے کر دی جائیں تو اس کے لیے شاید اس سے بڑھ کر کسی اور مصیبت کا باعث ہو جائے۔

قضاء وقدر کے فیصلہ پر رضا مندی بڑی سعادت کی علامت ہے

عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اِسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهٗ بِمَا قَضَى اللّٰهُ. (رواہ الترمذی)

سعد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر کے فیصلہ پر راضی ہو جانا آدمی کی سعادت کی دلیل ہے اور اس بدبختی کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ نیکی کی توفیق مانگنا چھوڑ دے اور تقدیر کے فیصلہ پر ناراض ہونا تو اس کی انتہائی بدبختی کا ثبوت ہے۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتداء حدیث میں جب خدا تعالیٰ کے ہر فیصلہ پر رضا مندی کی تاکید آئی تو کسی کے دل میں یہ وہم گزر سکتا تھا کہ پھر اگر انسان سے معصیت ہو جائے تو اس پر بھی اس کو راضی ہونا چاہیے اس لیے فرمایا کہ انسان کے لیے جہاں یہ ضروری ہے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خیر اور اس کی مرضیات ہی کی توفیق مانگا کرے۔ اگر اس نے یہ دعا چھوڑ دی تو یہ اس کی بدبختی کی نشانی سمجھنی چاہیے۔ علماء نے لکھا ہے کہ قضاء اور فیصلہ خداوندی تو اس کا حکم ہے اس لیے اس پر تو رضا مندی ضروری ہے لیکن اگر وہ چیز خود قبیح ہے تو اس پر ناراضائی ضروری ہے' کافر کا کفر بھی ایزدی تقدیر سے ہوتا ہے پس اس کا حکم تو پُر حکمت ہونے کی وجہ سے بہتر ہی کہا جائے گا تو یہ خود قبیح ہو' دیکھو! خود بیت الخلاء کیسی گندی چیز ہے مگر کسی مکان کے لیے اس کا بنانا بھی ضروری ہے اور یہ کمال ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُظْمَ الْجَزَاءِ مَعَ عُظْمِ الْبَلَاءِ وَاِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَاءُ وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جتنی آزمائش سخت ہوتی ہے اس کا بدلہ بھی اتنا ہی بڑا ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اس کو ضرور آزمائش میں بھی ڈالتا ہے' پھر جو اس پر راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے اور جو ناراض ہوا وہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

تشریح۔ بات یہ ہے کہ امتحان کے بغیر کامیابی اور ناکامیابی کا فیصلہ کہیں بھی نہیں ہوتا۔ قدرت چاہتی ہے کہ روز محشر جب اپنی مخلوق کو انعام تقسیم فرمائے تو اس کا معیار صرف اپنے علم ازلی پر نہ رکھے بلکہ انصاف وعدالت کے دن ایسا معیار مقرر کر دے جس کا مشاہدہ ہماری آنکھیں بھی کر سکیں وہ چاہتی ہے کہ جن شرکاء احد کو انعام شہادت دے تو اس طرح دے کہ ان کے جسم زخموں سے چور ہوں لیکن اس خشکی میں بھی لبوں پر مسرت کی مسکراہٹ نظر آئے اور جن منافقین کو جہنم میں داخل فرمائے تو اس طرح کہ بروقت رسول سے دغابازی کا ٹیکہ ان کی پیشانی پر لگا ہوا ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُوْنِ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهٗ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَشَاءُ وَاَنَّ اللّٰهَ جَعَلَهٗ رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لَيْسَ مِنْ اَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُوْنُ فَيَمْكُثُ فِيْ بَلَدِهٖ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُهٗ اِلَّا مَا كَتَبَهُ اللّٰهُ لَهٗ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ شَهِيْدٍ. (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق پوچھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے جس پر چاہے نازل فرمائے لیکن مؤمنوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمت بنا دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی طاعون میں مبتلا ہو اور یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے اس کے سوا اس کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی' پھر صبر کے ساتھ ثواب کی اُمید میں اُسی شہر میں پڑا رہے (اور اس کو موت آ جائے) تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ طاعون جیسا تکلیف دہ مرض دنیا میں اپنے اسباب سے ہی آتا ہے مگر دنیا آج تک اس نکتہ سے غافل تھی کہ اس بیماری کے آنے کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انکشاف فرمایا کہ یہ بیماری ظاہر تو ہوئی تھی ایک قوم کے عذاب کے لیے لیکن میری اُمت کے حق میں رحمت بنادی گئی ہے لیکن اس کی چند شرائط بھی رکھی گئی ہیں یہ کہ جب اس کے شہر میں طاعون آئے تو ڈر کر وہاں سے بھاگ نہ جائے' یہ مسلمان کی پختگی اور تقدیر پر اعتماد کے خلاف ہے یہ کہ شہر میں رہنا بھی ہو تو صابر بن کر ہو کسی مجبوری سے نہ ہو۔ یہ کہ اس میں ثواب کی نیت اور شامل کر لے اور یہ کہ اس کے اس عقیدہ میں کوئی تزلزل بھی نہ آنے پائے۔ بس یہ یقین رکھے کہ جو اللہ تعالیٰ میرے مقدر میں لکھ چکا ہے نہ اس کے خلاف وقوع پذیر ہو سکتا ہے اور نہ اس سے رستگاری ممکن ہے۔ اگر ان شرائط کی ادائیگی کے بعد تقدیری طور پر اس کی موت آ گئی تو اس کو ایک شہید کا ثواب ملتا ہے۔ ذیل کی روایت سے اس کی مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

''حضرت عرباض بن ساریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ عام طور پر مرنے والوں اور شہیدوں کے مابین ان مُردوں کے معاملہ میں جھگڑا ہوتا ہے جن کا انتقال مرض طاعون میں ہوتا ہے' شہداء تو یہ کہتے ہیں پروردگار! جیسا ہم قتل کیے گئے یہ بھی اسی طرح قتل کیے گئے ہیں' لہٰذا یہ ہمارے بھائی ہوئے' ان کا شہیدوں میں شمار ہونا چاہیے اور عام مُردے کہیں گے کہ ان کی موت بستر پر آئی ہے جس طرح ہماری موت اس لیے یہ ہمارے بھائی ہیں' پروردگار کا ارشاد ہوگا اچھا ان کے زخم کی شکل دیکھو اگر وہ شہیدوں کے زخموں کے مشابہ ہوں تو ان کا شمار بھی ان میں ہوگا اور یہ ان ہی کے ساتھ رہیں گے۔ جب اس کی تحقیق کی جائے گی تو ان کے زخم شہیدوں کے مشابہ ملیں گے' اس لیے فیصلہ شہداء کے حق میں ہو جائے گا۔'' (احمد' نسائی)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا ابْنُ ثَمَانِ سِنِيْنَ خَدَمْتُهُ عَشَرَ سِنِيْنَ فَمَا لَامَنِيْ عَلٰى شَيْءٍ قَطُّ اُتِيَ فِيْهِ عَلٰى يَدَيَّ فَاِنْ لَامَنِيْ لَائِمٌ مِنْ اَهْلِهٖ قَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ لَوْ قُضِيَ شَيْءٌ كَانَ شَيْءٌ (هذالفظ المصابيح و رواه البيهقي في شعب الايمان مع تغيير يسير)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آٹھ سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شروع کی اور دس سال تک خدمت کی ہے اس عرصہ میں جب کبھی میرے ہاتھ سے کوئی نقصان ہو گیا تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کبھی ملامت نہیں فرمائی' اگر گھر والوں میں سے کبھی کسی نے کچھ کہا بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا' رہنے دو کچھ نہ کہو اگر مقدر یوں ہوتا (یعنی نقصان نہ ہونا) تو یونہی ہو جاتا۔ (مصابیح' بیہقی)

تشریح۔ دیکھنے میں تو یہ ایک معمولی سی بات ہی معلوم ہوتی ہے لیکن غور کیجیے گا تو آپ کو رضاء بالقضاء کا ایک کرشمہ ہی

معلوم ہوگا کہ اوّل تو دس سال کی طویل زندگی پھر نہ معلوم اس میں کتنی بار اس قسم کے واقعات پیش آ رہے ہوں گے۔ ان تمام واقعات میں بلا استثناء اس طرح راضی بقضاء رہنا کیا یہ کسی معمولی انسان کی استقامت ہوسکتی ہے' بلاشبہ یہ کمال صرف اس شخصیت ہی کا ہوسکتا تھا جس کی نظروں کے سامنے عالم غیب عالم شہادت سے پہلے مستحضر رہا کرتا ہو اور وہ تو کیا جو شخص بھی ایمان کے ساتھ اس کی محفل میں بیٹھ گیا اس کا سینہ بھی اس معرفت سے لبریز ہوگیا۔ یہاں معمولی نقصانات کا تو ذکر ہی کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لخت جگر کا انتقال ہوتا ہے وہاں بھی عین حالت اضطراب میں زبان سے ایسے نپے تلے کلمات نکلتے ہیں جو ایک طرف ضعیف اُمت کے لیے اسوہ بن سکیں اور دوسری طرف رضاء بقضاء کا مرقع ہوں' آنکھیں اشکبار ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دردبھری آواز سے جو فقرے فرما رہے ہیں وہ یہ ہیں: (ولا نقول الا ما یرضٰی به ربّنا) یعنی ان صبر آزما حالات میں بھی زبان سے بجز ان کلمات کے جو رضاء الٰہی کا موجب ہوں ایک کلمہ نہیں نکل سکتا۔

عَنْ اُسَامَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهٗ رَسُوْلُ اِحْدٰى بَنَاتِهٖ وَعِنْدَهٗ سَعْدٌ وَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذٌ اَنَّ ابْنَهَا يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَبَعَثَ اِلَيْهَا لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى كُلٌّ بِاَجَلٍ فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ. (رواه البخاری)

اسامہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ دفعۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صاحبزادی کی طرف سے قاصد آیا' اس وقت حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابی ابن کعب اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے' پیغام یہ تھا کہ ان کا لخت جگر سفر آخرت کے لیے تیار ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلا بھیجا کہ جو دیا تھا وہ بھی اسی کا تھا اور جو لیا ہے وہ اسی کی مِلک ہے اور ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہو چکی ہے' لہٰذا صبر کرنا چاہیے اور اس میں ثواب کی نیت رکھنی چاہیے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ انتہائی اضطراب اور صبر شکن مقام میں اطمینان و سکون پیدا کرنے کے لیے ان جامع اور مختصر کلمات سے زیادہ مؤثر اور کلمات نہیں ہوسکتے' یہاں سب سے اہم اور سب سے پہلا جو تصور ذہن نشین کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اور مالک کے کسی فعل پر ناراضگی کا کسی کو حق ہی نہیں۔ پس اگر کسی کی اولاد اس نے لے لی ہے تو یہ دی کس نے تھی' دوم یہاں اس کی بھی یاد دہانی کی گئی ہے کہ تقدیر میں ہر چیز کی ایک مدت معین کی جا چکی ہے لہٰذا جو چیز دی جاتی ہے اتنی ہی معین مدت کے لیے دی جاتی ہے۔ پس اگر ایک مقرر وقت کے لیے دی ہوئی چیز اپنے وقت مقرر پر لے لی جائے تو اس میں بے صبری کی وجہ کیا' یہ تو ایک علمی درس ہوا۔ اب عملاً یہ ضروری ہے کہ صبر کیا جائے اور اس صبر میں ثواب کی نیت بھی کی جائے تاکہ ثواب اور زیادہ حاصل ہو۔ یہ نکتہ یاد رکھئے کہ مصیبت میں صبر کا اجر تو ملتا ہی ہے لیکن اگر اس میں ثواب کی نیت تفصیلی طور پر بھی ہو تو اس کا ثواب اور بڑھ جاتا ہے' احتساب کا لفظ اسی نکتہ پر تنبیہ کے لیے آتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ایمان بالتقدیر انسان کے لیے کتنی قوت کا باعث ہے اور زندگی کے ہر ہر گوشہ میں کس طرح کارآمد ہے۔

بندے اپنے افعال میں مختار ہیں اور مجبور بھی ہیں

عَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارِ الْجُهَنِّيِّ اَنَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ سُئِلَ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ

آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ فَقَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَفِيْمَ الْعَمَلُ؟ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اِسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلُهٗ بِهِ الْجَنَّةَ وَاِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اِسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى يَمُوْتَ بِعَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلُهُ النَّارَ. (رواہ مالک فی المؤطا والترمذی)

مسلم بن یسار جہنی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی ''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ الخ'' انہوں نے فرمایا اس آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہیں، میں نے خود سنا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت پر ایک مرتبہ دایاں ہاتھ پھیر کر کچھ اولاد نکالی اور فرمایا کہ یہ میں نے جنت کے لیے بنائے ہیں اور جنتیوں ہی کے سے عمل کریں گے۔ اس کے بعد پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور پھر کچھ اولاد نکالی اور ان کے متعلق فرمایا کہ یہ میں نے دوزخ کے لیے بنائے ہیں اور دوزخیوں ہی کے سے عمل بھی کریں گے۔ اس پر ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو پھر اب عمل کس لیے کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتی شخص کے سے عمل بھی کرا لیتا ہے، یہاں تک کہ اس کا خاتمہ بھی اسی قسم کے عملوں پر ہو جاتا ہے اور آخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جب کسی کو دوزخ کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اس سے عمل بھی دوزخی شخص کے سے کرا لیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا خاتمہ بھی ان ہی اعمال پر ہو جاتا ہے جو دوزخی لوگوں کے عمل ہیں اور آخر وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح۔ اس حدیث میں سب سے پہلے عالم تقدیر کے فیصلہ شدہ عالم ہونے پر تنبیہ کی گئی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ عمومی حالات وہاں کے فیصلہ اعمال کس نوعیت پر دائر کیے گئے ہیں پھر عمل کی نسبت بندوں کی طرف ظاہر فرما کر ان کے اختیار پر بھی تنبیہ کر دی گئی اور اس پر بھی کہ اختیاری اعمال پر جزاء وسزا معقول ہے لیکن چونکہ یہ سب کچھ ہو چکا تھا، انسان کے عالم وجود میں آنے سے قبل ہی قبل اس لیے آخر کار انسان مجبور ہی ٹھہرا۔ عجیب بات ہے کہ صحابہ کرام کو مسئلہ تقدیر میں جب کہیں شبہ ہوا ہے تو اپنے معاملہ میں ہوا ہے یعنی جب قضاء وقدر کا فیصلہ ہو چکا ہے تو اب ہماری عملی جدوجہد بیکار ہوگی۔ یہ شبہ کبھی نہیں ہوا کہ جب ہم مجبور ہیں تو پھر ہم کو دوزخ میں ڈالنا ظلم ہوگا۔ گویا شبہ ہے تو اپنی مجبوری کی بناء پر نہ کہ مختار کل کے اختیار پر۔ حق تعالیٰ کو خالق، مالک اور مختار کل مان کر پھر تو اس پر کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے آپ کے جواب کا رُخ بھی اسی طرف رہا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ قضاء وقدر نے تمہارا اختیار سلب نہیں کیا، ہاں یہ ضروری ہوگا کہ تم وہی جانب اختیار کر سکو گے جو قضاء وقدر کے تحت ہوگی مگر اختیار کرو گے اپنے اختیار ہی سے۔ ظاہر ہے کہ انسان بیک وقت کسی عمل کی دونوں جانبوں کو تو اختیار کر نہیں سکتا ایک ہی جانب کرے گا۔ اب جس جانب کو بھی وہ اختیار کرے گا بس یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہی جانب اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔

خلاصہ یہ کہ تقدیر کا جبر تمہارے اختیار پر ہے تمہارے عمل پر نہیں اگر تم یہ کہو کہ عمل گو ہمارے اختیار سے صادر ہوتا ہے مگر ہمارا اختیار

جب جبر کے تحت ہوا تو بواسطہ گویا عمل بھی جبر کے تحت آ گیا تو یہ درست ہے اس لحاظ سے یقیناً تم مجبور ہو گئے مگر ایسے مجبور نہیں جو معذور ٹھہر سکو جہاں جبری عمل پر جزاء وسزا ظلم نہ ہو وہاں اختیاری عمل پر جزاء وسزا بھلا کیا ظلم ہو سکتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ اِلَى الشَّامِ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِسَرْغٍ لَقِيَهُ اُمَرَاءُ الْاَجْنَادِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَاَصْحَابُهُ فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ عُمَرُ اُدْعُ لِيَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ فَدَعَا هُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ وَاَخْبَرَهُمْ اَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ فَاخْتَلَفُوْا فَقَالَ بَعْضُهُمْ قَدْ خَرَجْتَ لِاَمْرٍ وَلَا نَرٰى اَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَعَكَ بَقِيَّةُ النَّاسِ وَاَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَرٰى اَنْ تُقْدِمَهُمْ عَلٰى هٰذَا الْوَبَاءِ فَقَالَ ارْتَفِعُوْا عَنِّيْ ثُمَّ قَالَ اُدْعُ لِيَ الْاَنْصَارَ فَدَعَوْتُهُمْ فَسَلَكُوْا سَبِيْلَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاخْتَلَفُوْا كَاخْتِلَافِهِمْ فَقَالَ ارْتَفِعُوْا عَنِّيْ اُدْعُ لِيْ مَنْ كَانَ هٰهُنَا مِنْ مَشْيَخَةِ قُرَيْشٍ مِنْ مُهَاجِرَةِ الْفَتْحِ فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمْ يَخْتَلِفْ مِنْهُمْ عَلَيْهِ رَجُلَانِ فَقَالُوْا نَرٰى اَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ وَلَا تُقْدِمَهُمْ عَلٰى هٰذَا الْوَبَاءِ فَنَادٰى عُمَرُ فِي النَّاسِ اِنِّيْ مُصَبِّحٌ عَلٰى ظَهْرٍ فَاَصْبِحُوْا عَلَيْهِ قَالَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ اَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ قَالَ عُمَرُ لَوْ غَيْرُكَ قَالَهَا يَا اَبَا عُبَيْدَةَ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ اِلٰى قَدَرِ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ اِبِلٌ هَبَطَتْ وَادِيًا لَهٗ عُدْوَتَانِ اِحْدَاهُمَا خَصْبَةٌ وَالْاُخْرٰى جَدْبَةٌ اَلَيْسَ اِنْ رَعَيْتَ الْخَصْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللّٰهِ وَاِنْ رَعَيْتَ الْجَدْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللّٰهِ قَالَ فَجَاءَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَكَانَ مُتَغَيِّبًا فِيْ بَعْضِ حَاجَتِهٖ فَقَالَ عِنْدِيْ فِيْ هٰذَا عِلْمًا. سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ قَالَ فَحَمِدَ اللّٰهَ عُمَرُ ثُمَّ انْصَرَفَ. (رواہ البخاری و مالک فی المؤطا)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی طرف تشریف لے گئے جب مقام سرغ میں پہنچے تو لشکروں کے جرنیل ابو عبیدہ اور ان کے ہمراہیوں نے یہ اطلاع دی کہ ملک شام میں تو طاعون ہو رہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اچھا ان لوگوں کو ذرا بلاؤ جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی تھی۔ ان کو بلا کر اس معاملہ میں ان سے مشورہ کیا اور کہا کہ شام میں تو طاعون ہو رہا ہے یہ سن کر ان کی رائے باہم مختلف ہو گئی' کسی نے تو یہ کہا کہ جب آپ جہاد کے ارادہ سے نکل چکے ہیں تو ہمارے خیال میں اب آپ کی واپسی مناسب معلوم نہیں ہوتی اور کسی نے یوں کہا کہ آپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے کھچے صحابہ ہیں' ہمارے نزدیک تو مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ان کو اس طاعون زدہ علاقہ میں لے جا کر ڈال دیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اچھا آپ لوگ تشریف لے جائیں' اس کے بعد فرمایا اب انصار کو بلاؤ' میں نے ان کو بلا لیا' انہوں نے بھی مہاجرین کا سا جواب دیا اور جیسے ان کی رائے مختلف ہو گئی تھی انہوں نے بھی مختلف جوابات دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ان سے بھی فرمایا کہ آپ لوگ بھی تشریف لے جائیے' اس کے بعد فرمایا اچھا ان مہاجرین قریش حضرات کو بلاؤ جو فتح مکہ میں شریک تھے' میں ان کو بلا کر لایا تو

ان میں سے دو شخصوں نے بھی ذرا اختلاف نہ کیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا ایسی حالت میں ہمارے نزدیک واپس ہو جانا ہی مناسب ہے اور ہمارے نزدیک لوگوں کو اس وباء زدہ علاقوں میں لے جانا نامناسب ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں میں اعلان کرا دیا کہ کل صبح کو سواریوں پر جانے کے لیے تیار ہو جائیں' میں بھی چلوں گا۔ اس پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اے عمرؓ! کیا یہ واپسی کا حکم تقدیر الٰہی سے بھاگ کر دیا جا رہا ہے' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے ابوعبیدہ! یہ بات تو تمہارے شایان شان نہیں تھی' کاش کہ تمہارے سوا ایسی موٹی بات تو کوئی اور شخص کہتا' جی ہاں میں تقدیر الٰہی سے بھاگ کر جا رہا ہوں مگر تقدیر الٰہی کی طرف ہی جا رہا ہوں' فرمایئے تو سہی اگر آپ کے پاس کچھ اونٹ ہوں اور آپ ان کو لے کر کسی وادی میں اُتریں جس کے دو کناروں میں ایک کنارہ خشک ہو اور دوسرا سرسبز تو فرمایئے اگر آپ اپنے اونٹوں کو اس سرسبز جانب چرائیں گے تو کیا یہ تقدیر الٰہی کے موافق ہی نہ ہوگا اور اگر خشک جانب چرائیں گے تو کیا یہ بھی تقدیر کے تحت ہی نہ ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ اس درمیان میں عبدالرحمٰن بن عوف واپس آ گئے وہ اپنی کسی ضرورت سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے' انہوں نے فرمایا کہ اس معاملہ کے متعلق میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمودہ علم موجود ہے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ جب کسی خطہ میں طاعون ہو جائے تو اس میں تم جاؤ مت اور اگر طاعون اُس جگہ ہو جائے جہاں تم موجود ہو تو موت کے ڈر سے وہاں سے بھاگو مت' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدا تعالیٰ کی حمد کی اور مدینہ طیبہ واپس ہو گئے۔ (بخاری شریف' مؤطا مالک)

تشریح۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں اسی نکتہ کو واضح کیا ہے کہ جو افعال ہم کرتے ہیں اگر چہ وہ اپنے اختیار ہی سے کرتے ہیں لیکن بس اختیار کی وجہ سے قضاء و قدر کے جبر سے خارج نہیں ہو جاتے۔ وہ رہتے ہیں پھر اسی کے نیچے نیچے' لہٰذا اگر میں یہاں سے اپنے اختیار سے بھاگ رہا ہوں تو کیا ہوا' مجھ کو بھگا بھی قضاء و قدر ہی رہی ہے اگر یہاں رہتا تو بھی تقدیر کے تحت رہتا اور اب جا رہا ہوں تو یہ بھی تقدیر ہی کے تحت ہے۔

تشریح۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صائب الفکر صحابہ میں سے تھے جن کی رائے کی موافقت بسا اوقات خود وحی نے بھی فرمائی تھی' آج پھر کسی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی آ نکلا اور اس سے پھر معلوم ہوا کہ جو رائے اس معاملہ میں ان کی قائم ہو چکی تھی وہی عین وحی الٰہی کا منشاء تھا۔

حکم عدولی کیلئے تقدیر کا عذر تراشنا روا نہیں

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ ...... اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهُ وَ فَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَقَالَ اَلَا تُصَلِّيَانِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْفُسُنَا بِيَدِ اللّٰهِ فَاِذَا شَاءَ اَنْ يَّبْعَثَنَا بَعَثَنَا فَانْصَرَفَ حِيْنَ قُلْتُ ذٰلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ اِلَيَّ شَيْئًا ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُوَلٍّ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۔ (رواہ البخاری' والبیہقی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس شب میں تشریف لے آئے اور فرمایا تم لوگ تہجد کی نماز نہیں پڑھتے' میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری جانیں اللہ تعالیٰ

کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ جب ہمیں اُٹھانا چاہے گا اُٹھا دے گا۔ یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے اور میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پشت پھیر کر تشریف لے جا رہے تھے تو میں سن رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک اپنی ران پر مار کر یہ آیت پڑھتے ہوئے جا رہے تھے "وکان الانسان الخ "انسان بہت جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ انسان کو جب مختار بنایا گیا ہے اور اسی اختیار پر اس کو احکام شرعیہ کا مکلّف بھی کیا گیا ہے تو اب اس اختیار پر تقدیری جبر کا عذر کرنا بے موقع عذر ہونا چاہیے کیونکہ یہ جبر اپنے احساس میں نہیں ہوتا لیکن یہاں چونکہ یہ عذر اس لیے نہیں کیا گیا تھا کہ نماز تہجد کے لیے اُٹھنے سے کوئی انحراف تھا' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو امام الاولیاء ہوں ان کی عبادت و ریاضت کا حال کس سے پوشیدہ ہے لیکن بعض مرتبہ کسی عمل کا ارادہ رکھنے کے باوجود انسانی فطرت اپنی گزشتہ فروگذاشت کا وقتی عذر کر دیتی ہے' پوری عقیدت کے ساتھ اگر ناز کا کوئی رشتہ بھی حاصل ہو تو اس مقام میں ایسی تعبیری آزادی کے لیے کچھ نہ کچھ وسعت بھی نکل آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمہات المؤمنین کے خانگی معاملات میں گفتگو سننے سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ مگر معاملہ چونکہ یہاں نبی وقت کے سامنے کا تھا اس لیے کچھ اغماض اور کچھ تنبیہ ضروری ہو گئی۔ تنبیہ تو اس لیے کہ ہر شخص سے تخاطب اس کے منصب کے مناسب ہوا کرتا ہے اور اغماض اس لیے کہ جو پیرایہ عذر یہاں اختیار کیا گیا تھا وہ بہر حال ایک حقیقت کا حامل تھا۔ لہٰذا آپ نے ان دونوں باتوں کی رعایت فرما کر کوئی معارضہ بھی نہیں فرمایا' صرف اپنی ایک ادنیٰ بے التفاتی سے یہ ظاہر فرما دیا کہ صحیح بات اگر بے موقع منہ سے نکل جائے تو بے مزہ رہتی ہے اور صراحۃً ان کے اس عذر کی تصویب بھی نہیں فرمائی۔ اگر بات صحیح ہو مگر بے محل واقع ہو جائے تو وہاں یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ ؓ قَالَ سِرْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَخَافُ اَنْ تَنَامُوْا عَنِ الصَّلٰوةِ قَالَ بِلَالٌ اَنَا اُوْقِظُكُمْ فَاضْطَجَعُوْا وَاَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهٗ اِلٰی رَاحِلَتِهٖ فَغَلَبَتْهُ عَیْنَاهُ فَنَامَ فَاسْتَیْقَظَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ یَا بِلَالُ اَیْنَ مَا قُلْتَ قَالَ مَا اُلْقِیَتْ عَلَیَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَكُمْ حِیْنَ شَاءَ وَرَدَّهَا عَلَیْكُمْ حِیْنَ شَاءَ یَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فَتَوَضَّاَ فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْیَاضَّتْ قَامَ فَصَلّٰی. (رواه البخاری فی اواخر مواقیت الصلٰوۃ)

ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں سفر کیا' کچھ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش! شب میں آرام کی اجازت ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ تم صبح کی نماز سے نہ رہ جاؤ۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے میں آپ لوگوں کو بیدار کر دوں گا۔ اس پر سب لوگ لیٹ رہے۔ اُدھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سواری سے ذرا کمر لگائی (اور خیال یہ تھا کہ بیٹھا صبح صادق کو دیکھتا رہوں گا) وہ بھی اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھ سکے اور سو گئے' اب آپ بیدار ہوئے تو آفتاب کا کنارہ چمک رہا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال! وہ بات جو تم کہتے تھے کہاں گئی؟ (آخر جس کا مجھے خطرہ تھا وہ واقع ہو گیا یا نہیں) بلال ؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنی سخت نیند

تو مجھے کبھی نہیں آئی (معذور ہوں معاف کیجئے) آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمہاری جانوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور تم سو گئے اور جس وقت چاہا اُن کو چھوڑ دیا اور تم بیدار ہو گئے، بلال! لو کھڑے ہو اور اذان دے کر لوگوں کو نماز کی اطلاع کر دو، پھر وضو فرمایا، جب آفتاب اونچا ہو گیا اور طلوع کی زردی کے بجائے سفید روشن ہو گیا، آپ کھڑے ہوئے اور صبح کی نماز قضا فرمائی۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ نبی کے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہو کر رہتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نماز کے قضاء ہونے کا خطرہ نکلا، دیکھو آخر وہ قضاء ہو کر رہی۔ سورۂ یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے نکلا تھا "**واخاف ان یاکلہ الذئب**" ڈرتا ہوں کہیں میرے یوسف کو بھیڑیا نہ کھا جائے۔ آخر بھائیوں نے وہی بہانا بنایا، حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے نکلا "**رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ**" پروردگار جس کام کے لیے یہ مجھے دعوت دے رہی ہے اس سے تو مجھے جیل خانہ پیارا ہے آخر وہ پورا ہوا اور جیل خانہ بھگتنا پڑا۔ یا یوں کہہ دو کہ بعض مرتبہ جو مقدرات ہوتے ہیں وہ مقربین کی زبانوں پر کبھی کبھی اپنے وقوع سے قبل غیر اختیاری طور پر آ جاتے ہیں۔ اس واقعہ میں غور تو کیجئے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس مستعدی سے پہرہ دینے کا ارادہ کیا ہے یعنی آفتاب کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے ہیں اور لیٹتے بھی نہیں، مگر کیا اس تدبیر سے قضاء وقدر ٹل گئی نہیں، وہ آئی اور آخر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ نیند وہ بھی آخری شب میں پھر مسلسل سفر کے بعد آنکھ نہ کھلنے کا معقول عذر تھا مگر یہاں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں تقدیر کا عذر پیش کیا۔ اس روایت کے اور الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی اس تقصیر سے تمام صحابہ پر پریشانی اور خوف کا عجیب عالم تھا۔ لہٰذا اب اس کا موقع آ گیا تھا کہ تقدیر ایزدی کا حوالہ دے کر اپنی بے چینی واضطراب کو تسلی دیتے۔ دیکھئے یہ وہی الفاظ تو تھے جو ابھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے تہجد کی نماز میں تاکید پر آپ کے جواب میں فرمائے تھے مگر وہاں یہ عذر قبل از وقت تھا، اگر کوشش کے بعد بھی آنکھ نہ کھلتی تو بیشک غم وافسوس کی تسکین کے لیے موزوں ہوتے لیکن چونکہ سعی کرنے سے قبل ہی یہ عذر پیش کیا گیا تھا اس لیے آپ کی مسرت کا باعث نہ ہوا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُدھر تقدیر پردہ غیب میں نافذ ہوا کرتی ہے۔ اِدھر عالم اسباب میں انسان پر ارتکاب اسباب کی ذمہ داری بھی پوری پوری عائد رہتی ہے بلکہ اسباب کے ارتکاب کرنے کے بعد بھی تقصیر وکوتاہی کا الزام پھر عائد رہتا ہے اور اس الزام کے جواب میں کسی کو تقدیر کی آڑ لینے کی اجازت نہیں ہے اور کیوں ہو جب ہم اس عالم میں اپنے احساس کے مطابق پورے پورے مختار ہیں تو ہم سے ہمارے اس علم کے مطابق باز پرس ہونی چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی جب ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں نزول کی مصیبت میں مبتلا کرنے کا الزام دیا تو محض تسلی کے لیے تقدیر کا نوشتہ یاد دلایا تھا۔ وہاں بھی جو کچھ ہوا ارادۃً نہیں ہوا۔ اپنی سی کوشش ختم کر لینے کے بعد ہوا اور یہاں بھی جو کچھ تقصیر ہوئی وہ پوری جدوجہد ختم کر لینے کے بعد ہوئی مگر اس کے باوجود سوال حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہوا اور یہاں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ہوا۔ اگرچہ نتیجہ لحاظ سے کچھ تو واقعہ اور متکلم کی نوعیت کے اختلاف بھی رہا۔

قضاء وقدر کے احاطہ سے کوئی شے باہر نہیں ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتّٰى

17

الْعَجْزُ وَالْكَيْسُ. (رواہ مسلم و مالک فی المؤطا)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب کچھ تقدیر میں لکھا جاچکا ہے یہاں تک کہ انسان کی درماندگی اور ہوشیاری بھی۔ (مسلم، مؤطا)

تشریح۔ ہشیاری اور عجز انسان کی دو صفتیں ہیں۔ حدیث کہتی ہے کہ ان کا تعلق بھی تقدیر ہی کے ساتھ ہے۔ پس تقدیر کو صرف جنت و دوزخ تک محدود رکھنا غلط ہے، ہر وہ انسانی حیات کے ہر ہر شعبہ کو حاوی ہے۔ خواہ وہ اس کے خلقی اوصاف ہوں یا کسبی اعمال بلکہ اس عالم سے گزر کر دوسرے عالم میں اس کے اعمال کے جو نتائج ہیں وہ بھی اس کے وسیع احاطہ میں شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کاتب تقدیر کا قلم قیامت تک کے جملہ احوال کی کتابت کر رہا تھا تو وہ انسان کے ان احوال کی کتابت سے کیسے چوک سکتا تھا۔ اس وسعت کے بیان سے مقصد قضاء وقدر کی عظمت کا نقش قائم کرنا ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ خَالِقُ كُلِّ صَانِعٍ وَصَنْعَتَهُ. (رواہ الحاکم فی المستدرک)

حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنے کاریگر ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور جو ان کے کام ہیں ان کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ (مستدرک، خلق افعال عباد)

تشریح۔ عقلاء کو افعال عباد میں بحث ہے یعنی یہ کہ بندہ تو ضرور مخلوق ہوا لیکن آگے چل کر جو ان کے افعال ہوتے ہیں کیا وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے مخلوق ہوتے ہیں یا وہ بندوں کے اپنے اختیار کے اثرات ہیں۔ اس بارے میں یہ حدیث بہت صریح ہے اس لیے ہم نے اس کو یہاں نقل کیا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ کی طرح اس کے افعال بھی خدا تعالیٰ ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ اب ذرا انسان اپنی ہستی اور اس کی بیچارگی پر غور کرے کہ اُس کی حقیقت ہے کیا اور وہ اس کو سمجھتا کیا ہے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ خَلَّتَيْنِ تَخَلَّقْتُ بِهِمَا اَنْ جُبِلْتُ عَلَيْهِمَا قَالَ قَالَ بَلْ جُبِلْتَ عَلَيْهِمَا قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَبَلَنِيْ عَلٰى خَلَّتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ. (رواہ مسلم)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبد القیس سے فرمایا (یہ اپنے وفد اور قبیلہ کے سردار تھے) تم میں دو عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند فرماتے ہیں، ایک برداشت، دوم بردباری۔ انہوں نے دریافت کیا یہ خصلتیں مجھ میں پیدائشی طور پر رکھی گئی ہیں یا میری حاصل کردہ ہیں؟ فرمایا پیدائشی ہیں، یہ سن کر انہوں نے کہا خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ میں دو عادتیں ایسی پیدا فرمادیں جن کو وہ پسند فرماتا ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح انسان کے لیے صفت کیس اور عجز مقدر ہوتی ہے اسی طرح حلم اور اناءۃ جیسی صفات بھی مقدر شدہ ہیں۔ حلم غضب کے مقابل صفت کا نام ہے اور انائت عجلت کے مقابل صفت کا۔ یہ صفتیں اگر کسب سے حاصل ہوں تو بھی وہ تقدیر کے احاطہ سے خارج نہیں ہوں گی مگر اس وقت تقدیر میں لکھا ہوا بھی یونہی ہوگا کہ یہ شخص اس صفت کے حاصل کرنے میں سعی کرے گا اور اس طرح حق تعالیٰ اس کو کسی حد تک ان کا کوئی حصہ عطا فرمادے گا۔ اگرچہ کسبی صفات پیدائشی صفات

کے مرتبہ کو نہ پہنچیں مگر ایک کمال بہر حال کمال ہی رہتا ہے۔ اشج عبدالقیس نے اسی فرق کے لحاظ سے یہ سوال کیا تھا کہ یہ صفتیں مجھ میں پیدائشی ہیں یا کسبی ہیں اور اسی لیے جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ پیدائشی ہیں تو زیادہ مسرت ہوئی۔ عربی کا شاعر کہتا ہے "لیس التکحل فی العینین کالکحل"، سرمہ لگا کر سرمگیں چشم بننا قدرتی سرمگیں چشم ہونے کے برابر بھلا کب ہو سکتا ہے۔

عَنْ اِبْنِ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ اَتَیْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ یَا اُمَّاهُ حَدِّثِیْنِیْ بِشَیْءٍ سَمِعْتِهٖ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الطَّیْرُ تَجْرِیْ بِقَدَرٍ وَکَانَ یُعْجِبُهُ الْفَالُ الْحَسَنُ. (رواہ الحاکم فی المستدرک)

ابو بردہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے مادر محترم! آج تو مجھے آپ کوئی ایسی حدیث سنا دیجئے جو آپ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ اس پر انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ جو پرندہ اُڑ کر جاتا ہے یہ تو تقدیر کے موافق اُڑ کر جاتا ہے (لیکن اس سے فال بدلینا جو عرب کا طریق ہے یہ بات بے اصل ہے اور آپ کو ناپسند تھا) ہاں نیک فال لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے۔ (متدرک)

تشریح۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ پرندہ کی پرواز بھی کیا کوئی شی ہے مگر قضاء وقدر کے احاطہ میں یہ معمولی سی بات بھی آ چکی ہے۔ آگے اس کو نحوست یا برکت کا باعث سمجھنا یہ عرب کی اپنی وہم پرستی ہے اور بے اصل بات ہے جس فال کے متعلق یہاں ذکر آیا ہے یہ بھی زمانہ جاہلیت کی فال نہیں بلکہ اس کی تفصیل دوسری حدیثوں میں صرف اتنی ہے کہ اگر کسی پیش آمدہ معاملہ کے وقت آپ کے سامنے کوئی اچھا نام آ جاتا تو اس کو سن کر آپ خوش ہو جاتے تھے، گویا اس کو اس معاملہ کی حسب دل خواہ طے ہو جانے کی ایک بشارت تصور فرماتے تھے۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ مریض عیادت کرنے والوں سے اپنی شفاء کے کلمات سن کر خوش ہو جاتا ہے اور اس کو نیک فال تصور کرتا ہے حالانکہ ان کے کہہ دینے سے کہیں شفاء ہوتی ہے جو مقدر ہو چکا ہے ہو تو وہی ہے مگر ان کلمات سے مریض کا دل ضرور خوش ہو جاتا ہے۔ اچھا نام سن کر آپ کی مسرت بھی اسی نوع کی ایک چیز تھی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قُبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلٰی قَدَرِ الْاَرْضِ مِنْهُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ وَبَیْنَ ذٰلِکَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ. (رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد)

ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی زمین میں سے ایک مٹھی بھری پھر اُس مٹھی سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے اس لیے ان کی اولاد بھی زمین کے رنگوں کی طرح مختلف رنگوں کی پیدا ہوئی۔ کوئی سرخ، کوئی گورا، کوئی کالا اور کوئی درمیانی، اسی طرح کوئی نرم خو تو کوئی تندخو، کوئی خبیث طبیعت تو کوئی شریف طبیعت۔ (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح۔ مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے رنگوں کا معمولی سا اختلاف بھی قدرت کا پیدہ کردہ ہے۔ زمین کے مختلف رنگ بھی قدرت نے بنائے، پھر جو مخلوق ان سے مرکب کی اس کے رنگ بھی مختلف ہوئے مگر یہ اس لیے نہیں کہ یہ ان کے مادہ کا اقتضاء تھا

بلکہ یہ بھی براہ راست قدرت ہی کا فیض ہے۔ فطرت پرست تو دو چیزوں کے مابین صرف ظاہری تناسب دیکھ کر ایک کو دوسرے کے ساتھ مربوط کر کے فارغ ہو جاتا ہے مگر قدرت کا قائل صرف اس حد پر جا کر ٹھہر نہیں جاتا وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ قدرت کے وسیع احاطہ میں کالے سے سفید اور سفید سے کالا بنانا بھی ہے لیکن وہ اس تناسب کا نقص پسند نہیں کرتی اور اس عام کی زیبائش قائم رکھنے کے لیے کالے سے کالا اور گورے سے گورا ہی بناتی رہتی ہے۔ پس مواد میں جو خواص ہیں وہ بھی قدرت نے رکھے ہیں اور ان کے مناسب جو آثار ان سے رونما ہوتے ہیں وہ بھی اسی نے پیدا فرمائے ہیں اور اس کے بعد اُن آثار کا ترتب بھی قدرت ہی کے تحت رہتا ہے اور یہ کچھ اسی ایک جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دائرہ مخلوقات میں یہ اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ ہے کہ جو خواص اُس نے مادہ میں رکھے ہیں وہ ان کے مناسب ہی ان پر آثار مرتب فرماتی رہتی ہے اور اس صورت میں ایک طرف قدرت کا کمال دوسری طرف عالم کی مرتب زیبائش دونوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۱۷)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلَتْ خَدِيْجَةُ النَّبِيَّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَيْنِ مَاتَا لَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمَا فِي النَّارِ قَالَ فَلَمَّا رَأَى الْكَرَاهَةَ فِيْ وَجْهِهَا قَالَ لَوْ رَأَيْتِ مَكَانَهُمَا لَأَبْغَضْتِهِمَا قَالَتْ يا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَلَدِيْ مِنْكَ قَالَ فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَوْلَادَهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَوْلَادَهُمْ فِي النَّارِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ. (رواہ احمد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' میرے دو بچے جو کفر کے دور میں پیدا ہوئے تھے وہ دوزخ میں ہیں یا جنت میں؟ فرمایا دوزخ میں' یہ سن کر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے چہرہ پر غم کے آثار دیکھے تو فرمایا اگر تم ان کا ٹھکانا دیکھ لو تو تمہارے دل میں بھی اُن سے نفرت پیدا ہو جائے۔ اس کے بعد انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اچھا جو میری اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اُن کا حال بتایئے؟ فرمایا وہ جنت میں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا مؤمنین اور اُن کی اولاد جنت میں جائے گی اور مشرکین اور ان کی اولاد دوزخ میں۔ اس کے بعد اس کی تصدیق کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی: "والذین آمنوا الخ" جو لوگ ایمان لا چکے ہیں (مسند احمد)

تشریح۔ دوزخ اور جنت کی جو تقدیر شکم مادر میں لکھ دی جاتی ہے علم الٰہی میں وہ بھی کسی ضابطہ کے تحت ہوتی ہے اُس کا ضابطہ اُسی کو معلوم ہے کہیں اُس کا مدار ظاہری عمل پر ہوتا ہے اور کہیں صرف اُس استعداد پر جو اچھے برے عمل کا اصلی سبب ہوتی ہے (حجۃ اللہ ص ۱۶۲) تقدیر کا یہ پہلو بھی قدرت نے صیغہ راز میں رکھا ہے اور جس طرح قیامت کے وقت کا اخفا کیا گیا ہے کیونکہ نظام عالم اسی میں مضمر ہے اسی طرح محشر سے قبل جنتی اور دوزخی ہونے کا آخری فیصلہ بھی مستور رکھا گیا ہے۔ ہاں اجمالی طور پر اتنا پتہ دے دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی اولاد جنتی ہے اور کفار و مشرکین کی دوزخی۔ تقدیر کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد یہ سوال بالکل بے معنی رہ جاتا ہے کہ جب بچہ نے کوئی برا عمل ہی نہیں کیا تو پھر اس کے لیے دوزخ کیوں ہے۔ اوّل تو یہ اعتراض اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ جزاء وسزا کا ضابطہ صرف ایک عمل ہی ہو' پھر یہ تو بتایئے کہ جس نے عمل کر لیے ہیں اسی کے لیے دوزخ کیوں ہو؟ جبکہ دوزخ کے عمل کرا کے

دوزخ میں ڈالنا بھی قابل اعتراض ہونا چاہیے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عمل اس بات کی شہادت ہوتا ہے کہ اس میں استعداد ناقص تھی۔ پھر اگر مدار استعداد پر ہو تو بچوں میں بھی قدرت نے مختلف نوع کی استعداد دے رکھی ہیں، بری استعداد کا بچہ اسی طرح قابل رحم نہیں ہوتا جیسا سانپ اور بچھو کا بچہ، یہاں کوئی بے رحمی کا سوال پیدا نہیں ہوتا بلکہ اُن کے کاٹے ہوئے بغیر بھی اُن کو مار ڈالنا دنیا کے حق میں بڑی رحم دلی ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کا حال اسی درجہ پر تباہ دیکھا تو آخر بددعا کے لیے ہاتھ اُٹھانے کے لیے مجبور ہو ہی گئے اور اسی کا یہی عذر بیان فرمایا "رب انک ان تذرھم یضلوا عبادک و لا یلدوا الا فاجراً کفاراً" یعنی اب یہ تخم ہی خراب ہو چکا ہے اگر آگے باقی رہا تو اس سے جو پیداوار ہوگی وہ ایسی ہی بدبخت قوم کی ہوگی۔ پس جس کو دوزخ میں ڈالنا منظور ہوگا اس کی استعداد بھی اسی کے مناسب ہوگی اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ کافر و مشرک کے یہاں پیدا ہوگا۔ یہ بھی صرف ایک علامت کے طور پر ہے پوری بات یہاں بھی ہم کو بتانا منظور نہیں کیونکہ یہ بھی تقدیر کا ایک شعبہ ہے اور اس کو بھی محشر سے قبل کھول دینا پسند نہیں ہے۔ اسی لیے حدیث میں بچوں کی نجات و ہلاکت کے مسئلہ میں بحث کرنے کی بھی ممانعت آئی ہے۔

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغُلَامُ الَّذِیْ قَتَلَہُ الْخَضِرُ طُبِعَ یَوْمَ طُبِعَ کَافِرًا۔ (رواہ الترمذی)

اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لڑکا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا وہ جب شکم مادر میں جما تھا اس کی تقدیر میں کافر ہی لکھا گیا تھا۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شقاوت و سعادت شکم مادر ہی میں لکھ دی جاتی ہے اور اس کتابت کے تحت وہ مولود ایسا مسخر ہوتا ہے کہ بڑے ہو کر وہی افعال کرتا ہے جو اُس کتابت کے مطابق ہوتے ہیں۔ گو کرتا ہے اپنے اختیار ہی سے، تقدیر کا سارا جغرافیہ کیسے بتایا جا سکتا ہے اور اگر بتا دیا جائے تو کون اس کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ دیکھیے یہاں والدین مسلمان ہیں، اُدھر تقدیر بچہ میں ایسی استعداد ودیعت فرما چکی ہے کہ بڑے ہو کر اُس سے کفر ہی کے افعال سرزد ہوں اور اُدھر مقصد یہ ہے کہ والدین اس کی محبت میں آ کر کافر نہ ہو جائیں تو ان دونوں مقدرات میں جوڑیوں لگایا جاتا ہے کہ اس نوبت سے قبل ہی قبل بچہ کو ان سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ والدین پر بڑا ظلم ہوا، کیسا خوش رو بچہ اور کس طرح موت کے زبردست ہاتھوں نے اُن سے چھین لیا مگر تقدیر یہ کہتی ہے کہ بہت بہتر ہوا کیونکہ اگر اس کی حیات مقدر ہو جاتی تو اس کے ساتھ ساتھ ان کا کفر بھی مقدر ہو جاتا، بچہ کی حیات سے یہ زندگی تو بہت پُر لطف گزرتی مگر آخرت کی زندگی برباد ہو جاتی۔ اب اگر یہ راز یہیں کھول دیا جاتا ہے تو بتائیے کہ اس بچہ کی وفات پر والدین کے صبر میں کیا بات رہ جاتی، تقدیر کے اخفاء کے ساتھ جب وہ صبر کرتے ہیں تو پروردگار کی طرف سے ان کو رضا بالقضاء کا تمغہ مل جاتا ہے حالانکہ ان کا صبر بھی قضاء الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے مگر عالم اسباب میں یہ تمام باتیں مستور رہتی ہیں۔ ظاہر میں تو یہی نظر آتا ہے کہ ایک شخص کے بچہ کا انتقال ہوتا ہے اور وہ محض خدا تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد کر کے صبر کر لیتا ہے۔ بس اس عالم ظاہر کے اختیار ہی پر یہ جزاء و سزا مرتب ہو جاتی ہے، اگر عالم غیب ظاہر ہو جائے تو جزاء و سزا کے لیے اس دنیا کو اتنی تفصیل کے ساتھ بچھانے کی ضرورت نہ تھی۔

عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَعْمَلُ عَمَلَ اَھْلِ النَّارِ

وَاِنَّهُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنَّهُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ. (متفق علیہ)

سہل بن سعد روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' بندہ دوزخی شخص کے سے عمل کرتا رہتا ہے اور ہوتا ہے وہ جنتی اور اسی طرح جنتی شخص کے سے عمل کرتا رہتا ہے اور ہوتا ہے وہ دوزخی' بات یہ ہے کہ دارومدار صرف خاتمہ پر ہے (اُس وقت جیسے عمل ہوں) (متفق علیہ)

تشریح۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل فیصلہ وہی ہوتا ہے جو قضاء وقدر کرچکی ہو' رہے اعمال ظاہری تو وہ انسان کے اچھے اور برے ہونے کی صرف ظاہری نشانیاں ہیں۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کی راہ خدا میں جانبازی دیکھ کر بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا' ہاں اچھے اعمال سے حسن خاتمہ کی اُمید اور برے اعمال سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ضرور ہونا چاہیے۔نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس جہان میں فیصلہ بیشتر عمل کے تابع رکھا گیا ہے۔لہٰذا جس کو جنت عطا فرمائیں گے' اس سے عمل بھی اہل جنت کے کرائیں گے اور جس کو بخشنا منظور نہیں اس سے پہلے اعمال بھی اسی کے مناسب کرالیے جائیں گے تاکہ اعمال اور جزاء کے درمیان ظاہری تناسب بھی باقی رہے۔اگرچہ وہ اصل حالت نہ سہی' حق تعالیٰ اچھے عمل والے کو دوزخ میں اور برے عمل والے کو جنت میں بھی داخل فرماسکتا ہے مگر وہ خود یہ خبر دے چکا ہے کہ وہ ایسا کرے گا نہیں' اس لیے ضروری ہوا کہ جو دوزخی ہو اس سے عمل بھی اہل دوزخ کے سے کرالیے جائیں تاکہ عمل و جزاء کے مابین مماثلت باقی رہے۔صحیح مسلم میں یہ لفظ ہیں :"ان الرجل ليعمل عمل اهل الجنّة فيما يبدو للنّاس" یعنی ایک شخص لوگوں کو جنتی شخص کے سے عمل کرتا نظر آتا ہے' گویا حقیقت کی اُنہیں خبر نہیں ہوتی کہ وہ دوزخی ہے پس جب مدار خاتمہ پر رہا تو اب ظاہر پر قطعی حکم کیسے لگایا جائے۔اسی حدیث نے اولیاء اللہ کا خون پانی بنا رکھا ہے کیونکہ یہ خبر کس کو ہے کہ اُس کا خاتمہ کیسے اعمال پر ہوگا اور اسی خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی بھی یہاں گریہ وزاری میں مبتلا رہے۔

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ حِيْنَ خَلَقَهُ فَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُمْنٰى فَاَخْرَجَ ذُرِّيَّةً بَيْضَاءَ كَاَنَّهُمُ الذَّرُّ وَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُسْرٰى فَاَخْرَجَ ذُرِّيَّةً سَوْدَاءَ كَاَنَّهُمُ الْحُمَمُ فَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ يَمِيْنِهِ اِلَى الْجَنَّةِ وَلَا اُبَالِيْ وَقَالَ لِلَّذِيْ فِيْ كَتِفِهِ الْيُسْرٰى اِلَى النَّارِ وَلَا اُبَالِيْ. (رواہ احمد)

ابو درداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کے دائیں بازو پر ایک ضرب لگائی تو اس سے سفید رنگ کی ایسی چھوٹی چھوٹی ذریۃ نکالی جیسی چیونٹی پھر بائیں بازو پر ضرب لگائی تو سیاہ رنگ کی ایسی ذریۃ نکالی جیسا کوئلہ پھر دائیں طرف والی کو فرمایا کہ یہ جنت میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور جو بائیں جانب تھے ان کو فرمایا کہ یہ دوزخ میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

تشریح۔سیاہ وسفید شاید یہ عالم تقدیر میں کامیاب وناکامیاب کے رنگ مقرر کردیئے گئے ہیں۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم میں شاید اس وقت ارواح کو کسی خاص قسم کا مختصر سا جسم بھی مرحمت کردیا گیا تھا حتیٰ کہ بعض علماء نے اس کا نام ہی عالم ذر رکھ دیا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ دَخَلَ عَلَيْهِ اَصْحَابُهٗ يَعُوْدُوْنَهٗ وَهُوَ يَبْكِيْ فَقَالُوْا لَهٗ مَا يُبْكِيْكَ اَلَمْ يَقُلْ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ خُذْ مِنْ شَارِبِکَ ثُمَّ اَقِرَّهُ حَتّٰی تَلْقَانِیْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَبَضَ بِیَمِیْنِهٖ قُبْضَةً وَاُخْرٰی بِالْیَدِالْاُخْرٰی وَقَالَ هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَهٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَلَا اُبَالِیْ وَلَا اَدْرِیْ فِیْ اَیِّ الْقُبْضَتَیْنِ اَنَا. (رواه احمد' وقال الهیثمی رجاله رجال الصحیح)

ابونضرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ایک شخص کے پاس جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی عیادت کے لیے آپ کے صحابہ آئے تو اس وقت وہ رو رہے تھے' صحابہ نے رونے کا سبب پوچھا اور کہا کیا تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم اپنی لبیں تراشتے رہنا اور اسی طریق پر ہمیشہ قائم رہنا' یہاں تک کہ مجھ سے آملو' انہوں نے کہا کیوں نہیں' ضرور فرمایا تھا لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے بھی خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ سے ایک مٹھی بھری اور دوسری دوسرے ہاتھ سے' پھر فرمایا کہ یہ دائیں مٹھی والے تو جنت کے لیے بنائے ہیں اور یہ بائیں والے دوزخ کے لیے اور مجھے کوئی پروانہیں' دوستو! مجھے کیا علم ہے کہ میں اس کی کس مٹھی میں آ گیا۔

تشریح۔ تقدیر کی قہرمانی کا جس کسی کے دل پر ایسا تسلط ہو وہی اس کا ادراک بھی کر سکتا ہے کہ اس ہیبت کے سامنے کیا کسی کا حافظہ ساتھ دیا کرتا ہے یا سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے اور صرف ایک دعاء کے سواء کچھ بن نہیں آتی جو قلوب اس خشیت سے خالی ہیں وہ اس کو کیا سمجھیں۔ یہاں انکشاف حال سے قبل اطمینان کی کوئی صورت ہی نہیں ہوتی۔ جب صحابی کا یہ حال ہو تو عامہ مؤمنین کا حال کیا ہونا چاہیے۔ "اللّٰھُمَّ اقم لنا من خشیتک ماتحول به بیننا و بین معاصیک"

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ قَتَادَةَ السُّلَمِیِّ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ ثُمَّ خَلَقَ الْخَلْقَ مِنْ ظَهْرِهٖ ثُمَّ قَالَ هٰٓؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَلَا اُبَالِیْ وَهٰٓؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَلَا اُبَالِیْ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَعَلٰی مَاذَا نَعْمَلُ قَالَ مُوَافَقَةَ الْقَدَرِ. (رواه الحاکم قال الذهبی علی شرطهما الی الصحابی)

عبدالرحمٰن بن قتادہ سلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا' اس کے بعد ان کی پشت سے بقیہ انسانوں کو نکالا اور فرمایا یہ تو جنت کے لیے بنائے ہیں اور یہ دوزخ کے لیے اور مجھے کوئی پروانہیں۔ اس پر کسی نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! معاملہ جب یوں ہے تو اب عمل کس لیے؟ فرمایا وہ تو تقدیر میں لکھے جا چکے (اس کے موافق ہو کر رہیں گے) (مستدرک)

تشریح۔ ان تمام احادیث کے آخر میں لفظ "لا اُبالی" (ہمیں کوئی پروانہیں) حق تعالیٰ کی شان بے نیازی کے اظہار کے لیے بیان ہوتا جا رہا ہے' وہاں نہ اس کی پروا ہے کہ جنتیوں پر اس انعام و اکرام کا انتظام کہاں سے ہوگا اور نہ اس کا غم ہے کہ یہ سارے جہنمی مل کر ہمارے خلاف کیا سازش بنائیں گے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفِیْ یَدَیْهِ کِتَابَانِ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَانِ الْکِتَابَانِ قُلْنَا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِهِ الْیُمْنٰی هٰذَا کِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ فِیْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَسْمَاءُ اٰبَاءِ هِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِهِمْ

فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِیْ فِیْ شِمَالِهٖ هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اَسْمَاءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَاءُ اٰبَاءِ هِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا فَقَالَ اَصْحَابُهٗ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَ اَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ فَقَالَ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ عَمِلَ اَیَّ عَمَلٍ وَاِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَیَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ فَنَبَذَهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِی السَّعِيْرِ. (رواہ الترمذی)

عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لیے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا جانتے ہو یہ کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے کہا یا رسول اللہؐ! ہمیں یہ کیا پتہ' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بتائیں تو کچھ پتہ چلے۔ آپؐ نے اس کتاب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں تھی' یہ وہ کتاب ہے جس میں پروردگار عالم نے تمام جنتی اشخاص کے نام اور ان کے باپ دادوں کے اور قبیلوں کے نام لکھ دیئے ہیں اور آخر میں ان کی میزان بھی لگادی ہے۔ اب اس میں نہ کسی اور نام کا اضافہ ہوسکتا ہے نہ کمی ہوسکتی ہے پھر جو کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں ہاتھ میں تھی اُس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ وہ کتاب ہے جس میں تمام دوزخی اشخاص کے نام ہیں اور ان کے باپ دادوں اور قبیلوں کے نام ہیں۔ ان کے آخر میں بھی میزان لگادی ہے اب اس میں بھی کسی نام کا اضافہ اور کمی نہیں ہوسکتی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے فرمایا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر دوزخی اور جنتی ہونا پہلے سے لکھا جاچکا ہے تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلند پروازیاں چھوڑو اور سیدھے سیدھے عمل کیے جاؤ کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ ایسے ہی اعمال پر ہوگا جو جنتی شخص کے عمل ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل ساری عمر میں کیسے بھی عمل کرتا رہے اور اسی طرح دوزخی شخص کا خاتمہ بھی ایسے ہی اعمال پر ہوگا جو دوزخی اشخاص کے ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل کیسے ہی اچھے کام کرتا ہو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کرکے دونوں کتابوں کو اپنے پیچھے کی طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ تمہارا پروردگار سب کچھ لکھ لکھا کر فارغ ہو چکا' بس اسی کے مطابق اب کچھ لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور کچھ دوزخ میں۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ اس حدیث کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپؐ کے ہاتھوں میں جو دو کتابیں تھیں وہ حقیقتاً دو کتابیں ہی تھیں۔ حدیث کے الفاظ از اول تا آخر بار بار پڑھیے' ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کو یہ خیال نہیں آسکتا کہ یہاں راوی نے کسی حقیقت کو مجازی صورت سے بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے پھر جبکہ نبی کا تعلق خود عالم غیب سے اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو جنت کے باغوں میں سے انگور کا خوشہ توڑ لائے اور ہم کو دیدے۔ چاند کی طرف اشارہ کرے تو اس کے دو ٹکڑے کردے' انگلیوں کو جھکا دے تو اس سے چشمے پھوٹ نکلیں۔ اگر ایسے ہاتھوں میں آپ دو کتابوں کا ذکر سنتے ہیں تو اس پر چونکتے کیوں ہیں اور کیوں اس کی تاویل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں جو لوگ عالم غیب پر ایمان نہیں رکھتے وہ اسی ایک جگہ کیا ہر جگہ عالم تردد ہی میں پڑے رہتے ہیں ان کا غم نہ کھائیے' ان کے تو یہ بھی فہم سے بالاتر ہے کہ اتنی غیر متناہی مخلوق کے اسماء کے لیے اتنا مختصر دفتر کیسے ہوسکتا ہے' وہ صرف دنیا کا

شارٹ ہینڈ ہی جانتے ہیں۔ وہ مسکین کیا جانیں کہ غیب کے اختصار وطول کا عالم کیا ہوتا ہے۔ "وان یومًا عند ربک کالف سنة مما تعدون" نبی کی پراسرار ہستی اگر عالم غیب کی دو کتابیں اپنے ہاتھوں میں لے آتی ہے اور ایک اشارہ سے پھر انہیں عالم غیب میں پہنچا دیتی ہے تو اس کو بسر وچشم قبول کر لیجئے اور فکر یہ کیجئے کہ معلوم نہیں آپ کا نام کس فہرست میں درج ہو چکا ہے۔

یہاں کمی وبیشی کے لیے جتنے احتمال ہو سکتے تھے سب کو ذکر کر کے میزان کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ جس طرح اس صورت میں زیادتی کمی کا کوئی موقع نہیں رہتا۔ اسی طرح اب نئے جنتی اور نئے دوزخی بننے کا بھی کسی کے متعلق کوئی احتمال باقی نہیں رہا' قضاء وقدر کی قہرمانی اور تسلط کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ رَجُلٌ شَآبٌ وَاَنَا اَخَافُ عَلٰی نَفْسِیَ الْعَنَتَ وَلَا اَجِدُ مَا اَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ فَسَکَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِکَ فَسَکَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِکَ فَسَکَتَ عَنِّیْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِکَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلٰی ذٰلِکَ اَوْذَرْ. (رواه البخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نوجوان شخص ہوں' عورتوں سے نکاح کے مصارف میرے پاس نہیں' مجھے اپنے نفس پر کسی مصیبت میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے (اجازت ہو تو خصی ہو جاؤں) یہ سن کر آپ خاموش رہے' میں نے پھر عرض کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش ہو رہے' میں نے پھر مکرر عرض کی اور پھر بدستور خاموش رہے۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منشاء یہ تھا کہ آپ ان کو خصی ہونے کی اجازت دیدیں) جب میں نے چوتھی بار وہی سوال دُہرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں جس جس مصیبت میں بھی گرفتار ہونا ہے وہ تو تقدیر کا قلم لکھ لکھا کر فارغ بھی ہو چکا' اب چاہو تو خصی ہو جاؤ اور چاہے رہنے دو۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ آپ کی بار بار کی خاموشی بتا رہی تھی کہ منشاء مبارک کیا ہے مگر حاجت مند اور حکم کا منتظر چاہتا تھا کہ کسی طرح بھی ہو اگر اس کو خصی ہو جانے کی صراحۃً اجازت مل جائے تو وہ اس تکلیف کو برداشت کر کے زنا جیسی مصیبت سے بچ رہے۔ سبحان اللہ معصیت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تنفر کا عالم بھی کیا تھا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زناء سے اس درجہ نفرت گو قابل داد تھی مگر ان کے بار بار اصرار سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی اس تدبیر سے گویا تقدیر کو بھی پلٹ دیں گے۔ اس لیے صاحب شریعت نے بڑے تاثر کے انداز میں فرمایا' ابو ہریرہ! تقدیر کے سامنے تدبیر کی کچھ پیش نہیں جاتی' تقدیر کا قلم چل چکا ہے اب اگر تمہاری قسمت میں زنا لکھا جا چکا ہے تو وہ ہو کر رہے گا اور اگر مقدر نہیں ہوا تو پھر اگر خصی نہ بھی ہو گے جب بھی نہیں ہو سکتا' اب چاہو تو خصی بن جاؤ اور چاہو تو رہنے دو' آپ کے جملوں کے بعد قضاء وقدر کی گرفت کا جتنا اثر ہو سکتا تھا ظاہر ہے اس لیے اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آئندہ سوال کی نہ جرأت ہوئی نہ ضرورت رہی' دوسری جگہ حدیثوں میں موجود ہے کہ اس قسم کی ضرورت کے وقت شریعت نے روزہ رکھنے کی تعلیم فرمائی ہے۔ روزہ اگر ہماری سی سحری وافطاری کے ساتھ نہ ہو تو اس خواہش کے قطع کرنے کا بہترین علاج ہے اس کے بعد ایسے خلاف فطرت فعل کا حاصل کیا؟

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ يُصَرِّفُهُ كَيْفَ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ. (رواہ مسلم)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جس طرف چاہتا ہے ان کو پھیر سکتا ہے' اس کے بعد آپ نے یوں دعا فرمائی' اے دلوں کے لوٹنے پلٹنے والے! ہمارے دلوں کو تو اپنی تابعداری ہی کی طرف جھکائے رکھنا۔ (مسلم)

تشریح۔ حق تعالیٰ کی علی الاطلاق قدرت اور بندہ کی انتہائی بیچارگی اور بے بسی کا نقشہ اس سے زیادہ مؤثر اور مختصر انداز میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک نیم مختار انسان جب کبھی اپنے اختیار کلی کے اظہار کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مخاطب کے سامنے انگلیوں کا اشارہ کر کے ہی اس کو سمجھاتا ہے۔ یہاں اسی معہود طریقہ کو استعمال کیا گیا ہے' حق تعالیٰ اعضاء سے منزہ و مبرا ہے۔ احادیث میں بندہ کو مختار ثابت کیا گیا ہے مگر ایسا مختار جس کے اوپر قدرت کا اختیار اس طرح مسلط ہے کہ اس کے بعد اس اختیار کی ہستی فناء ہو جاتی ہے اور حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اعتقاد کے بعد انسان کی زبان پر جو بے ساختہ درخواست آنی چاہیے وہ سب سے پہلے ایک یہی پروردگار! ہمارے دلوں کو اپنی تابعداری کی طرف ہی جھکائے رکھنا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰى دِيْنِكَ فَقُلْتُ يَا نَبِیَّ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات یوں دعا فرماتے اے قلوب کے پلٹنے والے میرے قلب کو اپنے دین پر جمائے رکھ۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کی یا نبی اللہ! ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لا چکے ہیں' کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے متعلق اب بھی کوئی خطرہ باقی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں قلوب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں' ان کو جیسے چاہے پلٹ سکتا ہے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

تشریح۔ یہاں صحابہ کرام کے فہم و ادب پر بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سنتے ہیں آپ کے حق میں اور سمجھتے ہیں اپنے حق میں' اسی لیے سوال یہ کرتے ہیں کہ جب ہم آپ پر ایمان لا چکے تو کیا پھر بھی آپ کو ہمارے متعلق کوئی خطرہ ہے' آپ کا جواب یہ ہے جی ہاں! مقام صحابیت پر فائز ہو جانے کے بعد بھی کوئی شخص قضاء و قدر کے قاہرانہ تصرف سے نڈر نہیں ہو سکتا' خوف کی بات بہرحال خوف ہی کی رہتی ہے' شان بندگی اسی میں ہے کہ کسی بلند سے بلند مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی مختار کل کے اختیار سے ڈرتا رہے۔ اس جگہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو بڑی حد تک ان خطرات سے مامون تھے جب اُن کے متعلق بارگاہ نبوت سے جواب یہ ملا تو پھر ماوشما کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ كَرِيْشَةٍ بِاَرْضٍ

فَلاَةٍ يُقَلِّبُهَا الرِّيَاحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ. (رواه احمد و ابن ماجه)

ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' انسان کے قلب کی مثال اُس پَر کی سی ہے جو بیابان زمین میں پڑا ہوا ہو اور ہوائیں اس کو کبھی سیدھا اور کبھی اُلٹا کر رہی ہوں۔ (ابن ماجہ' مسند امام احمد)

تشریح۔ ایک وسیع جنگل میں تند و تیز ہوا اور ایک ذرا سے پَر کا بھلا کیا مقابلہ' لیکن پھر یہ دونوں مخلوق ہی مخلوق ہیں اور دونوں کے دونوں محکوم ہی محکوم ہیں' قلوب بنی آدم کی جو نسبت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے وہ تو خالق و مخلوق اور حاکم و محکوم کی ہے یہاں اس بیچارگی کا اندازہ ہی کیا لگایا جاسکتا ہے' یہاں وہ نسبت بھی نہیں ہے جو عدم کو وجود سے لیکن احادیث میں بسا اوقات حقیقت سے ہٹ کر محاورات کے مطابق کلام اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس کا اصل مقصد تفہیم و تعلیم ہوتا ہے' انسان جتنا جلد اپنے محاورات سے کسی حقیقت کو سمجھ سکتا اور متاثر ہوسکتا ہے اتنا وہ فلسفیانہ تعبیرات سے کسی حقیقت کو نہیں پاسکتا اور نہ اُن سے متاثر ہوسکتا ہے۔ اسی لیے کہیں احادیث میں اصابع (انگلیوں) کا لفظ بھی آیا ہے اور کہیں مذکورہ بالا حدیث کے انداز بیان کو اختیار کیا جارہا ہے تاکہ ان امثال سے انسان اپنی بیچارگی کا اندازہ لگا سکے اور اس کے بعد حق تعالیٰ کی بالادست قدرت و اختیار کے سامنے جتنا اُسے جھکنا چاہیے جھک جائے۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ بَيْنَما نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَذَاكَرُ مَا يَكُوْنُ اِذْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَيَّرَ عَنْ خُلُقِهٖ فَلاَ تُصَدِّقُوْهُ فَاِنَّهٗ يَصِيْرُ اِلٰى مَاجُبِلَ عَلَيْهِ. (رواه احمد)

ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں کے عادات و اخلاق کے متعلق کچھ ذکر کررہے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو اس کی تصدیق کرلینا اور اگر یہ سنو کہ کسی شخص کی فطری عادات بدل گئی ہیں تو اس کی تصدیق نہ کرنا' آخر کار ایک دن وہ پھر ان ہی خصائل کی طرف لوٹے گا جس پر کہ اس کی پیدائش ہوئی ہے۔ (احمد)

تشریح۔ انسان کی عادات و اخلاق بھی چونکہ کاتب تقدیر کے قلم کے نیچے آچکی ہیں اس لیے جس طرح قضاء و قدر کے دوسرے شعبوں میں تبدیلی و ترمیم نہیں ہوسکتی اسی طرح اس میں بھی نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے مشہور ہے ''جبل گردد جبلی نہ گردد'' عقلاء کے مابین ایک مسئلہ یہ بھی زیر بحث ہے کہ اخلاق کسبی ہیں یا خلقی' اس حدیث سے اس پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے' غرض انسانی اختیار کا افسانہ جتنا اس عالم میں گرم ہے' عالم غیب میں وہ اتنا ہی سرد ہے' یہ قدرت کا کمال ہی کمال ہے کہ جو سرتاپا مجبور ہے وہ مختار ہی مختار نظر آتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ يَعْنِىْ اِبْنَ مَسْعُوْدٍ فَذَكَرَ الْقَوْمُ رَجُلاً فَذَكَرُوْا مِنْ خُلُقِهٖ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اَرَأَيْتُمْ لَوْ قَطَعْتُمْ رَأْسَهٗ اَكُنْتُمْ تَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ تُعِيْدُوْهُ قَالُوْا لاَ قَالَ فَيَدَهٗ قَالُوْا لاَ قَالَ فَرِجْلَهٗ قَالُوْا لاَ قَالَ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تُغَيِّرُوْا خُلُقَهٗ. (رواه الطبرانى قال الهيثمى و رجاله ثقات)

عبداللہ بن ربیعہ روایت کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا اور اسی ضمن میں اس کے عادات و اخلاق کا ذکر بھی آگیا۔ اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم لوگ بتاؤ اگر تم اس کا سر کاٹ دو تو کیا اس کو پھر جوڑ سکتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا نہیں' فرمایا اچھا اگر اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو تو کیا پھر اس کو جوڑ سکتے ہو؟ وہ بولے نہیں' آخر میں فرمایا' اچھا

پیر؟ انہوں نے کہا یہ بھی نہیں۔ فرمایا اگر تم یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تو یاد رکھو! اسی طرح اس کے عادات و اخلاق کو بھی بدل نہیں سکتے۔ (طبرانی)

تشریح۔ اس حدیث سے اوپر کی حدیث کی ذرا اور تشریح ہو جاتی ہے اس لیے اس کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔ ابو درداء کی اوپر والی حدیث میں ایک نہایت لطیف نکتہ ہے، وہ یہ کہ حدیث میں ''جبل'' کا لفظ استعمال کیا ہے ''جبر'' کا نہیں استعمال کیا، گویا بندہ خیر و شر پر مجبول یعنی مخلوق تو ہوتا ہے مگر ان پر مجبور نہیں ہوتا، بیشک جیسا حدیث میں انسان کا انجام وہی ہوگا جس پر وہ مخلوق ہوا ہے مگر اس سے خیر و شر کا ظہور ہوگا، بالاختیار ہی اس لیے اس کو مجبول تو کہا جائے گا لیکن مجبور نہیں کہا جا سکتا۔ (شرح عقیدۃ الطحاویہ ص ۳۷۳)

عَنْ اَبِی سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَہٗ فِی اَجَلِہٖ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَیَطِیْبُ بِنَفْسِہٖ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ و قال الترمذی غریب)

ابو سعید روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم کسی بیمار کی عیادت کو جایا کرو تو اس کی درازی عمر کے کلمات کہا کرو کیونکہ تمہارے اس کہنے سے کچھ تقدیر تو بدلتی نہیں البتہ مریض کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ (ترمذی شریف، ابن ماجہ)

تشریح۔ اسلام کو باہم مروت و اخلاق اور ہمدردی کی بھی کس حد تک رعایت منظور ہے کہ وہ ایک بیمار کے حق میں ایسے کلمات کہہ دینے کی بھی اجازت دے دیتا ہے جن کے متعلق اگر کہیں صریح اجازت نہ آجاتی تو شاید ممانعت کا شبہ لگ جا سکتا تھا لیکن یہ انبیاء علیہم السلام کا کمال ہے کہ وہ عام تخاطب میں بھی اس کا خیال رکھتے ہیں کہ کسی گوشہ سے بھی اسلام کے کسی اہم نقطہ نظر کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔ دیکھیں یہاں کس طرح عیادت کے بیان میں تقدیر کا سبق تازہ کیا جا رہا ہے اور کس طرح تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ عالم ناقابل ترمیم ہے اور اس کے فیصلے سب اٹل ہیں لیکن جب وہ ہمارے علم میں نہیں تو پھر اگر کسی تعبیری طریقہ سے ہمارے بھائی کا دل خوش ہوتا ہے تو اس سے بخل کیوں کیا جائے مگر یہ نکتہ پھر فراموش نہ ہو کہ ہوگا یہ سب کچھ لفظی جمع خرچ جو مقدر ہے وہی ہو کر رہے گا۔

واضح رہے کہ اخلاق اس کا نام نہیں کہ محض کسی کا دل خوش کرنے کے لیے خلاف واقع کلمات کہہ دیئے جائیں یہ تو کذب ہے اخلاق یہ ہے کہ جہاں ہمارا علم قاصر ہو وہاں ہم اللہ تعالیٰ سے اچھی ہی اُمید رکھیں اور وہی اپنی زبانوں سے نکالیں ''انا عند ظن عبدی بی'' یہ تمام وسعتیں صرف اس لیے ہیں کہ تقدیر پردہ غیب میں رکھی گئی ہے اگر کہیں ظاہر کر دی جائے تو دنیا کی ساری چہل پہل ایک آن میں ختم ہو جائے۔ اس پر بھی عاقبت نااندیش انسان تقدیر ہی کے سراغ لگانے کی فکر میں پڑا رہتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اس کے حق میں اس کا اخفاء اس کے اظہار سے کہیں سودمند ہے۔

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَیْسٍ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تُسْرِعُ اِلَیْہِمُ الْعَیْنُ اَفَاَسْتَرْقِیْ لَہُمْ قَالَ نَعَمْ فَاِنَّہٗ لَوْ کَانَ شَیْءٌ سَابِقُ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْہُ الْعَیْنُ. (رواہ الترمذی)

اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! جعفرؓ کے بچوں کو نظر بڑی جلدی لگ جاتی ہے، کیا میں اُن پر یہ منتر پڑھ سکتی ہوں؟ فرمایا پڑھ سکتی ہو کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر بھی غالب آ سکتی تو وہ نظر ہوتی۔ (ترمذی)

تشریح۔ نظر لگنے کی حقیقت کچھ بھی سہی لیکن ہے یہ امر واقع کہ نظر ضرور لگتی ہے، دو چار مغلوب العقل انسانوں کے صرف مذاق اُڑا دینے سے ہزاروں انسانوں کے تجربے کی تکذیب نہیں کی جا سکتی۔ حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس کے وجوہ و اسباب اور

اس کی حقیقت پر بصیرت افروز بحث کی ہے پھر جس طرح نظر لگنے کی حقیقت عام طور پر نہیں سمجھی جاتی اسی طرح اس کے علاج بھی اکثر اسی طرح کے کلمات ہیں جو بیشتر معقول المعنی نہیں ہوتے اس قسم کے مقامات پر حدیث کا رویہ کتنا معتدل ہے کہ وہ نہ تو واقعات کا انکار کرتی ہے اور نہ غیر معقول امور کی حقیقت کے دریافت کے درپے ہوتی ہے بلکہ اس امر کے متعلق جو عوام کا دستور چلا آتا ہے اگر اس میں کوئی شرعی سقم نہیں ہوتا تو اس میں دست اندازی نہیں کرتی۔ اسی ضابطہ کے مطابق نظر لگنے کا معاملہ بھی ہے' اہل تجربہ کے نزدیک جو کلمات یا جو طریقے اس بارے میں مفید ثابت ہو چکے ہیں اگر وہ کلمات شرکیہ پر مشتمل نہ ہوں تو یہ صرف ایک علاج کے طور پر ہوں گے اس لیے شریعت ان سے ممانعت بھی نہیں فرماتی اور نہ ان کے استعمال کی رغبت دلاتی ہے۔ نظر اور سانپ بچھو کا کاٹا یہ سب ایسی موذی چیزیں ہوتی ہیں کہ اس میں مریض طبیب کا انتظار بھی نہیں کر سکتا اور ان میں تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اکثر جھاڑ پھونک فوری فائدہ بخش ہو جاتے ہیں اس لیے ایسے مواقع پر جھاڑ پھونک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا بھی نہیں اور اجازت دیدی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمادی کہ چونکہ نظر کی تاثیر اتنی قوی ہوتی ہے کہ اگر تقدیر بھی کسی چیز سے بدل سکتی تو نظر سے بدل جاتی۔ اس لیے اس بارے میں اپنے تجربوں پر عمل کر سکتے ہو بشرطیکہ وہ ممنوعات شرعیہ سے خالی ہوں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا وَّ كَادَ الْحَسَدُ اِنْ يَّغْلِبَ الْقَدْرَ. (شعب الایمان)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے احتیاج میں کفر تک نوبت پہنچ سکتی ہے اور حسد ایسی سخت چیز ہے کہ کہیں تقدیر پر بھی غالب نہ آ جائے۔ (شعب الایمان)

تشریح۔ فقر جب حد سے تجاوز کر جائے تو اس کا نتیجہ کبھی کفر کی صورت میں بھی نکل آتا ہے۔ دوسری چیز جو انتہا درجہ خطرناک ہے وہ حسد ہے اسی لیے سورہ فلق میں حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم کی گئی ہے۔ اس کی تاثیر کو اس انداز میں ادا کیا گیا ہے کہ جو چیز کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتی وہ تقدیر ہے کہ سب اس کے زیر اثر ہیں اور وہ کسی کے زیر اثر نہیں اور حقیقت ہے بھی یہی کہ جو علم الٰہی ہے وہ کسی کے زیر اثر ہو بھی کیسے سکتا ہے لیکن اگر کوئی چیز تقدیری فیصلوں پر بھی اثر انداز ہو سکتی تو وہ حسد ہوتا' سلسلہ اسباب و مسببات میں انسانی عزائم کو بڑا دخل ہے' حاسد کا نفس جب ہمہ وقت پوری عزیمت کے ساتھ کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو یہاں بھی ایسے ایسے شگوفے کھلنے لگتے ہیں جس سے شبہ ہونے لگتا ہے کہ شاید تقدیر ہی بدل دی گئی ہے۔

حق تعالیٰ کے علم ازلی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهٗ فَسَقَطَ عَنْ ظَهْرِهٖ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَىْ اِنْسَانٍ مِّنْهُمْ وَبِيْصًا مِّنْ نُّوْرٍ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰى آدَمَ فَقَالَ اَىْ رَبِّ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ ذُرِّيَّتُكَ فَرَاٰى رَجُلًا مِّنْهُمْ فَاَعْجَبَهٗ وَبِيْصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ قَالَ اَىْ رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ دَاوٗدُ فَقَالَ اَىْ رَبِّ كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهٗ قَالَ سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمْرِىْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا انْقَضٰى عُمْرُ آدَمَ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ جَاءَهٗ مَلَكُ الْمَوْتِ

فَقَالَ آدَمُ اَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمْرِىْ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَوَلَمْ تُعْطِ اِبْنَكَ دَاوٗدَ فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَنَسِيَ آدَمُ فَاَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَخَطَاءَ اٰدَمُ وَخَطَاءَ تْ ذُرِّيَّتُهٗ. (رواہ ترمذی)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کرلیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان کی نسل سے جتنی اولاد اس کو تا قیامت پیدا کرنی تھی وہ سب ظاہر ہوگئی' ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک چمکتا چمکتا نور پیدا فرمایا اور اس کے بعد ان سب کو آدم علیہ السلام کے سامنے حاضر کیا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی پروردگار! یہ لوگ کون ہیں؟ ارشاد ہوا یہ تمہاری ہی اولاد ہے۔ آدم علیہ السلام نے اُن کو دیکھا تو ایک شخص کی آنکھوں کے درمیان چمکتا ہوا نور اُن کو بہت پیارا معلوم ہوا۔ عرض کی پروردگار! یہ کون ہیں؟ ارشاد ہوا داؤد (نبی اللہ علیہ السلام) عرض کی پروردگار! تونے ان کی کتنی عمر مقرر فرمائی ہے؟ ارشاد ہوا ساٹھ سال۔ عرض کی پروردگار! ان کی عمر میں تو میری عمر میں سے چالیس سال اور بڑھا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی اور صرف چالیس سال باقی رہ گئے تو ملک الموت قبض روح کے لیے اُن کے پاس آگئے' آدم علیہ السلام نے کہا ابھی تو میری عمر میں چالیس سال باقی ہیں۔ انہوں نے فرمایا کیا آپ وہ اپنے فرزند داؤد کو بخش نہیں چکے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ (باپ کے خصائل اولاد میں ظاہر ہوا کرتے ہیں) اس لیے ان کی اولاد میں بھی کہہ کر مکر جانے کی عادت ظاہر ہوئی' وہ بھولے تھے اور شجرہ ممنوعہ کھالیا تھا اور خطاء کی تھی اس لیے اولاد میں بھی بھولنے اور خطاء کاری کی سرشت باقی رہی۔ (ترمذی)

تشریح۔ تقدیر کی کتابت کے پانچ نمبروں میں سے یہ وہی دوسرا نمبر ہے جس کو ابھی آپ حدیث کی شرح میں بحوالہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پڑھ چکے ہیں۔ اس سے پہلا مرتبہ علم الٰہی کا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اس مرتبہ کے لحاظ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر سو سال ہی کی تھی مگر اس حساب سے ۶۰ + ۴۰ = ۱۰۰ یعنی حق تعالیٰ جس کو عالم کا ذرہ ذرہ روشن ہے یہ جانتا تھا کہ آئندہ واقعہ اس طرح پیش آئے گا ان کی عمر میں چالیس سال کا اضافہ ہوگا اور مجموعہ سو ہو جائے گی۔ پس اگر اس تفصیل کو دیکھو تو یوں کہہ دو کہ چالیس سال کا اضافہ ہوا اور اگر نظر ذرا اس سے اور اوپر کر کے دیکھو تو حق تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے آخری بات یہی تھی کہ اُن کی عمر سو سال ہوگی' اس لیے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔

یاد رہے کہ دوسرے مرتبہ کے اس ذرا سے ہیر پھیر سے حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی میں اتنا نمایاں اثر پیدا ہو گیا کہ قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی اتنی بڑی تعداد میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد خلیفہ کا لقب صرف ان ہی کو دیا ہے۔ "یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض" ان کے علاوہ جتنے اور انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ظاہر ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام خلیفۃ اللہ ہی تھے مگر چونکہ اصل خلیفۃ اللہ کی عمر کے چالیس سال صرف داؤد علیہ السلام ہی کو ملے تھے اس لیے تقدیر کی اس حقیقت کا اثر قرآنی الفاظ میں بھی اتنا سا نمایاں ہونا ضروری ہوا' عالم غیب حقیقت ہی حقیقت کا عالم ہے' وہاں جو بھی ہوتا ہے اس عالم میں اس کا اثر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ رہا اس جگہ یہ سوال کرنا کہ کیا کسی اور نبی کی پیشانی کا نور اتنا پیارا نہ تھا' یہ محض بے علمی کا سوال ہے۔

عالم غیب کی ساری تفصیل نہ ہم کو بتائی گئی ہے نہ اس کی ضرورت تھی۔ اس حدیث میں تمام انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات

بیان کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا گیا۔ قضاء وقدر کا یہ ایک واقعہ بھی کسی خاص مصلحت کے لیے معرض بیان میں آ گیا ہے جو عالم ہم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اور قصداً پوشیدہ رکھا گیا ہے' اس کی کچھ کچھ جزئیات اس لیے بھی ذکر کردی جاتی ہیں کہ اس عالم کو اس عالم کی باتیں سن سن کر یہ تنبیہ ہوتا رہے کہ اس عالم کے سوا کوئی اور دوسرا عالم بھی ہے اور اس طرح اس پر ایمان لانے میں مدد مل سکے۔

اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا کہ جب موت کا فرشتہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو اس پر غصہ آ گیا اور انہوں نے اس کے تھپڑ مارا۔ آخر میں بات یہاں پہنچی کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ بیل کی کمر پر ہاتھ رکھ دو' جتنے بال تمہارے ہاتھ کے نیچے آ جائیں اتنے سال تمہاری عمر' یہاں عمر کی زیادتی کا سوال ہی نہیں ہے کیونکہ جہاں یہ اختیار دیا گیا تھا اسی کے ساتھ اُن کے اختیار کو اس طرف لگا دیا گیا تھا کہ وہ موت ہی کو اختیار فرمالیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس صورت سے نبی اولوالعزم کا اکرام بھی پورا ہو گیا اور جو تقدیر الٰہی تھی وہ بھی پوری ہوگئی۔

تنبیہ: مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے یہ لازم کر دیا گیا کہ آئندہ ملک الموت جس کی روح بھی قبض کرنے جائیں اپنی اصل صورت میں جائیں' اس سے یہ بات بھی حل ہوگئی کہ فرشتے پر اس رسول اولوالعزم کو غصہ آیا' کیوں آیا تھا یعنی وجہ یہ تھی کہ اُس وقت وہ بشری صورت پر حاضر ہو گئے تھے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمْرِ اِلَّا الْبِرُّ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمَ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهُ. (رواہ ابن ماجه)

ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تقدیر کو کوئی چیز پلٹ نہیں سکتی مگر صرف دعاء اور مقررہ عمر میں کوئی شے زیادتی نہیں کر سکتی مگر نیکی اور یقیناً آدمی گناہوں کی شامت سے کبھی رزق سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح۔ اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر آیا ہے تقدیر' عمر اور رزق اور یہ تینوں چیزیں اسلامی عہد کے بعد نا قابل تبدیل ہونے میں ضرب المثل ہیں۔ اگر غور کیجئے تو یہاں ایک ہی چیز ہے یعنی تقدیر' عمر اور رزق اسی کے اجزاء ہیں۔ ان تین کے بالمقابل آپ نے یہاں تین چیزیں اور بیان فرمائی ہیں جن کی تاثیر سے آج تک دنیا ناواقف تھی یعنی دعاء' نیکی اور گناہ۔ ان میں سے دعاء کی برکت سے کبھی نوشتہ تقدیر بھی ٹل جاتا ہے اور نیکی کی بدولت کبھی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے حالانکہ وہ بھی مقرر شدہ ہے اور گناہوں کی شامت سے وہ رزق بھی جو مقرر شدہ ہے کبھی منقطع ہو جاتا ہے پھر یہ سب کچھ احاطہ تقدیر میں شامل ہوتا ہے یعنی کوئی دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء عطا فرما دے گا' نیکی کرے گا تو اتنی عمر دے دی جائے گی اور فلاں گناہ کے باعث رزق گھٹ جائے گا اور یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ دعاء کرے گا یا نہیں' نیکی کی توفیق ملے گی یا نہیں اور اسی طرح گناہ کا صدور ہوگا یا نہیں' پس اگر تقدیر کے پہلے نمبر کی طرف نظر کی جائے جس میں رد بلاء دعاء کے ساتھ اور عمر کا اضافہ نیکی کے ساتھ اور رزق کا انقطاع گناہ کے ساتھ معلق ہوتا ہے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مقدرات بھی قابل تبدیل ہوتے ہیں اور جب اس سے اوپر نظر کی جائے گی جہاں تعلیقات کچھ نہیں صرف احکام ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مقدرات میں جو ترمیمات ہیں وہ سب تحتانی مراتب میں ہیں حقیقت میں کوئی ترمیم نہیں۔

دنیا میں جو کچھ بھی ہے یہ تقدیر ہی کی خفیہ کارفرمائیاں ہیں

عَنْ اَبِیْ خِزَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰی بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِیْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ قَالَ هِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ (رواہ احمد، والترمذی و ابن ماجه)

ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! فرمائیے یہ جو منتر ہم لوگ پڑھتے ہیں یا دواء کا استعمال کرتے ہیں یا ہتھیاروں سے جنگ میں اپنا بچاؤ کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں تقدیر کو بدل دیتی ہیں؟ فرمایا نہیں، یہ چیزیں خود تقدیر کے اندر لکھی ہوئی موجود ہوتی ہیں (اور یہ ظاہری جدوجہد اسی کی کارفرمائی ہوتی ہے)۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قضاء وقدر اسباب کی سببیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ اسباب خود قضاء وقدر کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ (حجۃ اللہ ص ۶۷) صحابہؓ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ جب اسباب تقدیر کو بدل نہیں سکتی تو ان کا ارتکاب کرنا ہی لاحاصل ہے۔ آپ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ وہ ارتکاب کرنا بھی تقدیری احاطہ میں داخل ہے۔ لہٰذا اس کے ارتکاب کرنے نہ کرنے کا سوال ہی بے محل ہے اب چاہے تو یوں سمجھ لو کہ جو مقدر ہو چکا ہے ہم کرتے وہی اسباب ہیں اور چاہے یوں کہہ دو کہ جو اسباب بھی ہم اس عالم میں کرتے ہیں یہ سب اُسی خفیہ تقدیر کی کارفرمائیاں ہوتی ہیں۔ نتیجہ دونوں باتوں کا ایک ہی نکلتا ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ مِنْ مُزَیْنَةَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ مَا یَعْمَلُ النَّاسُ الْیَوْمَ وَیَكْدَحُوْنَ فِیْهِ اَشَیْءٌ قُضِیَ عَلَیْهِمْ وَمَضٰی فِیْهِمْ مِنْ قَدَرٍ سَبَقَ اَوْ فِیْمَا یُسْتَقْبَلُوْنَ بِهٖ مِمَّا اٰتَاهُمْ بِهٖ نَبِیُّهُمْ وَثَبَتَتْ الْحُجَّةُ عَلَیْهِمْ فَقَالَ لَابَلْ شَیْءٌ قُضِیَ عَلَیْهِمْ وَمَضٰی فِیْهِمْ وَتَصْدِیْقُ ذٰلِكَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا. (رواہ مسلم)

قلت وقد اخرجه السیوطی فی الدرالمنثور فی تفسیر سورة والشمس وفیه "فی قدر سبق" مكان "من قدر سبق" و "ما اتاهم به نبیهم" مكان "مما اٰتاهم الخ" و "واتخذت علیهم به الحجة" مكان "ثبتت علیهم الحجة" وفیه زیادة وهی "قال فلم یعملون اذاً قال من كان اللّٰه خلقه لواحدة المنزلتین هیأه لعملها و تصدیق ذٰلک" الخ ص ۲۵۲/۶، واخرجه فی سورة واللیل عن جابر و فیه اسم السائل ایض و لفظه ان سراقة بن مالک قال یا رسول اللّٰه أفی ایّ شیء نعمل أفی شیء ثبتت فیه المقادیرو جرت فیه الاقلام ام فی شیء نستقبل فیه العمل قال بل فی شیء ثبتت فی المقادیرو جرت فیه الاقلام ص ۳۵۹/۶، واخرج نحوه ابن ماجة عن سراقة بن جعشم وهو مالک بن جعشم قال قلت یا رسول اللّٰه العمل فیما جف به القلم وجرت به المقادیر ام فی امر مستقبل قال فیما جف به القلم وجرت به المقادیر وكل میسر لما خلق له وفی الزوائد فی اسناده فقال فان مجاهد الم یسمع من سراقة فلزم الانقطاع وعطاء مختلف فیه انتهی قال السندی والمتن قد ذكره

ابو داؤد ومن رواية ابن عمر، و عند مسلم عن جابر قال جاء سراقة بن مالک بن جعشم قال یا رسول اللّٰه بین لنا دیننا (أی مانعتقد من حال اعمالنا) کانا خلقنا الأن (ای انهم غیرعاملین بتلک المسئلته فیما العمل الیوم اینما جفت به الاقلام وجرت به المقادیر ام فیما نستقبل الخ.

عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ مزینہ کے دو شخصوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! فرمائیے آج دنیا اپنے اعمال میں جو کچھ بھی جدوجہد کر رہی ہے، کیا یہ سب کچھ ان کی تقدیر میں پہلے سے طے شدہ تھا یا جب انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر خدائی حجت اُن پر پوری کر دیتے ہیں تو اس کے بعد لوگ اپنے اعمال کا سلسلہ کسی تقدیر کے بغیر خود شروع کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں نہیں ہے بلکہ ان کی تمام جدوجہد طے شدہ تقدیر کے تحت ہوتی ہے چنانچہ اس کی شہادت خود قرآن شریف میں بھی موجود ہے۔ ارشاد ہے "ونفس وما سوٰها" یعنی اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست کیا پھر اس کو بدکاری اور نیکوکاری دونوں کا الہام فرمایا، یعنی دونوں کی صورت پیدا فرما دی۔

اس حدیث کے بعض الفاظ میں کچھ لفظی تشویش ہے بعض الفاظ مراد میں واضح ہیں، ہم نے یہاں ان کو بھی نقل کر دیا ہے اس لیے ان الفاظ کو بھی پیش نظر رکھا جائے تاکہ مطلب سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہاں بھی آپ کے جواب کا حاصل یہی ہے کہ اس عالم میں جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ سب عالم تقدیر کی کارفرمائیاں ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آیت "فالهمها فجورها" میں الہام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نفس میں تقویٰ و فجور کی صورت پیدا فرما دیتا ہے جیسا کہ پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ شکم مادر ہی میں سعادت و شقاوت لکھ دی جاتی ہے۔ اس کا خلاصہ بھی یہی ہے، الہام اصل میں اس صورت علمیہ کو کہتے ہیں جس کی بناء پر کسی کو عالم کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر وہ صورت اجمالیہ جو آئندہ ظہور آثار کے لیے مبداء و منشاء ہو الہام کے نام سے موسوم ہو جاتی ہے، خواہ اس کی بناء پر عالم کا اطلاق نہ کیا جاتا ہو۔ اس جگہ الہام کے یہی معنی مراد ہیں۔ (حجۃ اللہ ص ۱۶۹)

شرح عقیدہ الطحاویہ میں اس جگہ ایک اور لطیف بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لفظ الهمها (جس کا ترجمہ ہے اسی نے نفس کو الہام کیا اور سکھایا) قدر کی طرف اشارہ ہے اور فجورها و تقوٰها میں فجور اور تقویٰ کے نفس کی اضافت سے اس کے اختیار کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بندہ کا بھی کوئی فعل ضرور ہوتا ہے جس کی بناء پر اس کا نفس فاجرہ یا متقیہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح آئندہ آیت میں "زکّٰها اور دسّٰها" میں تزکیہ اور تدسیس کی انسان کی طرف نسبت بھی دلالت کرتی ہے کہ یہاں عبد کا بھی کچھ فعل ہوتا ہے۔ گویا تقدیر کے جبر اور بندہ کے فاعل بالاختیار ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اس کے اختیار کے ساتھ ساتھ تقدیر کا جبر بھی لگا جا رہا ہے۔

دنیا کے واقعات قضاء و قدر کے تحت ہی ہوتے ہیں

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْتُكِ قَبْلَ اَنْ اَتَزَوَّجُكِ مَرَّتَيْنِ رَأَيْتُ الْمَلَكَ يَحْمِلُكِ فِيْ سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيْرٍ فَقُلْتُ لَهٗ اِكْشِفْ فَاِذَا كَشَفَ فَاِذَا هِيَ اَنْتِ فَقُلْتُ اِنْ يَكُ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهٖ. (رواه البخاری فی التعبیر)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شادی سے قبل مجھے تم کو دو مرتبہ خواب میں دکھایا گیا تھا' میں نے کیا دیکھا کہ ایک فرشتہ ہے جو ایک ریشمین کپڑے میں تم کو لیے ہوئے ہے' میں نے اس سے کہا ذرا پردہ ہٹانا' اس نے پردہ ہٹایا' دیکھتا کیا ہوں کہ وہ تم ہو میں نے اپنے دل میں کہا اگر اللہ تعالیٰ نے اس خواب کو اپنی اسی ظاہری شکل پر پورا کرنا مقدر فرمادیا ہے تو وہ پورا کر کے رہے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ انبیاء علیہم السلام کی شخصیت بھی کتنی پاکیزہ اور بلند ہوتی ہے کہ بیداری کی حالت ہو یا خواب کی' امور تشریعیہ ہوں یا تکوینیہ ان کے ذاتی معاملات ہوں یا دوسروں کے کسی وقت بھی اُن کا تعلق ملاء اعلیٰ سے علیحدہ نہیں ہوتا اس لیے ان کے خواب کو بھی وحی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اب ذرا دیکھئے یہ کیا چھوٹا سا معاملہ تھا' بات بھی خواب کی تھی اور وہ بھی ایک ذاتی معاملہ میں جس کا کوئی ظاہری سامان بھی نہ تھا مگر یہاں بھی نبی کی ذات اس پر اسی طرح یقین رکھتی ہے جس طرح کہ اپنی بیداری کی وحی پر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں اتنی بھی زحمت گوارا نہیں فرماتے کہ بیداری کے بعد اس ظاہری حلیہ کا کوئی سراغ ہی لگاتے بلکہ پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ کر اس کو تقدیر کے حوالہ کر دیتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ نے اس خواب کا اس ظاہری شکل پر پورا ہونا مقدر فرمادیا ہے تو وہ پورا ہو کر رہے گا اور اس کے اسباب بھی ہو کر رہیں گے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِابْنِ صَیَّادٍ خَبَاْتُ لَکَ خَبِیْئًا قَالَ الدُّخُّ قَالَ اِخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُ وَقَدْرَکَ قَالَ عُمَرُ اِئْذَنْ لِیْ فَاَضْرِبَ عُنُقَهٗ قَالَ دَعْهُ اَنْ یَّکُنْ هُوَ فَلَا تُطِیْقُهٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ هُوَ فَلَا خَیْرَ لَکَ فِیْ قَتْلِهٖ. (رواه البخاری فی ابواب القدر)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے امتحاناً فرمایا' میں نے تیرے امتحان کرنے کے لیے ایک بات دل میں چھپائی ہے' بتا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ دُخ کا کلمہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا تو اپنی مقدر اوقات سے تجاوز نہیں کر سکتا' اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اجازت دیجئے تو میں ابھی اس کی گردن اُڑا دوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانے دو کیونکہ اگر یہ وہی دجال اکبر ہے تو تم چاہو بھی جب بھی اس کو قتل نہیں کر سکتے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو پھر اس نابالغ بچہ کے قتل سے کیا فائدہ۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طلاق اُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْکِحْ فَاِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. (رواه البخاری ص ۲۷۴ و ابوداؤد وغیرهما)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' عورت کو یہ نہ چاہیے کہ وہ دوسری عورت کی طلاق کا اس نیت سے مطالبہ کرے کہ جو اس کے نصیب کا لکھا ہو وہ بھی سب یہی حاصل کر لے' اس کو نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ جو اس کے نصیب کا ہوگا وہ اُسی کو ملے گا (دوسری کو نہیں مل سکتا) (بخاری شریف' ابوداؤد شریف وغیرہما)

تشریح۔ انسانی پست ہمتی اور خست کی یہ ایک بدترین مثال ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کا ارادہ کرے تو پہلے وہ اس سے یہ شرط لگائے کہ جو عورت اس کے نکاح میں موجود ہے اگر وہ اس کو طلاق دے دے تو یہ اس سے نکاح کر سکتی ہے اور یہ بھی

ہو صرف اس لالچ میں کہ اس صورت میں وہ شوہر کے پورے مال پر قابض رہے گی۔ حتیٰ کہ جو اس وقت اس کی اسلامی بہن کا حصہ ہے وہ بھی اسی کے پاس آ جائے گا۔ اسلام اپنے نفع کی خاطر دوسرے کو نقصان رسانی کی اس بدتر صورت کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کٹھن سبق کو یہ کہہ کر آسان کر دیتا ہے کہ سرے سے لالچ کا یہ تخیل ہی غلط ہے کیونکہ کسی کے مقدر کا رزق دوسرے کو مل جائے یہ ممکن ہی نہیں تو پھر مفت میں اس دنائت اور خست کے اظہار کی ضرورت۔ اب آپ نے دیکھا کہ تقدیر کا مسئلہ کتنی مشکلات کا حل ہے حیات و موت کا کوئی گوشہ جب انسان کے لیے لاینحل بن رہا ہو تو تقدیر کا سبق بڑی آسانی سے اس کو حل کر دیتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِیْ جَارِیَۃً ھِیَ خَادِمُتَنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَیْھَا وَاَکْرَہُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اِعْزِلْ عَنْھَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّہٗ سَیَأْتِیْھَا مَا قُدِّرَلَھَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاہُ فَقَالَ اِنَّ الْجَارِیَۃَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُکَ اِنَّہٗ سَیَأْتِیْھَا مَا قُدِّرَ لَھَا۔ (رواہ مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری ایک باندی ہے جو میرے کام کاج کرتی ہے اور میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں اس لیے مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ حاملہ ہو جائے (کیا میں عزل کر سکتا ہوں) آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو عزل کرلو مگر اس کے مقدر میں جو بچہ لکھا جا چکا ہے وہ اسے جن کر رہے گی۔ کچھ عرصہ گزرا ہو گا کہ وہی شخص پھر حاضر ہوا اور عرض کی کہ وہ تو حاملہ ہو گئی' آپ نے فرمایا میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ جو بچہ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے وہ اس سے ضرور پیدا ہو کر رہے گا۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ عزل لغت میں اس کو کہتے ہیں کہ جب مرد انزال کے قریب پہنچے تو اپنے عضو کو باہر نکال کر باہر انزال کر دے تاکہ استقرار حمل نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اگر بات غیر پسندیدہ ہوتی تو اس کی اجازت تو دیتے مگر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر۔ مشکل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا رسول اگر منع فرمادے تو حرمت کا مرتبہ آ سکتا ہے اور اگر کھلی اجازت دے دے تو یہ خلاف مقصود ہوتا ہے اس لیے یہاں لفظ "ان شئت" (یعنی اگر تو چاہتا ہے تو کرلے) فرما کر تنبیہ فرمادی کہ ہماری مرضی کی تو یہ بات ہی نہیں' دوم اس عمل کے بیکار ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔ حدیث کی مراد یہ نہیں ہے کہ اگر تقدیر میں اولاد مقدر ہو گی تو مرد کے نطفہ کے بغیر بھی ہو کر رہے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اولاد مقدر ہو گی تو عزل کے بعد بھی غیر شعوری حالت میں اتنا مادہ رحم میں پہنچ جائے گا جو بچہ بننے کے لیے کافی ہو گا اور اس طرح تقدیر کا نوشتہ تو پورا ہو کر رہے گا اور یہ عمل آخر کار بیکار ثابت ہو گا۔ چنانچہ یہاں ایسا ہی ہوا اور اس وقت آپ نے پھر اس کو اپنا مقولہ یاد دلایا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ کُلِّ الْمَاءِ یَکُوْنُ الْوَلَدُ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ خَلْقَ شَیْءٍ لَمْ یَمْنَعْہُ شَیْءٌ۔ (رواہ مسلم)

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مرد کی ساری منی سے تو بچہ بنتا نہیں (تو پھر عزل سے فائدہ) اور اللہ تعالیٰ جب کسی بچہ کے پیدا فرمانے کا ارادہ کرے تو پھر کوئی شے اس کے لیے مانع نہیں ہو سکتی۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ اس حدیث میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ تقدیر آ کر رہتی ہے مگر اسباب کو توڑ کر نہیں بلکہ اس طرح کہ اس کے اسباب بھی ہو کر رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس صورت میں عزل سے قبل نطفہ کا کوئی نہ کوئی حصہ نکل جائے اور اسی سے لڑکا پیدا ہو جائے، اولاد کی پیدائش کے لیے پورے کا پورا مادہ تو ضروری ہے نہیں، پھر عزل کرنے والے کو ایسے وقت میں بھلا اس کی احتیاط کیا رہ سکتی ہے کہ وہ اس طرح عزل کرے کہ ایک قطرہ منی بھی اندر نہ نکلنے پائے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّذْرِ وَقَالَ اِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَاِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِيْلِ. (رواه البخاری)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منتیں ماننے سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ منتیں ماننے سے تقدیر تو بدلتی نہیں ہاں اس بہانہ سے بخیل آدمی کا مال اس کے قبضہ سے زبردستی نکلوایا جاتا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ انسانی بخل کی بھی حد ہو گئی کہ وہ اپنے خالق کی بارگاہ میں بھی اس وقت تک مال خرچ کرنا پسند نہیں کرتا جب تک کہ اس سے بھی اس کا کوئی معاوضہ وصول نہ کر لے اور وہ بھی پیشگی یعنی وہ نذر و نیاز ادا کرنے کا عزم بھی جب کرتا ہے جب کہ مثلاً پہلے اس کا مریض شفایاب ہو جائے۔ حدیث کہتی ہے کہ کارکنان قضاء و قدر کے سامنے یہ مشروط نذر و نیاز بیکار اور لاحاصل بات ہے وہ طے شدہ معاملہ ہے اور اسی طرح ہو کر رہے گا۔ مشروط نذریں تقدیری فیصلوں پر ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہوتیں، صدقہ کرنے سے بیشک کبھی رد بلا ہو جاتا ہے اس لیے تم اگر یہ چاہتے ہو تو شرط کیے بغیر صدقہ دیتے رہو، اگر عالم تقدیر میں یہ طے پا چکا ہے کہ تم صدقہ کرو گے تو یہ بلاء تم سے ٹل جائے گی تو ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور تمہارے اس بخل کا مظاہرہ بھی نہ ہو گا۔ حدیث میں جہاں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ امور مقدرہ کے لیے اسباب بھی مقدرہ ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بعض اسباب ایسے بھی ہیں جن کا ارتکاب عبث ہے، عالم تقدیر میں ان کا کوئی اثر نہیں ہے، وہ ایسے اسباب نہیں ہیں جیسے عمر میں برکت کے لیے صدقہ، اس لیے ان کا ارتکاب کرنا اضاعت وقت کے ساتھ ساتھ حماقت بھی ہے، عورت کا کسی مرد سے نکاح کرنے کے لیے دوسری بی بی کے طلاق کا مطالبہ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔

قضاء وقدر کا ظہور

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْراً اِسْتَعْمَلَه فَقِيْلَ وَكَيْفَ يَسْتَعْمِلُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ يُوَفِّقُهٗ بِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ. (رواه الترمذی و قال هذا حديث صحيح)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے متعلق بھلائی کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس سے نیک کام کرا لیتے ہیں۔ دریافت کیا گیا نیک کام کرانے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ موت سے قبل اس کو نیک کام کرنے کی توفیق بخش دیتے ہیں۔

تشریح۔ یعنی جنتی جنت میں یا دوزخی دوزخ میں جائے گا تو اپنے مقدر ہی سے مگر خانہ پُری کے لیے پہلے اس سے اعمال ویسے ہی کرا لیے جائیں گے تاکہ دوزخ یا جنت ملے تو ان کے اسباب کے ساتھ ملے اور قضاء و قدر بھی نافذ ہو تو اسی طرح نافذ ہو

کہ عالم اسباب میں جو نظام اسباب رکھا گیا ہے وہ درہم برہم نہ ہونے پائے۔ جب اسباب ظاہر یہ قضاء وقدر کے اس طرح جزء بنے ہوئے ہوں تو یہ کون کہہ سکتا ہے کہ تقدیر پر ایمان رکھنے والے اسباب کے بیکار ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ عَزَّةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضَی اللّٰهُ بِعَبْدٍ اَنْ یَمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهٗ اِلَیْهَا حَاجَةً اَوْ قَالَ بِهَا حَاجَةً. (رواہ احمد)

ابوعزہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی موت کسی جگہ مقدر فرما دیتے ہیں تو اس جگہ اس کی کوئی ضرورت پیدا فرما دیتے ہیں (جس کے پورا کرنے کیلئے وہ جاتا ہے اور اس ذریعہ سے وہ اپنی موت کی جگہ جا پہنچتا ہے)

تشریح۔ ان احادیث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ عالم میں بعض واقعات محض اسباب کا بھرم قائم رکھنے کے لیے پیش آتے ہیں۔ اگر تقدیر عالم اسباب کو توڑ کر سامنے آجائے تو اسباب کی تاثیر کا سارا راز فاش ہو جائے۔ دیکھئے آدمی سفر کرتا ہے اپنی ضرورت کی خاطر' اُدھر تقدیر کھینچتی ہے موت کی خاطر' ظاہر میں تو یہ سمجھتا ہے کہ یہاں آنا ہوا تھا ایک ضرورت کے لیے' اس لیے یہاں موت آگئی اور تقدیر یہ کہتی ہے کہ چونکہ موت ہی یہاں کی مقدر تھی اس لیے یہاں آنا ہوا۔ پہلی صورت میں انسان کے دل میں یہ خیال رہ رہ کر آسکتا ہے کہ اگر کاش! یہ شخص یہاں نہ آتا تو اس کی موت اپنے وطن ہی میں آتی اور موت غربت سے بچ جاتا لیکن دوسری صورت میں اس خیال کے بجائے دل میں یہ جزم حاصل ہوتا ہے کہ جب موت یہاں کی مقدر کی تھی تو یہ اپنے وطن میں رہتا کیونکر۔

نقول میں کسی جگہ نظر سے گزرا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجلاس میں ایک مرتبہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بھی بصورت انسان موجود تھے' وہ بار بار ایک شخص کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے' اس درمیان میں اس شخص نے کسی بعید مقام پر پہنچا دینے کی اُن سے درخواست کی' اس پر حضرت عزرائیل علیہ السلام کے چہرہ پر مسکراہٹ سی آگئی۔ دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ میں دیکھ یہ رہا تھا کہ اس شخص کے متعلق مجھ کو فلاں مقام پر اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہوا ہے' وہ مقام یہاں سے بہت طویل مسافت پر ہے اور اس کی قبض روح میں اتنے وقت کی گنجائش نہیں' پھر یہ ہوگا کیسے؟ جب اس نے یہ درخواست پیش کی تو مجھ کو اس پر ہنسی آگئی کہ اس کے وہاں پہنچنے کے سامان حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذریعہ مقدر تھے۔ اِدھر اب یہ وہاں پہنچتا ہے اور اُدھر ٹھیک محل ٹھیک وقت پر حکم ربی نافذ ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر کا تذکرہ خود قرآن عزیز میں موجود ہے اس لیے اس خاص واقعہ کو صرف اس کے برمحل ہونے کی وجہ سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے اسکے اسناد وغیرہ کی تفتیش بھی ضروری نہیں سمجھی گئی۔ اگر وقت میں گنجائش ہوتی تو اس پر بھی تحقیق کر لی جاتی۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اَنَّهٗ قَالَ كَانَ صَدِیْقًا لِاُمَیَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَكَانَ اُمَیَّةُ اِذَا مَرَّ بِالْمَدِیْنَةِ نَزَلَ عَلٰی سَعْدٍ وَكَانَ سَعْدٌ اِذَا مَرَّ بِمَكَّةَ نَزَلَ عَلٰی اُمَیَّةَ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ اِنْطَلَقَ سَعْدٌ مُعْتَمِرًا فَنَزَلَ عَلٰی اُمَیَّةَ بِمَكَّةَ فَقَالَ لِاُمَیَّةَ اُنْظُرْلِیْ سَاعَةَ خَلْوَةٍ لَعَلِّیْ اَنْ اَطُوْفَ بِالْبَیْتِ فَخَرَجَ بِهٖ قَرِیْبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ فَلَقِیَهُمَا اَبُوْجَهْلٍ فَقَالَ یَا اَبَا صَفْوَانَ مَنْ هٰذَا مَعَكَ فَقَالَ هٰذَا سَعْدٌ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ جَهْلٍ اَلَا اَرَاكَ تَطُوْفُ بِمَكَّةَ اٰمِنًا وَقَدْ اَوَیْتُمُ الصُّبَاةَ وَزَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ تَنْصُرُوْنَهُمْ

وَتُعِينُوْ نَهُمْ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْلَا اَنَّكَ مَعَ اَبِىْ صَفْوَانَ مَارَجَعْتَ اِلٰى اَهْلِكَ سَالِمًا فَقَالَ لَهٗ سَعْدٌ وَرَفَعَ صَوْتَهٗ عَلَيْهِ اَمَا وَاللّٰهِ لَئِنْ مَنَعْتَنِىْ هٰذَا لَاَمْنَعَنَّكَ مَا هُوَ اَشَدُّ عَلَيْكَ مِنْهُ طَرِيْقَكَ عَلَى اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهٗ اُمَيَّةُ لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ يَا سَعْدُ عَلٰى اَبِى الْحَكَمِ سَيِّدِ اَهْلِ الْوَادِىْ فَقَالَ سَعْدٌ دَعْنَا عَنْكَ يَا اُمَيَّةُ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنَّهُمْ قَاتِلُوْكَ قَالَ بِمَكَّةَ قَالَ لَا اَدْرِىْ فَقَالَ اُمَيَّةُ وَاللّٰهِ لَا اَخْرُجُ مِنْ مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ اِسْتَنْفَرَ اَبُوْجَهْلٍ النَّاسَ قَالَ اَدْرِكُوْا عِيْرَكُمْ فَكَرِهَ اُمَيَّةُ اَنْ يَخْرُجَ فَاَتَاهُ اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ يَا اَبَا صَفْوَانَ اِنَّكَ مَتٰى يَرَاكَ النَّاسُ قَدْ تَخَلَّفْتَ وَاَنْتَ سَيِّدُ اَهْلِ الْوَادِىْ تَخَلَّفُوْا مَعَكَ فَلَمْ يَزَلْ بِهٖ اَبُوْجَهْلٍ حَتّٰى قَالَ اَمَّا اِذَا غَلَبْتَنِىْ فَوَاللّٰهِ لَاَشْتَرِيَنَّ اَجْوَدَ بَعِيْرٍ بِمَكَّةَ ثُمَّ قَالَ اُمَيَّةُ يَا اُمَّ صَفْوَانَ جَهِّزِيْنِىْ فَقَالَتْ لَهٗ يَا اَبَا صَفْوَانَ وَقَدْ نَسِيْتَ مَا قَالَ لَكَ اَخُوْكَ الْيَثْرِبِىُّ قَالَ لَا وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اَجُوْزَ مَعَهُمْ اِلَّا قَرِيْبًا فَلَمَّا خَرَجَ اُمَيَّةُ اَخَذَ لَا يَنْزِلُ مَنْزِلًا اِلَّا عَقَلَ بَعِيْرَهٗ فَلَمْ يَزَلْ بِذٰلِكَ حَتّٰى قَتَلَهُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ. (رواه البخاری فی باب من یقتل ببدر)

سعد بن معاذ روایت فرماتے ہیں کہ ان کا اور اُمیہ بن خلف کا باہم دوستانہ تھا' جب کبھی اُمیہ مدینہ طیبہ آتا تو ان کا مہمان بنتا اور جب یہ مکہ مکرمہ جاتے تو اس کے مہمان ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے تو ایک بار سعد عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ گئے اور حسب قاعدہ اُمیہ کے مہمان ہوئے اور اس سے کہا ذرا دیکھنا کوئی خالی سا وقت ملے تو مجھے بیت اللہ کا طواف کرنا ہے۔ دوپہر کے قریب یہ طواف کے لیے نکلے' اتفاقاً ابوجہل کی ان دونوں سے ملاقات ہوگئی' اس نے پوچھا ابو صفوان! (اُمیہ کی کنیت ہے) یہ تمہارے ساتھ کون آدمی ہے؟ اس نے کہا سعد بن معاذ ہیں' اس پر ابوجہل بولا میں دیکھ رہا ہوں' تم بڑے اطمینان سے بیت اللہ کا طواف کر رہے ہو حالانکہ تم نے ان لوگوں کو جو یہاں سے اپنا آبائی دین چھوڑ کر چلے گئے ہیں اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے اور تمہارا گھمنڈ یہ ہے کہ جنگ میں تم ان کی مدد بھی کرو گے۔ خدا کی قسم! اگر اس وقت تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر زندہ نہیں جا سکتے تھے۔ اس پر سعد برہم ہو کر ذرا بلند آواز سے بولے' خدا کی قسم! اگر تو مجھ کو طواف سے روکے گا تو میں تجھ کو ایسی بات سے روکوں گا جو اس سے زیادہ تجھ پر شاق ہوگی۔ یعنی اہل مدینہ کی طرف سے تیرا تجارتی راستہ بند کر دوں گا۔ اُمیہ نے کہا دیکھو' سعد ان سے ایسی تیزی سے گفتگو نہ کرو' آخر یہ بھی اس وادی کے سردار ہیں۔ سعد نے اُمیہ سے مخاطب ہو کر کہا' بس آپ بھی رہنے دیجئے' خدا کی قسم! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ وہ تم کو قتل کریں گے۔ اُمیہ بولا ارے کیا مکہ میں' سعد نے کہا یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ اُمیہ نے کہا خدا کی قسم! میں مکہ سے کہیں باہر نکلوں گا ہی نہیں' اس گفتگو کے بعد جب غزوہ بدر کی نوبت آئی تو ابوجہل نے لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا اور یہ تقریر کی' تمہارا تجارتی قافلہ روک لیا گیا ہے' لوگو! تم اُس کی خبر لو لیکن اُمیہ کو جنگ کے لیے نکلنا سخت ناگوار تھا' ابوجہل کو جب یہ احساس ہوا تو وہ اس کے پاس آیا اور سمجھانے لگا' ابوصفوان! دیکھئے آپ اس وادی کے سردار ہیں' جب لوگ آپ ہی کو دیکھیں گے کہ آپ جنگ سے ہٹ رہے ہیں تو وہ بھی آپ کے ساتھ ہی رہ جائیں گے۔ ابوجہل اس کو برابر سمجھاتا رہا یہاں تک کہ وہ بولا' اچھا بھئی! جب تم میرا پیچھا چھوڑتے ہی نہیں تو دیکھو میں مکہ میں جو بڑھیا سے بڑھیا

اونٹ ہوگا وہ خریدتا ہوں۔ اس کے بعد اپنی بیوی اُم صفوان سے کہا' سامان سفر تیار کر۔ اُس نے کہا ابوصفوان کیا وہ بات جو تمہارے یثربی بھائی نے تمہارے متعلق کہی تھی بھول گئے ہو۔ ابوصفوان نے کہا نہیں تو مگر میرا ارادہ ان کے ساتھ صرف دو ایک دن ہی رہنے کا ہے۔ یہ انتظام کر کے جب اُمیہ جنگ کے لیے نکلا تو جس پڑاؤ پر ٹھہرتا اپنا اونٹ پاس ہی باندھتا (تاکہ ذرا خطرہ ہو اور اونٹ پر بیٹھ کر بھاگ لے) یہ انتظامات وہ برابر کرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں اس کو ہلاک کیا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ آپ نے دیکھا مٹی کی کشش کیسی ہوتی ہے اور یہ کہ جب کسی شخص کی موت کسی جگہ مقدر ہوتی ہے تو وہ کس طرح مجبور ہو کر آخر اسی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ یہاں اُمیہ نے ہزار جتن کیے مگر ایک نہ چلا' اپنے ارادہ کے خلاف اس کو جنگ میں شریک ہونا بھی پڑا اور وہ اونٹ جس کو جان کے ساتھ لگائے لگائے پھرتا تھا وہ بھی خاک کام نہ آسکا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پیشین گوئی تھی وہ صبح صادق کی طرح پوری ہو کر رہی۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار گو زبانوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار نہ کرتے ہوں مگر دلوں میں اس کا یقین رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ پتھر کی لکیر ہوتا ہے' ٹل نہیں سکتا۔ یہاں ابوصفوان کی بیوی چلتے چلتے سمجھاتی رہی مگر قضاء و قدر جہاں کی موت لکھ چکی تھی وہاں ابوصفوان کو کسی نہ کسی حیلہ بہانہ سے آنا ضروری تھا' کچھ نہ سہی تو ابوجہل کا اصرار اور قوم کی عار ہی کے سبب سہی۔

قضاء و قدر کا اعتقاد اسباب کے ارتکاب سے نہیں روکتا

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لَمَّا اَدْبَرَ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَلُوْمُ عَلَى الْعَجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَاِذَا غَلَبَكَ اَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. (رواه ابو داؤد)

عوف بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے ایک معاملہ میں فیصلہ فرمایا جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا جب وہ پشت پھیر کر چلنے لگا تو اس نے افسوس کے ساتھ کہا "حسبی اللہ و نعم الوکیل"، یعنی مجھے خدا تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ سعی و کوشش نہ کرنے پر ملامت کرتا ہے اس لیے ہمیشہ پہلے اپنے معاملات میں دانائی سے کام لیا کر' پھر اس کے بعد بھی اگر حالات خلاف ہو جائیں تو اُس وقت "حسبی اللہ و نعم الوکیل" پڑھا کر۔ (ابوداؤد شریف)

تشریح۔ سبحان اللہ تقدیر کا سبق دینے والے تو تدبیر میں ادنیٰ سے تساہل کا نام بھی عجز رکھیں۔ اس کو نفرت سے دیکھیں اور دانائی و ہوش سے کام لینے کی سخت تاکیدیں فرمائیں اور جب تمام کوششیں پوری کرنے کے بعد بھی گھٹنے ٹک جائیں اس کے بعد اپنی تسلیم کے لیے تقدیر کو یاد کرنے کی ہدایت فرمائیں اور لوگ یہ سمجھیں کہ آپ خود گھٹنے توڑ کر بیٹھ رہنے' اسباب کو یکسر معطل کر ڈالنے کے عقیدہ کی تعلیم دے رہے ہیں۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے' درحقیقت دانا شخص وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنا تابعدار بنالیا اور اپنی موت کے بعد کی زندگی کے لیے سامان کیا اور درماندہ شخص وہ ہے جس نے اپنے نفس کو تو اس کی خواہشات کے تابع رکھا اور اس پر لگا' اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں باندھنے۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

تشریح۔ یہ حدیث کہتی ہے کہ جو جدوجہد کے میدان میں سرگرمی دکھار ہا ہو اس کا نام تو دانا ہے اور جو اسباب کیے بغیر بیٹھا ہوا ہے اور اس بے عملی میں پڑا ہوا بڑی بڑی تمناؤں میں پھنسا ہوا ہے اس کا نام متبع نفس اور درماندہ انسان ہے۔ پھر مخالفین کو یہ شبہ کیسے پیدا ہوگیا کہ عقیدہ تقدیر ہی اُمت مسلمہ کے عملی ضعف کا باعث بنا ہوا ہے اور اسی لیے یہ اُمت دنیوی ترقیات میں سب سے پیچھے رہ گئی ہے۔ یہاں دنیوی ترقیات میں پیچھے رہ جانا تو صحیح ہے مگر اس کا سبب ہے کیا؟ اس کے جواب میں ہر شخص کا جواب مختلف ہے' منکر تقدیر تو تقدیر پر اعتقاد سمجھتا ہے' سود خور یہ کہتا ہے کہ سود نہ لینا اس کا سبب ہے' کمیونسٹ کہتا ہے کہ اس کسل کا اصل راز مذہب کی افیم کھانا ہے' یہاں اسلام بھی کچھ کہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل سبب جس کے دامن سے وابستہ ہو کر بام عروج پر پہنچے تھے اسی کو چھوڑ بیٹھنا ہے۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ أُجَهِّزُ اِلَى الشَّامِ وَاِلٰى مِصْرَ فَجَهَّزْتُ اِلَى الْعِرَاقِ فَاَتَيْتُ اِلٰى اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رضى الله عنها فَقُلْتُ لَهَا يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ كُنْتُ اُجَهِّزُ اِلَى الشَّامِ فَجَهَّزْتُ اِلَى الْعِرَاقِ فَقَالَتْ لَا تَفْعَلْ مَالَكَ وَلِمَتْجَرِكَ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا سَبَّبَ اللّٰهُ لِاَحَدِكُمْ رِزْقًا مِنْ وَجْهٍ فَلَا يَدَعْهُ حَتّٰى يَتَغَيَّرَ لَهُ اَوْ يَتَنَكَّرَ لَهُ. (رواه احمد و ابن ماجه)

نافع بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنا سامان تجارت ملک شام اور مصر کی طرف لیجایا کرتا تھا' ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ عراق لے گیا (واپسی میں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی' اے اُم المؤمنین! پہلے میں اپنا سامان تجارت شام لے جایا کرتا تھا' اس مرتبہ عراق لے گیا تھا' آپ نے فرمایا' آئندہ ایسا مت کرنا آخر تم نے اپنی پہلی تجارت گاہ میں کیا نقصان دیکھا (جو دوسری بدلی) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی روزی کسی حیلہ سے لگادے تو جب تک وہ صورت خود ہی نہ بدل جائے اس وقت تک اس کو ترک نہ کرنا چاہیے۔ (احمد' ابن ماجہ)

تشریح۔ اس حدیث کو بار بار پڑھنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرت اُم المؤمنین نے اس کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ تیری یہ شکایت کرنا ہی غلط ہے' تیری قسمت میں اس مرتبہ تھوڑا ہی رزق ہوگا' اگر شام جاتا تو بھی تجھ کو تھوڑا ہی نفع ہوتا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جن ممالک میں تجارت فائدہ بخش ہو چکی ہو اس کو ترک کرنا اسباب ظاہریہ کے بھی خلاف ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ آمدورفت کی جگہ آدمی کی معرفت پیدا ہو جاتی ہے اور بھی تجارتی منافع ہو جاتے ہیں' اجنبی جگہ میں نہ انسان کی معرفت ہوتی ہے نہ وہ تجارتی منافع' تو پھر بے وجہ تقدیر آزمائی کی ضرورت' جتنی بات تقدیر کے حق میں ہم پر لازم قرار دی گئی ہے وہ اس پر ایمان رکھنا ہے یعنی یہ سمجھ لینا کہ ہماری ہر نقل و حرکت سب پہلے سے لکھی جا چکی ہے مگر اس طویل دفتر میں سے ہمیں علم ایک شوشہ کا بھی نہیں ہوتا' اس لیے عملی طور پر ہم کو صرف صحیح طور پر جدوجہد کرتے رہنے کا ہی مکلّف بنایا گیا ہے۔

غور فرمائیے یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کس طرح اسباب اور قضاء وقدر دونوں کے اسرار لپیٹے ہوئے ہیں۔ رزق کا

معاملہ چونکہ مقدرات میں داخل ہے مگر ہے اپنے اسباب کے ساتھ اس لیے فرماتے ہیں کہ رزق کا سبب ہونا تو ضروری ہے مگر اس کو سبب بنانے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیے۔ اب سبب پر تو نظر کرنا اور مسبب سے قطع نظر کرنا یہ کس درجہ ناانصافی اور احسان فراموشی کی بات ہے' پھر جب اُس نے تمہاری روزی کا کوئی سبب پیدا فرمادیا ہے تو اب اچھی خاصی لگی لگائی روزی پر لات مارنا بھی کتنی ناشکری ہے' ناشکری کی جزاء ہے یہی کہ دی ہوئی نعمت لے لی جائے۔ حدیث کا ہر ہر جملہ اس کا ثبوت ہے کہ آپ کو جوامع الکلم مرحمت ہوئے تھے عمیق حقائق کو اس طرح سادے سادے الفاظ میں پھر اتنی بے تکلفی اور برجستگی سے کیا' یہی ایک کمال آپ پر ایمان لانے کے لیے کافی نہیں ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا کُنَّا فِیْ دَارٍ کَثُرَ فِیْھَا عَدَدُنَا وَاَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا اِلٰی دَارٍ قَلَّ فِیْھَا عَدَدُنَا وَاَمْوَالُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَرُوْھَا ذَمِیْمَةً. (رواہ ابو داؤد)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! پہلے ہم ایک ایسے مکان میں رہتے تھے جس میں ہماری جانوں اور ہمارے مال دونوں میں بڑی برکت ہوئی اب جو دوسرے مکان میں آئے ہیں تو وہاں جان و مال دونوں میں گھاٹا ہو رہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے خراب کو چھوڑ دو۔ (ابوداؤد)

تشریح۔ یہ وہ برکت و نقصان نہیں جو زمانہ جاہلیت کے قدیم لوگ صرف کسی مکان کا اثر سمجھا کرتے تھے خواہ وہ کتنا ہی بہتر سے بہتر کیوں نہ ہو' یا آج بھی جیسا بعض ضعیف الاعتقاد نحوست وغیرہ کے قائل ہو جاتے ہیں بلکہ وہ برکت و نحوست ہے جو مکان کے محل وقوع یا اس کی ناموزونیت یا اس کے تعمیری سقم سے عالم اسباب کے تحت پیدا ہونی ناگزیر ہے۔ قضاء وقدر کا اعتقاد یہ تعلیم نہیں دیتا کہ رہائش کے لیے ایسا مکان انتخاب کیا جائے جس میں نہ وسعت ہو نہ ہوا کی آمد و برآمد ہو اور نہ اس کا محل وقوع ہی مناسب ہو' انسان کو دنیا میں مختار بنایا گیا ہے اور اعمال شرعیہ کا مطالبہ اس کے اسی اختیار کی بناء پر ہے پس جس طرح وہ اچھے اعمال کے کرنے اور برے اعمال کے نہ کرنے کا مکلّف بنایا گیا ہے اسی طرح اپنی دنیوی زندگی میں بھی اس کو ان دونوں راہوں کا امتیاز لازم ہے۔

عَنْ یَحْیَی بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ بَحِیْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مَنْ سَمِعَ فَرْوَةَ بْنِ مُسَیْکٍ یَقُوْلُ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عِنْدَنَا اَرْضٌ یُقَالُ لَھَا اَبْیَنُ وَھِیَ اَرْضُ رِیْفِنَا وَمِیْرَتِنَا وَاِنَّ وَبَاءَ ھَا شَدِیْدٌ فَقَالَ دَعْھَا عَنْکَ فَاِنَّ مِنَ الْقَرَفِ التَّلَفُ. (رواہ ابو داؤد)

یحیٰ کہتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے اطلاع دی ہے جس نے فروہ بن مسیک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرتے ہوئے خود سنا ہے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہماری ایک زمین ہے جس کا نام ''ابین'' ہے' ہمارے کھانے پینے اور کھیتی کی جگہ وہی ہے لیکن وہاں کی آب و ہوا بہت خراب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس کو چھوڑ دو کیونکہ ایسی جگہ بود و باش رکھنے سے جان کا نقصان ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح۔ وبائی امراض اچھی آب و ہوا کے ملکوں میں بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کا حکم ان علاقوں سے بالکل علیحدہ ہے جن کی آب و ہوا مستقلاً خراب ہو۔ اس حدیث نے یہ درمیانی راہ تعلیم دی کہ انسان کو نہ تو اتنا ضعیف الاعتقاد ہونا چاہیے کہ اگر اچھی آب و ہوا کے ملک میں اتفاقاً کوئی وبائی مرض آ جائے تو وہاں سے بھاگ پڑے اور نہ اتنا جامد ہونا چاہیے کہ بود و باش ہی ایسے ملک میں رکھے جہاں کی آب

وہواہلاکت کا باعث ہو۔ بندہ مختار ہے اور قضاء وقدر کے تحت بھی ہے‘ان دونوں اعتقادوں کا ثبوت اس کے عمل سے ظاہر ہونا چاہیے‘پس خراب آب وہوا میں رہنا اس کے قدر کے اعتقاد کی پختگی کا ثبوت ہے مگر اس عالم اسباب میں انسانی اختیار کی نفی کرتا ہے اور اچھے مقام سے وبائی امراض میں بھاگ پڑنا صرف اس کے مختار ہونے کا ثبوت ہے مگر قضاء وقدر پر اس کے اعتقاد کی نفی کرتا ہے‘اس عالم اسباب میں اعتدال کی راہ درمیان کی ہے نہ خراب آب وہوا میں بودوباش رکھو اور نہ اتفاقی وباء سے ڈر کر بھاگ نکلو۔

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلطَّاعُوْنُ رِجْزٌ اُرْسِلَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِّنْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ اَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَاِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ فَلَا تَقْدِمُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ. (متفق علیه)

اسامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون خدا تعالیٰ کا عذاب تھا جو بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں پر نازل ہوا تھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ کہے یا تم سے پیشتر کے لوگوں پر فرمایا) لہٰذا جب تم کسی جگہ طاعون سنو تو وہاں نہ جاؤ اور اگر طاعون اس جگہ آ جائے جہاں تم رہتے ہو تو طاعون کے خوف سے بھاگ کر بھی نہ جاؤ۔ (متفق علیہ)

تشریح۔اس حدیث میں ”فرارًا منه“ کی قید بہت زیادہ قابل لحاظ ہے‘وباء زدہ علاقہ سے نکلنا اگر کسی اتفاقیہ ضرورت سے ہو تو وہ ممنوع نہیں جس بات سے روکا گیا ہے وہ بندہ کا ایسا عمل ہے جو قضاء وقدر کی تکذیب کرتا ہو۔طاعون کے خوف سے بھاگنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس تدبیر سے یا تو تقدیر الٰہی کو بدل دے گا یا اُس کے نزدیک یہ معاملہ قضاء وقدر کے تحت ہی نہیں ہے لیکن جس کا اعتقاد یہ ہو کہ اس کی موت وحیات سے لے کر اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت بھی کاتب تقدیر کے قلم کے تحت آ چکی ہے اور اس کا اعتقاد بھی ہو کہ کسی صورت میں بھی اس کے خلاف ہو سکتا ہی نہیں‘وہ وباء زدہ علاقہ سے ڈر کر ہرگز ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا‘دین اسلام میں اعتقاد کے ساتھ ضرورت‘اسباب اور انسانی ضعف کی اس حد تک خود رعایت کر لی ہے جس سے اس کے اعتقاد کی تکذیب لازم نہ آتی ہو۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ فِىْ وَفْدِ ثَقِيْفٍ رَجُلٌ مَجْذُوْمٌ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ. (رواہ مسلم)

عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وفد (جماعت) ثقیف (قبیلہ کا نام ہے) میں ایک شخص تھا جس کو جذام کا مرض تھا‘نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہلا بھیجا‘ہم نے تجھے بیعت کر لیا ہے‘لہٰذا وہیں سے واپس چلا جا۔ (مسلم شریف)

تشریح۔فطرۃً کمزور انسان کو اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈالے‘وباء زدہ علاقوں میں جا جا کر نہ گھسے جو مریض موذی امراض میں گرفتار ہیں ان کو بلا بلا کر نہ لائے‘اعتماد علی التقدیر کے ساتھ اپنی کمزور فطرت کی رعایت بھی ضروری چیز ہے‘ہاں اگر طاعون اسی کے شہر میں آ جائے یا گھر میں ہی کوئی شخص کسی موذی مرض میں مبتلاء ہو جائے تو اب اپنی استقامت کا ثبوت دے اور تقدیر کو یاد کر کر کے اپنے فطری ضعف کا مقابلہ کرتا رہے چونکہ بہت سے انسانوں کے دلوں میں اختلاط تعدیہ امراض کے اعتقاد کا سبب ہو جاتا ہے اس لیے بے وجہ شریعت اپنی فطرت کے ساتھ زور آزمائی کی اجازت نہیں دیتی اور جب ضرورت سر پر آ جائے تو اب ضعف بشری کے بہانے کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی‘اسلام ثبات قدمی کی دعوت

دیتا ہے مگر ہوش کے ساتھ صرف جوش کے ساتھ نہیں۔ اسی لیے آپ نے فرمایا ہے "لاتتمنو القاء العدو" (دشمن سے جنگ ہو یہ تمنائیں نہ کیا کرو) ہے بڑے فضیلت کی چیز مگر اتنی ہی پُرنظر بھی ہے مگر میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تو پھر کہیں ٹھکانا بھی نہیں اس لیے اس کی تمنا نہ کرو اور جب سر پر آ جائے تو پہاڑوں سے بڑھ کر ثابت قدمی دکھاؤ۔

عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِيْبَ دَوَاءُ الدَّاءَ بَرِأَ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى. (رواہ مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر مرض کے لیے دوا ہے جب کسی بیماری کے لیے ٹھیک دوا پہنچ جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کے حکم سے شفاء ہو جاتی ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ اس عالم میں بیماری اور اس کی دوا دونوں قدرت ہی نے پیدا فرمائی ہیں' لہٰذا دوا کا استعمال کرنا تو ضروری ٹھہرا لیکن یہ غلط ہوگا کہ شفاء تو شافی مطلق دے اور تم تعریف کرو دوا کی' سوچنا یہ چاہیے کہ اس جماد محض میں یہ اثر پیدا کس نے فرمایا' کہو اُس نے جس نے بیماری پیدا فرمائی۔

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالَتِ الْاَعْرَابُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلاَ نَتَدَاوٰى قَالَ نَعَمْ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً اَوْ قَالَ دَوَاءً اِلَّا دَاءً وَاحِدًا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُوَ قَالَ الْهَرَمُ. (رواہ احمد ابوداؤد والترمذی و قال هذا حدیث حسن صحیح)

اسامہ بن شریک روایت کرتے ہیں کہ کچھ دیہاتی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' ہم بیماریوں کا علاج کیا کریں؟ فرمایا ہاں دواء کا استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا پیدا کی ہے مگر صرف ایک بیماری' انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ کونسی بیماری ہے؟ فرمایا' حد سے گزرا ہوا بڑھاپا۔ (احمد' ترمذی' ابوداؤد)

تشریح۔ یہاں دوا کرنے کا صریح حکم ہو رہا ہے' کیا اس کے بعد بھی یہ وسوسہ لانا چاہیے کہ قضاء وقدر اسباب سے تعطل کی تعلیم دیتا ہے مگر کہیں انسان کے قبضہ میں بڑھاپے کی دواء بھی آ جائے تو شاید وہ بڑی جرأت سے قدرت کا انکار کر دے' عام بیماریوں کے معالجات پر بھی اب تک اس نے جتنا قابو پا لیا ہے وہی اس کے اعتقاد کو متزلزل بنا رہا ہے' اب اگر کہیں بوڑھے بھی جوان بن بن کر خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی دنیا میں ڈٹے رہتے تو خالق کا کون یقین کرتا' اس لیے ہر دروازہ پر شکست دینے کیلئے قدرت کوئی نہ کوئی مسئلہ ایسا لاینحل بنا دیتی ہے جہاں انسان متحیر کھڑا نظر آتا ہے' یہاں پہنچ کر نصیب والے کی تو آنکھیں کھل جاتی ہیں اور بدنصیب آئندہ انکشاف کی اُمید میں پھر بھی قدرت الٰہیہ کا قائل ہو کر نہیں دیتا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَخَوَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اَحَدُهُمَا يَاْتِى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ يَحْتَرِفُ فَشَكَى الْمُحْتَرِفُ اَخَاهُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ. (رواہ الترمذی وقال هذا حدیث صحیح غریب)

انس بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے' ان میں ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں آکر رہا کرتا اور دوسرا تجارت کرتا جو بھائی تجارت کرتا تھا اس نے اپنے بھائی کے کام میں شرکت نہ کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' شاید تجھے رزق اسی کے مقدر سے ملتا ہو۔ (ترمذی)

تشریح۔ تقدیر کے معلم اول نے کبھی کسی کو ایک مرتبہ بھی یہ سبق نہیں دیا کہ وہ کسب معاش چھوڑ کر صرف تقدیر کے بھروسہ پر معطل ہو کر بیٹھ جائے۔ البتہ جب کہیں یہ دیکھا ہے کہ کسب معاش کا خمار اتنا چڑھ چکا ہے کہ دوسروں کا رزق بھی اپنے ذمہ سمجھ لیا ہو تو اس جگہ اتنی سی تنبیہ کردینی ضروری سمجھی ہے کہ معاملہ کہیں اس کے برعکس نہ ہو یعنی تمہارا ہی رزق اُس کی بدولت نہ مل رہا ہو' یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محترف کو اس کے حرفہ سے نہیں روکا لیکن جب حرفہ پر اعتماد کی یہ نوبت آ گئی کہ جو بھائی علم نبوت کی تحصیل میں مشغول تھا اور اس وجہ سے کسی حرفہ کے کرنے سے معذور تھا اس کی شکایت کی گئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری سمجھا کہ اب اس کے سامنے ایک دوسرا ورق بھی کھول دیا جائے اور فرمایا جیسا ماں کی چھاتیوں میں دودھ بچہ ہی کے مقدر کا اُترتا ہے ایسا ہی کبھی کبھی حرفہ کرنے والے کو بھی کسی غیر محترف کے مقدر کا رزق مل جاتا ہے اس میں یہ سمجھنا تو صحیح کہ رزق کے لیے کسب کی ضرورت ہے مگر یہ صحیح نہیں کہ جس کا رزق ہو اسی کے لیے کسب کرنا بھی ضروری ہے بلکہ کبھی کسب کوئی کرتا ہے اور اس میں رزق کسی کا ہوتا ہے دولت اور کسب کے مابین کیا رشتہ رہنا چاہیے اس حدیث سے اس مسئلہ پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ یہاں ایک خیال تو یہ ہے کہ کسب کا دولت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ لہٰذا جو کماتا ہے اس کا اپنی کمائی ہوئی دولت میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ دوسرا خیال اس کے بالمقابل ہے وہ یہ کہ کسب کا دولت سے اتنا گہرا ربط ہے کہ انسان کی کمائی ہی دولت سرتا سر کمانے والے ہی کی ملکیت ہوتی ہے ایسی ملکیت کہ اس میں کسی غیر کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ اسلام کی رائے یہاں کتنی معتدل ہے' وہ کہتا ہے کہ کسب سے ملکیت تو ضرور ثابت ہو جاتی ہے آخر کمائی ہوئی دولت اسی کی محنت کا ثمرہ ہے مگر غریبوں کے حقوق واجب اور غیر واجب منضبط اور منتشر اس میں اتنے ہیں کہ پھر یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ سارا کا سارا کمایا ہوا مال خالص اسی کی ملکیت تھا اس لیے اسلام نہ تو امپریلزم کا حامی ہوسکتا ہے نہ کمیونزم کا' وہ اپنا ایک مستقل مقام رکھتا ہے' اس میں یہ لچک نہیں ہے کہ کبھی اس کو اس طرف کھینچ لیا جائے' کبھی اُس طرف۔

اس حدیث سے ایک اور بلند نظریہ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی مدد کرے تو اس کو یہ سمجھنا زیبا نہیں ہے کہ خود وہ اس کی مدد کر رہا ہے بلکہ یہ تصور کرنا مناسب ہے کہ جو رزق اس کے پاس اس کے مقدر کا جمع تھا وہ اس نے اس کے حوالہ کر دیا ہے' گویا حق بحقدار رسید کا مصداق ہے۔

قوت ارادیہ کے استحکام میں قضاء وقدر پر اعتقاد کا عجب اثر ہوتا ہے

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِاجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ. (رواہ احمد والترمذی)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا' آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا' اللہ کو یاد رکھا کرو' وہ تمہارا نگہبان رہے گا' اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو تو اس کو اس طرح پاؤ گے جیسے وہ تمہارے سامنے موجود ہے' جب مانگنا تو خدا تعالیٰ سے ہی مانگنا اور جب مدد طلب کرنا تو اُسی سے طلب کرنا اور اس کا یقین رکھنا کہ اگر سارے لوگ مل کر بھی تم کو کچھ نفع پہنچانا چاہیں تو بس اتنا ہی پہنچا سکتے ہیں جتنا کہ وہ تمہاری تقدیر میں پہلے سے لکھ چکا ہے اور اگر سب مل کر نقصان پہنچانا چاہیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر بس اتنا ہی جتنا کہ وہ تمہاری تقدیر میں پہلے لکھ چکا ہے۔ تقدیر کا قلم سب کچھ لکھ لکھا کر کاغذ سے اُٹھایا گیا ہے اور تقدیر کے کاغذات کی سیاہی خشک ہو چکی ہے۔ (اب کوئی جدید نوشت وخواند کا موقع ہی باقی نہیں) (ترمذی' مسند امام احمد)

تشریح۔ اسلام کا اعلیٰ مرتبہ احسان کا ہے یہاں اُسی کو تازہ کیا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہم سے دور نہیں وہ ہم سے اتنی قریب ہے کہ اگر ہم توجہ کریں تو اس کو اپنے سامنے ہی پائیں گے جو بُعد اور دوری ہے وہ ہماری ہی طرف سے ہے۔ بس حجاب غفلت اٹھادو' پھر قرب در قرب دیکھو گے' جب یہ قرب میسر آ جائے تو کب مناسب ہوگا کہ ایسے داتا کو چھوڑ کر ہاتھ کسی اور کے سامنے پھیلاؤ اور ایسے توانا کو چھوڑ کر مدد کسی اور سے مانگو' مگر انسان فطرۃً اتنا کچا ہے کہ سوال کی ذلت اُٹھائے بغیر اس کا پیٹ ہی نہیں بھرتا' وہ ایک محتاج مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلائے بغیر باز نہیں آتا اور ذرا سی مشکل میں جب کبھی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اسی کی طرف اس کی نظریں اُٹھتی ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ اس فطری خامی کا علاج قضاء وقدر کا استحضار ہے۔ بس جب یہ عقیدہ جما لو گے کہ نفع ونقصان پہنچانا جہان بھر میں کسی کے بس کی بات نہیں اور یہ کہ یہ سارے معاملات سب طے شدہ ہیں تو تمہارے دل میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ جب کبھی تم کو کوئی ضرورت ہوگی تو تمہارے ہاتھ صرف اُسی کی طرف اُٹھیں گے جو سارے جہان کو دیتا ہے اور جب کبھی مدد کی ضرورت ہوگی تو صرف اُسی سے مدد مانگو گے جو ہر محتاج کا فریاد رس ہے۔ پس قضاء وقدر کا عقیدہ اسباب کے ارتکاب سے بے نیازی کی تعلیم نہیں دیتا' ہاں مخلوق سے بے نیازی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی عملی جدوجہد اب اور بھی بڑھ جانی چاہیے جو انسانوں کا بھروسہ رکھتا ہے وہ بسا اوقات اسباب میں بھی تساہل کر جاتا ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى. (الآیہ متفق علیہ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ایسا کوئی نہیں ہے جس کا ٹھکانا دوزخ میں یا جنت میں لکھا نہ جا چکا ہو۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! تو کیا پھر اس نوشتہ خداوندی پر بھروسہ کر کے عملی جدوجہد کو ترک نہ کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' عمل کیے جاؤ کیونکہ جو شخص جن اعمال کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس سے اسی قسم کے اعمال سرزد ہوں گے تو جو نیک ہوگا اسے توفیق ہی نیک کام کی ملے گی اور جو بدبخت ہوگا اس سے کام بھی بدبختی کے لیے جائیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ''فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى الخ'' مسند امام احمد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

میں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' یارسول اللہ! جب سب کچھ پہلے سے طے شدہ ہے تو پھر عمل کس لیے ہوا؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عمل کیے بغیر تو جنت نہیں مل سکتی' میں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر تو ہم عمل میں جان توڑ کر کوشش کریں گے۔ مسند بزار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے آخر میں ہے کہ مذکورہ بالا سوال و جواب کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا' اب تو کوشش کرنے کے سوا چارہ کار نہیں اور طبرانی میں حضرت سراقہ کی حدیث کے آخر میں ہے اب تو کوشش کرنی ہے' کوشش کرنی ہے۔ فریابی نے صحیح سند کے ساتھ دو نوجوانوں کا واقعہ ذکر کیا ہے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی مذکورہ بالا سوال کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تمہاری جتنی جدوجہد ہے یہ سب تقدیر کا قلم لکھ کر فارغ ہو چکا ہے' اس پر انہوں نے عرض کی پھر عمل کا فائدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہر عمل کرنے والا عمل ہی وہ کر سکے گا جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ تو پھر تو کوشش کیے بغیر چارہ کار نہیں۔

تشریح۔ حیرت ہے کہ جس حدیث کو آج سننے والے سن کر ترک عمل کا عہد کرتے ہیں اسی کو کل آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سننے والے صحابہ سن کر جدوجہد کا عہد کر رہے تھے۔ بات یہ ہے کہ وہ حکم کے تابعدار تھے اور ہم عقل کے بندے ہیں' عقل نارسا بیچاری دنیا کی معمولی الجھنوں کو سلجھا نہیں سکتی وہ تقدیر کے مسئلہ کو کہاں سمجھتی' ہاں جب وہ بھی اسلام قبول کر لیتی ہے تو پھر مسائل شرعیہ میں اس کے نزدیک بھی کوئی الجھن الجھن نہیں رہتی' پھر اس میں وہ بصیرت پیدا ہو جاتی ہے کہ جتنا اختیار اس کو مل چکا ہے اس کو وہ کام میں لے آنا اپنا فرض سمجھتی ہے اور تقدیر میں ہے کیا اس سے کوئی بحث نہیں کرنی وہ اس کے علم سے بالاتر ہے کس کو یہ خبر ہے کہ فلاں معاملہ میں ہماری تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ جب یہ خبر نہیں تو پھر محسوس اختیار سے کام کیوں نہ لیا جائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَاَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ وَفِیْ کُلٍّ خَیْرٌ اِحْرِصْ عَلٰی مَایَنْفَعُکَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ وَاِنْ اَصَابَکَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ کَانَ کَذَا وَکَذَا وَلٰکِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَاشَاءَ فَعَلَ فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مضبوط مؤمن کمزور سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا ہوتا ہے اور یوں ہیں دونوں ہی بہتر (یادرکھو) جو چیز تم کو نفع رساں ہو اس کے لیے حریص بنے رہنا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے مدد مانگا کرنا اور درماندہ بن کر سعی کرنے سے بیٹھ مت رہنا اور اگر کبھی کوئی نقصان ہو جائے تو یہ مت کہنا' اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہو جاتا بلکہ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یونہی مقدر فرما دیا تھا۔ لہٰذا جیسا اس نے چاہا تھا اسی کے موافق ہو گیا کیونکہ اس "اگر" کے کلمہ سے آئندہ ایک شیطانی عقیدہ کا دروازہ کھلتا ہے (یعنی تدبیر کی حاکمیت) (مسلم شریف)

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّهَا النَّاسُ لَیْسَ مِنْ شَیْءٍ یُقَرِّبُکُمْ اِلَی الْجَنَّةِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُکُمْ بِهٖ وَلَیْسَ مِنْ شَیْءٍ یُقَرِّبُکُمْ مِنَ النَّارِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَیْتُکُمْ عَنْهُ وَاَنَّ الرُّوْحَ الْاَمِیْنَ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَلَا یَحْمِلَنَّکُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ

تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَايُدْرَكُ مَاعِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ. (رواه فى شرح السنة والبيهقى فى شعب الايمان)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! اب ایسی کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی جو تم کو جنت سے قریب کردے اور دوزخ سے دور کردے مگر ان سب کا میں تم کو حکم دے چکا ہوں اور اسی طرح نہ ایسی کوئی چیز رہ گئی ہے جو دوزخ سے تم کو قریب کردے اور جنت سے دور کردے مگر میں تم کو اس سے بھی روک چکا ہوں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ابھی میرے قلب میں یہ بات ڈالی ہے کہ جب تک کوئی شخص اپنا مقدر رزق پورا نہیں کر لیتا وہ ہرگز مر نہیں سکتا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور رزق حاصل کرنے میں صاف ستھرے طریقے اختیار کرو ایسا نہ ہو کہ رزق کی ذرا سی تاخیر تم کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ کردے کیونکہ تمہارا رزق خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور جو چیز اس کے قبضہ میں ہو وہ صرف اس کی فرمانبرداری ہی کر کے حاصل کی جاسکتی ہے۔ (شرح السنۃ شعب الایمان)

تشریح۔ اس حدیث میں عالم غیب کے چند مہم اسباق کی تعلیم دی گئی ہے۔ پہلا یہ ہے کہ انسان کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ مرنے کے بعد دفعۃً جنت یا دوزخ میں پہنچ جاتا ہے بلکہ اپنے عملی مساعی کے لحاظ سے کبھی وہ اس طرف قریب ہو جاتا ہے کبھی اس طرف پس زندگی کیا ہے وہ دوزخ و جنت کی مسافت کا نام ہے، جتنا وہ ختم ہوتی ہے اتنا ہی وہ ایک طرف کا راستہ طے کر لیتا ہے۔ ہر چند کہ اصل دار و مدار تو خاتمہ ہی پر رکھا گیا ہے لیکن ایک مؤمن قانت کو اپنے اوقات و اعمال کا محاسبہ ہمہ وقت لازم ہے کہ وہ اپنی عمر میں کتنا کس طرف قریب ہو رہا ہے جتنا وہ جس طرف بھی قریب ہو گیا بظاہر اُمید یہ ہی ہوتی ہے کہ بقیہ عمر میں کبھی وہ اُسی سمت کی مسافت طے کرے گا۔ لہٰذا زندگی کا ہر قدم بہت پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت ہے، کسی جگہ سے قریب ہو کر پھر دفعۃً دور ہو جانا بڑا مشکل کام ہے اس لیے عموماً جس حالت میں بھی عمر گزرتی ہے اسی پر خاتمہ بھی ہو جاتا ہے گو کبھی کبھی اس کے خلاف بھی پیش آجاتا ہے۔

دوسری بات اہم یہ ہے کہ انسان عبث ایسی چیز کے پیچھے لگا رہتا ہے جو خود اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے یعنی رزق انسانی مقدرات میں جہاں اور باتیں لکھی جاتی ہیں اس کے مقدر کا رزق بھی لکھا جاتا ہے، پھر کیسے ممکن ہے کہ اس کو پورا کیے بغیر وہ سفر آخرت کر سکے۔ تیسری بات اہم تر یہ ہے کہ انسان رزق کی ہوس میں یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ حلال ذریعہ سے رزق تھوڑا حاصل ہوتا ہے اور حرام ذرائع سے زیادہ، اس لیے حرام ذرائع اختیار کر لیتا ہے۔ حدیث اس کو سمجھاتی ہے کہ تمام مخلوق کا رزق رزاق کے پاس ہے۔ جب یہ ہے تو پھر جس کے ہاتھ میں رزق ہو تم اس کی مخالفت کو کیسے رزق کا ذریعہ سمجھ لیتے ہو۔ چہارم یہاں کسب حلال پر اتنا ہی زور دیا گیا ہے جتنا کہ تقویٰ کی تحصیل پر۔ حلال کے بارے میں جدوجہد کرنا اور حرام سے بچنے کے لیے تقدیر کو یاد رکھنا اسلامی معیشت کے لیے سہل ترین نسخہ ہے۔

تقدیر پر ایمان ضروری ہے

حدیث جبرئیل کے ضمن میں اور بعض اور حدیثوں میں بھی تقدیر کا ذکر پہلے آچکا ہے اور اجمالاً معلوم ہو چکا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروریات میں سے ہے لیکن یہاں تقدیر کے متعلق چند حدیثیں مستقل طور سے ذکر کی جائیں گی جن سے اس اہم مسئلہ کی اہمیت اور کچھ تفصیلات بھی معلوم ہوں گی۔

عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اَتَيْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهٗ قَدْ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ شَيْءٌ مِنَ الْقَدْرِ فَحَدِّثْنِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُذْهِبَهٗ مِنْ قَلْبِيْ، فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ

وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ، وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ وَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَلَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ، قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِيْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَالِكَ. (رواه احمد و ابو داؤد و ابن ماجة)

ابن الدیلمی سے روایت ہے‘ وہ کہتے ہیں کہ میں (مشہور صحابی رسول) ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہو گیا ہے‘ لہٰذا آپ اس کے متعلق کچھ بیان فرمائیں‘ شاید اللہ تعالیٰ اس خلجان کو میرے دل سے دور کر دے (اور مجھے اس مسئلہ میں اطمینان نصیب ہو جائے) انہوں نے فرمایا: سنو! اگر اللہ تعالیٰ اپنے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کو عذاب میں ڈال دے تو وہ اپنے اس فعل میں ظالم نہ ہوگا اور اگر وہ ان سب کو اپنی رحمت سے نوازے تو اس کی یہ رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی (یعنی ان پر یہ اس کا محض فضل و احسان ہوگا‘ اُن کے اعمال کا واجب حق نہ ہوگا) اور سنو! تقدیر پر ایمان لانا اس قدر ضروری ہے کہ اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کر دو تو اللہ کے یہاں وہ قبول نہ ہوگا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور تمہارا پختہ اعتقاد یہ نہ ہو کہ جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے تم کسی طرح اُس سے چھوٹ نہیں سکتے تھے اور جو حالات تم پر پیش نہیں آتے وہ تم پر آ ہی نہیں سکتے تھے (یعنی جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر اور مقرر ہو چکا ہے اور اس مقررہ پروگرام میں ذرہ برابر تبدیلی بھی ممکن نہیں ہے) اور اگر تم اس کے خلاف اعتقاد رکھتے ہوئے مر گئے تو یقیناً تم دوزخ میں جاؤ گے۔ ابن الدیلمی کہتے ہیں کہ ابی بن کعبؓ سے یہ سننے کے بعد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا‘ اس کے بعد میں حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا‘ پھر میں زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر مجھ سے بیان فرمائی۔ (مسند احمد‘ ابو داؤد‘ ابن ماجہ)

تشریح: ...... تقدیر کے متعلق ایک عام وسوسہ جس کو شیطان کبھی کبھی بعض ایمان والوں کے قلوب میں بھی ڈالتا ہے‘ یہی ہے کہ جب سب کچھ اللہ ہی کی تقدیر سے ہو رہا ہے تو پھر دنیا میں کوئی اچھے حال میں اور کوئی برے حال میں کیوں ہے اور آخرت میں کیوں کسی کو جنت میں اور کسی کو دوزخ میں ڈالا جائے گا؟ ...... اگر کسی صاحب ایمان کے دل میں کبھی یہ وسوسہ آئے تو اس کے دفع کرنے کی آسان اور مختصر تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک ہونے کی حیثیت سے تمام بندوں اور ساری مخلوقات پر جو کامل اختیار حاصل ہے اُس کی یاد تازہ کر لی جائے اور سوچا جائے کہ ایسا لاشریک مالک الملک اور عدم محض سے وجود میں لانے والا خالق و صانع اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے بلاشبہ وہ اُس کا حق دار ہے‘ وہ سب کو عذاب میں مبتلا کرے تو کسی قانون سے اس کو ظالم نہیں کہا جا سکتا اور اگر سب کو رحمت سے نوازے تو یہ رحمت اس کی محض بخشش ہی ہوگی کیونکہ جو نیکوکار لوگ نیک اعمال کرتے ہیں ان کی توفیق دینے والا اور اعمال کرانے والا بھی وہی ہے۔ بہر حال مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اس خاص حیثیت کو اگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے تو مومن کے دل سے تو یہ شبہ بالکل جاتا رہے گا اور اُس کو اطمینان ہو جائے گا۔

ابن الدیلمی بحمد اللہ چونکہ سچے مؤمن تھے اور اللہ تعالیٰ کی اس شان پر ایمان و اعتقاد رکھتے تھے اس لیے ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی یاددہانی کے ذریعے ان کے وسوسہ کا علاج کیا اور انہیں یہ بھی بتلا دیا کہ تقدیر پر ایمان و اعتقاد اتنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدے کے بغیر پہاڑ کے برابر سونا بھی راہِ خدا میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ خِزَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَأَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰی بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِیْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَیْئًا؟ قَالَ هِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ. (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: ابوخزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کیا ارشاد ہے اس بارے میں کہ جھاڑ پھونک کے وہ طریقہ جن کو ہم دُکھ درد میں استعمال کرتے ہیں یا دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں یا مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کی وہ تدبیریں جن کو ہم اپنے بچاؤ کے لیے استعمال کرتے ہیں' کیا یہ چیزیں اللہ کی قضاء و قدر کو لوٹا دیتی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (مسند احمد' ترمذی' ابن ماجہ)

تشریح: ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جن مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں جن اسباب کا استعمال کرتے ہیں وہ سب بھی اللہ کی قضاء وقدر کے ماتحت ہیں' گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی یہ مقدر اور مقرر ہوتا ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آوے گی اور فلاں قسم کے جھاڑ پھونک یا فلاں دوا کے استعمال سے وہ اچھا ہو جائے گا...... اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نہایت مختصر دو لفظی جواب سے مسئلہ تقدیر کے متعلق بہت سے شبہات اور سوالات کا جواب ہو جاتا ہے۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ کُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَّکِلُ عَلٰی کِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟ قَالَ اِعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے (مطلب یہ ہے کہ جو شخص دوزخ میں یا جنت میں جہاں بھی جائے گا اس کی وہ جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے)۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: تو کیا ہم اپنے اس نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں اور سعی و عمل چھوڑ نہ دیں؟ (مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے تو پھر ہم سعی و عمل کی دردسری کیوں مول لیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! عمل کیے جاؤ کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے پس جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے تو اس کو سعادت اور نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور جو کوئی بدبختوں میں سے ہے اس کو شقاوت اور بدبختی

والے اعمال بد ہی کی توفیق ملتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ (والليل)

جس نے راہِ خدا میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی (یعنی دعوتِ اسلام کو قبول کیا) تو اُس کو ہم چین و راحت کی زندگی یعنی جنت حاصل کرنے کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل سے کام لیا اور مغرور و بے پرواہ رہا اور اچھی بات کو یعنی دعوت ایمان کو جھٹلایا تو اس کے واسطے ہم تکلیف کی اور دُشواری والی زندگی (یعنی دوزخ) کی طرف چلنا آسان کر دیں گے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہر شخص کے لیے اُس کا آخری ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں پہلے سے مقرر ہو چکا ہے لیکن اچھے یا برے اعمال سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی پہلے سے مقدر ہے اور تقدیر الٰہی میں یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ جو جنت میں جائے گا وہ اپنے فلاں فلاں اعمال خیر کے راستے جائے گا اور جو جہنم میں جائے گا وہ اپنی فلاں فلاں بداعمالیوں کی وجہ سے جائے گا۔ پس جنتیوں کے لیے اعمال خیر اور دوزخیوں کے لیے اعمال بد بھی مقدور و مقرر ہیں اور اس لیے ناگزیر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب کا ماحصل بھی قریب قریب وہی ہے جو اوپر والی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا تھا۔ ابھی عنقریب اس مضمون کی کچھ اور وضاحت اور تفصیل بھی کی جائے گی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتّٰى الْعَجْزَ وَالْكَيْسَ. (رواه مسلم)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر چیز تقدیر سے ہے یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ اور نا قابل ہونا اور قابل و ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے۔'' (مسلم شریف)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ آدمی کی صفات قابلیت و نا قابلیت' صلاحیت و عدم صلاحیت اور عقل مندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہیں۔ الغرض اس دنیا میں جو کوئی جیسا اور جس حالت میں ہے وہ اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہے۔

عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهُ حَتّٰى كَاَنَّمَا فُقِئَ فِيْ وَجْنَتَيْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَيْكُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ' عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ اَنْ لَا تَنَازَعُوْا فِيْهِ. (رواه الترمذی)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ (مسجد نبویؐ میں بیٹھے) قضاء و قدر کے مسئلہ میں بحث مباحثہ کر رہے تھے کہ اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے (اور ہم کو یہ بحث کرتے دیکھا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت برافروختہ اور غضبناک ہوئے' یہاں تک کہ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور اس قدر سرخ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: کیا تم کو یہی حکم کیا گیا ہے' کیا میں تمہارے لیے یہی پیام لایا ہوں (کہ تم قضاء و قدر کے جیسے اہم اور نازک مسئلوں میں بحث کرو)؟ خبردار! تم سے پہلی اُمتیں اُسی

وقت ہلاک ہوئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کو اپنا طریقہ بنالیا۔ میں تم کو قسم دیتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ہرگز حجت اور بحث نہ کیا کرو۔ (ترمذی)

تشریح:...... قضاء وقدر کا مسئلہ بلاشبہ مشکل ونازک مسئلہ ہے، لہٰذا مؤمن کو چاہیے کہ اگر یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آئے تو بحث اور حجت نہ کرے بلکہ اپنے دل ودماغ کو اس پر مطمئن کرلے کہ اللہ کے صادق ومصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے، تقدیر کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کو نازک اور مشکل ہونا ہی چاہیے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ اسی دنیا کے بہت سے معاملات اور بہت سے رازوں کو ہم میں سے بہت سے نہیں سمجھ سکتے۔ پس جب اللہ کے سچے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ایک حقیقت بیان فرمادی (جس کا پوری طرح سمجھ لینا سب کے لیے آسان نہیں ہے) تو جن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے ان کے لیے بھی ایمان لانے کے بعد صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اس کے بارے میں کوئی بحث اور کٹ حجتی نہ کریں بلکہ اپنے قول اور اپنے ذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت غصہ اور جلال کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت میں تھے اور آپ سے براہ راست دین حاصل کررہے تھے، ان کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلطی میں مبتلا دیکھا تو قلبی تعلق رکھنے والے معلم ومربی کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غصہ آیا۔

اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ: ''تم سے پہلی اُمتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کا طریقہ اختیار کیا۔'' تو یہاں اُمتوں کے ہلاک ہونے سے مراد غالباً ان کی گمراہی ہے۔ قرآن و حدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لیے بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اس بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اگلی اُمتوں میں اعتقادی گمراہیاں اُس وقت آئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ کو حجت و بحث کا موضوع بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اُمت محمدیہ میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔

یہ واضح رہے کہ اس حدیث میں ممانعت حجت اور نزاع سے فرمائی گئی ہے۔ پس اگر کوئی شخص تقدیر کے مسئلہ پر ایک مؤمن کی طرح قطعی ایمان رکھتے ہوئے صرف اطمینان قلبی کے لیے اس مسئلہ کے بارے میں کسی اہل سے سوال کرے تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفِ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ. (رواہ مسلم)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی ہیں اور فرمایا کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں چند چیزیں غور طلب ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تقدیر لکھنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تو ہے نہیں کہ جس طرح ہم انسان ہاتھ میں قلم لے کے کاغذ یا تختی پر کچھ لکھتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے لکھا ہو، ایسا خیال کرنا اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس سے ناواقفی ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے افعال وصفات کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے

ہم قاصر ہیں اور چونکہ اس کے لیے الگ کوئی زبان اور لغت نہیں ہے اس لیے ہم مجبوراً انہیں الفاظ سے اس کے افعال وصفات کی تعبیر کرتے ہیں جو دراصل ہمارے افعال وصفات کے لیے وضع کیے گئے ہیں ورنہ اس کے اور ہمارے افعال وصفات کی حقیقت اور کیفیت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ اس کی عالی ذات اور ہماری ذاتوں میں ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس حدیث میں جس کتابت تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے اس کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی واقعہ ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین ومقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اسی معنی کے اعتبار سے روزہ کی فرضیت کو "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ" سے اور قصاص کے حکم کو "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس اگر حدیث مذکور میں بھی کتابت سے یہی مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں اور جو کچھ ہونا ہے اُس کو مقرر فرمایا۔ اس معنی کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں بجائے "كُتِبَ كَے قَدَّرَ" کا لفظ بھی آیا ہے۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کتابت تقدیر کے سلسلے کی بعض غیر معتبر روایتوں میں قلم اور لوح وغیرہ سے متعلق جو تفصیلات نقل کی گئی ہیں وہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

دوسری بات اس حدیث سے متعلق یہ بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ پچاس ہزار برس سے مراد بہت طویل زمانہ بھی ہوسکتا ہے، عربی زبان اور عربی محاورے میں یہ استعمال شائع ذائع ہے۔

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور پانی اُس وقت پیدا کیے جا چکے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ جس طرح ہماری قوت خیالیہ میں ہزاروں چیزوں کی صورتیں اور ان کے متعلق معلومات جمع رہتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عرش کی قوتوں میں سے کسی خاص قوت میں (جس کو ہماری قوت خیالیہ کے مشابہ سمجھنا چاہیے) تمام مخلوقات اور ان کے تمام احوال اور حرکات وسکنات کو، غرض جو کچھ عالم وجود میں آنے والا ہے اس سب کو عرش کی اس قوت میں ثبت فرما دیا، گویا دنیا کے پردے پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب عرش کی اس قوت میں اسی طرح موجود ومحفوظ ہے جس طرح ہمارے خیال میں لاکھوں صورتیں اور ان کے متعلق معلومات ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے سے یہی مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِىْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَشَقِىٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحَ فَوَالَّذِىْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا تَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ

وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے صادق ومصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا: تم میں سے ہر ایک کا مادہ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلہ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا' صرف خون میں کچھ غلظت آ جاتی ہے اسی کو ''نطفہ'' کہا گیا ہے) پھر اس کے بعد اتنی ہی مدت منجمد خون کی شکل میں رہتا ہے پھر اتنے ہی دنوں وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (اور اسی مدت میں اعضاء کی تشکیل اور ہڈیوں کی بناوٹ بھی شروع ہو جاتی ہے) پھر اللہ تعالیٰ (مندرجہ ذیل) چار باتیں لے کر ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے' یہ فرشتہ اس کے اعمال' اس کی مدت عمر اور وقت موت اور اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ کہ بد بخت ہے یا نیک بخت' پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ پس قسم اُس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں' کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر نوشتہ تقدیر آگے آ جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے اور (اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر نوشتہ تقدیر آگے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ......اس حدیث میں دو مضمون بیان فرمائے گئے ہیں' شروع میں تو تخلیق انسانی کے ان چند مرحلوں کا ذکر ہے جس سے انسان نفخ روح تک رحم مادر میں گزرتا ہے (اور غالباً ان مرحلوں کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ نفخ روح کے وقت پر پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھتا ہے) جس میں اس کے اعمال' اس کی مدت حیات اور وقت موت اور روزی اور نیک بختی یا بدبختی کی تفصیل ہوتی ہے۔ حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص منشاء اسی نوشتہ کے متعلق یہ بیان فرمانا ہے کہ یہ ایسا قطعی اور اٹل ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اس نوشتہ میں دوزخیوں میں لکھا ہوتا ہے' بسا اوقات وہ ایک مدت تک جنتیوں کی سی پاکبازانہ زندگی گزارتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جنت سے بہت ہی قریب ہوتا جاتا ہے لیکن پھر ایک دم اس کے رویہ میں تبدیلی ہوتی ہے اور وہ دوزخ میں لے جانے والے برے اعمال کرنے لگتا ہے اور اسی حال میں مر کر بالآخر دوزخ میں چلا جاتا ہے اور اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی جو فرشتہ کے نوشتہ میں اہل جنت میں لکھا ہوتا ہے وہ ایک عرصہ تک دوزخیوں کی سی زندگی گزارتا رہتا ہے اور دوزخ کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان گویا ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا لیکن پھر ایک دم وہ سنبھل جاتا ہے اور اہل جنت کے اعمال صالحہ کرنے لگتا ہے اور اسی حال میں مر کر جنت میں چلا جاتا ہے۔

اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بداعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اس کے قطعی دوزخی ہونے کا حکم نہ لگانا چاہیے' کیا معلوم زندگی کے باقی حصے میں اس کا رُخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آج اعمال خیر کی توفیق کسی کو

مل رہی ہے تو اس پر اس کو مطمئن نہ ہو جانا چاہیے بلکہ برابر حسن خاتمہ کے لیے فکر مند رہنا چاہیے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِىْ اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَّاحِدٍ يُصَرِّفُهٗ كَيْفَ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بنی آدم کے تمام قلوب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں' ایک دل کی طرح وہ جس طرح (اور جس طرف) چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دل اپنی اطاعت و بندگی کی طرف پھیر دے۔'' (مسلم شریف)

تشریح:...... ابھی اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال وصفات کو سمجھنے سمجھانے کے لیے چونکہ الگ کوئی زبان نہیں ہے اس لیے مجبوراً اس کے لیے بھی ان ہی الفاظ ومحاورات کا استعمال کیا جاتا ہے جو دراصل انسانی افعال وصفات کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں جو کہا گیا ہے کہ بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں تو اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے اختیار اور اس کے قبضہ تصرف میں ہیں' وہی جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے اور حدیث کی یہ تعبیر بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہ ہمارے محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو بالکل میری مٹھی میں ہے۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ بالکل میرے اختیار میں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارے دلوں کو بھی اللہ ہی جدھر چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے تقدیر کے متعلق چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱)...... اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں مقدر فرما دیں اور جو کچھ ہونا ہے گویا وہ سب بالتفصیل لکھ دیا۔

۲)...... انسان جب رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس پر تین چلے گزر جاتے ہیں اور نفخ روح کا وقت آتا ہے تو اللہ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اس کے متعلق چار باتیں لکھتا ہے۔ اس کی مدت عمر' اس کے اعمال' اس کا رزق اور اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا۔

۳)...... ہمارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

دراصل تقدیر الٰہی کے یہ مختلف درجے اور مختلف مظاہر ہیں اور حقیقی ازلی تقدیر ان سب سے سابق ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیر الٰہی کے ان مختلف مدارج اور مظاہر کو بہت سلجھا کر بیان فرمایا' ذیل میں ہم ان کے کلام کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

تقدیر کے مراتب

(۱)...... ازل میں جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہ تھا' زمین وآسمان' ہوا' پانی' عرش وکرسی میں سے کوئی چیز بھی پیدا نہ کی گئی تھی (**كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ**) تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو بعد میں پیدا ہونے والی اس ساری کائنات کا پورا پورا علم تھا۔ پس اس دور ازل ہی میں اس نے ارادہ اور فیصلہ کیا کہ اس تفصیل اور ترتیب کے مطابق جو میرے علم میں ہے میں عالم کو پیدا کروں گا اور

اس میں یہ یہ واقعات پیش آئیں گے۔ الغرض آئندہ وجود میں آنے والے عالم کے متعلق جو تفصیل وترتیب اس کے ازلی علم میں تھی اس نے ازل ہی میں طے فرمایا کہ میں اس سب کو وجود میں لاؤں گا۔ پس یہ طے فرمانا ہی تقدیر کا پہلا مرتبہ اور پہلا ظہور ہے۔

(۲)...... پھر ایک وقت آیا جبکہ پانی اور عرش پیدا کیے جا چکے تھے مگر زمین وآسمان پیدا نہ ہوئے تھے (بلکہ پہلی حدیث کی تصریح کے مطابق زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے) اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں پہلی ازلی تقدیر کے مطابق لکھ دیں (جس کی حقیقت حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ عرش کی قوت خیالیہ میں تمام مخلوق کی تفصیل تقدیر منعکس کردی اور اس طرح عرش اس تقدیر کا حامل ہوگیا) یہ تقدیر کا دوسرا درجہ اور دوسرا ظہور ہوا۔

(۳)...... پھر ہر انسان کی تخلیق جب رحم مادر میں شروع ہوتی ہے اور تین چلے گزر جانے پر جب اس میں روح ڈالنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علم حاصل کر کے اس کے متعلق ایک تقدیری نوشتہ مرتب کرتا ہے جس میں اس کی مدت حیات، اعمال، رزق اور شقاوت یا سعادت کی تفصیل ہوتی ہے۔ یہ نوشتہ تقدیر کا تیسرا درجہ اور تیسرا ظہور ہے۔

(۴)...... پھر انسان جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے وہ اس کو کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا کہ انسانوں کے سب دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے۔ پس یہ تقدیر کا چوتھا درجہ اور چوتھا ظہور ہے۔

اگر اس تفصیل کو ملحوظ رکھا جائے تو تقدیر کے سلسلہ کی مختلف احادیث کے مطالب ومحامل کو سمجھنے میں ان شاء اللہ مشکل پیش نہ آئیگی۔

مسئلہ تقدیر کی مزید وضاحت

بہت سے لوگوں کو کم فہمی یا نافہمی سے تقدیر کے متعلق جو شبہات ہوتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً ان کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔ اس مسئلہ میں مندرجہ ذیل تین اشکال مشہور ہیں:

اول:...... یہ کہ دنیا میں اچھا برا جو کچھ ہوتا ہے اگر یہ سب اللہ ہی کی تقدیر سے ہے اور اللہ ہی نے اس کو مقدر کیا ہے تو پھر اچھائیوں کے ساتھ تمام برائیوں کی ذمہ داری بھی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر آئے گی۔

دوسرا:...... یہ کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے من جانب اللہ مقدور ہو چکا ہے اور اس کی تقدیر اٹل ہے تو بندے اسی کے مطابق کرنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا انہیں کوئی جزا سزا نہ ملنی چاہیے۔

تیسرا:...... شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہے جب وہ سب پہلے ہی سے مقدر ہو چکا ہے اور اس کے خلاف کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہے تو پھر کسی مقصد کے لیے کچھ کرنے دھرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ لہٰذا دنیا یا آخرت کے کسی کام کے لیے محنت اور کوشش فضول ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تینوں شبہے تقدیر کے غلط اور ناقص تصور سے پیدا ہوتے ہیں۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس کے علم ازلی کے مطابق اور اس کارخانہ عالم میں جو کچھ جس طرح اور جس صفت کے ساتھ اور جس سلسلہ سے ہو رہا ہے وہ بالکل اسی طرح اور اسی صفت اور اسی سلسلہ کے ساتھ اس کے علم ازلی میں تھا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر فرمادیا ہے۔

اور ہم میں سے جو شخص بھی اپنے اعمال وافعال پر غور کرے گا وہ بغیر کسی شک وشبہ کے اس حقیقت کو محسوس کرے گا کہ اس دنیا میں ہم جو بھی اچھے یا برے عمل کرتے ہیں وہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں' ہر کام کے کرنے کے وقت اگر ہم غور کریں تو بدیہی اور یقینی طور پر محسوس ہوگا کہ ہم کو یہ قدرت حاصل ہے کہ چاہیں تو اس کو کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔ پھر اس قدرت کے باوجود ہم اپنے خداداد ارادے اور اختیار سے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اسی فیصلے کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ پس اس عالم میں جس طرح ہم اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنے تمام کام کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کو ازل میں اسی طرح ان کا علم تھا اور پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدر فرمایا اور اس پورے سلسلے کے وجود کا فیصلہ فرمادیا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے اعمال ہی کو مقدر نہیں فرمایا ہے بلکہ جس ارادہ اور اختیار سے ہم عمل کرتے ہیں وہ بھی تقدیر میں آ چکا ہے۔ گویا تقدیر میں صرف یہی نہیں ہے کہ فلاں شخص فلاں اچھا یا برا کام کرے گا بلکہ تقدیر میں یہ پوری بات ہے کہ فلاں شخص اپنے ارادہ واختیار سے ایسا کرے گا' پھر اس سے یہ نتائج پیدا ہوں گے' پھر اس کو یہ جزا یا سزا ملے گی۔

الغرض ہم کو اعمال میں جو ایک گونہ خود اختیاری اور خود ارادیت حاصل ہے جس کی بناء پر ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں وہ بھی تقدیر میں ہے اور ہمارے اعمال کی ذمہ داری اُسی پر ہے اور اسی کی بناء پر انسان مکلّف ہے اور اسی پر جزا وسزا کی بنیاد ہے۔

بہرحال تقدیر نے اس خود اختیاری اور خود ارادیت کو باطل اور ختم نہیں کیا بلکہ اس کو اور زیادہ ثابت اور مستحکم کردیا ہے۔ لہٰذا تقدیر کی وجہ سے نہ تو ہم مجبور ہیں اور نہ ہمارے اعمال کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

ایسے ہی جن مقاصد کے لیے ہم جو کوششیں اور جو تدبیریں اس دنیا میں کرتے ہیں' تقدیر میں بھی ہمارے ان مقاصد کو ان ہی تدبیروں اور کوششوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔

الغرض تقدیر میں صرف یہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کو فلاں چیز حاصل ہو جائے گی بلکہ جس کوشش اور جس تدبیر سے وہ چیز اس دنیا میں حاصل ہونے والی ہوتی ہے تقدیر میں بھی وہ اسی تدبیر سے بندھی ہوئی ہے۔

بہرحال جیسا کہ عرض کیا گیا تقدیر میں اسباب ومسببات کا پورا سلسلہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ اس دنیا میں ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ تقدیر میں جو کچھ ہے وہ اپنے آپ مل جائے گا اور اس بناء پر اس عالم اسباب کی کوششوں اور تدبیروں سے دست بردار ہونا دراصل تقدیر کی حقیقت سے ناواقفی ہے۔ پہلی دو حدیثوں میں بعض صحابہ کے سوالات کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے۔

الغرض اگر تقدیر کی پوری حقیقت سامنے رکھ لی جائے تو ان شاء اللہ اس قسم کا کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہوگا۔

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْم

تقدیر اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا

عن جابر رضی اللہ عنہ رفعہ لا یؤمن احدکم حتی یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ حتی

یعلم ان ما اصابه لم یکن لیخطئه و ان ما اخطاءَهٗ لم یکن لیصیبهٗ.

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ لائے، اُس کی بھلائی پر بھی اور اُس کی برائی پر بھی یہاں تک کہ یہ یقین کرلے کہ جو بات واقع ہونے والی تھی وہ اس سے ہٹنے والی نہ تھی اور جو بات اس سے ہٹنے والی تھی وہ اس پر واقع ہونے والی نہ تھی۔ (ترمذی)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا آپ نے مجھ سے فرمایا اے لڑکے میں تجھ کو چند باتیں بتلاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ وہ تیری حفاظت فرماویگا اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ تو اس کو اپنے سائے (یعنی قریب) پاوے گا جب تجھ کو کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور جب تجھ کو مدد چاہنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد چاہ، اور یہ یقین کرلے کہ تمام گروہ اگر اس بات پر متفق ہو جاویں کہ تجھ کو کسی بات سے نفع پہنچاویں تو تجھ کو ہرگز نفع نہیں پہنچا سکتے بجز ایسی چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دی تھی۔ اور اگر وہ سب اس بات پر متفق ہو جاویں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرر پہنچاویں تو تجھ کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکتے بجز ایسی چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دی تھی۔ (ترمذی)

حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کی پانچ چیزوں سے فراغت فرمادی ہے، اس کی عمر سے اور اس کے رزق سے اور اس کے عمل سے اور اس کے دفن ہونے کی جگہ اور یہ کہ (انجام میں) سعید ہے یا شقی ہے۔ (احمد و بزار و کبیر و اوسط)

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کسی ایسی چیز پر آگے مت بڑھ جس کی نسبت تیرا یہ خیال ہو کہ میں آگے بڑھ کر اس کو حاصل کرلوں گا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر نہ کیا ہو۔ اور کسی ایسی چیز سے پیچھے مت ہٹ جس کی نسبت تیرا یہ خیال ہو کہ وہ میرے پیچھے ہٹنے سے ٹل جاویگی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر کردیا ہو۔ (کبیر و اوسط)

فائدہ: یعنی یہ دونوں گمان غلط ہیں بلکہ جو چیز مقدر نہیں وہ آگے بڑھنے سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے اس گمان سے آگے بڑھنا بیکار۔ اور اسی طرح جو چیز مقدر ہے وہ ہٹنے اور بچنے سے ٹل نہیں سکتی اس لئے اس سے بچنا بیکار۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نفع کی چیز کو کوشش سے حاصل کر اور اللہ سے مدد چاہ اور ہمت مت ہار اور اگر تجھ پر کوئی واقعہ پڑ جائے تو یوں مت کہہ کہ اگر میں یوں کرتا تو ایسا ایسا ہو جاتا لیکن (ایسے وقت میں) یوں کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہی مقدر فرمایا تھا، اور جو اس کو منظور ہوا اس نے وہی کیا۔ (مسلم)

حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی سعادت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اس کے لئے مقدر فرمایا اس پر راضی رہے اور آدمی کی محرومی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے خیر مانگنا چھوڑ دے، اور یہ بھی آدمی کی محرومی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اس کے لئے مقدر فرمایا اس سے ناراض ہو۔ (احمد و ترمذی)

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا دل (تعلقات کے) ہر میدان میں شاخ شاخ رہتا ہے۔ سو جس نے اپنے دل کو ہر شاخ کے پیچھے ڈال دیا اللہ تعالیٰ پروا بھی نہیں کرتا۔ خواہ وہ کسی میدان میں

ہلاک ہو جاوے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ سب شاخوں میں اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

فائدہ: یعنی اس کو پریشانی اور مشکلیں نہیں ہوتیں، یہ دو حدیثیں مشکوٰۃ میں ہیں۔

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (اپنے دل سے) اللہ تعالیٰ ہی کا ہو رہے اللہ تعالیٰ اس کی سب ذمہ داریوں کی کفایت فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص دنیا کا ہو رہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا ہی کے حوالہ کر دیتا ہے (ابو الشیخ) یہ حدیث ترغیب وترہیب میں ہے۔

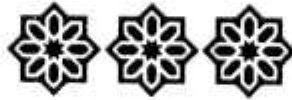
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کر۔

فائدہ: یعنی توکل میں تدبیر کی ممانعت نہیں ہاتھ سے تدبیر کرے دل سے اللہ پر توکل کرے اور اس تدبیر پر بھروسہ نہ کرے۔

ابوخزامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دوا اور جھاڑ پھونک کیا تقدیر کو ٹال دیتی ہے آپ نے فرمایا یہ بھی تقدیر ہی میں داخل ہے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

فائدہ: یعنی یہ بھی تقدیر میں ہے کہ فلاں دوا یا جھاڑ پھونک سے نفع ہو جاوے گا یہ حدیث تخریج عراقی میں ہے۔

نتیجہ۔ مسلمانو! ان حدیثوں سے سبق لو، کیسی ہی دشواری پیش آوے دل تھوڑا مت کرو اور دین میں کچے مت بنو، خدا تعالیٰ مدد کریگا۔ فقط



كِتَابُ الْقَبْرِ

قبر کی زندگی

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ، فَذَالِكَ قَوْلُهٗ "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الْآيَة" قَالَ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَافْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ فَيُفْتَحُ لَهٗ، قَالَ فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْتَحُ لَهٗ فِيْهَا مَدَّ بَصَرِهٖ. وَاَمَّا الْكَافِرُ فَذَكَرَ مَوْتَهٗ قَالَ وَيُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا دِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ. فَيَقُوْلَانِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَالْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ قَالَ فَيَأْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا قَالَ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ اَعْمٰى اَصَمُّ مَعَهٗ مِرْزَبَةٌ مِنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ. (رواہ احمد و ابو داؤد)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: (اللہ کا مومن بندہ اس دنیا سے منتقل ہو کر جب عالم برزخ میں پہنچتا ہے یعنی قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو) اس کے پاس اللہ کے دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ یہ آدمی جو تمہارے اندر (نبی کی حیثیت سے) کھڑا کیا گیا تھا (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہ فرشتے کہتے ہیں کہ تمہیں یہ بات کس نے بتلائی؟ (یعنی ان کے رسول ہونے کا علم کس ذریعہ سے ہوا؟) وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی (اس نے مجھے بتلایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں) تو میں ایمان لایا اور میں نے ان کی تصدیق کی۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) مومن بندہ کا یہی جواب ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ.

"اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سچی پکی بات (یعنی صحیح عقیدہ اور صحیح جواب) کی برکت سے ثابت رکھے گا' دنیا میں اور آخرت میں۔"
یعنی وہ گمراہی سے اور اس کے نتیجہ میں آنے والے عذاب سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مؤمن بندہ فرشتوں کے مذکورہ بالا سوالات کے جب اس طرح ٹھیک ٹھیک جوابات دے دیتا ہے) تو ایک ندا دینے والا آسمان سے ندا دیتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے اعلان کرایا جاتا ہے) کہ میرے بندے نے ٹھیک بات کہی اور صحیح صحیح جوابات دیئے۔ لہٰذا اس کے لیے جنت کا فرش کرو اور جنت کا اس کو لباس پہناؤ اور جنت کی طرف اس کے لیے ایک دروازہ کھول دو' چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس سے جنت کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور جنت میں اس کے لیے منتہائے نظر تک کشادگی کر دی جاتی ہے (یعنی پردے اس طرح اُٹھا دیئے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی نگاہ جائے وہ جنت کی بہاروں اور اس کے نظاروں سے لذت اور فرحت حاصل کرتا رہے) (یہ حال تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے والے سچے اہل ایمان کا بیان فرمایا) اس کے بعد ایمان نہ لانے والے (کافر) کی موت کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا' اور فرمایا: (مرنے کے بعد) اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس بھی دو فرشتے آتے ہیں' وہ اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے بھی پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ (خدا ناشناس) کہتا ہے: "ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا" پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ "ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا" پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ یہ آدمی جو تمہارے اندر (بحیثیت نبی کے) مبعوث ہوا تھا' تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال تھا؟ وہ پھر بھی یہی کہتا ہے "ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا" (اس سوال و جواب کے بعد) آسمان سے ایک ندا دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا (یعنی اس نے فرشتوں کے سوال کے جواب میں اپنا بالکل انجام اور بے جرم ہونا ظاہر کیا یہ اس نے جھوٹ بولا' کیوں کہ واقعہ میں وہ اللہ کی توحید کا' اس کے دین اسلام کا اور اس کے رسول برحق کا منکر تھا) پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی ندا کرے گا کہ اس کے لیے دوزخ کا فرش کرو اور دوزخ کا اس کو لباس پہناؤ اور اس کے لیے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو (چنانچہ یہ سب کچھ کر دیا جائے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "(دوزخ کے اس دروازے سے) اس کو برابر دوزخ کی گرمی اور دوزخ کی لپٹیں اور جلا تے جھلسانے والی ہوائیں اس کے پاس آتی رہیں گی اور اس کی قبر اس پر نہایت تنگ کر دی جائے گی جس کی وجہ سے (اتنا دباؤ پڑے گا کہ) اس کے سینے کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہو جائیں گی۔ پھر اس کو عذاب دینے کے لیے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا جو نہ کچھ دیکھے گا' نہ سنے گا' اس کے پاس لوہے کی ایسی مونگری ہوگی کہ اگر اس کی ضرب کسی پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے' وہ فرشتہ اس مونگری سے اس پر ایک ضرب لگائے گا جس سے وہ اس طرح چیخے گا جس کو جن و انس کے علاوہ وہ سب چیزیں سنیں گی جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہیں' اس ضرب سے وہ خاک ہو جائے گا' اس کے بعد اس میں پھر روح ڈالی جائے گی۔" (مسند احمد' ابوداؤد)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ

اَصْحَابُهُ اِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ فَيُقَالُ لَهُ اُنْظُرْ اِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَهُ مَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيْهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ. (رواه البخاری و مسلم واللفظ للبخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مرنے کے بعد) بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ (یعنی اس کے جنازے کے ساتھ آنے والے) واپس چل دیتے ہیں) اور ابھی وہ اتنے قریب ہوتے ہیں کہ) ان کی جوتیوں کی چاپ وہ سن رہا ہوتا ہے تو اسی وقت اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ (ان کا یہ سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہوتا ہے) پس جو سچا مؤمن ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ (میں گواہی دیتا رہا ہوں اور اب بھی) میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول برحق ہیں (یہ جواب سن کے) فرشتے اس سے کہتے ہیں (ایمان نہ لانے کی صورت میں) دوزخ میں جو تمہاری جگہ ہونے والی تھی، ذرا اس کو دیکھ لو، اب اللہ نے بجائے اس کے تمہارے لیے جنت میں ایک جگہ عطا فرمائی ہے (اور وہ یہ ہے) اس کو بھی دیکھ لو (یعنی دوزخ اور جنت کے دونوں مقام اس کے سامنے کر دیئے جائیں گے) چنانچہ وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھے گا اور جو منافق اور کافر ہوتا ہے تو اسی طرح (مرنے کے بعد) اس سے بھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق پوچھا جاتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے تھے؟ (اور اس کو کیا اور کیسا سمجھتے تھے؟) پس وہ منافق اور کافر کہتا ہے کہ میں ان کے بارے میں خود تو کچھ جانتا نہیں، دوسرے لوگ جو کہا کرتے تھے، وہی میں بھی کہتا تھا (اس کے اس جواب پر) اس کو کہا جائے گا کہ تو نے نہ تو خود جانا اور نہ (جان کر ایمان لانے والوں کی) تو نے پیروی کی اور لوہے کے گرزوں سے اس کو مارا جائے گا جس سے وہ اس طرح چیخے گا کہ جن وانس کے علاوہ اس کے آس پاس کی ہر چیز اس کا چیخنا سنے گی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... پہلی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ مرنے والے سے فرشتے تین سوال کرتے ہیں اور اس دوسری حدیث میں صرف ایک ہی سوال کا ذکر کیا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سوال چونکہ باقی دونوں سوالوں پر بھی حاوی ہے اور اس کے جواب سے ان دونوں سوالوں کا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے اس لیے بعض حدیثوں میں صرف اسی ایک سوال کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث کا طریق بیان یہی ہے کہ ایک واقعہ کو کبھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور کبھی صرف اس کے بعض اجزاء ہی بیان کر دیئے جاتے ہیں۔

یہ اصولی بات پہلے بھی ذکر کی گئی ہے اور اب پھر اس کو یاد دلایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تصنیفی مقالات نہیں ہیں بلکہ عموماً مجلسی ارشادات ہیں اور کسی معلم اور مربی کے مجلسی ارشادات میں ایسا ہونا کہ کبھی ایک بات کو پوری تفصیل سے بیان کیا جائے اور کبھی اس کے صرف بعض اجزاء کا ذکر کر دیا جائے، بالکل صحیح اور فطری بات ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اس دوسری حدیث میں اس سوال وجواب کے سلسلے میں قبر کا لفظ بھی آیا ہے اور اسی

طرح بعض اور حدیثوں میں بھی قبر کا ذکر ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سوال و جواب صرف ان ہی مُردوں سے مخصوص ہے جو قبروں میں دفن ہوتے ہیں دراصل قبر کا ذکر ان حدیثوں میں صرف اس لیے کر دیا گیا ہے کہ وہاں مُردوں کو قبروں ہی میں دفن کرنے کا عام رواج تھا اور لوگ صرف اسی طریقے کو جانتے تھے ورنہ اللہ کے فرشتوں کی طرف سے یہ سوال و جواب ہر مرنے والے سے ہوتا ہے خواہ اس کا جسم قبر میں دفن کیا جائے خواہ دریا میں بہایا جائے، خواہ آگ میں جلایا جائے، خواہ گوشت خور جانوروں کے پیٹ میں چلا جائے اور جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے یہ سب کچھ براہِ راست اور اصلی طور سے روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو وہ تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے اور خواب کی مثال اس کے سمجھنے کے لیے کافی ہے اور خواب ہی کی مثال سے اس شبہ کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مُردہ دو چار دن تک ہمارے سامنے پڑا رہتا ہے اور اس سوال و جواب کی آواز اس کی لاش سے کوئی نہیں سنتا اور نہ اس پر عذاب یا ثواب کا کوئی اثر معلوم ہوتا ہے۔ پس یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ خواب میں ایک آدمی پر سب کچھ گزر جاتا ہے وہ بات چیت کرتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے لیکن اس کے برابر والوں کو کچھ بھی نہیں نظر آتا۔

اسی قسم کے عامیانہ اور جاہلانہ شبہوں میں سے قبر کے اس سوال و جواب پر ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قبر میں جانے کے لیے جب کوئی اور راستہ اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا روزن بھی نہیں ہوتا تو فرشتے اس میں جاتے کس طرح ہیں؟ یہ شبہ دراصل ان حقیقت ناشناسوں کو ہوتا ہے جو فرشتوں کو شاید اپنی طرح گوشت پوست سے بنی ہوئی مادی مخلوق سمجھتے ہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کے کہیں پہنچنے کے لیے دروازے یا کھڑکی کی ضرورت نہیں، ہماری نگاہیں یا آفتاب کی شعاعیں جس طرح شیشوں میں سے نکل جاتی ہیں اسی طرح فرشتے اپنے وجود کی لطافت اور اللہ کی دی ہوئی قدرت سے پتھروں میں سے بھی پار ہو جاتے ہیں۔ سبحانہ تعالیٰ شانہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواه البخاری و مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب مر جاتا ہے تو ہر صبح و شام اس کے سامنے اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتیوں میں سے ہے تو جنتیوں کے مقام میں سے (اس کا جو مقام ہونے والا ہوتا ہے وہ ہر صبح و شام اس کے سامنے کیا جاتا ہے اور اس کو دکھلایا جاتا ہے) اور اگر وہ مرنے والا دوزخیوں میں سے ہوتا ہے تو (اسی طرح ہر صبح و شام) دوزخیوں کے مقامات میں سے (اس کا مقام اس کے سامنے کیا جاتا ہے) اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہونے والا تیرا مستقل ٹھکانا ہے (اور یہ اس وقت ہوگا) جب کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف اُٹھائے گا قیامت کے دن۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ...... قبر میں روزانہ صبح و شام جنتیوں کو اپنا مقام دیکھ کر جو غیر معمولی لذت و مسرت حاصل ہوا کرے گی اور دوزخیوں کا دوزخ کو اپنا ٹھکانا دیکھ کر روزانہ صبح و شام جو رنج و غم مزید ہوا کرے گا اس دنیا میں کوئی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اہل جنت میں شامل فرمائے۔ (آمین)

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ تَذْكُرُ

الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِيْ وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنه فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ، قَالَ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَارَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (ان کا حال یہ تھا) کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو بہت روتے، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھی تر ہو جاتی، ان سے پوچھا گیا کہ (یہ کیا بات ہے) آپ جنت و دوزخ کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ پس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں اور اگر قبر کی منزل سے بندہ نجات نہ پاسکا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے اور زیادہ سخت اور کٹھن ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے تھے کہ نہیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ...... مطلب یہ ہے کہ جب کسی قبر سے میرا گزر ہوتا ہے تو قبر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات یاد آ جاتے ہیں اور فکر و غم میں مبتلا کر کے مجھے رُلاتے ہیں۔

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهٗ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْأَلُ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے اس بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا کرو اور یہ بھی استدعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے کیونکہ اس وقت اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔ (ابوداؤد)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ فَلَمَّا صَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ فَقَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ. (رواه احمد)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب (مشہور انصاری صحابی) سعد بن معاذ کی وفات ہوئی تو ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے جنازے پر گئے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں اتار کر جب قبر برابر کر دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آپ کی اتباع میں) ہم بھی دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا تو ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت آپ کی اس تسبیح اور تکبیر کا کیا خاص سبب تھا؟ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی (جس سے اس کو تکلیف تھی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کی اس کیفیت کو دور فرما کر کشادگی پیدا فرما دی اور اس کی تکلیف دور کر دی۔ (مسند احمد)

تشریح:...... یہ سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور اور ممتاز اصحاب کرام میں سے تھے۔ غزوۂ بدر کی شرکت کی فضیلت اور سعادت بھی انہیں حاصل تھی۔ سن ۵ ھجری میں ان کا وصال ہوا اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: ''ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازے میں شرکت کی اور آسمان کے دروازے ان کے لیے کھولے گئے' باوجود اس کے قبر کی تنگی کی تکلیف سے ان کو بھی واسطہ پڑا۔ (اگرچہ فوراً ہی وہ اُٹھا لی گئی) اس میں ہم جیسوں کے لیے بڑا انتباہ اور بڑا سبق ہے۔ (اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!)

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِىْ يُفْتَنُ فِيْهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذَالِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً. (رواه البخاری)

اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے' کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا' اور اس میں اس آزمائش کا ذکر فرمایا جس میں مرنے والا آدمی مبتلا ہوتا ہے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر فرمایا تو خوف و دہشت سے سب مسلمان چیخ اُٹھے اور ایک کہرام مچ گیا۔ (بخاری)

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حَائِطٍ لِبَنِى النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَهٗ وَنَحْنُ مَعَهٗ اِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَاِذَا اَقْبُرٌ سِتَّةٌ اَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ اَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا قَالَ فِى الشِّرْكِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِىْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِىْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ' قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ. (رواه مسلم)

حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خچری پر سوار قبیلہ بنی نجار کے ایک باغ میں سے گزر رہے تھے اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خچری راستے سے ہٹی اور ٹیڑھی ہوئی (اور اس کی ایسی حالت ہوئی) کہ قریب تھا کہ آپ کو گرا دے' اچانک نظر پڑی تو دیکھا کہ وہاں چھ یا پانچ قبریں ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان قبروں کے مُردوں سے کون واقف ہے؟ (یعنی تم میں سے کوئی ہے جو ان لوگوں کو جانتا ہو' جو ان قبروں میں مدفون ہیں؟) ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا' میں جانتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ کس زمانے میں مرے تھے؟ اس شخص نے عرض کیا' زمانہ شرک میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب میں مبتلا ہیں' اگر یہ خوف نہ

ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن نہ کر سکو گے تو میں اللہ سے دُعا کرتا کہ قبر کے عذاب میں جتنا کچھ میں سن رہا ہوں وہ اس میں سے کچھ تم کو بھی سنا دے۔ یہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: دوزخ کے عذاب سے اللہ سے پناہ مانگو' سب کی زبان سے نکلا' ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو' سب نے کہا' ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو' ظاہری فتنوں سے بھی اور باطنی فتنوں سے بھی' سب نے کہا: ہم سب ظاہری و باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے (عظیم ترین) فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ سب نے کہا: ''ہم دجالی فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔'' (مسلم)

تشریح:...... اس سلسلہ کی بعض حدیثوں سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برزخ (قبر) کے عذاب کو جن وانس سے مخفی رکھا ہے' ان کو اس کا بالکل پتہ نہیں چلتا لیکن ان کے علاوہ دوسری مخلوقات کو اس کا ادراک واحساس کچھ ہوتا ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بنی نجار کے اس باغ میں جن لوگوں کی وہ چند قبریں تھیں ان پر جو عذاب ہو رہا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب و رفقاء کو اگرچہ اس کا کوئی احساس نہیں ہوا لیکن جس خچری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے' اس کو اس کا احساس ہوا اور اس پر اثر پڑا۔ اس کی حکمت ظاہر ہے کہ مرنے والوں پر مرنے کے بعد جو کچھ گزرتا ہے' اگر ہم سب بھی اس کو دیکھ یا سن لیا کرتے تو ''ایمان بالغیب'' نہ رہتا اور دنیا کا یہ نظام بھی نہ چل سکتا جس وقت ہمارے سامنے ہمارا کوئی عزیز سخت تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو ہم سے اس وقت کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اگر کہیں قبروں کا عذاب ہم پر منکشف ہو جایا کرتا تو کسی اور کام کا کیا ذکر' مائیں بچوں کو دودھ بھی نہ پلا سکتیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان قبر والوں پر جو عذاب ہو رہا تھا اس کی وجہ سے جو چیخ و پکار ان قبروں میں مچی ہوئی تھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالکل نہیں سن رہے تھے' خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سن رہے تھے۔

یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ وحی کا فرشتہ جب وحی لے کر آتا تھا تو بسا اوقات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے تھے لیکن آنے والے فرشتے کو ان کی آنکھیں عام طور سے نہیں دیکھ سکتی تھیں نہ وہ اس کی آواز سنتے تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھتے اور اس کی آواز سنتے تھے' اہل مکاشفہ تو اس صورت حال کو بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں لیکن ہم جیسے عام بھی اس کو خواب والی مثال ہی سے کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ:

لَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِىْ اَسْمَعُ مِنْهُ.

(یعنی اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن نہ کر سکو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا کہ قبر کے عذاب میں سے جتنا کچھ میں سن رہا ہوں اس میں سے کچھ وہ تم کو بھی سنا دے)

اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر کے عذاب کی جو کیفیت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر منکشف فرما دی ہے اور عذاب دیئے جانے والوں کی چیخ و پکار جو میں سن رہا ہوں اگر اللہ تعالیٰ وہ تمہیں بھی سنوا دے تو اس کا خطرہ ہے کہ تمہیں موت سے اتنی دہشت ہو جائے کہ

مُردوں کو دفن و کفن کا انتظام بھی نہ کر سکو اس لیے میں اللہ سے دُعا نہیں کرتا کہ وہ تمہیں بھی سنا دے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو تعوّذ (اللہ سے پناہ مانگنے) کی طرف متوجہ کیا۔ اس میں اس کی تعلیم ہے کہ مؤمنین کو چاہیے کہ وہ قبر کے عذاب کو جاننے اور دیکھنے کی فکر کے بجائے اس سے بچنے کی فکر کریں اور اس سے ......اور ہر قسم کے عذاب اور فتنہ سے بچانے والا بس اللہ ہی ہے۔ لہٰذا اس سے برابر پناہ مانگتے رہیں، دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگیں، عذاب قبر سے پناہ مانگیں، ظاہر و باطن کے سب فتنوں سے پناہ مانگیں، خاص کر دجال کے عظیم فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں اور کفر و شرک اور ان سب فتنوں اور معصیتوں سے بچنے کی فکر رکھیں جو عذاب کو لانے والے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَنَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

قبر کا مرحلہ

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ! وَتَوَلّٰی عَنْهُ اَصْحَابُهٗ وَاِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ (مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلم) فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَقْعَدِکَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَ لَکَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْكَافِرُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَايَقُوْلُ النَّاسُ ، فَيُقَالُ لَهٗ لَادَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقٍ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُ مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ .

کوئی بندہ جب (مرنے کے بعد) قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے سنگھی ساتھی وہاں سے رخصت ہو کر لوٹ آتے ہیں (ابھی وہ زیادہ دور نہیں جانے پاتے ہیں یہاں تک کہ) جانے والوں کے جوتوں کی آواز وہ سنتا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں پھر اس سے کہتے ہیں (یہ سوال کرتے ہیں کہ) تم ان صاحب کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ تو جو شخص مومن ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تب اسے کہا جاتا ہے تم اپنا دوزخ کا ٹھکانہ دیکھ لو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ہے اور جو منافق اور کافر ہوتا ہے تو وہ دونوں فرشتے اس سے بھی یہی کہتے ہیں کہ تم ان صاحب کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تو وہ کہتا ہے، میں کچھ نہیں جانتا، میں بھی وہی کہتا تھا جو اور لوگ کہتے تھے۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ تو نے نہ تو کچھ جانا نہ اچھوں کی پیروی کی، پھر اسے مارا جائے گا لوہے کے ہتھوڑوں سے کہ وہ چیخ اٹھے گا جسے جن و انسان کے سوا اور مخلوق سنے گی۔ (ابوداؤد، احمد، الحاکم)

تشریح: حدیث زیر درس میں دوسرا فقرہ یہ آیا ہے " وَتَوَلّٰی عَنْهُ اَصْحَابُهٗ " اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنازہ کی مشایعت میں (جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنے کو مشایعت کہتے ہیں) جنازہ کے ساتھ ساتھ قبرستان تک گئے تھے، وہ لوگ جب وہاں سے لوٹتے

ہیں (ابھی وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوتے کہ) وہ شخص جانے والوں کے جوتوں کی آوازیں سنتا رہتا ہے (سماع موتیٰ کے لئے یہ حدیث دلیل بن سکتی ہے) اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے اٹھا کر بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تم ان صاحب کے متعلق کیا کہتے ہو؟ ''ان صاحب'' کا اشارہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ''مَنْ نَبِیّکَ'' کے عنوان سے سوال ذکر کیا گیا ہے۔ اور روایت میں جو بات کہی گئی ہے کہ تم اپنا دوزخ کا ٹھکانہ دیکھ لو، اب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس کی جگہ جنت میں ٹھکانہ دے دیا ہے۔ اس روایت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے ایک ٹھکانہ دوزخ میں اور ایک ٹھکانہ جنت میں تجویز فرما رکھا ہے جو اس کے اعمال کے مطابق دیا جائے گا۔ چنانچہ مومن کو جنت میں جو ٹھکانہ ملے گا وہ کسی کافر کے لئے تجویز رہا ہوگا، مگر کافر اپنے برے اعمال کی وجہ سے مستحق دوزخ قرار پا گیا تو جنت میں اس کا جو ٹھکانہ تھا وہ مومن کو دے دیا گیا۔ جس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی قرآن مجید میں نقل ہوا ہے۔ ''وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ'' (اے میرے رب مجھ کو جنت نعیم کے وارثوں میں سے بنا دیجئے۔)

حدیث مذکور میں کافر کے ساتھ منافق کا لفظ بھی آیا ہے ''منافق'' وہ ہوتا ہے جو دل سے تو کافر ہی ہوتا ہے مگر اپنی جان بچانے کے لئے صرف زبان سے ایمان کا اظہار کر دیتا ہے کہ مسلمانوں کی طرح اس کا مال و جان بھی محفوظ رہے۔

''تَلَیْتَ'' کے معنی پیروی کرنے اور نقش قدم پر چلنے کے ہیں یعنی تو نے نہ کچھ سمجھا نہ بوجھا اور نہ اہل ایمان کی سچی پیروی ہی کی۔ یہ فقرہ کافر و منافق کے حق میں بددعا ہے۔ اور ثقلین سے مراد جن و انس ہر دو مخلوق ہیں۔

قیامت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ شہادت والی انگلی اور اس کے برابر والی بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا: میری بعثت میں اور قیامت میں اتنا قرب اور اتصال ہے جتنا کہ ان دو انگلیوں میں۔ اس سے غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے جتنے دور مقرر کیے تھے وہ سب ختم ہوگئے اب یہ دور اس کا آخری دور ہے جو میری بعثت سے شروع ہوا ہے اور قیامت پر ختم ہوگا، میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نیا نبی نہیں آئے گا نہ کوئی نئی اُمت پیدا ہوگی اس لیے اس کو بہت دور سمجھ کر اس کی طرف سے بے فکر اور بے پروا نہ ہونا چاہیے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ هٰذِهِ الدُّنْيَا مِثْلُ ثَوْبٍ شُقَّ مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ فَبَقِىَ مُتَعَلِّقًا بِخَيْطٍ فِىْ اٰخِرِهٖ فَيُوْشِكُ ذَالِكَ الْخَيْطُ اَنْ يَّنْقَطِعَ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اوّل سے آخر تک پھاڑ دیا گیا اور بس سرے پر ایک دھاگے سے وہ جڑا رہ گیا اور یہ آخری دھاگہ بھی بس

عنقریب ٹوٹنا ہی چاہتا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... پہلی حدیث کی طرح اس حدیث میں بھی قیامت کا قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے اور مقصد یہی ہے کہ قیامت کو بہت دور سمجھ کے اس کی طرف سے غفلت نہ کی جائے بلکہ اُس کو بہت قریب اور ناگہانی پیش آنے والا ایک عظیم حادثہ یقین کرتے ہوئے ہر وقت اس کی فکر اور اس کے لیے تیاری کی جائے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِشَهْرٍ تَسْاَلُوْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ وَاِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَاُقْسِمُ بِاللّٰهِ مَاعَلَى الْاَرْضِ مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ يَّاْتِيْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ حَيَّةٌ يَوْمَئِذٍ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریف سے ایک مہینہ پہلے فرماتے تھے کہ: تم لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو اور اس کا (یعنی اس کے معین وقت کا) علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور میں اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی متنفس ایسا نہیں ہے کہ اس پر سو سال گزریں اور وہ اس وقت تک زندہ باقی رہے۔ (مسلم)

تشریح:...... قرآن پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیثوں سے بھی کہ بہت سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے کہ وہ کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس کے جواب میں وہی فرماتے تھے جو اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یعنی یہ کہ اس کے مقررہ وقت کا علم اللہ ہی کو ہے یعنی وہی جانتا ہے کہ کس سن کے کس مہینے کی کس تاریخ کو آئے گی، اس کا علم اس نے کسی اور کو نہیں دیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کے علاوہ اور اصل سوال سے زائد ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ اس وقت جو لوگ روئے زمین پر زندہ ہیں وہ سب سو سال کے اندر اندر ختم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کبریٰ جس میں یہ سارا عالم ختم ہو جائے گا اس کا معین وقت تو مجھے معلوم نہیں بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے، ہاں! اللہ نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے کہ اس نسل اور اس قرن کا خاتمہ سو سال تک ہو جائے گا اور جو لوگ اس وقت زندہ ہیں وہ سو سال پورے ہونے تک ختم ہو جائیں گے اس لیے یوں سمجھو کہ تمہاری قیامت سو اس صدی کے اندر ہی اندر آ جائے گی۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰى اَحَدٍ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ. (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ (ایسا برا وقت نہ آ جائے کہ) بالکل نہ کہا جائے دنیا میں اللہ اللہ۔ اور اسی حدیث کو بعض راویوں نے اس طرح نقل کیا ہے کہ: "قیامت نہیں قائم ہوگی کسی ایسے شخص پر جو کہتا ہو اللہ! اللہ۔" (مسلم شریف)

تشریح:...... یہ ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جبکہ دنیا اللہ کی یاد سے اور اللہ کو یاد کرنے والوں سے بالکل ہی خالی ہو جائے گی اور اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری اور اللہ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق کا دنیا سے بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ جب ایسا

وقت آئے گا اس وقت یہ پورا عالم فنا کر دیا جائے گا۔ گویا اللہ کا ذکر اور اللہ کے ساتھ بندگی کا صحیح تعلق اس عالم کی روح اور اس کے باقی رہنے کے لیے وجہ جواز ہے جس دن ہماری یہ دنیا اس سے بالکل خالی ہو جائے گی اسی دن اپنے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کے حکم سے توڑ پھوڑ کے برابر کر دی جائے گی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''قیامت نہیں قائم ہوگی مگر بدترین آدمیوں پر۔'' (مسلم شریف)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَيَمْكُثُ اَرْبَعِيْنَ لَا اَدْرِىْ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ شَهْرًا اَوْ عَامًا فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَاَنَّهٗ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَيَطْلُبُهٗ ثُمَّ يَمْكُثُ فِى النَّاسِ سَبْعَ سِنِيْنَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيْحًا بَارِدَةً مِنَ الشَّامِ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ اَوْ اِيْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْهُ حَتّٰى لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ دَخَلَ فِىْ كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْبِضَهٗ قَالَ فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِىْ خِفَّةِ الطَّيْرِ وَاَحْلَامِ السِّبَاعِ لَا يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُوْنَ مُنْكَرًا فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُوْلُ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ فَيَقُوْلُوْنَ فَمَا تَاْمُرُنَا فَيَاْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَهُمْ فِىْ ذٰلِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَلَا يَسْمَعُهٗ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰى لِيْتًا وَرَفَعَ لِيْتًا قَالَ وَ اَوَّلُ مَنْ يَسْمَعُهٗ رَجُلٌ يَلُوْطُ حَوْضَ اِبِلِهٖ فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَاَنَّهُ الطَّلُّ فَيَنْبُتُ مِنْهُ اَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُوْنَ ثُمَّ يُقَالُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ هَلُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ فَيُقَالُ اَخْرِجُوْا بَعْثَ النَّارِ فَيُقَالُ مِنْ كَمْ كَمْ؟ فَيُقَالُ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعِيْنَ قَالَ فَذٰلِكَ يَوْمٌ يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا وَذٰلِكَ يَوْمُ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ. (رواہ مسلم)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت سے پہلے) دجال کا خروج ہوگا اور وہ ٹھہرے گا چالیس تک۔ اس حدیث کو روایت کرنے والے صحابی عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب چالیس سے چالیس دن تھے یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ آگے حدیث بیان کرتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو (اس دنیا میں) بھیجیں گے۔ گویا کہ وہ عروہ بن مسعود ہیں (یعنی ان کی شکل وصورت عروہ بن مسعود ثقفی سے بہت ملتی جلتی ہوگی) وہ دجال کو تلاش کریں گے (اور اس کا تعاقب کریں گے اور اس کو پاکر) اس کا خاتمہ کر دیں گے۔ پھر (دجال کا خاتمہ کر دینے کے بعد) سات سال تک وہ اس دنیا کے لوگوں اور ان کے ساتھ رہیں گے اور (ان کی برکت سے لوگوں میں ایسا اتحاد و اتفاق ہو جائے گا کہ) دو آدمی بھی ایسے نہیں رہیں گے جن میں باہم عداوت اور دشمنی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے (ایک خاص قسم) کی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس کا اثر یہ ہوگا کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جس کے

دل میں ذرہ برابر بھی نیکی ہوئیا فرمایا کہ ذرہ برابر ایمان ہو۔ (بہر حال اس ہوا سے تمام اہل ایمان اور اہل خیر ختم ہو جائیں گے) یہاں تک کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی پہاڑ کے اندر چلا جائے گا تو یہ ہوا وہیں پہنچ کر اس کا خاتمہ کرے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد صرف خراب آدمی ہی دنیا میں رہ جائیں گے (جن کے دل ایمان اور نیکی سے بالکل خالی ہوں گے) ان میں پرندوں والی تیزی اور پھرتی اور درندوں والا ذہن جمع ہوگا (اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ان میں ظلم اور سفاکی تو درندوں کی سی ہوگی اور اپنے ظالمانہ مقاصد اور اپنی ناپاک خواہشات کو پورا کرنے میں وہ ہلکے پھلکے برق رفتار پرندوں کی طرح تیز رو اور پھرتیلے ہوں گے) نیکی اور بھلائی سے وہ مانوس نہ ہوں گے اور برائی کو وہ برائی نہ سمجھیں گے (نہ اس کی مذمت کریں گے) پس شیطان ایک شکل بنا کر ان کے سامنے آئے گا اور ان سے کہے گا' کیا تم شرم وحیا نہیں کرو گے' وہ کہیں گے کہ تم ہم کو کیا حکم دیتے ہو؟ (یعنی تم جو کہو وہ ہم کریں) پس شیطان انہیں بتوں کی پرستش کا حکم دے گا (اور وہ اس کا اتباع کریں گے) اور وہ اس حال میں ہوں گے کہ رزق کی افراط اور بارش ہوگی اور دنیاوی زندگی بظاہر بڑی اچھی (عیش ونشاط والی زندگی) ہوگی۔ پھر صور پھونکا جائے گا پس جو کوئی اس کو سنے گا اس کی جانب گردن ایک طرف کو جھک جائے گی اور ایک طرف کو اُٹھ جائے گی (یعنی سر جسم پر سیدھا قائم نہ رہے گا بلکہ اِدھر یا اُدھر کو لٹک جائے گا جیسا کہ اس شخص کا حال ہو جاتا ہے جس پر اچانک کوئی ایسا دورہ پڑے جس سے اس کے رگ پٹھے بیکار اور بے جان ہو جائیں) اور سب سے پہلے جو شخص صور کی آواز سنے گا (اور جس پر سب سے پہلے اس کا اثر پڑے گا) وہ ایک آدمی ہوگا جو اپنے اونٹ کے حوض کو مٹی سے درست کر رہا ہوگا' پس وہ بیہوش اور بے جان ہو کر گر جائے گا (یعنی مر جائے گا) اور دوسرے سب لوگ بھی اسی طرح بے جان ہو کر گر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ (ایک ہلکی سی) بارش بھیجے گا۔ گویا کہ وہ شبنم ہے' اس کے اثر سے انسانوں کے جسموں میں روئیدگی آ جائے گی۔ پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو ایک دم سب کے سب کھڑے ہوں گے' دیکھتے ہوں گے' پھر کہا جائے گا کہ اے لوگو! اپنے مالک اور رب کی طرف چلو (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) انہیں (حساب کے میدان میں) کھڑا کرو' ان سے پوچھا جائے گا (اور ان کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا) پھر حکم ہوگا کہ ان میں سے دوزخ کی فوج نکالو' عرض کیا جائے گا کہ کتنے میں سے کتنے؟ حکم ہوگا کہ ہزار میں سے نوسو ننانوے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ ہوگا وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہی ہے دن سخت مصیبت اور مشقت کا۔ (مسلم شریف)

تشریح: ...... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خروج دجال سے لے کر حشر تک کے بلکہ میدان حساب میں جمع ہونے تک کے' بعض واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں قیامت سے پہلے ہونے والے بعض اہم واقعات اور قیامت اور اس کے بعد کی منزلوں کا بیان اس سے بھی زیادہ اجمال کے ساتھ یا اس سے کچھ زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔ ان سب حدیثوں کے متعلق یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ سینکڑوں' ہزاروں سال کی مدت میں ہونے والے واقعات کا بہت ہی مجمل بیان ان میں کیا گیا ہے جو لوگ اس نکتہ کو ملحوظ رکھیں گے' ان شاء اللہ وہ ان حدیثوں کے بارے میں بہت سے شبہات اور وساوس سے محفوظ ہو جائیں گے۔

حدیث کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے کہ فرشتوں کو بتلایا جائے گا کہ ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنم والے ہیں' دنیا میں

مؤمنین اور غیر مؤمنین کا جو تناسب ہے اور جو اکثر زمانوں میں رہا ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اہل جہنم کی یہ تعداد ۹۹۹/۱۰۰۰ مستبعد نہیں معلوم ہوتی تاہم بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ان ۹۹۹ فی ہزار میں سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی جو اگرچہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کے اہل ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے یا شافعین کی سفارش سے آخر میں وہ نجات پا جائیں گے۔ "اَللّٰهُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتَکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَرَحْمَتَکَ اَرْجٰی عِنْدَنَا مِنْ اَعْمَالِنَا۔"

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدْ اِلْتَقَمَهٗ وَاَصْغٰی سَمْعَهٗ وَقَنٰی جَبْهَتَهٗ یَنْتَظِرُ مَتٰی یُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَمَا تَاْمُرُنَا؟ قَالَ قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ (رواہ الترمذی)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کیونکر خوش اور بے غم ہو کر رہ سکتا ہوں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صور والا فرشتہ صور کو اپنے منہ میں لیے ہوئے ہے اور اپنا کان اس نے لگا رکھا ہے اور اس کی پیشانی خمیدہ اور جھکی ہوئی ہے وہ انتظار کر رہا ہے کہ کب اس کو صور کے پھونک دینے کا حکم ہو اور وہ پھونک دے (یعنی جب مجھے اس واقعہ کا علم ہے تو میں کیسے اس دنیا میں اطمینان سے اور خوشی سے رہ سکتا ہوں) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے (ان کا مطلب یہ تھا کہ جب معاملہ اتنا خطرناک ہے تو ہماری رہنمائی فرمائیے کہ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے بچنے کے لیے ہم کیا کریں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہتے رہا کرو "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ" (ترمذی)

عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ یُعِیْدُ اللّٰهُ الْخَلْقَ وَمَا اٰیَةُ ذٰالِکَ فِیْ خَلْقِهٖ قَالَ اَمَا مَرَرْتَ بِوَادِیْ قَوْمِکَ جَدْبًا ثُمَّ مَرَرْتَ بِهٖ یَهْتَزُّ خَضِرًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَتِلْکَ اٰیَةُ اللّٰهِ فِیْ خَلْقِهٖ کَذٰالِکَ یُحْیِی اللّٰهُ الْمَوْتٰی۔ (رواہ رزین)

رزین عقیلی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دفعہ) عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ کیسے پیدا کرے گا؟ اور (اس عالم میں) اس کی مخلوق میں اس کی کیا نشانی ہے؟ (اور کیا دلیل اور مثال ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے لیے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تم اپنی قوم کی وادی پر ایسی حالت میں گزرے ہو جبکہ وہ (پانی نہ برسنے کی وجہ سے) سبزے سے خالی اور خشک ہو اور پھر کبھی ایسی حالت میں گزرے ہو کہ (پانی برس جانے کی وجہ سے) وہ ہری لہلہا رہی ہو؟ (ابورزین کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، ہاں! (ایسا ہوا ہے، اور میں نے یہ دونوں منظر دیکھے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حیات بعد الموت کو سمجھنے کے لیے یہی اللہ کی نشانی ہے، اس کی مخلوق میں، ایسے ہی زندہ کر دے گا اللہ مُردوں کو۔" (رزین)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کَاَنَّهٗ رَاْیُ عَیْنٍ فَلْیَقْرَءْ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ (رواہ احمد و ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کی یہ خوشی ہو یعنی جو یہ چاہے کہ قیامت کا منظر وہ اس طرح دیکھے کہ گویا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو قرآن مجید کی سورۃ "اِذَا الشَّمْسُ

كُوِّرَتْ وَاِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ اورواِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ. "پڑھے۔" (احمد'ترمذی)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا اَخْبَارُهَا قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ اَخْبَارَهَا اَنْ تَشْهَدَ عَلٰی كُلِّ عَبْدٍ وَاَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰی ظَهْرِهَا اَنْ تَقُوْلَ عَمِلَ عَلَیَّ كَذَا وَكَذَا یَوْمَ كَذَا وَ كَذَا قَالَ فَهٰذِهٖ اَخْبَارُهَا. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ زلزال کی یہ آیت تلاوت فرمائی :"یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا" (جس کا مطلب ہے کہ قیامت کے دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرے گی) پھر حاضرین سے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا' اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو زیادہ علم ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس کی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر بندہ اور ہر بندی کے متعلق شہادت دے گی کہ اس نے فلاں دن میرے اوپر فلاں کام کیا تھا اور فلاں دن فلاں عمل کیا تھا' پس یہ ہیں زمین کی خبریں (جو قیامت کے دن وہ بیان کرے گی)۔ (مسند احمد و ترمذی)

تشریح:...... گویا انسان جو عمل زمین کے جس حصے پر کرتا ہے زمین کا وہ حصہ اس کو محفوظ رکھتا ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا اور اللہ کے سامنے اس کی شہادت ادا کرے گا' اللہ تعالیٰ اس دن اس پر اس وقت کی رسوائیوں سے حفاظت فرمائے۔

اس قسم کی چیزوں پر یقین لانا ایمان والوں کے لیے تو پہلے بھی مشکل نہ تھا لیکن اب تو ریکارڈ وغیرہ کی ایجادوں نے ان باتوں کا سمجھنا اور ان پر یقین کرنا سب کیلئے آسان کر دیا ہے۔

صدق اللہ عزوجل سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم

عَنِ الْمِقْدَادِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ تَدْنِی الشَّمْسُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰی تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِیْلٍ فَیَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰی قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِی الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ یَّكُوْنُ اِلٰی كَعْبَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّكُوْنُ اِلٰی رُكْبَتَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّكُوْنُ اِلٰی حِقْوَیْهِ' وَمِنْهُمْ مَنْ یُّلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ اِلٰی فِیْهِ. (رواہ مسلم)

حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے: "قیامت کے دن سورج مخلوق سے بہت قریب ہو جائے گا یہاں تک کہ ان سے صرف ایک میل کے بقدر رہ جائے گا اور (اس کی گرمی سے) لوگ بقدر اپنے اعمال کے پسینہ پسینہ ہو جائیں گے (یعنی جس کے اعمال جتنے برے ہوں گے اسی قدر اس کو پسینہ زیادہ چھوٹے گا) پس بعض وہ ہوں گے جن کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک آئے گا اور بعض کا پسینہ ان کے گھٹنوں تک ہوگا اور بعض کا ان کے کولہوں کے اوپر تک (یعنی کمر تک) اور بعض وہ ہوں گے جن کا پسینہ ان کے منہ میں جا رہا ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہن مبارک کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا (کہ ان کا پسینہ یہاں تک پہنچ رہا ہوگا اور ان کے اس منہ میں جا رہا ہوگا)۔" (مسلم شریف)

تشریح:...... قیامت اور آخرت میں پیش آنے والے ان واقعات کی جو واقعی نوعیت ہوگی اس کا اس دنیا میں صحیح تصور نہیں کیا جا سکتا' پورا انکشاف بس اسی وقت ہوگا جبکہ یہ حقائق سامنے آئیں گے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَةَ اَصْنَافٍ صِنْفًا مُشَاةً وَصِنْفًا رُكْبَانًا وَصِنْفًا عَلٰى وُجُوْهِهِمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يَمْشُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ؟ قَالَ اِنَّ الَّذِىْ اَمْشَاهُمْ عَلٰى اَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّمْشِيَهُمْ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَمَا اِنَّهُمْ يَتَّقُوْنَ بِوُجُوْهِهِمْ كُلَّ حَدَبٍ وَشَوْكٍ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کے دن سب آدمی تین قسموں اور تین گروہوں میں اٹھائے جائیں گے، ایک قسم پیدل چلنے والے اور ایک قسم سوار، اور ایک قسم منہ کے بل چلنے والے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ (تیسرے گروہ والے) منہ کے بل کس طرح چل سکیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس اللہ نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ ان کو منہ کے بل چلائے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لوگ اپنے منہ کے ذریعے ہی زمین کے ہر ٹیلے ٹھیرے، اور ہر کانٹے سے بچیں گے۔ (ترمذی)

تشریح: ...... حدیث میں جن تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے شارحین حدیث نے ان کی تفصیل اس طرح کی ہے کہ پیدل چلنے والا گروہ عام اہل ایمان کا ہوگا اور دوسرا گروہ جو سواریوں پر ہوگا وہ خاص مقربین اور عبادِ صالحین کا گروہ ہوگا جن کا وہاں شروع ہی سے اعزاز واکرام ہوگا اور سر کے بل اور منہ کے بل چلنے والے وہ بدنصیب ہوں گے جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق سیدھا چلنا قبول نہیں کیا اور مرتے دم تک وہ اُلٹے ہی چلتے رہے۔ قیامت کے دن اس کی پہلی سزا انہیں یہ ملے گی کہ سیدھے پاؤں پر چلنے کے بجائے وہاں وہ اُلٹے منہ کے اور سر کے بل چلائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جس طرح اس دنیا میں چلنے والے راستے کی اونچ نیچ سے اور جھاڑیوں اور کانٹوں سے اپنے پاؤں کے ذریعے بچ کر نکلتے ہیں۔ اسی طرح قیامت میں یہ سر کے بل چلنے والے وہاں کے راستے کی اونچ نیچ سے اور وہاں کے کانٹوں سے اپنے سروں اور چہروں ہی کے ذریعے بچ کر نکلیں گے یعنی یہاں پر جو کام پاؤں سے کیے جاتے ہیں وہاں وہ سب کام خدا کے ان مجرموں کو سر سے اور منہ سے کرنے پڑیں گے۔ (اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَّمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَمَا نَدَامَتُهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ اِزْدَادَ وَ اِنْ كَانَ مُسِيْئًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ نَزَعَ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی مرے گا اس کو (مرنے کے بعد اپنی زندگی پر) ندامت اور پشیمانی ضرور ہوگی۔ عرض کیا گیا کہ حضرتؐ! اس کو ندامت کیوں ہوگی؟ اور اس کا کیا سبب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر وہ مرنے والا نیکوکار ہوگا تو اس کو تو اس کی ندامت اور حسرت ہوگی کہ اس نے نیکوکاری میں اور زیادہ ترقی کیوں نہیں کی (اور جو حسنات وہ کما کے لایا ہے اس سے زیادہ کیوں نہیں کما کے لایا) اور اگر وہ بدکار ہوگا تو اس کو اس کی ندامت وحسرت ہوگی کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہیں رہا۔ (ترمذی)

بارگاہ خداوندی میں حاضری

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَیُکَلِّمُہٗ رَبُّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ تَرْجُمَانٌ وَلَا حِجَابٌ یَحْجُبُہٗ فَیَنْظُرُ اَیْمَنَ مِنْہُ فَلَا یَرٰی اِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِہٖ وَیَنْظُرُ اَشْأَمَ مِنْہُ فَلَا یَرٰی اِلَّا مَا قَدَّمَ وَیَنْظُرُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلَا یَرٰی اِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْھِہٖ فَاتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ. (رواہ البخاری و مسلم)

ابن حاتم سے روایت ہے' کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''(قیامت میں) تم میں سے ہر شخص سے اس کا پروردگار اس طرح بلا واسطہ اور دو بدو کلام فرمائے گا کہ نہ درمیان میں کوئی ترجمان ہوگا نہ کوئی پردہ حائل ہوگا (اس وقت بندہ کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ حیرت اور بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھے گا) پس جب نظر کرے گا اپنی داہنی جانب تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ اس کو نظر نہ آئے گا اور ایسے ہی جب نظر کرے گا بائیں جانب تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ اس کو نظر نہ آئے گا اور جب سامنے نظر دوڑائے گا تو اپنے روبرو آگ ہی آگ دیکھے گا۔ پس اے لوگو! دوزخ کی اس آگ سے بچو' اگرچہ خشک کھجور کے ایک خشک ٹکڑے ہی کے ذریعے اس سے بچنے کی فکر کرو۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ آتشِ دوزخ سے بچنے کے لیے صدقہ کرو اور اگر کھجور کے ایک خشک ٹکڑے کے سوا تمہیں کچھ میسر نہ ہو تو راہِ خدا میں وہی دے کے دوزخ سے بچنے کی فکر کرو۔

فائدہ:...... قرآن مجید میں اور احادیث میں بھی جہاں جہاں قیامت کے حساب اور وہاں کے ہولناک منظروں کا اور دوزخ کے لرزہ خیز عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس لیے ہے کہ بندے اس سے خبردار ہو کر اپنے کو اس سے بچانے کی فکر کریں' اس حدیث میں تو آخر میں صراحت کے ساتھ اس مقصد کو بیان بھی فرما دیا گیا ہے لیکن جن حدیثوں میں اس مقصد کی تصریح نہ بھی کی گئی ہو ان کا مقصد بھی یہی سمجھنا چاہیے اور اس سلسلہ کی تمام آیات و احادیث سے ہم کو یہی سبق لینا چاہیے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ؟ قَالَ ھَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ الشَّمْسِ فِی الظَّھِیْرَۃِ لَیْسَتْ فِیْ سَحَابَۃٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَھَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ لَیْسَ فِیْ سَحَابَۃٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ رَبِّکُمْ اِلَّا کَمَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ اَحَدِھِمَا قَالَ فَیَلْقَی الْعَبْدَ فَیَقُوْلُ اَیْ فُلُ اَلَمْ اُکْرِمْکَ اُسَوِّدْکَ وَ اُزَوِّجْکَ وَاُسَخِّرْلَکَ الْخَیْلَ وَالْاِبِلَ وَاَذَرْکَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ فَیَقُوْلُ بَلٰی قَالَ فَیَقُوْلُ اَفَظَنَنْتَ اَنَّکَ مُلَاقِیَّ فَیَقُوْلُ لَا فَیَقُوْلُ فَاِنِّیْ قَدْ اَنْسَاکَ کَمَا نَسِیْتَنِیْ ثُمَّ یَلْقَی الثَّانِیَ فَذَکَرَ مِثْلَہٗ ثُمَّ یَلْقَی الثَّالِثَ فَیَقُوْلُ لَہٗ مِثْلَ ذَالِکَ فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ اٰمَنْتُ بِکَ وَبِکِتَابِکَ وَبِرُسُلِکَ وَصَلَّیْتُ وَصُمْتُ وَتَصَدَّقْتُ وَیُثْنِیْ بِخَیْرٍ مَااسْتَطَاعَ فَیَقُوْلُ ھٰھُنَا اِذًا' ثُمَّ یُقَالُ اَلْاٰنَ نَبْعَثُ شَاھِدًا عَلَیْکَ وَیَتَفَکَّرُ فِیْ نَفْسِہٖ مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْھَدُ عَلَیَّ فَیُخْتَمُ عَلٰی فِیْہِ وَیُقَالُ لِفَخِذِہٖ اِنْطِقِیْ فَتَنْطِقُ فَخِذُہٗ وَلَحْمُہٗ وَعِظَامُہٗ

بِعَمَلِهٖ وَذَالِکَ لِیُعْذِرَ مِنْ نَفْسِهٖ وَذَالِکَ الْمُنَافِقُ وَذَالِکَ الَّذِیْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِ. (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا دوپہر کے وقت میں آفتاب کے دیکھنے میں جبکہ وہ بدلی میں بھی نہ ہو تم میں کوئی کشمکش ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا' نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا چودھویں رات کے چاند کے دیکھنے میں جبکہ وہ بدلی میں بھی نہ ہو' تم میں کوئی کشمکش اور کوئی ردوکد ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم جس طرح چاند اور سورج کو بلا کسی کشمکش اور بغیر کسی اختلاف اور نزاع کے دیکھتے ہو اسی طرح قیامت میں اپنے پروردگار کو دیکھو گے۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ سے ایک بندہ کا سامنا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا' اے فلانے کیا میں نے دنیا میں تجھے عزت نہیں دی تھی' کیا تجھے تیری قوم میں سرداری نہیں دی تھی' کیا تجھے بیوی نہیں عطا کی تھی اور کیا تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ (سواریوں) کو مسخر نہیں کیا تھا اور کیا میں نے تجھے چھوڑے نہیں رکھا تھا کہ تو ریاست اور سرداری کے اور مال غنیمت میں سے چوتھائی وصول کرے' وہ بندہ عرض کرے گا ہاں! اے پروردگار آپ نے یہ سب کچھ مجھے عطا فرمایا تھا' پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تو کیا تجھے اس کا خیال اور گمان تھا کہ تو ایک دن میرے سامنے آئے گا؟ وہ عرض کرے گا میں یہ خیال نہیں کرتا تھا' پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج میں تجھے اپنے رحم وکرم سے اسی طرح بھلاتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلائے رکھا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دوسرے ایک بندہ کا سامنا ہوگا اور اس سے بھی حق تعالیٰ اسی طرح فرمائے گا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ تیسرے ایک بندہ سے ملے گا اور اس سے بھی اسی طرح فرمائے گا۔ یہ بندہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! میں تجھ پر ایمان لایا اور تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا اور میں نے نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے اور صدقہ بھی ادا کیا (اور اس کے علاوہ بھی) وہ بندہ خوب اپنے اچھے کارنامے بیان کرے گا جہاں تک بھی بیان کر سکے گا۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہاں ٹھہر! پھر اس سے کہا جائے گا کہ ہم ابھی تجھ پر ایک گواہ قائم کرتے ہیں اور وہ اپنے جی میں سوچے گا کہ وہ کون ہوگا جو مجھ پر گواہی دے گا پھر اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اس کی ران کو حکم دیا جائے گا کہ بول! تو اس کی ران اور اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کی گواہی دیں گے اور اللہ تعالیٰ یہ اس لیے کرے گا کہ اس کا عذر باقی نہ رہے اور یہ منافق ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔ (مسلم شریف)

تشریح:...... پوچھنے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنا پوچھا تھا کہ کیا قیامت میں ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند اور سورج کی مثال دے کر یہ سمجھا دینا چاہا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اتنے واضح طریقے پر ہوگا جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہوگی۔ نیز یہ بھی آپ نے واضح فرمایا کہ جس طرح چاند اور سورج کو مشرق ومغرب کے کروڑوں آدمی بیک وقت دیکھتے ہیں اور بالکل یکساں طور پر دیکھتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی کشمکش نہیں ہوتی' اسی طرح قیامت میں سب اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھ سکیں گے۔ پھر مزید برآں آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ بعض لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بڑی بڑی نعمتیں دے رکھی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو بالکل بھولے ہوئے ہیں اور آخرت کی پیشی سے بالکل بے فکر ہوگئے ہیں جب قیامت میں اللہ تعالیٰ سے ان کا سامنا ہوگا اور اللہ

تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا تو اس دن وہ کیسے لا جواب اور کیسے ذلیل وخوار ہوں گے اور ان میں سے جو دیدہ ور اور بے حیا منافق اس وقت غلط بیانی کریں گے اللہ تعالیٰ خود انہیں کے اعضاء سے اور انہیں کے گوشت اور انہیں کی ہڈیوں سے ان کے خلاف گواہی دلوا کر ان پر حجت قائم فرما دیں گے اور اس طرح علیٰ رؤس الاشھاد ان کے جھوٹے اور ان کی منافقت کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل سوال سے زائد یہ بیان، سوال کرنے والے صحابہ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرمایا کہ قیامت میں صرف اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ہی نہ ہوگا بلکہ حق تعالیٰ نے جو نعمتیں جس کو دی ہیں اس وقت وہ ان کی بابت پوچھ گچھ بھی کرے گا۔ (ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ) اور جن لوگوں نے اللہ کے احکام سے بے پروا ہو کر اور آخرت کی پیشی سے بے فکر رہ کر ان نعمتوں کو دنیا میں استعمال کیا ہوگا وہ اس دن روسیاہ ہوں گے اور وہاں کسی کی مکاری اور عیاری بالکل پردہ پوشی نہ کر سکے گی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهٗ وَيَسْتُرُهٗ فَيَقُوْلُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ اَىْ رَبِّ! حَتّٰى قَدَّرَهٗ بِذُنُوْبِهٖ وَرَاٰى فِيْ نَفْسِهٖ اَنَّهٗ قَدْ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا لَكَ فِي الدُّنْيَا وَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ فَيُعْطٰى كِتَابَ حَسَنَاتِهٖ وَاَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُوْنَ فَيُنَادٰى بِهِمْ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ هٰٓؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت میں اللہ تعالیٰ ایمان والے اپنے بندے کو (اپنی رحمت سے) قریب کرے گا اور اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا اور دوسروں سے اس کو پردے میں کر لے گا، پھر اس سے پوچھے گا کہ کیا تو پہچانتا ہے فلاں گناہ، فلاں گناہ (یعنی کیا تجھے یاد ہے کہ تو نے یہ یہ گناہ کیے تھے؟) وہ عرض کرے گا ہاں! اے پروردگار! مجھے یاد ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہوں کا اس سے اقرار کرا لے گا اور وہ اپنے جی میں خیال کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوا (یعنی اس کو خیال ہوگا کہ جب اتنے میرے گناہ ہیں تو اب میں کیسے چھٹکارا پا سکوں گا) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا اور آج میں ان کو بخشتا ہوں اور معافی دیتا ہوں، پھر اس کا نیکیوں والا اعمال نامہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا (یعنی اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں والا ہی اعمال نامہ آئے گا اور گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پردہ ہی پردہ میں ختم کر دیں گے) لیکن اہل کفر اور منافقین کا معاملہ یہ ہوگا کہ ان کے متعلق برسر عام پکارا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اللہ پر جھوٹی جھوٹی باتیں باندھیں (یعنی غلط اور بے اصل خیالات کو اللہ کی طرف نسبت دے کر اپنا دین و مذہب بنایا) خبردار اللہ کی لعنت ہے ایسے ظالموں پر۔ (بخاری ومسلم)

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُوْنَ اَهْلِيْكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا فِيْ ثَلٰثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ اَحَدٌ اَحَدًا عِنْدَ الْمِيْزَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيَخِفُّ مِيْزَانُهٗ اَمْ يَثْقُلُ وَعِنْدَ الْكِتَابِ حِيْنَ يُقَالُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ اَمْ فِيْ شِمَالِهٖ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهٖ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَىْ جَهَنَّمَ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہیں ایک دفعہ دوزخ کا خیال آیا اور وہ رونے لگیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' تمہیں کس چیز نے رُلایا؟ عرض کیا مجھے دوزخ یاد آئی اور اسی کے خوف نے مجھے رُلایا ہے' تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین جگہ تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا (اور کسی کی خبر نہیں لے گا) ایک وزنِ اعمال کے وقت' جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کے اعمال کا وزن ہلکا ہے یا بھاری اور دوسرے اعمال ناموں کے ملنے کے وقت جبکہ مردمؤمن داہنے ہاتھ میں اپنا اعمال نامہ پا کر خوشی خوشی دوسرے سے کہے گا کہ پڑھو میرا اعمال نامہ' یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ کس ہاتھ میں دیا جاتا ہے اس کا اعمال نامہ' آیا داہنے ہاتھ میں یا پیچھے کی جانب سے بائیں ہاتھ میں اور تیسرے پل صراط پر جبکہ وہ رکھا جائے گا جہنم کے اوپر (اور حکم دیا جائے گا سب کو اس پر سے گزرنے کا)۔ (ابوداؤد)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تین وقت ایسے نفسانفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک کو صرف اپنی فکر ہوگی اور کوئی کسی دوسرے کی مدد نہ کر سکے گا' ایک وزن اعمال کا وقت جب تک کہ نتیجہ معلوم نہ ہو جائے گا اور دوسرا وہ وقت جب لوگ اپنے اپنے اعمال ناموں کے منتظر ہوں گے اور ہر ایک اس فکر میں غرق ہوگا کہ اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے' وہ مغفرت اور رحمت کا مستحق قرار پاتا ہے یا لعنت اور عذاب کا اور تیسرے اس وقت جبکہ صراط کا پل جہنم پر لگا دیا جائے گا اور اس پر سے گزرنے کا حکم ہوگا تو یہ تین وقت ایسے نفسانفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ڈوبا ہوگا اور کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا۔

اس حدیث کی روح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا منشاء بس یہی ہے کہ ہر شخص آخرت کی فکر کرے اور کوئی کسی دوسرے کے بھروسہ نہ رہے۔

میدانِ حشر میں انصاف

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُوْنَنِيْ وَيَعْصُوْنَنِيْ وَاَشْتِمُهُمْ وَاَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ اَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوْكَ وَعِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ دُوْنَ ذَنْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَقْرَءُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ' فَقَالَ الرَّجُلُ مَا اَجِدُلِيْ وَلِهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ مُفَارَقَتِهِمْ اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ كُلُّهُمْ اَحْرَارٌ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا، پھر عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس کچھ غلام ہیں (جن کی حالت یہ ہے کہ بسا اوقات) وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میری چیزوں میں خیانتیں بھی کرتے ہیں، میری نافرمانی بھی کرتے ہیں اور میں (ان کی ان حرکتوں پر) کبھی انہیں گالیاں دیتا ہوں اور کبھی مارتا بھی ہوں، پس کیا حال ہوگا میرا قیامت کے دن ان کی وجہ سے (یعنی اللہ تعالیٰ میرا اور ان کا فیصلہ کس طرح فرمائے گا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تمہارے ان غلاموں نے تمہاری جو خیانت اور نافرمانی کی ہوگی اور تم سے جو جو جھوٹ بولے ہوں گے اور پھر تم نے ان کو جو سزائیں دی ہوں گی، قیامت کے دن ان سب کا پورا پورا حساب کیا جائے گا، پس اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں کے بقدر ہی ہوگی تو معاملہ برابر پر ختم ہو جائے گا، نہ تم کو کچھ ملے گا اور نہ تمہیں کچھ دینا پڑے گا اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے کم ثابت ہوگی تو تمہارا فاضل حق تمہیں وہاں ملے گا اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے زیادہ ثابت ہوگی تو تم سے اس کا بدلہ اور قصاص ان کو دلوایا جائے گا (جب اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سنا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک طرف کو ہٹ کر رونے اور چلانے لگا (یعنی قیامت کے اس محاسبہ اور پھر وہاں کے عذاب کے خوف سے جب اس پر گریہ غالب ہوا تو وہ ادب کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے اُٹھ گیا اور ایک طرف کو ہٹ کر بے اختیار رونے اور چلانے لگا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے فرمایا: تم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ

"اور ہم قائم کریں گے قیامت کے دن انصاف کی میزانیں، پس نہیں ظلم ہوگا کسی نفس پر کچھ بھی اور اگر ہوگا کسی کا عمل یا حق رائی کے ایک دانے کے برابر حاضر کریں گے ہم اس کو بھی اور کافی ہیں ہم حساب کرنے والے۔"

اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سب کچھ سننے کے بعد میں اپنے لیے اور ان کے لیے ان سے بہتر کچھ نہیں سمجھتا کہ (لوجہ اللہ آزاد کر کے) ان کو اپنے سے الگ کر دوں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو آزاد کر دیا اور اب وہ آزاد ہیں۔

تشریح:...... ایمان کی یہی شان ہے اور سچے ایمان والوں کا طرزِ عمل یہی ہونا چاہیے کہ جس چیز میں آخرت کا خطرہ نظر آئے اس سے بچا جائے، اگرچہ دنیوی نقطۂ نظر سے اس میں اپنا کتنا ہی نقصان ہو۔

اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلاً مِنْ اُمَّتِيْ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ سِجِلاً كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحٰفِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ اَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّكَ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَاِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلُ اُحْضُرْوَزْنَكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِيْ كِفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِيْ كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اِسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ. (رواہ الترمذی و ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری اُمت میں سے ایک شخص کو ساری مخلوق کے روبرو الگ نکالے گا اور اس کے سامنے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے جن میں ہر دفتر کی لمبائی گویا حدِ نظر تک ہوگی (یہ دفتر اس کے اعمال نامے ہوں گے) پھر اس سے فرمایا جائے گا کہ (تیرے جو اعمال ان دفتروں میں لکھے ہوئے ہیں) کیا ان میں سے کسی کا تجھے انکار ہے؟ کیا تیرے اعمال کی نگرانی کرنے والے اور لکھنے والے میرے فرشتوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے (اور غلط طور پر کوئی گناہ تیرے اعمال نامے میں لکھ دیا ہے)؟ وہ عرض کرے گا نہیں پروردگار! (مجھ پر کسی نے ظلم نہیں کیا ہے بلکہ یہ سب میرے کیے ہوئے اعمال ہیں)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے، وہ عرض کرے گا خداوندا میرے پاس کوئی عذر بھی نہیں (یہاں تک کہ سوال و جواب سے خود اس شخص کو اور دوسرے لوگوں کو بھی خیال ہوگا کہ یہ بندہ اب گرفت اور عذاب سے کہاں بچ سکے گا لیکن ارحم الراحمین کی رحمت کا اس طرح ظہور ہوگا کہ) اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائیں گے، ہاں! ہمارے پاس تیری ایک خاص نیکی بھی ہے اور آج تیرے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوگا (اور اس نیکی کے فائدہ سے تجھے محروم نہیں کیا جائے گا) یہ فرما کر کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جائے گا۔ اس میں لکھا ہوگا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" اور اس بندے سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے وزن کے پاس حاضر ہو (یعنی چل کر اپنے سامنے وزن کرا) وہ عرض کرے گا، خداوندا! ان دفتروں کے سامنے اس پرزہ کی کیا حقیقت ہے اور ان سے اس کو کیا نسبت ہے (یعنی میں وہاں جا کر کیا دیکھوں گا اور کیا کروں گا، نتیجہ تو معلوم ہی ہے، کہاں اتنے بڑے بڑے ننانوے دفتر اور کہاں یہ ذرا سا پرزہ) اللہ تعالیٰ فرمائے گا نہیں تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا (بلکہ پورا پورا انصاف کیا جائے گا جس پرزہ کو تو معمولی اور بے وزن سمجھ رہا ہے تیرے سامنے اس کا بھی وزن کیا جائے گا اور آج اس کا اور اس میں لکھے ہوئے ایمانی کلمہ کا وزن ظاہر ہوگا اور اس کا تجھے پورا پورا فائدہ پہنچایا جائے گا، اس لیے مایوس نہ ہو اور میزان کے پاس جا کر وزن کو دیکھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ ننانوے دفتر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور کاغذ کا وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں، پس ہلکے ثابت ہوں گے وہ دفتر اور بھاری رہے گا وہ پرزہ اور کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی اللہ کے نام کے مقابلے میں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح:...... بعض شارحین نے اس حدیث کی توجیہ میں لکھا ہے کہ یہ شہادت کا وہ کلمہ ہوگا جو کفر و شرک سے نکلنے کے لیے اور ایمان و اسلام میں آنے کے لیے پہلی دفعہ دل و زبان سے پڑھا گیا ہوگا، قیامت میں وزن اعمال کے وقت اس کا یہ اثر ظاہر ہوگا کہ ساری عمر کے پہلے گناہ اس کے اثر سے بے وزن اور بے اثر ہو جائیں گے، پہلے بھی ایک حدیث گزر چکی ہے: "اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ" (یعنی اسلام قبول کرنے سے وہ سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں جو پہلی زندگی میں آدمی نے کیے ہوں)

اور ایک دوسری توجیہ اس حدیث کی یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ معاملہ اس شخص کا ہوگا جو مدت دراز تک غفلت اور بے پروائی سے گناہ پر گناہ کرتا رہا اور دفتر کے دفتر لکھے جاتے رہے' پھر اللہ نے اسے توفیق دی اور اس نے دل کی گہرائی سے اور پورے اخلاص سے اس کلمہ شہادت اور کلمہ ایمان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی ایمانی نسبت کو درست کرلیا اور اسی پر اس کو موت آ گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آسان حساب

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِىْ بَعْضِ صَلٰواتِهِ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِىْ حِسَابًا يَّسِيْرًا قُلْتُ يَا نَبِىَّ اللّٰهِ مَاالْحِسَابُ الْيَسِيْرُ قَالَ اَنْ يُّنْظَرَ فِىْ كِتَابِهٖ فَيُتَجَاوَزَ عَنْهُ اِنَّهٗ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ. (رواه احمد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے بعض نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دُعا کرتے ہوئے سنا: "اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِىْ حِسَابًا يُسِيْرًا" (اے اللہ! میرا حساب آسان فرما)

میں نے عرض کیا "حضرتؐ! آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آسان حساب یہ ہے کہ بندہ کے اعمال نامہ پر نظر ڈالی جائے اور اس سے درگزر کی جائے (یعنی کوئی پوچھ گچھ اور جرح نہ کی جائے)" بات یہ ہے کہ جس کے حساب میں اس دن جرح کی جائے گی' اے عائشہ! (اس کی خیر نہیں) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مسند احمد)

روزِ محشر اہلِ ایمان کا اکرام

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىْ اَنَّهٗ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنِىْ مَنْ يَّقْوٰى عَلَى الْقِيَامِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِىْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ "يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ" فَقَالَ يُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ عَلَيْهِ كَالصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ. (رواه البيهقى فى البعث والنشور)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ قیامت کے دن جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس دن لوگ کھڑے ہوں گے رب العالمین کے حضور میں تو اس دن کس کو کھڑے رہنے کی طاقت اور قدرت ہوگی (اور کون اس پورے دن کھڑا رہ سکے گا؟) جس کے متعلق قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ (وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے ایمان والوں کے حق میں یہ کھڑا ہونا بہت ہلکا اور خفیف کردیا جائے گا' یہاں تک کہ ان کے لیے بس ایک فرض نماز کی طرح ہو جائے گا۔ (البعث والنشور للبیہقی)

تشریح: ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو جواب دیا اس کا اشارہ قرآن میں بھی موجود ہے۔ سورۂ مدثر میں فرمایا گیا ہے کہ:

فَاِذَا نُقِرَ فِى النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ.

"تو جب صور پھونک دیا جائے گا تو وہ دن بڑا سخت ہوگا ایمان نہ لانے والوں کے لیے آسان نہ ہوگا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سخت اور بھاری دن ایمان والوں کے حق میں سخت اور بھاری نہ ہوگا بلکہ آسان اور ہلکا کر دیا جائیگا۔

رات کی عبادت کا اجر

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْشَرُ النَّاسُ فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ فَيَقُوْلُ اَيْنَ الَّذِيْنَ كَانَتْ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ فَيَقُوْمُوْنَ وَهُمْ قَلِيْلٌ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ثُمَّ يُؤْمَرُ سَائِرُ النَّاسِ اِلَى الْحِسَابِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب لوگ (زندہ کیے جانے کے بعد) ایک وسیع اور ہموار میدان میں جمع کیے جائیں گے (یعنی سب میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے) پھر اللہ کا منادی پکارے گا کہ کہاں ہیں وہ بندے جن کے پہلو راتوں کو بستروں سے الگ رہتے تھے (یعنی اپنے بستر چھوڑ کر جو راتوں کو تہجد پڑھتے تھے) پس وہ اس پکار پر کھڑے ہو جائیں گے اور ان کی تعداد زیادہ نہ ہوگی، پھر وہ اللہ کے حکم سے بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں گے، اس کے بعد باقی تمام لوگوں کے لیے حکم ہوگا کہ وہ حساب کے لیے حاضر ہوں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حساب کے بغیر جنت میں داخلہ

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ اَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَثَلٰثُ حَثَيَاتٍ مِنْ حَثَيَاتِ رَبِّیْ. (رواه احمد والترمذى و ابن ماجه)

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری اُمت میں سے ستر ہزار کو وہ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے گا اور ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہی ہزار اور ہوں گے اور تین حثیے اور میرے پروردگار کے حثیات میں سے (میری اُمت میں سے بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے جائیں گے) (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح:...... جب دونوں ہاتھ بھر کر کسی کو کوئی چیز دی جائے تو عربی میں اُس کو حثیہ کہتے ہیں جس کو اردو اور ہندی میں لپ بھر کے دینا کہتے ہیں تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب اور بلا عذاب جنت میں داخل کرے گا اور پھر ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہی اور اسی طرح بلا حساب و عذاب جنت میں جائیں گے اور اس سب کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص شان رحمت سے اس اُمت کی بہت بڑی تعداد کو تین دفعہ کر کے اور جنت میں بھیجے گا اور یہ سب وہی ہوں گے جو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ "سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ"

روز محشر کے مراحل

حدیثوں میں آخرت کی جن چیزوں کو نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں۔ ایک حوض کوثر' دوسری صراط اور تیسری میزان۔

پھر کوثر کو بعض احادیث میں حوض کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض میں نہر کے لفظ سے۔ پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوثر جنت کے اندر واقع ہے اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت سے باہر ہے اور اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے اس حوض پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں باریاب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست کرم سے اس کا نہایت سفید و شفاف اور بے انتہا لذیذ و شیریں پانی نوش جان کریں گے اور تحقیق یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکزی چشمہ جنت کے اندر ہے اور جنت کے طول و عرض میں اس کی شاخیں نہروں کی شکل میں ہر طرف جاری ہیں اور جس کو حوضِ کوثر کہا جاتا ہے وہ سینکڑوں میل کے طول و عرض میں ایک نہایت حسین و جمیل تالاب ہے، جو جنت سے باہر ہے لیکن اس کا تعلق اسی جنت کے اندر کے چشمہ سے ہے گویا اس میں جو پانی ہوگا وہ جنت ہی کے اس چشمہ سے نہروں کے ذریعے آئے گا۔ آج کل کے متمدن شہروں میں واٹرورکس جو نظام ہے اس نے کوثر کی اس نوعیت کا سمجھنا الحمدللہ سب کے لیے آسان کر دیا ہے۔

یہاں ایک چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حوض کے لفظ سے عموماً لوگوں کا ذہن اسی قسم کے حوضوں کی طرف جاتا ہے جس قسم کے حوض انہوں نے عموماً دنیا میں دیکھے ہوتے ہیں لیکن حوض کوثر اپنی معنوی کیفیات اور اپنی خوش منظری میں تو دنیا کے حوضوں سے اتنا ممتاز اور فائق ہوگا ہی جتنا کہ جنت کی کسی چیز کو دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں ہونا چاہیے مگر اس کے علاوہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رقبہ اور علاقہ بھی اتنا ہوگا کہ ایک راہرو اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کی مسافت ایک مہینے میں طے کر سکے گا اور ایک حدیث میں اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کا فاصلہ عدن اور عمان کے فاصلے کے برابر بتلایا گیا ہے۔

بہرحال آخرت کی چیزوں کے متعلق احادیث میں جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے اس کی روشنی میں بھی ان چیزوں کا صحیح تصور اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔ ان چیزوں کی جو واقعی نوعیت اور صورت ہے وہ صحیح طور پر تو سامنے آنے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔

یہی بات صراط اور میزان وغیرہ کے بارے میں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ فِى الْجَنَّةِ اِذَا اَنَا بِنَهْرٍ حَافَتَاهُ قُبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَا هٰذَا يَا جِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِىْ اَعْطَاكَ رَبُّكَ فَاِذَا طِيْنُهُ مِسْكٌ اَذْفَرُ. (رواه البخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس اثناء میں کہ میں جنت میں چلا جا رہا تھا' میرا گزر ایک (عجیب و غریب) نہر پر ہوا اس کے دونوں جانب "دُرِ مجوف" سے (یعنی اندر سے خالی کیے ہوئے موتیوں سے) تیار کیے ہوئے قبے تھے' میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ وہ کوثر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی (جو اس کی تہہ میں تھی) وہ نہایت مہکنے والے مشک کی طرح خوشبودار تھی۔ (بخاری)

تشریح: ......اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں سیر کرتے ہوئے نہر کوثر پر گزرنے کا جو واقعہ ذکر فرمایا ہے غالبًا یہ شب معراج کا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ "یہ وہ کوثر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے۔" تو یہ قرآن مجید کی آیت "اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ" کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے آپ کو کوثر دیا" کوثر کے اصل معنی خیر کثیر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کے جو خزانے عطا فرمائے مثلاً قرآن و شریعت اور اعلیٰ روحانی صفات اور دنیا اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان وغیرہ سو یہ سب بھی کوثر کے عموم میں اگرچہ داخل ہیں لیکن جنت کی یہ نہر اور اس سے متعلق وہ حوض جو میدان حشر میں ہوگا (جس سے اللہ کے بے شمار بندے سیراب ہوں گے) لفظ کوثر کا خاص مصداق ہیں یا یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و ایمان کے سلسلہ کی جو بیش بہا نعمتیں عطا فرمائی تھیں جو آپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے بے شمار بندوں تک پہنچیں۔ آخرت میں ان کا ظہور اس نہر کوثر اور حوضِ کوثر کی شکل میں ہوگا جن سے اللہ کے بے شمار بندے فیضیاب اور سیراب ہوں گے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْضِىْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ وَزَوَايَاهُ سَوَاءٌ مَاءُهُ اَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيْحُهُ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ يَّشْرَبُ مِنْهَا فَلَا يَضْمَأُ اَبَدًا. (رواہ البخاری و مسلم)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حوض کوثر مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس قدر طویل و عریض ہے کہ اس کی ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مہینہ کی مسافت ہے) اور اس کے زاویے (یعنی گوشے) بالکل برابر ہیں (اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ وہ مربع ہے اس کا طول و عرض یکساں ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہے اور اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں (غالبًا اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے ستارے جیسے حسین اور چمکدار ہیں اور ان کی کثرت کی وجہ سے جس طرح انہیں گنا نہیں جا سکتا اسی طرح میرے حوض کے کوزے بھی بے شمار اور حسین اور چمکدار ہیں) جو اس کا پانی پیئے گا وہ کبھی پیاس میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَىَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا سَيَرِدَنَّ عَلَىَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِىْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِىْ وَبَيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّىْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِىْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِىْ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوضِ کوثر پر تمہارا امیر ساماں ہوں (اور تم سے آگے جا کے تمہاری پیاس کا انتظام کرنے والا ہوں) جو میرے پاس پہنچے گا وہ آب کوثر سے پیئے گا اور جو اس کو پی لے گا پھر کبھی وہ پیاس میں مبتلا نہ ہوگا اور وہاں کچھ لوگ جن کو میں بھی پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے میری طرف آئیں گے لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی (اور انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا) تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو

میرے ہیں پس مجھے جواب دیا جائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں (اور کیا کیا رخنے ڈالے) تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دوری ہو ان کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا اور اس کو گڑبڑ کیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... حدیث میں جن لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ حوضِ کوثر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روک دیئے جائیں گے اس کا تعین مشکل ہے کہ یہ کون اور کس طبقے کے لوگ ہوں گے اور نہ اس کا معلوم کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ اس حدیث کا خاص سبق ہمارے لیے تو بس یہ ہے کہ اگر ہم کوثر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے آرزومند ہیں تو مضبوطی سے اس دین پر قائم رہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے لائے تھے اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد اور کوئی ردوبدل نہ کریں۔

عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَوْضِىْ مِنْ عَدَنَ اِلٰى عَمَّانَ الْبَلْقَاءِ مَاءُهٗ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَاَكْوَابُهٗ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرْبَةً لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا اَبَدًا اَوَّلُ النَّاسِ وُرُوْدًا فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الشُّعْثُ رُؤُسًا الدُّنِسُ ثِيَابًا اَلَّذِيْنَ لَا يَنْكِحُوْنَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا يُفْتَحُ لَهُمُ السُّدَدُ. (رواه احمد والترمذى و ابن ماجه)

ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرے حوض کی مسافت (اتنی ہے جتنی کہ) عدن سے عمان بلقاء تک، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے اور اس کے گلاس گنتی میں آسمان کے ستاروں کی طرح (بیشمار) ہیں (اس کے پانی کی یہ صفت ہے کہ) جو اس میں سے ایک دفعہ پی لے گا اسے اس کے بعد کبھی پیاس کی تکلیف نہیں ہوگی۔ اس حوض پر سب لوگوں سے پہلے میرے پاس پہنچنے والے فقراء مہاجرین ہوں گے، پریشان و پراگندہ سروں والے، میلے کچیلے کپڑوں والے جن کا نکاح خوش حال وخوش عیش عورتوں سے نہیں ہوسکتا اور جن کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے (یعنی جن کو خوش آمدید نہیں کہا جاتا)۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح:...... عدن مشہور مقام ہے اور عمان بھی شام کے علاقہ کا مشہور شہر ہے۔ بلقاء عمان کے قریب ایک بستی تھی، بطور امتیاز اور نشانی کے اس حدیث میں "عمان بلقاء" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں عدن اور بلقاء کے قریب والے عمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے آخرت میں حوض کوثر کی مسافت اتنی ہوگی اور واضح رہے کہ یہ بھی کوئی ناپی ہوئی مسافت نہیں ہے کہ ٹھیک اتنے ہی میل اور اتنے ہی فرلانگ اور اتنے ہی فٹ ہوں بلکہ حوض کی وسعت کو سمجھانے کے لیے عرف کے مطابق یہ ایک تقریبی بات کہی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ حوض کی مسافت سینکڑوں میل کی ہوگی۔

آخر میں فرمایا گیا کہ سب سے پہلے حوض پر پہنچنے والے اور اس سے سیراب ہونے والے وہ غریب مہاجرین ہوں گے جو اپنے فقر وتنگدستی اور دنیا کی بے رغبتی کی وجہ سے اس حال میں رہتے ہیں کہ ان کے سروں کے بال بنے سنورے نہیں رہتے بلکہ بکھرے ہوئے اور الجھے ہوئے رہتے ہیں اور کپڑے بھی ان کے اچھے اُجلے نہیں رہتے بلکہ میلے کچیلے رہتے ہیں جو اگر نکاح کرنا چاہیں تو ان کی اس حالت کی وجہ سے خوش عیش اور خوش حال گھرانوں کی بیٹیاں ان کے نکاحوں میں نہ دی جائیں اور وہ کسی کے گھر پر جائیں تو

ان کے میلے کچیلے کپڑے اور ان کی شکل وصورت کی وجہ سے کوئی ان کے لیے اپنا دروازہ نہ کھولے اور ان کو خوش آمدید نہ کہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جن بندوں کا حال یہ ہو کہ دنیا کی بے رغبتی اور دین میں انہماک اور فکر آخرت کے غلبہ کی وجہ سے اس دنیا میں وہ غریب وتنگدست ہو کر رہیں، نہ اپنی صورتوں کے بناؤ سنگار کی فکر رکھیں، نہ لباس پوشاک کی، وہ اپنی غربت اور دنیوی عیش کی اس قربانی کی وجہ سے آخرت کے انعامات میں مقدم اور فائق رہیں گے، ہمارے اس زمانہ کے جو حضرات اس طرزِ عمل کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے "تقشّف" اور رہبانیت پسندی اور دین کے غلط تصور کا نتیجہ سمجھتے ہیں، چاہیے کہ وہ اس قسم کی حدیثوں پر غور کریں۔

ہر زمانہ کے کچھ امراض ہوتے ہیں جس طرح پہلے کسی زمانہ میں واقعی رہبانیت اور ترک دنیا کی غلط اور غیر اسلامی صورتوں کو اسلام کا پسندیدہ زُہد بعض حلقوں میں سمجھا اور سمجھایا جاتا تھا، اسی طرح ہمارے اس زمانے میں (شاید اس کے ردِعمل میں) بعض حلقوں کا مستقل رُجحان یہ ہے کہ اسلام کو اور اس کی تعلیمات کو اس دور کے مادہ پرستانہ اور نفس پرستانہ تقاضوں سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاِنَّهُمْ لَيَتَبَاهُوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً وَ اِنِّىْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً. (ترمذی)

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت میں ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور ان کے درمیان اس پر فخر ہوگا کہ ان میں سے کس کے پاس پینے والے زیادہ آتے ہیں اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ سب سے زیادہ لوگ پینے کے لیے میرے پاس آئیں گے (اور میرے حوض سے سیراب ہوں گے)۔ (ترمذی)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّشْفَعَ لِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَنَا فَاعِلٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَيْنَ اَطْلُبُكَ قَالَ اُطْلُبْنِىْ اَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِىْ عَلَى الصِّرَاطِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ فَاطْلُبْنِىْ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قَالَ فَاطْلُبْنِىْ عِنْدَ الْحَوْضِ فَاِنِّىْ لَا اُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلٰثَ الْمَوَاطِنَ. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری سفارش فرمائیے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارا یہ کام کروں گا، میں نے عرض کیا تو (قیامت کے روز) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں تلاش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے جب تمہیں میری تلاش ہو تو صراط پر مجھے دیکھنا میں نے عرض کیا اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراط پر نہ پاسکوں تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا، میں نے عرض کیا اور اگر میں میزان کے پاس بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پاسکوں تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو پھر مجھے حوض کے پاس دیکھنا، کیوں کہ میں اس وقت ان تین مقامات سے دور کہیں نہ جاؤں گا۔ (ترمذی)

تشریح:..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخرت کی شفاعت ایسی چیز ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست

کی جا سکتی ہے اور اگر چہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ملنے کے مقامات حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتلائے ہیں لیکن دراصل شفاعت کے سب حاجت مندوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ملنے کے یہ پتے بتلائے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا عَلٰى مِلَّتِهٖ وَاَسْعِدْنَا بِشَفَاعَتِهٖ. عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِعَارُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلَى الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ. (رواہ الترمذی)

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن صراط پر اہل ایمان کا شعار (یعنی ان کا امتیازی وظیفہ) یہ دعائی کلمہ ہوگا: "رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ" (اے ہمارے پروردگار! ہمیں سلامت رکھ اور سلامتی کے ساتھ پار لگا)

صراط اور میزان کا ذکر بعض حدیثوں میں پہلے بھی گزر چکا ہے۔

شفاعت

محشر میں پیش آنے والے جن واقعات کی اطلاع احادیث میں صراحت کے ساتھ دی گئی ہے اور جن پر ایک مؤمن کو یقین لانا ضروری ہے ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی ہے، شفاعت کے متعلق حدیثیں اتنی کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ سب ملا کر تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر شفاعت کی ان حدیثوں کے مجموعہ سے سمجھ کر شارحین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کئی قسم کی ہوگی اور بار بار ہوگی، سب سے پہلے جبکہ سارے اہل محشر اللہ کے جلال سے سراسیمہ اور خوفزدہ ہوں گے اور کسی کو لب ہلانے کی جرأت نہیں ہوگی اور آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام اولوالعزم پیغمبر بھی "نفسی نفسی" کے عالم میں ہوں گے اور کسی کے لیے شفاعت کی جرأت نہ کر سکیں گے تو اس وقت عام اہل محشر کی درخواست پر اور ان کی تکلیف سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیازمندی اور حسن ادب کے ساتھ (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان ہے) بارگاہِ رب العزت میں اہل محشر کے لیے سفارش کریں گے کہ ان کو اس کی فکر اور بے چینی کی حالت سے نجات دی جائے اور ان کا حساب کتاب اور فیصلہ فرما دیا جائے۔ بارگاہِ جلالت میں اس دن یہ سب سے پہلی شفاعت ہوگی اور یہ شفاعت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرمائیں گے۔ اس کے بعد ہی حساب اور فیصلہ کا کام شروع ہو جائے گا۔ یہ شفاعت جیسا کہ عرض کیا گیا عام اہل محشر کے لیے ہوگی اسی لیے اس کو "شفاعت عظمیٰ" بھی کہتے ہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے مختلف درجہ کے ان گنہگاروں کے بارے میں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے سزاوار ہوں گے یا جو جہنم میں ڈالے جا چکے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ان کو معاف کر دیا جائے اور جہنم سے ان کو نکالنے کی اجازت دے دی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی اور اس کی وجہ سے خطاکار امتیوں کی بہت بڑی تعداد جہنم سے نکالی جائے گی اس کے علاوہ کچھ صالحین اُمت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت کریں گے کہ ان کے لیے بغیر حساب کے داخلہ جنت کا حکم دے دیا جائے۔ اسی طرح اپنے بہت سے اُمتیوں کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ترقی درجات کی بھی اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں گے۔ حدیثوں میں شفاعت کی ان تمام اقسام اور واقعات کی تفصیل وارد ہوئی ہے۔

پھر حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل جانے کے بعد اور انبیاء علیہم السلام' ملائکہ عظام اور اللہ کے دوسرے صالح اور مقرب بندے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل ایمان کے حق میں سفارشیں کریں گے یہاں تک کہ کم عمر میں فوت ہونے والے اہل ایمان کے معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کے لیے سفارشیں کریں گے۔ اسی طرح بعض اعمال صالحہ بھی اپنے عاملوں کے لیے سفارش کریں گے اور یہ سفارشیں بھی قبول فرمائی جائیں گی اور بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن کی نجات اور بخشش ان ہی سفارشوں ہی کے بہانہ ہوگی۔

مگر لحاظ رہے کہ یہ سب شفاعتیں اللہ کے اذن سے اور اس کی مرضی اور اجازت سے ہوں گی ورنہ کسی نبی اور کسی فرشتہ کی بھی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی ایک آدمی کو بھی دوزخ سے نکال سکے یا اس کا اذن اور ایما پائے بغیر کسی کے حق میں سفارش کے لیے زبان کھول سکے۔ قرآن پاک میں ہے:

مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. (بقرہ ۲:۲۵۵)

"کون ہے جو اس کی بارگاہ میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کی سفارش کر سکے۔"

دوسرے موقع پر فرمایا گیا: وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی. (انبیاء' ۲۱:۲۸)

"اور وہ نہیں سفارش کر سکیں گے مگر صرف اس کے لیے جس کے لیے اس کی رضا ہو۔"

بلکہ علماء کرام نے جیسا کہ فرمایا ہے' شفاعت دراصل شفاعت کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے لیے اور ان کے اکرام و اعزاز کے واسطے ہوگی ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں اور اس کے فیصلوں میں دخل دینے کی کسے مجال ہے۔ "یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ" اس کی شان ہے۔ اس تمہید کے بعد ذیل میں باب شفاعت کی حدیثیں پڑھیے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِيْ بَعْضٍ فَيَاتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ اِلٰى رَبِّكَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِاِبْرَاهِيْمَ فَاِنَّهٗ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ فَيَاْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى فَاِنَّهٗ كَلِيْمُ اللّٰهِ فَيَاتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَاِنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ' فَيَاتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَيَاتُوْنِيْ فَاَقُوْلُ اَنَا لَهَا فَاَسْتَاذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ وَيُلْهِمُنِيْ مَحَامِدَ اَحْمَدُهٗ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْاٰنَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَاَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ اَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ

تُعْطَهُ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِىْ اُمَّتِىْ فَيُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِىْ قَلْبِهٖ اَدْنٰى اَدْنٰى مِثْقَالَ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّلَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ ائْذَنْ لِىْ فِيْمَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ لَكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِىْ وَجَلَالِىْ وَكِبْرِيَائِىْ وَعَظْمَتِىْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: جب قیامت کا دن ہوگا (اور سب اولین و آخرین میدانِ حشر میں جمع ہوں گے) تو لوگوں میں سخت اضطراب اور اژدھام کی کیفیت ہوگی، پس وہ لوگ (یعنی اہلِ محشر کے کچھ نمائندے) آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے (کہ ہمیں اس حالت سے چھٹکارا ملے) آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں لیکن تم کو چاہیے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں (شاید وہ تمہارے کام آ سکیں) پس وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے سامنے شفاعت کا اپنا سوال رکھیں گے۔ وہ بھی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں لیکن تمہیں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے وہ اللہ کے کلیم ہیں (جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا ہے، شاید وہ تمہارا کام کر سکیں) پس وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے (اور اپنی وہی عرض ان کے سامنے رکھیں گے) وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں لیکن تمہیں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں (یعنی اللہ نے ان کو انسانی پیدائش کے عام مقررہ اسباب کے بغیر صرف اپنے حکم سے پیدا کیا ہے اور ان کو غیر معمولی قسم کی روح اور روحانیت بخشی ہے) تم ان کی خدمت میں جاؤ، شاید وہ تمہارے لیے حق تعالیٰ سے عرض کرنے کی جرأت کر سکیں۔ پس یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے) وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کا اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں تم کو (اللہ کے آخری نبی) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) پھر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے (اور شفاعت کے لیے مجھ سے کہیں گے) پس میں کہوں گا کہ میں اس کام کا ہوں (اور یہ میرا ہی کام ہے) پس میں اپنے رب کریم کی بارگاہِ خاص میں حاضری کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت دے دی جائے گی (میں وہاں حاضر ہو جاؤں گا) اور اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے اپنی کچھ خاص تعریفیں اپنی حمد کے لیے الہام فرمائیں گے (جو اس وقت مجھے معلوم نہیں ہیں) تو اس وقت میں انہی الہامی محامد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کروں گا اور اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا۔ مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ایک ہفتہ تک سجدہ میں پڑے رہیں گے (اس کے بعد) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جائے گا کہ اے محمد! سر اُٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری مانی جائے گی، پس میں کہوں گا اے پروردگار! میری اُمت! میری اُمت! (یعنی میری اُمت پر آج رحم فرمایا جائے اور اس کو بخش دیا

جائے) پس مجھ سے کہا جائے گا جاؤ اور جس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اس کو نکال لو پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نکال لاؤں گا) اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعے اس کی حمد وثناء کروں گا اور اس کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا' اے محمد! سر اُٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو' تمہاری بات سنی جائے گی اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو' تمہاری شفاعت مانی جائے گی۔ پس میں عرض کروں گا اے پروردگار! میری اُمت! میری اُمت! تو مجھ سے فرمایا جائے گا کہ جاؤ اور جن کے دل میں ایک ذرہ کے بقدر (یا فرمایا کہ رائی کے دانہ کے بقدر) بھی ایمان ہو ان کو بھی نکال لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دلوں میں ذرہ برابر یا رائی کے دانہ کے برابر نورِ ایمان ہوگا ان کو بھی نکال لاؤں گا) اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف پھر لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعہ اس کی حمد وثناء کروں گا اور اس کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا' پس مجھ سے فرمایا جائے گا' اے محمد! اپنا سر اُٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو تمہاری سنی جائے گی اور جو مانگنا چاہو مانگو' تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو' تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ پس میں عرض کروں گا' میرے رب! میری اُمت' میری اُمت! پس مجھ سے فرمایا جائے گا جاؤ اور جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کمتر بھی ایمان ہو ان کو بھی نکال لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کمتر بھی ایمان کا نور ہوگا ان کو بھی نکال لاؤں گا) اور اس کے بعد چوتھی دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف لوٹ آؤں گا اور ان ہی الہامی محامد کے ذریعے اس کی حمد کروں گا۔ پھر اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا' پس مجھ سے فرمایا جائے گا اے محمد! اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو تمہاری سنی جائے گی اور جو مانگنا چاہو مانگو تم کو دیا جائے گا اور جو سفارش کرنا چاہو کرو' تمہاری سفارش مانی جائے گی۔ پس میں عرض کروں گا کہ اے پروردگار! مجھے اجازت دیجئے کہ ان سب کے حق میں جنہوں نے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** کہا ہو' اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ کام تمہارا نہیں ہے لیکن میری عزت وجلال اور میری عظمت وکبریائی کی قسم' میں خود دوزخ سے ان سب کو نکال لوں گا جنہوں نے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** کہا ہو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... اس حدیث میں چند باتیں تشریح طلب ہیں:

۱)...... حدیث میں جَو کے برابر' رائی کے دانہ کے برابر اور رائی کے دانہ سے کم سے کمتر' دل میں ایمان ہونے کا جو ذکر ہے اس سے مراد نورِ ایمان اور ثمرات ایمان کے خاص خاص درجے ہیں جن کا ادراک ہم کو تو نہیں ہوتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت اس وقت اس کا ادراک کرلے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان درجوں والوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکال لائیں گے۔

۲)...... حدیث کے آخری حصے میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے لیے تین دفعہ شفاعت فرمانے کے بعد چوتھی دفعہ حق تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں اجازت دی جائے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو۔ اس کا مطلب بظاہر یہ ہے جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید کو تو قبول کرلیا اور ایمان لے آئے لیکن دوزخ سے نجات پانے اور جنت میں جانے کے لیے جو اور اعمال کرنا چاہیے تھے وہ انہوں نے بالکل نہیں کیے تو مطلب

یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنے کی اجازت چاہیں گے جن کے پاس کسی درجہ کا مجرد ایمان اور توحید کا اعتقاد تو ہوگا لیکن عمل خیر سے وہ بالکل خالی ہوں گے۔ (بخاری و مسلم ہی کی ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں غالباً اسی گروہ کے حق میں "لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ" کے الفاظ آئے ہیں جن کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "لَيْسَ ذَالِكَ لَكَ"، یعنی ان مسکینوں کو جہنم سے نکالنے کا کام میں نے آپ کے لیے نہیں رکھا' یا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہے بلکہ یہ کام میری عزت وجلال اور میری عظمت و کبریائی اور شان "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" کے لیے ہی سزاوار ہے اس لیے اس کو میں خود ہی کروں گا۔ اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لا کر احکام کی تعمیل بالکل نہیں کی' ایسوں کو دوزخ سے نکالنا پیغمبر کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس درجہ کا عفوو درگزر اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے۔ واللہ اعلم

۳)...... معلوم ہوتا ہے اس روایت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں آدم علیہ السلام کے بعد اور ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اہل محشر کے نوح علیہ السلام کی خدمت میں بھی حاضر ہونے کا ذکر ہے جو اس میں نہیں ہے۔ نیز اس میں صرف اپنی اُمت کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذکر ہے حالانکہ قرین قیاس یہ ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام اہل محشر کے لیے حساب اور فیصلہ کی شفاعت فرمائیں گے جس کو "شفاعت کبریٰ" کہتے ہیں۔ پھر جب حساب کے نتیجہ میں بہت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف بھیج دیئے جائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرانے کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ واللہ اعلم

۴)...... اہل محشر کے جو نمائندے کسی شفیع کی تلاش میں نکلیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دل میں یہی ڈالے گا کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر ان کی رہنمائی اور مشورہ سے نوح علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر اسی طرح ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی خدمت میں حاضر ہوں یہ سب منجانب اللہ اس دن اس لیے ہوگا کہ عملی طور پر سب کو معلوم ہو جائے کہ اس شفاعت کا منصب اور "مقام محمود" اس کے آخری نبی کے لیے مخصوص ہے۔

بہرحال اس دن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رفعت مقام کے برسر محشر اظہار کیلئے ہوگا۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرَجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِىْ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِىْ يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ. (رواه البخارى)

ران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک گروہ میری اُمت میں سے میری شفاعت سے دوزخ سے نکالا جائے گا جن کو "جہنمیوں" کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ (بخاری)

تشریح:...... ان کی توہین و تنقیص نہ ہوگی بلکہ جہنم سے نکالے جانے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ جائے گا جو ان کے لیے خوشی کا باعث ہوگا کیوں کہ یہ اللہ کے کرم کو یاد دلائے گا۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِىْ آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّىْ فَخَيَّرَنِىْ بَيْنَ اَنْ يُدْخِلَ نِصْفَ اُمَّتِى الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِىَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا پیغام لے کر آیا۔ اس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ میں ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کرلوں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ میری نصف اُمت کو جنت میں داخل فرمادیں یا یہ کہ مجھے شفاعت کا موقع ملے تو میں نے حق شفاعت کو اختیار کرلیا اور میری شفاعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو (ایمان اور توحید کی میری دعوت کو قبول کرکے) اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ اَوْ نَفْسِهٖ. (رواه البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے بہرہ مند وہی ہوں گے جنہوں نے خلوص قلب سے لا الٰہ اِلا اللہ کہا ہو۔ (بخاری)

تشریح:...... اس حدیث کا بھی مطلب وہی ہے جو اوپر والی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمایا گیا یعنی جو شرک کی بیماری میں مبتلا ہوگا اس کو شفاعت سے فائدہ نہ ہوگا' ہاں اگر شرک سے پاک ہوگیا ہے اور دوسرے قسم کے گناہ ہیں تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے فائدہ ہوگا۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَفَاعَتِىْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِىْ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری اُمت کے ان لوگوں کے حق میں ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔ (ترمذی وابوداؤد) اس حدیث کو ابن ماجہ نے بجائے حضرت انس کے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح:...... اس قسم کی حدیثوں سے نڈر اور بے خوف ہوکر گناہوں پر اور زیادہ جری ہوجانا بڑا کمینہ پن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے شامت نفس سے گناہ ہوجائیں وہ بھی مایوس اور نا اُمید نہ ہوں' میں ان کی شفاعت کروں گا اس لیے وہ شفاعت کا استحقاق پیدا کرنے کے لیے اللہ کے ساتھ اپنے بندگی کے تعلق کو اور میرے اُمتی ہونے کے تعلق کو درست کرنے کی فکر کریں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِىْ اِبْرَاهِيْمَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ وَقَالَ عِيْسٰى اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اُمَّتِىْ اُمَّتِىْ وَبَكٰى فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا جِبْرَئِيْلُ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ.

وَرَبُّکَ اَعْلَمُ. فَسَئَلَهُ مَا يُبْكِيهِ فَاَتَاهُ جِبْرَئِيلُ فَسَأَلَهُ فَاَخْبَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللّٰهُ لِجِبْرَئِيلَ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُ كَ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ آیت تلاوت فرمائی:

”رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ“ (ابراهیم: ۳۶)

(میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے یعنی ان کی وجہ سے بہت سے آدمی گمراہ ہوئے، پس جو لوگ میری پیروی کریں وہی میرے ہیں۔ پس ان کے لیے تو میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ ان کو تو بخش ہی دے) اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بھی تلاوت فرمایا جو قرآن پاک میں ہے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ. (المائدہ: ۱۱۸)

”اے اللہ! اگر میری اُمت کے ان لوگوں کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں (یعنی آپ کو عذاب وسزا کا پورا حق ہے)“ یہ دونوں آیتیں تلاوت فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو یاد کیا اور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور کہا: اے میرے اللہ! میری اُمت، میری اُمت! اور آپ اس دعا میں روئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا، تم محمد کے پاس جاؤ اور اگرچہ تمہارا رب سب کچھ خوب جانتا ہے مگر پھر بھی تم جا کر ہماری طرف سے پوچھو کہ ان کے اس رونے کا کیا سبب ہے؟ پس جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو وہ بتلا دیا جو اللہ سے عرض کیا تھا (یعنی یہ کہ اس وقت میرے رونے کا سبب اُمت کی فکر ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا) تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ محمد کے پاس جاؤ اور ان کو ہماری طرف سے کہو کہ تمہاری اُمت کے بارے میں ہم تمہیں راضی اور خوش کر دیں گے اور تمہیں رنجیدہ اور غمگین نہیں کریں گے۔ (مسلم)

تشریح:...... حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی دو آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ ایک سورہ ابراہیم کی آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم اور اپنی اُمت کے بارے میں عرض کیا کہ ”فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“ (یعنی ان میں سے جن لوگوں نے میری بات مانی وہ تو میرے ہیں (اور میں ان کے لیے آپ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں) اور جنہوں نے میری نافرمانی کی تو آپ غفور رحیم ہیں چاہیں تو ان کو بھی بخش سکتے ہیں) اور دوسری آیت سورہ مائدہ کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے کہ وہ اپنے گمراہ اُمتیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ”اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ“ (اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ کو عذاب دینے کا پورا حق ہے اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ غالب ہیں (سب کچھ کر سکتے ہیں) اور حکیم ہیں (جو کچھ کریں گے حکمت کے مطابق ہی ہوگا)۔ ان دونوں آیتوں میں اللہ کے دونوں جلیل القدر پیغمبروں نے پورے ادب اور

بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی اپنی اُمتوں کے خطا کار لوگوں کے لیے دبے لفظوں میں سفارش کی ہے۔

ان آیتوں کی تلاوت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کا مسئلہ یاد دلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا کر اور رو کر بارگاہِ الٰہی میں اپنی فکر کو عرض کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور خوشی کے مطابق ہی طے کر دیا جائے گا اور اس معاملہ کی وجہ سے آپ کو رنجیدہ اور غمگین ہونا نہیں پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر پیغمبر کو اپنی اُمت کے بلکہ ہر مقتداء کو اپنے متبعین اور منتسبین کے ساتھ ایک خاص قسم کی شفقت کا تعلق ہوتا ہے جس طرح کہ ہر شخص کو اپنی اولاد کے ساتھ ایک خاص تعلق ہوتا ہے جو دوسرے انسانوں کے ساتھ نہیں ہوتا اور اس تعلق کی وجہ سے ان کی قدرتی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے چھٹکارا پائیں اور اس شفقت اور رأفت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب پیغمبروں سے بڑھے ہوئے ہیں اور اس لیے قدرتی طور پر آپ کی یہ بڑی خواہش ہے جو مختلف موقعوں پر بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت دوزخ میں نہ جائے اور جن کی بدعملی اس درجہ کی ہو کہ ان کا دوزخ میں ڈالا جانا اور کچھ عذاب پانا ناگزیر ہو ان کو کچھ سزا پانے کے بعد نکال لیا جائے۔ چنانچہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کو پورا فرمائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بہت سے لوگ جہنم سے بچ جائیں گے اور بہت سے ڈالے جانے کے بعد نکال لیے جائیں گے۔

شفاعت کے سلسلے کی حدیثوں میں صحیح مسلم کی یہ حدیث ہم جیسے خطا کاروں' گنہگاروں کے لیے بڑا سہارا ہے اور اس میں بڑی بشارت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سن کر فرمایا: میں تو جب مطمئن اور خوش ہوں گا جب میرا کوئی اُمتی بھی دوزخ میں نہیں رہے گا۔ ع

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَةٌ اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت میں تین طرح کے لوگ (خصوصیت سے) شفاعت کریں گے' انبیاء علیہم السلام' پھر دین کا علم رکھنے والے اور پھر شہداء۔" (ابن ماجہ)

تشریح:...... حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان تین گروہوں سے باہر کا کوئی شخص کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ خاص شفاعت انہی تین گروہ والوں کی ہوگی لیکن ان کے علاوہ بعض ان صالحین کو بھی اذن شفاعت ملے گا جو ان تینوں میں سے کسی گروہ میں بھی نہیں ہوں گے بلکہ جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے چھوٹے بچے بھی اپنے ماں باپ کی سفارش کریں گے اور اعمال صالحہ کی بھی شفاعت ہوگی۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اُمَّتِىْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَمِنْهُمْ مَنْ

يَّشْفَعُ لِلْقَبِيْلَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْعَصَبَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ. (رواه الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میری اُمت میں بعض افراد وہ ہوں گے جو جماعتوں اور قوموں کی شفاعت کریں گے (یعنی ان کا مقام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوموں کی شفاعت کی اجازت دے گا اور قوموں کے حق میں ان کی سفارش قبول فرمائے گا) اور بعض وہ ہوں گے جو عصبہ (یعنی دس سے چالیس تک کی تعداد والی کسی پارٹی) کے بارے میں شفاعت کریں گے اور بعض وہ ہوں گے جو ایک آدمی کی سفارش کرسکیں گے (اور اللہ تعالیٰ ان سب کی شفاعتیں قبول فرمائے گا) یہاں تک کہ سب جنت میں پہنچ جائیں گے۔ (ترمذی)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَفُّ اَهْلُ النَّارِ فَيَمُرُّبِهِمُ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِىْ اَنَا الَّذِىْ سَقَيْتُكَ شَرْبَةً وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَنَا الَّذِىْ وَهَبْتُ لَكَ وَضُوْءً فَيَشْفَعُ لَهٗ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ. (رواه ابن ماجه)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: آخرت میں صف باندھے کھڑے کیے جائیں گے اہل دوزخ (یعنی اہل ایمان میں سے کچھ گنہگار لوگ جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں سزا پانے کے مستحق ہوں گے، وہ آخرت میں کسی موقع پر صف باندھے کھڑے ہوں گے) پس ایک شخص اہل جنت میں اس کے پاس سے گزرے گا تو صف والوں میں سے ایک شخص اس گزرنے والے جنتی کو پکار کر کہے گا' اے فلاں! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ ہوں کہ ایک دفعہ میں نے تم کو پانی پلایا تھا (یا شربت وغیرہ پینے کی کوئی اچھی چیز پلائی تھی) اور اسی صف والوں میں سے کوئی اور کہے گا کہ میں نے تمہیں وضو کے لیے پانی دیا تھا' پس یہ شخص ان لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے گا اور ان کو جنت میں داخل کرادے گا۔ (ابن ماجہ)

تشریح:......اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں صالحین سے محبت اور قربت کا تعلق اپنی عملی کوتاہیوں کے باوجود بھی ان شاءاللہ بہت کچھ کام آنے والا ہے۔ بشرطیکہ ایمان نصیب ہو۔ افسوس! ان چیزوں میں جس طرح بہت سے جاہل عوام سخت غلو اور افراط میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے ہیں' اسی طرح ہمارے زمانے کے بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے سخت تفریط میں مبتلا ہیں۔

جنت کی عجیب الشان نعمتیں

عالم آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مؤمن کے لیے ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن و مسلم نہیں ہوسکتا ان ہی میں سے جنت و دوزخ بھی ہیں اور یہی دونوں مقام انسانوں کا آخری اور پھر ابدی ٹھکانا ہیں۔ قرآن مجید میں بھی جنت اور اس کی نعمتوں کا اور دوزخ اور اس کی تکلیفوں کا ذکر اتنی کثرت سے کیا گیا ہے اور ان دونوں کے متعلق اتنا کچھ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اس سلسلے کی سب آیتوں کو ایک جگہ جمع کردیا جائے تو صرف انہی سے اچھی خاصی ایک کتاب تیار ہوجائے۔

اسی طرح کتب حدیث میں بھی جنت و دوزخ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدہا حدیثیں محفوظ ہیں جن سے ان دونوں کے متعلق کافی معلومات مل جاتی ہیں۔ پھر بھی یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ قرآن مجید میں اور اسی طرح احادیث میں جنت و دوزخ

کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کی پوری اور اصلی حقیقت کا علم وہاں پہنچ کر اور مشاہدہ کے بعد ہی حاصل ہو سکے گا' جنت تو جنت ہے اگر کوئی شخص ہماری اس دنیا ہی کے کسی بارونق شہر کے بازاروں کا اور وہاں کے باغوں اور گلزاروں کا ذکر ہمارے سامنے کرے تو اس کے بیان سے جو تصور ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے ہمیشہ کا تجربہ ہے کہ وہ اصل کے مقابلہ میں ہمیشہ بہت ناقص ہوتا ہے۔ بہرحال اس نفس الامری حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن وحدیث میں جنت یا دوزخ کے بیان کو پڑھنا چاہیے۔

دراصل آیات یا احادیث میں جنت اور دوزخ کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اس کا یہ مقصد ہی نہیں ہے کہ لوگوں کے سامنے وہاں کا مکمل جغرافیہ اور وہاں کے احوال کا پورا نقشہ آ جائے بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں میں دوزخ اور اس کے عذاب کا خوف پیدا ہو اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو دوزخ میں لے جانے والی ہیں اور جنت اور اس کی بہاروں اور لذتوں کا شوق ابھرے تاکہ وہ اچھے اعمال اختیار کریں جو جنت میں پہنچانے والے ہیں اور وہاں کی نعمتوں کا مستحق بنانے والے ہیں۔ پس اس سلسلہ کی آیات اور احادیث کا اصلی حق یہی ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے شوق اور خوف کی یہ کیفیتیں پیدا ہوں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ یا خیال ہی گزرا ہے اور اگر تم چاہو تو پڑھو قرآن کی یہ آیت: "**فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ**" (جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی بھی ان نعمتوں کو نہیں جانتا جو ان بندوں کے لیے (جو راہِ خدا میں اپنا محبوب مال خرچ کرنے والے ہیں اور راتوں کو عبادت خداوندی میں مصروف رہنے والے ہیں) چھپا کے اور محفوظ کر کے رکھی گئی ہیں جن میں ان کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک کا سامان ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... یہ حدیث قدسی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات اس تصریح کے ساتھ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے (اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو) تو ایسی حدیث کو "حدیث قدسی" کہتے ہیں۔ یہ حدیث شریف بھی اسی قسم کی ہے اس میں اللہ کے بندوں کے لیے بشارت اور خوشی کا ایک عام اور ظاہر پہلو تو یہ ہے کہ دارِ آخرت میں ان کو ایسی اعلیٰ قسم کی نعمتیں ملیں گی جو دنیا میں بھی کسی کو نصیب نہیں ہوئیں بلکہ کسی آنکھ نے بھی ان کو نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے ان کا حال سنا اور نہ کبھی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی آیا اور بشارت و مسرت کا دوسرا خاص پہلو' محبت و شفقت اور عنایت و کرم سے بھرے ہوئے رب کریم کے ان الفاظ میں ہے کہ "**اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیْ**" (میں نے اپنے بندوں کے لیے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں۔ الخ) قربان ہوں بندے اپنے رب کریم کے اس کرم پر۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِی الْجَنَّةِ

خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جنت میں ایک کوڑے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔“ (بخاری ومسلم شریف)

تشریح:...... عرب کا یہ رواج تھا کہ جب چند سواروں کا قافلہ چلتا تو جو سوار منزل پر اترتے وقت جہاں قیام کرنا چاہتا وہاں اپنا کوڑا ڈال دیتا، پھر وہ جگہ اسی کی سمجھی جاتی اور کوئی دوسرا اس پر قبضہ نہ کرتا تو اس حدیث میں کوڑے کی جگہ سے مراد دراصل اتنی مختصر سی جگہ ہے جو کوڑا ڈال دینے سے کوڑا والے سوار کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے جس میں وہ اپنا بستر لگالے یا خیمہ ڈال لے تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جنت کی تھوڑی سے تھوڑی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر اور زیادہ قیمتی ہے اور اس میں کیا شبہ ہے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے فانی ہے اور جنت اور اس کی ہر نعمت باقی ہے اور فانی اور باقی کا کیا مقابلہ۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدْوَةٌ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا وَلَوْ اَنَّ امْرَاَةً مِنْ نِّسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَائَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا. (رواه البخارى)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راہِ خدا میں ایک دفعہ صبح کا نکلنا یا شام کا نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اگر اہل جنت کی بیویوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان (یعنی جنت سے لے کر زمین تک) روشنی ہی روشنی ہو جائے اور مہک اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کی صرف اوڑھنی بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری)

تشریح:...... حدیث کے ابتدائی حصے میں راہِ خدا میں نکلنے کی یعنی خدمت دین کے کسی سلسلہ میں سفر کرنے اور چلنے پھرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ صبح کا یا شام کا نکلنا بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور یہاں صبح شام کا ذکر غالباً صرف اس لیے کر دیا گیا ہے کہ صبح یا شام ہی کو سفر پر روانہ ہونے کا دستور تھا ورنہ اگر کوئی شخص مثلاً دن کے درمیانی حصے میں خدمت دین کے کسی سلسلے میں جائے تو یقیناً اس کے اس جانے کی بھی وہی فضیلت ہے۔ پھر حدیث کے دوسرے حصے میں اہل جنت کی جنتی بیویوں کے غیر معمولی حسن و جمال اور ان کے لباس کی قدر و قیمت کا ذکر کیا گیا ہے اور اس موقع پر اس کے ذکر کرنے کا مقصد غالباً اہل ایمان کو خدمت دین کے سلسلے کے کاموں کے لیے گھر چھوڑ کر نکلنے کی ترغیب دینا اور یہ بتلانا ہے کہ اگر تم اپنے گھروں اور گھر والیوں کو عارضی طور پر چھوڑ کر تھوڑے سے وقت کے لیے بھی راہِ خدا میں نکلو گے تو جنت میں ایسی بیویاں ہمیشہ ہمیشہ تمہاری رفیق اور زندگی کی شریک رہیں گی جن کے حسن و جمال کا یہ عالم ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اس زمین کی طرف ذرا جھانکے تو زمین اور آسمان کے درمیان کی ساری فضا روشن اور معطر ہو جائے اور جن کا لباس اس قدر قیمتی ہے کہ صرف سر کی اوڑھنی اس دنیا و مافیہا سے بہتر اور بیش قیمت ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِى الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِىْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ فِى الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا

طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ اَوْ تَغْرُبُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اس کے سایے میں سو سال چلے اور پھر بھی اس کو پار نہ کر سکے اور جنت میں تم میں سے کسی کی کمان کے بقدر جگہ بھی اس ساری کائنات سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... حدیث کا مقصد دنیا اور اس کی راحتوں اور لذتوں کے مقابلے میں جنت اور اس کی نعمتوں کی بالاتری بیان فرما کے اس کا شوق دلوں میں پیدا کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اور راحت کے جو سامان اپنے بندوں کے لیے جنت میں پیدا کیے ہیں ان میں سے ایک جنت کے وہ طویل وعریض سایہ دار درخت ہیں جن کا سایہ اتنے وسیع رقبہ پر پڑتا ہے کہ سوار سو سال میں بھی اس کو طے نہیں کر سکتا اور دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جنت میں ایک کمان کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ ابھی اوپر عرب کے اس دستور کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ کوئی سوار جب کہیں اترنا چاہتا تھا تو اس جگہ اپنا کوڑا ڈال دیتا تھا اس سے اس جگہ پر اس کا حق قائم ہو جاتا تھا۔ اسی طرح کا ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی پیدل آدمی کسی جگہ منزل کرنا چاہتا تھا تو وہ اپنی کمان وہاں ڈال دیتا تھا اور اس طرح وہ جگہ اس کے لیے مخصوص ہو جاتی تھی۔ پس اس حدیث میں کمان کی جگہ سے مراد گویا ایک آدمی کی منزل ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک پیادہ مسافر کمان ڈال کے جتنی جگہ کا مستحق ہو جاتا ہے جنت کی اتنی مختصری جگہ بھی اس دنیا کی اس ساری کائنات سے زیادہ قیمتی اور بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَأْكُلُوْنَ فِيْهَا وَيَشْرَبُوْنَ وَلَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُ الطَّعَامِ قَالَ جُشَاءٌ وَرَشْحٌ كَرَشْحِ الْمِسْكِ يُلْهَمُوْنَ التَّسْبِيْحَ وَالتَّحْمِيْدَ كَمَا تُلْهَمُوْنَ النَّفَسَ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اہل جنت جنت میں کھائیں گے بھی اور پئیں گے بھی لیکن نہ تو انہیں تھوک آئے گا اور نہ پیشاب پاخانہ ہوگا اور نہ ان کی ناک سے ریزش آئے گی۔ (مسلم شریف)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جنت کی ہر غذا کثیف مادہ سے پاک ایسی لطیف اور نورانی ہوگی کہ پیٹ میں اس کا کوئی فضلہ تیار نہیں ہوگا بس ایک خوشگوار ڈکار کے آنے سے معدہ خالی اور ہلکا ہو جایا کرے گا اور کچھ پسینے کے راستے نکلا جایا کرے گا لیکن اس پسینہ میں بھی مشک کی سی خوشبو ہوگی اور اس دنیا میں جس طرح آپ سے آپ ہمارے اندر سے باہر اور باہر سے اندر سانس کی آمد و رفت ہے جنت میں اسی طرح اللہ کا ذکر جاری ہوگا اور سبحان اللہ والحمد للہ یا سبحان اللہ وبحمدہ سانس کی طرح ہر دم جاری رہے گا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، يُنَادِیْ مُنَادٍ اَنَّ لَكُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَحْيَوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا وَّاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَشِبُّوْا فَلَا تَهْرَمُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَنْعِمُوْا فَلَا تَبْاَسُوْا اَبَدًا. (رواه مسلم)

حضرت ابو سعید اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے یہ دونوں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا جنت میں جنتیوں کو مخاطب کر کے پکارے گا کہ یہاں صحت ہی تمہارا حق ہے اور تندرستی ہی تمہارے لیے مقدر ہے اس لیے اب تم کبھی بیمار نہ پڑو گے اور یہاں تمہارے لیے زندگی اور حیات ہی ہے اس لیے اب تمہیں موت کبھی نہ آئے گی اور تمہارے واسطے جوانی اور شباب ہی ہے اس لیے اب کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا اور تمہارے واسطے یہاں چین اور عیش ہی ہے اس لیے اب کبھی تمہیں کوئی تنگی اور تکلیف نہ ہوگی۔ (مسلم شریف)

تشریح:...... جنت صرف آرام اور راحت کا گھر ہے اس لیے وہاں کسی تکلیف کا اور کسی تکلیف دہ حالت کا گزر نہ ہوگا نہ وہاں بیماری ہوگی نہ موت آئے گی نہ بڑھاپا کسی کو ستائے گا نہ کسی اور قسم کی کوئی تنگی اور پریشانی کسی کو لاحق ہوگی اور جنتی بندے جب جنت میں پہنچیں گے تو شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابدی حیات اور ابدی راحت کی یہ بشارت سنا کر ان کو مطمئن کر دیا جائے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا خُلِقَ الْخَلْقُ؟ قَالَ مِنَ الْمَاءِ قُلْنَا اَلْجَنَّةُ مَا بِنَاءُ هَا قَالَ لِبْنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَلِبْنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْاَذْفَرُ وَحَسْبَاءُ هَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوْتُ وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ يَّدْخُلُهَا يَنْعَمُ وَلَا يَبْاَسُ وَيَخْلُدُ وَلَا يَمُوْتُ وَلَا يَبْلٰى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهُمْ. (رواه احمد والترمذی والدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی سے، پھر ہم نے عرض کیا کہ جنت کس چیز سے بنی (یعنی اس کی تعمیر پتھروں سے ہوئی یا اینٹوں سے یا کس چیز سے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کی تعمیر اس طرح ہے کہ ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی اور اس کا مسالہ (جس سے اینٹوں کو جوڑا گیا ہے) تیز خوشبودار مشک ہے اور وہاں کے سنگریزے جو بچھے ہوئے ہیں وہ موتی اور یاقوت ہیں اور وہاں کی خاک گویا زعفران ہے جو لوگ اس جنت میں پہنچیں گے ہمیشہ عیش اور چین سے رہیں گے اور کوئی تنگی، تکلیف ان کو نہ ہوگی اور ہمیشہ زندہ رہیں گے وہاں ان کو موت نہیں آئے گی اور کبھی ان کے کپڑے پرانے اور خستہ نہ ہوں گے اور ان کی جوانی کبھی زائل نہ ہوگی۔ (رواہ احمد والترمذی والدارمی)

تشریح:...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عام مخلوق پانی سے پیدا کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی پیدا کیا اور پھر اس سے اور مخلوق وجود میں آئی۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

"وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ" (النور:۴۵) اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ." (الانبیاء:۳۰) جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر جاندار پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر دوسرے سوال کے جواب میں جنت کی تعمیر اور وہاں کے فرش اور وہاں کی خاک کے متعلق جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، اس کی اصلی حقیقت اور کیفیت مشاہدے ہی سے معلوم ہوگی۔ البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ جنت کی تعمیر اس طرح نہیں ہوئی ہے کہ کسی عملے نے اسے بنایا ہو جس طرح ہماری اس دنیا میں عمارتیں بنتی ہیں بلکہ جنت اور اس کی ہر چیز معماروں اور صناعوں کے توسط کے بغیر اللہ کے حکم سے بنی ہے جس

طرح زمین و آسمان اور آسمان کے ستارے، آفتاب و ماہتاب وغیرہ سب براہِ راست اللہ کے حکم سے بنے ہیں۔

"اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" (یٰسین: ۸۲)

اہل جنت کیلئے بڑی نعمت

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِىْ يَدَيْكَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَضِيْتُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰى يَا رَبِّ وَقَدْ اَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ اَلَا اُعْطِيْكُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذَالِكَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ يَا رَبِّ وَاَىُّ شَيْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِىْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ (جنتی جب جنت میں پہنچ جائیں گے اور وہاں کی نعمتیں ان کو عطا ہو جائیں گی تو) اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کر کے فرمائیں گے کہ اے اہل جنت! وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں، آپ کی بارگاہ قدس میں اور ساری خیر اور سب بھلائی، آپ ہی کے قبضے میں ہے (جس کو چاہیں عطا فرمائیں یا عطا نہ فرمائیں) پھر اللہ تعالیٰ ان بندوں سے فرمائیں گے تم خوش ہو؟ (یعنی جنت اور جو نعمتیں جنت میں تم کو دی گئی، تم ان سے راضی ہو؟) یہ جنتی بندے عرض کریں گے اے پروردگار! جب آپ نے ہمیں یہاں وہ کچھ نصیب فرمایا جو اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا تھا (یعنی آپ کی بخشش اور آپ کے کرم سے جب یہاں ہمیں وہ نعمتیں اور وہ راحتیں اور لذتیں نصیب ہیں جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے کو بھی نصیب نہیں تھیں) تو ہم کیوں راضی اور خوش نہ ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کیا میں تمہیں اس سب سے اعلیٰ و افضل ایک چیز اور دوں؟ وہ بندے عرض کریں گے کہ خداوند! کیا چیز ہے جو اس جنت اور اس کی ان نعمتوں سے بھی افضل ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تم کو اب اپنی دائمی اور ابدی رضامندی اور خوشنودی کا تحفہ دیتا ہوں اس کے بعد اب میں کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... جنت اور اس کی ساری نعمتیں عطا فرمانے کے بعد اس رب کریم کا اپنے بندوں سے پوچھنا کہ "تم راضی ہو، خوش اور مطمئن ہو؟" بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے اور پھر دائمی رضا کا تحفہ اور کبھی ناراض نہ ہونے کا اعلان، کتنا بڑا انعام اور احسان ہے اس سے جو لذت اور مسرت اہل جنت کو اس وقت حاصل ہوگی اگر اس کا ایک ذرہ اس دنیا میں ہم پر منکشف کر دیا جائے تو دنیا کی کسی لذت اور مسرت کی چاہت ہمارے دلوں میں نہ رہے۔ بیشک اللہ کی رضا، جنت اور اس کی ساری نعمتوں سے بہت ہی اعلیٰ و بالا ہے۔ "وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ" اور لذت و مسرت میں اعلان رضا سے بڑھ کر صرف "دیدارِ الٰہی" ہے۔

عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَتُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ، قَالَ

فَيُرْفَعُ الْحِجَابُ فَيَنْظُرُوْنَ اِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظْرِ اِلٰى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ" (رواه مسلم)

حضرت صہیب رومی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے کیا تم چاہتے ہو میں تم کو ایک چیز مزید عطا کروں؟ (یعنی تم کو جو کچھ اب تک عطا ہوا اس پر مزید اور اس سے سوا ایک خاص چیز اور عنایت کروں) وہ بندے عرض کریں گے آپ نے ہمارے چہرے روشن کیے (یعنی سرخروئی اور خوبروئی عطا فرمائی) اور دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا (اب اس کے آگے اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس کی ہم خواہش کریں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان بندوں کے اس جواب کے بعد یکایک حجاب اُٹھ جائے گا (یعنی ان کا آنکھوں سے پردہ اُٹھا دیا جائے گا) پس وہ روئے حق اور جمال الٰہی کو بے پردہ دیکھیں گے پس ان کا حال یہ ہوگا (اور وہ محسوس کریں گے) کہ جو کچھ اب تک انہیں ملا تھا اس سب سے زیادہ محبوب اور پیاری چیز ان کے لیے یہی دیدار کی نعمت ہے یہ بیان فرما کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ" (جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھی بندگی والی زندگی گزاری ان کے لیے اچھی جگہ (یعنی جنت ومافیہا) اور اس پر مزید ایک نعمت (یعنی دیدارِ حق)۔ (مسلم)

تشریح: ...... آنکھوں سے پردہ اُٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دفعۃً ان کی آنکھوں کو بینائی کی ایسی طاقت عطا فرما دے گا کہ وہ روئے حق کا نظارہ کر سکیں گی۔ واللہ اعلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں جو آیت تلاوت فرمائی اس کے ذریعہ یہ بتلایا ہے کہ اس آیت میں ''زیادۃ'' سے مراد حق تعالیٰ کے دیدار کی نعمت ہے جو جنت اور نعمائے جنت کے علاوہ اور ان سے سوا ہے۔

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا، ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ (ایک رات کو) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف دیکھا اور یہ چودھویں رات تھی (اور چودھویں کا چاند پوری آب وتاب کے ساتھ اور بھرپور نکلا ہوا تھا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یقیناً تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جیسے کہ اس چاند کو دیکھ رہے ہو تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی کشمکش نہیں کرنی پڑے گی اور کوئی زحمت نہ ہوگی۔ پس اگر تم یہ کر سکو کہ طلوع آفتاب سے پہلی نماز اور غروب آفتاب سے پہلی والی نماز کے مقابلے میں کوئی چیز کبھی تم پر غالب نہ آئے (یعنی کوئی مشغلہ اور کوئی دلچسپی اور آرام طلبی ان نمازوں کے وقت میں تمہیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے) تو لازماً ایسا کرو (پھر ان شاء اللہ دیدارِ حق اور نظارۂ جمال الٰہی کی نعمت ضرور تم کو نصیب ہوگی) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت

پڑھی: ”وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا“ (یعنی اس کی تعریف بیان کرنے کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو) سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے)۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:......دنیا میں جب کسی حسین وجمیل چیز کے دیکھنے والے لاکھوں کروڑوں جمع ہو جائیں اور سب اس کے دیکھنے کے انتہائی درجہ میں مشتاق ہوں تو ایسے موقعوں پر عموماً بڑی کشمکش اور بڑی زحمت ہوتی ہے اور اس چیز کو اچھی طرح دیکھنا بھی مشکل ہوتا ہے لیکن چاند کا معاملہ یہ ہے کہ اس کو مشرق ومغرب کے آدمی بغیر کسی کشمکش اور زحمت کے اور پورے اطمینان سے بیک وقت دیکھ سکتے ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مثال سے سمجھایا کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار اسی طرح بیک وقت اس کے بے شمار خوش نصیب بندوں کو نصیب ہوگا اور کسی کو کشمکش اور زحمت سے سابقہ نہیں پڑے گا' سب کی آنکھیں بڑے سکون واطمینان سے وہاں جمال حق کے نظارہ کی لذت حاصل کریں گی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے عمل کی طرف بھی توجہ دلائی جو بندہ کو اس نعمت (دیدارِ حق) کا مستحق بنانے میں خاص اثر رکھتا ہے یعنی فجر وعصر کی نمازوں کا خصوصیت سے ایسا اہتمام کہ کوئی مشغولیت اور کوئی دلچسپی ان نمازوں کے وقت میں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے۔ اگرچہ فرض تو پانچ نمازیں ہیں لیکن نصوص کتاب وسنت ہی سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دو نمازوں کو خاص اہمیت اور فضیلت حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی آیت: ”وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا“ پڑھ کر ان دو نمازوں کی اسی خصوصیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِیْ رَزِیْنٍ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَکُلُّنَا یَرٰی رَبَّهٗ مُخْلِیًا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قَالَ بَلٰی قُلْتُ وَمَا آیَةُ ذَالِکَ؟ قَالَ یَا اَبَا رَزِیْنٍ اَلَیْسَ کُلُّکُمْ یَرَی الْقَمَرَ لَیْلَةَ الْبَدْرِ مُخْلِیًا بِهٖ قَالَ بَلٰی قَالَ فَاِنَّمَا هُوَ خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَجَلُّ وَاَعْظَمُ. (رواہ ابوداؤد)

ابورزین عقیلی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت میں ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کو اکیلا (بغیر بھیڑ بھاڑ اور کشمکش کے) دیکھ سکے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہاں! دیکھ سکے گا۔ میں نے عرض کیا اور کیا اس کی کوئی نشانی اور مثال (ہماری اس دنیا میں بھی ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابورزین! کیا چودھویں رات کو تم میں سے ہر ایک چاند کو بجائے خود اور اکیلا بغیر بھیڑ بھاڑ کے نہیں دیکھتا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں بے شک چاند کو تو ہم سب ہی اسی طرح دیکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تو اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ تو بڑی جلالت والا اور نہایت عظمت والا ہے (پھر اس کے لیے کیا چیز مشکل ہے) (ابوداؤد)

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْاَلُکَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰی وَجْهِکَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِکَ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَارُکُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْاً مِنْ نَّارِ جَهَنَّمَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ کَانَتْ لَکَافِیَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَیْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّ سِتِّیْنَ جُزْاً کُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا. (رواہ البخاری و مسلم واللفظ للبخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری اس دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہی (دنیا کی آگ) کافی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں انہتر ۶۹ درجہ بڑھادی گئی ہے اور ہر درجہ کی حرارت آتش دنیا کی حرارت کے برابر ہے۔ (صحیح بخاری وسلم)

تشریح:...... اس دنیا کی آگ کی قسموں میں بھی درجہ حرارت میں بعض بعض سے بہت بڑھی ہوئی ہیں مثلاً لکڑی کی آگ میں گھاس پھونس کی آگ سے زیادہ گرمی ہوتی ہے اور مثلاً پتھر کے کوئلے کی آگ میں لکڑی کی آگ کے مقابلے میں بہت زیادہ حرارت ہوتی ہے اور بعض بموں سے جو آگ پیدا ہوتی ہے وہ درجہ حرارت میں ان سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور اب تو آلات سے معلوم کرنا بھی آسان ہو گیا ہے کہ ایک آگ دوسری آگ کے مقابلہ میں کتنے درجہ کم یا زیادہ گرم ہے۔ پس اب حدیث کے اس مضمون کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں رہا کہ "دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں ستر درجہ زیادہ حرارت اپنے اندر رکھتی ہے۔"

اور جیسا کہ پہلے بھی کئی بار شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بتلایا گیا ہے کہ عربی زبان میں ایسے موقعوں پر ستر کا عدد کسی چیز کی صرف زیادتی اور کثرت ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں بھی یہ عدد اسی محاورے کے مطابق استعمال کیا گیا ہو۔ اس صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ دوزخ کی آگ اپنی گرمی اور جلانے کی صفت میں دنیا کی آگ سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دوزخ کی آگ کا یہ حال بیان فرمایا تو کسی صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا کی آگ کی حرارت ہی کافی تھی؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور زیادہ واضح لفظوں میں پھر پہلے ہی مضمون کو دُہرایا۔ اس کے علاوہ کوئی اور جواب نہیں دیا۔ غالباً اس طریق جواب سے آپ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ ہمیں اللہ کے افعال اور اس کے فیصلوں کے بارے میں ایسے سوالات نہیں کرنے چاہئیں جو کچھ اس نے کیا ہے اور جو کچھ وہ کرے گا وہی ٹھیک ہے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَا كَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَّاِنَّهُ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کی چپلیں اور ان چپلوں کے تسمے آگ کے ہوں گے، ان کی گرمی سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا اور جوش مارے گا کہ جس طرح چولہے پر دیگچی کھولتی ہے اور اس میں جوش آتا ہے وہ نہیں خیال کرے گا کہ کوئی شخص اس سے زیادہ سخت عذاب میں بھی ہے (یعنی وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں سمجھے گا) حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَاَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّبِكَ

نَعِيمٌ قَطُّ؟ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ! وَيُؤْتٰى بِاَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهٗ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ وَهَلْ مَرَّبِكَ شِدَّةٌ قَطُّ؟ فَيَقُوْلُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا مَرَّبِيْ بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ. (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن اہل دوزخ میں سے (یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے کفروشرک کی وجہ سے یا فسق وفجور کی وجہ سے دوزخ میں جانے والے ہوں گے) ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے اپنی دنیا کی زندگی نہایت عیش وآرام کے ساتھ گزاری ہوگی اور پھر اس کو دوزخ کی آگ میں ایک غوطہ دلایا جائے گا (یعنی جس طرح کپڑے کو رنگتے وقت رنگ میں ڈال کر اور بس ایک ڈوب دے کر نکال لیتے ہیں اسی طرح اس شخص کو دوزخ کی آگ میں ڈال کر فوراً نکال لیا جائے گا) پھر اس سے کہا جائے گا کہ آدم کے فرزند! کیا تونے کبھی خیریت اور اچھی حالت بھی دیکھی ہے؟ اور کیا کبھی عیش وآرام کا کوئی دور تجھ پر گزرا ہے؟ وہ کہے گا کبھی نہیں، قسم خدا کی اے پروردگار! اگر ایک شخص اہل جنت میں سے (یعنی ان خوش نصیب بندوں میں سے جو اپنی ایمان والی زندگی کی وجہ سے جنت کے مستحق ہوں گے) ایسا لایا جائے گا جس کی زندگی دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف میں اور دُکھ میں گزری ہوگی اور اس کو ایک غوطہ جنت میں دیا جائے گا (یعنی جنت کی فضاؤں اور ہواؤں میں پہنچا کر فوراً نکال لیا جائے گا) اور اس سے کہا جائے گا کہ اے آدم کے فرزند! کیا کبھی تونے کوئی دُکھ دیکھا اور کیا تجھ پر کوئی دور شدت اور تکلیف کا گزرا ہے؟ پس وہ کہے گا نہیں، خدا کی قسم اے میرے پروردگار! مجھ پر کبھی کوئی تکلیف نہیں گزری اور میں نے کبھی کسی تکلیف کا منہ نہیں دیکھا۔ (مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ دوزخ کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اس کا ایک لمحہ عمر بھر کے عیش وراحت کو بھلا دے گا اور جنت میں وہ راحت اور عیش ہے کہ اس میں قدم رکھتے ہی آدمی عمر بھر کے سارے دُکھ اور ساری کلفتیں بھول جائے گا۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى حُجْزَتِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى تَرْقُوَتِهٖ. (رواہ مسلم)

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دوزخیوں میں سے بعض وہ ہوں گے کہ جن کو پکڑے گی آگ ان کے ٹخنوں تک اور بعض وہ ہوں گے کہ جن کو پکڑے گی آگ ان کے زانوؤں تک اور بعض وہ ہوں گے جن کو پکڑے گی آگ ان کی کمر تک اور بعض وہ ہوں گے جن کو پکڑے گی آگ ان کی ہنسلی تک۔ (مسلم)

تشریح:...... حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دوزخ میں سب ایک درجہ میں اور ایک ہی حال میں نہیں ہوں گے بلکہ جرائم کی نوعیت کے لحاظ سے ان کے عذاب میں کمی بیشی ہوگی۔ مثلاً کچھ لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ آگ ان کے صرف ٹخنوں تک پہنچے گی اور کچھ لوگوں پر عذاب اس سے زیادہ ہوگا اور آگ ان کے زانوؤں تک پہنچے گی اور کچھ لوگوں پر اس سے بھی زیادہ ہوگا اور آگ ان کی کمر تک پہنچا کرے گی اور کچھ لوگ ان سے بھی سخت تر اور بدتر حالت میں رہیں گے اور آگ ان کی گردن تک پہنچے گی۔ اللّٰهُمَّ احفظنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي النَّارِ

حَيَّاتٍ كَاَمْثَالِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ اِحْدَاهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمْوَتَهَا اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا وَاِنَّ فِى النَّارِ عَقَارِبُ كَاَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُؤْكَفَةِ تَلْسَعُ اِحْدَاهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَمْوَتَهَا اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا. (رواه احمد)

حضرت عبداللہ بن الحارث سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: جہنم میں سانپ ہیں جو اپنی جسامت میں بختی اونٹوں کے برابر ہیں اور وہ اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کا کوئی سانپ جس دوزخی کو ایک دفعہ ڈسے گا تو چالیس سال کی مدت تک وہ اس کے زہر کا اثر پائے گا۔ (احمد)

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ دَلْوًا مِنْ غَسَّاقٍ يُهْرَاقُ فِى الدُّنْيَا لَاَنْتَنَ اَهْلَ الدُّنْيَا. (رواه الترمذی)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: غساق اگر اس کا ایک ڈول اس دنیا پر بہا دیا جائے تو ساری دنیا بدبودار ہو جائے۔ (ترمذی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ "اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّوْمِ قَطَرَتْ فِىْ دَارِ الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ مَعَايِشَهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُوْنُ طَعَامُهٗ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" (اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور فیصلہ کرلو کہ ہرگز نہ مرو گے مگر اس حال میں کہ تم مسلم (اللہ کے فرمانبردار بندے) ہو گے) (اور اللہ سے اس کے عذاب سے ڈرنے کے سلسلے میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ "زقوم" (جس کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ وہ جہنم میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے اور وہ دوزخیوں کی خوراک بنے گا) اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامانِ زندگی کو خراب کر دے۔ پس کیا گزرے گی اس شخص پر جس کا کھانا وہی زقوم ہوگا۔ (ترمذی)

تشریح: ...... مطلب یہ ہے کہ زقوم اس قدر گندی اور زہریلی چیز ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ ہماری اس دنیا میں ٹپک جائے تو یہاں کی تمام چیزیں اس کی بدبو اور گندگی اور زہریلے پن سے متاثر ہو جائیں اور ہمارے کھانے پینے کی ساری چیزیں خراب ہو جائیں۔ پس سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ زقوم جس کو کھانا پڑے گا اس پر کیا گزرے گی۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ ابْكُوْا فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِيْعُوْا فَتَبَاكُوْا فَاِنَّ اَهْلَ النَّارِ يَبْكُوْنَ فِى النَّارِ حَتّٰى تَسِيْلَ دُمُوْعُهُمْ فِىْ وُجُوْهِهِمْ كَاَنَّهَا جَدَاوِلَ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الدُّمُوْعُ فَتَسِيْلُ الدِّمَاءُ فَتَقْرَحُ الْعُيُوْنُ فَلَوْ اَنَّ سُفُنًا اُزْجِيَتْ فِيْهَا لَجَرَتْ. (رواه البغوی فی شرح السنہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے ایک خطاب میں) فرمایا کہ: اے لوگو! (اللہ اور اس کے عذاب کے خوف سے) خوب روؤ اگر تم یہ نہ کرسکو یعنی اگر حقیقی گریہ کی کیفیت تم پر طاری نہ ہو

(کیونکہ وہ ایسی اختیاری چیز نہیں ہے کہ آدمی جب چاہے اس کو اپنے اندر پیدا کر سکے) تو پھر (اللہ کے قہر اور اس کے عذاب کا خیال کر کے) تکلف سے روؤ اور رونے کی شکل بناؤ' کیوں کہ دوزخی دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ ان کے چہروں پر ان کے آنسو ایسے بہیں گے کہ گویا وہ (بہتی ہوئی) نالیاں ہیں یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے اور پھر (آنسوؤں کی جگہ) خون بہے گا اور پھر (اس خون بہنے سے) آنکھوں میں زخم پڑ جائیں گے اور پھر ان زخموں سے اور زیادہ خون جاری ہوگا اور ان دوزخیوں کے ان آنسوؤں اور خونوں کی مجموعی مقدار اتنی ہوگی کہ اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو خوب چلیں۔ (شرح السنہ)

تشریح:...... حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دوزخ میں اتنا دُکھ اور ایسا عذاب ہوگا کہ آنکھیں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم کر کے خون روئیں گی اور اس مسلسل رونے سے ان میں زخم پڑ جائیں گے' پس وہاں کے اس دُکھ اور عذاب سے اور آنسوؤں کا اور خون کا دریا بہانے والے اس رونے سے بچنے کے لیے آدمیوں کو چاہیے کہ وہ یہاں اپنے اندر خدا کا خوف پیدا کریں اور روئیں۔ دوسری ایک حدیث میں ہے کہ "لَا يَلِجُ النَّارَ مَنْ بَكٰى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِى الضَّرْعِ" (رواہ الترمذی والنسائی عن ابی هریرہ' مشکوٰۃ کتاب الجهاد) (یعنی جو یہاں اللہ کے خوف سے روئے گا وہ ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا) بہر حال اللہ کے خوف سے رونا اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنانا' اللہ کے رحم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا خاص ذریعہ ہے اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والے خاص اعمال میں سے ہے۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ فَمَازَالَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى لَوْ قَامَ فِىْ مَقَامِىْ هٰذَا سَمِعَهٗ اَهْلُ السُّوْقِ وَحَتّٰى سَقَطَتْ خَمِيْصَةٌ كَانَتْ عَلَيْهِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ. (رواه الدارمی)

نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے ایک خطاب میں) فرماتے تھے: میں نے تمہیں آتش دوزخ سے خبردار کر دیا ہے' میں نے تمہیں دوزخ کے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے۔ آپ یہی کلمہ بار بار فرماتے تھے (آگے حدیث کے راوی نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بلند آواز سے فرماتے) کہ اگر آپ اس جگہ ہوتے جہاں پر اس وقت میں ہوں (اور یہاں سے فرماتے) تو بازار والے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن لیتے اور (اس وقت آپ پر خود فراموشی کی ایک خاص کیفیت طاری تھی) یہاں تک کہ آپ کی کملی جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوڑھے ہوئے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے پاس آ گری۔ (دارمی)

تشریح:...... بعض خطابات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خاص کیفیت ہوتی تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس کی کوشش فرماتے تھے کہ ان خطابات کی روایت کے وقت اس خاص کیفیت کو بھی کسی طرح نقل کر دیں۔ چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر نے اس حدیث کے بیان میں جو اتنی تفصیل کی تو اس سے ان کا مقصد یہی تھا کہ لوگوں کو یہ بات بتلا دیں کہ اس خطاب کے وقت آپ کی یہ خاص حالت تھی اور دوسروں کو دوزخ سے ڈراتے ہوئے آپ خود اتنے متاثر ہوتے تھے۔

جنت اور دوزخ کیا ہیں؟

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ شہوات ولذات سے گھیر دی گئی ہے اور جنت سختیوں اور مشقتوں سے گھری ہوئی ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ معاصی یعنی جو اعمال انسان کو دوزخ میں پہنچانے والے ہیں ان میں عموماً نفس کی شہوت ولذت کا بڑا سامان ہے اور طاعات یعنی جو اعمال انسان کو جنت کا مستحق بنانے والے ہیں وہ عموماً نفس انسانی کے لیے شاق اور گراں ہیں۔ پس جو شخص نفس کی خواہشوں سے مغلوب ہو کر معاصی کا ارتکاب کرے گا اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور اللہ کا جو بندہ اللہ کی فرمانبرداری کی مشقتوں کو برداشت کرے گا اور خواہشات والی ''خوشگوار اور لذیذ'' زندگی کے بجائے احکام الٰہی کی اطاعت والی مجاہدہ کی زندگی گزارے گا' وہ جنت میں اپنا مقام حاصل کرلے گا۔ اس سے اگلی حدیث میں اسی حقیقت کو ایک اور عنوان سے اور کسی قدر تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا وَ اِلٰى مَا اَعَدَّ اللّٰهُ لِاَهْلِهَا فِيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَىْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا ثُمَّ حَفَّهَا بِالْمَكَارِهِ ثُمَّ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ، اَىْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَا يَدْخُلَهَا اَحَدٌ قَالَ فَلَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ، اَىْ رَبِّ وَ عِزَّتِكَ لَايَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ فَيَدْخُلُهَا فَحَفَّهَا بِالشَّهَوَاتِ ثُمَّ قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا فَقَالَ، اَىْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَا يَبْقٰى اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا. (رواه الترمذی و ابو داؤد والنسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: جب اللہ نے جنت کو بنایا تو اپنے مقرب فرشتے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ تم جاؤ اور اس کو دیکھو (کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے اور اس میں کیسی کیسی نعمتیں پیدا کیں ہیں) چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے جا کر جنت کو اور راحت ولذت کے ان سامانوں کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے اس میں تیار کیے ہیں اور پھر حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خداوندا! آپ کی عزت وعظمت کی قسم! (آپ نے تو جنت کو ایسا حسین بنایا ہے اور اس میں راحت ولذت کے ایسے ایسے سامان پیدا کیے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ) جو کوئی بھی اس کا حال سن پائے گا وہ اس میں ضرور پہنچے گا (یعنی اس کا حال سن کر وہ دل وجان سے اس کا طالب بن جائے گا اور پھر اس میں پہنچنے کے لیے جو اچھے اعمال کرنے چاہئیں وہ پوری مستعدی کے ساتھ وہی اعمال کرے گا اور جن برے کاموں سے بچنا چاہیے ان سے پوری طرح بچے گا اور اس طرح اس میں پہنچ ہی جائے گا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو سختیوں اور مشقتوں سے گھیر دیا (یعنی جنت کے گرد

شرعی احکام کی پابندی کا باڑ لگا دیا جو طبیعت اور نفس کے لیے بہت شاق اور گراں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں پہنچنے کے لیے احکام کی اطاعت کی گھاٹی کو عبور کرنے کی شرط لگا دی جس میں طبیعتوں کو اور نفسوں کو بڑی سختی اور دشواری محسوس ہوتی ہے) اور پھر جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اب پھر جاؤ اور پھر اس جنت کو (اور اس کے گرداگرد لگائی ہوئی باڑہ کو) دیکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ پھر گئے اور جا کر پھر جنت کو دیکھا اور اس مرتبہ آ کر فرمایا کہ خداوندا! قسم آپ کی عزت وعظمت کی، اب تو مجھے یہ ڈر ہے کہ اس میں کوئی بھی نہ جاسکے گا (مطلب یہ ہے کہ جنت میں جانے کے لیے شرعی احکام کی پابندی کی گھاٹی کو عبور کرنے کی جو شرط آپ کی طرف سے لگائی گئی ہے وہ نفس اور نفسانی خواہشات رکھنے والے انسان کے لیے اتنی شاق اور اس قدر دشوار ہے کہ اس کو کوئی بھی پورا نہ کر سکے گا اس لیے مجھے ڈر ہے کہ اب اس جنت کو شاید کوئی بھی حاصل نہ کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے جب دوزخ کو بنایا تو پھر جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ اور ہماری بنائی ہوئی دوزخ کو (اور اس میں انواع واقسام کے عذاب کے جو سامان پیدا کیے ہیں ان کو) دیکھو۔ چنانچہ وہ گئے اور جا کر اس کو دیکھا اور آ کر عرض کیا، خداوندا! آپ کی عزت کی قسم (آپ نے دوزخ کو تو ایسا بنایا ہے کہ میرا خیال ہے کہ) جو کوئی بھی اس کا حال سنے گا وہ کبھی بھی اس میں نہ جائے گا (یعنی ایسے کاموں کے پاس نہیں جائے گا جو آدمی کو دوزخ میں پہنچانے والے ہیں) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو شہوات اور نفسانی لذات سے گھیر دیا (مطلب یہ ہے کہ نفسانی خواہشات والے وہ اعمال جن میں انسان کی طبیعت اور نفس کے لیے بڑی کشش ہے، جہنم کے گرد ان کی باڑہ لگا دی اور اس طرح جہنم کی طرف جانے کے لیے بڑی کشش پیدا ہوگئی) اور پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا، اب پھر جا کر اس دوزخ کو دیکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام پھر گئے اور جا کر اس کو اور اس کے گرد شہوات ولذات کی جو باڑہ لگائی گئی تھی اس کو) دیکھا اور آ کر عرض کیا خداوندا! آپ کی عزت و جلال کی قسم! اب تو مجھے یہ ڈر ہے کہ سب انسان اسی میں نہ پہنچ جائیں (مطلب یہ ہے کہ جن شہوات ولذات سے آپ نے جہنم کو گھیر دیا ہے ان میں نفس رکھنے والے انسانوں کے لیے اتنی زبردست کشش ہے کہ ان سے رُکنا بہت مشکل ہے اور اس لیے خطرہ ہے کہ بیچاری ساری اولادِ آدم نفسانی لذات وشہوات کی کشش سے مغلوب ہو کر دوزخ ہی میں نہ پہنچ جائے)۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ...... حدیث کا اصل مقصد اور اس میں ہمارے لیے خاص سبق یہ ہے کہ نفسانی خواہشات جو بظاہر بڑی لذیذ اور بڑی مرغوب ہیں ہم جان لیں کہ ان کا انجام دوزخ کا دردناک عذاب ہے جس کا ایک لمحہ زندگی بھر کے عیشوں کو بھلا دے گا اور احکام الٰہی کی پابندی والی زندگی جس میں ہمارے نفسوں کو گرانی اور سختی محسوس ہوتی ہے اس کا انجام اور منتہی جنت ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عیش وراحت کے وہ سامان ہیں جن کی دنیا کے کسی انسان کو ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأَیْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا. (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے نہیں دیکھی دوزخ کی طرح کی کوئی خوفناک بلا کہ سوتا ہو اس سے بھاگنے والا اور نہیں دیکھی میں نے جنت کی طرح کی کوئی مرغوب ومحبوب چیز کہ سوتا ہو اس کا چاہنے والا۔ (ترمذی)

تشریح:...... انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی بلا سے مثلاً اپنی طرف آنے والے کسی خوفناک درندے سے یا اپنا تعاقب کرنے والے کسی سخت ظالم اور طاقتور دشمن سے جان بچانے کے لیے بھاگتا ہے تو بس بھاگا ہی چلا جاتا ہے اور جب تک کہ اطمینان نہ ہو جائے نہ سوتا ہے اور نہ آرام کرتا ہے۔ اسی طرح جب کسی انتہائی محبوب و مرغوب چیز کے حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کرتا ہے تو اثناء راہ میں نہ تو سوتا ہے نہ چین سے بیٹھتا ہے لیکن دوزخ اور جنت کے بارے میں انسانوں کا عجب حال ہے، دوزخ سے بڑھ کر کوئی خوفناک بلا نہیں مگر جن کو اس سے بچنے کے لیے بھاگنا چاہیے، وہ غفلت کی نیند سوتے ہیں اور جنت جس کے حاصل کرنے کے لیے دل و جان سے جدوجہد کرنا چاہیے اس کے چاہنے والے بھی محو خواب ہیں۔

پردے غفلت کے پڑ گئے ہیں، بلا کی نیندیں اُمنڈ رہی ہیں کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے، کہ حشر تک جاگنا قسم ہے

آخرت کی قیامت خیزیاں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَبُوْ الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے اور رونا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کے قہر و جلال اور قیامت و آخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہے اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے اور تمہاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں اور تمہارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں تو تمہارا چین و سکون ختم ہو جائے، تم بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ روؤ۔ اس کی مزید تفصیل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اگلی حدیث سے معلوم ہوگی۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَآءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَاِطَّ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَافِیْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَکٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًا لِلّٰهِ، وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً وَّلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَی اللّٰهِ. قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ. (رواه احمد والترمذی و ابن ماجه)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں علم غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چرچرا رہا ہے اور حق ہے کہ وہ چرچرائے۔ قسم ہے اُس رب ذوالجلال کی! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں اپنا ماتھا رکھے سجدے میں نہ پڑا ہو اگر تم وہ باتیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور بستروں پر بیویوں سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکتے اور اللہ سے نالہ و فریاد اور گریہ و زاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے۔ (اس حدیث کو نقل

کر کے) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' کاش! میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ (مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

تشریح:...... خدا کے پیغمبر کا اصل کام اور مقام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو غیبی حقائق اس پر منکشف فرمائے اور جن احکام کی اس کی طرف وحی کی جائے وہ اللہ کے دوسرے بندوں کو پہنچائے اور اُس پر ایمان لانے والے اُس کے اُمتیوں کا مقام اور کام یہ ہے کہ اُس پیغمبر کے اعتماد و اعتبار پر ان سب باتوں کو وہ حق جانیں' مانیں اور اُن ہی حقائق کو اپنی زندگی کی بنیاد بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو علم کے جو ذرائع' عقل و حواس وغیرہ عطا فرمائے ہیں' ان کی دسترس صرف اسی عالم شہود تک محدود ہے۔ عالم غیب تک اُن کی رسائی نہیں ہے اس لیے غیبی حقائق کی دریافت اور ان کے بارے میں علم و یقین حاصل کرنے کی راہ ہمارے لیے یہی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں کے سماع و مشاہدہ اور اُن کی خبر پر ہم اعتماد کریں اور یقین لائیں' اسی کا نام ایمان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عالم غیب کے اپنے اس ہیبت ناک انکشاف کا ذکر فرمایا ہے کہ اللہ کے جلال اور فرشتوں کی کثرت سے آسمان چرچرا رہا ہے اور چار انگل بھر جگہ بھی اُس میں ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو۔ اللہ اکبر! اللہ اعظم!! اللہ اجل!!! آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری طرح تم بھی وہ سب کچھ جان لو جو میں جانتا ہوں اور جو دیکھتا' سنتا ہوں تو تم اس دنیا میں اس طرح ہنسی خوشی نہ رہ سکو' بستروں پر بیویوں سے لطف اندوزی کا بھی تم کو ہوش نہ رہے اور گھروں سے نکل کر جنگلوں میں اللہ کے سامنے نالہ و فریاد اور گریہ وزاری کرتے پھرو۔ حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا تھا کہ بعض اوقات اس حدیث کے بیان کرنے کے ساتھ اُن کے دل کی یہ آواز زبان سے نکل جاتی تھی کہ اے کاش! میں ایک درخت ہوتا جس کو جڑ سے کاٹ ڈالا جاتا اور پھر آخرت میں حساب کے لیے میری پیشی نہ ہوتی۔

غافل دلوں کیلئے موت کی یاد

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوۃٍ فَرَأَی النَّاسَ کَاَنَّھُمْ یَکْتَشِرُوْنَ قَالَ اَمَا اِنَّکُمْ لَوْ اَکْثَرْتُمْ ذِکْرَھَا ذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَکُمْ عَمَّا اَرَی الْمَوْتِ فَأَکْثِرُوْا ذِکْرَھَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَاِنَّہٗ لَمْ یَاتِ عَلَی الْقَبْرِ یَوْمٌ اِلَّا تَکَلَّمَ فَیَقُوْلُ اَنَا بَیْتُ الْغُرْبَۃِ وَاَنَا بَیْتُ الْوَحْدَۃِ وَاَنَا بَیْتُ التُّرَابِ وَاَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَہُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَّ اَھْلًا اَمَا اِنْ کُنْتَ لَاَحَبَّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی ظَھْرِیْ اِلَیَّ فَاِذَا وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ اِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ قَالَ فَیَتَّسِعُ لَہٗ مَدَّبَصَرِہٖ وَیُفْتَحُ لَہٗ بَابٌ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ اَوِالْکَافِرُ قَالَ لَہُ الْقَبْرُ لَامَرْحَبًا وَّلَا اَھْلًا اَمَا اِنْ کُنْتَ لَاَبْغَضَ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی ظَھْرِیْ اِلَیَّ فَاِذَا وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ اِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ قَالَ فَیَلْتَئِمُ عَلَیْہِ حَتّٰی تَخْتَلِفَ اَضْلَاعُہٗ قَالَ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَصَابِعِہٖ فَاَدْخَلَ بَعْضَھَا فِیْ جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ وَیُقَیَّضُ لَہٗ سَبْعُوْنَ تِنِّیْنًا لَوْ اَنَّ وَاحِدًا مِنْھَا نَفَخَ فِی الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ شَیْئًا مَابَقِیَتِ الدُّنْیَا فَیَنْھَسْنَہٗ وَیَخْدِشْنَہٗ حَتّٰی یُفْضٰی بِہٖ اِلَی الْحِسَابِ قَالَ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نماز کے لیے گھر سے مسجد تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس حال میں دیکھا کہ گویا (وہاں مسجد ہی میں) وہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں (اور یہ حالت علامت تھی غفلت کی زیادتی کی) اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی اس حالت کی اصلاح کے لیے) ارشاد فرمایا: میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو تو وہ تمہیں اس غفلت میں مبتلا نہ ہونے دے۔ لہٰذا لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو۔ (اس کے بعد فرمایا) حقیقت یہ ہے کہ قبر (یعنی زمین کا وہ حصہ جس کو مرنے کے بعد آدمی کا آخری ٹھکانا بننا ہے) ہر روز پکارتی ہے) ظاہر یہ ہے کہ زبانِ قال سے پکارتی ہے اور اس کی اس پکار کو وہی سن سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سنانا چاہے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ہر روز قبر زبان حال سے پکارتی ہے) کہ میں مسافرت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں (اور قبر کی زبان حال کی اس پکار کو تو ہر بندہ ہر وقت سن سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبانِ حال کی باتیں سننے والے کان عطا فرمائے ہوں)۔ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ مرنے کے بعد جب بندہ کا واسطہ اس زمین سے پڑتا ہے اور وہ اس کے سپرد ہوتا ہے تو ایمان و عمل کے فرق کے لحاظ سے زمین کا برتاؤ اس کے ساتھ کتنا مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جب وہ بندہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے جو حقیقی مؤمن و مسلم ہو تو زمین (کسی عزیز اور محترم مہمان کی طرح اس کا استقبال کرتی ہے اور) کہتی ہے مرحبا! (میرا دیدہ و دل فرش راہ) خوب آئے اور اپنے ہی گھر آئے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جتنے لوگ میرے اوپر چلتے تھے ان میں سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے مجھے تم ہی تھے اور آج جب تم میرے سپرد کر دیئے گئے ہو اور میرے پاس آ گئے ہو تو تم دیکھو گے کہ (تمہاری خدمت اور راحت رسانی کے لیے) میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں، پھر وہ زمین اُس بندۂ مؤمن کے لیے حد نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور جب کوئی سخت بدکار قسم کا آدمی یا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) ایمان نہ لانے والا آدمی زمین کے سپرد کیا جاتا ہے تو زمین اُس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میرے اوپر چلتے پھرتے تھے تو مجھے ان سب سے زیادہ مبغوض تھا اور آج جب تو میرے حوالہ کر دیا گیا ہے اور میرے قبضے میں آ گیا ہے تو ابھی تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ زمین ہر طرف سے اُس کو بھینچتی اور دباتی ہے یہاں تک کہ اس دباؤ سے اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہیں۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ڈال کر ہم کو اس کا نقشہ دکھایا۔ اس کے بعد فرمایا "پھر اس پر ستر اژدھے مسلط کر دیئے جاتے ہیں جن میں سے ایک اگر زمین میں پھنکار مارے تو رہتی دنیا تک وہ زمین کوئی سبزہ نہ اُگا سکے، پھر یہ اژدھے اسے برابر کاٹتے نوچتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔" ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق۔ (جامع ترمذی)

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَھَبَ ثُلُثَا اللَّیْلِ قَامَ فَقَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوا اللّٰہَ اذْکُرُوا اللّٰہَ جَاءَ تِ الرَّاجِفَۃُ تَتْبَعُھَا الرَّادِفَۃُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِیْہِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِیْہِ (رواہ الترمذی)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو آپ اُٹھتے اور فرماتے: اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، قریب آ گیا ہے ہلا ڈالنے والا، قیامت کا بھونچال (یعنی نفخہ اولیٰ) اور اس کے پیچھے آ رہا ہے، دوسرا (یعنی نفخہ ثانیہ) موت اُن سب احوال کو ساتھ لے کر سر پر آ چکی ہے جو اس کے ساتھ آتے ہیں، موت اپنے متعلقات و مضمرات کے ساتھ سر پر آ چکی ہے۔ (ترمذی)

تشریح: ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث مروی ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری معمول اور عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نمازِ عشاء وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے، اس کے بعد کچھ آرام فرماتے تھے اور پھر تہجد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے اور جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا تو جیسا کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے آپ اپنے متعلقین اور عام اہل ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لیے بیدار کر دینا چاہتے تھے اور نیند کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کے لیے اس وقت آپ ان کو قیامت کی لرزہ خیز ہولناکیاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے۔ بلاشبہ خواب غفلت کو دور کرنے کے لیے اور اللہ کے بندوں میں فکر اور چونک پیدا کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے اور اُس کی عبادت اور ذکر میں مشغول کر دینے کے لیے یہ نسخہ بڑا اکسیر ہے۔ آج بھی جس شخص کو آخری رات میں تہجد کے لیے بستر سے اُٹھنا مشکل ہو وہ اگر اس وقت موت اور قبر اور قیامت کی سختیوں کو یاد کر لیا کرے تو تجربہ ہے کہ نیند کا نشہ کافور ہو جاتا ہے۔

خوف اور فکر کی قدر و قیمت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ غَالِیَۃٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ الْجَنَّۃُ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ڈرتا ہے وہ شروع رات میں چل دیتا ہے اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے، یاد رکھو! اللہ کا وہ سودا جنت ہے۔ (ترمذی)

تشریح: ......عرب کا عام دستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے تھے اور اس وجہ سے قزاقوں اور رہزنوں کے حملے بھی عموماً سحر ہی میں ہوتے تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلے کو رہزنوں کے حملے کا خوف ہوتا وہ بجائے آخری رات کے شروع رات میں چل دیتا اور اس تدبیر سے بحفاظت و عافیت اپنی منزل پر پہنچ جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال سے سمجھایا کہ جس طرح رہزنوں کے حملہ سے ڈرنے والے مسافر، اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کر کے چل دیتے ہیں۔ اسی طرح انجام کا فکر رکھنے والے اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافر آخرت کو چاہیے کہ اپنی منزل (یعنی جنت)

تک پہنچنے کے لیے اپنی راحتوں لذتوں اور خواہشوں کو قربان کرے اور منزل مقصود کی طرف تیز گامی سے چلے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے وہ کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ یوں ہی مفت دے دی جائے بلکہ وہ نہایت گراں قدر اور بیش قیمت چیز ہے جو جان و مال اور خواہشات نفس کی قربانی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے اور وہ چیز جنت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ. الاية" اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال جنت کے عوض میں خرید لیے ہیں وہ اپنا جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیں تو جنت کے مستحق ہوں گے۔ گویا جنت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کا جان و مال ہے۔

حقیقی عقلمندی کی علامت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَجُلٌ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَنْ اَكْيَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِّلْمَوْتِ وَاَكْثَرُهُمْ اِسْتِعْدَادًا اُولٰٓئِكَ الْاَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ. (رواه الطبرانی فی المعجم الصغیر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: اے اللہ کے پیغمبر! بتلایئے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور موت کے لیے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے جو لوگ ایسے ہیں وہی دانش منداور ہوشیار ہیں، انہوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی۔ (معجم صغیر للطبرانی)

تشریح:...... جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے جس کے لیے کبھی فنا نہیں تو اس میں کیا شبہ کہ دانش منداور دور اندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں اور اس کے برعکس وہ لوگ بڑے نا عاقبت اندیش اور احمق ہیں جنہیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لیے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لیے) عمل کرے اور نادان و ناتواں وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کر دے (اور بجائے احکام خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے اُمیدیں باندھے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

تشریح:...... دنیا میں کَیِّس (چالاک و ہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں چست و چالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو اور جو کرنا چاہے کر سکتا ہو اور بیوقوف و ناتواں وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو اور اہل دنیا جو اس دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں ہے بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے اور اس زندگی میں

کامیابی اُن کے لیے ہے جو اس دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گزار دیں، اس لیے درحقیقت دانشمندی اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پا کر اس کو اللہ کا مطیع وفرمانبردار بنا رکھا ہے اور اس کے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنا لیا ہے اور وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام و اوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں اور اس کے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی اُمیدیں باندھتے ہیں وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی چست و چالاک اور پھرتیلے نظر آتے ہوں لیکن فی الحقیقت وہ بڑے ناعاقبت اندیش، کم عقلے اور ناکامیاب و نامراد ہیں کہ جو حقیقی اور واقعی زندگی آنے والی ہے اس کی تیاری سے غافل ہیں اور نفس پرستی کی زندگی گزارنے کے باوجود اللہ سے خدا پرستی والے انجام کی اُمید رکھتے ہیں۔

اس حدیث میں ان لوگوں کو خاص آگاہی دی گئی ہے جو اپنی عملی زندگی میں اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے پروا اور بے فکر ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اس کے باوجود اللہ کی رحمت اور اُس کے کرم سے اُمیدیں رکھتے ہیں اور جب اللہ کا کوئی بندہ ٹوکتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اس حدیث نے بتلایا کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں اور اُن کا انجام نامرادی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رجاء یعنی اللہ سے رحمت اور کرم کی اُمید وہی محمود ہے جو عمل کے ساتھ ہو اور جو اُمید بے عملی اور بدعملی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو وہ رجاء محمود نہیں ہے بلکہ نفس شیطان کا فریب ہے۔

خوفِ خداوندی

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرِبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ؟ قَالَ لَا يَاابْنَةَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ. (رواه الترمذى و ابن ماجه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی آیت: "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

تشریح:...... سورۂ مؤمنون کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سبقت کرنے والے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے: "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" (جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں اور ان کے دل ترساں رہتے ہیں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت کیا تھا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شامت نفس سے گناہ تو کرتے ہیں مگر گناہوں کے بارے میں نڈر اور بے باک نہیں ہوتے بلکہ گنہگاری کے باوجود ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نہیں! اس آیت سے مراد ایسے لوگ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے وہ عبادت گزار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں جن کا حال یہ ہے کہ وہ نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات جیسے اعمال صالحہ کرتے ہیں اور اس کے باوجود ان کے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے یا نہیں۔ قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے: "أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ" (یہی بندے حقیقی بھلائیوں اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانے والے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ کی اس آخری آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرانے والا ہے۔

قیامت کی ہولناکی

عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَفَعَهُ لَوْ اَنَّ رَجُلاً يَخِرُّ عَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ اِلٰى يَوْمِ يَمُوْتُ فِىْ مَرْضَاةِ اللّٰهِ لَحَقَّرَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواه احمد)

عتبہ بن عبید سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے، موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے سجدہ میں پڑا رہے تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہوں گی اور جزاء و سزا اور عذاب و ثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے جو یہاں پردہ غیب میں ہیں تو اللہ تعالیٰ کے وہ بندے بھی جنہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا ہوگا یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں پڑا رہا ہو اس کا احساس بھی یہی ہوگا اور وہ اپنے اس عمل کو بھی ہیچ سمجھے گا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا. (رواه ابن ماجه والدارمى والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اپنے کو ان گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونے والی ہے۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے اور جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں ان کو خفیف اور معمولی سمجھنے کی

وجہ سے اللہ کے بہت سے خداترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونی ہے ہمیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہیے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہی نصیحت فرمائی ہے اگرچہ اس کی خاص مخاطب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں لیکن درحقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت ونصیحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی اُمت کے سب مردوں اور عورتوں کے لیے ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص گھر والوں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی ضرورت ہے تو ہما شما کے لیے اس میں غفلت اور بے پروائی کی کیا گنجائش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی باز پرس ہونے والی ہے ہرگز صغیرہ اور ہلکا نہیں ہے دونوں میں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ زیادہ زہریلے اور کم زہریلے سانپوں میں ہوتا ہے۔ پس جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے ہیں اور بھاگتے ہیں اسی طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ یہی اس حدیث کا منشاء اور مقصد ہے۔

رحمتِ خداوندی سے اُمید

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى شَابٍّ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ اَرْجُو اللّٰهَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّيْ اَخَافُ ذُنُوْبِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا يَرْجُوْ مِنْهُ وَاٰمَنَهٗ مِمَّا يَخَافُ. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس اس کے آخری وقت میں جبکہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا' تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ اس وقت تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی اُمید بھی رکھتا ہوں اور اسی کے ساتھ مجھے اپنے گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقین کرو جس دل میں اُمید اور خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسے عالم میں (یعنی موت کے وقت میں) جمع ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ ضرور عطا فرما دیں گے جس کی اس کو اللہ کی رحمت سے اُمید ہے اور اس عذاب سے اُس کو ضرور محفوظ رکھیں گے جس کا اس کے دل میں خوف و ڈر ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... بیشک اللہ تعالیٰ کا خوف اور اسکے عذاب اور اسکی پکڑ سے ڈرنا ہی نجات کی کنجی ہے۔

خوفِ خدا کی برکات

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ جَلَّ ذِكْرُهٗ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا اَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ. (رواہ الترمذی والبیهقی فی کتاب البعث والنشور)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حکم دے گا کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... یہ بات کتاب وسنت کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہے کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں اس دنیا سے جائے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا اور اس کا کوئی عمل بھی اس کو دوزخ سے نہ نکلوا سکے گا اس لیے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دنیا سے اس حالت میں گیا کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا بلکہ ایمان ان کو نصیب تھا لیکن گناہ اس کے بہت تھے اور اعمال صالحہ کا ذخیرہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ بجز اس کے کہ اس نے کبھی اللہ کو یاد کیا تھا یا کسی موقع پر اس کے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی تو قیامت کے دن وہ اپنے قصوروں کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں ڈال تو دیا جائے گا لیکن پھر کسی دن اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اُس کو نجات مل ہی جائے گی اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ واللہ اعلم

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مؤمن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں۔ اگر چہ وہ مقدار میں بہت کم، مثلاً مکھی کے سر برابر (یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لیے حرام کردے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوفِ خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو اس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا اور دوزخ کی آنچ کبھی اس کو نہ لگ سکے گی۔ جس کسی خاص نیک عمل پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری دی جاتی ہے ان کا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضا اور خاصہ یہی ہے اور اللہ تعالیٰ اس عمل کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا بشرطیکہ اس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد نہ ہوا ہو جس سے تقاضا اس کے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو یا اگر کبھی ایسا گناہ اس سے ہوا ہو تو وہ اس سے تائب ہو چکا ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگ چکا ہو۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ محض تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں یہ شرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہے۔

عَنِ الْعَبَّاسِ رَفَعَهُ اِذَا قْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَحَاتَتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا. (رواہ البزار)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ (بزار)

تشریح:...... خوف وخشیت اور ہیبت دراصل قلبی کیفیات ہیں لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہے کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اس کے جسم پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہو تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات

وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے۔ اسی طرح جب دل میں حزن وغم ہو تو وہ بھی اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی کبھی وہ اس کے اثر سے روتا بھی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں۔ اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پس جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہل ایمان کو سنائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ اللہ کی خشیت و ہیبت سے جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰی نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ اَوْصٰی بَنِیْهِ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهٗ فِی الْبَرِّ وَنِصْفَهٗ فِی الْبَحْرِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ لَیُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا لَا یُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِیْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِیْهِ وَاَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَافِیْهِ ثُمَّ قَالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْیَتِكَ یَا رَبِّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَلَهٗ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا' یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گزارتا رہا) جب اس کی موت کا وقت آیا تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر کے اس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا اور آخرت کے برے انجام سے وہ بہت ڈرا' یہاں تک کہ) اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا کر راکھ کر دینا' پھر تم میری اس راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا اور آدھی کہیں دریا میں بہا دینا (تاکہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے اور میں جزا سزا کے لیے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں' اس نے کہا کہ میں ایسا گنہگار ہوں کہ) اللہ کی قسم! اگر خدا نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا جو دنیا جہان میں کسی کو بھی نہ دے گا۔ اس کے بعد جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اس کی راکھ کو کچھ ہوا میں اُڑا دیا اور کچھ دریا میں بہا دیا) پھر اللہ کے حکم سے خشکی اور تری سے اس کے اجزاء جمع ہوئے (اور اس کو دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اس سے پوچھا گیا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا: اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: ......اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زمانہ کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے یہ بیچارہ خدا کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا اور اعمال بھی اچھے نہ تھے لیکن مرنے سے پہلے اس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی کہ اس نے اپنے بیٹوں کو ایسی جاہلانہ وصیت کر دی اور بیچارہ سمجھا کہ میری راکھ کے اس طرح خشکی اور تری میں منتشر ہو جانے کے بعد میرے پھر زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا لیکن اس جاہلانہ غلطی کا منشاء اور سبب چونکہ خدا کا خوف اور اس کے عذاب کا ڈر تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

حدیث کے لفظ ''لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ'' کے بارے میں شارحین نے بہت کچھ علمی موشگافیاں کی ہیں لیکن اس عاجز کے نزدیک سیدھی بات یہ ہے کہ خدا کے خوف سے ڈرے سہمے ہوئے بیچارے ایک جاہل کی یہ جاہلانہ تعبیر تھی' اللہ تعالیٰ کے کرم نے اس کو بھی معاف کر دیا' مطلب بیچارہ کا وہی تھا جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم

عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ اِنَّكَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا اَنْ تَفْضُلَهٗ بِتَقْوٰى. (رواہ احمد)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلہ میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلہ میں۔ البتہ تقویٰ یعنی خوف خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔ (مسند احمد)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ مال و دولت' شکل وصورت' نسل ورنگ اور زبان و وطن جیسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ فضیلت کا معیار بس تقویٰ ہے۔ (یعنی خوف خدا اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے) پس اس تقویٰ میں جو جتنا بڑھا ہوا ہے وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی بڑا اور بلند ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ''اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ''

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْصِيْهِ وَمَعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِىْ تَحْتَ رَاحِلَتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ يَا مَعَاذُ اِنَّكَ عَسٰى اَنْ لَا تَلْقَانِىْ بَعْدَ عَامِىْ هٰذَا وَلَعَلَّكَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِىْ هٰذَا وَقَبْرِىْ فَبَكٰى مَعَاذٌ جُشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ نَحْوَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِىَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَيْثُ كَانُوْا. (رواہ احمد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کے لیے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا (اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہاں کے لیے روانہ ہونے لگے) تو (ان کو رخصت کرنے کے لیے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے ہوئے ان کے ساتھ چلے' اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو (حضورؐ کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی سواری کے نیچے پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ ضروری نصیحتوں اور وصیتوں سے فارغ ہو چکے تو آخری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ اے معاذؓ! شاید میری زندگی کے اس سال کے بعد میری تمہاری ملاقات اب نہ ہو۔ (گویا آپ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ میری زندگی کا یہی آخری سال ہے اور میں عنقریب ہی اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل کیا جانے والا ہوں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اور شاید ایسا ہو کہ (اب جب کبھی تم یمن سے واپس آؤ تو بجائے مجھ سے ملنے کے اس مدینہ میں) تم میری اس مسجد اور میری قبر پر گزرو۔ یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے

تصور اور) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے صدمہ سے رونے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر کے اور مدینہ کی طرف رُخ کر کے فرمایا: مجھ سے زیادہ قریب اور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں (اور تقویٰ والی زندگی گزارتے ہیں) وہ جو بھی ہوں اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (مسند احمد)

تشریح: ...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے اس آخری حصہ کا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز روحانی تعلق اور قرب ہے اور میرے ساتھ اس تعلق کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔ پس اگر اللہ کا کوئی بندہ جسمانی طور پر مجھ سے کتنا ہی دور یمن میں یا دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہو لیکن اس کو خوفِ خدا اور تقویٰ نصیب ہو تو وہ مجھ سے قریب ہے اور گویا میرے ساتھ ہے اور اس کے برعکس کوئی شخص ظاہری اور جسمانی طور پر میرے ساتھ ہو لیکن اس کا دل تقویٰ کی دولت سے خالی ہو تو اس ظاہری قرب کے باوجود وہ مجھ سے دور ہے اور میں اُس سے دور ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ اس ظاہری جدائی کا غم نہ کرو، جب خوفِ خدا اور تقویٰ تمہارے دل اور تمہاری روح کو نصیب ہے تو پھر تم یمن میں رہتے ہوئے بھی مجھ سے دور نہ ہو گے۔ اس کے علاوہ دنیا کی یہ زندگانی تو بس چند روزہ ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو دارِ آخرت ہے اور وہاں اللہ کے سارے تقویٰ والے بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرے ساتھ اور میرے قریب رہیں گے اور پھر اس قرب و وصال کے بعد کسی فراق کا اندیشہ نہ ہوگا۔

اس آخری بات کے فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رُخ غالباً اس لیے حضرت معاذ کی طرف سے پھیر کر مدینہ کی طرف کر لیا تھا کہ معاذ کے رونے سے غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود آبدیدہ ہو گئے تھے، آپ نے چاہا کہ معاذ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں۔ نیز یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اپنے ایک سچے محبّ کا رونا دیکھ کر آپ کا دل دکھتا ہو اور اس لیے اس وقت آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا ہو، محبت و عقیدت کی دنیا میں اس طرح کے تجربے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رخصت کرتے وقت آپ نے ان کو تو حکم دے کر سواری پر سوار کر دیا اور خود بات کرتے ہوئے پیدل نیچے چلتے رہے۔ اس میں کتنا بڑا سبق اور کیسا نمونہ ہے، ان سب لوگوں کے لیے جو دینی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا خوف اور تقویٰ ہمارے دلوں کو نصیب فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ روحانی قرب اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ رفاقت نصیب فرمائے جس کی بشارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دی ہے۔



كِتَابُ الْقِيَامَةِ

قیامت کی علامات

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ إِذْ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قَالَ إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلٰى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے، ایک اعرابی (بدوی) آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب (وہ وقت آجائے کہ) امانت ضائع کی جانے لگے تو اس وقت قیامت کا انتظار کرو، اس اعرابی نے عرض کیا کہ امانت کیسے ضائع کی جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب معاملات نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو انتظار کرو قیامت کا۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... ہماری اردو زبان میں ''امانت'' کا مفہوم بہت محدود ہے لیکن قرآن وحدیث کی زبان میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے اور اپنے اندر عظمت اور اہمیت بھی لئے ہوئے ہے، ہر عظیم اور اہم ذمہ داری کو ''امانت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، امانت کے مفہوم کی وسعت اور عظمت کو سمجھنے کے لئے آخر سورۂ احزاب کی آیت ''إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ ...... الآية'' پر غور کر لیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث میں امانت کے ضائع کئے جانے کی وضاحت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ ذمہ داریاں ایسے لوگوں کو سپرد کی جائیں جو ان کے اہل نہ ہوں، اس میں درجہ بدرجہ ہر طرح کی ذمہ داری شامل ہے۔ حکومت، حکومتی مناصب اور عہدے، حکومتی اختیارات، اسی طرح دینی قیادت وامانت، افتا وقضا، اوقاف کی تولیت اور ان کے انتظام وغیرہ کی ذمہ داری، اس طرح کی جو بھی بڑی یا چھوٹی ذمہ داری نااہلوں کے سپرد کی جائے گی تو یہ امانت کی اضاعت اور اجتماعی زندگی کی شدید معصیت ہے، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب قیامت کی نشانی بتلایا ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے اگرچہ وہ ایک اعرابی سائل کے جواب میں ہے، لیکن عام امتیوں کے لئے اس کا یہ پیغام اور سبق ہے کہ امانت کی حفاظت کی اہمیت کو محسوس کرو اس کا حق ادا کرو، ہر درجہ کی ہر نوع کی ذمہ داریاں ان افراد کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں، اس کے خلاف کرو گے تو امانت کی اضاعت کے مجرم ہو گے اور خدا کے سامنے اس کی جواب دہی کرنی ہو گی۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ كَذَّابِيْنَ فَاحْذَرُوْهُمْ. (رواه مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے) کچھ کذاب لوگ ہوں گے، تم کو چاہئے کہ ان سے پرہیز کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... "کذابین" سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں جن کا جھوٹ غیر معمولی قسم کا ہو اور اس کا تعلق دین سے ہو جیسے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے، اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے اور جھوٹے قصے گھڑ کے اپنی بدعات وخرافات کو رواج دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد قیامت سے پہلے ایسے لوگ پیدا ہوں گے اور تم کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ میرے امتیوں کو چاہئے کہ ان سے ہوشیار اور دور رہیں، ان کے جال میں نہ پھنسیں۔ جیسا کہ معلوم ہے عہد نبوی سے اب تک سینکڑوں مدعیان نبوت بھی پیدا ہوئے جن میں سب سے پہلا یمامہ کا مسیلمہ کذاب تھا، اور ہماری معلومات کے لحاظ سے آخری غلام احمد قادیانی، اسی طرح مہدویت کے مدعی بھی پیدا ہوتے رہے، اور بہت سی گمراہ کن دعوتوں کے داعی اور قائد بھی۔ یہ سب ان کذابین میں شامل ہیں، جن کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دی ہے، اور ان سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اتُّخِذَ الْفَيْءُ دِوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَعَقَّ اُمَّهُ وَاَدْنَا صَدِيْقَهُ وَاَقْصَا اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلُهُمْ وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ. (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب غنیمت کو بنایا جانے لگے، ذاتی دولت، اور امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان، اور علم حاصل کیا جانے لگے دین کے علاوہ دوسری (دنیوی) اغراض کے لئے اور لوگ فرمانبرداری کریں اپنی بیوی کی اور نافرمانی کریں اپنی ماں کی، اور اپنے سے لگائیں دوسروں کو اور دور کریں باپ کو، اور بلند ہوں آوازیں مسجدوں میں اور قبیلہ کی سرداری کرے ان میں کا فسق، اور قوم کا لیڈر ایسا شخص ہو جو ان میں سب سے کمینہ ہو اور جب کسی آدمی کا اکرام کیا جائے اس کے شر کے ڈر سے اور (پیشہ ور) گانے والیاں اور باجے گاجے عام ہوں، اور شرابیں پی جائیں، اور امت کے بعد والے اس کے اگلوں پر لعنت کریں...... تو اس وقت انتظار کرو، سرخ آندھیوں کا، اور زلزلوں کا، اور زمین میں دھنسائے جانے کا اور صورتیں مسخ کئے جانے کا اور پتھر برسنے کا اور (ان کے علاوہ اس طرح کی) اور نشانیوں کا جو پے در پے اس طرح آئیں گی جس طرح ایک ہار ہو، کاٹ دیا گیا ہو اس کا دھاگہ، تو پے در پے گریں اس کے دانے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے امت میں پیدا ہونے والی پندرہ خرابیوں کا ذکر فرمایا ہے، پہلی یہ کہ مال غنیمت جو دراصل مجاہدین اور غازیوں کا حق ہے، اور جس میں فقراء ومساکین کا بھی حصہ ہے، ارباب اختیار اس میں ذاتی دولت کی طرح تصرف کرنے لگیں گے، دوسری یہ کہ لوگ حکومت کو زکوٰۃ خوش دلی سے ادا نہیں کریں گے، بلکہ

اس کو ایک طرح کا تاوان سمجھیں گے، ملحوظ رہے کہ اسلامی نظام میں زکوۃ حکومت وصول کرتی اور وہی اسکو مستحقین کو پہنچاتی ہے، جن کے دلوں میں خوف خدا اور ایمان راسخ نہیں ہوتا وہ اس کو حکومتی ٹیکسوں کی طرح تاوان سمجھتے ہیں۔ تیسری یہ کہ علم دین جو دین ہی کے لئے اور اپنی آخرت ہی کے لئے حاصل کیا جانا چاہئے، وہ غیر دینی اغراض کے لئے یعنی دنیوی منافع اور مقاصد کے لئے حاصل کیا جانے لگے گا، چوتھی اور پانچویں یہ کہ لوگ اپنی بیویوں کی تابعداری اور ناز برداری کریں گے، اور ماؤں کے ساتھ ان کا رویہ نافرمانی اور ایذارسانی کا ہوگا، اور چھٹی اور ساتویں یہ کہ یار دوستوں کو گلے لگایا جائے گا اور باپ دھتکارا جائے گا اور اسکے ساتھ بدسلوکی کی جائے گی، آٹھویں یہ کہ مسجدیں جو خانہ خدا ہیں، اور ازراہ ادب ان میں بلاضرورت زور سے بولنا منع ہے، ان کا ادب واحترام نہیں رہے گا، ان میں آوازیں بلند ہوں گی اور شور وہنگامہ ہوگا، نویں یہ کہ قبیلوں کی سیادت وقیادت فاسقوں فاجروں کے ہاتھ میں آجائے گی، دسویں یہ کہ قوم کے ذمہ دار وہ ہوں گے جو ان میں سب سے زیادہ کمینے ہوں گے، گیارہویں یہ کہ شریر آدمیوں کی شرارت اور شیطنت کے خوف سے ان کا اکرام واعزاز کیا جائے گا، بارہویں اور تیرہویں یہ کہ پیشہ ور گانے والیوں کی اور معازف ومزامیر یعنی باجوں گاجوں کی (اور ان سے دل بہلانے والوں کی) کثرت ہوگی، چودھویں یہ کہ شرابیں خوب پی جائیں گی، اور پندرھویں یہ کہ امت میں بعد میں آنے والے لوگ امت کے پہلے طبقہ کو اپنی لعنت وبدگوئی کا نشانہ بنائیں گے...... آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب امت میں یہ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو انتظار کرو کہ خداوندی قہر ان شکلوں میں آئے، سرخ آندھیاں اور شدید زلزلے اور آدمیوں کا زمین میں دھنسایا جانا، اور ان کی صورتوں کا مسخ ہو جانا، اور اوپر سے پتھروں کا برسنا، اور ان کے علاوہ بھی خداوندی قہر وجلال کی نشانیاں جو اس طرح لگا تار اور پے بہ پے ظاہر ہوں گی جس طرح ہار کا دھاگا ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کے دانے لگا تار گرتے ہیں۔

بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ خرابیاں امت میں اور مسلم معاشرے میں بہت عام ہو جائیں گی تو خداوندی قہر وجلال ان شکلوں میں ظاہر ہوگا۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيْئُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ (یہ واقعہ نہ ہو جائے کہ) ایک (غیر معمولی قسم کی) آگ اٹھے گی حجاز کی سرزمین سے جو روشن کر دے گی شہر بصریٰ میں اونٹوں کی گردنوں کو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... دنیا میں واقع ہونے والے جو غیر معمولی حوادث اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کئے گئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ایک وقت پر سرزمین حجاز سے ایک انتہائی غیر معمولی قسم کی آگ نمودار ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات میں سے ہوگی، اس کی روشنی ایسی ہوگی کہ سینکڑوں میل دور ملک شام کے شہر بصریٰ کے اونٹ اور ان کی گردنیں اس روشنی میں نظر آئیں گی...... اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی اطلاع دی ہے۔

حجاز اس وسیع علاقہ کا نام ہے جس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ، طائف، رابغ وغیرہ شہر واقع ہیں...... اور بصریٰ ملک شام کا ایک شہر تھا، دمشق سے تقریباً تین منزل کی مسافت پر...... صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے شارحین، حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور امام نووی وغیرہ اکثر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق وہ آگ تھی جو ساتویں صدی ہجری کے وسط میں مدینہ منورہ کے قریب سے نمودار ہونی شروع ہوئی، پہلے تین دن شدید زلزلہ کی کیفیت رہی اس کے بعد ایک نہایت وسیع وعریض علاقے میں آگ نمودار ہوئی، اس آگ میں بادل کی سی گرج اور کڑک بھی تھی۔

لکھا ہے کہ یہ آگ ایسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آگ کا ایک بہت بڑا شہر ہے، وہ جس پہاڑ پر سے گزرتی وہ چور چور ہو جاتا یا پگھل جاتا یہ آگ اگرچہ مدینہ منورہ سے فاصلہ پر تھی، لیکن اس کی روشنی سے مدینہ منورہ کی راتوں میں دن کا سا اجالا رہتا تھا، لوگ اس میں وہ سب کام کر سکتے تھے، جو دن کے اجالے میں کئے جاتے ہیں، اس کی روشنی سینکڑوں میل دور تک پہنچتی تھی، یمامہ اور بصریٰ تک پہنچتی دیکھی گئی۔

یہ بھی لکھا ہے کہ اس آگ کے عجائبات میں سے یہ بھی تھا کہ وہ پتھروں کو تو جلا کر راکھ کر دیتی تھی، لیکن درختوں کو نہیں جلاتی تھی، لکھا ہے کہ یہ آگ شروع جمادی الاخریٰ سے اواخر رجب تک تقریباً پونے دو مہینے تک رہی لیکن مدینہ منورہ اس سے نہ صرف یہ کہ محفوظ رہا، بلکہ ان دنوں میں وہاں نہایت خوشگوار ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہیں۔ بلاشبہ یہ آگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی شان قہر وجلال کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساڑھے چھ سو برس پہلے اس کی اطلاع دی تھی۔

قیامت کی علامات کبریٰ

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ الْاٰيٰتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجُ الدَّابَّةِ عَلَى النَّاسِ ضُحًى وَاَيُّهُمَا كَانَتْ صَاحِبُهَا فَالْاُخْرىٰ عَلٰى اِثْرِهَا قَرِيْبًا. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ قیامت کی نشانیوں سے سب سے پہلے جس کا ظہور ہوگا وہ آفتاب کا طلوع ہونا ہے مغرب کی طرف سے اور لوگوں کے سامنے چاشت کے وقت دابۃ الارض کا برآمد ہونا اور دونوں میں سے جو بھی پہلے ہو، دوسری اس کے بعد متصلاً ہی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... ظاہر ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر اتنا ہی منکشف کیا گیا تھا کہ قیامت کی علامات کبریٰ میں سے سب سے پہلے ان دو غیر معمولی اور خارق عادت واقعات کا ظہور ہوگا، ایک یہ کہ آفتاب جو ہمیشہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے، وہ ایک دن جانب مغرب سے طلوع ہوگا، اور دوسرے یہ کہ ایک عجیب وغریب جانور (دَابَّةُ الْاَرْض) کا خارق عادت طریقہ سے ظہور ہوگا...... اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ منکشف نہیں فرمایا گیا تھا کہ ان میں سے کون سا واقعہ پہلے ہوگا اور کون بعد میں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے جو بھی پہلے ہو دوسرا اس کے بعد متصلاً ہی ہوگا...... گویا یہ دونوں واقعے ساتھ ساتھ ہوں گے۔

"دَابَّةُ الْاَرْضِ" کے خروج کا ذکر قرآن مجید (سورۂ نحل کی آیت نمبر ۸۲) میں بھی فرمایا گیا ہے...... اس کے بارے میں

بہت سی بے اصل باتیں عوام میں مشہور ہیں اور تفسیر کی بعض کتابوں میں بھی اس سے متعلق رطب و یابس روایتیں لکھ دی گئی ہیں، لیکن قرآن پاک کے ظاہری الفاظ اور قابل اعتبار روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین سے چلنے اور دوڑنے والا جانور ہوگا، جس کو اللہ تعالیٰ خارق عادت طریقہ سے زمین پر پیدا فرمائے گا، (جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی ایک چٹان سے پیدا فرمائی تھی) اور وہ بحکم خداوندی انسانوں کی طرح کلام کرے گا، اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم کرے گا...... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کی صفا پہاڑی سے برآمد ہوگا۔ (کنز العمال کتاب القیامت)

یہ دونوں واقعات جن کا اس حدیث میں ذکر ہے (آفتاب کا بجائے مشرق کے جانب مغرب سے طلوع ہونا اور کسی جانور (دَابَّةُ الْاَرْضِ) کا توالد و تناسل کے عام معروف طریقہ کے بجائے زمین سے برآمد ہونا) بظاہر اس نظام قدرت کے خلاف ہے، جو اس دنیا کا عام نظام ہے، اس لئے ایسے کم فہموں کو جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت سے آشنا نہیں ہیں، انکے بارے میں شک شبہ ہو سکتا ہے، لیکن ان کو سمجھنا چاہئے کہ یہ سب اس وقت ہوگا جب دنیا کا وہ نظام جس پر یہ دنیا چل رہی ہے ختم کیا جائے گا اور قیامت کا دور شروع ہوگا، اور زمین و آسمان بھی فنا کر دیئے جائیں گے اور دوسرا عالم برپا ہوگا پھر تو وہ سب کچھ سامنے آئے گا جو ہماری اس دنیا کے نظام سے بالکل مختلف ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قیامت کی "علامات خاصہ" اور "علامات کبریٰ" بھی دو طرح کی ہیں، بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت کے بالکل قریب میں ہوگا، گویا ان علامات کے ظہور ہی سے قیامت کی شروعات ہو جائے گی جس طرح صبح صادق کی نمود دن کی آمد کی علامت ہوتی ہے اور اسی سے دن کی آمد شروع ہو جاتی ہے، یہ دونوں علامتیں جن کا اس حدیث میں ذکر ہے اسی قبیل سے ہیں، اور اس قبیل کی علامتوں میں سب سے پہلے انہی کا ظہور ہوگا اور ان کا ظہور گویا اس کا اعلان ہوگا کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اب تک جس نظام پر چل رہی تھی، اب وہ ختم ہو گیا اور قیامت کا دور اور دوسرا نظام شروع ہو گیا...... اور قیامت کی "علامات کبریٰ" میں سے بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت سے کچھ مدت پہلے ہوگا اور وہ قرب قیامت کی علامات ہوں گے، دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (جن کا ذکر آگے درج ہونے والی حدیثوں میں آ رہا ہے) قیامت کی اس قسم کی علامات میں سے ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَا حَدَّثَ بِهٖ نَبِىٌّ قَوْمَهٗ اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّهٗ يَجِيْئُ مَعَهٗ مِثْلَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَالَّتِىْ يَقُوْلُ اِنَّهَا الْجَنَّةُ هِىَ النَّارُ وَاِنِّىْ اُنْذِرُكُمْ كَمَا اَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَهٗ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں دجال کے فتنہ کے بارے میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلاؤں جو کسی پیغمبر نے اپنی امت کو نہیں بتلائی (سنو) وہ کانا ہوگا (اس کی آنکھ میں انگور کے دانے کی طرح ناخنہ پھولا ہوگا) اور اسکے ساتھ ایک چیز ہوگی جنت کی طرح اور ایک دوزخ کی طرح، پس وہ جس کو جنت بتائے گا وہ فی الحقیقت دوزخ ہوگی، اور میں تم کو دجال کے بارے میں آگاہی دیتا ہوں، جیسی آگاہی اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دی تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کے ذخیرے میں مختلف صحابہ کرامؓ سے دجال سے متعلق اتنی حدیثیں مروی ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ

بات قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے قریب دجال کے ظہور کی اطلاع دی ہے اور یہ کہ اس کا فتنہ بندگان خدا کے لئے عظیم ترین اور شدید ترین فتنہ ہو گا، وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کے ثبوت میں عجیب و غریب کرشمے دکھائے گا...... انہی کرشموں میں سے ایک یہ بھی ہوگا کہ اس کے ساتھ جنت کی طرح ایک نقلی جنت اور دوزخ کی طرح ایک نقلی دوزخ ہوگی...... اور حقیقت یہ ہوگی کہ جس کو وہ جنت بتلائے گا وہ دوزخ ہوگی۔ اور اسی طرح جس کو وہ دوزخ کہے گا وہ درحقیقت جنت ہوگی، ...... یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ دجال کے ساتھ والی یہ دوزخ اور جنت صرف اس کی جادوگری، شعبدہ بازی اور نظر فریبی کا نتیجہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے ہماری آزمائش کے لئے شیطان پیدا فرمایا ہے، اور دجال پیدا فرمائے گا اسی طرح دجال کے ساتھ والی جنت اور دوزخ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہو...... اسی کے ساتھ اس کی دجالیت اور کذابیت کی ایک کھلی علامت یہ ہوگی کہ وہ آنکھ سے کانا ہوگا اور صحیح روایات میں ہے کہ اس کی آنکھ میں انگور کے دانے جیسا پھولا ہوگا جو سب کو نظر آئے گا، اس کے باوجود بہت سے خدا ناآشنا جو ایمان سے محروم ہوں گے یا جو بہت ضعیف الایمان ہوں گے اس کی شعبدہ بازیوں اور استدراجی کرشموں سے متاثر ہو کر اس کے خدائی دعوے کو مان لیں گے، اور جن کو ایمان کی حقیقت نصیب ہوگی ان کے لئے دجال کا ظہور اور اس کے خارق عادت کرشمے ایمان و یقین میں مزید ترقی اور اضافہ کا ذریعہ بنیں گے، وہ اس کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہی وہ دجال ہے جس کی خبر ہمارے پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، اس طرح دجال کا ظہور ان کے لئے ترقی درجات کا وسیلہ بنے گا۔

دجال کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے خوارق

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ قیامت سے پہلے دجال کے ظہور سے متعلق حدیث نبوی کے ذخیرہ میں اتنی روایتیں ہیں جن کے بعد اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ قیامت سے پہلے دجال کا ظہور ہوگا، اسی طرح ان روایات کی روشنی میں اس میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کے ہاتھ پر بڑے غیر معمولی اور محیر العقول قسم کے ایسے خارق عادت امور ظاہر ہوں گے جو بظاہر مافوق الفطرت اور کسی بشر اور کسی بھی مخلوق کی طاقت وقدرت سے باہر اور بالاتر ہوں گے...... مثلاً یہ کہ اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہوگی (جس کا مندرجہ بالا حدیث میں بھی ذکر ہے) اور مثلاً یہ کہ وہ بادلوں کو حکم دے گا کہ بارش برسے اور اس کے حکم کے مطابق اسی وقت بارش ہوگی...... اور مثلاً یہ کہ وہ زمین کو حکم دے گا کہ کھیتی اُگے، اور اسی وقت زمین سے کھیتی اگتی نظر آئے گی...... اور مثلاً یہ کہ جو خدا ناشناس اور ظاہر پرست لوگ اس طرح کے خوارق دیکھ کر اس کو خدا مان لیں گے ان کے دنیوی حالات بظاہر بہت ہی اچھے ہو جائیں گے اور وہ خوب پھولتے پھلتے نظر آئیں گے اور اس کے برخلاف جو مؤمنین صادقین اس کے خدائی کے دعوے کو رد کر دیں گے اور اس کو دجال قرار دیں گے بظاہر ان کے دنیوی حالات بہت ہی ناساز گار ہو جائیں گے، اور وہ فقر وفاقے میں اور طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا نظر آئیں گے...... اور مثلاً یہ کہ وہ ایک اچھے طاقتور جوان کو قتل کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور پھر وہ اس کو اپنے حکم سے زندہ کر کے دکھاوے گا اور سب دیکھیں گے کہ وہ جیسا تندرست وتوانا جوان تھا ویسا ہی ہوگیا...... الغرض حدیث کی کتابوں میں دجال کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے اس طرح کے محیر

العقول خوارق کی روایتیں بھی اتنی کثرت سے ہیں کہ اس بارے میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس کے ہاتھ پر اس طرح کے خوارق ظاہر ہوں گے...... اور یہی بندوں کے لئے امتحان اور آزمائش کا باعث ہوں گے۔

اس طرح کے خوارق اگر انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوں گے تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہ انبیاء کرام کے وہ معجزات جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار فرمایا گیا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شق القمر اور دوسرے معجزات جو حدیثوں میں مروی ہیں...... اور اگر ایسے خوارق انبیاء علیہم السلام کے متبعین مؤمنین صالحین کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو کرامت کہا جاتا ہے، جیسے کہ قرآن پاک میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اور اس امت محمدیہ کے اولیاء اللہ کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں واقعات معلوم ومعروف ہیں...... اور اس طرح کے خوارق کسی کافر ومشرک یا فاسق وفاجر داعی ضلالت کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو استدراج کہا جاتا ہے، دجال کے ہاتھ پر جو خوارق ظاہر ہوں گے وہ استدراج ہی کے قبیل سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار الامتحان بنایا ہے، انسان میں خیر کی بھی صلاحیت رکھی گئی ہے اور شر کی بھی، اور ہدایت اور دعوت الی الخیر کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور ان کے نائبین قیامت تک یہ خدمت انجام دیتے رہیں گے اور اضلال اور دعوت شر کے لئے شیطان اور انسانوں اور جنات میں سے اس کے چیلے چانٹے بھی پیدا کئے گئے جو قیامت تک اپنا کام کرتے رہیں گے۔ بنی آدم میں خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدایت اور دعوت الی الخیر کا کمال ختم کر دیا گیا، اب آپ ہی کے نائبین کے ذریعہ قیامت تک ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کا سلسلہ جاری رہے گا اور اضلال اور دعوت شر کا کمال دجال پر ختم ہوگا اور اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور استدراج ایسے غیر معمولی اور محیر العقول خوارق دیئے جائیں گے جو پہلے کسی داعی ضلال کو نہیں دیئے گئے۔

یہ گویا بندوں کا آخری امتحان ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ یہ ظاہر فرمائے گا کہ سلسلہ نبوت وہدایت خاص کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین کی ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں وہ صاحب استقامت بندے بھی اس دجالی دنیا میں موجود ہیں جن کے ایمان ویقین میں ایسے محیر العقول خوارق دیکھنے کے بعد بھی کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ان کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوا اور ان کو وہ مقام صدیقیت حاصل ہوا جو اس سخت امتحان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت مہدی کی آمد، ان کے ذریعہ برپا ہونے والا انقلاب

اس موضوع سے متعلق جو احادیث وروایات کسی درجہ میں قابل اعتبار واستناد ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اس دنیا کے خاتمہ اور قیامت سے پہلے آخری زمانہ میں امت مسلمہ پر اس دور کے ارباب حکومت کی طرف سے ایسے شدید وسنگین مظالم ہوں گے کہ اللہ کی وسیع زمین ان کے لئے تنگ ہو جائے گی، ہر طرف ظلم وستم کا دور دورہ ہوگا، اس وقت اللہ تعالیٰ اس امت میں سے (بعض روایات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے) ایک مرد مجاہد کو کھڑا کرے گا، اس کی جدوجہد کے نتیجہ میں ایسا انقلاب برپا ہوگا کہ دنیا سے ظلم وناانصافی کا خاتمہ ہو جائے گا، ہر طرف عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت غیر معمولی برکات کا ظہور ہوگا، آسمان سے ضرورت کے مطابق بھرپور بارشیں ہوں گی، اور زمین سے غیر معمولی اور خارق عادت پیداوار ہوگی، جس مرد مجاہد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ انقلاب برپا فرمائے گا (بعض روایات کے مطابق اس کا نام محمد اور

اس کے والد کا نام عبداللہ ہوگا، مہدی اس کا لقب ہوگا) اللہ تعالیٰ ان سے بندوں کی ہدایت کا کام لے گا۔

اس مختصر تمہید کے بعد ناظرین کرام اس سلسلہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مطالعہ فرمائیں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ بِاُمَّتِیْ بَلَاءٌ شَدِيْدٌ مِنْ سُلْطَانِهِمْ حَتّٰى يَضِيْقَ الْاَرْضُ عَنْهُمْ فَيَبْعَثُ اللّٰهُ رَجُلاً مِنْ عِتْرَتِیْ فَيَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلاً كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا، يَرْضٰى عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَآءِ وَسَاكِنُ الْاَرْضِ لَا تَدَّخِرُ الْاَرْضُ شَيْئًا مِنْ بَذْرِهَا اِلَّا اَخْرَجَتْهُ وَلَا السَّمَآءُ مِنْ قَطْرِهَا اِلَّا صَبَّتْهُ وَيَعِيْشُ سَبْعَ سِنِيْنَ اَوْثَمَانَ سِنِيْنَ اَوْ تِسْعًا. (رواه الحاكم فی المستدرک)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (آخری زمانے میں) میری امت پر ان کے ارباب حکومت کی طرف سے سخت مصیبتیں آئیں گی، یہاں تک کہ اللہ کی وسیع زمین ان کے لئے تنگ ہو جائے گی اس وقت اللہ تعالیٰ میری نسل میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا، اس کی جدوجہد سے ایسا انقلاب برپا ہوگا کہ اللہ کی زمین جس طرح ظلم وستم سے بھر گئی تھی، اسی طرح عدل وانصاف سے بھر جائے گی، آسمان والے بھی اس سے راضی ہوں گے اور زمین کے رہنے والے بھی، زمین میں جو بیج ڈالا جائے گا اس کو زمین اپنے پاس روک کے نہیں رکھے گی، بلکہ اس سے جو پودا برآمد ہونا چاہئے وہ برآمد ہوگا (بیج کا ایک دانہ بھی ضائع نہ ہوگا) اور اسی طرح بارش کے قطرے ذخیرہ بنا کے نہیں رکھے گا، بلکہ ان کو برسا دے گا (یعنی ضرورت کے مطابق بھرپور بارشیں ہوں گی) اور یہ مرد مجاہد لوگوں کے درمیان سات سال، یا آٹھ سال یا نو سال زندگی گزارے گا۔" (مستدرک حاکم)

تشریح...... قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت قرہ مزنی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ "اِسْمُهٗ اِسْمِیْ وَاِسْمُ اَبِيْهِ اِسْمُ اَبِیْ" (اس شخص کا نام میرا والا نام (یعنی محمد) ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے والد کا نام (عبداللہ) ہوگا۔ یہ حدیث طبرانی کی معجم کبیر اور مسند بزار کے حوالہ سے کنز العمال میں نقل کی گئی ہے، ان دونوں حدیثوں میں مہدی کا لفظ نہیں ہے، لیکن دوسری روایات کی روشنی میں یہ متعین ہو جاتا ہے کہ مراد حضرت مہدی ہی ہیں، ان کا نام محمد اور مہدی لقب ہوگا۔

اس حدیث میں حضرت مہدی کا زمانہ حکومت سات یا آٹھ یا نو سال بیان فرمایا گیا ہے۔ لیکن حضرت ابوسعید خدریؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے آگے ذکر کی جائے گی، ان کا زمانہ حکومت صرف سات سال بیان کیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مندرجہ بالا روایت میں جو "سات یا آٹھ یا نو سال" ہے وہ راوی کا شک ہو، واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَهْدِیُّ مِنِّیْ اَجْلَى الْجَبْهَةِ اَقْنَى الْاَنْفِ يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ. (رواه ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مہدی میری اولاد میں سے ہوگا۔ روشن اور کشادہ پیشانی، بلند بینی، وہ بھر دے گا روئے زمین کو عدل وانصاف سے جس طرح وہ بھر گئی

تھی ظلم وستم سے، وہ سات سال حکومت کرے گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث میں آنکھوں سے نظر آنے والی حضرت مہدی کی دو جسمانی نشانیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، ایک یہ کہ وہ روشن اور کشادہ پیشانی ہوں گے اور دوسری یہ کہ وہ بلند بینی (کھڑی ناک والے) ہوں گے۔ ان دونوں چیزوں کو انسان کی خوبصورتی اور حسن و جمال میں خاص دخل ہوتا ہے، اسی لئے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیثوں میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حلیہ مبارک اور سراپا بیان کیا گیا ہے، اس میں بھی ان دونوں چیزوں کا ذکر آتا ہے، ان دو نشانیوں کے ذکر کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ حسین وجمیل بھی ہوں گے، لیکن ان کی اصل نشانی اور پہچان ان کا یہ کارنامہ ہوگا کہ دنیا سے ظلم وعدوان کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہماری یہ دنیا عدل وانصاف کی دنیا ہو جائے گی۔

عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَنَظَرَ اِلٰى اِبْنِهِ الْحَسَنِ اِبْنِىْ هٰذَا سَيِّدٌ كَمَا سَمَّاهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهٖ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاِسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشْبِهُهٗ فِى الْخُلُقِ وَلَا يُشْبِهُهٗ فِى الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةً يَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا. (رواہ ابوداؤد)

ابواسحاق سبیعی سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ نام (سید) دیا ہے۔ ضرور ایسا ہوگا کہ اس کی نسل سے ایک مرد خدا پیدا ہوگا، جس کا نام تمہارے نبی والا نام (یعنی محمد) ہوگا، وہ اخلاق وسیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ ہوگا اور جسمانی بناوٹ میں وہ آپ کے زیادہ مشابہ نہ ہوگا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ وہ روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس روایت میں ابواسحاق سبیعی نے (جو تابعی ہیں) حضرت حسنؓ کی نسل سے پیدا ہونے والے جس مرد خدا کے بارے میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، چونکہ وہ امور غیب سے ہے، اور سینکڑوں یا ہزاروں برس بعد ہونے والے واقعہ کی خبر ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ بات صاحب وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی فرمائی ہوگی۔ صحابہ کرامؓ کے ایسے بیانات محدثین کے نزدیک حدیث مرفوع (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات) ہی کے حکم میں ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سنا ہوگا۔

اس روایت میں حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ "میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ نام (سید) دیا تھا، بظاہر اس سے حضرت علیؓ کا ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف ہے جو آپ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں فرمایا تھا: اِبْنِىْ هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" (میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے متحارب (برسر جنگ) گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے گا) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کے بارے میں سید کا استعمال فرمایا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے، لیکن بعض

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے ہوں گے، بعض شارحین نے ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہوں گے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دی کہ مہدی ان کی اولاد میں سے ہوں گے، لیکن یہ روایتیں بہت ہی ضعیف درجہ کی ہیں، جو روایتیں کسی درجہ قابل اعتبار ہیں، ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔

ایک ضروری انتباہ

حضرت مہدی سے متعلق احادیث کی تشریح کے سلسلہ میں یہ بھی ضروری معلوم ہوا کہ ان کے بارے میں اہل سنت کے مسلک وتصور اور شیعی عقیدہ کا فرق واختلاف بھی بیان کر دیا جائے کیونکہ بعض شیعہ صاحبان ناواقفوں کے سامنے اس طرح بات کرتے ہیں گویا ظہور مہدی کے مسئلہ پر دونوں فرقوں کا اتفاق ہے، حالانکہ یہ سراسر فریب اور دھوکا ہے۔

اہل سنت کی کتاب حدیث میں حضرت مہدی سے متعلق جو روایات ہیں (جن میں سے چند ان صفحات میں بھی درج کی گئی ہیں) ان کی بنیاد پر اہل سنت کا تصور ان کے بارے میں یہ ہے کہ قیامت کے قریب ایک وقت آئے گا جب دنیا میں کفر وشیطنت اور ظلم وطغیان کا ایک ایسا غلبہ ہو جائے گا کہ اہل ایمان کے لئے اللہ کی وسیع زمین تنگ ہو جائے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ امت مسلمہ ہی میں سے ایک مرد مجاہد کو کھڑا کرے گا (ان کی بعض علامات اور صفات وخصوصیات بھی احادیث میں بیان کی گئی ہیں) اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ان کے ساتھ ہوگی، ان کی جدوجہد سے کفر وشیطنت اور ظلم وعدوان کا غلبہ دنیا سے ختم ہو جائے گا، پورے عالم میں ایمان واسلام اور عدل وانصاف کی فضا قائم ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی طریقہ پر آسمانی اور زمینی برکات کا ظہور ہوگا۔ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں دجال کا خروج ہوگا، جو ہماری اس دنیا کا سب سے بڑا اور آخری فتنہ اور اہل ایمان کے لئے سخت ترین امتحان ہوگا، اس وقت خیر اور شر کی طاقتوں میں آخری درجہ کی کشمکش ہوگی، خیر اور ہدایت کے قائد وعلمبردار حضرت مہدی ہوں گے، اور شر اور کفر وطغیان کا علمبردار دجال ہوگا، پھر اسی زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور انہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے فتنہ کو ختم کرائے گا۔

مہدی کے بارے میں شیعی عقیدہ

شیعوں کا عقیدہ ہے جو ان کے نزدیک جزو ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے بارہ امام نامزد کر دیئے ہیں، ان سب کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے تمام نبیوں ورسولوں سے برتر وبالا ہے۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح معصوم ہیں، اور ان کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی کی طرح فرض ہے، ان سب کو وہ تمام صفات وکمالات حاصل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے، بس یہ فرق ہے کہ ان کو نبی یا رسول نہیں کہا جائے گا بلکہ امام کہا جائے گا، اور امامت کا درجہ نبوت ورسالت سے بالاتر ہے، ان کی امامت پر

ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا شرط نجات ہے، ان بارہ میں سب سے پہلے امام امیر المؤمنین حضرت علیؓ، ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ، ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن الحسین (امام زین العابدین) ان کے بعد اسی طرح ہر امام کا ایک بیٹا امام ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ گیارہویں امام حسن عسکری تھے، جن کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی، شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ ان کی وفات سے چار پانچ سال پہلے (باختلاف روایت ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں) ان کی فرنگی کنیز (نرگس) کے بطن سے ایک بیٹے پیدا ہوئے تھے، جن کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کر رکھا جاتا تھا، کوئی ان کو دیکھ نہیں پاتا تھا، اس وجہ سے لوگوں کو (خاندان والوں کو بھی ان کی پیدائش اور ان کے وجود کا علم نہیں تھا) یہ صاحبزادے اپنے والد حسن عسکری کی وفات سے صرف دس دن پہلے (یعنی ۴۔۵ سال کی عمر میں) امامت سے متعلق وہ سارے سامان ساتھ لے کر (جو امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے لے کر گیارہویں امام ان کے والد حسن عسکری تک ہر امام کے پاس رہے تھے) معجزانہ طور پر غائب اور اپنے شہر "سر من رأی" کے ایک غار میں روپوش ہو گئے۔ اس وقت سے وہ اسی غار میں روپوش ہیں، ان کی غیبوبت اور روپوشی پر اب ساڑھے گیارہ سو برس سے بھی زیادہ زمانہ گزر چکا ہے، شیعہ صاحبان کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ وہی بارہویں اور آخری امام مہدی ہیں، وہی کسی وقت غار سے برآمد ہوں گے، اور دوسرے بے شمار معجزانہ اور محیر العقول کارناموں کے علاوہ وہ مردوں کو بھی زندہ کریں گے اور (معاذ اللہ) (حضرت) ابوبکرؓ، (حضرت) عمرؓ اور (حضرت) عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کو (جو شیعوں کے نزدیک ساری دنیا کے کافروں، مجرموں، فرعون و نمرود وغیرہ سے بھی بدتر درجہ کے کفار و مجرمین ہیں) ان کی قبروں سے نکال کر اور زندہ کر کے ان کو سزا دیں گے، سولی پر چڑھائیں گے، اور ہزاروں بار زندہ کر کے سولی پر چڑھائیں گے اور اسی طرح ان کا ساتھ دینے والے تمام صحابہ کرامؓ اور ان سے محبت و عقیدت رکھنے والے تمام سنیوں کو بھی زندہ کر کے سزا دی جائے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المؤمنین حضرت علیؓ اور تمام آئمہ معصومین اور خاص شیعہ محبین بھی زندہ ہوں گے اور (معاذ اللہ) اپنے ان دشمنوں کی سزا اور تعذیب کا تماشہ دیکھیں گے، گویا شیعوں کے نزدیک یہ جناب امام مہدی قیامت سے پہلے ایک قیامت برپا کریں گے، شیعہ حضرات کی خاص مذہبی اصطلاح میں اس کا نام رجعت ہے اور اس پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ رجعت کے سلسلہ کی شیعی روایات میں یہ بھی ہے کہ جب یہ رجعت ہوگی تو ان جناب مہدی کے ہاتھ پر سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت کریں گے، اس کے بعد دوسرے نمبر پر امیر المؤمنین حضرت علیؓ بیعت کریں گے، اس کے بعد درجہ بہ درجہ دوسرے حضرات بیعت کریں گے۔ یہ ہیں شیعہ حضرات کے امام مہدی، جن کو وہ **القائم**، **الحجة** اور **المنتظر** کے ناموں سے یاد کرتے ہیں اور غار سے ان کے برآمد ہونے کے منتظر ہیں اور جب ان کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں **عجل الله فرجه** (اللہ جلدی ان کو باہر لے آئے)

اہل سنت کے نزدیک اول سے آخر تک یہ صرف خرافاتی داستان ہے جو اس وجہ سے گھڑی گئی ہے کہ فی الحقیقت شیعوں کے گیارہویں امام حسن عسکری ۲۶۰ھ میں لاولد فوت ہوئے تھے، ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا، اور اس سے اثنا عشریہ کا یہ عقیدہ باطل ہوتا ہے کہ امام کا بیٹا ہی امام ہوتا ہے اور بارہواں امام آخری امام ہوگا۔ اور اس کے بعد دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ الغرض صرف اس غلط عقیدہ کی

مجبوری سے یہ بے تکی داستان گھڑی گئی، جو غور وفکر کی صلاحیت رکھنے والے شیعہ حضرات کے لئے آزمائش کا سامان بنی ہوئی ہے۔

افسوس ہے کہ اختصار کے ارادہ کے باوجود مہدی سے متعلق شیعہ عقیدہ کے بیان میں اتنی طوالت ہوگئی، لیکن مہدی سے متعلق اہل سنت کے تصور ومسلک اور شیعی عقیدہ کے فرق واختلاف کو واضح کرنے کے لئے یہ سب لکھنا ضروری سمجھا گیا۔

حضرت مہدی سے متعلق احادیث کی تشریح کے سلسلہ میں یہ ذکر کردینا بھی مناسب ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کے محقق و ناقد وبصیر عالم ومصنف ابن خلدون مغربی نے اپنی معرکۃ الاراء تصنیف "مقدمہ" میں مہدی سے متعلق قریب قریب ان سب ہی روایات کی سندوں پر مفصل کلام کیا ہے جو اہل سنت کی کتب حدیث میں روایت کی گئی ہے اور قریباً سبھی کو مجروح اور ضعیف قرار دیا ہے، (۱) اگرچہ بعد میں آنے والے محدثین نے ان کی جرح وتنقید سے پورا اتفاق نہیں کیا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابن خلدون کی اس جرح وتنقید نے مسئلہ کو قابل بحث وتحقیق بنادیا ہے۔ **والمسئول من الله تعالیٰ هداية الحق والصواب۔**

(۱). مقدمه ابن خلدون مغربی فصل فی امر الفاطمی وما یذهب الیه الناس فی شانه وکشف الغطاء عن ذالک صفحه ۲۴۶ تا ۲۶۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

قیامت کی علامات کبریٰ جو احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق دنیا کے خاتمہ کے قریب، قیامت قائم ہونے سے پہلے ظاہر ہوں گی، ان میں ایک بہت غیر معمولی واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہے، ان صفحات میں تو حسب معمول اس موضوع سے متعلق بھی چند ہی حدیثیں پیش کی جائیں گی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی تقریباً تمام ہی کتابوں میں مختلف سندوں سے اتنے صحابہ کرامؓ سے نزول مسیح علیہ السلام کی حدیثیں روایت کی گئی ہیں، جن کے متعلق (ان کی صحابیت سے قطع نظر کر کے بھی ازروئے عقل وعادت) یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے باہم سازش کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہتان باندھا ہے کہ آپ نے قیامت سے پہلے آسمان سے حضرت مسیح کے نازل ہونے کی خبر دی تھی اور اسی طرح یہ شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان سب صحابہ کرامؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہوگی۔ بہرحال حدیث کے ذخیرہ میں اس مسئلہ سے متعلق جو روایات ہیں، ان کو سامنے رکھنے کے بعد ہر سلیم العقل کو اس بات کا قطعی اور یقینی علم ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی اطلاع امت کو دی تھی، اس کے لئے استاذنا حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے رسالہ "**التصریح بما تواتر فی نزول المسیح**" کا مطالعہ کافی ہے، اس میں صرف اسی مسئلہ سے متعلق حدیث کی کتابوں سے منتخب کر کے ستر (۷۰) سے اوپر حدیثیں جمع کردی گئی ہیں۔

مسئلہ نزول مسیحؑ سے متعلق چند اصولی باتیں

سب سے پہلی اور اہم بات جس کا اس مسئلہ پر غور وفکر کرتے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے، یہ ہے کہ اس کا تعلق اس ذات سے ہے جس کا وجود ہی عام سنت اللہ اور اس دنیا میں جاری قانون فطرت کے بالکل خلاف ہے، یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما

السلام اس طرح پیدا نہیں ہوئے جس طرح ہماری اس دنیا میں انسان، مرد اور عورت کے ملاپ اور مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں (اور جس طرح تمام اولوالعزم پیغمبر اور ان کے خاتم و سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیدا ہوئے تھے) بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت اور اس کے حکم سے اس کے فرشتہ جبریل امین (روح القدس) کے توسط سے اپنی ماں حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے بغیر اس کے کہ ان کو کسی مرد نے چھوا بھی ہو معجزانہ طور پر پیدا کئے گئے، اسی لئے قرآن مجید میں ان کو "اللہ کا کلمہ" بھی کہا گیا ہے (قرآن مجید نے سورۂ آل عمران کی آیات ۴۵، ۵۱ میں اور سورۂ مریم کی آیات ۱۹ تا ۲۳ میں) ان کی معجزانہ پیدائش کا حال تفصیل سے بیان فرمایا ہے (اور انجیل کا بیان بھی یہی ہے اور اسی کے مطابق ساری دنیا کے مسلمانوں اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے)

ایسی ہی ایک دوسری عجیب بات قرآن مجید نے اس بارے میں یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی قدرت اور اس کے حکم و کلمہ سے معجزانہ طور پر مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا ہوئے (جو کنواری تھیں اور ان کا کسی مرد سے نکاح نہیں ہوا تھا) اور وہ ان کو اپنی گود میں لئے بستی میں آئیں اور برادری اور بستی کے لوگوں نے ان کے بارے میں اپنے گندے خیالات کا اظہار کیا اور معاذ اللہ اس نومولود بچے کو ولد الزنا سمجھا، تو اسی نومولود بچہ (عیسیٰ بن مریم) نے اللہ کے حکم سے اسی وقت کلام کیا اور اپنے بارے میں اور حضرت مریم علیہا السلام کی پاکبازی کے بارے میں بیان دیا۔ (سورۂ مریم آیات ۲۷ تا ۳۰)

پھر قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے حکم سے ان کے ہاتھوں پر انتہائی محیر العقول معجزے ظاہر ہوئے کہ وہ مٹی کے گوندے سے پرندہ کی شکل بناتے، پھر اس پر پھونک مار دیتے تو وہ زندہ پرندہ کی طرح فضا میں اڑ جاتا، اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں پر ہاتھ پھیر دیتے یا دم کر دیتے تو وہ فوراً اچھے بھلے ہو جاتے، اندھوں کی آنکھیں روشن ہو جاتیں اور کوڑھیوں کے جسم پر کوئی اثر اور داغ دھبہ بھی نہیں رہتا اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کر کے دکھا دیتے۔ ان کے ان محیر العقول معجزوں کا بیان بھی قرآن مجید (سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ) میں تفصیل اور وضاحت سے فرمایا گیا ہے اور انجیل میں بھی ان معجزات کا ذکر کچھ اضافہ ہی کے ساتھ کیا گیا اور عیسائی دنیا کا عقیدہ بھی اسی کے مطابق ہے۔

پھر قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیا اور آپ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ایمان اور ایمانی زندگی کی دعوت دی تو آپ کی قوم کے لوگوں نے ان کو جھوٹا مدعی قرار دے کر سولی کے ذریعہ سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا، (۱) اور اپنے خیال میں انہوں نے اس فیصلہ کا نفاذ بھی کر دیا اور سمجھ لیا کہ ہم نے عیسیٰ کو سولی پر چڑھا کے موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہوا۔ (انہوں نے جس شخص کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھایا وہ دوسرا شخص تھا) عیسیٰ علیہ السلام کو تو وہ یہودی پا ہی نہ سکے، اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا اور وہ قیامت سے پہلے اللہ کے حکم سے پھر اس دنیا میں آئیں گے، اور یہیں وفات پائیں گے اور ان کی وفات سے پہلے اس وقت کے تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان سے دین محمدی کی خدمت لے گا، اور ان کا نزول ہونا قیامت کی ایک خاص علامت اور نشانی ہوگی۔ (یہ سب سورۂ نساء اور سورۂ زخرف میں بیان فرمایا گیا ہے۔)

(۱)۔ (تورات کے قانون اور اسرائیلی شریعت میں نبوت و رسالت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کی یہی سزا تھی جس طرح

اسلامی شریعت میں بھی جھوٹا مدعی نبوت سزاوارِ قتل ہے۔)

پس جو اہل ایمان قرآن پاک کے بیان کے مطابق ان کی معجزانہ پیدائش اور ان کے مذکورہ بالا محیر العقول معجزات پر ایمان لا چکے ہیں، ان کو بحکم خداوندی آسمان پر ان کے اٹھالئے جانے اور اسی کے حکم سے مقرر کئے ہوئے وقت پر آسمان پر نازل ہونے کے بارے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟

الغرض سب سے پہلی اور اہم بات جس کا اس مسئلہ نزول مسیح پر غور وفکر کرتے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نرالی شخصیت اور ان کی مذکورۂ بالا وہ خصوصیات ہیں جو قرآن پاک کے حوالہ سے سطور بالا میں ذکر کی گئیں اور جن میں وہ انسانی دنیا میں منفرد ہیں۔

(۲)......اسی طرح کی ایک دوسری یہ بات بھی اس مسئلہ پر غور کرتے وقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جس کی اطلاع قرآن مجید میں بالاجمال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں تفصیل اور وضاحت کے ساتھ دی گئی ہے، اس وقت ہوگا جبکہ قیامت بالکل قریب ہوگی، اور اس کی قریب ترین علامات کبریٰ کا ظہور شروع ہو چکا ہوگا۔ مثلاً آفتاب کا بجائے مشرق کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونا اور دابۃ الارض کا خارق عادت طریقہ پر زمین سے پیدا ہونا اور وہ کرنا جس کا ذکر صحیح احادیث میں ہے۔ گویا اس وقت قیامت کی صبح صادق ہو چکی ہوگی اور نظام عالم میں تبدیلی کا عمل شروع ہو چکا ہوگا اور لگاتار وہ خوارق وحوادث رونما ہوں گے جن کا آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا (انہیں میں سے دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہوگا)

پس عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یا دجال کے خروج وظہور کا اس بناء پر انکار کرنا کہ ان کی جو نوعیت اور تفصیل حدیثوں میں بیان کی گئی ہے وہ ہماری عقل میں نہیں آتی بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ قیامت اور جنت دوزخ کا اس وجہ سے انکار کردیا جائے کہ ان کی جو تفصیلات خود قرآن مجید میں بیان فرمائی گئی ہیں، ان کو ہماری عقلیں ہضم نہیں کرسکتیں، جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ وہ خداوند قدوس کی معرفت سے محروم اور اس کی قدرت کی وسعت سے ناآشنا ہیں۔

(۳)......مسئلہ حیات مسیح ونزول مسیح علیہ السلام پر غور کرتے وقت ایک تیسری بات یہ بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ قرآن مجید کے بیان اور ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہماری اس دنیا میں نہیں ہیں، جہاں کا عام فطری نظام یہ ہے کہ آدمی کھانے پینے کی جیسی ضروریات اور تقاضوں سے بے نیاز نہیں ہوتا، بلکہ وہ عالم سمٰوات میں ہیں، جہاں اس طرح کی کوئی ضرورت اور کوئی تقاضا نہیں ہوتا، جیسا کہ فرشتوں کا حال ہے، حضرت مسیح علیہ السلام اگرچہ ماں کی طرف سے انسانی نسل ہیں، لیکن ان کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے "کلمہ" سے اس کے فرشتے روح القدس کے توسط سے ہوئی، اس لئے وہ جب تک ہماری انسانی دنیا میں رہے، انسانی ضروریات اور تقاضے بھی ان کے ساتھ رہے، لیکن جب وہ انسانی دنیا سے عالم سمٰوات اور عالم ملکوت کی طرف اٹھالئے گئے تو وہ ان ضروریات اور تقاضوں سے فرشتوں ہی کی طرح بے نیاز ہوگئے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک کتاب ہے "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" (جو دراصل عیسائیوں کے رد میں لکھی گئی ہے) اس میں ایک جگہ گویا اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ "حضرت مسیح علیہ السلام جب آسمان پر ہیں تو ان کے کھانے پینے جیسی ضروریات کا کیا انتظام ہے؟" شیخ الاسلام نے تحریر فرمایا ہے:

فليست حاله كحالة اهل الارض فى الاكل والشرب واللباس والنوم والغائط والبول ونحو ذالک. (الجواب الصحیح ج ۲ صفحہ ۲۸۰)

(وہاں آسمان پر) کھانے پینے اور لباس اور سونے کی جیسی ضروریات اور تقاضوں کے معاملہ میں ان کا حال زمین والوں کا سا نہیں ہے (وہاں وہ فرشتوں کی طرح ان چیزوں سے بے نیاز ہیں ۔)

امید ہے کہ ان اصولی باتوں کو پیش نظر رکھا جائے گا تو حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و نزول کے بارے میں وہ شبہات اور وساوس ان شاء اللہ پیدا نہ ہوں گے جو عقلوں کی خامی، ایمان کے ضعف اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت سے ناآشنائی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مطالعہ کیا جائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَنْزِلَ فِيْكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَفِيْضُ الْمَالَ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰى تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ" الأية. (رواه البخارى ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یقیناً قریب ہے کہ نازل ہوں گے تم میں (یعنی مسلمانوں میں) عیسیٰ بن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے، پھر توڑ دیں گے وہ صلیب کو، اور قتل کرائیں گے خنزیروں کو اور ختم کر دیں گے جزیہ، اور کثرت و بہتات ہو گی مال کی، یہاں تک کہ کوئی قبول نہیں کرے گا اس کو، تا آنکہ ہو گا اس وقت ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر...... پھر کہتے تھے ابوہریرہؓ کہ اگر (قرآن سے اس کا ثبوت چاہو تو) پڑھو (سورۂ نساء کی یہ آیت) "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ"...... الاية (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) "اور سب ہی اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ضرور بالضرور ایمان لے آئیں گے اور قیامت کے دن وہ ان کے بارے میں شہادت دیں گے۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور ان کے چند اہم اقدامات اور کارناموں کا ذکر فرمایا، اور امت کو اس کی اطلاع دی ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ غیر معمولی تھا اور بہت سے کوتاہ عقل اور ضعیف الایمان لوگوں کو اس میں شک و شبہ ہو سکتا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قسم کے ساتھ ذکر فرمایا، سب سے پہلے فرمایا "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ" (اس خداوند پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے) اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا "لَيُوْشِكَنَّ" (یقیناً قریب ہے) یہ بھی نزول مسیح علیہ السلام کے یقینی اور قطعی ہونے کی ایک تعبیر ہے، جس طرح قرآن مجید میں قیامت کے بارے میں فرمایا گیا، "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ" (قیامت قریب ہی ہے) مطلب یہ ہے کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں سمجھنا چاہئے کہ بس آنے ہی والی ہے، بہر حال قسم کے بعد "لَيُوْشِكَنَّ" کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو اطلاع دی جا رہی ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔

قسم اور "لَيُوْشِكَنَّ" کے ذریعہ مزید تاکید کے بعد جو اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس ارشاد میں دی، اس

کو واضح اور عام فہم الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ یقیناً یہ ہونے والا ہے کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم اللہ کے حکم سے عادل حاکم کی حیثیت سے تم مسلمانوں میں (یعنی اس وقت ان کی حیثیت مسلمانوں ہی میں کے ایک عادل حاکم اور امیر کی ہوگی) اور وہ اپنی حاکمانہ حیثیت سے جو اقدامات کریں گے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ صلیب جو بت پرستوں کے بتوں کی طرح عیسائیوں کا گویا ''بت'' بن گئی ہے، اور جس پر ان کے انتہائی گمراہ کن اور موجب کفر عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے، اس کو توڑ دیں گے، توڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جو تعظیم اور ایک طرح کی پرستش عیسائیوں میں ہو رہی ہے، اس کو ختم کر دیں گے۔ الغرض ''صلیب شکنی'' کا مطلب وہی سمجھنا چاہئے جو ہماری زبان میں ''بت شکنی'' کا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح کا ایک دوسرا اقدام ان کا یہ ہوگا کہ خنزیروں کو قتل کرائیں گے، عیسائیوں کی ایک بڑی گمراہی اور دین عیسوی میں ایک بڑی تحریف یہ بھی ہے کہ خنزیر (جو تمام آسمانی شریعتوں میں حرام ہے) اس کو انہوں نے جائز کر لیا ہے، بلکہ وہ ان کی مرغوب ترین غذا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نہ صرف یہ کہ اس کی حرمت کا اعلان فرمائیں گے بلکہ اس نسل ہی کو نیست و نابود کر دینے کا حکم دیں گے، اس کے علاوہ ان کا ایک خاص اقدام یہ بھی ہوگا کہ وہ جزیہ کے خاتمہ کا اعلان فرما دیں گے۔ (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فیصلہ اور اعلان اسی کی بنیاد پر ہوگا، اپنی طرف سے اسلامی شریعت و قانون میں تبدیلی نہیں ہوگی) آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمانہ میں مال و دولت کی ایسی کثرت اور بہتات ہوگی کہ کوئی کسی کو دینا چاہے گا تو وہ لینے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا، دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور اس کے مقابلہ میں آخرت کے اجر و ثواب کی طلب و رغبت اللہ کے بندوں میں اس درجہ پیدا ہو جائے گی کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک سجدہ زیادہ عزیز اور قیمتی سمجھا جائے گا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ ''فاقرء وا ان شئتم الخ'' مطلب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کے نازل ہونے کا بیان قرآن میں پڑھنا چاہو تو سورۂ نساء کی یہ آیت ''وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ الآية (سورۂ نساء، آیت نمبر ۱۵۹) پڑھو۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةُ اللّٰهِ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جو حق کے لئے لڑتی رہے گی اور کامیاب رہے گی، اسی سلسلہ کلام میں آگے آپ نے فرمایا کہ پھر نازل ہوں گے عیسیٰ بن مریم، تو مسلمانوں کے اس وقت کے امیر و امام ان سے کہیں گے کہ آپ نماز پڑھایئے تو عیسیٰ بن مریم فرمائیں گے نہیں (یعنی میں اس وقت امام بن کر نماز نہیں پڑھاؤں گا) تمہارے امیر و امام تم ہی میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث کے پہلے جز میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ

طے ہو چکا ہے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جو حق پر ہو گی اور حق کے لئے حسب حالات وضرورت ودشمنان حق سے لڑتی رہے گی، اور کامیاب رہے گی، حدیث کے شارحین نے لکھا ہے کہ دین حق کی حفاظت وبقا اور فروغ کے لئے یہ لڑائی مسلح جنگ کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے، اور زبان وقلم اور دلائل وبراہین سے بھی، اور دین حق کی اس طرح حفاظت اور اس کے فروغ کی جدوجہد کرنے والے سب ہی باتوفیق بندے دین حق کے سپاہی اور مجاہد فی سبیل الحق ہیں، اور بلاشبہ کوئی زمانہ ایسے بندگان خدا سے خالی نہیں رہا، اور قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہو چکا ہے، حدیث کے دوسرے جز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشین گوئی وآگاہی یہ اطلاع دی ہے کہ قیامت کے قریب آخری زمانے میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، وہ نماز کا وقت ہو گا تو اس وقت مسلمانوں کے جو امام وامیر ہوں گے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ آپ تشریف لے آئے، اب آپ ہی نماز پڑھائیں، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز کی امامت کرنے سے انکار کر دیں گے اور فرمائیں گے کہ نماز آپ ہی پڑھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو جو خاص اعزاز بخشا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا امام انہی میں سے ہو۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے خروج دجال اور نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ مسلمان بیت المقدس میں جمع ہوں گے (یعنی دجال کے فتنہ سے حفاظت اور اس کے مقابلہ کے لئے مسلمان بیت المقدس میں جمع ہوں گے) فجر کی نماز کا وقت ہو گا اور لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ہوں گے، ان کے امام جو ایک ''مرد صالح'' ہوں گے، (ہو سکتا ہے کہ وہ جناب مہدی ہوں) نماز پڑھانے کے لئے امام کی جگہ کھڑے ہو جائیں گے، اور اقامت کہی جا چکی ہو گی اس وقت اچانک عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں گے تو مسلمانوں کے جو امام وامیر نماز پڑھانے کے لئے آگے کھڑے ہو چکے ہوں گے وہ پیچھے ہٹنے لگیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ اب نماز آپ پڑھائیں (کیونکہ بہتر یہی ہے کہ جماعت میں جو سب سے افضل ہو وہی امامت کرے اور نماز پڑھائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اگلے زمانے میں اللہ کے نبی ورسول تھے بلاشبہ سب سے افضل ہوں گے، اس لئے اس وقت کے مسلمانوں کے امام امامت کے مصلے سے پیچھے ہٹ کر ان سے درخواست کریں گے کہ اب جبکہ آپ تشریف لے آئے تو نماز آپ ہی پڑھائیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت نماز پڑھانے سے انکار کر دیں گے، اور فرمائیں گے کہ نماز آپ ہی پڑھائیں، کیونکہ آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے اس وقت جماعت کھڑی ہوئی ہے اور اقامت کہی جا چکی ہے۔

بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد یہ پہلی نماز ہو گی اور وہ یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کے مقتدی بن کر ادا کریں گے، اور خود امامت سے انکار فرما دیں گے۔ وہ ایسا اس لئے کریں گے کہ ابتداء ہی میں عمل سے بھی یہ بات ظاہر ہو جائے کہ اگلے زمانے کے جلیل القدر نبی ورسول ہونے کے باوجود اس وقت وہ امت محمدیہ کے افراد کی طرح شریعت محمدی کے متبع ہیں، اور اب دنیا کے خاتمہ تک شریعت محمدی ہی کا دور ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ بَيْنِیْ وَبَيْنَهٗ (یعنی عِیْسٰی عَلَیْهِ

السَّلَامِ) نَبِيٌّ وَإِنَّهُ نَازِلٌ فَاِذَا رَأَيْتُمُوْهِ فَاعْرِفُوْهُ رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ اِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ بَيْنَ مُمَصَّرَتَيْنِ كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ وَاِنْ لَّمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ فَيُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَيَدُقُّ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيُهْلِكُ اللّٰهُ فِيْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ وَيُهْلِكُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يُتَوَفّٰى فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے، ان کے ساتھ اپنا خاص تعلق بیان فرماتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں (ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی نبی و رسول بنا کر بھیجا ہے) اور یقیناً وہ (میرے دور نبوت میں قیامت سے پہلے) نازل ہونے والے ہیں، تم جب ان کو دیکھو تو پہچان لیجیو، وہ میانہ قد ہوں گے، ان کا رنگ سرخی مائل سفید ہوگا، وہ زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ہوں گے، ایسا محسوس ہوگا کہ ان کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں اگر چہ سر کو تر نہ کیا گیا ہوگا، وہ نازل ہونے کے بعد اسلام کے لئے جہاد و قتال کریں گے، وہ صلیب کو پاش پاش کر دیں گے اور خنزیروں کو نیست و نابود کرائیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے، اور ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا ساری ملتوں اور مذہبوں کو ختم کر دیں گے، اور حضرت مسیح علیہ السلام دجال کا خاتمہ کر دیں گے، اس کو فنا کر دیں گے، پس وہ اس زمین اور اس دنیا میں چالیس سال رہیں گے، پھر یہیں وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (سنن ابی داوٗد)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی اطلاع کے ساتھ ان کی بعض ظاہری علامتیں بھی بیان فرمائیں، ایک یہ کہ نہ تو وہ زیادہ دراز قد ہوں گے نہ پستہ قد، بلکہ میانہ قد ہوں گے، دوسری یہ کہ ان کا رنگ سرخ و سفید ہوگا، تیسری یہ کہ ان کا لباس ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے ہوں گے، چوتھی یہ کہ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوگا کہ ان کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، حالانکہ ان کے سر پر پانی نہ پڑا ہوگا، وہ تو اسی وقت آسمان سے اترے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے صاف شفاف ہوں گے اور ان کے سر کے بالوں کی کیفیت ایسی ہوگی جیسے کہ ابھی غسل فرما کے تشریف لا رہے ہیں۔

یہ چند ظاہری علامتیں بتلانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خاص اقدامات اور کارناموں کا ذکر فرمایا، اس سلسلہ کی پہلی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین حق اسلام کی دعوت دیں گے (جس کی دعوت اپنے اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے سب پیغمبروں نے دی ہے) اور ان کا آسمان سے نازل ہو کر دین اسلام کی دعوت دینا اس کے دین حق ہونے کی ایسی روشن دلیل ہوگی جس کے بعد اس کو قبول کرنے سے صرف وہی بد بخت اور سیاہ باطن لوگ انکار کریں گے جن کے دلوں میں حق سے عناد ہوگا، اور اس کو قبول کرنے کی گنجائش ہی نہ ہوگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو بھی دین حق اور اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کے لئے بالآخر طاقت استعمال فرمائیں گے، اور جہاد و قتال کریں گے، اس کے علاوہ دو اقدام ان کے خاص طور سے ان کے نام لیوا عیسائیوں سے متعلق ہوں گے، ایک یہ کہ وہ صلیب کو پاش پاش کر دیں گے، جس کو عیسائیوں نے اپنا شعار اور گویا معبود بنا لیا ہے، اور جس پر ان کے انتہائی گمراہانہ عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے، اس کے ذریعہ اس

حقیقت کا بھی اظہار ہوگا کہ وہ صلیب پر نہیں چڑھائے گئے، اس بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں فرقوں کا عقیدہ غلط باطل ہے۔ حق وہ ہے جس کا اعلان قرآن پاک میں کیا گیا ہے اور جو امت مسلمہ کا عقیدہ ہے۔ اپنے نام لیوا عیسائیوں سے ہی متعلق دوسرا اقدام ان کا یہ ہوگا کہ وہ خنزیروں کو نیست و نابود کرائیں گے، جن کو عیسائیوں نے اپنے لئے حلال قرار دے لیا ہے، حالانکہ وہ تمام آسمانی شریعتوں میں حرام رہا ہے، اس کے بعد حدیث شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کے اس اقدام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ جزیہ لینا موقوف اور ختم کر دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر ظاہر فرما دیا کہ ہماری شریعت میں جزیہ کا قانون نزول مسیح کے وقت تک کے لئے ہے، جب وہ نازل ہو جائیں گے اور آپ کے خلیفہ کی حیثیت سے امت مسلمہ کے سربراہ اور حاکم ہوں گے، تو جزیہ کا قانون ختم ہو جائے گا (اس کا ایک ظاہری سبب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غیر معمولی برکات ہوں گی تو حکومت کو جزیہ وصول کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی جو ایک طرح کا ٹیکس ہے) اس کے بعد حدیث شریف میں ان کے دو اہم کارناموں کا ذکر فرمایا گیا ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ دین حق اسلام کے سوا دوسرے تمام باطل مذہبوں اور ملتوں کو ختم فرما دے گا، سب ایمان لے آئیں گے، اور اسلام قبول کر لیں گے، اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہی کے ہاتھ سے دجال کو ہلاک کرا کے جہنم واصل کرے گا، اور دنیا دجال کے اس فتنہ سے نجات پائے گی، جو اس دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا، آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسیح علیہ السلام نازل ہونے کے بعد اس دنیا اور اس زمین میں چالیس سال رہیں گے، اس کے بعد یہیں وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے یہاں نقل کی گئی اور یہاں تک اس کی تشریح کی گئی یہ مسند امام احمد میں بھی ہے، اور اس میں کچھ اضافہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد اور ان کے زمانہ حکومت و خلافت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خارق عادت برکات ہوں گی ان میں سے ایک یہ بھی ہوگی کہ شیر، بھیڑیئے وغیرہ درندوں کی فطرت بدل جائے گی، بجائے درندگی کے ان میں سلامتی آ جائے گی، شیر، چیتے، اونٹوں، گایوں، بیلوں کے ساتھ اسی طرح بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ گھومیں گے، کوئی کسی پر حملہ نہیں کرے گا، اسی طرح چھوٹے بچے سانپوں سے کھیلیں گے اور سانپ کسی کو نہیں ڈسے گا، اور کسی سے کسی کو ایذا نہیں پہنچے گی، یہ خوارق اور درندوں کی فطرت تک میں یہ انقلاب اس کی علامت ہوگا کہ یہ دنیا اب تک جس نظام کے ساتھ چل رہی تھی، اب وہ ختم ہونے والا ہے اور قیامت قریب ہے اور اس کے بعد آخرت والا نظام چلنے والا ہے۔ اس وقت کو روز قیامت کی صبح صادق سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت پر جس کا ایمان ہو، اس کے لئے ان میں سے کوئی بات بھی نا قابل فہم اور نا قابل یقین نہیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اِلَى الْاَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ وَيَمْكُثُ خَمْسًا وَّاَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوْتُ فَيُدْفَنُ مَعِىَ فِىْ قَبْرِىْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فِىْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَيْنَ اَبِىْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ. (رواه ابن الجوزى فى كتاب الوفا)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر

نازل ہوں گے، وہ یہاں آ کر نکاح بھی کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہوگی، اور وہ پینتالیس سال رہیں گے۔ پھر ان کی وفات ہو جائے گی، وفات کے بعد ان کو میرے ساتھ (اس جگہ جہاں میں دفن کیا جاؤں گا) دفن کیا جائے گا، پھر جب قیامت قائم ہوگی تو میں اور عیسیٰ بن مریم ابوبکر و عمر کے درمیان قبر کی اسی جگہ سے اٹھیں گے۔ (کتاب الوفا لابن الجوزی)

تشریح...... یہ مسلمات میں سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ہماری دنیا میں تھے، تو انہوں نے یہاں پوری زندگی تجرد کی گزاری، نکاح نہیں کیا، حالانکہ نکاح اور تزوج انسان کی فطری ضروریات میں سے ہیں، اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں، اسی لئے جہاں تک معلوم ہے، ان سے پہلے اللہ کے تمام پیغمبروں نے اور ان کے بعد آنے والے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نکاح کیا ہے، ابن الجوزی کی کتاب الوفا کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ نزول کے بعد کی یہاں کی زندگی میں وہ نکاح بھی کریں گے اور اولاد بھی ہو گی۔ آگے اس روایت میں ان کے قیام کی مدت پینتالیس سال بیان کی گئی ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت (جو سنن ابی داؤد میں ہے) نزول کے بعد ان کی مدت قیام چالیس سال بتلائی گئی ہے، بعض اور روایات میں بھی ان کی مدت قیام چالیس سال ہی بیان فرمائی گئی ہے، بعض شارحین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ چالیس والی روایات میں اوپر کا عدد حذف کر دیا گیا ہے اور عربی محاورات میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسر حذف کر دی جاتی ہے، واللہ اعلم۔ روایت کے آخری حصہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہیں وفات پائیں گے، اور جہاں میں دفن کیا جاؤں گا وہیں وہ بھی دفن کئے جائیں گے، اور جب قیامت قائم ہوگی تو میں اور وہ ساتھ ہی اٹھیں گے اور ابوبکر و عمر بھی دائیں بائیں ہمارے ساتھ ہوں گے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مستقبل کی جو بہت سی باتیں منکشف کی گئی تھیں، جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اطلاع دی، ان میں سے یہ بھی تھی کہ جس جگہ میں دفن کیا جاؤں گا، وہیں میرے بعد میرے دونوں خاص رفیق ابوبکر و عمر بھی دفن کئے جائیں گے۔ اور آخری زمانے میں جب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے اور یہیں وفات پائیں گے تو ان کو بھی اس جگہ میرے ساتھ ہی دفن کیا جائے گا اور جب قیامت قائم ہوگی تو ہم دونوں ساتھ اٹھیں گے اور ابوبکر و عمر ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ شریفہ میں ہوئی تھی، اور آپ کے ایک ارشاد کے مطابق اسی جگہ آپ دفن کئے گئے، اس کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو وہ بھی وہیں برابر میں دفن کئے گئے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رضا اور اجازت سے وہ بھی وہیں صدیق اکبرؓ کے برابر میں دفن کئے گئے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حجرہ شریفہ میں ایک قبر کی جگہ اس کے بعد بھی باقی رہی پھر سبط اکبر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی تو لوگوں نے چاہا کہ ان کو وہاں دفن کیا جائے۔ ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رضامندی اور اجازت دے دی، لیکن اس وقت اموی حکومت کے جو احکام مدینہ منورہ میں تھے وہ مانع ہوئے (غالباً اس وجہ سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن نہیں کیا گیا۔)

پھر جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے) تب بھی یہی ہوا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انکی تدفین کی اجازت دے دی، لیکن وہ بھی وہاں دفن نہیں کئے جا سکے۔ پھر جب خود ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مرض وفات پر ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو اس جگہ دفن کیا جائے، تو انہوں نے فرمایا کہ بقیع میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات مدفون ہیں، مجھے بھی ان کے ساتھ بقیع ہی میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہ وہیں دفن کی گئیں، بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد روضہ اقدس میں ایک قبر کی جو خالی جگہ رہی تھی، وہ خالی ہی ہے، اور مندرجہ بالا روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہونے کے بعد وفات پائیں گے تو وہیں دفن کئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ یہ پہلے یہودی تھے، اور تورات اور قدیم آسمانی صحیفوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ جامع ترمذی میں ان کا یہ بیان روایت کیا ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بھی ترمذی ہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ مِنْكُمْ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَلْيُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ. (رواه الحاكم فى المستدرك)

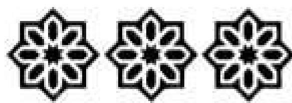
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو پائے، وہ ان کو میرا اسلام پہنچائے۔ (مستدرک حاکم)

تشریح...... اس مضمون کی ایک اور حدیث مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے، اور مسند احمد ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ "اَقْرِؤْهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ السَّلَامَ" (تم لوگ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو پاؤ تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچائیو) اور مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد بیان کرنے کے بعد حاضرین مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی طرف سے فرمایا:

"يَا ابْنَ اَخِيْ اِنْ رَاَيْتُمُوْهُ فَقُوْلُوْا اَبُوْهُرَيْرَةَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ."

(اے میرے بھتیجو(۱) اگر تم عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھو تو میری طرف سے ان سے عرض کیجیو کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے آپ کو سلام کہا ہے۔)

(۱)۔ عرب کے لوگ جب اپنے سے بڑے سے بات کرتے ہیں تو ادب و احترام کے طور پر کہتے ہیں "یا عم" (اے چچا جان) اور جب چھوٹوں سے بات کرتے ہیں تو شفقت اور پیار کے طور پر کہتے ہیں "یا ابن اخی" (اے میرے بھتیجے)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی مسئلہ ہے

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّنْزِلَ فِيْكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلاً فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْحَرْبَ وَيَفِيْضُ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰى تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَاقْرَءُ وُ اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا. (رواہ البخاری و مسلم ص۸۷، ج ۱)

وَفِىْ لَفْظٍ مِنْ رِوَايَةِ عَطَاءٍ وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَا وَالتَّبَاغض وَالتَّحَاسد. (رواہ ابو داؤد)

وَلفظه يوشك مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ اَنْ يُّلْقٰى عِيْسَى بْن مَرْيَمَ وعزاه السيوطى فى الدر المنثور ص ۲۴۲ ج ۲، لابن ابى شيبة وعبد بن حميد و اخرجه ابن مردويه وفى لفظه و تكون السجدة واحدة لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَاقْرَءُ وُ اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ مَوْت عِيْسَى بْن مَرْيَمَ ثُمَّ يُعِيْدُهَا ابوهُرَيْرَة ثَلٰثَ مَرَّاتٍ.

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یقیناً وہ زمانہ قریب ہے جبکہ ابن مریم تمہارے درمیان اتریں گے۔ وہ ایک منصف فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے آئیں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور سور کو قتل کریں گے اور جنگ ختم کردیں گے اور ان کے دور میں مال اس طرح بہا پڑے گا کہ کوئی شخص اس کو قبول کرنے والا نہ ملے گا اور لوگوں کی نظروں میں ایک سجدہ کی قدر و قیمت دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی۔ یہ مضمون روایت فرما کر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ اگر تم اس مضمون کو قرآن کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو سورۃ نساء کی یہ آیت پڑھ لو "وَاِنَّ مِنْ اهل الكِتٰب الَّا ليومِنَنَّ به قبل مَوْتِهٖ" (بخاری شریف) مسلم شریف میں عطاء کی روایت میں یہ الفاظ اور ہیں کہ ان کے زمانہ کی برکات میں سے یہ بھی ہوگا کہ لوگوں میں کینہ، بغض اور حسد کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔

تشریح۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں اگر عام عادت کے خلاف کوئی بات نہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قسم کھا کھا کر کیوں بیان فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کسی انسان کی ولادت مراد نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی جدید بات نہیں جس پر قسم کھانے کی ضرورت ہو۔ پھر اس پیشین گوئی کی اہمیت راوی حدیث کی نظر میں اتنی ہے کہ وہ اس کو قرآنی پیشین گوئی کہتا ہے۔ اب اس سے اندازہ کرلینا چاہیے کہ جو پیشین گوئی قسم کے ساتھ حدیثوں میں بیان کی گئی ہو بلکہ

قرآن کریم میں موجود ہو وہ جزم ویقین کے کس درجہ میں ہوگی۔ حدیث مذکور میں ان کے زمانہ کی چند ایسی برکات کا تذکرہ بھی آ گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت ہوگی وہ کوئی معمولی محکوم انسان نہیں ہوں گے بلکہ حاکم بھی وہ حاکم ہوں گے جو وقت کی بڑی طاقت یعنی نصرانیت کا صرف روحانی طور پر ہی نہیں بلکہ مادی طور پر بھی استیصال فرمائیں گے اور شعائر نصرانیت میں سب سے بڑا شعار یعنی ''صلیب'' اس کو نیست و نابود کر دیں گے۔ اخروی برکات کے ساتھ ساتھ دنیاوی برکات بھی ان کے قدموں سے لگی ہوئی ہوں گی اور یہ سب برکات اتنی ظاہر و باہر ہوں گی کہ اس وقت کے انسانوں کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہی ''اسرائیلی'' رسول ہونے کا بدیہی ثبوت دیں گے۔

یہ بھی واضح رہے کہ حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''حکم'' فرمایا گیا ہے اور حکم وہی ہوسکتا ہے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو۔ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ نازل ہونے والے وہی اسرائیلی عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کی شخصیت ہی اہل کتاب اور اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے نزدیک مسلم ہوسکتی ہے۔ اگر بالفرض اس پیشین گوئی کا مصداق کسی ایسے شخص کو قرار دیا جائے جو خود اسی اُمت میں پیدا ہوتو اس کو حکم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اہل کتاب کے نزدیک وہ مسلم نہیں ہوگا۔ یہاں حکم یعنی ثالث کی ضرورت اس لیے ہے کہ دنیا کے خاتمہ پر جملہ ادیان کا پھر ملت واحد بن جانا ضروری ہے اور اس کے لیے اہل کتاب اور اہل قرآن کا باہم اختلاف ختم ہو جانا لازم ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کے سب فیصلے دلائل و براہین کی روشنی میں ہوتے ہیں اس لیے اس کی مصلحت نے تقاضا کیا کہ اس مقصد کے لیے ایک ایسی شخصیت آئے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہوتا کہ خدائے تعالیٰ کی حجت دونوں فریق پر پوری ہو جائے اس لیے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا تشریف لانا مقصد ہوا۔ (وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلا)

وَاَخْرَجَ اَبُوْ يَعْلٰى مَرْفُوْعًا وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَيَنْزِلَنَّ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِىْ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَاُجِيْبَنَّهٗ كذافى روح المعانى من الاحزاب ص ٦)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذات کی قسم کھا کر فرمایا جس کے قبضہ میں آپ کی جان ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ضرور اُتر کر رہیں گے اور اگر وہ میری قبر پر آ کر کھڑے ہوں گے اور مجھ کو یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر آواز دیں گے تو میں ان کو ضرور جواب دونگا۔ (روح المعانی)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ مِنْكُمْ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَلْيُقْرِئْهُ مِنِّى السَّلَامَ. (كذافى الدرمنثور)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے جس شخص کی بھی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے ملاقات ہو وہ ان کو میری جانب سے ضرور سلام کہہ دے۔ (احمد)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ مَوْقُوْفًا عَلَيْهِ اِنِّىْ لَاَرْجُوْا اِنْ طَالَتْ بِىْ حَيٰوةٌ اَنْ اُدْرِكَ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَاِنْ عَجِلَ بِىْ مَوْتٌ فَمَنْ اَدْرَكَهٗ فَلْيُقْرِئْهُ مِنِّى السَّلَامَ. (مسند احمد)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میری زندگی دراز ہوگئی تو مجھ کو اُمید ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے

خود میری ملاقات ہو جائے گی اور اگر اس سے پہلے میری موت آ جائے تو جو شخص ان کا زمانہ پائے وہ میری جانب سے ان کی خدمت میں سلام عرض کر دے۔ (مسند احمد)

تشریح۔ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی امر ہے اور ایسا یقینی ہے کہ اس پیشین گوئی کے راویوں کی نظروں میں اس کا انتظار لگ رہا تھا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت غیر معمولی شخصیت ہے۔ اُمت کا فرض ہے کہ وہ پیشین گوئی کو یاد رکھے اور جس خوش نصیب کو وہ زمانہ ہاتھ آ جائے اس پر لازم ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پورا کرنے کی سعادت حاصل کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اب تک وفات نہیں ہوئی

عَنِ الْحَسَنِ مَرْفُوْعًا وَمَوْقُوْفاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْیَھُوْدِ اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَاِنَّہٗ رَاجِعٌ اِلَیْکُمْ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اَخرجه ابن جرير مرفوعاً عنه واخرجه ابن كثير من ال عمران و ذكره في النساء من طريق اخر موقوفاً عليه واخرجه ابن ابى حاتم مرفوعاً.

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے ارشاد فرمایا، عیسیٰ علیہ السلام ابھی مرے نہیں ہیں اور قیامت سے پہلے ان کو لوٹ کر تمہارے پاس آنا ہے۔ (ابن کثیر)

تشریح۔ عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کو علیحدہ علیحدہ خطاب فرمایا ہے چونکہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ تصور کرتے ہیں اور ان کی دوبارہ آمد کے منکر ہیں اس لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص یہود کو خطاب فرمایا تو ان کے مقابلہ میں خاص طور پر ان کی دوبارہ تشریف آوری پر زور دیا ہے اور صراحت کے ساتھ ان کی موت کی نفی فرما دی ہے جس سے ثابت ہوا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہی نہیں ہوئی تو پھر ان کا دوبارہ تشریف لانا خود بخود ضروری ہے اور اس حقیقت کی مزید تاکید کے لیے جو شخص آسمانوں پر گیا ہے وہی شخص دوبارہ آئے گا۔ لفظ ''رجوع'' یعنی لوٹنے کا استعمال فرمایا ہے اس کے برعکس نصاریٰ ہیں وہ ان کو خدا مانتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک وہ فناء کے تحت آ ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا آپ نے جب خاص ان سے خطاب فرمایا تو ان کو یہ کہہ کر قائل کیا ہے کہ خدا وہ ہے جس کو کبھی فناء نہ ہو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اترنے کے بعد موت آنی ہے پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

عَنِ الرَّبِیْعِ مُرْسَلاً قَالَ اِنَّ نَصَارٰی اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخَاصَمُوْہُ فِی عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ وَقَالُوْا لَہٗ مَنْ اَبُوْہُ وَقَالُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکِذْبَ وَالْبُھْتَانَ فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیّ رَسُوْلُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ لَا یَکُوْنُ وَلَدٌ اِلاَّ وَھُوَ یُشْبِہُ اَبَاہُ قَالُوْا بَلٰی قَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَبَّنَا حَیٌّ لَا یَمُوْتُ وَاَنَّ عِیْسٰی یَاْتِیْ عَلَیْہِ الْفَنَاءُ قَالُوْا بَلٰی. (درمنثور)

ربیع مرسلاً بیان کرتے ہیں کہ نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عیسیٰ بن مریم کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے (کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے نہ تھے) تو بتائیے ان کا والد کون تھا اور

حق تعالیٰ شانہ پر طرح طرح کے جھوٹ اور بہتان لگانے لگے، آپ نے ان سے فرمایا کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوا کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں، پھر آپ نے فرمایا کیا تم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے اس کو موت کبھی نہیں آئے گی اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو موت آنی ہے، انہوں نے اس کا اقرار کیا اور کہا بیشک ان کو موت آنی ہے (تو پھر وہ حق تعالیٰ کے مشابہ کہاں رہے)۔ (درمنثور)

تشریح۔ اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت آ چکی تھی تو کیا اس حقیقت کے انکشاف کے لیے اس سے زیادہ بڑھ کر کوئی اور موقع تھا، آپ یہاں صاف فرما دیتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو کبھی کے مر چکے ہیں مگر قرآن وحدیث میں عیسائیوں کے سامنے ایک جگہ بھی ہم کو اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔

عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ عَنْ حُذَیْفَةِ بْنِ اُسَیْدِ الْغِفَارِیِّ قَالَ اِطَّلَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاکَرُ فَقَالَ مَا تَذْکُرُوْنَ قَالُوْا نَذْکُرُ السَّاعَةَ قَالَ اِنَّهَا لَنْ تَقُوْمَ حَتّٰی تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ اٰیَاتٍ فَذَکَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَالدَّابَّةَ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُوْلَ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ یَاْجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَثَلاَثَةَ خُسُوْفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِیْرَةِ الْعَرَبِ وَاٰخِرُ ذٰلِکَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْیَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلٰی مَحْشَرِهِمْ. (اخرجہ مسلم)

ابوالطفیل حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر سے تشریف لائے، اس وقت ہم قیامت کے متعلق گفتگو میں مشغول تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا گفتگو کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی قیامت کے متعلق باتیں کر رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک ہرگز نہیں آ سکتی جب تک کہ اس سے پہلے تم دس نشانیاں دیکھ نہ لو۔ دھواں، دجال، دابۃ الارض، مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع، عیسیٰ بن مریم کا اترنا، یاجوج وماجوج کا ظہور، تین خسف، ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور تیسرا جزیرہ عرب میں اور سب سے آخر میں وہ آگ جو یمن سے ظاہر ہوگی اور سب کو دھکا دے کر محشر تک جائے گی۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے مگر اس سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول چند اور علامات کے ساتھ بھی اتنا ہی یقینی ہے حتیٰ کہ ان کی تشریف آوری سے قبل قیامت کا تصور کرنا گویا بے حقیقت بات ہے۔

نیز حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جن اور دیگر علامات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر علامت اپنی اپنی نوعیت میں عجیب ہی ہے اور ظاہر ہے کہ انقلاب عالم کے عجیب تر حادثہ کی علامات ایسے ہی عجیب در عجیب ہونی چاہئیں اس کو تاویلیں کر کر کے دنیا کے عام حوادث کی صف میں کھینچنا قیامت کی حقیقت سے ناواقفی کی دلیل ہے بلکہ ایک طرح پر قیامت ہی کا انکار ہے کیونکہ قیامت کا وجود ان علامات کے وجود سے کہیں عجیب تر ہے پس اگر یہ علامات مادی عقول کے نزدیک خلاف عقل ہونے کی بناء پر قابل تاویل ہیں تو پھر قیامت کا وجود بدرجہ اولیٰ قابل تاویل ہونا چاہیے۔ والعیاذ باللہ۔ اہل عقل وانصاف کو ذرا ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدیثوں میں قیامت کے قریب ترمتعلقات میں شمار کیا گیا ہے۔ پھر اگر اس

کو قیاس کرنا ہی ہے تو قیامت پر قیاس کرنا چاہیے۔ عالم کے عام نظم ونسق میں اس کو شامل کر لینا کتنی بڑی نادانی ہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ علامات قیامت میں قیامت کی علامات کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ صغریٰ (چھوٹی) اور کبریٰ (بڑی) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول علامات کبریٰ میں شامل فرمایا ہے جس کا حاصل حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ اس کے بعد قیامت کا اسطرح انتظار کرنا چاہیے جیسے جانور کے حمل کی مدت پوری ہو جانے کے بعد اس کا مالک بچہ کی پیدائش کا انتظار کیا کرتا ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُسَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِيْ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. (مسند احمد ص ۴۲۹ ج ۴ و رجال کلهم ثقات)

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی جو اپنے دشمنوں کے مقابلہ پر غالب رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو اور حضرت عیسیٰ بن مریم اتریں۔ (مسند احمد)

تشریح۔ حدیث مذکور اگرچہ ایک دوسرے مضمون کی حدیث ہے مگر چونکہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری قیامت کی طرح یقینی مسئلہ ہے اس لیے جب کہیں قیامت کا تذکرہ آتا ہے تو اگر وہاں سیاق کلام میں ذرا کوئی مناسبت نکل آتی ہے تو مسلمات کی طرح فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا تذکرہ بھی آ جاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا قَالَ اِنَّ الْمَسِيْحَ بْنَ مَرْيَمَ خَارِجٌ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَسْتَغْنِ بِهِ النَّاسُ عَمَّنْ سِوَاهُ. (کنز العمال ص ۲۶۸ ج ۷)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) یقیناً تشریف لا کر رہیں گے اور ان کی آمد کے بعد لوگ ان کے سواء سب سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ (کنز العمال)

عَنِ ابْنِ عُمَر مَرْفُوْعًا ليف تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا فِيْ اَوَّلِهَا وَعِيْسٰى فِيْ آخِرِهَا. (کنز ص ۲۰۳ ج ۷، وصححه فی الدر المنثور)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں بھلا وہ اُمت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اوّل میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ (علیہ السلام) ہوں۔

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرِ الْحَضْرَمِيِّ مَرْفُوْعًا مُرْسَلاً لَنْ يُخْزِيَ اللّٰهُ اُمَّةً اَنَا فِيْ اَوَّلِهَا وَعِيْسٰى فِيْ اٰخِرِهَا. (کذافی الدر المنثور)

جبیر بن نفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کو ہرگز ناکام نہیں کرے گا جس کے اول میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔ (درمنثور)

تشریح۔ حدیث مذکور سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی ہے اور اس نزول میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اُمت کے لیے ایک بڑی رحمت بھی پنہاں ہے۔ یوں تو ہر گزشتہ اُمت دو رسولوں کے درمیان ہی ہوتی چلی آئی ہے مگر چونکہ پہلے ہر رسول کی اُمت مستقل ہوتی تھی اس لیے اس کو پہلی اُمت کے آخر میں شمار کرنا بے معنی بات تھی وہاں ہر رسول کا اصل مقام

اپنی اُمت کے اول ہی میں تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گو نصاری کے بعد تشریف لائے مگر چونکہ آپ مستقل رسول تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت علیحدہ اُمت تھی اس لیے آپ کو اُمت عیسیٰ علیہ السلام کے آخر میں شمار کرنا اور یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت بھی دو رسولوں کے درمیان ہے اس کے اوّل میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بے معنی بات ہے لیکن اس اُمت کا معاملہ بالکل مختلف ہے یہاں اس اُمت کے رسول تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اس اُمت میں بہ حیثیت رسالت نہ ہوگی اس لیے ان کی اُمت بھی کوئی جدید اُمت نہ ہوگی اس لیے ان کو اس اُمت کے آخر میں شمار کرنا بالکل درست ہے اور اس اُمت کے حق میں بڑی رحمت کا باعث ہے۔

حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ آخر میں آنے والے رسول وہی اسرائیلی رسول ہوں گے اور خود اس اُمت میں پیدا نہیں ہوں گے کیونکہ اگر وہ خود اس اُمت میں پیدا ہوں تو پھر ان کو اُمت کے آخر میں کہنا مناسب نہیں بس یہاں جس طرح اُمت کے اوّل میں آنے والے رسول کو اس اُمت میں شمار کرنا صحیح نہیں اسی طرح اس کے آخر میں آنے والے رسول کو اس اُمت میں پیدا شدہ کہنا صحیح نہیں بلکہ وہ ایسا رسول ہونا چاہیے جو خود رسول ہو مگر آئندہ اس کی کوئی علیحدہ اُمت نہ ہوتا کہ اس کو اس اُمت کے آخر میں کہنا صحیح اور بامعنی بات ہو۔ یہ بات دوسری ہے کہ چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں آئے گا اس لیے دورہ نبوت کے لحاظ سے اس کو آپ کی اُمت میں بھی شمار کرنا درست رہے تو پھر اس میں ایک عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص نہیں تمام انبیاء علیہم السلام بھی آپ کی نبوت کے تحت ہیں اور اس لیے صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ محشر میں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے مگر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شاق ایک بار دنیا میں بھی ظاہر ہوگی اس لیے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے خاص ان کے اندر یہ رشتہ زیادہ نمایاں رہے گا اس لیے علماء حقائق نے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام میں اس خصوصیت کا ظہور قیامت کے دن بھی سب میں ممتاز رہے گا۔ عجب نہیں کہ "انا اولی الناس بابن مریم" کی صحیح حدیث میں اس طرف بھی کچھ اشارہ ہو۔۱۲

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے اتریں گے

عَنِ الْحَاطِبِ بن اَبِی بَلْتَعَةَ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمَقُوْقِسِ مَلِكِ الاسْكَنْدَرِية قَالَ فَجِئْتُهُ بِكِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَنِیْ فِیْ مَنْزِلِهٖ وَاَقَمْتُ عِنْدَهٗ ثُمَّ بَعَثَ اِلَیَّ وَقَدْ جَمَعَ بطارقةً وَقَالَ اِنِّیْ سَاُكَلِّمُكَ بِكَلَامٍ وَاُحِبُّ اَنْ تَفْهَمَهٗ مِنِّیْ قَالَ قُلْتُ هَلُمَّ قَالَ اَخْبِرْنِیْ عَنْ صَاحِبِكَ اَلَيْسَ هُمْ نَبِيًّا قُلْتُ بَلٰی هُوَ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَمَالَه حَيْثُ كَانَ هٰكَذَا لَمْ يَدْعَ عَلٰی قَوْمِهٖ حَيْثُ اَخْرَجُوْهُ مِنْ بَلَدِهٖ اِلٰی غَيْرِهَا قَالَ فَقُلْتُ عِيْسَی بْنُ مَرْيَمَ اَلَيْسَ تَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَالَهٗ حَيْثُ اَخَذَهٗ قَوْمُهٗ فَاَرَادُوْا اَنْ يَّصْلِبُوْهُ اَنْ لَّا يَكُوْنَ دَعَا عَلَيْهِمْ بِاَنْ يُّهْلِكَهُمُ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ حَتّٰی رَفَعَهُ اللّٰه اِلَيْهِ فِی

السَّمَاءِ الدُّنیَا قَالَ اَنْتَ الْحَکِیْمُ الَّذِیْ جَاءَ مِنْ عِنْدِ الْحَکِیْمِ. (اخرجہ البیھقی)

حاطب بن ابی بلتعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو مقوقس شاہ اسکندریہ کے پاس بھیجا' یہ کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر اُن کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ کو اپنی جگہ پر بٹھایا اور میں ان کے ہاں مقیم رہا پھر کسی فرصت میں انہوں نے مجھ کو یاد فرمایا اور اپنے مذہبی بزرگوں کو بھی دعوت دی اور کہا مجھ کو تم سے ایک بات کہنی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس کو خوب سمجھ لو' یہ کہتے ہیں میں نے عرض کی فرمائیے' فرمائیے! انہوں نے فرمایا اچھا اپنے پیشوا کے متعلق بتاؤ کیا وہ نبی ہیں؟ میں نے عرض کی یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں اس پر انہوں نے کہا تو پھر ان کی قوم نے ان کو اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا تو انہوں نے کیوں ان پر بددعاء نہ کی۔ یہ کہتے ہی میں نے اس کے جواب میں شاہ مقوقس سے کہا کیا آپ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ گواہی نہیں دیتے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں تو پھر جب ان کی قوم نے ان کو پکڑ کر سولی دینے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے اس وقت ان کے حق میں یہ بددعاء کیوں نہ کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کردے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اس آسمان پر ان کو اُٹھالیا' یہ سن کر شاہ مقوقس نے کہا تو خود بھی دانا شخص ہے اور جس ہستی کا فیض یافتہ ہے وہ بھی بڑی صاحب حکمت ہے۔ (بیہقی)

تشریح۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شاہ مقوقس کے درمیان ایک مربوط گفتگو کا تذکرہ ہے جس کو پڑھ کر بے ساختہ دل اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس گفتگو میں صحابی کو مقوقس کے جواب میں گو صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں پر بددعاء کیوں نہیں کی مگر انہوں نے شاہ مقوقس پر اور زیادہ زور ڈالنے کے لیے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہجرت فرمائی تھی وہ تو صرف ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف تھی مگر عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت تو ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے وطن چھوڑا مگر پھر بھی رہے وطن ہی کے قریب و بعید میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو ایسی جگہ ہجرت فرمائی جہاں نہ وطن کی خبر رہی نہ اہل وطن کی پس بددعاء کا سوال وہاں زیادہ چسپاں ہوتا ہے جہاں مظلومیت زیادہ ہو اس پر شاہ مقوقس نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ کیا نامعقول بات کہتے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کہاں گئے ان کی تو مدت ہوئی وفات ہو چکی ہے بلکہ وہ لاجواب ہو کر چپ رہ گیا اور اس کو خود ان کی بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی غائبانہ داد دینی پڑی۔ معلوم ہوا کہ شاہ مقوقس کے نزدیک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ زندہ آسمان پر تشریف لے گئے۔ اس لیے آسمان ہی سے اتریں گے' ان کے علاوہ کسی دوسرے انسان کا دنیا میں پیدا ہونے کا خیال یہ صرف جدید تراشیدہ افسانہ ہے جس کے نہ اہل کتاب ہی قائل تھے نہ علماء اسلام۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَانَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِیْکُمْ وَاَنَامُکُمْ مِنْکُمْ. (ذکرہ البیھقی)

وعن ابن عباس فی تفسیر قولہ تعالیٰ ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم ای من ترکت منھم ومُدَّ فی عمرہ حتی اھبط من السّماء الی الارض یقتل الدجال فنزلوا عن مقالتھم ووحدوک

واقِرّوا انا عبید. وعنه قال لمّا اراد اللّٰہ ان یرفع عیسٰی الی السّماء خرج الی اصحابه وفی البیت اثنا عشر رجلا من الحواریین فخرج علیھم من غیرالبیت و رأسه یقطر ماء. درمنثور ص ۲۳۸ ج ۲

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' بھلا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جبکہ عیسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام خود تم میں سے ہوگا۔ (الاسماء والصفات)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت "**وان تعذبھم الخ**" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے یعنی ان لوگوں کو جن کو تو باقی رکھے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر دراز کردی گئی ہے یہاں تک کہ جب وہ آسمان سے زمین پر اُتریں اور دجال کو قتل کردیں تو جو باقی ماندہ اپنے مشرکانہ عقیدے سے باز آکر تیری وحدانیت کے قائل ہوجائیں اور یہ اقرار بھی کریں کہ میں تیرا ایک بندہ ہی ہوں تو تو قادر اور حکمت والا ہے۔ نیز ابن عباس "**بل رفعه اللّٰہ الیه**" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو وہ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اس وقت گھر میں صرف بارہ شخص موجود تھے اور وہ گھر کے دروازہ کے بجائے روشندان سے تشریف لے گئے اور اس وقت ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

تشریح۔ حدیث مذکور میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے' ہرچند کہ آسمان کے لفظ کی ان تفصیلات کے بعد جو عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں بیان میں آچکی تھیں کوئی ضرورت نہ تھی مگر اس کے باوجود چونکہ وہ ایک حقیقت تھی اس لیے اگر بضرورت نہ سہی تو ایک حقیقت کے اظہار کے طور پر ہی سہی اس کا جابجا تذکرہ ملتا ہے حتیٰ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جن کے متعلق یہ داستان گائی جاتی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل تھے مختلف مقامات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تصریح فرماتے ہیں پھر اس میں شبہ کیا ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مرنا ہے' کلام صرف اس میں ہے کہ یہ مقدر موت واقع ہوچکی ہے یا آئندہ واقع ہونے والی ہے؟ کتنی نافہمی ہے کہ بالفرض اگر ان کے بارے میں کسی سے موت کا لفظ منقول بھی ہے تو اس کو فوراً بے تحقیق گزشتہ موت پر حمل کرلیا جائے حالانکہ وہ اس کا صاف اقرار بھی کررہا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے جاچکے ہیں اور آئندہ تشریف لاکر عام انسانوں کی طرح وفات پائیں گے۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا قَالَ الدَّجَّال اَوَّلُ مَنْ یَّتَّبِعُهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنَ الْیَهُوْدِ عَلَیْهِمُ السِّیْجَانُ (الی قوله) قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍؓ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَعِنْدَ ذٰلِکَ یَنْزِلَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ عَلَی جَبَلِ افیق اِمَامًا هَادِیًا وَحَکَمًا عَادِلاً عَلَیْهِ بُرُنُسٌ لَهٗ مَرْبُوْعُ الْخَلْقِ اصلَتُ سَبِطُ الشَّعْرِ بِیَدِهٖ حَرْبَةٌ یَقْتُلُ الدَّجَّال فَاِذَا قَتَلَ الدَّجَّالَ تَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا فَکَانَ السِّلْمُ فَیَلْقَی الرَّجُلُ الْاَسَدَ فَلاَ یَهِیْجُهٗ وَیَاخُذُالْحَیَّةَ فَلاَ تَضُرُّهٗ وَتَنْبُتُ الْاَرْضُ کَنَبَاتِهَا عَلٰی عَهْدِ اٰدَمَ وَیُؤْمِنُ بِهٖ اَهْلُ الْاَرْض وَیَکُوْنَ النَّاسُ اَهْلُ مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ. (اسحٰق ابن بشیر کنز ص...... ج۷)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب سے پہلے جو لوگ دجال کی اتباع کریں گے وہ ستر ہزار یہود ہوں گے ان کے سروں پر طیلسان ہوں گے۔ اس سلسلہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کوہ افیق پر آسمان سے اتریں گے اور وہ امام ہادی اور منصف حاکم ہوں گے۔ برنس (باران کوٹ کی طرح ہوتا ہے) پہنے ہوئے ہوں گے وہ میانہ جسم کے ستے ہوئے رخسار اور سیدھے بالوں والے ہیں ان کے ہاتھ میں نیزہ ہوگا' دجال کو قتل کریں گے اور جب اس کے قتل سے فارغ ہو جائیں گے تو جنگ ختم ہو جائے گی اور امن وسلامتی کا یہ عالم ہوگا کہ آدمی اور شیر کا آمنا سامنا ہوگا مگر اس پر حملہ کرنے کا اس کے دل میں ذرا خیال نہ آئے گا۔ آدمی سانپ کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور وہ اس کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچائے گا اور زمین کی پیداوار میں وہ برکت ہوگی جو کبھی آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تھی اور زمین کے بسنے والے ان پر ایمان لے آئیں گے اور سب مخلوق ایک ہی ملت و مذہب کی ہو جائے گی۔ (کنز)

تشریح۔ اس حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہے اور ان کے دور کے امن وامان اور اصلاح و امان عام کا ایسا نقشہ موجود ہے جس سے بداہتہ ثابت ہوتا ہے کہ یقیناً وہ کوئی غیر معمولی انسان ہوں گے اب اگر کسی کے دل میں ہر حقیقت کو مجاز بنا بنا کر اس پیشین گوئی کو اپنے نفس پر صادق کرنے کا جذبہ ہو تو اس کا علاج کس کے پاس ہے ہاں جو شخص کسی کی ہوائے نفسانی کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بصیرت افروز ارشادات کی بے جا تاویلات پر یقین لانے کو ترجیح دے وہ اپنا ٹھکانا خود سوچ لے۔ (ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نوراً فمالہ من نور)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنبیاءِ اِخْوَةُ العلَّاتِ اَبُوْهُمْ وَاحِدٌ وَّ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰی وَاَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ لِاَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ نَبِیٌّ وَاَنَّهٗ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ فَاِنَّه رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ اِلَی الْحُمْرَةِ وَالبیاضِ سَبطٌ کَاَنَّ رَاْسَهٗ یَقْطُرُ وَاِنْ لَّمْ یُصِبْهُ بَلَلٌ بَیْنَ مُمَصَّرتَیْنِ. فیکسرالصَلیب وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیُعَطِّلُ الْمِلَلَ حَتّٰی یُهْلِکَ اللّٰهُ فِی زَمَانِهِ الْمِلَلَ کُلَّهَا غَیْرَ الْاِسْلَامِ وَیُهْلِکُ اللّٰهُ فِی زَمَانِهِ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ الْکَذَّابَ وَتَقَعُ الْاَمَنَةُ فِی الْاَرْضِ حَتّٰی تَرْتَعَ الْاِبْلُ مَعَ الْاَسَدِ جَمِیْعًا وَالنُّمُوْرُ مَعَ الْبَقَرِ وَالذِّبَابُ مَعَ الْغَنَمِ وَیَلْعَبُ الصِّبْیَانُ وَالْغِلْمَانُ بِالْحَیَّاتِ لَا یُضِرُّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَیَمْکُثُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَّمْکُثَ ثُمَّ یَتَوَفّٰی فَیُصَلِّی عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَیَدْفَنُوْنَهٗ. (مسند احمد ص۴۳۷ ج۲)

احادیث میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جتنے انبیاء ہیں سب باپ شریک بھائیوں کی طرح ہیں' والد ایک اور مائیں علیحدہ علیحدہ ہوں' عیسیٰ علیہ السلام سے سب سے زیادہ نزدیک میں ہوں' میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں' دیکھو وہ ضرور اتریں گے اور جب تم ان کو دیکھو تو فوراً پہچان لینا کیونکہ ان کا قد میانہ ہوگا' رنگ سرخ وسفید'

کنگھی کیے ہوئے سیدھے بال یوں معلوم ہوگا کہ سر سے پانی ٹپکنے والا ہے۔ اگرچہ اس پر کہیں تری کا نام نہ ہوگا' دو گیرو کے رنگ کی چادریں اوڑھے ہوں گے' وہ اتر کر صلیب کو توڑ ڈالیں گے' سور کو قتل کریں گے' جزیہ ختم کردیں گے اور تمام مذاہب ان کے زمانہ میں ختم ہو کر صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ جھوٹے مسیح دجال کو ہلاک کرے گا اور زمین پر امن وامان کا وہ نقشہ قائم ہوگا کہ اونٹ شیروں کے ساتھ اور چیتے بیلوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چریں گے اور لڑکے بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور ایک دوسرے کو ذرا کوئی تکلیف نہ دے گا۔ اسی حالت پر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا وہ رہیں گے پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ اداء کریں گے اور ان کو دفن کردیں گے۔(مسند احمد)

تشریح۔اس حدیث پر پہلی نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہاں اسی مسیح (اسرائیلی علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا تذکرہ ہے جو ایک بار بہ حیثیت نبوت کے پہلے آچکے ہیں اور وہی اس اُمت پر ایک بڑی مصیبت کے وقت دوبارہ پھر تشریف لانے والے ہیں کیونکہ زمانہ کے لحاظ سے آپ سے وہی اتنے قریب ہیں کہ ان کے اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں اس لیے بھی اس مصیبت کے وقت آپ کی اُمت کی ہمدردی کا فرض سب سے پہلے ان ہی پر عائد ہوتا ہے۔ نیز آپ نے اس کی مزید توضیح کے لیے انکا وہی نام ونسب ان کی اسی ملکی نظافت وطہارت اور ان کے اسی حلیہ مبارک کا تذکرہ فرمایا ہے جس کے بعد کسی مجنون کے لئے بھی اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی' پھر آپ نے صرف ان کے ماضی سوانح کے بیان پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ ان کے مستقبل کے ایسے کارنامے اور ایسی روشن برکات کا بھی تذکرہ فرمادیا ہے جن کے بعد ان کی شناخت میں کوئی ادنیٰ تردد نہیں ہوسکتا۔اب اگر آپ کے فرمودہ پر ایمان لانا ہے تو وہ واضح سے واضح انداز میں یہ آپ کے سامنے موجود ہے اور اگر اپنے خیالات پر ایمان لانا ہے تو یہود اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہی راستہ اختیار کر چکے ہیں۔ کتب سماویہ صاف سے صاف انداز میں آپ کے نام ونسب' آپ کی شکل وشمائل اور آپ کے کارناموں کو کھول کھول کر بیان کرتی رہیں اور یہ بدنصیب ان سب کی تاویلیں کرکر کے آپ کا انکار کرتے رہے۔(**فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين**)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی تفصیلات

عن النواسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالَ ذَاتَ غَدَاةٍ فَخَفَّضَ فِيْهِ وَرَفَّعَ حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِيْ طَائِفَةِ النَّخْلِ فَلَمَّا رُحْنَا اِلَيْهِ عرف ذَالِکَ فِيْنَا فَقَالَ مَاشَانُكُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَكَرت الدَّجَّال غَدَاةً فَخَفَّضْتَ فِيْهِ وَرَفَّعتَ حتّى ظَنَناهُ فِىْ طَائِفَةِ النَّخل فَقَالَ غَيْرُ الدَّجَّال أَخْوَفُنِىْ عَلَيْكُمْ اِنْ يَّخرُجَ وَاَنَا فِيْكُمْ فَاَنَا حَجِيْجَهٗ دُوْنكُمْ وَاِنْ يَّخرُجْ وَلَسْتُ فِيْكُمْ فَاَمِرٌّ حَجِيْجُ نَفْسه وَاللّٰهِ خَلِيْفَتِىْ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ. اِنَّهٗ شَابٌّ فغط عَيْنُهٗ طَافة كَانَ اشْبَهُهٗ بِعَبْدِ الْعزىٰ بن قَطَنٍ فَمَنْ اَدْرَکَ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَءُ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُوْرَةَ الْكَهفِ اِنَّهٗ خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثٍ يَمِيْنًا وَعَاثٍ شِمَالاً يَا عِبَادَ اللّٰهِ فَاثْبُتُوْا قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا لَبثهٗ فِى الْاَرْضِ قَالَ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا. يَوْمٌ كَسنَةٍ. وَيَوْمَ كَشهْرٍ وَّيَوْمٌ كَجُمْعَةٍ وَسَائِرُ اَيَّامِهٖ كَاَيامِكُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَالِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَسَنَةٍ اتَّكْفِيْنَا فِيْهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ قَالَ لَا اَقْدِرُوْ، لَهٗ قَدْرَهٗ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا اَسْرَعهٗ فِى الْاَرْضِ قَالَ كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيْحُ فَيَأْتِى عَلَى الْقَوْمِ فَيَدْعُوْهُمْ فَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَجِيْبُوْنَ لَهٗ فَيَامُرُ السَّمَاءَ فتمطر وَالْاَرْضَ فَتُنْبِتُ فَتَرُوْحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتَهُمْ اَطْوَلَ مَا كَانَتْ ذُرِىً وَاَسْبَغَهٗ ضُرُوْعًا وَاَمَدَّهٗ خَوَاصِر ثُمَّ يَاتِى الْقَوْمَ فَيَدْعُوْهُمْ فَيَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ قوله فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَيُصْبِحُوْنَ مُمْحِلِيْنَ لَيْسَ بِاَيْدِيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَيَمُرُّ بالخربَةِ فَيَقُوْلُ لَهَا اَخْرِجِى كُنُوْزَكِ فَتَتْبَعُهٗ كُنُوْزُهَا كَيَعَا سِيبَ النحل ثُمَّ يَدْعُوْهُمْ رَجُلًا مُمْتَلِئًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهٗ جزلتين رَمْيَةَ الْغَرضِ ثُمَّ يَدْعُوْهُ فَيُقبل وَيَتَهلَّل وَجْهُهٗ ويَضْحَكُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ اذا بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرقى دمشق بَيْنَ مَهْرُوْذَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ اِذَا طَاطَاءَ رَاسهٗ قطر وَاِذَا رَفَعَهٗ تَحَدَّر مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يجدُ رِيحَ نَفْسِهٖ اِلَّا مَاتَ وَنَفَسَهٗ يَنْتَهِىْ اِلٰى حَيْثُ يَنْتِهى طَرْفَهٗ فَيَطْلُبُهٗ حَتّٰى يُدْرِكَهٗ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلهٗ ثُمَّ يَأْتِىْ عِيْسٰى قَوْمًا قَد حَصَمَهُمُ اللّٰهِ مِنْهُ فَيَمْسح عَنْ وُّجُوْهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِى الْجَنَّةِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ اِذْ اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامِ اِنِّىْ قَدْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِى لَايَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِىْ اِلَى الطُّوْرِ وَيَبْعَثُ اللّٰهُ يَاجُوْجَ مَاجُوْجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ فيمر او مثلهم علٰى بحيرة طَبَرِيَةَ فَيَشْرَبُوْنَ مَافِيْهَا وَيَمُرُّ اٰخِرُهُمْ فَيَقُوْلُوْنَ لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهٖ مَرَّةً ويحصر نَبِى اللّٰهِ عِيْسى عَلَيْهِ السَّلَامِ واصحابهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ رَأس الثَّوْرِ لِاَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِّائَةِ دينار لاحدكُمُ الْيَوْمُ فَيَرْغَبُ نَبِىُّ اللّٰهُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامِ وَاَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ عَلَيْهِمِ النَّغَفَ فِىْ رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسٰى كموت نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبُطُ نَبِىُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامِ وَاَصْحَابه اِلَى الْاَرْضِ فَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ مِثْلِى الْاَرْضَ مَوْضَعَ شِبْرٍ الا ملائكه زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِىُّ اللّٰهِ عِيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامِ وَاَصْحَابُه اِلَى اللّٰهِ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَاَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرحهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰه مَطَرًا لَايكن مِنْهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ فَغَسَلَ الْاَرْض حَتّٰى يَتْركَهَا كَالزَّلَفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْاَرْضِ اَنْبِتِىْ ثَمَرتِكِ وَرُدى بَرَكَتِكِ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعَصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَيَسْتَظِلُّوْنَ بِقَحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِى الرِّسلِ حَتّٰى اَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِىْ الْفَخِذَ مِنَ النَّاس فَبَيْنَماهُمْ كَذَالِكَ اِذَا بَعَثَ اللّٰهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَاخُذُهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلُّ مُسْلِمٍ وَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُوْنَ فِيْهَا تهارُجَ الحمر فَعَلَيْهِم تَقُوْمُ السَّاعَةُ. (رواه مسلم)

نواس بن سمعان روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی اہمیت سے دجال کا تذکرہ فرمایا کہ مارے دہشت کے ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ یہیں کسی باغ میں موجود ہے۔ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

آپ نے ہمارے اس دہشت وخوف کو محسوس کرلیا اور پوچھا تم ایسے پریشان کیوں نظر آتے ہو؟ ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے صبح دجال کا ذکر اتنی اہمیت کے ساتھ فرمایا کہ ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ یہیں کسی باغ میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھ کو تم پر دجال سے بڑھ کر دوسری باتوں کا زیادہ اندیشہ ہے، دجال کا کیا ہے اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو تمہارے بجائے میں خود اس سے نمٹ لوں گا ورنہ تو ہر شخص اس کا خود مقابلہ کرے اور میں نے تم سب کو خدا کے سپرد کیا۔ دیکھو وہ جوان ہوگا، اس کے بال سخت گھنگریالے اور اس کی آنکھ انگور کی طرح باہر کو ابھری ہوئی ہوگی بالکل اس شباہت کا شخص سمجھو جیسا یہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے تو تم میں جو شخص بھی اس کا زمانہ پائے اس کو چاہیے کہ وہ سورہ کہف کی اول کی آیتیں پڑھ لے۔ وہ شام اور عراق کی درمیانی گھاٹیوں سے ظاہر ہوگا اور اپنے دائیں بائیں ہر سمت بڑا اودھم مچائے گا تو اے اللہ کے بندو! دیکھو اس وقت ثابت قدم رہنا، ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کتنے عرصہ تک زمین پر رہے گا، فرمایا چالیس دن، لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اور پھر دوسرا ایک ماہ اور تیسرا ایک جمعہ کے برابر ہوگا اس کے بعد بقیہ دن تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے، ہم نے پوچھا، جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس دن میں ہم کو ایک ہی دن کی نمازیں ادا کرنی کافی ہوگی؟ فرمایا نہیں بلکہ ایک دن کی برابر نمازوں کا اندازہ کر کر کے نمازیں ادا کرتے رہنا۔ ہم نے پوچھا وہ کس رفتار سے زمین پر گھومے گا؟ فرمایا اس تیز رفتار بادل کی طرح جس کو پیچھے سے ہوا اڑائے لا رہی ہو وہ کچھ لوگوں کے پاس آ کر ان کو اپنی خدائی پر ایمان لانے کی دعوت دے گا، وہ اس پر ایمان لے آئیں گے، وہ خوش ہو کر آسمان کو بارش کا حکم دے گا فوراً بارش آجائے گی اور زمین کو حکم دے گا اسی وقت وہ سبزہ زار ہو جائے گی اور شام کو جب ان کے حیوانات چراگاہوں سے چر کر واپس ہوں گے تو ان کے اونٹوں کے کوہان پہلے سے زیادہ لمبے لمبے، ان کے تھن پہلے سے زیادہ دودھ سے لبریز اور ان کی کوکھیں پہلے سے زیادہ تنی ہوئی ہوں گی، اس کے بعد وہ کچھ اور لوگوں کے پاس جائے گا اور ان کو بھی اپنی خدائی کی دعوت دے گا مگر وہ اس کو نہ مانیں گے جب وہ ان کے پاس سے واپس ہوگا تو یہ بیچارے سب قحط میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے قبضہ میں کوئی مال نہ رہے گا (سب دجال کے ساتھ چلا جائے گا) پھر وہ ایک شور زمین سے گزرے گا اور اس کو یہ حکم دے گا اپنے تمام خزانے باہر اُگل دے، وہ سب کے سب اس کے پیچھے پیچھے اس طرح ہولینگے جیسے مکھیوں کے سردار کے پیچھے پیچھے سب مکھیاں ہوتی ہیں اس کے بعد ایک شخص کو بلائے گا جو اپنے پورے شباب پر ہوگا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر کے اتنی دور پھینک دے گا جتنا تیرانداز اور اس کے نشانہ لگانے کی جگہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے، پھر اس کو آواز دے کر بلائے گا وہ ہنستا کھلکھلاتا چلا جائے گا، ادھر وہ یہ شعبدہ بازیاں دکھلا رہا ہوگا، ادھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا وہ دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے اور دو زرد زعفرانی رنگ کی چادریں اوڑھے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے، سر جھکائیں گے تو پانی کے قطرے ٹپکتے معلوم ہوں گے

اور جب سر اُٹھائیں گے تو بالوں میں چاندی کے سے موتی گرتے محسوس ہوں گے جس کافر کو ان کے سانس لگ جائیں گے وہ زندہ نہ رہ سکے گا اور ان کے سانس کا اثر اتنے فاصلہ تک پڑے گا جہاں تک کہ ان کی نظر جائے گی وہ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد (بیت المقدس میں ایک مقام ہے) پر اس کو پکڑ لیں گے اور یہاں اس کو قتل کردیں گے اس کے قتل سے فارغ ہو کر عیسیٰ علیہ السلام پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے جو اس کے فتنہ سے بچ رہے ہوں گے اور ان کو تسلی و تشفی دیں گے اور جنت میں ان کے مراتب کا حال بیان فرمائیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آئے گی کہ اب میری ایک ایسی مخلوق نکلنے والی ہے جس کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں لہٰذا میرے بندوں کو کوہ طور کی طرف لے جا کر جمع کردو، پھر یاجوج ماجوج ہر پست زمین سے نکل پڑیں گے، پہلے ان کا گزر طبریہ کے (مقام کا نام ہے) پانی پر ہوگا وہ اس کو پی کر اس طرح ختم کردیں گے کہ جب ان کا آخری گروہ ادھر سے گزرے گا تو یوں کہے گا ''کبھی یہاں پانی تھا'' پھر بیت المقدس کے خمر پہاڑ پر پہنچیں گے اور اپنی قوت کے گھمنڈ میں کہیں گے ہم زمین والوں کو تو ختم کر چکے لو آؤ اب آسمان والوں کا بھی کام تمام کردیں اور اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے، قدرت ان کے تیروں کو خون آلود کر کے واپس کردے گی۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت کوہ طور میں محصور ہوگی یہاں تک کہ بیل کا ایک سر اتنا قیمتی ہو جائے گا جیسا آج تمہارے نزدیک سو دینار ہیں اس تنگی کی حالت میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگی ان کی دعاء سے ان کی گردنوں میں پھوڑے نکل آئیں گے اور وہ سب کے سب ایک دم اس طرح پھول پھٹ کر مرجائیں گے جیسا ایک آدمی مرتا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے اُتر کر آئینگے تو زمین پر کہیں بالشت بھر جگہ نہ ہوگی جہاں ان کے سڑے ہوئے گوشت کی بدبو اور چربی کا اثر نہ ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کرے گی اس پر اللہ تعالیٰ ایک قسم کا پرندہ بھیجے گا جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح لمبی لمبی ہوں گی وہ ان کو اٹھا اٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا ڈال دیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ مقام نہبل میں پھینک دیں گے پھر مسلمان ان کے تیر و کمان اور ترکشوں سے سات سال تک آگ جلاتے رہیں گے اور آسمان سے اس زور کی بارش برسے گی کہ کوئی بستی نہ رہے گی اور جنگل میں کوئی خیمہ نہ بچے گا جس میں بارش نہ ہو یہاں تک کہ تمام زمین میں پانی کی نالیوں کی طرح پانی ہی پانی ہوگا۔ پھر زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اپنے پھل اور اپنی سب برکت ظاہر کردے تو وہ برکت ظاہر ہوگی کہ ایک انار سے ایک جماعت کا پیٹ بھر جائے گا اور اس کا چھلکا ان کے سایہ کے لیے کافی ہوگا اور اونٹنی کے ایک مرتبہ کے دودھ میں اتنی برکت ہوگی کہ ایک دودھ والی اونٹنی کئی کئی جماعتوں کے لیے کافی ہوگی اور ایک دودھ کی گائے ایک قبیلہ کو اور ایک دودھ کی بکری ایک چھوٹے خاندان کو کافی ہوگی۔ مخلوق خدا اسی فراغت و عیش کی حالت میں ہوگی کہ ایک اچھی ہوا چلے گی اور اس سے مسلمانوں کی بغلوں میں پھوڑے نکل آویں گے اور ان سب کو موت آجائے گی اور صرف بدترین قسم کے کافر بچ رہیں گے جو گدھوں کی طرح منظر عام پر زنا کرتے پھریں گے ان ہی پر قیامت قائم ہوگی۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ اس روایت میں جو حصہ مقام نہبل کے بعد سے سات سال تک تیر و کمان چلانے کا ہے وہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا روایت کردہ ہے۔

اس حدیث میں دجال کا تذکرہ قدرے محل غور ہے اس کے مباحث اپنے محل میں آئیں گے ان میں سے صرف ایک بات کی تشریح یہاں کرنی مناسب ہے۔ حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے زمانہ میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا حتیٰ کہ اس ایک دن میں ایک سال کی نمازیں اداء کرنی ہوں گی۔ دن کی اس طوالت کی صورت کیا ہوگی؟ اس کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے، ہمارے نزدیک جب دنیا میں ان عجائبات کے ظہور کا زمانہ شروع ہو جائے گا تو عالم کے موجودہ نظم و نسق کے تحت ان واقعات کے حل کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرنی بھی مفت کی دردسری ہے تاہم حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ ''علامات قیامت'' میں شیخ محی الدین ابن عربی سے نقل کیا ہے کہ مصائب و آلام کے ان ہنگاموں میں اگر عام گردوغبار اور غلیظ ابر کی وجہ سے رات و دن متمیز نہ ہو سکیں تو کچھ بعید نہیں ہے آج بھی معمولی بارشوں میں عصر و مغرب و عشاء کی نمازوں میں تقدیم و تاخیر ہو جانا معمولی بات ہے ذرا زیادہ گرہن لگ جائے تو ظہر کا پتہ ملنا بھی مشکل ہے، صبح کی نماز کا تو کہنا ہی کیا ہے پس بہت ممکن ہے کہ اس سب سے بڑے فتنے کے ظہور کے وقت جس طرح روحانیت کا عالم تاریک در تاریک ہوگا اسی طرح عالم عنصریات بھی گردوغبار اور ابر و باراں کی وجہ سے اتنا مکدر اور تاریک ہو جائے کہ صحیح طور پر یہ اندازہ ہی ممکن نہ رہے کہ رات کب ختم ہوئی اور دن کب آیا اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ فضاء عالم یکساں نظر آنے لگے، ان حالات میں اس کے سوا اور کیا صورت ہوگی کہ اوقات نماز کا صرف ایک اندازہ رکھا جائے۔ رہا گھڑیوں کا سوال تو گو گھڑیاں موجود ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ خاص کر عرب میں نمازوں کا تعلق اب بھی آفتاب کے طلوع و غروب ہی کے ساتھ ہے یعنی غروب آفتاب پر یہاں سب گھڑیوں میں ۱۲ بجا دیئے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے تمام سال میں یہاں مغرب و عشاء کا وقت کبھی نہیں بدلتا یعنی مغرب ہمیشہ بارہ بجے اور اس کے بعد عشاء ہمیشہ ڈیڑھ بجے کے قریب ہوتی ہے اور اس لیے روزمرہ غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ گھڑی کو بھی موسموں کے لحاظ سے آگے پیچھے کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے شہروں میں تاریخ کی تبدیلی نصف شب کے بعد ہوتی ہے۔ یہاں ہمیں اس پر گفتگو کرنی نہیں ہے کہ ان دونوں نظاموں میں کونسا نظام معقول اور بہتر ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ چونکہ موجودہ عقول کے سامنے مادی ہر مشکل مشکل سے ہے لیکن اس کے مقابلہ میں صحیح و صحیح حدیثوں کا انکار یا تاویل کوئی مشکل نہیں اس لیے دماغوں میں یہ سوال گزر سکتا ہے کہ گھڑیوں کے بعد نمازوں کے اوقات میں اب کوئی مشکل نہیں ہو سکتی۔

(اس تفصیل میں اس وقت ہم جانا پسند نہیں کرتے کہ جس زمانے میں ان مصنوعات کا تصور بھی دماغوں میں موجود نہ ہو اس میں ایک امی قوم کے سامنے ان جدید آلات کا تذکرہ کرنا ایک سیدھی بات کے سمجھنے میں کتنی مشکلات کا باعث بن سکتا تھا۔ غالباً اسی مصلحت سے یاجوج و ماجوج کے خاص آلات حرب کے نام بھی تذکرہ میں نہ آئے ہوں پھر یہ کس کو خبر ہے کہ ایٹمی طاقتوں کے استعمال کے نتیجہ میں آئندہ قوانین جنگ میں آلات حرب کی اجازت کس حد تک رہ جائے گی۔ بہر حال جب تک مستقبل حوادث کے متعلق یہ تفصیلات حدیث میں نہیں آئیں تو صرف اپنے دماغی سوال و جواب سے ان ثابت شدہ

تفصیلات کا انکار کرنا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا جو صحیح طریقوں سے معرض بیان میں آ چکی ہیں۔۱۲)

اس کے علاوہ حدیث مذکور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی بھی کچھ تفصیلات مذکور ہیں ان کو آپ خالی الذہن ہوکر بار بار پڑھیں پھر یہ سوچیں کہ عربی زبان کے مطابق کیا ان تفصیلات میں کسی مجاز و استعارہ کا ارادہ کیا گیا ہے' ہم کو مجاز و استعارہ سے انکار نہیں مگر آپ کو بھی حقیقت سے انکار نہ ہونا چاہیے۔ اگر سیاق کلام سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ یہاں متکلم نے یقیناً استعارہ و مجاز سے کام نہیں لیا تو پھر بے وجہ کھینچ کھینچ کر ایک حقیقت کو استعارہ و مجاز کا لباس پہنانا لا حاصل ہے۔

ابھی آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر اٹھائے گئے تھے تو اس وقت ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یہ کرشمہ قدرت ہے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو اس وقت بھی یونہی نظر آئے گا کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ گویا وہ غسل کر کے ایک دروازہ سے نکلے تھے اور پانی خشک ہونے سے پہلے اب دوسرے دروازے سے داخل ہو رہے ہیں جس عالم میں نہ دن ہو نہ رات نہ سردی ہو نہ گرمی اور نہ صحت ہو نہ مرض پھر اس عالم میں اگر پانی کے یہ قطرے بھی کسی تغیر سے محفوظ رہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

پھر جس خدا تعالیٰ میں یہ قدرت ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کو پرندوں کی زندگی کا سبب بنا دے اس میں یہ طاقت کیوں نہیں کہ اسی سانس کو وہ دجال کے حق میں سم قاتل قرار دے دے۔ اسی طرح یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ دجال جیسی قوت کو وہ ان کے صرف ایک اشارہ سے ہلاک کر دے اور دوسری طرف یاجوج و ماجوج کے مقابلہ سے عاجز بنا کر طور کی گوشہ نشینی پر مجبور کر دے تا کہ ایک طرف دنیا کو یہ واضح ہو جائے جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی تھی وہ تو مدعی الوہیت کا قاتل ہے اور دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جائے کہ جسے ایک مدعی الوہیت کو قتل کیا ہے وہ خود خدا نہیں بلکہ وہ تو ایک بیچارہ بشر ہے اور اسی طرح طاقت وضعف کے ان دونوں مظاہروں میں اصل خدائے قہار ہی کی طاقت کا جلوہ نظر آئے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر وطغیان کی طاقتوں کو قدرت نے پہلے ہی قدم پر سزا نہیں دی ہے بلکہ استدراج و امہال کا قانون برابر ان کے ساتھ جاری رہا ہے۔ فرعون و نمرود شداد و ہامان کی داستانیں پڑھ لو تم کو ثابت ہو گا کہ جب کفر وطغیان اپنی پوری طاقت کو پہنچ چکا ہے تو اس کے بعد پاداش عمل کے قانون نے ان کو پکڑا ہے پھر وہی سنت یہاں یاجوج و ماجوج کے ساتھ بھی جاری ہو گی جب وہ آسمان والوں کے قتل سے مطمئن ہو جائیں گے تو پھر ایسے ہی طریقے سے ان کو ہلاک کیا جائے گا جو آسمان والے کی طرف سے ہو گا تا کہ عالم علوی کی شکست کا جواب سب غلط ہو کر رہ جائے۔

پھر دنیا کے خاتمہ پر وہی ایک دین رہ جائے گا جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا تھا اور آسمان و زمین کی وہی برکتیں ظاہر ہوں گی جو ان کے دور میں ظاہر ہو چکی ہیں اور اس طرح سے "انّ مثل عیسٰے عند اللّٰہ کمثل آدم" کا دوسرا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے ہو گا۔ خدا تعالیٰ نے کن حکمتوں سے عالم کو بچھایا کن حکمتوں سے اس کو پھیلایا' پھر کن حکمتوں سے اس کو سمیٹے گا یہ خود وہی جانتا ہے ہم بے وجہ ہر جگہ ان کے سمجھنے کے لیے اپنی ٹانگ اڑاتے ہیں:

دریا محیط خویش موجے دارد   خس پندارد کہ ایں کشاکش با دیست

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تفصیل

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقِیْتُ لَیْلَةَ اسری بِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی قَالَ فَتَذَاكرو اَمْرَ السَّاعَةِ فرَدُّوْا اَمْرَهُمْ اِلٰی اِبْرَاهِیْمَ فَقَالَ لَا عَلْمَ لِیْ بِهَا فَرُدُّوْا الْاَمْرَ اِلٰی مُوْسٰی فَقَالَ لَاعِلْمَ لِیْ بِهَا فَرُدُّوْا الْاَمْرَ اِلٰی عِیْسٰی. فَقَالَ اَمَّا وَجْبَتُهَا فَلاَ یَعْلم بِهَا اَحَدًا اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰی. ذَالِكَ وَفِیْمَا عَهْد اِلٰی رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ اَنَّ الدَّجَّال خَارِجٌ قَالَ وَمَعِیَ قَضِیْبَانِ فَاِذَا اَرَانِیْ ذَابَ كَمَا یَذُوْبُ الرَّصَاص قَالَ فَیُهْلِكُهُم اللّٰهُ تَعَالٰی حَتّٰی اَنَّ الْحَجَر وَالشَّجَرَ لَیَقُوْلُ یَا مُسْلِمُ ان تَحْتِیْ كَافِرًا فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ قَالَ فَیُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی ثُمَّ یَرْجِعُ النَّاسُ اِلٰی بِلَادِهِمْ وَاَوْ طَافِهِمْ قَالَ فَعِنْدَ ذَالِكَ یَخْرج یَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدبٍ یَنْسِلُوْنَ فیطئُوْنَ بِلَادهُمْ لَا یَأْتُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّا اَهْلَكُوْهُ وَلَا یَمُرُّوْنَ عَلٰی مَاءٍ اِلَّا شَرِبُوْهُ ثُمَّ یَرْجِعُ النَّاسُ اِلَیَّ فَیَشْكُوْنَهُمْ فَادعُوْا عَلَیْهِمْ فَیُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَیُمِیْتُهُمْ حَتّٰی تَجْوَی الْاَرْض مِنْ نَتْنِ رِیْحِهِمْ قَالَ فَیَنْزِلِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَلْمَطَر فتجرف اَجْسَادَهُمْ حَتّٰی یَقْذِفَهُمْ فِی الْبَحْرِ قَالَ اَبِیْ ذَهَبَ عَلَیَّ هٰهُنَا شَیْءٌ لَمْ اَفْهَمْهُ كَادِیْمِ وَقَالَ یَزِیْدُ یَعْنِیْ اِبْنَ هَارُوْنَ ثُمَّ تَنْسَفُ الْجِبَالُ وَتَمدّ الْاَرْضُ مَدَّالْاَدِیْمِ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی حَدِیْثِ هُشَیْمٍ. قَالَ فَفِیْمَا عَهِدَ اِلَیَّ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ ذَالِكَ اِذَا كَانَ كَذَالِكَ فَاِنَّ السَّاعَةَ كَالْحَامِلِ الْمُتِمِّ الَّتِیْ لَایَدْرِیْ اَهْلُهَا مَتٰی تَفْجَؤُهُمْ بِوِلَادِهَا لَیْلاً اَوْ نَهَارًا. (رواہ احمد)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابراہیم وموسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی انہوں نے باہم قیامت کا ذکر چھیڑا' آخر فیصلہ کے لیے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے معاملہ پیش کیا' انہوں نے فرمایا مجھ کو تو صحیح وقت کی کچھ معلومات نہیں پھر معاملہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آیا انہوں نے بھی اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا' جب عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے معاملہ آیا تو انہوں نے فرمایا قیامت کے آنے کا ٹھیک وقت تو بجز ایک ذات اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو بھی نہیں ہے ہاں صرف اتنی بات میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ فرمایا ہے کہ دجال نکلے گا اور میرے ساتھ دو شاخیں ہوں گی اور جب اس کی نظر مجھ پر پڑے گی تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جیسا سیسہ (آگ میں) پگھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کردے گا پھر یہ نوبت آجائے گی کہ درخت اور پتھر آوازیں دے کر کہیں گے او مسلمان! دیکھ یہ میرے پیچھے کافر چھپا ہوا ہے' لپک کر آ اور اس کو بھی قتل کر' آخر کافر سب ہلاک ہو جائیں گے پھر لوگ اپنے اپنے شہر اور وطن کو واپس ہوں گے تو اس وقت یاجوج ماجوج کی قوم کا حملہ ہوگا اور وہ ہر پست زمین سے نکل کر نکل کر بکھر پڑیں گے' بستیوں میں گھس پڑیں گے جس جس چیز پر بھی ان کا گزر ہوگا اس کو برباد کر ڈالیں گے اور جس پانی پر سے گزریں گے وہ سب پی کر ختم کر دیں گے' آخر لوگ شکایت لے کر میرے پاس آئیں گے میں ان پر بددعاء کروں گا' اللہ تعالیٰ میری بددعاء سے ان سب کو ہلاک کردے گا اور وہ سب مر

جائیں گے تمام زمین ان کی بدبو سے سڑ جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو ان کی نعشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی۔ راوی کہتا ہے کہ اس مقام پر میرے والد نے کچھ فرمایا تھا' وہ لفظ میری سمجھ میں نہ آیا' صرف ''کادیم'' کا لفظ سننے میں آیا۔ یزید بن ہارون راوی کہتا ہے پوری بات یہ تھی کہ پھر پہاڑ دُھن دیئے جائیں گے اور زمین جانور کے چمڑے کی طرح پھیلا کر سیدھی کر دی جائے گی اس کے بعد پھر اصل حدیث بیان فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور منجملہ ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائی ہیں یہ ہے کہ جب ایسا ہو تو پھر قیامت اتنی نزدیک سمجھنا چاہیے جیسا وہ گابھن جانور جس کے بچہ کی پیدائش کی مدت پوری ہو چکی ہو اور اس کے مالک ہر وقت اس انتظار میں ہوں کہ دن رات میں نہ معلوم کب بچہ پیدا ہو جائے۔

تشریح۔ دیکھئے یہاں جب قیامت کا تذکرہ آیا اور جواب کی نوبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آئی تو انہوں نے اپنی لاعلمی کے ساتھ ساتھ فوراً اسی بات کا تذکرہ فرمایا جو قیامت کے ساتھ یقین کے اسی درجہ میں ہے یعنی ان کا پھر تشریف لانا اور دجال کو قتل کرنا۔ احادیث میں کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے تشریف لانے کا اصل مقصد اس اُمت کی اصلاح ہوگی تا کہ یہ سوال پیدا ہو کہ اس اُمت کی اصلاح کے لیے اسرائیلی رسول کی آمد میں اس اُمت کی کسر شان ہے حالانکہ یہ سوال ہی جاہلانہ سوال ہے ہم آج بھی خدا تعالیٰ کے سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے لیے نہ صرف یہ کہ یہ موجب شرف ہے بلکہ مدار نجات ہے تو پھر اگر کوئی رسول آ کر ہماری اصلاح کرتا ہے تو ہمارے لیے اس میں کسر شان کی بات کیا ہے ہاں اگر کسی رسول کی آمد سے ہمارے رشتہ اُمیت پر زد پڑتی ہے اور وہ ہم کو دوسری اُمت بنانا چاہتا ہے تو اس میں صرف ہماری کسر شان نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان بھی ہے۔ (والعیاذ باللہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب سے نمایاں تر خدمت دجال کو قتل کرنا ہے

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ مِنْ ذِکْرِ الدَّجَّالِ فَقَالَتْ اُم شَرِیْک بِنْتُ اَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَیْنَ الْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَلِیْلٌ وَجُلُّھُمْ بِبَیْتِ الْمُقَدَّس وَاِمَامُھُمْ رَجُلٌ صَالِحٌ فَبَیْنَمَا اِمَامُھُمْ قَدْ تَقَدَّمَ یُصَلِّی بِھِمُ الصُّبْحَ اِذَا نَزَلَ عَلَیْھِمْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ الصُّبْحَ فَرَجَعَ ذَالِکَ الْاِمَامُ یَنْکُصُ یمشی قَھْقَرٰی لِیَقْدَمَ عِیْسٰی لِیُصَلِّی فَیضعُ عِیْسٰی یَدَہٗ بَیْنَ کَتفَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ لَہٗ تَقَدَّمْ فیصَل فَاِنَّھَا لَکَ اُقِیْمَتْ فَیُصَلِّی بِھِمْ اِمَامُھُمْ فَاِذَا انْصَرَفَ قَالَ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام اِفْتَحُوْا الْبَابَ فَیُفْتَحُ وَرَآءَ ہُ الدَّجَّالُ وَمَعَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ یَھُوْدِیٍّ کُلُّہٗ ذُوْ سَیْفٍ مَحلّیً وَتَاجٍ فَاِذَا نَظَرَ اِلَیْہِ الدَّجَّالُ ذَابَ کَمَا یَذُوْبُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ وَیَنْطَلِقُ ھَارِبًا وَیَقُوْلُ عِیْسٰی اِنَّ لِیْ فِیْکَ ضَرْبَۃً لَنْ تَسْبِقَنِیْ بِھَا فَیُدْرِکُہٗ عِنْدَ بَابِ اللّٰہِ للشَّرْقِی فَیَقْتُلُہٗ فَیَھْزِمُ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ (الٰی قولہ) وَیترک الصَّدَقَۃُ فَلَا یَسْعٰی عَلٰی شَاۃٍ وَلَا عَلٰی بعَیْرٍ وَتُرْفَعُ الشَّحْنَاء وَالتَّبَاغُضُ وتنزع حِمَۃٌ کُلِّ ذَاتِ حمَّۃ حَتّٰی یُدْخِلَ الْوَلِیْدۃ یدہ فی الْحیۃ فَلَا تَضرہ وتفر الولیدۃ الاسد فَلَا یَضُرُّھَا وَیَکُوْنَ الذِّئب فِی الْغَنَمِ کَاَنَّہٗ کَلْبُھَا وَتُمْلَأُ الْاَرْضُ مِنَ الْمُسْلِم کما یُمْلَاءُ الْاِنَاءُ مِنَ الْمَاءِ وَتَکُوْنَ

الْکَلِمَۃُ وَاحِدَۃً فَلَا یُعْبَدُ اِلَّا اللّٰہُ تَعَالٰی. (الحدیث اخرجہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

ابوامامہ باہلی دجال کی ایک طویل حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ اُم شریک نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اُس دن (یعنی دجال کے زمانہ میں) عرب کہاں چلے جائیں گے (کہ مسلمانوں کا یہ ابتر حال ہو جائے گا) فرمایا اس وقت عرب بہت کم رہ جائیں گے اور اکثر وہ بیت المقدس میں ہوں گے اور اس وقت ان کا امام ایک نیک شخص ہوگا۔ اس اثناء میں کہ یہ امام صبح کی نماز پڑھانے آگے بڑھ چکا ہوگا کہ دفعتاً عیسیٰ علیہ السلام اتر آئیں گے یہ ان کو دیکھ کر مصلیٰ سے پچھلے پیروں اُلٹے ہٹ آئیں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھائیں تو عیسیٰ علیہ السلام (شفقت کے انداز میں) اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے آگے بڑھو اور تم ہی نماز پڑھاؤ کیونکہ اس نماز کی اقامت تو تمہارے ہی نام سے کہی گئی ہے چنانچہ یہ نماز تو یہی امام پڑھائیں گے۔ نماز سے فراغت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے' دروازہ کھولو' دروازہ کھولا جائے گا' ادھر دجال نکل چکا ہوگا' اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہوں گے ہر ایک کے پاس مزین تلوار اور سر پر طیلسان ہوگا جب دجال کی نظر عیسیٰ علیہ السلام پر پڑے گی تو وہ نمک کی طرح پگھل جائے گا اور بھاگنے لگے گا' عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے' میرے لئے تیرے نام کی ایک ضرب مقدر ہو چکی ہے اس سے بچ کر تو مجھ سے کہاں نکل سکتا ہے۔ آخر اس کو باب لد (.........) پر پکڑیں گے اور اس کو قتل کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سب یہودیوں کو شکست دے دے گا۔ اس وقت مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ صدقہ دینے کے لیے کوئی فقیر نہ ملے گا۔ لہٰذا بیت المال کی طرف سے کوئی شخص نہ بکری وصول کرنے والا رہے گا اور نہ اونٹ وصول کرنے والا اور بغض و کینہ سب دلوں سے نکل جائے گا اور تمام زہریلے جانوروں کے ڈنک بیکار ہو جائیں گے یہاں تک کہ ایک چھوٹی سی لڑکی سانپ کے سوراخ میں ہاتھ ڈالے گی تو وہ اس کو نہ کاٹے گا اور شیر کو دوڑائیں گے تو وہ اس کو کچھ نہ کہے گا اور بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا اس طرح ساتھ ساتھ پھرے گا جیسے ریوڑ کا کتا اور زمین مسلمانوں سے اس طرح بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے' اور صرف ایک خدا کی توحید باقی رہ جائے گی اور ایک اللہ تعالیٰ کے سواء اور کسی کی عبادت نہ ہوگی۔

تشریح۔ سبحان اللہ جس شخصیت عظمیٰ کی برکات یہ ہوں وہ یقیناً کوئی معمولی انسان نہیں ہوسکتا' ضرور وہ کوئی خدا تعالیٰ کا قدوس نبی ہونا چاہیے اور یقیناً وہ کوئی ایسا ہی رسول ہونا چاہیے جس کے سب سے بڑے دشمن یہود ٹھہر چکے ہوں اور جس کے چھوٹے قتل کے گھمنڈ میں ایک بار وہ ملعون ٹھہر چکے ہوں۔ دوسری بار اسی کے ہاتھ سب موت کے گھاٹ اُتار دیئے جائیں۔ انبیاء علیہم السلام سے عداوت اور بغاوت کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا۔ اس بدخصلت کی بدولت پہلے وہ نبوت سے محروم کر دیئے گئے تھے اور آخر میں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔ بے شک جو قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رافت و رحمت والے رسول کے ساتھ بھی اپنا طریق کار نہ بدلے' ان کی وجہ سے دنیا کو پاک کرنے ہی میں انسانیت کی فلاح ہے: "رَبِّ اِنَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا" شاید موجودہ زمانہ میں اطراف عالم سے سمٹ سمٹ کر ان کا ایک جگہ جمع ہونا اسی قومی استیصال کے لیے پیش خیمہ ہو۔ حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوتا

ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا اہم مقصد دجال کا قتل کرنا ہے اور چونکہ اس کا مقابلہ براہ راست انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے اسی لیے ہر نبی نے اس کی آمد سے اپنی اُمت کو ڈرایا ہے اس لیے ضروری ہوا کہ اس کے قتل کے لیے خدا تعالیٰ کے رسولوں ہی میں سے کوئی رسول آئے جو چھوٹے چھوٹے دجال اس سے قبل بھی ظاہر ہوتے رہے وہ اسی اُمت کے ہاتھوں ہلاک ہوتے رہے لیکن جو دجال کہ خاتم الدجاجلہ یعنی سب دجالوں کے آخر میں آئے گا اور خدائی افعال کے شعبدہ بازیاں ظاہر کرے گا۔ اس کے قتل کے لیے ایک نبی ہی کی تشریف آوری ضروری تھی۔ اس صورت میں ایک اُمت کے لیے یہ کتنی بڑی کرامت اور شرافت ہوگی کہ جب اس پر کوئی خارجی حملہ ہو تو ان کی ہمدردی کے لیے خدا تعالیٰ کے رسول پیش قدمی فرمائیں اور وہ بھی بڑی تمناؤں اور بڑے فخر کے ساتھ کیسے تعجب کی بات ہے کہ جس بات میں اس اُمت کی شرافت تھی اسی کو برعکس اہانت سمجھا جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ (عَلَيْهِ السَّلَام) فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ فَصَلِّ فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تُكْرِمَةَ اللّٰهِ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ. (رواہ مسلم)

جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق کے مقابلہ پر جنگ کرتی رہے گی اور وہ تا قیامت اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' آخر عیسیٰ بن مریم اتریں گے (نماز کا وقت ہوگا) مسلمانوں کا امیر ان سے عرض کرے گا' تشریف لائیے اور نماز پڑھا دیجئے وہ فرمائیں گے یہ نہیں ہوسکتا۔ اس اُمت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اکرام و اعزاز ہے کہ تم خود ہی ایک دوسرے کے امام و امیر ہو۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ اس اُمت کی شرافت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ اس کے رسول کی وفات پر اتنی طویل مدت گزر جانے پر بھی اس میں ایسے افراد موجود رہیں کہ اسرائیلی سلسلہ کا ایک مقدس رسول آکر بھی اس کی امامت کو برقرار رکھے اور اس کے پیچھے آکر نماز میں اس کی اقتداء کرلے اور اس کا اعلان بھی کرے کہ جس کرامت و شرافت کے تم پہلے مستحق تھے اتنی مدت دراز کے بعد آج بھی اسی شرافت و کرامت کے مستحق ہو۔ سوچئے اور ذرا انصاف فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لاکر اس طرح اس اُمت کے پیچھے اقتداء نہ فرماتے تو کیا یہ ثابت ہوسکتا تھا کہ جو اُمت کل تک خیر اُمت کہی جاتی تھی آج بھی وہ اپنی اسی شرافت پر باقی ہے یوں تو پہلے نبیوں کے دور میں بھی اُمت کے افراد لائق سے لائق تر گزرے ہیں مگر آخر کچھ مدت کے بعد ہی ان کا حشر کیا کچھ نہیں ہوگیا جو نبوتوں کے مستحق تھے وہ لعنت کے تحت آگئے یا نہیں لیکن ایک یہ اُمت بھی ہے جس کی شرافت میں اتنی طویل مدت گزرنے پر بھی ذرا فرق نہیں آیا۔

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے جب ہم اس طرف بھی نظر کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر آخرت کے وقت بھی ایک نماز کا نقشہ یہی تھا کہ مرض الموت میں آپ نے منصب امامت کو سب سے بزرگ صدیق اکبر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے سپرد کردیا تھا اس درمیان میں ایک ایسا وقت آیا کہ ان کی امامت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر ان کے پیچھے نماز ادا فرمائی اور درحقیقت یہ اس کا اعلان تھا کہ یہ اُمت اب اس کمال کو پہنچ چکی ہے کہ ایک رسول کی نماز اس کے پیچھے ادا ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اب سمجھ لینا چاہیے کہ رسول کی آمد کا جو مقصد اعظم ہوتا ہے وہ پورا ہو چکا ہے اس لیے رسولوں کے دستور کے مطابق اس کی وفات کا وقت بھی آجائے تو تعجب کی بات نہیں۔ ایک طرف امامت و اقتداء کا یہ نقشہ آپ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھئے اس کے ہزار سال سے کہیں زیادہ مدتوں کے بعد امامت و اقتداء کا یہ دوسرا نقشہ بھی سامنے رکھئے جو یہاں حدیث میں آپ کے سامنے موجود ہے تو آپ کو بداہتہً ثابت ہو جائے گا کہ جس مدت میں پہلی اُمتیں ہلاک ہو ہوکر دنیا سے نیست و نابود ہوچکی ہیں۔ یہ اُمت اس سے زیادہ مدت گزرنے پر بھی اپنی اسی شرافت و کرامت پر باقی ہے جو کبھی اس کو اپنے عہد کمال میں حاصل تھی۔ اس سے جہاں ایک طرف اس اُمت کی بزرگی کا ثبوت ملتا ہے اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ اور آپ کے کمالات کا ثبوت ملتا ہے اور یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ آپ حقیقی معنی میں خاتم النبیین آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا کیونکہ جب قیامت تک آپ کی اُمت میں اس صفت کے لوگ موجود رہیں کہ اگر کوئی قدیم رسول آئے تو بے تکلف وہ ان کے پیچھے آکر نماز اداء کرلے تو اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ آخری رسول ہیں اور آپ کے بعد کسی رسول کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ اصل وظائف رسالت و نبوت خدائی دین کی تاسیس و اشاعت ہے کسی خاص شخص کا قتل کرنا اصل وظائف رسالت میں داخل نہیں ہے خدا تعالیٰ کے بہت سے رسول وہ ہیں جو قتل کرنے کے بجائے خود دشمنوں کے ہاتھوں مقتول ہوگئے ہیں مگر کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے وظیفہ نبوت کے ادائیگی میں ذرا سا بھی قصور کیا تھا والعیاذ باللہ۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جدید رسالت کی حیثیت میں تشریف لائیں گے بلکہ یہ خدمت کسی حکمت سے ان کے سپرد کی گئی ہے جیسا کہ بہت سے امور حضرت خضر علیہ السلام کے سپرد ہوئے مگر ان عجائبات سے ان کی رسالت کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ چنانچہ آج تک اُمت میں اختلاف ہے کہ وہ رسول تھے یا نہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے لیے صاحب شریعت رسول ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے اور ان پر ہر اُمت کو ایمان لانا یہ ان کی رسالت کا حق ہے جو پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ شریعت صرف آپ کی شریعت ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آکر اسی کی اتباع فرمائیں گے بلکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب تورات بھی آجائیں تو ان کے لیے بھی شریعت یہی شریعت ہوگی اگر کوئی کامل سے کامل رسول کسی بڑی شریعت کا اتباع کرتا ہے تو اس سے اس کی نبوت و رسالت میں ذرا برابر بھی کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ بہت سے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں جن کی اپنی کوئی شریعت ہی نہ تھی لیکن پھر وہ خدا تعالیٰ کے نبی کہلائے پھر جو شریعت کہ سب شرائع کی جامع ہو اگر کوئی رسول آکر اس کی اتباع کرتا ہے تو اس میں اس کی رسالت

کے خلاف بات کیا ہے۔ لہٰذا یہ سوال کتنا نامعقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو کیا رسالت کی صفت ان سے سلب کر لی جائے گی؟ جی نہیں، وہ رسول ہی ہوں گے اور جس طرح اس وقت ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح اس وقت بھی ایمان رکھیں گے صرف اتباع شریعت کا مسئلہ ہے تو جب ہر رسول کی اپنی شریعت میں نسخ و منسوخ ہونے سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا اسی طرح اگر ایک شریعت منسوخ ہو کر دوسری شریعت آ جائے تو اس سے بھی اس میں کوئی فرق نہیں آتا، اس کے کمالات وہی ہیں اس پر ایمان رکھنا اسی طرح ضروری ہے اور جس شریعت کی وہ دعوت دے اس کی اتباع ہر وقت لازم ہے پس پہلے زمانہ میں ان کی شریعت انجیل تھی اور نزول کے بعد اب ان کے لیے قرآن کریم شریعت ہوگا۔ پہلے جب وہ شریعت انجیل کے داعی تھے اس وقت قرآن کریم نہ تھا اور جب وہ تشریف لائیں گے تو ان سے پہلے انجیل منسوخ ہو چکی ہوگی اور ان کے سامنے قرآنی شریعت ہوگی۔ لہٰذا اب وہ خود بھی اسی کا اتباع فرمائیں گے کسی شریعت کے خاص خاص احکام یا شریعت کے منسوخ ہو جانے سے رسالت کے مسلوب ہونے نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال نہ یہاں پیدا ہوتا ہے اور نہ اس حدیث میں پیدا ہوتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر بالفرض وہ آ کر آپ کی شریعت کی اتباع کریں تو کیا اپنی رسالت سے معزول ہو جائیں گے۔ والعیاذ باللہ

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِیْ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ (فذكر الحديث وفيه) وَيَنْزِلُ عِيْسٰى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَمِيْرُهُمْ يَا رُوْحَ اللّٰهِ تَقَدَّمْ صَلِّ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ لَاُمَرَاءُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ فَيَقْدَمُ اَمِيْرُهُمْ فَيُصَلِّى فَاِذَا قَضٰى صَلٰوةً اَخَذَ عِيْسٰى حَرْبَتَهٗ فَيَذْهَبُ نَحْوَ الدَّجَّالِ فَاِذَا يَرَاهُ الدَّجَّالُ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الرَّصَاصُ فَيَضَعُ حَرْبَتَهٗ بَيْنَ تَنْدُوَتِهٖ فَيَقْتُلُهٗ وَيَنْهَزِمُ اَصْحَابُهٗ لَيْسَ يَوْمَئِذٍ شَيْءٌ يُوَارِي مِنْهُمْ اَحَدًا حَتّٰى اَنَّ الشَّجَرَةَ لَتَقُوْلُ يَا مُؤْمِنُ هٰذَا كَافِرٌ وَيَقُوْلُ الْحَجَرُ يَا مُؤْمِنُ هٰذَا كَافِرٌ. (اخرجه احمد فی مسنده)

عثمان بن ابی العاص روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فجر کی نماز میں اتریں گے تو اس وقت مسلمانوں کا جو امیر ہوگا وہ ان سے عرض کرے گا اے روح اللہ! آگے تشریف لا کر نماز پڑھائیے، وہ فرمائیں گے یہ اُمت اپنی فضیلت کی وجہ سے خود ہی ایک دوسرے کی امیر ہے اس پر وہ امیر آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں گے جب نماز ختم ہو جائے گی تو اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنا نیزہ لے کر دجال کی طرف جائیں گے وہ جب ان کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جیسا آگ پر سیسہ پگھل جاتا ہے۔ وہ اپنا تیر اس کے سینہ کے درمیان لگائیں گے اور اس کو ختم کر دیں گے اور اس کا سب گروہ منتشر ہو جائے گا اور کوئی چیز ان کو پناہ نہ دے گی یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی یہ کہے گا، اے مؤمن! (میری آڑ میں) یہ کافر موجود ہے (اس کو بھی قتل کر دے)۔

دوسری روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب اس طرح منقول ہے کہ اس نماز کی اقامت آپ ہی کے نام کی ہوئی

26

ہے یہ کہہ کر وہ ان ہی کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لیس بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ نَبِیٌّ یَعْنِیْ عِیْسٰی وَاِنَّهٗ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ اِلَی الْحُمْرَةِ وَالبیاضِ بَیْنَ مُمَصَّرَتَیْنِ کَاَنَّ رَاْسَهٗ یَقْطُرُ وَاِنْ لَّمْ یُصِبْهُ بَلَلٌ فَیُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَی الْاِسْلَام فَیَدُقُّ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیُهْلِکُ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِه الْمِلَلَ کُلَّهَا اِلَّا الاِسْلَامَ وَیُهْلِکُ الْمَسِیح الدَّجَّال فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ثُمَّ یَتَوَفّٰی فَیُصَلِّیْ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ. (رواہ ابو داؤد ص ۱۳۵ ج ۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے وہ ضرور اُتریں گے جب تم ان کو دیکھنا تو پہچان لینا کہ وہ میانہ قد' سرخ وسفید رنگ کے اور دو زعفرانی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے ان پر وہ شگفتگی وتازگی ہوگی یوں معلوم ہوگا کہ ان کے سر مبارک سے پانی کے قطرے اب ٹپکے اگرچہ ان پر پانی کی نمی بھی نہ ہوگی۔ وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے' صلیب کو چورا چورا کر ڈالیں گے' سور کو قتل کریں گے جزیہ کی رسم اٹھالیں گے' ان کے دور میں اللہ تعالیٰ تمام مذاہب ختم کردے گا اور صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے دست مبارک پر اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرے گا۔ چالیس سال تک وہ زمین پر زندہ رہیں گے اس کے بعد ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیُهِلَّنَّ عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاء بِالْحَجِّ اَوْ بِالْعُمْرَةِ اَوْ یُثَنِّیَهِمَا جَمِیْعًا. (رواہ مسلم فی الحجّ) واخرجه اَحمد فی مسنده ولفظه ینزل عیسٰی بن مریم فَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیمحواالصَّلِیْبَ وَتَجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوة وَیُعْطِی الْمَالَ حَتّٰی لَا یُقْبَل وَیَضَع الخراجَ وَیَنْزِلُ الرَّوْحَاء فَیَحُجُّ مِنْهَا اَوْ یَعْتَمِرُ اَوْ یَجْمَعُهُمَا وَتَلاَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ ؓ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِه قَبْلَ مَوْتِهٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَة یَکُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا فَزَعَمَ حَنْظَلَةُ اَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ یُؤْمِن بِهٖ قَبْلَ مَوْت عِیْسٰی فَلاَ اَدْرِیْ هٰذا کُلَّهٗ حَدِیْثُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ شَیْءٌ قَالَه ابو هُریرة مسند احمد ص ۲۹ ج ۲ واخرجه ابن جریر مثله والحاکم وصححه ولفظه لَیَهْبطَنّ ابن مَرْیم حَکَمًا عَدْلاً وَاِمَامًا مقسطاً وَلیسلکن فجّاحَاجا اَوْ معتمِرًا وَلَیَأْتِیَنَّ قَبْرِیْ حَتّٰی یُسَلِّم عَلَیَّ وَلا رُدَّنَّ عَلَیْهِ یَقُوْلُ ابو هُرَیْرَةَ ؓ ای بَنِیْ اَخِیْ ان رَاَیْتُمُوْهُ فَقُوْلُوْا اَبُوْهُرَیْرَةَ ؓ یُقْرِئُکَ السَّلَام. (درمنثور ص ۲۴۵ ج ۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور مقام فج روحاء پر حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے۔ (مسلم شریف) مسند احمد میں حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اتریں گے' سور کو قتل کریں گے' صلیب کا نام ونشان باقی نہ چھوڑیں گے اور مال اتنا تقسیم کریں گے کہ اس کو

قبول کرنے والا نہ ملے گا اور جزیہ وخراج اٹھا دیں گے اور مقام فج روحاء میں حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے اس کی شہادت میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً" (یعنی اہل کتاب میں کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو ان کی وفات سے پہلے یقیناً ان پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے۔) حنظلہ (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "قبل موتہ" سے مراد عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت سے پیشتر ہے اب یہ مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ تفسیر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے یا یہ خود ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق مزید تفصیلات

عَنْ عبدا الله ابن عمرؓ مرفوعاً ينزل عيسٰى بْنُ مَرْيَمَ الى الارض فيتزوّج ويولد له الحديث. وغراه الكتاب الْوَفاء واخرجه ابن المراغى فى المدينة وابن الجوزى فى المنتظم كذا فى الكنز. وهكذا فى المشكوة.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین پر اتریں گے اور نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی۔

عن ابى هريرةؓ مرفوعاً طوبٰى لعيش بعد المسيح يوذن السماء فى القطر ويوذن الارض فى النبات حتى لوتَذر حَبَّکَ فى الصَّفَا لنبت وحتى به الرجل علٰى الاسد فلايضره ويطاء علٰى الحية فلا تضره وَلاَ تَشَاحُن وَلاَ تَباغُضَ. اخرجه ابو سعيد النقاش فى فوائد العراقيينَ كذافى الكنزص ٢٠٢ و٢٠٣ ج٧ ابو سعيد عنه)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد زندگی اور فارغ البالی کے کیا کہنے آسمان کو بارش کا حکم مل جائے گا اور زمین کو پیدائش کا حتیٰ کہ اگر تم پتھر پر دانہ ڈال دو گے تو بھی وہ جم جائے گا اور اتنا امن ہوگا کہ آدمی شیر کے قریب سے گزرے گا اور وہ اس کو ذرا نقصان نہ پہنچائے گا اور بغض وکینہ کا کہیں نام ونشان نہ رہے گا۔

عن محمد بن يوسف بن عبدالله بن سلام عن ابيه عن جده قال مكتوب فى التوراة صفة محمّد رسول الله صلى الله عليه وسلّم وعيسٰى بن مريم يدفن معه اخرجه الترمذى وحسنه. (كذافى الدرالمنثور ص ٢٤٥ ج٢) قلت و قدتكلم فى اسناده الحافظ ابن كثير فى البداية والنهاية ص ٩٩ ج٢' وقال فى اسناد رواية الترمذى هذه عثمان بن الضحاک والصواب الضحاک بن عثمان المدنى.

عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ تورات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی لکھی ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے پاس دفن ہوں گے۔

تشریح۔ عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ''اولی الناس'' کا لفظ فرمایا تھا اس کا ظہور یوں ہوا کہ اوّل تو آپ کے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں گزرا، گویا دونوں کے زمانے متصل رہے پھر اسی مناسبت کی وجہ سے وہی آپ کی اُمت میں تشریف لائیں گے اور یوں بھی ہوا کہ دفن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی آ کر ہوں گے۔ زمانی اور مکانی اور موت کی یہ خصوصیات ان کے سوا کسی اور نبی کو میسر نہیں آئیں۔

عن عبداللّٰہ بن سلام قال یدفن عیسٰی مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عَلیہ وسلّم وصاحبیہ فیکون قبرہ رابعا اخرجہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی. (درمنثور ص ۲۴۵ ج ۲)

عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جاں نثار یعنی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دفن ہوں گے اور اس لحاظ سے ان کی قبر چوتھی ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اَرعی انی اعیش مِن بَعدِکَ فَتَأذن لی اَنْ ادفن اِلٰی جَنْبِکَ فَقَالَ وَاَنّٰی لِی بِذَالِکَ مِنْ مَوْضَعٍ مَافِیه اِلَّا مَوْضَع قَبْرِیْ وَقَبْر اَبِیْ بَکْر وَ عُمَر وَعِیْسٰی بْن مَرْيَمَ. (اخرجہ ابن عساکر کذافی الکنز ص ۲۶۸ ج ۷ وفی فصل الخطاب باسناد المستغفری فی دلائل نبوۃ الہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! میرا خیال ہوتا ہے شاید میں آپ کے بعد تک زندہ رہوں گی تو آپ مجھ کو اس کی اجازت دیں کہ میں آپ کے پہلو میں دفن ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کی بھلا کیسے اجازت دے سکتا ہوں یہاں تو صرف میری قبر اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبریں اور عیسیٰ علیہ السلام کی قبر مقدر ہے۔



امام مہدی کا نام ونسب اور ان کا حلیہ شریف

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَاُمِّ سَلَمَةَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ قُلْتُ وَاَخْرَجَهٗ اَبُوْ دَاوٗدَ وَسَكَتَ عَنْهُ هُوَ وَالْمُنْذِرِيُّ وَابْنُ الْقَيِّمِ وَقَالَ الْحَاكِمُ رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَزَائِدَةُ وَغَيْرُهُمْ مِّنْ اَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ عَنْ عَاصِمٍ قَالَ وَطُرُقُ عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ كُلُّهَا صَحِيْحَةٌ.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا کا اس وقت تک خاتمہ نہیں ہوگا جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب پر حاکم نہ ہو جو میرے ہم نام ہوگا۔ (ترمذی شریف)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمًا لَطَوَّلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَلِيَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اگر دنیا کے خاتمہ میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسی ایک دن کو اور دراز فرمادے گا یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا حکم ہو کر رہے گا۔ (ترمذی شریف)

عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ وَنَظَرَ اِلَى ابْنِهِ الْحَسَنِ فَقَالَ اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ كَمَا سَمَّاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهٖ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاِسْمِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشْبِهُهٗ فِي الْخُلُقِ وَلَا يُشْبِهُهٗ فِي الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةً يَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا. رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ فِيْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ لَا بَاْسَ بِهٖ فِيْ حَدِيْثِهٖ خَطَأٌ وَقَالَ الذَّهَبِيُّ صَدُوْقٌ لَهٗ اَوْهَامٌ وَاَمَّا اَبُوْ اِسْحٰقَ السَّبِيْعِيُّ فَرِوَايَتُهٗ عَنْ عَلِيٍّ مُنْقَطِعَةٌ.

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا میرا یہ فرزند سید ہوگا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے اور اس کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا وہ عادات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوگا لیکن صورت میں مشابہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد ان کے عدل وانصاف کا حال ذکر فرمایا۔ (ابوداؤد)

عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَمْ يَبْقَ مِنَ الدَّهْرِ اِلَّا يَوْمٌ لَبَعَثَ اللّٰهُ رَجُلًا مِّنْ

اَهْلِ بَيْتِىْ يَمْلَأُهَا قِسْطاً وَّعَدْلاً كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا. رواه ابوداؤد وَفِىْ اِسْنَادِهٖ فطرُبْنُ خَلِيْفَةَ الْكُوْفِىُّ وَثَقَهٗ اَحْمَدُ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدِ نِ الْقَطَّانُ وَيَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ وَالنَّسَائِىُّ وَالْعِجْلِى وَابْنُ سَعْدٍ وَالسَّاجِى وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ صَالِحُ الْحَدِيْثِ وَاَخْرَجَ لَهُ الْبُخَارِىُّ فَالْحَدِيْثُ قَوِىٌّ.

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ’’اگر قیامت میں صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ضرور ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو دنیا کو عدل وانصاف سے پھر اسی طرح بھر دے گا جیسے وہ اس سے قبل ظلم سے بھر چکی ہوگی۔‘‘ (ابوداؤد)

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اُمِّ سَلَمَةَ ؓ فَتَذَاكَرْنَا الْمَهْدِىَّ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمَهْدِىُّ مِنْ وُّلْدِ فَاطِمَةَ ؓ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَفِيْهِ عَلِىُّ بْنُ النُّفَيْلِىُّ الْهِنْدِىُّ. قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَابَأْسَ بِهٖ اَخْرَجَ لَهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ كَذَافِى الْاِذَاعَةِ.

سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اُم سلمہؓ کے پاس حاضر تھے ہم نے امام مہدی کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ امام مہدی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد میں ہوں گے۔ (ابن ماجہ)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ قَالَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَحْنُ وُلْدُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ سَادَةُ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَنَا وَحَمْزَةُ وَعَلِىٌّ وَجَعْفَرٌ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَالْمَهْدِىُّ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَفِى الزَّوَائِدِ وَفِىْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ وَعَلِىُّ بْنُ زِيَادٍ لَمْ اَرَمَنْ وَّثَّقَهٗ وَلَا مَنْ جَرَحَ وَبَاقِىْ رِجَالُ اِسْنَادِهٖ مُوَثَّقُوْنَ وَرَاجِعُ لَهُ الْاِذَاعَةِ.

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد اہل جنت کے سردار ہوں گے یعنی میں، حمزہ، علی، جعفر، حسن، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (ابن ماجہ)

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَهْدِىُّ مِنِّىْ اَجْلَى الْجَبْهَةِ اَقْنَى الْاَنْفِ يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلاً كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا وَيَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ. (رواه ابو داؤد) قال المنذرى فى اسناده عمران القطان وهو ابوالعوام عمران بن داور القطان البصرى استشهد به البخاى ووثقه عفان بن مسلم و احسن عليه الثناء ويحيى بن سعيد القطان.

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مہدی میری اولاد میں سے ہوگا جس کی پیشانی کشادہ اور ناک بلند ہوگی اور جو دنیا کو عدل وانصاف سے پھر بھر دے گا جبکہ اس وقت وہ ظلم وستم سے بھر چکی ہوگی۔ ان کی حکومت سات سال تک رہے گی۔ (ابوداؤد)

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ بَعْدِىْ بُعُوْثٌ كَثِيْرَةٌ فَكُوْنُوْا

فِيْ بَعْثِ خُرَاسَانَ رَوَاهُ بْنُ عَدِيّ وَابْنُ عَسَاكِرِ وَالسُّيُوْطِيُّ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ.

بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے بعد بہت سے لشکر ہوں گے تم اس لشکر میں شامل ہونا جو خراسان سے آئے گا۔ (ابن عدی)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَاٰيَاتٌ سُوْدٌ لَا يَرُدُّهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُنْصَبُ بِاِيْلِيَاءَ. (رواه الترمذی)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خراسان کی طرف سے سیاہ سیاہ جھنڈے آئیں گے کوئی طاقت ان کو واپس نہیں کر سکے گی یہاں تک کہ وہ بیت المقدس میں نصب کر دیئے جائیں گے۔ (ترمذی شریف)

تشریح: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیاہ جھنڈے وہ نہیں ہیں جو ایک مرتبہ ابو مسلم خراسانی لے کر آیا تھا جس نے بنو امیہ کا ملک چھین لیا تھا بلکہ یہ دوسرے ہیں جو امام مہدی کے عہد میں ظاہر ہوں گے۔ کذا فی الحاوی ص ۶۰ ؍ ۲ نعیم بن حماد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ یہ جھنڈے چھوٹے ہوں گے۔ (حاوی ص ۶۸ ؍ ۲ و ۶۹)

سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخْرُجُ مِنَ الْمَشْرِقِ رَاٰيَاتٌ سُوْدٌ لِبَنِي الْعَبَّاسِ ثُمَّ يَمْكُثُوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ تَخْرُجُ رَاٰيَاتٌ صِغَارٌ تُقَاتِلُ رَجُلاً مِنْ وُلْدِ اَبِیْ سُفْيَانَ وَاَصْحَابِهٖ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ يُؤَدُّوْنَ الطَّاعَةَ لِلْمَهْدِيِّ. كذافی الحاوی ص ۶۹ ؍ ۲ وَفِيْهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ تَخْرُجُ رَاٰيَاتٌ سُوْدٌ لِبَنِي الْعَبَّاسِ ثُمَّ تَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ اُخْرٰى سُوْدٌ قَلَانِسُهُمْ وَثِيَابُهُمْ بِيْضٌ عَلٰى مُقَدِّمَتِهِمْ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ شُعَيْبُ بْنُ صَالِحٍ مِنْ تَمِيْمٍ يَهْزِمُوْنَ اَصْحَابَ السُّفْيَانِيِّ. الخ ص ۶۸ ؍ ۲

سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مشرق کی سمت ایک مرتبہ بنو العباس سیاہ جھنڈے لے کر نکلیں گے پھر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا رہیں گے اس کے بعد پھر چھوٹے چھوٹے جھنڈے نمودار ہوں گے جو ابوسفیان کی اولاد اور اس کے رفقاء کے ساتھ جنگ کریں گے اور مہدی کی تابعداری کریں گے۔

امام مہدی کا ظہور اور اہل مکہ کا بیعت کرنا

اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيْفَةٍ فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ هَارِباً اِلٰى مَكَّةَ فَيَاْتِيْهِ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ مَكَّةَ فَيُخْرِجُوْنَهٗ وَهُوَ كَارِهٌ فَيُبَايِعُوْنَهٗ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَيُبْعَثُ اِلَيْهِ بَعْثٌ مِّنَ الشَّامِ فَيُخْسَفُ بِهِمْ بِالْبَيْدَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَاِذَا رَاَ النَّاسُ ذَالِكَ اَتَاهُ اَبْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَيُبَايِعُوْنَهٗ ثُمَّ يَنْشَأُ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ اَخْوَالُهٗ كَلْبٌ فَيَبْعَثُ اِلَيْهِمْ بَعْثًا فَيَظْهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ وَذَالِكَ بَعْثُ كَلْبٍ وَالْخَيْبَةُ لِمَنْ لَّمْ يَشْهَدْ غَنِيْمَةَ كَلْبٍ فَيَقْسِمُ الْمَالَ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ وَيُلْقِي الْاِسْلَامُ بِجِرَانِهٖ وَفِي الْاَرْضِ فَيَلْبَثُ سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ يَتَوَفّٰى وَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ. (رواه ابوداؤد والحديث) اَدْخَلَهٗ اَبُوْدَاؤُدَ فِيْ

بَابَ الْمَهْدِيِّ وَاَشَارَ اِلَيْهِ التِّرْمِذِي بِمَا فِي الْبَابِ وَالْحَدِيْثُ سَكَتَ عَنْهُ اَبُوْ دَاوُدَ ثُمَّ الْمُنْذِرِيُ وَابْنُ الْقَيِّمِ. وَفِي الْاِذَاعَةِ رِجَالُهٗ رِجَالُ الصحيحين لَا مَطْعَنَ فِيْهِمْ وَلَا مَغْمَزَ. (العون ص ۱۷۶ ر ۴)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ ایک خلیفہ کے انتقال کے بعد کچھ اختلاف رونما ہوگا۔ اس وقت ایک شخص مدینہ کا باشندہ بھاگ کر مکہ مکرمہ آئے گا۔ مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس کو مجبور کر کے حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان اس سے بیعت کر لیں گے۔ پھر شام سے اس کے مقابلے کے لیے ایک لشکر بھیجا جائے گا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان ایک میدان میں دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگ ان کی یہ کرامت دیکھیں گے تو شام کے ابدال اور عراق کی جماعتیں بھی آ آ کر ان سے بیعت کریں گی۔ اس کے بعد پھر قریش میں ایک شخص ظاہر ہوگا جس کے ماموں قبیلہ کلب کے ہوں گے وہ ظاہر ہو کر ان کے مقابلہ کے لیے لشکر بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو (امام مہدی کو) ان کے اوپر غالب فرمائے گا اور یہ بنو کلب کا لشکر ہوگا۔ وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو اس قبیلہ کلب کی غنیمت میں شریک نہ ہو' کامیابی کے بعد وہی شخص اس مال کو تقسیم کرے گا اور سنت کے مطابق لوگوں سے عمل کرائے گا اور اس کے عہد میں تمام روئے زمین پر اسلام ہی اسلام پھیل جائے گا اور سات برس تک وہ زندہ رہے گا اس کے بعد اس کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان اس کی نماز پڑھیں گے۔ (ابوداؤد)

تشریح: ابوداؤد نے اس روایت کو امام مہدی کے باب میں ذکر فرمایا ہے اور امام ترمذی نے جب امام مہدی کی حدیثیں روایت کرنے والے صحابہ کے اسماء شمار کرائے ہیں تو انہوں نے بھی حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ نیز اس باب کی دوسری حدیثوں پر نظر کر کے یہ جزم حاصل ہو جاتا ہے کہ اس روایت میں اگرچہ اس شخص کا نام مذکور نہیں مگر یقیناً وہ امام مہدی ہیں کیونکہ مجموعی لحاظ سے یہ وہی اوصاف ہیں جو امام مہدی میں ہوں گے اور اسی وجہ سے ابوداؤد نے اس حدیث کو امام مہدی کی حدیثوں کے باب میں درج فرمایا ہے۔ ابن خلدون بھی اس پر کوئی خاص جرح نہ کر سکا صرف یہ کہہ کر کہ اس روایت میں امام مہدی کا نام مذکور نہیں۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَاءً يُّصِيْبُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ حَتّٰى لَا يَجِدَ الرَّجُلُ مَلْجَاءً يَلْجَاءُ اِلَيْهِ مِنَ الظُّلْمِ فَيَبْعَثُ اللّٰهُ رَجُلاً مِّنْ عِتْرَتِىْ وَاَهْلِ بَيْتِىْ فَيَمْلَأُ بِهِ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا يَرْضٰى عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَاءِ وَسَاكِنُ الْاَرْضِ لَا تَدَعُ السَّمَاءُ مِنْ قَطْرِهَا شَيْئًا اِلَّا صَبَّتْهُ مِدْرَارًا وَلَا تَدَعُ الْاَرْضُ مِنْ نَبَاتِهَا شَيْئًا اِلَّا اَخْرَجَتْهُ حَتّٰى يَتَمَنَّى الْاَحْيَاءُ الْاَمْوَاتَ يَعِيْشُ فِىْ ذَالِكَ سَبْعَ سِنِيْنَ اَوْ ثَمَانَ سِنِيْنَ اَوْ تِسْعَ سِنِيْنَ. (رواه الحاكم فى مستدركه كما فى المشكوٰة)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی آزمائش کا ذکر فرمایا جو اس اُمت کو پیش آنے والی ہے۔ ایک زمانے میں اتنا شدید ظلم ہوگا کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ میری اولاد میں سے ایک شخص کو پیدا فرمائے گا جو زمین کو عدل و انصاف سے پھر ویسا ہی بھر دے گا جیسا وہ پہلے ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ زمین

اور آسمان کے باشندے سب اس سے راضی ہوں گے، آسمان اپنی تمام بارش موسلا دھار برسائے گا اور زمین اپنی سب پیداوار نکال کر رکھ دے گی۔ یہاں تک کہ زندہ لوگوں کو تمنا ہوگی کہ ان سے پہلے جو لوگ تنگی و ظلم کی حالت میں گزر گئے ہیں کاش وہ بھی اس سماں کو دیکھتے، اسی برکت کے حال پر وہ سات یا آٹھ یا نو سال تک زندہ رہے گا۔ (مستدرک)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَقْبَلَ فِتْيَةٌ مِّنْ بَنِىْ هَاشِمٍ فَلَمَّا رَاٰهُمُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ وَتَغَيَّرَ لَوْنُهٗ قَالَ فَقُلْتُ مَا نَزَالُ نَرٰى فِىْ وَجْهِكَ شَيْئًا نَكْرَهُهٗ فَقَالَ اِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ اِخْتَارَ اللّٰهُ لَنَا الْاٰخِرَةَ عَلَى الدُّنْيَا وَاِنَّ اَهْلَ بَيْتِىْ سَيَلْقَوْنَ بَعْدِىْ بَلَاءً وَّتَشْدِيْدًا وَّتَطْرِيْدًا حَتّٰى يَاْتِىْ قَوْمٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَعَهُمْ رَاٰيَاتٌ سُوْدٌ فَيَسْاَلُوْنَ الْخَيْرَ فَلَا يُعْطُوْنَهٗ فَيُقَاتِلُوْنَ فَيُنْصَرُوْنَ فَيُعْطَوْنَ مَاسَاَلُوْا فَلَا يَقْبَلُوْنَهٗ حَتّٰى يَدْفَعُوْهَا اِلٰى رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِىْ فَيَمْلَؤُهَا قِسْطًا كَمَا مَلَؤُهَا جَوْرًا فَمَنْ اَدْرَكَ ذَالِكَ مِنْكُمْ فَلْيَاْتِهِمْ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه قَالَ السندهى الظاهر اَنَّهٗ اِشَارَةٌ اِلَى الْمَهْدِىِّ الْمَوْعُوْدِ وَلِذَالِكَ ذكر الْمُصَنِّفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِى هٰذَا الْبَابِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ. وَفِى الزَّوَائِدِ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ لِضُعْفِ يَزِيْدَ بْنِ اَبِىْ زِيَادِ الْكُوْفِىْ لٰكِنْ لَّمْ يَنْفَرِدْ يَزِيْدُ ابْنُ اَبِىْ زِيَادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ فَقَدْ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِى الْمُسْتَدْرَكِ مِنْ طَرِيْقِ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قُلْتُ وَرَوَاهُ السُّيُوْطِىُّ فِى الْحَادِى ص ٦٠ بِرِوَايَةِ ابْنِ اَبِىْ شَيْبَةَ وَنُعَيْمِ بْنِ حَمَّادٍ وَاَبِىْ نُعَيْمٍ وَفِىْ اٰخِرِهٖ فَاِنَّهُ الْمَهْدِىُّ)

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنو ہاشم کے چند نوجوان آپ کے سامنے آئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈب ڈبا گئیں اور آپ کا رنگ بدل گیا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی کیا بات ہے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر وہ آثار غم دیکھتے ہیں جس سے ہمارا دل آزردہ ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے گھرانوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بجائے آخرت عنایت فرمائی ہے، میرے بعد میرے اہل بیت کو بڑی آزمائشوں کا سابقہ پڑے گا ہر طرف سے بھگائے اور نکالے جائیں گے یہاں تک کہ ایک قوم مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے لیے ہوئے آئے گی میرے اہل بیت ان سے طالب خیر ہوں گے لیکن وہ ان کو نہیں دیں گے۔ اس پر سخت جنگ ہوگی آخر وہ شکست کھائیں گے اور جو ان سے طلب کیا تھا پیش کریں گے مگر وہ اس کو قبول نہ کر سکیں گے۔ آخر کار وہ ان جھنڈوں کو ایک ایسے شخص کے حوالہ کریں گے جو میرے اہل بیت سے ہوگا وہ زمین کو عدل و انصاف سے پھر اسی طرح بھر دے گا جیسا لوگوں نے اس سے قبل ظلم و تعدی سے بھر دیا ہوگا۔ لہٰذا تم میں سے جس کو اس کا زمانہ ملے وہ ضرور اس کے ساتھ ہو جائے۔ اگرچہ اس کو برف پر گھسٹ کر چلنا پڑے۔ (ابن ماجہ)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْتَلُ عِنْدَ كِبْرِكُمْ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ اِبْنُ خَلِيْفَةٍ ثُمَّ لَا يَصِيْرُ اِلٰى وَاحِدٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَطْلُعُ الرَّاٰيَاتُ السُّوْدُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ فَيَقْتُلُوْنَكُمْ

قَتلاً لَمْ يَقتُلهُ قَوْمٌ ثُمَّ ذَكَرَ شَيْئًا لا اَحفَظُهُ فَقَالَ اِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَبَايِعُوْهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَإِنَّهُ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ. (رواه ابن ماجه) قَالَ السندهى اَخْرَجَهُ اَبُوالْحَسَنِ بْنُ سُفيَانَ فِي مُسْنَدِهٖ وَاَبُوْ نُعَيْمٍ فِيْ كِتَابِ الْمَهْدِيْ مِنْ طَرِيْقِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ سُوَيْدِ الشَّامى فِي الزَّوَائِدِ هٰذَا اِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ رِجَالُهُ ثُقَاتٌ وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ.

ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تمہارے بڑھاپے میں تین آدمی خلفاء کی اولاد میں سے قتل ہوں گے' پھر ان کے خاندان میں کسی کو امارت نہیں ملے گی۔ پھر مشرق کی طرف سے کالے جھنڈے نمایاں ہوں گے اور تم کو اس بری طرح سے قتل کریں گے کہ کسی قوم نے اس طرح قتل عام نہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ اور بیان فرمایا جو مجھ کو یاد نہیں ہے۔ پھر فرمایا جب اس شخص کو تم دیکھو تو اس سے بیعت کر لینا۔ اگر چہ برف کے اوپر گھسٹ کر چلنا پڑے کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔ (ابن ماجہ)

عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَأَيْتُمُ الرَّايَاتِ السُّوْدَ جَاءَ تْ مِنْ قِبَلِ خُرَاسَانَ فَأْتُوْهَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَاِنَّ فِيْهَا خَلِيْفَةَ اللّٰهِ الْمَهْدِيَّ رَوَاه اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّلَائِلِ وَسَنَدُهُ صَحِيْحٌ كَذَافِي الْاِذَاعة ص ۶۸.

ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی جانب سے آرہے ہیں تو ان میں شامل ہو جانا' اگر چہ برف کے اوپر گھٹنوں کے بل چلنا ہی کیوں نہ پڑے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔ (احمد و بیہقی)

عَنْ اَبِى الصِّدِّيْقِ النَّاجِىْ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِى الْمَهْدِيُّ اِنْ قَصَرَ فَسَبْعٌ وَّ اِلَّا فَتِسْعٌ تَنْعَمُ اُمَّتِىْ فِيْهِ نِعْمَةً لَمْ يَنْعَمُوْا مِثْلَهَا قَطُّ. تُؤْتِى الْاَرْضُ اُكُلَهَا لَا تَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا. وَالْمَالُ يَوْمَئِذٍ كُدَاسٌ. يَقُوْمُ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ يَا مَهْدِيُّ اَعْطِنِىْ فَيَقُوْلُ خُذْ. (مستدرک)

ابو الصدیق ناجی بیان کرتے ہیں کہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میری اُمت میں مہدی ہوگا جو کم سے کم سات سال ورنہ نو سال تک رہے گا۔ ان کے زمانے میں میری اُمت اتنی خوشحال ہوگی کہ اس سے قبل کبھی ایسی خوشحالی نہ ہوئی ہوگی۔ زمین اپنی ہر قسم کی پیداوار ان کے لیے نکال کر رکھ دے گی اور کچھ بچا کر نہ رکھے گی اور مال اس زمانے میں کھلیان میں ناج کے ڈھیر کی طرح پڑا ہوگا حتیٰ کہ ایک شخص کھڑا ہو کر کہے گا 'اے مہدی! مجھے کچھ دیجئے' وہ فرمائیں گے (جتنا مرضی میں آئے) اٹھالے۔ (متدرک)

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَشِيْنَا اَنْ يَّكُوْنَ بَعْدَ نَبِيِّنَا حَدَثٌ فَسَأَلْنَا نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِىْ اُمَّتِى الْمَهْدِيَّ يَخْرُجُ يَعِيْشُ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا اَوْ تِسْعًا زَيْدُ نِ الشَّاكُّ. قَالَ قُلْنَا وَمَا

ذَاکَ قَالَ سِنِيْنَ قَالَ فَيَجِيْئُ اِلَيْهِ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ يَا مَهْدِىُّ اَعْطِنِىْ اَعْطِنِىْ. قَالَ فَيُحْثِىْ لَهٗ فِىْ ثَوْبِهٖ مَااسْتَطَاعَ اَنْ يَّحْمِلَهٗ. رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن و قد روی من غير وجه عن ابی سعيد عن النبی صلی الله عليه وسلم و ابوالصديق النَّاجی اسمه بكر بن عمرو و يقال بكر بن قيس. وفی اسناده زيد العمی و روی البزار نحوه و رجاله ثقات كمافی الاذاعة. (ترمذی ص ۴۶/۲)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وقوع حوادث کے خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اُمت میں مہدی ہوگا جو پانچ یا سات یا نو سال تک حکومت کرے گا۔ (زید راوی حدیث کو ٹھیک مدت میں شک ہے) میں نے پوچھا کہ اس عدد سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا، سال، ان کا زمانہ ایسی خیر و برکت کا ہوگا کہ ایک شخص ان سے آ کر سوال کرے گا اور کہے گا کہ اے مہدی! مجھ کو کچھ دیجئے، مجھ کو کچھ دیجئے، یہ کہتے ہیں کہ امام مہدی ہاتھ بھر بھر کر اس کو اتنا مال دیدیں گے جتنا اس سے اُٹھ سکے گا۔ (ترمذی)

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِىْ اٰخِرِ اُمَّتِىْ الْمَهْدِىُّ. يَسْقِيْهِ اللّٰهُ الْغَيْثَ وَتَخْرُجُ الْاَرْضُ نَبَاتَهَا وَيُعْطِى الْمَالَ صِحَاحًا وَتَكْثُرُ الْمَاشِيَةُ وَتَعْظُمُ الْاُمَّةُ وَيَعِيْشُ سَبْعًا اَوْ ثَمَانِيًا يَعْنِىْ حِجَجًا. (اخرجه الحاكم فی المستدرک)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اُمت کے آخر میں ایک شخص مہدی ظاہر ہوگا جس کے دور میں اللہ تعالیٰ خوب بارش نازل فرمائے گا اور زمین کی پیداوار بھی خوب ہوگی اور مال حصہ رسد سب کو برابر تقسیم کرے گا اور مویشیوں کی کثرت ہو جائیگی اور اُمت کو بہت عظمت حاصل ہوگی، سات یا آٹھ سال تک اسی فراوانی سے رہے گا۔ راوی کہتا ہے کہ سات یا آٹھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد "سال" تھے۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُبَشِّرُكُمْ بِالْمَهْدِىِّ يُبْعَثُ عَلٰى اخْتِلَافٍ مِّنَ النَّاسِ وَزَلَازِلَ فَيَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَّظُلْمًا. يَرْضٰى عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَاءِ وَسَاكِنُ الْاَرْضِ يَقْسِمُ الْمَالَ صِحَاحًا قِيْلَ مَا صِحَاحًا؟ قَالَ بِالسَّوِيَّةِ بَيْنَ النَّاسِ وَيَمْلَأُ قُلُوْبَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) غِنًى وَيَسَعُهُمْ عَدْلُهٗ حَتّٰى يَأْمُرَ مُنَادِيًا يُّنَادِىْ مَنْ لَهٗ فِىْ مَالٍ حَاجَةٌ فَمَا يَقُوْمُ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ. فَيَكُوْنُ كَذٰلِكَ سَبْعَ سِنِيْنَ. (احمد، ابو يعلى)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تم کو مہدی کی بشارت دیتا ہوں جو ایسے زمانے میں ظاہر ہوں گے جبکہ لوگوں میں بڑا اختلاف ہوگا اور بڑے زلزلے آئیں گے وہ آ کر پھر زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جیسا کہ وہ اس کی آمد سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ آسمان کے فرشتے اور زمین کے باشندے سب اس سے راضی ہوں گے اور مال تقسیم کریں گے۔ صحاحاً۔ سوال کیا گیا صحاح کے معنی کیا ہیں؟ فرمایا اس کا مطلب یہ

ہے کہ انصاف کے ساتھ سب میں برابر (مال تقسیم کریں گے) اور اُمت محمدیہ کے دل غنا سے بھر دیں گے۔ اس کا انصاب بلا تخصیص سب میں عام ہوگا (اس کے زمانے میں فراغت کا یہ عالم ہوگا کہ) وہ ایک اعلان کرنے والے کو حکم دیں گے وہ اعلان کرے گا کسی کو مال کی ضرورت باقی ہے؟ تو صرف ایک شخص کھڑا ہوگا اسی حالت پر سات سال کا عرصہ گزرے گا۔ (احمد ابو یعلی)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ خَلِیْلِیْ اَبُوالْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَخْرُجَ عَلَیْهِمْ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ فَیَضْرِبُهُمْ حَتّٰی یَرْجِعُوْا اِلَی الْحَقِّ قَالَ قُلْتُ وَکَمْ یَمْلِکُ قَالَ خَمْسًا وَّاثْنَیْنِ قَالَ قُلْتُ وَمَا خَمْسًا وَّاثْنَیْنِ. قَالَ لَا اَدْرِیْ. اخرجه ابو یعلی وفی الرجا ابن الرجا. وثقهٗ ابو زرعة. وضعّفه ابن معین. وبقیة رجاله ثقات' قاله الشوکانی کذافی الاذاعة.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے خلیل ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا (ابوالقاسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے) قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظاہر نہ ہو۔ وہ اہل دنیا کو زبردستی راہِ حق پر قائم کرے گا۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا' اس کی حکومت کتنے دن قائم رہے گی۔ انہوں نے فرمایا' پانچ اور دو (یعنی سات) یہ کہتے ہیں میں نے پوچھا ۵ اور ۲ کیا؟ انہوں نے کہا یہ میں نہیں جانتا (کہ مراد سات سال تھے یا مہینے۔ گزشتہ روایات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہاں سال ہی مراد ہیں)۔ (مسند ابو یعلی)

عَنْ یُسَیْرِ بْنِ جَابِرٍ قَالَ هَاجَتْ رِیْحٌ حَمْرَاءُ بِالْکُوْفَةِ فَجَاءَ رَجُلٌ لَیْسَ لَهٗ هِجِّیْرٰی اِلَّا یَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ جَاءَ تِ السَّاعَةُ قَالَ فَقَعَدَ وَکَانَ مُتَّکِئًا فَقَالَ اِنَّ السَّاعَةَ لَا تَقُوْمُ حَتّٰی لَا یُقْسَمُ مِیْرَاثٌ وَلَا یُفْرَحُ بِغَنِیْمَةٍ ثُمَّ قَالَ بِیَدِهٖ هٰکَذَا وَنَحَّاهَا نَحْوَالشَّامِ فَقَالَ عَدُوٌّ یَجْمَعُوْنَ لِاَهْلِ الشَّامِ وَیَجْمَعُ لَهُمْ اَهْلُ الْاِسْلَامِ قُلْتُ الرُّوْمَ تَعْنِیْ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَیَکُوْنُ عِنْدَ ذَاکُمُ الْقِتَالُ رِدَّةً شَدِیْدَةً فَیَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَیَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰی یَحْجُزَ بَیْنَهُمُ اللَّیْلُ فَیَفِیْئُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ کُلٌّ غَیْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَی الشُّرْطَةُ ثُمَّ یَشْتَرِطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَیَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰی یَحْجُزَبَیْنَهُمُ اللَّیْلُ فَیَفِیْئُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ کُلٌّ غَیْرَ غَالِبٍ وَتَفْنَی الشُّرْطَةُ ثُمَّ یَشْتَرِطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَیَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰی یُمْسُوْا فَیَفِیْئُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ کُلٌّ غَیْرَ غَالِبٍ وَتَفْنَی الشُّرْطَةُ فَاِذَا کَانَ الْیَوْمُ الرَّابِعُ نَهَدَ اِلَیْهِمْ بَقِیَّةُ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَیَجْعَلُ اللّٰهُ الدَّابِرَةَ عَلَیْهِمْ فَیَقْتَتِلُوْنَ مَقْتَلَةً اِمَّا قَالَ لَا یُرٰی مِثْلُهَا وَاِمَّا قَالَ لَمْ یُرَ مِثْلُهَا حَتّٰی اِنَّ الطَّائِرَ لَیَمُرُّ بِجَنَبَاتِهِمْ فَمَا یُخَلِّفُهُمْ حَتّٰی یَخِرَّ مَیِّتًا فَیَتَعَادُّ بَنُوالْاَبِ کَانُوْا مِائَةً فَلَا یَجِدُوْنَهٗ بَقِیَ مِنْهُمْ اِلَّا الرَّجُلُ الْوَاحِدُ فَبِاَیِّ غَنِیْمَةٍ یُفْرَحُ اَوْ اَیِّ مِیْرَاثٍ یُقَاسَمُ فَبَیْنَاهُمْ کَذَالِکَ اِذْ سَمِعُوْا بِبَأْسٍ هُوَ اَکْبَرُ مِنْ ذٰلِکَ فَجَاءَ هُمُ الصَّرِیْخُ اِنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَلَفَهُمْ فِیْ ذَرَارِیْهِمْ فَیَرْفُضُوْنَ مَافِیْ اَیْدِیْهِمْ وَیُقْبِلُوْنَ فَیَبْعَثُوْنَ عَشْرَ فَوَارِسَ طَلِیْعَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ اَسْمَاءَ هُمْ وَ اَسْمَاءَ اٰبَاءِ هِمْ وَاَلْوَانَ خُیُوْلِهِمْ هُمْ خَیْرُ فَوَارِسَ عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ

يَوْمَئِذٍ اَوْ مِنْ خَيْرِ فَوَارِسَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ. (رواه مسلم)

یسیر بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک بار کوفہ میں لال آندھی آئی، ایک شخص آیا جس کا تکیہ کلام یہی تھا، اے عبداللہ بن مسعودؓ! قیامت آئی، یہ سن کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ گئے اور پہلے تکیہ لگائے ہوئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ ترکہ نہ بٹے گا اور مال غنیمت سے کچھ خوشی نہ ہوگی (کیونکہ جب کوئی وارث ہی نہ رہے گا تو ترکہ کون بانٹے گا اور جب کوئی لڑائی سے زندہ نہ بچے گا تو مال غنیمت کی کیا خوشی ہوگی) پھر شام کے ملک کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور کہا (نصاریٰ) دشمن مسلمانوں سے جنگ کے لیے جمع ہوں گے اور مسلمان بھی ان سے لڑنے کے لیے جمع ہوں گے، میں نے کہا دشمن سے آپ کی مراد نصاریٰ ہیں؟ انہوں نے فرمایا ''ہاں'' اور اس وقت لڑائی شروع ہوگی مسلمان ایک لشکر کو آگے بھیجیں گے جو مرنے کی شرط لگا کر آگے بڑھے گا یعنی اس قصد سے لڑے گا کہ یا مر جائیں گے یا فتح کر کے آئیں گے پھر دونوں لشکروں میں جنگ ہوگی یہاں تک کہ رات ہو جائے گی اور دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی، کسی کو غلبہ نہ ہوگا اور جو لشکر لڑائی کے لیے بڑھا تھا وہ بالکل فنا ہو جائے گا (یعنی سب مارا جائے گا) دوسرے دن پھر مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے جو مرنے کے لیے اور غالب ہونے کے لیے جائے گا اور لڑائی ہوتی رہے گی یہاں تک کہ رات ہو جائے گی، پھر دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہوگا جو لشکر آگے بڑھا تھا وہ فنا ہو جائے گا پھر تیسرے دن مسلمان ایک لشکر آگے بڑھائیں گے، مرنے یا غالب ہونے کی نیت سے اور شام تک لڑائی رہے گی، پھر دونوں طرف کی فوجیں لوٹ جائیں گی اور کسی کو غلبہ نہ ہوگا اور وہ لشکر بھی فنا ہو جائے گا۔ جب چوتھا دن ہوگا تو جتنے مسلمان باقی رہ جائیں گے وہ سب آگے بڑھیں گے، اس دن اللہ تعالیٰ کافروں کو شکست دے گا اور ایسی لڑائی ہوگی کہ ویسی کوئی نہ دیکھے گا یا ویسی لڑائی کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔ (راوی کو لفظ میں شک ہے) یہاں تک کہ پرندہ ان کے اوپر یا ان کی نعشوں سے پرواز کرے گا پر آگے نہیں بڑھے گا کہ وہ مردہ ہو کر گر جائے گا (یعنی اس کثرت کے ساتھ لاشیں ہی لاشیں ہو جائیں گی) اور جب ایک دادا کی اولاد کی مردم شماری کی جائے گی تو فیصدی ۹۹ آدمی مارے جا چکے ہوں گے اور صرف ایک بچا ہوگا ایسی حالت میں کون سے مال غنیمت سے خوشی ہوگی اور کونسا ترکہ تقسیم ہوگا۔ پھر مسلمان اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک اور بڑی آفت کی خبر سنیں گے اور وہ یہ کہ شور مچے گا کہ ان کے بال بچوں میں دجال آ گیا ہے، یہ سنتے ہی جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہوگا سب چھوڑ کر روانہ ہو جائیں گے اور دس سواروں کو لین ڈوری کے طور پر روانہ کریں گے (تاکہ دجال کی خبر کی تحقیق کر کے لائیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان سواروں کے اور ان کے باپوں کے نام جانتا ہوں اور ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی جانتا ہوں وہ اس وقت تمام روئے زمین کے بہتر سوار ہوں گے یا بہتر سواروں میں سے ہوں گے۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ سَمِعْتُمْ بِمَدِيْنَةٍ جَانِبٌ مِنْهَا فِي الْبَرِّ وَجَانِبٌ مِنْهَا فِي الْبَحْرِ قَالُوْا نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَغْزُوْهَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنْ بَنِيْ اِسْحَاقَ فَاِذَا جَاءُوْهَا نَزَلُوْا فَلَمْ يُقَاتِلُوْا بِسَلَاحٍ وَلَمْ يَرْمُوْا بِسَهْمٍ

قَالُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيَسْقُطُ اَحَدُ جَانِبَيْهَا قَالَ ثَوْرُ ابْنُ يَزِيْدَ الرَّاوِيْ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا قَالَ الَّذِيْ فِي الْبَحْرِ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ الثَّانِيَةَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيَسْقُطُ جَانِبُهَا الْاٰخَرُ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ الثَّالِثَةَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيُفَرَّجُ لَهُمْ فَيَدْخُلُوْنَهَا فَيَغْنَمُوْنَ فَبَيْنَاهُمْ يَقْتَسِمُوْنَ الْمَغَانِمَ اِذْ جَاءَ هُمُ الصَّرِيْخُ اَنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَرَجَ فَيَتْرُكُوْنَ كُلَّ شَيْءٍ وَيَرْجِعُوْنَ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے وہ شہر سنا ہے جس کی ایک جانب خشکی میں اور دوسری جانب سمندر میں ہے؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ بنو اسحاق کے ستر ہزار مسلمان اس پر چڑھائی نہ کریں جب وہ اس شہر کے پاس جا کر اُتریں گے تو نہ کسی ہتھیار سے لڑیں گے نہ کوئی تیر چلائیں گے بلکہ ایک نعرہ تکبیر لگائیں گے جس کی برکت سے شہر کی ایک جانب گر پڑے گی تو ابن یزید جو اس حدیث کا ایک راوی ہے کہتا ہے کہ جہاں تک مجھے یاد ہے مجھ سے بیان کرنے والے نے اس جانب کے متعلق یہ بیان کیا تھا کہ وہ جانب سمندر کے رُخ والی ہو گی اس کے بعد پھر دوبارہ نعرۂ تکبیر لگائیں گے تو اس کی دوسری جانب بھی گر جائے گی۔ اس کے بعد جب تیسری بار نعرہ تکبیر بلند کریں گے تو دروازہ کھل جائے گا اور وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اور مال غنیمت حاصل کریں گے۔ اس درمیان میں کہ وہ مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ آواز آئے گی دیکھو وہ دجال نکل پڑا' یہ سنتے ہی وہ سب مال و متاع چھوڑ کر لوٹ پڑیں گے۔ (مسلم شریف)

تشریح: دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قسطنطنیہ کا ہے۔ یہاں نعرہ تکبیر سے شہر کے فتح ہو جانے پر تعجب کرنے والے مسلمان ذرا غور و فکر کے ساتھ ایک بار اپنی گزشتہ تاریخ کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ اس قسم کے عجائبات سے معمور ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی غیبی امدادیں ان کے ساتھ نہ ہوتیں تو اس زمانے میں جبکہ نہ دخانی جہاز تھے نہ فضائی طیارے اور نہ موٹر' پھر ربع سکوں میں اسلام کو پھیلا دینا' یہ کیسے ممکن تھا آج جبکہ مادی طاقتوں نے سیر و سیاست کا مسئلہ بالکل آسان کر دیا ہے جس حصہ زمین میں ہم پہنچتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ علاء بن حضرمی صحابی اور ابو مسلم حولانی کا مع اپنی فوج کے سمندر کو خشکی کی طرح عبور کر جانا تاریخ کا واقعہ ہے۔ خالد بن ولید کے سامنے مقام جیرہ میں زہر کا پیالا پیش ہونا اور ان کا بسم اللہ کہہ کر نوش کر لینا اور اس کا نقصان نہ کرنا بھی تاریخ کی ایک حقیقت ہے۔ سفینہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کا نام ہے) کا روم میں ایک جگہ گم ہو جانا اور ایک شیر کا گردن جھکا کر ان کو لشکر تک پہنچانا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدینہ میں منبر پر اپنے جنرل ساریہ کو آواز دینا اور مقام نہاوند میں ان کا سن لینا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط سے دریائے نیل کا جاری ہو جانا یہ تمام تاریخ کے مستند حقائق ہیں۔ ان واقعات کے سوا جو بسلسلہ سند ثابت ہیں ہندوستان کے بہت سے عجیب واقعات ایسے بھی ثابت ہیں جن میں سے کسی کسی کی شہادت تو انگریزوں کی زبان سے بھی ثابت ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخِيْسُ الرُّوْمُ عَلٰى وَالٍ مِنْ عِتْرَتِيْ

يُوَاطِئُ اِسْمُهُ اِسْمِيُ فَيَقْتَتِلُوْنَ بِمَكَانٍ يُقَالُ لَهُ الْعَمَاقُ فَيَقْتَتِلُوْنَ فَيُقْتَلُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ الثُّلُثُ اَوْ نَحْوَ ذٰلِکَ ثُمَّ يَقْتَتِلُوْنَ الْيَوْمَ الْاٰخَرَ فَيُقْتَلُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ نَحْوُ ذٰلِکَ ثُمَّ يَقْتَتِلُوْنَ الثَّالِثَ فَيَكِرُّوْنَ اَهْلَ الرُّوْمِ فَلَا يَزَالُوْنَ حَتّٰى يَفْتَحُوْنَ الْقُسْطَنْطِنِيَّةَ فَبَيْنَمَا هُمْ يَقْتَسِمُوْنَ فِيْهَا بِالْاَتْرَاسِ اِذْ اَتَاهُمْ صَارِخٌ اَنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِيْ ذَرَارِيْكُمْ. (اخرجه الخطيب فی المتفق و المفترق كذافی الاذاعة ص ۶۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رومی میرے خاندان کے ایک ولی سے عہد شکنی کریں گے جس کا نام میرے ہی نام کی طرح ہوگا پھر وہ عماق نامی جگہ پر جنگ کریں گے اور مسلمانوں کا تہائی لشکر یا تقریباً اتنا ہی شہید کردیا جائے گا۔ پھر دوسرے دن جنگ کریں گے اور اتنی ہی مقدار شہید کردی جائے گی۔ پھر تیسرے دن جنگ کریں گے اور مسلمان پلٹ کر رومیوں پر حملہ آور ہوں گے اور جنگ کا یہ سلسلہ قائم رہے گا حتیٰ کہ وہ قسطنطنیہ فتح کرلیں گے۔ پھر اس دوران میں کہ وہ ڈھالیں بھر بھر کر مال غنیمت تقسیم کررہے ہوں گے کہ ایک آواز لگانے والا یہ آواز لگائے گا کہ دجال تمہاری اولاد کے پیچھے لگ گیا ہے۔

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ مَرْفُوْعًا قَالَ سَتَكُوْنُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الرُّوْمِ اَرْبَعُ هُدَنٍ يَوْمُ الرَّابِعَةِ عَلٰى يَدِ رَجُلٍ مِنْ اٰلِ هَارُوْنَ يَدُوْمُ سَبْعَ سِنِيْنَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اِمَامُ النَّاسِ يَوْمَئِذٍ قَالَ مِنْ وُلْدِيْ اِبْنُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً كَاَنَّ وَجْهَهُ كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ فِيْ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ خَالٌ اَسْوَدُ عَلَيْهِ عَبَايَتَانِ قَطْوَانِيَّتَانِ كَاَنَّهُ مِنْ رِجَالِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ يَمْلِکُ عَشْرَ سِنِيْنَ يَسْتَخْرِجُ الْكُنُوْزَ وَيَفْتَحُ مَدَائِنَ الشِّرْکِ. (رواه الطبرانی)

ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اور روم کے درمیان چار مرتبہ صلح ہوگی۔ چوتھی صلح ایسے شخص کے ہاتھ پر ہوگی جو آل ہارون سے ہوگا اور یہ صلح سات سال تک برابر قائم رہے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس وقت مسلمانوں کا امام کون شخص ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص میری اولاد میں سے ہوگا جس کی عمر چالیس سال کی ہوگی۔ اس کا چہرہ ستارہ کی طرح چمکدار' اس کے دائیں رُخسار پر سیاہ تل ہوگا اور دو قطوانی عبائیں پہنے ہوگا' بالکل ایسا معلوم ہوگا جیسا بنی اسرائیل کا شخص' دس سال حکومت کرے گا' زمین سے خزانوں کو نکالے گا اور مشرکین کے شہروں کو فتح کرے گا۔ (طبرانی)

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْکَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ مِنْ اَدَمٍ فَقَالَ اُعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ. مَوْتِيْ. ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ مُوْتَانٌ يَأْخُذُ فِيْكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ. ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتّٰى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا يَبْقٰى بَيْتٌ مِنَ الْعَرَبِ اِلَّا دَخَلَتْهُ ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُوْنُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْاَصْفَرِ فَيَغْدُرُوْنَ فَيَأْتُوْنَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِيْنَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا. (رواه البخاری)

عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ

باتیں گن رکھو۔ سب سے پہلے میری وفات، پھر بیت المقدس کی فتح، پھر تم میں عام موت ظاہر ہوگی جس طرح کہ بکریوں میں وبائی مرض پھیل جائے (اور ان کی تباہی کا باعث بن جائے) پھر مال کی بہتات ہوگی حتیٰ کہ ایک شخص کو سو سو دینار دیئے جائیں گے اور وہ خوش نہ ہوگا پھر فتنہ وفساد پھیل پڑے گا اور عرب کا کوئی گھر اس سے باقی نہ رہے گا، پھر صلح کی زندگی ہوگی اور یہ تمہارے اور بنی الاصفر (رومی) کے درمیان قائم رہے گی، پھر وہ تم سے عہد شکنی کریں گے اور اسّی (۸۰) جھنڈوں کے ساتھ تم پر چڑھائی کردیں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار کا لشکر ہوگا۔

تشریح: اس حدیث میں قیامت سے قبل چھ علامات کا ذکر کیا گیا ہے جن کی تعیین میں اگرچہ بہت کچھ اختلافات ہیں اور ان کے ابہام کی وجہ سے ہونے چاہئیں لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حدیث مذکور کے بعض الفاظ حضرت امام مہدی کے خروج کی علامات سے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ اگر ان کو ادھر ہی اشارہ قرار دیدیا جائے تو ایک قریبی احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے اس لیے اس حدیث کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی بحث میں لکھ دیا گیا ہے۔ یہ لحاظ کیے بغیر کہ محقق ابن خلدون اور ان کے اذناب اس کے معتقد ہیں یا نہیں۔

تنبیہ: یہ بات قابل تنبیہ ہے کہ علماء کے نزدیک مفہوم عدد معتبر نہیں ہے اس لیے مجھ کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قیامت سے قبل اس کے ظہور کی چھ علامات ہیں یا بیش وکم۔ یہ وقت اور علامات کی حیثیت شمار کرنے سے مختلف ہوسکتی ہیں ان کا کسی حیثیت سے چھ ہونا بھی ممکن ہے اور کسی لحاظ سے وہ کم اور زیادہ بھی ہوسکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وقتی لحاظ سے جن علامات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شمار کرایا ہے ان کا عدد کسی خصوصیت پر مشتمل ہو۔ یہ بات صرف یہاں نہیں بلکہ دیگر حدیثوں کے موضوع میں بھی اگر آپ کے پیش نظر رہے تو بہت سی مشکلات کے لیے موجب حل ہوسکتی ہے جیسا کہ فضائل اعمال کی حدیثوں میں اختلاف ملتا ہے اور اس کو بہت پیچیدگیوں میں ڈال دیا گیا ہے حالانکہ یہ اختلاف بھی صرف وقتی اور شخصی اختلاف کے لحاظ سے پیدا ہوجانا بہت قرین قیاس ہے مگر کیا کہا جائے منطقی عادات نے ہماری ذہنی ساخت کو بدل دیا ہے۔ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

عَنْ ذِیْ مخبر (هو ابن اخی النجاشی خادم رسول الله صلى الله عليه وسلّم) قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُصَالِحُوْنَ الرُّوْمَ صُلْحًا اٰمِنًا فَتَغْزُوْنَ اَنْتُمْ وَهُمْ عَدُوًّا مِّنْ وَّرَائِكُمْ فَتُنْصَرُوْنَ وَتَغْنِمُوْنَ حَتّٰى تَنْزِلُوْا بِمَرْجٍ ذِىْ تُلُوْلٍ فَيَرْفَعُ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ النَّصْرَانِيَهِ الصَّلِيْبَ فَيَقُوْلُ غَلَبَ الصَّلِيْبُ فَيَغْضَبُ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَدُقُّهٗ فَعِنْدَ ذٰلِكَ تَغْدُرُ الرُّوْمُ وَتَجْمَعُ لِلْمَلْحَمَةِ. (رواه ابو داؤد)

ذی مخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ تم روم سے صلح کروگے پوری صلح اور دونوں مل کر اپنے دشمن سے جنگ کروگے اور تم کو کامیابی ہوگی اور مال غنیمت ملے گا یہاں تک کہ جب ایک زمین پر آ کر لشکر اترے گا جس میں ٹیلے ہوں گے اور سبزہ ہوگا تو ایک شخص نصرانیوں میں سے صلیب اونچی کرکے کہے گا کہ صلیب کا بول بالا ہوا۔ اس پر ایک مسلمان کو غصہ آجائے گا وہ اس صلیب کو لے کر توڑ ڈالے گا اور اس وقت نصاریٰ غداری کریں گے اور جنگ عظیم کے لیے سب ایک محاذ پر جمع ہوجائیں گے۔ (ابوداؤد)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ. (رواه الشیخان) وَفی لفظ لمسلم فَاَمَّکُمْ وفی لفظة اخری فامکم منکم.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جبکہ تمہارے اندر عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام وہ شخص ہوگا جو خود تم میں سے ہوگا۔ (بخاری و مسلم) مسلم کے ایک لفظ میں ہے کہ ایک شخص جو تم ہی میں سے ہوگا اور اس وقت کی نماز میں تمہارا امام وہی ہوگا۔

تشریح: حدیث مذکور میں ”وامامکم منکم“ کی شرح بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نازل ہوں گے تو وہ شریعت محمدیہ ہی پر عمل فرمائیں گے۔ اس لحاظ سے گویا وہ ہم ہی میں سے ہوں گے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد امام مہدی ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے زمانے میں نازل ہوں گے جبکہ ہمارا امام خود ہم ہی میں سے ایک شخص ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں امامت سے مراد امامت کبریٰ یعنی امیر و خلیفہ ہے۔

اس مضمون کے ساتھ صحیح مسلم میں ”فیقول امیرھم تعال صل لنا“ کا دوسرا مضمون بھی آیا ہے یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو نماز کا وقت ہوگا اور امام مصلی پر جاچکا ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر وہ امام پیچھے ہٹنے کا ارادہ کرے گا اور عرض کرے گا آپ آگے تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کو امامت کا حکم فرمائیں گے اور یہ نماز خود اسی کے پیچھے ادا فرمائیں گے یہاں امامت سے مراد امامت صغریٰ یعنی نماز کا امام مراد ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں مضمون بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح علیحدہ علیحدہ منقول ہوئے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں لفظ ”وامامکم منکم“ سے پہلا مضمون مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں مسلمانوں کا امیر ایک نیک شخص ہوگا جیسا کہ ابن ماجہ کی حدیث میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔ اس میں ”وامامکم منکم“ کے بجائے ”وامامکم رجل صالح“ صاف موجود ہے یعنی تمہارا امام ایک مرد صالح ہوگا۔ اب بعد میں کسی راوی نے اس کو دوسری روایت پر حمل کر کے امام سے مراد امامت صغریٰ یعنی نماز کی امامت مراد لے لی ہے اور اس لیے اس کو بلفظ ”امتکم“ ادا کر دیا ہے اس کے بعد کسی نے اس کے ساتھ ”منکم“ کا لفظ اور اضافہ کر دیا ہے اور جب ”امکم“ کے ساتھ لفظ منکم کی مراد واضح نہ ہوسکی تو پھر اس کی تاویل شروع ہوگئی ہے ورنہ امامکم منکم کا اصل لفظ بالکل واضح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اجمال نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی قوی حدیث نے اس کی پوری تشریح بھی کر دی ہے۔ لہٰذا جب صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں یہ متعین ہوگیا کہ امام سے امیر و خلیفہ مراد ہے تو اب بحث طلب بات صرف یہ رہتی ہے کہ یہ امام اور رجل صالح کیا وہی امام مہدی ہی ہیں یا کوئی دوسرا شخص ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دوسری روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس امام اور رجل صالح سے مراد ہی امام مہدی ہیں تو پھر امام مہدی کی آمد کا ثبوت خود صحیحین میں ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد اب آپ وہ روایات ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ مذکور ہے کہ یہاں امام سے مراد امام مہدی ہی ہیں۔ یہ واضح رہنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے زمانے میں کسی امام عادل کا موجود ہونا جب صحیحین سے ثابت ہے اور اس دعویٰ کے لیے کوئی ضعیف حدیث بھی موجود نہیں کہ وہ امام ”امام مہدی“ نہ ہوں گے بلکہ کوئی اور

امام ہوگا تو اب اس امام کے امام مہدی ہونے کے انکار کے لیے کوئی معقول وجہ نہیں ہے بالخصوص جبکہ دوسری روایات میں اس کے امام مہدی ہونے کی تصریح موجود ہے۔ اسی کے ساتھ جب صحیح مسلم کی حدیثوں میں اس امام کے صفات وہی ہیں جو حضرت امام مہدی کی صفات ہیں تو پھر ان حدیثوں کو بھی امام مہدی کی آمد کا ثبوت تسلیم کر لینا چاہیے۔ اس کے علاوہ حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو اگرچہ بلحاظ اسناد ضعیف سہی لیکن صحیح وحسن حدیثوں کے ساتھ ملا کر وہ بھی امام مہدی کی آمد کی حجت کہا جا سکتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ الْمَهْدِيُّ يَنْزِل عَلَيْهِ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَيُصَلِّيْ خَلْفَهٗ عِيْسٰى. (اخرجه نعيم بن حماد كذافى الحاوى ص ۳/۷۸)

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم امام مہدی کے بعد نازل ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے (ایک) نماز ادا فرمائیں گے۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ (الْخُدْرِيِّ) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَّا الَّذِيْ يُصَلِّيْ عِيْسٰى ابْنُ مَرْيَمَ خَلْفَهٗ. (اخرجه ابو نعيم كذافى الحاوى ص ۲/۶۴)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسی اُمت میں سے ایک شخص ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریمؑ اقتداء فرمائیں گے۔ (ابونعیم)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ تُقَاتِلُ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى يَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ يَنْزِلُ عَلَى الْمَهْدِيِّ فَيُقَالُ تَقَدَّمْ يَانَبِيَّ اللّٰهِ فَصَلِّ بِنَا فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ امراءُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (رواه مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میری اُمت کا ایک طائفہ حق کے لیے ہمیشہ مقابلہ کرتا رہے گا یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم امام مہدی کی موجودگی میں بیت المقدس میں طلوع فجر کے وقت اُتریں گے ان سے عرض کیا جائے گا یا نبی اللہ! آگے تشریف لائیے اور ہم کو نماز پڑھا دیجئے؟ وہ فرمائیں گے یہ اُمت خود ایک دوسرے کے لیے امیر ہے (اس لیے اس وقت کی نماز تو یہی پڑھائیں) یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے مگر اس میں ''مہدی'' کے بجائے امیرھم کا لفظ یعنی مسلمانوں کا امیر عرض کرے گا کہ آپ ہم کو نماز پڑھا دیجئے' اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہی جواب مذکور ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْتَفِتُ الْمَهْدِيُّ وَقَدْ نَزَلَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ كَاَنَّمَا يَقْطُرُ مِنْ شَعْرِهِ الْمَاءُ فَيَقُوْلُ الْمَهْدِيُّ تَقَدَّمْ صَلِّ بِالنَّاسِ فَيَقُوْلُ عِيْسٰى اِنَّمَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ لَكَ فَيُصَلِّيْ خَلْفَ رَجُلٍ مِنْ وُلْدِيْ. (اخرجه ابوعمر الدانى فى سننه كذافى الحاوى)

حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُتر چکے ہوں گے' ان کو دیکھ کر یوں معلوم ہوگا گویا ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے اس وقت امام مہدی ان کی طرف مخاطب ہو کر عرض کریں گے تشریف لائیے اور لوگوں کو نماز پڑھا دیجئے؟ وہ فرمائیں گے اس نماز کی اقامت تو آپ کے لیے ہو چکی ہے اور نماز تو

آپ ہی پڑھائیں۔ چنانچہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یہ نماز میری اولاد میں سے ایک شخص کے پیچھے ادا فرمائیں گے۔

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمُ الْمَهْدِيُّ تَعَالَ صَلِّ بِنَا فَيَقُوْلُ وَاِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ. (اخرجه السيوطى)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور لوگوں کے امیر مہدی ...... فرمائیں گے کہ آیئے اور ہم کو نماز پڑھایئے' وہ جواب دیں گے کہ تم ہی میں سے ایک دوسرے کا امیر ہے اور یہ اس اُمت کا اعزاز ہے۔

عَنْ اِبْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ الْمَهْدِيُّ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهُوَ الَّذِىْ يَؤُمُّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. (اخرجه ابن ابى شيبة كذافى الحاوى)

ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ امام مہدی اسی اُمت سے ہونگے اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی امامت انجام دینگے۔

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ الدَّجَّالَ. وَقَالَ فَتَنْفِى الْمَدِيْنَةُ الْخَبَثَ مِنْهَا كَمَا يَنْفِىْ الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَيُدْعٰى ذٰلِكَ الْيَوْمُ يَوْمُ الْخَلَاصِ فَقَالَتْ اُمُّ شَرِيْكٍ فَاَيْنَ الْعَرَبُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ. قَالَ هُمْ يَوْمَئِذٍ قَلِيْلٌ وَجُلُّهُمْ بَيْتُ الْمَقْدِسِ وَاِمَامُهُمُ الْمَهْدِيُّ رَجُلٌ صَالِحٌ فَبَيْنَمَا اِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ يُصَلِّىْ بِهِمُ الصُّبْحَ اِذْ نَزَلَ عَلَيْهِمْ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ الصُّبْحَ فَرَجَعَ ذٰلِكَ الْاِمَامُ يَنْكُصُ يَمْشِى الْقَهْقَرٰى لِيَتَقَدَّمَ عِيْسٰى فَيَضَعُ عِيْسٰى يَدَهٗ بَيْنَ كَتِفَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ تَقَدَّمْ فَاِنَّهَا لَكَ اُقِيْمَتْ فَيُصَلِّىْ بِهِمْ اِمَامُهُمْ. (اخرجه ابن ماجه)

ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مدینہ گندگی کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح کہ بھٹی لوہے کی گندگی کو دور کر دیتی ہے اور یہ دن یوم الخلاص (پاک اور ناپاک کی جدائی کا دن کہلائے گا) اُم شریک نے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت عرب کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت ان کی تعداد کم ہوگی اور ان میں بیشتر بیت المقدس میں ہوں گے اور ان کے امام ایک مرد صالح مہدی ہوں گے۔ وہ ایک نیک انسان ہوں گے۔ وہ ایک دن صبح کی نماز کی امامت کے لیے آگے بڑھیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو جائے گا اور یہ امام (مہدی علیہ السلام) اُلٹے پاؤں لوٹیں گے تا کہ عیسیٰ علیہ السلام (امامت کیلئے) آگے بڑھیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ ان کے شانوں کے درمیان رکھ دیں گے اور فرمائیں گے کہ آپ آگے بڑھیے اور یہ آپ ہی کے لیے اقامت کہی گئی ہے اور ان کے امام (مہدی) نماز پڑھائیں گے۔

عَنْ اَبِىْ نَضْرَةَ قَالَ كُنَّا جُلُوْمًا عِنْدَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ يُوْشِكُ اَهْلُ الْعِرَاقِ اَنْ لَايَجِئَ اِلَيْهِمْ قَفِيْزٌ وَّلَادِرْهَمٌ قُلْنَا مِنْ اَيْنَ ذَاكَ فَقَالَ مِنْ قِبَلِ الْعَجَمِ يَمْنَعُوْنَ ذَاكَ ثُمَّ قَالَ يُوْشِكُ اَهْلُ الشَّامِ اَنْ لَا يَجِئَ اِلَيْهِمْ دِيْنَارٌ وَّلَا مُدى اَىَّ مُدٍّ قُلْنَا لَهٗ مِنْ اَيْنَ ذَاكَ فَقَالَ مِنْ قِبَلِ الرُّوْمِ ثُمَّ سَكَتَ

هُنَيْهَةً ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ اُمَّتِيْ خَلِيْفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا وَلَا يَعُدُّهٗ عَدًّا قِيْلَ لِاَبِيْ نَضْرَةَ وَاَبِي الْعَلَاءِ اَتَرَيَانِ اَنَّهٗ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ لَا. (رواہ مسلم)

ابونضرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا عنقریب ایسا ہوگا کہ اہل عراق کو نہ غلہ ملے گا نہ پیسہ' ہم نے دریافت کیا یہ مصیبت کس کے سبب سے آئے گی۔ انہوں نے فرمایا عجم کے سبب سے' وہ نہ غلہ آنے دیں گے نہ پیسہ' پھر فرمایا عنقریب ایک وقت آئے گا کہ اہل شام کو نہ دینار ملے گا نہ کسی قسم کا ذرا سا غلہ ہم نے ان سے پوچھا یہ مصیبت کدھر سے آئے گی؟ فرمایا روم کی جانب سے۔ یہ فرما کر تھوڑی دیر تک خاموش رہے' اس کے بعد فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو لپ بھر بھر کر مال دے گا اور شمار نہیں کرے گا۔ ابونضرۃ سے جو صحابی سے حدیث کا راوی ہے اور ابوالعلاء سے پوچھا گیا آپ کا کیا خیال ہے کیا اس خلیفہ کا مصداق عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں' ان دونوں نے بالاتفاق جواب دیا نہیں۔ (مسلم شریف)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ اُمَّتِيْ خَلِيْفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْيًا وَلَا يَعُدُّهٗ عَدًّا. (رواہ مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میری اُمت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال دونوں ہاتھ بھر بھر کر دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا۔ (مسلم شریف)

تشریح: صحیح مسلم کی مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ایک خلیفہ کے دور میں مال کی خاص بہتات کا تذکرہ ہے اور ابونضرۃ کی حدیث میں اس خلیفہ کے مصداق کے متعلق بھی کچھ بحث ہے مگر ابونضرہ راوی حدیث اور ابوالعلاء کی رائے یہ ہے کہ اس کا مصداق عمر بن عبدالعزیز جیسا ضرب المثل عادل خلیفہ بھی نہیں بلکہ ان کے بعد کوئی اور خلیفہ ہے مگر جب امام ترمذی' امام احمد اور ابویعلی کی صحیح حدیثوں میں مال کی یہی بہتات تقریباً ایک ہی الفاظ کے ساتھ امام مہدی کے عہد میں ان کے نام کے ساتھ مذکور ہے تو پھر صحیح مسلم میں جس خلیفہ کا تذکرہ موجود ہے اس کا امام مہدی ہونا قطعی نہیں تو کیا ظنی بھی نہیں کہا جا سکتا۔

سفیانی کا نکلنا اور مقام بیداء میں اپنی فوج کے ساتھ ہلاک ہونا

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ السُّفْيَانِيُّ فِيْ عُمْقِ دِمَشْقَ وَعَامَّةُ مَنْ يَتَّبِعُهٗ مِنْ كَلْبٍ فَيَقْتُلُ حَتّٰى يَبْقُرَ بُطُوْنَ النِّسَاءِ وَيَقْتُلُ الصِّبْيَانَ فَتَجْمَعُ لَهُمْ قَيْسٌ فَيَقْتُلُهَا حَتّٰى لَا يَمْنَعُ ذَنَبَ تَلْعَةٍ وَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ فِي الْحَرَّةِ فَيَبْلُغُ السُّفْيَانِيَّ فَيَبْعَثُ اِلَيْهِ جُنْدًا مِنْ جُنْدِهٖ فَيَهْزِمُهُمْ فَيَسِيْرُ اِلَيْهِ السُّفْيَانِيُّ بِمَنْ مَعَهٗ حَتّٰى اِذَا صَارَ بِبَيْدَاءَ مِنَ الْاَرْضِ خُسِفَ بِهِمْ فَلَا يَنْجُوْ مِنْهُمْ اِلَّا الْمُخْبِرُ عَنْهُمْ. (رواہ الحاکم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دمشق کی بستی پر ایک سفیانی شخص حملہ آور ہوگا جس کی عام طور پر اتباع کرنے والے قبیلہ کلب کے لوگ ہوں گے' وہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے گا اور بچوں کو قتل

کرے گا' اس کے مقابلہ کے لیے قیس کے قبیلہ کے لوگ جمع ہوں گے' پھر وہ ان کو قتل کرے گا حتیٰ کہ کسی ٹیلے کی گھاٹی ان کو بچا نہ سکے گی اور میرے اہل بیت میں سے سنگستان مدینہ میں ایک شخص ظاہر ہوگا اس سفیانی کو اس کی خبر پہنچے گی تو وہ اپنے لشکر میں سے ایک دستہ ان کے مقابلہ کیلئے روانہ کرے گا۔ وہ شخص ان کو شکست دے گا' اس پر سفیانی اپنے ہمراہیوں کو لے کر خود ان کے مقابلہ کے لیے چلے گا یہاں تک کہ جب بیداء کے میدان میں پہنچے گا تو سب زمین میں دھنس جائیں گے اور ان میں سے کوئی شخص بھی نہ بچے گا مگر صرف ایک شخص جوان لوگوں کی خبر اپنی جماعت کو جا کر دے گا۔ (حاکم)

عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجَبُ اَنَّ اُنَاسًا مِنْ اُمَّتِىْ يَؤُمُّوْنَ الْبَيْتَ لِرَجُلٍ مِّنْ قُرَيْشٍ قَدْ لَجَأَ بِالْبَيْتِ حَتّٰى كَانُوْا بِالْبَيْدَاءِ خُسِفَ بِهِمْ فِيهِم الْمُتَنَقِّرُ وَالْمَجْبُوْرُ وَابْنُ السَّبِيْلِ يَهْلِكُوْنَ مَهْلَكًا وَاحِدًا وَيَصْدُرُوْنَ مَصَادِرَ شَتّٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تعجب کی بات ہے کہ میری اُمت کے کچھ لوگ بیت اللہ شریف کی طرف ایسے قریشی شخص کے مقابلے کا قصد کریں گے جس نے بیت اللہ کی پناہ لے رکھی ہوگی اور میری اُمت ہی میں سے چند لوگ اس سے جنگ کا قصد کریں گے یہاں تک کہ جب بیداء میں پہنچیں گے تو سب کے سب زمین میں دھنس جائیں گے ان میں اپنی خوشی سے آنے والے اور زبردستی سے آنے والے اور مسافر سب ہی قسم کے لوگ ہوں گے۔ یہ سب ایک ہی جگہ ہلاک ہو جائیں گے مگر محشر میں اپنی اپنی نیت کے مطابق اُٹھیں گے۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْزِلَ الرُّوْمُ بِالْاَعْمَاقِ اَوْ بِدَابِقَ فَيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ جَيْشٌ مِنَ الْمَدِيْنَةِ مِنْ خِيَارِ اَهْلِ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ فَاِذَا تَصَافُّوْا قَالَتِ الرُّوْمُ خَلُّوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الَّذِيْنَ سَبُوْا مِنَّا نُقَاتِلْهُمْ فَيَقُوْلُ الْمُسْلِمُوْنَ لَا وَاللّٰهِ لَانُخَلِّىْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اِخْوَانِنَا فَيُقَاتِلُوْنَهُمْ فَيَنْهَزِمُ ثُلُثٌ لَا يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَبَدًا وَيُقْتَلُ ثُلُثٌ هُمْ اَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ وَيَفْتَتِحُ الثُّلُثُ لَا يُفْتَتَنُوْنَ اَبَدًا فَيَفْتَتِحُوْنَ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ فَبَيْنَمَاهُمْ يَقْتَسِمُوْنَ الْغَنَائِمَ قَدْ عَلَّقُوْا سُيُوْفَهُمْ بِالزَّيْتُوْنِ اِذْصَاحَ فِيْهِمُ الشَّيْطَانُ اَنَّ الْمَسِيْحَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِىْ اَهْلِيْكُمْ فَيَخْرُجُوْنَ وَذَالِكَ بَاطِلٌ فَاِذَا جَاؤُالشَّامَ خَرَجَ فَبَيْنَمَا هُمْ يَعُدُّوْنَ لِلْقِتَالِ يُسَوُّوْنَ الصُّفُوْفَ اِذْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَؤُمُّهُمْ فَاِذَا رَاٰهُ عَدُوُّاللّٰهِ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِى الْمَاءِ فَلَوْ تَرَكَهُ لَانْذَابَ حَتّٰى يَهْلِكَ وَلٰكِنْ يَقْتُلُهُ اللّٰهُ بِيَدِهٖ فَيُرِيْهِمْ دَمَهٗ فِىْ حَرْبَتِهٖ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' قیامت نہ قائم ہوگی' یہاں تک کہ روم کے نصاریٰ کا لشکر اعماق میں یا دابق میں اترے گا (یہ دونوں مقام حلب کے قریب ملک شام میں ہیں) تو مدینہ سے ایک ایسا لشکر نکلے گا جو اس وقت تمام روئے زمین میں افضل ہوگا۔ جب دونوں لشکر صف آراء ہو جائیں گے تو نصاریٰ کہیں گے تم اُن مسلمانوں سے الگ ہو جاؤ جنہوں نے ہمارے بال بچے گرفتار کر لیے ہیں اور غلام بنا لیے ہیں ہم ان سے لڑیں گے' مسلمان کہیں گے نہیں' خدا کی قسم! ہم

اپنے بھائیوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑ سکتے، پھر لڑائی ہوگی تو مسلمانوں کا ایک تہائی لشکر بھاگ نکلے گا ان کی توبہ اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہ کرے گا اور تہائی لشکر شہید ہو جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام شہیدوں میں افضل ہوگا اور تہائی لشکر فتح یاب ہوگا۔ وہ عمر بھر کبھی کسی فتنے اور بلا میں نہ پڑیں گے۔ پھر وہ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے جو اس وقت نصاریٰ کے قبضہ میں آ گیا ہوگا (اب تک یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں ہے) وہ مال غنیمت کی تقسیم میں ابھی مشغول ہوں گے اور اپنی تلواروں کو زیتون کے درختوں میں لٹکا چکے ہوں گے اتنے میں شیطان آواز دے گا کہ دجال تمہارے پیچھے تمہارے بال بچوں میں نکل آیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی مسلمان وہاں سے چل پڑیں گے حالانکہ یہ افواہ غلط ہوگی جب شام کے ملک میں پہنچیں گے اس وقت دجال نکلے گا اور جب مسلمان جنگ کے لیے مستعد ہوں گے اور صف آرائی کر رہے ہوں گے کہ نماز کا وقت آ جائے گا۔ اسی وقت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور ان کی امامت کریں گے۔ جب خدا کا دشمن دجال ان کو دیکھے گا تو مارے خوف کے اس طرح پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام اس کو یونہی چھوڑ دیں تو بھی وہ خود بخود گھل گھل کر ہلاک ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا قتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مقدر فرمایا ہے اس لیے وہ اس کو قتل فرمائیں گے اور اپنے نیزہ میں اس کے قتل کا خون دکھائیں گے۔ (مسلم شریف)

دجال اکبر

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَابَيْنَ خَلْقِ اٰدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ اَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ. (رواہ مسلم)

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے لے کر قیامت آنے تک دجال سے زیادہ بڑا اور کوئی فتنہ نہیں ہے۔ (مسلم شریف)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالُ اَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُسْرٰى جُفَالُ الشَّعْرِ مَعَهٗ جَنَّتُهٗ وَنَارُهٗ فَنَارُهٗ جَنَّةٌ وَجَنَّتُهٗ نَارٌ. (رواہ مسلم)

حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دجال بائیں آنکھ سے کانا ہوگا اس کے جسم پر بہت گھنے بال ہوں گے اور اس کے ساتھ اس کی جنت اور دوزخ بھی ہوگی لیکن جو اس کی جنت نظر آئے گی دراصل وہ دوزخ ہوگی اور جو دوزخ نظر آئے گی وہ اصل میں جنت ہوگی (لہٰذا جس کو وہ جنت بخشے گا وہ دوزخی ہوگا اور جس کو اپنی دوزخ میں ڈالے گا وہ جنتی ہوگا)۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَا حَدَّثَ بِهٖ نَبِیٌّ قَوْمَهٗ اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّهٗ يَجِیْءُ مَعَهٗ بِمِثْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَالَّتِیْ يَقُوْلُ اِنَّهَا الْجَنَّةُ هِیَ النَّارُ وَاِنِّیْ اُنْذِرُكُمْ كَمَا اَنْذَرَ بِهٖ نُوْحٌ قَوْمَهٗ. (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو دجال کے متعلق ایسی بات نہ

بتادوں جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک کسی نبی نے اپنی اُمت کو نہ بتائی ہو۔ دیکھو وہ کانا ہوگا اور اس کے ساتھ جنت اور دوزخ کے نام سے دو شعبدے بھی ہوں گے تو جس کو وہ جنت کہے گا وہ درحقیقت دوزخ ہوگی۔ دیکھو دجال سے میں بھی تم کو اسی طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔ (متفق علیہ)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَالِ فَلْيَنْأَ مِنْهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيْهِ وَهُوَ يَحْسَبُ اَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتَّبِعُهُ مِمَّا يُبْعَثُ مَعَهُ مِنَ الشُّبُهَاتِ. (رواہ ابوداؤد)

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دیکھو جو شخص دجال کی خبر سنے اس کو چاہیے کہ وہ اس سے دور ہی دور رہے بخدا کہ ایک شخص کو اپنے دل میں یہ خیال ہوگا کہ وہ مؤمن آدمی ہے لیکن ان عجائبات کو دیکھ کر جو اس کے ساتھ ہوں گے وہ بھی اس کے پیچھے لگ جائے گا۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّىْ حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ لَاتَعْقِلُوْا اَنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ قَصِيْرٌ اَفْحَجُ جَعْدٌ اَعْوَرُ مَطْمُوْسُ الْعَيْنِ لَيْسَتْ بِنَاتِئَةٍ وَلَا حَجْرَاءَ فَاِنْ اُلْبِسَ عَلَيْكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ. (رواہ ابوداؤد)

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں نے دجال کے متعلق کچھ تفصیلات تم لوگوں سے بیان کیں لیکن مجھ کو خطرہ ہے کہ کہیں تم پورے طور پر اس کو نہ سمجھے ہو' دیکھو مسیح دجال کا قد ٹھگنا ہوگا' اس کے دونوں پیر ٹیڑھے' سر کے بال شدید خمیدہ' یک چشم مگر ایک آنکھ بالکل پٹ صاف نہ اوپر کو ابھری ہوئی نہ اندر کو دھنسی ہوئی اگر اب بھی تم کو شبہ رہے تو یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا رب یقیناً کانا نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

وَعَنْ اَبِىْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِىٌّ بَعْدَ نُوْحٍ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ الدَّجَّالَ قَوْمَهُ وَاِنِّىْ اُنْذِرُكُمُوْهُ فَوَصَفَهُ لَنَا قَالَ لَعَلَّهُ سَيُدْرِكُهُ بَعْضُ مَنْ رَاٰنِىْ اَوْ سَمِعَ كَلَامِىْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَكَيْفَ قُلُوْبُنَا يَوْمَئِذٍ فَقَالَ مِثْلُهَا يَعْنِى الْيَوْمَ اَوْ خَيْرٌ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد جو نبی آیا ہے اس نے اپنی قوم کو دجال سے ضرور ڈرایا ہے اور میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں اس کے بعد آپ نے اس کی صورت وغیرہ بیان فرمائی اور کہا ممکن ہے جنہوں نے مجھ کو دیکھا ہے یا میرا کلام سنا ہؤاس میں کوئی ایسا نکل آئے جو اس کا زمانہ پاسکے' انہوں نے پوچھا اس دن ہمارے دلوں کا حال کیسا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہی جیسا آج ہے یا اور بھی بہتر۔ (ترمذی' ابوداؤد)

تشریح: پیشین گوئی میں اقسام کا ابہام رہ جاتا ہے اور وہ تکوینی امر ہے۔ دیکھئے یہاں پر ''لعله سیدرکه بعض من رانی'' کے لفظ نے کتنا ابہام پیدا کر دیا ہے۔ پھر او خیر میں یہ ابہام کہاں تک جا پہنچتا ہے۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا حَدِيْثًا طَوِيْلاً عَنِ الدَّجَّالِ فَكَانَ

فِيمَا يُحَدِّثُنَا بِهِ اَنَّهُ قَالَ يَأْتِي الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ اَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِيْنَةِ فَيَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخَ الَّتِي تَلِي الْمَدِيْنَةَ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ وَهُوَ خَيْرُ النَّاسِ اَوْ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اِنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِيْ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَهُ فَيَقُوْلُ الدَّجَّالُ اَرَأَيْتُمْ اِنْ قَتَلْتُ هٰذَا ثُمَّ اَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشُكُّوْنَ فِي الْاَمْرِ فَيَقُوْلُوْنَ لَا فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيْهِ فَيَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ فِيْكَ اَشَدَّ بَصِيْرَةً مِنِّي الْيَوْمَ فَيُرِيْدُ الدَّجَّالُ اَنْ يَقْتُلَهُ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ. (رواہ البخاری)

حضرت ابی سعید سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ایک طویل حدیث دجال کے بارے میں بیان فرمائی تو جو باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس کے متعلق بتائیں، ان میں یہ بھی فرمایا تھا کہ دجال آئے گا مگر مدینہ کے راستوں میں گھس آنا، اس کے لیے حرام اور ناممکن ہوگا تو وہ مدینہ کے آس پاس کی بنجر زمین میں کسی جگہ آ کر اترے گا تو...... اس کے مقابلہ کے لیے اس دن ایک شخص نکلے گا جو تمام انسانوں میں سب سے بہتر (یا بہترانسانوں میں سے) ہوگا۔ وہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی بات ہم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی تھی تو دجال کہے گا، لوگو! بتاؤ اگر میں اس شخص کو قتل کر دوں اور پھر اسے زندہ کر دوں تب تو تم کو میرے معاملے میں کوئی شک شبہ باقی نہ رہے گا۔ وہ کہیں گے کہ نہیں، تو وہ ان کو قتل کر دے گا پھر ان کو زندہ کر دے گا تو وہ بزرگ کہیں گے، خدا کی قسم! اب تو مجھ کو تیرے بارے میں اور بھی یقین اور بصیرت حاصل ہوگئی کہ آج سے زیادہ ایسی بصیرت پہلے نہ تھی تو دجال پھر ان کو قتل کرنا چاہے گا مگر اس کا قابو ان پر نہ چل سکے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح: حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ مسئلہ بھی مستنبط ہوسکتا ہے جو اصول حدیث میں مندرج ہے اس کی تفصیل کا نہ یہاں موقع ہے نہ مناسب۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص عجب نہیں کہ خضر علیہ السلام ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بہرحال حدثنا میں جمع کے صیغہ میں بہت سے امور کی طرف اشارات ممکن ہیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيْءُ الدَّجَّالُ حَتّٰى يَنْزِلَ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَدِيْنَةِ تَرْجُفُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ. (رواہ البخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال آئے گا یہاں تک کہ مدینہ کے ایک کنارے آ کر اترے گا تو تین بار زلزلے آئیں گے، اس وقت جتنے کافر اور جتنے منافق ہوں گے سب نکل نکل کر اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ (بخاری)

(ان کی ایک اور روایت میں ہے کہ مدینہ کے اندر مسیح دجال کا رعب بھی نہ آنے پائے گا۔ اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے پر دو دو فرشتے ہوں گے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے بڑے بڑے راستوں پر بہت سے فرشتے ہوں گے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے پاس دجال آئے گا تو فرشتوں کو اس کی نگرانی کرتے پائے گا۔ لہٰذا ان کے پاس بھی نہ پھٹک سکے گا۔)

عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ مُنَادِیَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِی الصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَخَرَجْتُ اِلَى الْمَسْجِدِ فَصَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ لِيَلْزَمْ كُلُّ اِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَّلَا لِرَهْبَةٍ وَلٰكِنْ جَمَعْتُكُمْ لِاَنَّ تَمِيْمَا ن الدَّارِیَّ كَانَ رَجُلاً نَصْرَانِيًّا فَجَاءَ وَاَسْلَمَ وَحَدَّثَنِیْ حَدِيْثًا وَافَقَ الَّذِیْ كُنْتُ اُحَدِّثُكُمْ بِهٖ عَنِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ حَدَّثَنِیْ اَنَّهٗ رَكِبَ فِیْ سَفِيْنَةٍ بَحْرِيَّةٍ مَعَ ثَلٰثِيْنَ رَجُلاً مِنْ لَخْمٍ وَجُذَامٍ فَلَعِبَ بِهِمُ الْمَوْجُ شَهْرًا فِی الْبَحْرِ فَاَرْفَؤُوْا اِلٰى جَزِيْرَةٍ حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ فَجَلَسُوْا فِیْ اَقْرُبِ السَّفِيْنَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِيْرَةَ فَلَقِيَتْهُمْ دَابَّةٌ اَهْلَبُ كَثِيْرُ الشَّعْرِ لَا يَدْرُوْنَ مَاقُبُلُهٗ مِنْ دُبُرِهٖ مِنْ كَثْرَةِ الشَّعْرِ قَالُوْا وَيْلَكِ مَا اَنْتِ قَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ اِنْطَلِقُوْا اِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ فِی الدَّيْرِ فَاِنَّهٗ اِلٰى خَبَرِكُمْ بِالْاَشْوَاقِ قَالَ لَمَّا سَمَّتْ لَنَا رَجُلاً فَرِقْنَا مِنْهَا اَنْ تَكُوْنَ شَيْطَانَةً قَالَ فَانْطَلَقْنَا سِرَاعًا حَتّٰى دَخَلْنَا الدَّيْرَ فَاِذَا فِيْهِ اَعْظَمُ اِنْسَانٍ مَا رَأَيْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَاَشَدُّهٗ وِثَاقًا مَجْمُوْعَةٌ يَدَاهُ عَلٰى عُنُقِهٖ مَابَيْنَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى كَعْبَيْهِ بِالْحَدِيْدِ قُلْنَا وَيْلَكَ مَا اَنْتَ؟ قَالَ قَدَرْتُمْ عَلٰى خَبَرِیْ فَاَخْبِرُوْنِیْ مَا اَنْتُمْ قَالُوْا نَحْنُ اُنَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ رَكِبْنَا فِیْ سَفِيْنَةٍ بَحْرِيَّةٍ فَلَعِبَ بِنَا الْبَحْرُ شَهْرًا فَدَخَلْنَا الْجَزِيْرَةَ فَلَقِيَتْنَا دَابَّةٌ اَهْلَبُ فَقَالَتْ اَنَ الْجَسَّاسَةُ اِعْمَدُوْا اِلٰى هٰذَا فِی الدَّيْرِ فَاَقْبَلْنَا اِلَيْكَ سِرَاعًا فَقَالَ اَخْبِرُوْنِیْ عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ هَلْ تُثْمِرُ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اَمَا اَنَّهَا تُوْشِكُ اَنْ لَا تُثْمِرَ قَالَ اَخْبِرُوْنِیْ عَنْ بُحَيْرَةِ الطَّبْرِيَّةِ هَلْ فِيْهَا مَاءٌ قُلْنَا هِیَ كَثِيْرَةُ الْمَاءِ قَالَ اِنَّ مَاءَ هَا يُوْشِكُ اَنْ يَّذْهَبَ قَالَ اَخْبِرُوْنِیْ عَنْ عَيْنِ زُغَرَهَلْ فِی الْعَيْنِ مَاءٌ وَهَلْ يَزْرَعُ اَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ قُلْنَانَعَمْ هِیَ كَثِيْرَةُ الْمَاءِ وَاَهْلُهَا يَزْرَعُوْنَ مِنْ مَّائِهَا قَالَ اَخْبِرُوْنِیْ عَنْ نَّبِیِّ الْاُمِّيِّيْنَ مَا فَعَلَ قُلْنَا قَدْ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ اَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ؟ فَاَخْبَرْنَاهُ اَنَّهٗ قَدْ ظَهَرَ عَلٰى مَنْ يَّلِيْهِ مِنَ الْعَرَبِ وَاَطَاعُوْهُ قَالَ اَمَا اِنَّ ذَالِكَ خَيْرٌ لَّهُمْ اَنْ يُّطِيْعُوْهُ وَاِنِّیْ مُخْبِرُكُمْ عَنِّیْ اَنَا الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ وَاِنِّیْ يُوْشِكُ اَنْ يُّؤْذَنَ لِیْ مِنَ الْخُرُوْجِ فَاَخْرُجَ فَاَسِيْرُ فِی الْاَرْضِ فَلاَ اَدَعُ قَرْيَةً اِلَّا هَبَطْتُهَا فِیْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ مُحَرَّمَتَانِ عَلَیَّ كِلْتَاهُمَا كُلَّمَا اَرَدْتُّ اَنْ اَدْخُلَ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اِسْتَقْبَلَنِیْ مَلَكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ صَلْتًا يَصُدُّنِیْ عَنْهَا وَاِنَّ عَلٰى كُلِّ نَقْبٍ مَلَائِكَةً يَحْرُسُوْنَهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَعَنَ بِمِخْصَرَتِهٖ فِی الْمِنْبَرِ هٰذِهٖ طَيْبَةُ هٰذِهٖ طَيْبَةُ يَعْنِیْ مَدِيْنَةَ اَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ اَلَا اِنَّهٗ فِیْ بَحْرِ الشَّامِ اَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ لَابَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ وَاَوْمَاءَ بِيَدِهٖ اِلَى الْمَشْرِقِ (رواہ مسلم)

وَرَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ مُخْتَصَرًا قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ عِنْدَ شَرْحِ حَدِيْثِ جَابِرٍ مِّنْ كِتَابِ الْاِعْتِصَامِ

وَقَدْ تَوَهَّمَ بَعْضُهُمْ اَنَّهٗ غَرِيْبٌ فَرْدٌ لَيْسَ كَذٰلِكَ فَقَدْ رَوَاهُ مَعَ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ اَبُوْ هُرَيْرَةَ كَمَا عِنْدَ اَحْمَدَ وَاَبِيْ يَعْلٰى وَعَائِشَةُ كَمَا عِنْدَ اَحْمَدَ وَ جَابِرٌ كَمَا عِنْدَ اَبِيْ دَاوٗدَ ص۲/۲۷۷، ۱۳ فَتْحُ الْبَارِيْ وَذَكَرَ اَنَّ الْبُخَارِيَّ اِنَّمَا لَمْ يُخَرِّجْهُ لِشِدَّةِ الْتِبَاسِ الْاَمْرِ فِيْ ذَالِكَ فَتَنَبَّهْ.

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کرنے والے کوسنا وہ اعلان کرر ہا تھا چلو نماز ہونے والی ہے، میں نماز کے لیے نکلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر منبر پر بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر اس وقت مسکراہٹ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھا رہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جانتے ہو میں نے تم کو کیوں جمع کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی، اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو معلوم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بخدا میں نے تم کو نہ تو مال وغیرہ کی تقسیم کے لیے جمع کیا ہے نہ کسی جہاد کی تیاری کے لیے، بس صرف اس بات کے لیے جمع کیا ہے کہ تمیم داری پہلے نصرانی تھا، وہ آیا ہے اور مسلمان ہو گیا ہے اور مجھ سے ایک قصہ بیان کرتا ہے جس سے تم کو میرے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی جو میں نے کبھی دجال کے متعلق تمہارے سامنے ذکر کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک بڑی کشتی پر سوار ہوا جس پر سمندروں میں سفر کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ قبیلہ لخم اور جذام کے تیس آدمی اور تھے۔ سمندر کا طوفان ایک ماہ تک ان کا تماشا بناتا رہا۔ آخر مغربی جانب ان کو ایک جزیرہ نظر پڑا جس کو دیکھ کر وہ بہت مسرور ہوئے اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر اس جزیرہ پر اُتر گئے، سامنے سے ان کو جانور کی شکل کی ایک چیز نظر پڑی جس کے سارے جسم پر بال ہی بال تھے کہ ان میں اس کے اعضائے مستورہ تک کچھ نظر نہ آتے تھے۔ لوگوں نے اس سے کہا کمبخت تو کیا بلا ہے؟ وہ بولی میں دجال کی جاسوس ہوں، چلو اس گرجے میں چلو وہاں ایک شخص ہے جس کو تمہارا بڑا انتظار لگ رہا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ جب اس نے ایک آدمی کا ذکر کیا تو اب ہم کو ڈر لگا کہ کہیں وہ کوئی جن نہ ہو، ہم لپک کر گرجے میں پہنچے تو ہم نے ایک بڑا قوی ہیکل شخص دیکھا کہ اس سے قبل ہم نے ویسا کوئی شخص نہیں دیکھا تھا اس کے ہاتھ گردن سے ملا کر اور اس کے پیر گھٹنوں سے لے کر ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے نہایت مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھے۔ ہم نے اس سے کہا تیرا ناس ہو تو کون ہے؟ وہ بولا تم کو تو میرا پتہ کچھ نہ کچھ لگ ہی گیا اب تم بتاؤ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا ہم عرب کے باشندے ہیں، ہم ایک بڑی کشتی میں سفر کر رہے تھے، سمندر میں طوفان آیا اور ایک ماہ تک رہا۔ اس کے بعد ہم اس جزیرہ میں آئے تو یہاں ہمیں ایک جانور نظر پڑا جس کے تمام جسم پر بال ہی بال تھے، اس نے کہا میں جساسہ (جاسوس خبر رساں) ہوں، چلو اس شخص کی طرف چلو جو اس گرجے میں ہے۔ اس لیے ہم جلدی جلدی تیرے پاس آ گئے۔ اس نے کہا مجھے یہ بتاؤ کہ بیسان (شام میں ایک بستی کا نام ہے) کی کھجوروں میں پھل آتا ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا ہاں آتا ہے۔ اس نے کہا وہ وقت قریب ہے جب اس میں پھل نہ آئیں، پھر اس نے پوچھا اچھا ''بحیرہ طبریہ'' کے متعلق بتاؤ، اس میں پانی ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا بہت ہے۔ اس نے کہا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ اس میں پانی نہ رہے گا پھر اس نے پوچھا زُغر (شام میں ایک بستی) کے چشمہ کے متعلق بتاؤ، اس میں پانی ہے یا نہیں اور اس بستی والے اپنی کھیتیوں کو اس کا پانی دیتے ہیں یا نہیں؟ ہم نے کہا اس میں بھی بہت پانی ہے اور بستی

والے اسی کے پانی سے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا اچھا ''نبی الامیینﷺ'' کا کچھ حال سناؤ؟ ہم نے کہا وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے ہیں۔ اس نے پوچھا کیا عرب کے لوگوں نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا اچھا پھر کیا نتیجہ رہا؟ ہم نے بتایا کہ وہ اپنے گرد و نواح پر تو غالب آ چکے ہیں اور لوگ ان کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اس نے کہا سن لو ان کے حق میں یہی بہتر تھا کہ ان کی اطاعت کر لیں اور اب میں تم کو اپنے متعلق بتاتا ہوں۔ میں مسیح دجال ہوں اور وہ وقت قریب ہے جبکہ مجھ کو یہاں سے باہر نکلنے کی اجازت مل جائے گی' میں باہر نکل کر تمام زمین پر گھوم جاؤں گا اور چالیس دن کے اندر اندر کوئی بستی ایسی نہ رہ جائے گی جس میں میں داخل نہ ہوں' بجز مکہ اور طیبہ کے کہ ان دونوں مقامات میں میرا داخلہ ممنوع ہے۔ جب میں ان دونوں میں سے کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا اس وقت ایک فرشتہ ہاتھ میں ننگی تلوار لیے سامنے سے آ کر مجھ کو داخل ہونے سے روک دے گا اور ان مقامات (مقدسہ) کے جتنے راستے ہیں ان سب پر فرشتے ہوں گے کہ وہ ان کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لکڑی منبر پر مار کر فرمایا کہ وہ طیبہ یہی مدینہ ہے۔ یہ جملہ تین بار فرمایا' دیکھو کیا یہی بات میں نے تم سے بیان نہیں کی تھی۔ لوگوں نے کہا جی ہاں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔ اس کے بعد فرمایا دیکھو وہ بحر شام یا بحر یمن (راوی کو شک ہے) بلکہ مشرق کی جانب ہے اور اسی طرف ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ (مسلم شریف)

تشریح: امام قرطبی نے اپنی مشہور کتاب التذکرہ میں لکھا ہے کہ دجال کی بابت جن سوالات کے تفصیلی جوابات حدیث میں آ چکے ہیں وہ یہ ہیں: اس کی حقیقت' سبب خروج' محل خروج' وقت خروج' شکل وصورت' ساحرانہ کرشمے' اس کا دعویٰ اس کے قاتل اور وقت قتل کی تعیین اور یہ بحث بھی کہ وہ ابن صیاد ہے یا کوئی اور۔ اس بحث سے اس مسئلہ کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجود تھا یا نہیں؟ (فتح الباری)

ابن صیاد کی عجیب وغریب صفات کا بیان

وَعَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْكُثُ اَبُو الدَّجَّالِ ثَلٰثِيْنَ عَامًا لَا يُوْلَدُ لَهُمَا وَلَدٌ ثُمَّ يُوْلَدُ لَهُمَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَاَقَلُّهُ مُنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَوَيْهِ فَقَالَ اَبُوْهُ طِوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ كَاَنَّ اَنْفَهٗ مِنْقَارٌ وَاُمُّهٗ اِمْرَاَةٌ فَرْضَاخِيَّةٌ طَوِيْلَةُ الثَّدْيَيْنِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرَةَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ فِي الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ فَذَهَبْتُ اَنَا وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى اَبَوَيْهِ فَاِذَا نَعْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِمَا فَقُلْنَا هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَكَثْنَا ثَلٰثِيْنَ عَامًا لَا يُوْلَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَاَقَلُّهُ مُنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهٗ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا فَاِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِيْ قَطِيْفَةٍ وَلَهٗ هَمْهَمَةٌ فَكَشَفَ عَنْ رَّاْسِهٖ فَقَالَ مَا قُلْتُمَا؟ قُلْنَا وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَيْنَایَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِیْ. (رواہ الترمذی)

ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دجال کے باپ کے گھر تیس سال تک کوئی بچہ

پیدا نہ ہوگا پھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی ایک آنکھ خراب، ایک دانت باہر نکلا ہوا ہوگا، وہ بالکل نکما ہوگا، سوتے میں اگر چہ اس کی آنکھیں بند ہوں گی مگر اس کا دل ہوشیار رہے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ماں باپ کا نقشہ بیان فرمایا کہ اس کا باپ لانبا، چھریرے جسم والا، چونچ کی طرح اس کی ناک ہوگی، اس کی ماں کے دونوں پستان بڑے بڑے لٹکے ہوئے۔ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ میں یہود کے گھر اسی قسم کے ایک لڑکے کی پیدائش سنی تو میں اور زبیر بن عوام اس کے دیکھنے کے لیے گئے، جب اس کے ماں باپ کے پاس پہنچے دیکھا تو وہ ٹھیک اسی صورت کے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیان فرمائی تھی۔ ہم نے پوچھا تمہارے کوئی بچہ ہے؟ انہوں نے کہا تیس سال تک تو ہمارے کوئی بچہ نہیں تھا اس کے بعد اب ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کی ایک آنکھ خراب ہے اس کا ایک دانت باہر نکلا ہوا ہے وہ بالکل نکما ہے، اس کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل خبردار رہتا ہے، ہم جوان کے گھر سے باہر نکلے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دھوپ میں اپنی چادر میں لپٹا ہوا کچھ گنگنا رہا ہے، اس نے اپنا سر کھول کر کہا تم کیا باتیں کر رہے تھے؟ ہم نے کہا کیا تو نے ہماری باتیں سن لیں؟ وہ بولا ہاں میری آنکھیں ہی سوتی ہیں ورنہ میرا دل جاگتا رہتا ہے۔ (ترمذی شریف)

تشریح: جزری کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ میں لفظ ''اضرس'' کاتب کی تصحیف ہے۔ اصل میں ''اضر شی'' ہے جیسا کہ ترمذی کی روایت میں موجود ہے اس بناء پر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ سرتا پا مضرت ہی مضرت اور نقصان ہی نقصان ہے۔ احقر کا خیال ہے کہ ''ضرس'' لغت میں اگرچہ ڈاڑھ کو کہتے ہیں مگر توسعاً اس سے کیلہ یعنی کنارے کا لمبا نوکیلا دانت مراد ہوسکتا ہے اور اضرس کا ترجمہ لمبے کیلے والا ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں لفظ ''طالعۃ نابۃ'' موجود ہے اس کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ اس کا ایک کیلہ باہر کی جانب نکلا ہوا ہوگا اس بناء پر تصحیف کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

ابن صیاد کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ ''تنام عیناہ'' ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دل کی بیداری محمود صفت بھی ہے اور مذموم بھی جس کا علاقہ عالم ملکوت سے قائم ہوتا ہے وہ تو اس بیداری کی وجہ سے عالم علوی یعنی عالم ملکوت سے وابستہ رہتا ہے اور جس کا علاقہ شیاطین اور جنوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ عالم سفلی یعنی عالم شیاطین سے وابستہ رہتا ہے اور اس طرح مرکز ہدایت اور مرکز ضلالت دونوں کو اپنے اپنے عالموں سے مدد پہنچتی رہتی ہے۔ ''کلاً نملھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربّک وما کان عطاء ربّک محظوراً۔''

روایت مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال اور اس کے ماں باپ کا نقشہ اور حلیہ بھی بیان فرما دیا تھا اور چونکہ وہ ابن صیاد اور اس کے ماں باپ میں بھی موجود تھے اس لیے ابن صیاد کا معاملہ شروع میں باعث تحیر بن گیا تھا کہ کہیں یہ وہی دجال تو نہیں کیونکہ آپ نے دجال اکبر کے علاوہ تیس سے ستر دجالوں تک کی اور خبر دی ہے جو اسی اُمت میں پیدا ہوں گے اور دعوئے نبوت کریں گے۔ بہر حال چونکہ اس بچہ میں دجال کا اور اس کے ماں باپ میں دجال کے ماں باپ کا اکثر نقشہ موجود تھا اس لیے اس کے دجال ہونے میں خائف قلوب کو تردد پیدا ہو جانا ایک بالکل فطری اور معقول بات تھی۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عُمَرَ ابْنَ صَيَّادٍ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ لَهُ قَوْلاً اَغْضَبَهُ فَانْتَفَخَ حَتّٰى مَلَأَ السِّكَّةَ فَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ عَلٰى حَفْصَةَ وَقَدْ بَلَغَهَا فَقَالَتْ لَهُ رَحِمَكَ اللّٰهُ مَا اَرَدْتَّ مِنْ اِبْنِ صَيَّادٍ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا يَخْرُجُ مِنْ غَضْبَةٍ يَغْضَبُهَا. (رواہ مسلم)

نافع، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ کی کسی گلی میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابن صیاد سے مڈھ بھیڑ ہوگئی تو انہوں نے اسے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے اسے غصہ آ گیا تو وہ پھولنے لگا اور ایسا پھولا کہ ساری گلی اس سے بھر گئی اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ہمشیرہ حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کو کہیں یہ قصہ پہلے ہی پہنچ چکا تھا، انہوں نے فرمایا، اے ابن عمرؓ! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تم نے اسے فضول چھیڑا، تمہارا کیا مطلب تھا؟ کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دجال جب نکلے گا تو کسی بات پر غضبناک ہونے کی وجہ ہی سے نکلے گا۔ (مسلم شریف)

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد میں بعض باتیں غیر معمولی بھی تھیں۔ مثلاً پھول کر کپا ہونا تو ایک مجاز اور اردو کا محاورہ ہے مگر وہ حقیقتاً اس طرح پھول جاتا تھا کہ ساری گلی اس سے بھر جائے یہ جنات کے خواص میں سے ہے۔ اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو گفتگو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر دجال یہی ابن صیاد ہے تو بھی اس کے خروج کا وقت یہ نہیں ہے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ یہی ابن صیاد کن کن حالات سے گزرے گا اور پھر اپنے وقت مقرر پر ان فتنہ سامانیوں کے ساتھ ظاہر ہوگا جو احادیث میں مذکور ہیں۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَر يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا اَشُکُّ اَنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ ابْنُ صَيَّادٍ. (رواه داؤد)

نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ مجھ کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ مسیح دجال وہ ابن صیاد ہی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: مذکورہ بالا حالات کی بناء پر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایسا یقین کر لینا کچھ بعید نہیں ہے مگر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اتنی بات سے بقیہ تفصیلات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ابن صیاد کا دجال ہونا پھر اپنے وقت پر اس کا ظاہر ہونا بہت آسان ہے اور یہ مختلف نقول اور آئندہ بھی جو آپ کے سامنے پیش ہوں گی ان کا ابہام اس کے فتنہ در فتنہ ہونے کا سبب بن گئی ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَدْ فَقَدْنَا ابْنَ صَيَّادٍ يَوْمَ الْحَرَّةِ. (رواه ابو داؤد)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ حرہ ہوئی تھی اس دن کے بعد سے ہم کو ابن صیاد کا پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ چلا کہاں گیا؟ (ابوداؤد)

تشریح: ابن صیاد کے حالات زندگی جتنے گونا گوں اختلافات اور ابہام میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں اتنے ہی اس کے حالات سے گم گشتگی بھی ہے حتیٰ کہ کوئی تو اس کا گم ہونا نقل کرتا ہے اور کوئی اس کی موت بھی بیان کرتا ہے۔ بہر حال یہ تمام بیانات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی کے ہیں۔ ان تمام اختلافات کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کے بارے میں ابتدائی تردد کے جو اسباب تھے اس کی حقیقت پہلے بیان ہو چکی ہے اس کے بعد پھر جو آخری بات ہے وہ آئندہ حدیث میں آ رہی ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ صَيَّادٍ اِلٰی مَكَّةَ فَقَالَ لِیْ مَالَقِيْتُ مِنَ النَّاسِ يَزْعُمُوْنَ اَنِّی الدَّجَّالُ اَلَسْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهٗ لَا يُوْلَدُ لَهٗ وَقَدْ

وُلِدَ لِیْ اَلَیْسَ قَدْ قَالَ هُوَ کَافِرٌ وَاَنَا مُسْلِمٌ اَوَ لَیْسَ قَدْ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَةَ وَلَا مَكَّةَ وَقَدْ اَقْبَلْتُ مِنَ الْمَدِیْنَةِ وَاَنَا اُرِیْدُ مَكَّةَ ثُمَّ قَالَ لِیْ فِیْ اٰخِرِ قَوْلِهٖ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ مَوْلِدَهٗ وَمَكَانَهٗ وَاَیْنَ هُوَ وَاَعْرِفُ اَبَاهُ وَاُمَّهٗ قَالَ فَلَبَّسَنِیْ قَالَ قُلْتُ لَهٗ تَبًّا لَکَ سَائِرَ الْیَوْمِ قَالَ وَقِیْلَ لَهٗ اَیَسُرُّکَ اَنَّکَ ذَاکَ الرَّجُلُ فَقَالَ لَوْ عُرِضَ عَلَیَّ مَا كَرِهْتُ. (رواہ مسلم)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں میرا اور ابن صیاد کا ساتھ ہو گیا تو وہ مجھ سے کہنے لگا' لوگوں سے مجھ کو کتنی تکلیف پہنچ رہی ہے' میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ دجال میں ہوں' کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ اس کے اولاد نہ ہوگی؟ اور میرے تو اولاد ہے' کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہوگا ؟ اور میں تو مسلمان ہوں' کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ نہ مدینہ میں داخل ہو سکے گا نہ مکہ میں؟ اور دیکھو میں مدینہ سے تو آ ہی رہا ہوں اور اب مکہ مکرمہ جا رہا ہوں۔ یہ سب کچھ کہہ سن کر آخر میں کہنے لگا' خدا کی قسم! البتہ میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں پیدا ہوا؟ اور اب وہ کہاں ہے؟ اور میں اس کے ماں باپ کو بھی خوب پہچانتا ہوں۔ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دورُخی باتیں بنا کر اس نے مجھ کو شبہ میں ڈال دیا' میں نے اس سے کہا خدا تجھے ہلاک کرے' پھر کسی نے اس سے کہا کہ اگر وہ دجال تو ہی ہو تو کیا یہ بات تجھے پسند ہوگی اس پر وہ بولا اگر مجھ کو دجال بنا دیا جائے تو مجھے کچھ بھی برا معلوم نہیں ہوگا۔ (مسلم شریف)

تشریح: ابن صیاد کے یہ عجیب حالات سب حدیثوں سے ثابت ہیں اور ان سب ابہام کے سوا کوئی صاف نتیجہ برآمد نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس نے خود جو بیان اپنی صفائی کے لیے پیش کیا تھا اس کو پھر خود ہی اپنی آخری گفتگو سے مبہم بنا دیا حتیٰ کہ ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں اس کی طرف سے اس کی پہلی تقریر سے جو قدرے اطمینان پیدا ہو گیا تھا وہ پھر جاتا رہا۔ پس جبکہ اس کی ذات اور اس کے اقوال میں خود اس درجہ ابہام کے سامان موجود ہیں کہ اس کی موجودگی میں بھی اس کی طرف سے اطمینان حاصل ہونا مشکل مسئلہ بن رہا ہے تو بعد میں اگر روایات کے اختلافات سے اس ابہام کو کچھ اور مدد مل گئی ہو تو اندازہ فرما لیجئے کہ اب اس کا معاملہ کتنا پیچیدہ ہو جانا چاہیے' انسان کے سامنے جزم و یقین کی حالت میں بھی جب کوئی خوفناک منظر آ جاتا ہے تو اس کی فطرت غیر اختیاری طور پر ہراساں ہونے لگتی ہے۔

دیکھئے قیامت کا آنا جتنی یقینی بات ہے اتنی ہی یقینی یہ بات بھی ہے کہ قیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں نہیں آئے گی لیکن اس کے باوجود جب دنیا کے معمول کے مطابق سورج کو گرہن لگتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے قیامت کا نقشہ گھومنے لگتا تھا۔ اسی طرح جب آسمان پر سیاہ بادل منڈلاتے نظر آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قوموں کی ہلاکت کا سماں بندھ جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کرب و بے چینی کا یہ عالم اس وقت تک برابر رہتا جب تک کہ بارش ہو کر بادل صاف نہ ہو جائے۔ پس خوف کے مقامات میں جو غیر اختیاری تردد لاحق ہونا انسانی فطرت ہے اس کو جزم و یقین کے خلاف سمجھنا خود بڑی نافہمی ہے۔ اسی طرح ابن صیاد کے حالات تھے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس کے حالات دجال اکبر سے کتنے ملتے جلتے تھے اس لیے اگر اس کے معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتداء غیر اختیاری تردد کے جو الفاظ منقول ہیں ان کی حقیقت اس

سے زیادہ نہیں سمجھنا چاہیے جو ابھی ہم نے آپ سے بیان کی ہے۔ یہاں جن کو ابھی تک یہ تمام حقائق رام کہانیاں معلوم ہوتی ہیں جن کو خسوف شمس جیسے معمولی تغیر سے قیامت اور بادلوں کی مدد سے عذاب کا خطرہ بھی لاحق نہیں ہوسکتا۔ وہ ان حقائق کا نام تاویلات ہی رکھیں گے۔ ان کو کیا اندازہ ہوسکتا ہے کہ دجالی فتنہ کتنا عظیم فتنہ ہوگا اور ابن صیاد کے عجیب وغریب حالات کتنے تردد اور کتنے غور وفکر کا سامان بن سکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب دل میں ایمان ہی کمزور ہو تو ہر موقع پر عقائد کا پلہ اسی جانب جھکنے لگتا ہے جو دین سے بعید تر ہوتی ہے۔ **ومن لم يجعل الله له نوراً فماله من نور**

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْيَهُوْدِ بِالْمَدِيْنَةِ وَلَدَتْ غُلَامًا مَمْسُوْحَةً عَيْنُهُ طَالِعَةً نَابُهُ فَاَشْفَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّكُوْنَ الدَّجَّالَ فَوَجَدَهُ تَحْتَ قَطِيْفَةٍ يُهَمْهِمُ فَاٰذَنَتْهُ اُمُّهُ فَقَالَتْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا اَبُو الْقَاسِمِ فَخَرَجَ مِنَ الْقَطِيْفَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهَا قَاتَلَهَا اللّٰهُ لَوْ تَرَكَتْهُ لَبَيَّنَ فَذَكَرَ مِثْلَ مَعْنٰى حَدِيْثِ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اِئْذَنْ لِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْتُلُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ يَّكُنْ هُوَ فَلَسْتَ صَاحِبَهُ اِنَّمَا صَاحِبُهُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَاِنْ لَّايَكُنْ هُوَ فَلَيْسَ لَكَ اَنْ تَقْتُلَ رَجُلاً مِنْ اَهْلِ الْعَهْدِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشْفِقًا اَنَّهُ هُوَ الدَّجَّالُ. (رواه فی شرح السنة)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی عورت کے لڑکا پیدا ہوا جس کی ایک آنکھ صاف تھی اور جس کا کیلہ باہر کو نکلا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں یہ وہی دجال نہ ہو۔ پھر ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک چادر میں لپٹا ہوا دیکھا کہ اس میں پڑا کچھ گنگنا رہا تھا' اس کی ماں نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر) اس کو خبردار کر دیا کہ اے عبداللہ! دیکھو یہ ابوالقاسم آ گئے ہیں پس وہ اپنی چادر سے باہر نکل آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ اس کا ناس کرے اگر یہ اس کو اطلاع نہ دیتی تو یہ اپنا معاملہ خود ہی بیان کر دیتا۔ پھر راوی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کا قصہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ کو اجازت دیجئے میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کے قاتل نہیں ہو' اس کو تو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام قتل کریں گے اور اگر یہ وہ نہیں تو ایسے بچہ کا قتل کرنا خیر کی بات نہیں جو ہمارے عہد میں داخل ہے (یعنی ہماری ذمی رعایا ہے) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق یہ خطرہ لگا ہی رہا کہ کہیں وہ دجال اکبر نہ ہو۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

تشریح: دجال کا فتنہ چونکہ اپنی نوعیت میں سب سے بڑا فتنہ تھا اس لیے قدرتی لحاظ سے اس میں راویوں کے بیان سے ایک ابہام یہ اور پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ابن صیاد تھا یا کوئی دوسرا شخص۔ اس کو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔ احادیث سے بعض دوسرے مقامات میں بھی ہم کو اس کی نظیر ملتی ہے۔ مثلاً شب قدر' ساعت محمودہ' صلوٰۃ وسطیٰ وغیرہ ان سب کے بارہ میں وثوق کے ساتھ تعیین کا کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان امور میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بھی ابہام موجود تھا بلکہ آپ نے تو ان کو بیان فرما دیا تھا پھر کسی وجہ سے راویوں کے بیان میں اختلاف

ہوا اور اس طرح آخر اُمت کے لیے اصل معاملہ تکویناً مبہم بن گیا۔ اب جو جدوجہد کرنے والے افراد تھے انہوں نے شب قدر، ساعت محمودہ اور صلوٰۃ وسطیٰ کی تلاش میں اپنی مساعی تیز کردیں اور جو جو بھی ان کا مصداق بن سکتا تھا کسی تحقیق اور تفصیل کے بغیر ان سب مبہم ساعات میں وہی کوشش صرف کرڈالی جو کسی ایک ساعت کے معین ہونے کی صورت میں کی جاسکتی تھی اور اس طرح یہ تکوینی ابہام ان کے حق میں ایک رحمت بن گیا۔ اسی طرح ابن صیاد کا معاملہ بھی روایات کے اختلافات کی وجہ سے گو مبہم رہا مگر یہ ابہام بھی سعید طبائع کے لیے رحمت بن گیا کیونکہ اس ابہام کا ثمرہ اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ وہ دجال اکبر تھا یا نہیں اس سے زیادہ اس ابہام کا دیگر تفصیلات پر کوئی اثر نہیں ہے۔ پس اگر ہم کو معین طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا تو اس کا اقتضاء یہی ہے کہ اب ہم کو اور زیادہ احتیاط لازم ہوگئی' دیکھئے اگر اس روایت کی بناء پر ابن صیاد ہی دجال اکبر ہو تو اسی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا اثر بقیہ تفصیلات پر اور کچھ نہیں ہے چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ دجال اکبر کے قاتل ازل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقرر ہوچکے ہیں اور جب یہ ہے تو نہ اللہ تعالیٰ کا علم بدل سکتا ہے اور نہ تم اس کو قتل کرسکتے ہو۔ لہٰذا اس ابہام کو لے کر بقیہ سارے معاملات کو مبہم بناڈالنا کج فہمی اور کج روی کے سوا کچھ نہیں۔ آخر میں اتنا اور لکھ دینا کافی ہے کہ بہت سے امور مفزعہ کے پیش آنے پر آپ کے چہرے پر تردد اور خوف کا نمودار ہوجانا یہ کسی یقین کے مزاحم نہیں کہا جاسکتا نہ ان کو کسی تردد کا باعث قرار دیا جاسکتا ہے۔ (جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے)

آپ کا وجود پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) جو عالم کے لیے رحمت ہی رحمت تھا اس کے موجود ہوتے ہوئے قیامت کا قائم ہو جانا کیسے ممکن تھا۔ (وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم) لہٰذا اگر کوئی شخص صرف ان احادیث کو اُٹھا کر قیامت کا انکار کر ڈالے یا اس کے وقوع کے تردد میں پڑجائے تو یہ اسی کی نافہمی اور قصور فہم کا سبب ہے اس کو حدیثوں کے سر رکھ دینا امور بدیہہ سے ناواقفی ہے (اسی طرح احادیث فتن میں اس قسم کے ابہامات پیش آگئے ہیں کہ اپنی اپنی فہم کے مطابق علماء نے ان کی تعیین میں کس قدر عجلت سے کام لیا ہے حالانکہ جب نہ حدیث میں ان کے ظہور کا وقت متعین ہے اور نہ ان کی تعیین مذکور ہے تو پھر اپنی جانب سے اس کی تعیین میں عجلت بازی سے کام لے کر اس کو حدیث کی طرف منسوب کرڈالنا خلاف واقع ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنْطَلَقَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُبَىُّ بْنُ كَعْبٍ يَاْتِيَانِ النَّخلَ الَّذِىْ فِيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ حَتّٰى اِذَا دَخَلَ النَّخلَ طَفِقَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّقِىْ بَجذُوْعِ النَّخلِ وَهُوَ يَختِلُ اَنْ يَّسْمَعَ مِنَ بْنِ صَيَّادٍ قَبْلَ اَنْ يراهُ وَ اِبْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجعٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ فِىْ قَطِيْفَةٍ لَهٗ فِيهَا زَمْزَمَةٌ فَرَاَتْ اُمُّ ابْنُ صَيَّادِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَّقِىْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ اى صاف وَهُوَ اسْمُهٗ فثَارَ ابْنُ صَيَّادٍ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ وَقَالَ سَالِمٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ ثُمَّ قَامَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى النَّاسِ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنِّىْ اُنْذِرُكُمُوْهُ وَمَا مِنْ نَّبِىٍّ اِلَّا وَقَدْ اَنْذَرَهٗ قَوْمَهٗ وَلٰكِنْ سَاَقُوْلُ لَكُمْ فِيْهِ قَوْلاً لَمْ يَقُلْهُ نَبِىٌّ لِقَوْمِهٖ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِاَعْوَرَ. (روى البخارى)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابی بن کعب اس باغ کی طرف چلے جس میں ابن صیاد رہتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باغ کے اندر تشریف لائے تو آپ کھجور کے درختوں کی آڑ میں چھپ چھپ کر یہ تدبیر کررہے تھے کہ ابن صیاد کے دیکھنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی بات سن لیں۔ اُدھر ابن صیاد اپنے بچھونے پر ایک چادر میں لپٹا ہوا اندر اندر کچھ گنگنا رہا تھا اس کی ماں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ پایا کہ آپ درخت کے تنوں کی آڑ لے رہے ہیں تو فوراً اس نے کہا اوصاف! (یہ اس کا نام تھا) ہوشیار۔ بس یہ سن کر ابن صیاد فوراً کھڑا ہوگیا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اگر اس کی ماں اس کو ہوشیار نہ کرتی تو یہ صاف بات کہہ گزرتا۔ سالم کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں خطبہ دیا اور خدا کی شان کے مناسب حمد وثناء کی' اس کے بعد دجال کا ذکر کیا اور فرمایا میں تم کو اس کے فتنے سے اسی طرح ڈراتا ہوں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اُس سے اپنی قوم کو نہ ڈرایا ہو لیکن ایک بات میں تم کو ایسی صاف بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے نہیں کہی وہ یہ کہ تم جان چکے ہو کہ وہ کانا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر عیب سے بری ہے وہ کانا نہیں ہوسکتا۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ بَيْتِىْ فَذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ ثلاث سِنِيْنَ سَنَةٌ تُمْسِكُ السَّمَاءُ فِيْهَا ثُلُثَ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَ نَبَاتِهَا وَالثَّانِيَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ ثُلُثَىْ قَطْرِهَا وَالْاَرْضُ ثُلُثَىْ نَبَاتِهَا وَالثَّالِثَةُ تُمْسِكُ السَّمَاءُ قَطْرَهَا كُلَّهُ وَالْاَرْضُ نَبَاتَهَا كُلَّهُ فَلاَ يَبْقٰى ذَاتُ ظِلْفٍ وَلَا ذَاتُ ضِرْسٍ مِنَ الْبَهَائِمِ اِلَّا هَلَكَ وَاِنَّ مِنْ اَشَدِّ فِتْنَتِهٖ اَنَّهٗ يَاْتِى الْاَعْرَابِىَّ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اِبِلَكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّىْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَ اِبِلِهٖ كَاَحْسَنِ مَا يَكُوْنُ ضُرُوْعًا وَاَعْظَمِهٖ اَسْنِمَةً قَالَ وَيَاْتِى الرَّجُلَ قَدْ مَاتَ اَخُوْهُ وَمَاتَ اَبُوْهُ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اَبَاكَ وَاَخَاكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّىْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ نَحْوَ اَبِيْهِ وَ نَحْوَ اَخِيْهِ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ رَجَعَ وَالْقَوْمُ فِىْ اِهْتِمَامٍ وَغَمٍّ مِمَّا حَدَّثَهُمْ قَالَتْ فَاَخَذَ بِلُحْمَتَىِ الْبَابِ فَقَالَ مَهْيَمْ اَسْمَاءُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ خلعت افئدتنا بِذِكْرِ الدَّجَّالِ قَالَ اِنْ يَخْرُجْ وَاَنَا حَىٌّ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ وَاِلَّا فَاِنَّ رَبِّىْ خَلِيْفَتِىْ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ اِنَّا لَنَعْجِنُ عجيننا فَمَا نَخْبِزُهٗ حَتّٰى نَجُوْعَ فَكَيْفَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يُجْزِئُهُمْ مَا يُجْزِئُ اَهْلَ السَّمَاءِ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّقْدِيْسِ. (رواه احمد و ابو داؤد والطيالسى)

اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اس کے ظہور سے پہلے تین قحط پڑیں گے۔ ایک سال آسمان کی ایک تہائی بارش رُک جائے

گی اور زمین کی پیداوار بھی ایک تہائی کم ہو جائے گی۔ دوسرے سال آسمان کی دو حصے بارش رُک جائے گی اور زمین کی پیداوار دو حصے کم ہو جائے گی اور تیسرے سال آسمان سے بارش بالکل نہ برسے گی اور زمین کی پیداوار بھی کچھ نہ ہوگی حتیٰ کہ جتنے حیوانات ہیں خواہ وہ کھر والے ہوں یا ڈاڑھ سے کھانے والے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اس کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک گنوار آدمی کے پاس آ کر کہے گا اگر میں تیرے اونٹ زندہ کر دوں تو کیا اس کے بعد بھی تجھ کو یہ یقین نہ آئے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا ضرور' اس کے بعد شیطان اسی کے اونٹ کی سی شکل بن کر اس کے سامنے آئے گا جیسے اچھے تھن اور بڑے کوہان والے اونٹ ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شخص کے پاس آئے گا جس کا باپ اور سگا بھائی گزر چکا ہوگا اور اس سے آ کر کہے گا بتلا اگر میں تیرے باپ بھائی کو زندہ کر دوں تو کیا پھر بھی یہ یقین نہ آئے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا کیوں نہیں۔ بس اس کے بعد شیطان اس کے باپ بھائی کی صورت بن کر آ جائے گا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ یہ بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت سے باہر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد لوٹ کر دیکھا تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کے بعد سے بڑے فکر و غم میں پڑے ہوئے تھے۔ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کے دونوں کواڑ پکڑ کر فرمایا' اسماء کہو کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) دجال کا ذکر سن کر ہمارے دل تو سینے سے نکلے پڑتے ہیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اگر وہ میری زندگی میں ظاہر ہوا تو میں اس سے نمٹ لوں گا ورنہ میرے بعد پھر ہر مؤمن کا نگہبان میرا رب ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا حال جب آج یہ ہے کہ ہم آٹا گوندھنا چاہتے ہیں مگر غم کے مارے اس کو اچھی طرح گوندھ بھی نہیں سکتے چہ جائیکہ روٹی پکا سکیں' بھوکے ہی رہتے ہیں تو بھلا اُس دن مؤمنوں کو حال کیا ہوگا جب یہ فتنہ آنکھوں کے سامنے آ جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن ان کو وہ غذا کافی ہوگی جو آسمان کے فرشتوں کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس۔ (احمد)

تشریح: حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ جب اس عظیم ترین فتنے کا ظہور قریب ہوگا تو جس طرح انبیاء علیہم السلام کے ظہور سے پہلے برکات (ارہاص) کا ظہور شروع ہو جاتا ہے اسی طرح اس فتنے سے پہلے برکات کا خاتمہ ہونا شروع ہو جائے گا۔ بارش' غلہ اور اسی کے ساتھ سب حیوانات ختم ہو جائیں گے۔ اس بے سروسامانی میں وہ اس ساز و سامان کے ساتھ آئے گا کہ ایک برباد شدہ کسان کے حیوانات زندہ کر دے گا اور ایک شخص سے اس کے باپ اور بھائی کے دوبارہ زندہ کر دینے کا وعدہ کرے گا۔ اب سوچئے کہ ضعیف انسان کی بے علمی اور اسی کے ساتھ جب افلاس کی سختی بھی یکجا جمع ہو جائے تو اس کی آزمائش کا میدان کتنا سخت ہو جائے گا' مردہ کا زندہ کرنا ہی کچھ کم بات نہیں' پھر ایک کسان کے لیے اس کے جانور اور ان سے بڑھ کر اس کی اولاد اور اس کے ماں باپ اس سے زیادہ پیاری چیزیں اور کیا ہو سکتی ہیں؟ کون ہے جو اس فتنہ کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ اگر کہیں حدیث نے اس کی اعجوبہ نمائیوں کا راز فاش نہ کر دیا ہوتا تو آج بھی بہت سے ضعیف الایمان تردد میں پڑ جاتے' مگر جب یہ بات صاف ہوگئی کہ یہ سب کچھ شیطانی تصرفات اور شعبدے ہوں گے تو اب کوئی اشکال نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ دجال جب خدائی کا مدعی ہو تو اس کو خدائی کا سامان بھی دکھانا ضروری ہے اس لیے اس کے ساتھ جنت' دوزخ کا ہونا بھی ضروری ہے اور مردہ کو زندہ کرنے کا دعویٰ بھی ضروری

ہے مگر حدیث کہتی ہے کہ یہ سب کچھ بازیگر کے تماشے سے زیادہ نہ ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر اس کو قتل کردیں گے تو اس کی خدائی کا یہ سارا ڈھونگ ایک بندہ کے ہاتھوں کھل ہی جائے گا۔

شیاطین اور ان کے تصرفات کی تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گزریں گی۔ مگر اتنی بات اجمالاً یہاں بھی سن لیجئے کہ امور خیر کی تائید فرشتے اور شر کی شیاطین کرتے رہتے ہیں پھر جو طاقت جتنی بڑی مرکزی ہوتی ہے اسی قدر اس اعانت میں بھی قوت اور ضعف کا فرق ہو جاتا ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کی تائید میں سارا عالم ملکوت نظر آتا ہے اس کے بالمقابل دجال کی تائید میں سارا عالم شیاطین ہی ہونا چاہیے جن کی نظر صرف ایک عالم مادی اور اس عالم کے بھی ایک مختصر اور محدود گوشہ میں محصور ہو کر رہ جائے' ان بیچاروں کے لیے ان حقائق کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔

عَنِ الْمُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ مَا سَأَلَ اَحَدٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّجَّالِ اَكْثَرَ مِمَّا سَأَلْتُهُ وَاَنَّهُ قَالَ مَا يَضُرُّكَ قُلْتُ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَنَهْرَ مَاءٍ قَالَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ. (متفق علیہ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ دجال کے متعلق جتنے سوالات میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہیں اتنے کسی اور شخص سے نہیں کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال بھلا تم کو کیا نقصان پہنچا سکے گا۔ میں نے عرض کی لوگ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی (یعنی قحط میں رزق کا پورا سامان ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ حقیر اور ذلیل تر رہے کہ اس کو یہ ساز و سامان ملے (جو ہوگا اس کی حقیقت سب شعبدہ بازی اور نظر بندی سے زیادہ نہ ہوگی جیسے ساحرین فرعون کی رسیوں کی) (متفق علیہ)

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَقِيَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ يَعْنِىْ ابْنَ صَيَّادٍ فِىْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَشْهَدُ اَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هُوَ اَتَشْهَدُ اَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ مَاذَا تَرٰى قَالَ اَرٰى عَرْشًا عَلَى الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرٰى عَرْشَ اِبْلِيْسَ عَلَى الْبَحْرِ قَالَ وَمَا تَرٰى قَالَ اَرٰى صَادِقَيْنِ وَكَاذِبًا اَوْ كَاذِبَيْنِ وَصَادِقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُبِسَ عَلَيْهِ فَدَعُوْهُ. (رواہ مسلم)

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اور ابن صیاد کا مدینہ کے کسی راستے میں کہیں آمنا سامنا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد سے فرمایا' تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں یقینی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ اس پر وہ بدبخت بولا' اچھا کیا آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ (نعوذ باللہ) اس کا یہ جملہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میں تو اللہ تعالیٰ پر' اس کے فرشتوں پر اور سب رسولوں پر ایمان لا چکا۔ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا) بھلا تجھے نظر کیا آتا ہے؟ وہ بولا مجھ کو پانی پر عرش (ایک تخت) نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو عرشِ ابلیس ہے جو تجھ کو سمندر پر نظر آتا ہے۔ اچھا تجھ کو اور کیا نظر آتا ہے؟ وہ بولا میرے پاس دو سچے ایک

جھوٹا' یا دو جھوٹے تو ایک سچا شخص نظر آتا ہے' آپ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا' چھوڑ و اس کو خود ہی اپنی حقیقت کا پتہ نہیں۔ (مسلم شریف)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سب سے پہلے اس سے اپنی رسالت کے متعلق سوال کیا کہ مقبول یا مردود ہونے کا سب سے پہلا معیار یہی ہے مگر اس نے شروع ہی سے نامعقول بات شروع کی اور اپنے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب کتنا بلیغ تھا کہ آپ نے کسی بے اصل بات کو قابل تردید بھی نہیں سمجھا کیونکہ تردید بھی اسی بات کی کی جاتی ہے جس کا کوئی امکان بھی ہو۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کا اظہار کر کے اس کو صحیح جواب بھی دیدیا اور خاص اس کے سوال کے جواب سے اعراض بھی کرلیا۔ اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید تحقیق فرمائی تو اس نے ایک عرش دیکھنا بتایا۔ آپ نے وضاحت فرمادی کہ وہ تو عرش شیطان ہے اس نے بھی اپنے اعوان وانصار کے لیے ایک عرش بچھا رکھا ہے۔ اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس خبریں لانے والے کے متعلق سوال کیا تو بات بالکل صاف ہوگئی کیونکہ نبی کو خبر دینے والے میں کاذب ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوتا وہ صادق ہی صادق ہوتا ہے جس کو دو سچی اور ایک جھوٹی یا اس کے برعکس خبریں معلوم ہوں تو یہ اس کے کاہن ہونے کی دلیل ہے اس لیے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اور کوئی سوال نہیں کیا اور بات صاف ہوگئی۔ اس حدیث میں ایک قابل غور بات یہ بھی نکلتی ہے کہ ابن صیاد میں دجالیت کی علامات میں تدریج بھی ہے جیسا کہ **وقد نفرت عینہ** کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے اسی پر دوسری علامات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ ابْنَ صَيَّادٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تُرْبَةِ الْجَنَّةِ فَقَالَ دَرْمَكَةٌ بَيْضَاءُ مِسْكٌ خَالِصٌ. (رواہ مسلم)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابن صیاد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' جنت کی مٹی کیسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میدہ کی طرح سفید اور مشک خالص کی طرح خوشبودار ہے۔ (مسلم شریف)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقِيْتُهُ وَنَفَرَتْ عَيْنُهُ فَقُلْتُ مَتٰى فَعَلَتْ عَيْنُكَ مَا اَرٰى قَالَ لَا اَدْرِيْ قُلْتُ لَا تَدْرِيْ وَهِيَ فِيْ رَأْسِكَ قَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ خَلَقَهَا فِيْ عَصَاكَ قَالَ فَنَخَرَ كَاَشَدِّ نَخِيْرِ حِمَارٍ سَمِعْتُ. (رواہ مسلم)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابن صیاد کو جب میں نے دیکھا تھا تو اس وقت اس کی آنکھ خراب ہوچکی تھی' میں نے پوچھا تیری یہ آنکھ کب خرابی ہوئی؟ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم' میں نے کہا اچھا وہ تیرے سر میں ہے اور پھر بھی تجھ کو معلوم نہیں؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تیری لکڑی میں اسے پیدا فرمادے' یہ کہہ کر اس نے ایک ایسی زور کی آواز نکالی جیسے گدھے کی زور کی چیخ ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَ اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ يَنْطِفُ اَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهٗ مَاءً قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا اِبْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ ذَهَبْتُ اَلْتَفِتُ فَاِذَا رَجُلٌ جَسِيْمٌ اَحْمَرُ جَعْدُ الرَّأْسِ اَعْوَرُ الْعَيْنِ كَاَنَّ عَيْنَهٗ عِنَبَةٌ طَافِئَةٌ قَالُوْا هٰذَا الدَّجَّالُ اَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا اِبْنُ قَطَنٍ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ. (رواہ البخاری)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں سو رہا تھا اور خواب میں طواف کر رہا تھا' کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ہیں گندم گوں رنگ سیدھے سیدھے بال یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں' میں نے پوچھا یہ کون ہیں' لوگوں نے بتایا کہ یہ ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) پھر جو میری توجہ ذرا دوسری طرف گئی تو دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا لمبا چوڑا آدمی سرخ رنگ سخت گھنگھریالے بال' آنکھ سے کانا' ایک آنکھ ایسی تھی جیسا اُبھرا ہوا انگور لوگوں نے بتایا یہ ہے دجال اکبر اور سب سے زیادہ مشابہ شخص دیکھنا چاہو تو بس خزاعۃ قبیلہ کا یہ عبدالعزی بن قطن ہے وہ ٹھیک اسی صورت کا تھا۔ (رواہ البخاری)

تشریح: دوسری حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ عروۃ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت مشابہ ہیں۔ اس حدیث کی تشبیہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان ہر دو افراد سے مراد خاص خاص اشخاص ہیں قوم انگیریز یا وہ شخص مراد نہیں جو عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی صفات یا ہیئت کا حامل نہ ہو جیسا کہ یہاں بعض مدعین کا دعویٰ ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ ؓ اَخْبَرَتْهُ قَالَتْ دَخَلَ عَلَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِي فَقَالَ لِيْ مَا يُبْكِيْكِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْتَ الدَّجَّالَ فَبَكَيْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ يَّخْرُجَ وَاَنَا حَيٌّ كفيتكُمُوْهُ وَاِنْ يَّخْرُجَ الدَّجَّالُ بَعْدِيْ فَاِنَّ رَبَّكُمْ عَزَّوَجَلَّ لَيْسَ بِاَعْوَرَ اِنَّهُ يَخْرُجُ فِيْ يَهُوْدِيَّةِ اَصْفَهَانَ حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَدِيْنَةَ فَيَنْزِلُ نَاحِيَّتَهَا وَلَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰى كُلِّ نَقِيْبٍ مِّنْهَا مَلَكَانِ فَيَخْرُجُ اِلَيْهَا شِرَارُ اَهْلِهَا حَتّٰى يَأْتِيَ الشَّامَ مَدِيْنَةً بِفَلَسْطِيْنَ بِبَابِ لُدٍّ وَقَالَ اَبُوْ دَاوُدَا مَرَّةً حَتّٰى يَأْتِيَ فَلَسْطِيْنَ بِبَابِ لُد فَيَنْزِلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يَمْكُثُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْاَرْضِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اِمَامًا عَدْلًا وَحَكَمًا وَمُقْسِطًا. (مسند احمد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے دیکھا تو میں رو رہی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ نے دجال کا ذکر اس طرح فرمایا کہ اس غم میں مجھ کو بے ساختہ رونا آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ نکلا اور میں اس وقت موجود ہوا تو تمہاری طرف سے میں اس سے نمٹ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد نکلا تو پھر یہ بات یاد رکھنا کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے (اور وہ کانا ہوگا) جب وہ نکلے گا تو اس کے ساتھی اصفہان کے یہود ہوں گے یہاں تک کہ جب مدینہ آئے گا تو یہاں ایک طرف آ کر اُترے گا اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ پر دو دو فرشتے نگراں ہوں گے (جو اس کو اندر آنے سے مانع ہوں گے) مدینہ میں جو بداعمال لوگ آباد ہیں وہ نکل کر خود اس کے پاس چلے جائیں گے اس کے بعد وہ فلسطین میں باب لد پر آئے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام نزول فرما چکے ہوں گے اور یہاں وہ اس کو قتل کریں گے۔

پھر عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک ایک منصف امام کی حیثیت سے زمین پر زندہ رہیں گے۔ (مسند احمد)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَيمكثُ فِی النَّاسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً. (اخرجه الطبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور لوگوں میں چالیس سال تک رہیں گے۔ (طبرانی)

عَنْ رِبْعِیّ بْنِ خِرَاشٍ قَالَ قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو لِحُذَيْفَةَ اَلَا تُحَدِّثُنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُه يَقُوْلُ اِنَّ مَعَ الدَّجَّالِ اِذَا خَرَجَ مَاءً وَّنَارًا فَاَمَّا الَّذِیْ يَرٰى النَّاسُ اَنَّهَا النَّارُ فَمَاءٌ بَارِدٌ وَاَمَّا الَّذِیْ يَرَى النَّاسُ اَنَّهُ مَاءٌ بَارِدٌ فَنَارٌ تُحْرِقُ فَمَنْ اَدْرَکَ ذَالِکَ مِنْكُمْ فَلْيَقَعْ فِی الَّذِیْ يُرٰى اَنَّهَا نَارٌ فَاِنَّهٗ عَذْبٌ بَارِدٌ. (رواه البخاری ص ۴۹۰/۱)
وَزَادَ مُسْلِمٌ وَاِنَّ الدَّجَّالَ مَمْسُوْحُ الْعَيْنِ عَلَيْهَا ظَفْرَةٌ غَلِيْظَةٌ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ يَقْرَأُ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٌ اَوْ غَيْرُ كَاتِبٍ وَفِی رِوَايَةٍ بَيْنَ عَيْنَيْهِ ک. ف. ر. وَفِیْ رِوَايَةٍ الكاف والفاء والرّاء

ربعی بن خراش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عقبۃ بن عمرو نے حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ نے دجال کے متعلق جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی وہ ہم کو بھی سنا دیجئے؟ انہوں نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ دجال جب ظاہر ہوگا تو اس کے ساتھ پانی اور آگ دونوں ہوں گے مگر لوگوں کو جو آگ نظر آئے گی وہ ٹھنڈا پانی ہوگا اور جس کو لوگ ٹھنڈا پانی سمجھیں گے وہ جھلسا دینے والی آگ ہوگی۔ لہٰذا تم میں جس کو بھی یہ زمانہ ملے اس کو چاہیے کہ جو آگ معلوم ہو رہی ہو اُسی میں داخل ہو جائے کیونکہ درحقیقت وہ آب خنک ہوگا۔ یہاں مسلم کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ دجال کی ایک آنکھ میں موٹا سا ناخونہ ہوگا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر کے حروف علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے ہوں گے جس کو ہر مؤمن پڑھ لے گا چاہے وہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی آنکھوں کے درمیان ک۔ف۔ر۔ اور ایک روایت میں کاف۔الف۔را۔ ہوگا۔

تشریح: دجال کا فتنہ جتنا عظیم الشان ہے قدرت کی طرف سے اس کی شناسائی کے نشان اتنے ہی زیادہ ہیں الفاظ مسلم پر ایک بار پھر نظر ڈال لیجئے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ عالم تقدیر بینا کو نابینا بنا سکتا ہے جب اپنے قلب کی آنکھیں خود نابینا ہوں تو ک ف ر کے الفاظ کیا نظر آئیں۔ لفظ بین عینیہ تقدیری کتابت کے لیے شاید کچھ مخصوص ہے اسی لیے یہی عمر وغیرہ کے لیے محل کتابت ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ازلی سعادت اسی مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کو شاید اسی لیے نظر آ گئی ہو۔ پہلے یہ سب تفصیلات گزر چکی ہیں، عرف عام میں ہائے کہہ کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارنا شاید اسی لیے رواج پا گیا ہوگا۔ صحیح مسلم کی یہ صحیح حدیث ہمارے اس بیان کے لیے شاہد ہے مگر یاد رہے کہ اس میں گو پڑھے لکھے ہونے کی شرط نہ سہی مگر مؤمن ہونے کی قید موجود ہے عجب نہیں کہ یہی مؤمن کے ایمان کے تحفظ اور کافر

کی محرومی کا سبب ہو اور یہی ایک اور عظیم فتنہ کا باعث بن جائے۔ یہ جملہ امور اگرچہ احادیث میں گو صراحۃً مذکور نہ ہوں مگر اس کی طرف صراحۃً اشارہ کے قریب ہے۔ انہی سطور میں دجال کی حقیقت کے ساتھ ابن صیاد کی احادیث کے ذکر نہ کرنے کی طرف حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا لطیف بیان گزر چکا ہے۔ اگر آپ فتن کی حقیقت سمجھتے ہیں اور ان کی احادیث کی طرف نظر رکھتے ہیں تو ایک ثابت شدہ حقیقت کے انکار سے دوسری ایک حقیقت کے انداز کی راہ نہ لیں گے یعنی فتنہ دجال کے خروج کے جتنے اسباب صراحت کے ساتھ ذکر میں آ چکے ہیں وہ ایک ابن صیاد کی حقیقت کے مبہم رہنے کی وجہ سے مفت میں ان کا انکار نہ فرمائیں گے۔ اگر احادیث میں کہیں ابن صیاد کے دجال ہونے میں آپ کو شبہ گزرتا ہے تو آپ کی نظروں میں نفس دجال کی غیر مشتبہ حقیقت کو مشتبہ نہ ہونا چاہیے۔ اس جگہ کم از کم ایک منصف کے لیے حقیقت یہ ہے کہ دجال اگر قوم کا لقب ہو تو ابن صیاد کے متعلق حدیثیں اس کی تردید کے لیے کافی ہیں کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ ابن صیاد کسی قوم کا لقب تھا اور نہ اس کے وجود شخصی کے دیکھ لینے کے بعد اور اس کے والدین کے نام و نسب کی تحقیق کے بعد اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ پھر ابن صیاد کے دجال کہنے سے احادیث صحیحہ کے انکار کے سوا اور فائدہ کیا جبکہ احادیث صحیحہ میں یہ بیان موجود ہے کہ اس کا قاتل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا شخص بھی نہیں ہوسکتا بلکہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام مقرر ہیں اور وہ بھی اس ثبوت کے لیے اپنے نیزہ میں اس کا خون دکھا دکھا کر یہ یقین دلائیں گے کہ میں جو عالم تقدیر میں اس کا قاتل مقرر ہو چکا ہوں وہ کوئی معنوی قتل نہیں ہے جو صرف کتابوں کے لکھ دینے سے پورا ہو جاتا بلکہ ایک حسّی قتل ہے۔



کِتَابُ الطِّبِّ

حفظان صحت کی اہمیت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ. (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں رہتے ہیں (وہ ہیں) صحت وفراغت۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مِحْصَنٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصْبَحَ مُعَافاً فِيْ جَسَدِهٖ آمِنًا فِيْ سَرْبِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَأَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا. (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن محصن انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے صبح کی اس حال میں کہ اس کو جسمانی عافیت اور اپنے بارے میں امن اور اس دن کی خوراک حاصل ہو تو گویا اس کے لیے پوری دنیا جمع کردی گئی۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اَوَّلُ مَا يُسْأَلُ عَنْهُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ النَّعِيْمِ اَنْ يُّقَالَ لَهٗ اَلَمْ نُصِحَّ لَكَ جِسْمَكَ وَنُرْوِكَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ. (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن بندے سے جن نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا وہ یہ ہوں گی کہ کہا جائے گا کیا ہم نے تیرے جسم کو صحیح وتندرست نہ کیا تھا اور کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہ کیا تھا۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ سَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اے عباس! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اللہ سے دنیا وآخرت میں عافیت کا سوال کیا کیجئے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَعْرَابِيًّا جَاءَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ لَهٗ مَا أَسْأَلُ اللّٰهَ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فَقَالَ سَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَأَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ فِي الثَّالِثَةِ سَلِ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (زادالمعاد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ پانچ

نمازوں کے بعد میں اللہ سے کس چیز کا سوال کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے عافیت طلب کیا کرو۔ اس نے دوبارہ سوال کیا۔ تیسری مرتبہ کے سوال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ سے دنیا و آخرت کی عافیت طلب کیا کرو۔

زیتون کا تیل

عَنْ اَبِیْ اُسَیْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُوا الزَّیْتَ وَادَّھِنُوْا بِہٖ فَاِنَّہٗ مِنْ شَجَرَۃٍ مُبَارَکَۃٍ. (ترمذی)

حضرت ابو اسید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (روٹی کے ساتھ) زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کو سر و جسم پر بھی لگاؤ کیونکہ یہ تیل مبارک درخت کا ہوتا ہے۔

کسر و تعدیل کی رعایت

جب کھانے کی کسی شے کی کیفیت کسر و تعدیل کی محتاج ہوتی تو اگر ممکن ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ایسی شے کو ملا لیتے جس سے کیفیت میں اعتدال پیدا ہو جاتا اور اگر کوئی دوسری شے مہیا نہ ہوتی تو بغیر اسراف کے صرف اتنی مقدار میں اس شے کو تناول فرماتے جتنی میں وہ ضرر رساں نہ ہو۔

عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّہٗ کَانَ یَاْکُلُ الْبِطِّیْخَ بِالرُّطَبِ یَقُوْلُ یَدْفَعُ حَرُّ ھٰذَا بَرْدَ ھٰذَا (ترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تربوزہ کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے اور فرماتے تھے اس کی حرارت اس کی برودت کو دور کر دیتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ. (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تازہ کھجور ککڑی کے ساتھ کھاتے دیکھا۔

کھانا کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ منہ دھونا

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَاْتُ فِی التَّوْرَاۃِ اَنَّ بَرَکَۃَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَرَکَۃُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَہٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ. (ترمذی)

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کی برکت کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے میں ہے۔ اس کا ذکر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے کی برکت کھانے سے پیشتر اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ وَفِیْ یَدِہٖ غَمَرٌ لَمْ یَغْسِلْہُ فَاَصَابَہٗ شَیْءٌ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَہٗ. (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اس حال میں رات

گزاری کہ اس کے ہاتھ پر (کھانے کی) چکنائی لگی ہو اور اس نے ہاتھ نہ دھوئے ہوں اور اس کی (بو کی) وجہ سے (کسی جانور کے کاٹنے کے باعث) اس کو کچھ نقصان و تکلیف پہنچی ہو تو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

کھانا کھاتے ہوئے بیٹھنے کا ایسا طریقہ اختیار کرنا جس میں کھانا آسانی سے معدہ میں اُتر جائے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَارُوِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ مُتَّكِئاً قَطُّ. (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی ٹیک وسہارا لگا کر کھاتے نہیں دیکھا گیا۔

وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا آكُلُ مُتَّكِئاً. (ابوداؤد)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

ٹیک لگانے کی چار صورتیں ہیں اور چاروں اس میں داخل ہیں۔ اول یہ کہ دائیں یا بائیں پہلو کو دیوار یا تکیہ وغیرہ پر سہارا لگائے۔ دوسرے یہ کہ ہتھیلی سے زمین پر سہارا لگائے۔ تیسرے یہ کہ چوکڑی مار کر بیٹھے۔ چوتھے یہ کہ کمر گاؤ تکیہ یا دیوار سے لگائے۔ یہ سب صورتیں بفرق مراتب ٹیک میں داخل ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَهَی النَّبِیُّ أَنْ يَّاْكُلَ رَجُلٌ أَوْ يَشْرَبَ مُنْبَطِحاً عَلٰی بَطْنِهٖ. (رزین)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منہ کے بل لیٹ کر کھانے اور پینے سے منع فرمایا۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِیَّ مُقْعِيًا يَاْكُلُ تَمْرًا (شمائل ترمذی) وَفِیْ رِوَايَةٍ أَنَّهٗ كَانَ يَجْلِسُ لِلْأَكْلِ مُتَوَرِّكًا عَلٰی رُكْبَتَيْهِ وَيَضَعُ بَطْنَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰی عَلٰی ظَهْرِ قَدَمِهِ الْيُمْنٰی. (زادالمعاد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکڑوں بیٹھ کر کھجور کھاتے دیکھا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے لیے گھٹنوں کے بل بیٹھتے تھے اور اپنے بائیں پاؤں کا تلوا دائیں پاؤں کی پشت پر رکھتے تھے۔

چھوٹے لقمے لے اور خوب چبائے

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثِ. (شمائل ترمذی)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تین انگلیوں سے کھاتے تھے۔

فائدہ: تین انگلیوں سے کھانے میں لقمہ زیادہ بڑا نہیں ہوگا اس لیے پوری طرح چبانا بھی ہوجائے گا اور نگلنے میں بھی سہولت ہوگی۔

مجبوری نہ ہو تو مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی نہ پیئے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِی السِّقَاءِ. (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشکیزہ کے منہ سے منہ لگا کر

پانی پینے سے منع فرمایا (کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مشکیزہ میں پانی کے ساتھ کوئی نقصان دہ چیز بھی چلی گئی ہو پھر اس کو منہ لگا کر پانی پینے سے وہ شے منہ میں یا پیٹ میں جا کر نقصان دے)

پانی ایک سانس میں نہ پیئے اور برتن میں نہ سانس لے اور نہ پھونکے

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلاَثًا وَيَقُوْلُ اِنَّهُ أَرْوىٰ وَأَمْرَأُ وَأَبْرَأُ. (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی پینے کے درمیان تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طریقے میں زیادہ سیرابی' زیادہ پچنا اور (تکلیف سے) زیادہ بچاؤ ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ اَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ. (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے کے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونکنے سے منع فرمایا۔

عَنِ النَّبِيِّ قَالَ اِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَمُصَّ الْمَاءَ مَصًّا وَلَا يَعِبَّ عَبًّا فَاِنَّ الْكُبَادَ مِنَ الْعَبِّ. (بیہقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم پانی پیو تو چھوٹے چھوٹے گھونٹ لو منہ لگا کر پیتے ہی نہ جاؤ کیونکہ جگر کا درد اسی سے ہوتا ہے۔ (گرمی کے موسم میں جلدی سے بہت سا پانی پینے سے معدہ میں درد ہو جاتا ہے یہاں جگر کے درد سے وہی مراد ہے)

بہت پیٹ بھر کر کھانے سے پرہیز

عَنِ الْمِقْدَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ لُقَيْمَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَاِنْ لَا بُدَّ فَاعِلاً فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ. (ترمذی)

حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی اپنے پیٹ سے برا برتن کوئی نہیں بھرتا۔ ابن آدم کے لیے تو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا کیے رکھیں۔ اگر زائد کھانا ہی ہے تو تہائی معدہ کھانے کے لیے' تہائی پینے کے لیے اور تہائی (کو خالی رکھے آسانی کے ساتھ) سانس لینے کے لیے۔

فائدہ: البتہ کبھی اتفاق سے ایسا ہو جائے تو مضائقہ نہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں اور آپؐ کے اصرار پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار دودھ پیا یہاں تک کہ آخر کہنے لگے "وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا" اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا' اب میں مزید گنجائش نہیں پاتا۔

منہ اور دانتوں کی صفائی

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ اَنَّهُ قَالَ اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ. (احمد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا' مسواک منہ کو صاف کرنے اور رب کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔

جسمانی صفائی

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَاِسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَاِنْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِى الْاِسْتِنْجَاءَ قَالَ الرَّاوِىُ وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةُ. (مسلم) وَفِىْ رِوَايَةٍ اَلْخِتَانُ بَدَلَ اِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دس خصلتیں فطرت میں سے ہیں' موںچھیں کترانا' داڑھی بڑھانا' ناک میں پانی ڈالنا' ناخن تراشنا' جوڑوں کے اوپر کھال کی سلوٹوں کو دھونا' بغلوں کے بال نوچنا' زیر ناف بالوں کو مونڈنا اور استنجا کرنا۔ راوی کہتے ہیں کہ دسویں بات میں بھول گیا ہوں' الا یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔ اور ایک روایت میں داڑھی بڑھانے کی جگہ ختنہ کرنے کا ذکر ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ ...... اَلْخِتَانُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں جن میں سے ایک ختنہ ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرًا فَرَاٰى رَجُلاً شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهٗ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهٖ رَاْسَهٗ وَرَاٰى رَجُلاً عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهٖ ثَوْبَهٗ. (نسائی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ملاقات کے لیے تشریف لائے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال پراگندہ تھے تو فرمایا کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے اپنے بالوں کو ٹھیک کرے اور ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھولے؟

ماحولیاتی صفائی

عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَهِّرُوْا اَفْنِيَتَكُمْ فَاِنَّ الْيَهُوْدَ لَا تُطَهِّرُ اَفْنِيَتَهَا. (ترمذی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے صحنوں کو پاک وصاف رکھا کرو ہاں یہ یہود ہیں جو اپنے صحنوں کو صاف نہیں رکھتے۔ (تو اچھی بات کو ترک کرنے میں یہود کی مشابہت مت کرو)۔

بینائی کی حفاظت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِكْتَحِلُوْا بِالْاِثْمَدِ فَاِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مِكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِيْ هٰذِهٖ وَثَلٰثَةً فِيْ هٰذِهٖ. (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمد سرمہ لگایا کرو کیونکہ یہ بینائی کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بال بڑھاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سلائی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سرمہ لگاتے تھے۔ تین مرتبہ اس آنکھ میں اور تین مرتبہ اس آنکھ میں۔

شام کے کھانے کا التزام

عَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَشُّوْا وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ فَاِنَّ تَرْكَ الْعَشَاءِ مَهْرَمَةٌ. (ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شام کا کھانا کھاؤ اگر چہ ایک مٹھی ردی کھجور کی ہو کیونکہ شام کے کھانے کو ترک کرنا بڑھاپا لاتا ہے۔

برتن ڈھانپ کر اور مشکیزہ باندھ کر رکھنا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ غَطُّوا الْاِنَاءَ وَأَوْكُوا السِّقَاءَ فَاِنَّ فِي السَّنَةِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيْهَا وَبَاءٌ لَا يَمُرُّ بِاِنَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ غِطَاءٌ وَسِقَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ وِكَاءٌ اِلَّا وَقَعَ فِيْهِ مِنْ ذٰلِكَ الدَّاءِ. (مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ اِلَّا اَنْ يَعْرِضَ عَلٰى اِنَائِهٖ عُوْدًا وَيَذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ فَلْيَفْعَلْ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ برتنوں کو ڈھانپ کر رکھا کرو اور مشکیزوں کے منہ کو بند کر کے رکھا کرو کیونکہ سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں بیماری کی وباء نازل ہوتی ہے اور جس برتن پر ڈھکنا نہ ہو اور جس مشکیزہ کا منہ بند نہ کیا ہوا ہو اس میں اُتر جاتی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو (برتن ڈھانپنے کے لیے) کچھ نہ ملے تو اگر ہو سکے کہ اپنے برتن پر عرضاً کوئی لکڑی ہی رکھ دے اور بسم اللہ پڑھ لے تو یہی کر لیا کرے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ أَبُوْ حُمَيْدٍ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مِنَ النَّقِيْعِ بِاِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ اِلَى النَّبِيِّ فَقَالَ النَّبِيُّ اَلَّا خَمَّرْتَهُ وَلَوْ اَنْ تَعْرِضَ عَلَيْهِ عُوْدًا. (بخاری و مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری شخص ابو حمید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

(مقام) نقیع سے (بغیر ڈھکن کے) ایک برتن میں دودھ لے کر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کو ڈھانپا کیوں نہیں۔ اگر کچھ نہ ملتا تھا تو اس پر عرضاً ایک لکڑی ہی رکھ دیتے۔

شروع رات میں چھوٹے بچوں کو گھروں میں رکھنا

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلُ اَوْ اَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوْا صِبْيَانَكُمْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْتَشِرُ حِيْنَئِذٍ فَاِذَا ذَهَبَتْ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ فَخَلُّوْهُمْ. (بخاری)

وَفِیْ رِوَايَةٍ وَاكْفِتُوْا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ الْمَسَاءِ فَاِنَّ لِلْجِنِّ اِنْتِشَارًا وَخِطْفَةً.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب شام پڑ جائے تو اپنے چھوٹے بچوں کو گھروں کے اندر کرلو کیونکہ اس وقت جنوں کے پھیلنے کا وقت ہوتا ہے اور جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو پھر چھوڑ دو۔

ایک روایت میں ہے کہ شام (غروب آفتاب) کے وقت اپنے بچوں کو جمع کرلو یعنی ان کو اندر کرلو کیونکہ اس وقت جن پھیل جاتے ہیں۔

سونے سے پہلے چراغ گل کرنا

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِطْفَؤُا الْمَصَابِيْحَ عِنْدَ الرُّقَادِ فَاِنَّ الْفُوَيْسَقَةَ رُبَّمَا اِجْتَرَّتِ الْفَتِيْلَةَ فَاَحْرَقَتْ اَهْلَ الْبَيْتِ. (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سوتے ہوئے چراغوں کو گل کردیا کرو کیونکہ بعض اوقات چوہا (جلتے ہوئے) چراغ کی بتی کھینچ لے جاتا ہے اور گھر والوں کو جلا دیتا ہے (یعنی جلتی بتی کی وجہ سے گھر کو آگ لگ جاتی ہے)

پیالے کے ٹوٹے کنارے سے منہ لگا کر پینے سے اجتناب

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ فِیْ ثُلْمَةِ الْقَدَحِ وَاَنْ يُنْفَخَ فِی الشَّرَابِ. (ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کے ٹوٹے ہوئے کنارے سے پینے سے اور پینے کی چیز میں پھونکنے سے منع فرمایا۔

برتن میں اگر مکھی گر جائے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ يَقُوْلُ اِغْمِسُوْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً وَفِی الْآخِرِ شِفَاءً وَاَنَّهٗ يَتَّقِیْ بِجَنَاحِهِ الَّذِیْ فِيْهِ الدَّاءُ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهٗ. (بخاری' احمد' ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب تم میں سے کسی کے برتن میں

مکھی گر جائے تو اس کو برتن میں موجود پانی وغیرہ میں (پورا) ڈبو دو کیونکہ اس کے ایک پَر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے میں شفاء۔ وہ اپنے اس پَر کو مقدم کرتی ہے جس میں بیماری ہوتی ہے لہٰذا اسے پوری طرح ڈبو دو۔

فائدہ: کوئی اگر طبعی طور پر ایسے پانی کو پینا پسند نہ کرے تو نہ پئے لیکن اس کو نہ بھولنا چاہیے کہ بہت سے علاقوں میں پانی کی قلت ہوتی ہے اور پانی پھینکنا ان پر گراں ہوتا ہے اور اگر دودھ وغیرہ میں گر جائے تو بہت سے لوگوں میں اس کی استطاعت نہ ہوگی کہ اسے ضائع کر دیں۔

متعدی امراض سے بچاؤ کی تدابیر

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُوْرِدَنَّ مُمْرِضٌ عَلٰى مُصِحٍّ. (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیمار جانوروں والا اپنے بیمار جانوروں کو تندرست جانوروں والے کے پاس نہ لائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ. (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجذوم (جذام والے) سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

متعدی امراض کے مریضوں سے سابقہ پیش آنے پر اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِ رَجُلٍ مَجْذُوْمٍ فَأَدْخَلَهَا مَعَهُ فِی الْقَصْعَةِ وَقَالَ كُلْ بِاسْمِ اللّٰهِ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَتَوَكُّلاً عَلَيْهِ. (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجذوم شخص کا ہاتھ پکڑا اور اپنے (ہاتھ کے) ساتھ اس کو کھانے کے برتن میں داخل کیا اور فرمایا کھاؤ (اور خود یہ کلمات کہے) بِاسْمِ اللّٰهِ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَتَوَكُّلاً عَلَيْهِ (یعنی ہم اللہ کا نام لے کر اور اس پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے کھاتے ہیں)۔

خطرناک امراض سے بچاؤ کی مسنون دُعائیں

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَسَيِّیءِ الْأَسْقَامِ. (حصن حصین)

اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں برص سے اور دیوانگی سے اور جذام (کوڑھ) سے اور تمام بری (اور موذی) بیماریوں سے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ وَالْأَدْوَاءِ. (حصن حصین)

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برے اخلاق اور (برے) اعمال اور (بری) خواہشات اور (برے) امراض سے (تو مجھے ان سے محفوظ رکھ)۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْهَدْمِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ التَّرَدِّیْ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ

وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ يَتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِيْ سَبِيْلِکَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا. (حصن حصين)

اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں (کسی عمارت وغیرہ کے نیچے) دب کر مرنے سے اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں (کسی اونچی جگہ سے) گر کر مرنے سے اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ڈوب کر مرنے سے، جل کر مرنے سے اور حد سے زیادہ بڑھاپے سے اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان مرتے وقت میرے ہوش وحواس خبط کر دے اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ سانپ بچھو کے کاٹنے سے مروں۔

وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الصَّمَمِ وَالْبُکَمِ وَالْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَسَيِّءِ الْأَسْقَامِ وَضَلَعَ الدَّيْنِ. (حسن، حصين)

اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بہرہ پن سے، گونگے پن سے اور دیوانگی سے اور جذام (کوڑھ) سے اور بدترین (موذی) بیماری سے اور قرض کے غلبہ سے۔

علاج معالجہ

علاج کا مشورہ دینا

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْکٍؓ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ تِ الْأَعْرَابُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَتَدَاوٰى فَقَالَ نَعَمْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ تَدَاوُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ قَالُوْا مَاهُوَ قَالَ الْهَرَمُ. (احمد)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ چند بدو آئے اور کہا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم دوا کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اے اللہ کے بندو! دوا کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری پیدا نہیں کی مگر یہ کہ اس کے لیے شفاء بھی پیدا کی ہے سوائے ایک بیماری کے۔ انہوں نے پوچھا وہ کونسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑھاپا۔

طبیب کو مریض کے پاس بھیجنا

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ طَبِيْبًا فَقَطَعَ مِنْهُ عِرْقًا ثُمَّ كَوَاهُ عَلَيْهِ. (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک طبیب کو بھیجا جس نے ان کی ایک رگ کو کاٹا پھر اس کو داغ لگایا۔

ماہر طبیب کو اختیار کرنا

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ اَنَّ رَجُلاً فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُرِحَ فَاحْتَقَنَ الدَّمُ وَأَنَّ الرَّجُلَ

دَعَا رَجُلَيْنِ مِنْ بَنِىْ اَنْمَارٍ فَنَظَرَ اِلَيْهِ فَزَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمَا اَيُّكُمَا اَطَبُّ فَقَالَ اَوَفِى الطِّبِّ خَيْرٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَنْزَلَ الدَّوَاءَ الَّذِىْ اَنْزَلَ الدَّاءَ. (مؤطا مالک)

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک صاحب کو زخم لگا۔ ان صاحب نے بنی انمار کے دو آدمیوں کو بلوایا۔ دونوں نے آکر معائنہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم دونوں میں سے طب میں زیادہ ماہر کون ہے؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دینے کے بعد) ان صاحب نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا طب میں خیر و بھلائی (اور اثر) ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (کیوں نہیں) جس ذات نے بیماری پیدا کی ہے اسی نے اس کی دوا بھی پیدا کی ہے۔

جاہل طبیب نقصان کا ذمہ دار ہوگا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ الطِّبُّ قَبْلَ ذٰلِكَ فَهُوَ ضَامِنٌ. (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی کا علاج کیا حالانکہ اس کے بارے میں اس سے پیشتر طبیب ہونے کا علم نہ ہو تو (جو نقصان ہوگا اس کا) تاوان اس (علاج کرنے والے) کے ذمے ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا علاج کرانا

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كَاهِلِهٖ مِنْ اَجَلِ الَّذِىْ اَكَلَ مِنَ الشَّاةِ حَجَمَهُ اَبُوْهِنْدٍ بِالْقَرْنِ وَالشَّفْرَةِ. وَبَقِىَ بَعْدَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ سِنِيْنَ حَتّٰى كَانَ وَجَعُهُ الَّذِىْ تُوُفِّىَ فِيْهِ فَقَالَ مَازِلْتُ أَجِدُ مِنَ الْأُكْلَةِ الَّتِىْ أَكَلْتُ مِنَ الشَّاةِ يَوْمَ خَيْبَرَ حَتّٰى كَانَ هٰذَا أَوَانُ اِنْقِطَاعِ الْأَبْهَرِ مِنِّىْ فَتُوُفِّىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهِيْدًا. (عبدالرزاق)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن سے نیچے کمر کے بالائی حصے پر مسموم (زہریلی) بکری کا گوشت کھانے کی بناء پر پچھنے لگوائے۔ ابو ہند نے سینگ اور نیزے کے پھل کی نوک سے پچھنے لگائے۔ اس کے بعد آپ تین سال حیات رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خیبر کے موقع پر جو مسموم بکری کے گوشت کا ایک لقمہ کھایا تھا اس کی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا یہاں تک کہ اب تو ابہر رگ کے گویا پھٹنے کا وقت ہے۔ (یعنی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابہر رگ پھٹنے کو ہے اور (اس طرح سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہادت کی وفات نصیب ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک پر کپڑا باندھنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ بِعِصَابَةٍ. (ابو نعیم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پر (سر درد کی وجہ سے) کپڑا باندھا ہوا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مبارک ہاتھوں سے داغنا

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ رُمِيَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فِيْ أَكْحَلِهٖ فَحَسَمَهُ النَّبِيُّ بِيَدِهٖ بِمِشْقَصٍ ثُمَّ وَرَمَتْ فَحَسَمَهُ الثَّانِيَةَ. (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بازو میں اکحل رگ پر تیر لگا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے نیزے کے پھل سے داغ لگایا۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں جب دوبارہ ورم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ داغ لگایا۔

بیماری میں دوا تجویز کرنا

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَخِيْ اِسْتَطْلَقَ بَطْنُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْقِهٖ عَسَلاً فَسَقَاهُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ سَقَيْتُهٗ فَلَمْ يَزِدْهُ اِلَّا اِسْتِطْلَاقاً فَقَالَ لَهٗ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَاءَ الرَّابِعَةَ فَقَالَ أَسْقِهٖ عَسَلاً فَقَالَ لَقَدْ سَقَيْتُهٗ فَلَمْ يَزِدْهُ اِلَّا اِسْتِطْلَاقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيْكَ فَسَقَاهُ فَبَرَأَ. (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میرے بھائی کو اسہال لگے ہوئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو شہد پلاؤ، اس نے شہد پلایا اور پھر آ کر کہا کہ میں نے اس کو شہد پلایا لیکن اس کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ تین مرتبہ آپ نے فرمایا، شہد ہی پلاؤ۔ چوتھی مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تو اس نے کہا کہ میں نے اس کو شہد پلایا ہے لیکن اس کی تکلیف میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا قول سچا ہے اور تمہارے بھائی کے پیٹ نے خطا کی ہے۔ پھر جب شہد پلایا تو تکلیف دور ہوگئی۔

فائدہ: چونکہ لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں اور بیماری کے اسباب بھی متعدد ہوتے ہیں اور موسم و آب و ہوا سے بھی فرق پڑتا ہے۔ پھر یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ کس کو کتنی مقدار دی جائے اور کس طریقے سے دی جائے اس لیے حدیث میں موجود کسی علاج کو کسی ماہر طبیب کے مشورے سے اختیار کیا جائے۔

طبیب کا اپنا علاج کرنا

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ لَا يُصِيْبُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْحَةٌ وَلَا شَوْكَةٌ اِلَّا وَضَعَ عَلَيْهَا الْحِنَاءَ. (ترمذی و ابن ماجہ)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کسی چھری تلوار کا زخم لگتا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی کانٹا چبھتا تو آپؐ اس پر مہندی لگاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف بیماریوں کا علاج بتانا

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَدَاوٰى مِنْ ذَاتِ الْجُنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ. (ترمذی و نسائی)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ذات الجنب کی بیماری میں ہم قُسطِ بحری اور زیتون کا تیل بطور دوا استعمال کریں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ عُرَيْنَةَ وَعُكَلَ عَلَى النَّبِيِّ فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَشَكَوْا ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ خَرَجْتُمْ اِلٰى اِبِلِ الصَّدَقَةِ فَشَرِبْتُمْ مِنْ اَبْوَالِهَا وَاَلْبَانِهَا فَفَعَلُوْا فَلَمَّا صَحُّوْا ...... (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عرینہ اور عکل (قبیلوں) کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ ان کو مدینہ منورہ کی آب وہوا راس نہ آئی۔ انہوں نے اس کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کے اونٹوں میں جاؤ اور ان کے پیشاب (بدن پر ملو اور ان کا) دودھ پیو تو فائدہ ہوگا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا (اور صحیح وتندرست ہوگئے)۔

حلال دواؤں کی موجودگی میں حرام ادویہ سے اجتناب

عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِالْمُحَرَّمِ. (ابو داؤد)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' بلاشبہ اللہ نے بیماری اور (اس کی) دوا (دونوں ہی) پیدا کیں اور ہر بیماری کے لیے دوا بنائی' سنو اے لوگو! تم دوا کرو۔ البتہ حرام چیز کو دوا نہ بناؤ۔

عَنْ طَارِقِ بْنِ سُوَيْدِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ بِاَرْضِنَا اَعْنَابًا نَعْتَصِرُهَا فَنَشْرَبُ مِنْهَا؟ قَالَ لَا فَرَاجَعْتُهُ قُلْتُ اِنَّا نَسْتَشْفِىْ لِلْمَرِيْضِ قَالَ اِنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ بِشِفَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ. (مسلم)

حضرت طارق بن سوید حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے علاقے میں انگور ہوتے ہیں کیا ہم ان کا رس نکال کر (اور اس کی شراب بنا کر) اس کو پی سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے دوبارہ آپ سے یہ سوال کیا کہ ہم یہ مریض کو بطور دوا کے پلا دیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ (یعنی شراب) شفا نہیں ہے بلکہ یہ خود بیماری ہے۔

بچوں کیلئے طریقہ علاج آسان ہو

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُعَذِّبُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْزِ مِنَ الْعُذْرَةِ وَعَلَيْكُمْ بِالْقُسْطِ. (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلق کی تکلیف میں اپنے بچوں کے حلق دبا کران کو تکلیف مت دو بلکہ قسط کے استعمال کو لازم پکڑو۔

عَنْ اُمِّ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَاتَدْغَرْنَ اَوْلَادَكُنَّ بِهٰذَا الْعُلَاقِ عَلَيْكُنَّ بِهٰذَا الْعُوْدِ الْهِنْدِيِّ فَاِنَّ فِيْهِ سَبْعَةَ اَشْفِيَةٍ مِنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ. (بخاری)

حضرت اُم قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عورتوں سے) ارشاد فرمایا تم اپنے بچوں کے حلق کو انگلی سے کیوں دباتی ہو (یہ تو تکلیف دہ طریقہ ہے) عود ہندی کے استعمال کو لازم پکڑو کیونکہ اس میں سات (بیماریوں سے) شفاء ہے۔ ان میں سے ایک ذات الجنب ہے۔

مضر اشیاء سے پرہیز

عَنْ اُمِّ الْمُنْذِرِ بِنْتِ قَيْسِ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ (وَعَلِيٌّ نَاقِهٌ مِنْ مَرَضٍ) وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاكُلُ مِنْهَا وَقَامَ عَلِيٌّ يَاكُلُ مِنْهَا فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِعَلِيٍّ مَهْ فَاِنَّكَ نَاقِهٌ حَتّٰى كَفَّ قَالَتْ وَصَنَعْتُ شَعِيْرًا وَسَلَقًا فَجِئْتُ بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ لِعَلِيٍّ مِنْ هٰذَا أَصِبْ فَاِنَّهٗ اَنْفَعُ لَكَ. (ابن ماجه)

حضرت اُم منذر بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ ہمارے ہاں کھجوروں کے کچھ خوشے لٹکے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کھجوریں کھانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ! یہ نہ کھاؤ کیونکہ تمہارے اندر ابھی مرض کی نقاہت باقی ہے (اور یہ کھجوریں ابھی تمہارے لیے ثقیل رہیں گی) اُم منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے جو اور چقندر پکائے اور وہ پیش کیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ! یہ کھاؤ یہ تمہارے لیے مفید ہیں۔

غیر مضر قلیل مقدار کی اجازت

عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ خُبْزٌ وَتَمْرٌ فَقَالَ اُدْنُ وَكُلْ فَأَخَذْتُ تَمْرًا فَأَكَلْتُ فَقَالَ اَتَاكُلُ تَمْرًا وَبِكَ رَمَدٌ؟ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمْضَعُ مِنَ النَّاحِيَةِ الْاُخْرٰى فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. (ابن ماجه)

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

روٹی اور چھوہارے رکھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آ جاؤ اور کھاؤ۔ میں نے ایک چھوہارا اُٹھایا اور کھالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم چھوہارے کھا رہے ہو حالانکہ تمہاری (ایک) آنکھ دُکھ رہی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دوسری جانب سے کھا رہا ہوں' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ اَرْمَدُ وَبَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ تَمَرٌ يَاكُلُهُ فَقَالَ يَاعَلِيُّ تَشْتَهِيْهِ؟ وَرَمٰى اِلَيْهِ بِتَمْرَةٍ ثُمَّ بِاُخْرٰى حَتّٰى رَمٰى اِلَيْهِ سَبْعًا ثُمَّ قَالَ حَسْبُكَ يَاعَلِيُّ. (ابونعیم)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ آشوب چشم کی تکلیف کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ چھوہارے رکھے ہوئے تھے جو آپؐ تناول فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے علیؓ! کیا اس کی خواہش ہے؟ اور ان کی طرف ایک چھوہارا پھینکا۔ پھر ایک اور پھینکا یہاں تک سات چھوہارے ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے علیؓ! بس تمہارے لیے اتنے کافی ہیں۔

مریض کو نرم غذا

عَنْ عَائِشَةَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قِيْلَ لَهٗ اِنَّ فُلَانًا وَجِعٌ لَا يَطْعَمُ الطَّعَامَ قَالَ عَلَيْكُمْ بِالتَّلْبِيْنَةِ فَحَسُّوْهُ اِيَّاهُ وَيَقُوْلُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهَا تَغْسِلُ بَطْنَ اَحَدِكُمْ كَمَا تَغْسِلُ اِحْدَاكُنَّ وَجْهَهَا مِنَ الْوَسْخِ. (ترمذی' احمد' نسائی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جاتا کہ فلاں کو تکلیف ہے اور وہ کھانا نہیں کھا رہا تو آپ فرماتے کہ تلبینہ (یعنی دودھ اور شہد سے بنے ہوئے حریرہ) کا استعمال کرو اور گھونٹ گھونٹ پلاؤ۔ نیز فرماتے تھے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تلبینہ پیٹ کو ایسے صاف کرتا ہے جیسے تم میں سے ایک عورت اپنے چہرے سے میل کو دھوتی ہے۔

مریض کی خواہش کو پورا کرنا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَادَ رَجُلًا فَقَالَ لَهٗ مَاتَشْتَهِيْ فَقَالَ اَشْتَهِيْ خُبْزَ بُرٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ خُبْزُ بُرٍّ فَلْيَبْعَثْ اِلٰى اَخِيْهِ ثُمَّ قَالَ اِذَا اشْتَهٰى مَرِيْضُ اَحَدِكُمْ شَيْئًا فَلْيُطْعِمْهُ. (ابن ماجه)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کی عیادت کو گئے اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز کی خواہش ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے گندم کی روٹی کی خواہش ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جس کے ہاں گندم کی روٹی ہو وہ اپنے بھائی کو بھیج دے۔ پھر ارشاد فرمایا جب تمہارا کوئی مریض کسی شے کی خواہش کرے (اور وہ شے اس کیلئے مضر نہ ہو) تو وہ شے اس کو کھلا دو۔

بیمار کی عیادت

اہمیت وفضیلت

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خَرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ. (مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو واپس لوٹنے تک وہ جنت کے باغیچے (یعنی جنت میں لے جانے والے عمل) میں ہوتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا اِبْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهُ لَوَجَدْتَّنِيْ عِنْدَهُ. (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے اے ابن آدم! میں بیمار ہوا لیکن تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ کہے گا اے میرے رب! میں آپ کی عیادت کیونکر کرتا آپ تو رب العالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تجھے علم نہیں ہوا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ عَادَنِيَ النَّبِيُّ مِنْ وَجْعٍ وَكَانَ بِعَيْنِيْ. (ترمذی)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھوں میں تکلیف کی وجہ سے میری عیادت کی۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَعَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِبًا بُوْعِدَ مِنْ جَهَنَّمَ مَسِيْرَةَ سِتِّيْنَ خَرِيْفًا. (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اچھی طرح وضو کیا اور ثواب کی نیت سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو وہ ساٹھ سال کی مسافت جہنم سے دور کر دیا جاتا ہے۔

عیادت کے آداب

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيْفُ الْجُلُوْسِ وَقِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيْضِ. (رزین)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مریض کی عیادت کا سنت طریقہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر بیٹھو اور شور نہ کرو۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِيَادَةُ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَفْضَلُ الْعِيَادَةِ سُرْعَةُ الْقِيَامِ. (بیهقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عیادت تو بس اتنی دیر کی ہے

جتنی دیر کہ اونٹنی کا دودھ دوہنے کے درمیان مختصر سا وقفہ کیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ افضل عیادت اس میں ہے کہ عیادت کرنے والا جلدی اُٹھ جائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ کَانَ اِذَا دَخَلَ عَلٰی مَرِیْضٍ یَعُوْدُہٗ قَالَ لَا بَاْسَ طَھُوْرٌ اِنْشَاءَ اللّٰہُ. (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ اس (مرض) کو مشقت خیال نہ کرو بلکہ ان شاء اللہ یہ گناہوں کو دور کرنے والا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمٍ یَعُوْدُ مُسْلِمًا فَیَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَشْفِیَکَ وَیُعَافِیَکَ اِلَّا عَافَاہُ اللّٰہُ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ قَدْ حَضَرَ أَجَلُہٗ. (ترمذی و ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاد فرمایا جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت کو جاتا ہے اور سات مرتبہ یہ کہتا ہے ''اَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَشْفِیَکَ وَیُعَافِیَکَ'' تو اس کو شفاء ہوتی ہے الا یہ کہ مریض کی موت ہی کا وقت ہو چکا ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ الرَّجُلُ یَعُوْدُ مَرِیْضًا فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَکَ یَنْکَأُلَکَ عَدُوًّا أَوْ یَمْشِیْ لَکَ اِلٰی جَنَازَۃٍ. (ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص کسی مریض کی عیادت کو جائے تو یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَکَ یَنْکَأُلَکَ عَدُوًّا أَوْ یَمْشِیْ لَکَ اِلٰی جَنَازَۃٍ.

اے اللہ! اپنے بندے کو شفاء عطا فرما تا کہ یہ تیرے دشمن کو زخم لگائے اور تیری رضا کے لیے جنازہ کے ساتھ چلے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَہٗ فِیْ أَجَلِہٖ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَیَطِیْبُ بِنَفْسِہٖ. (ترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم مریض کے پاس (عیادت کیلئے) جاؤ تو اس کی موت کے بارے میں اس کے غم کو دور کرو، تمہاری یہ بات تقدیر کو تو نہیں پھیر سکتی لیکن مریض کو اس سے راحت ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَادَ مَرِیْضًا فَقَالَ اَبْشِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ نَارِیْ أُسَلِّطُھَا عَلٰی عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ فِی الدُّنْیَا لِتَکُوْنَ حَظَّہٗ مِنَ النَّارِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. (احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض کی عیادت کی اور فرمایا کہ خوشخبری ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میری آگ ہے جو میں اپنے مؤمن بندے پر دنیا میں مسلط کرتا ہوں تا کہ یہ قیامت کے دن کی آگ کے بدلے میں ہو جائے۔

مریض کیلئے دُعا

دوا کیساتھ اور بغیر دوا کے بھی مریض کیلئے اللہ تعالیٰ سے دُعا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكَى مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهُ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ لَا يُغَادِرُ سَقْمًا. (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جسم پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے اور یہ دُعا کرتے "أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ لَا يُغَادِرُ سَقْمًا" (اے لوگوں کے رب تکلیف کو دور کر دے اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے' تیری شفاء کے علاوہ کوئی شفا نہیں اور وہ کچھ بیماری نہیں چھوڑتی)۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ اِذَا اشْتَكَى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكَى وَجْعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ كَانَ يَنْفُثُ وَأَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ ﷺ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم معوذات پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے ہاتھوں کو اپنے جسم (مبارک) پر پھیر لیتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب آپ مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو میں نے وہی معوذات پڑھ کر آپ کے ہاتھ مبارک پر دم کیا اور آپ کے ہاتھ آپ کے جسم (مبارک) پر پھیرے۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِؓ اَنَّهٗ شَكٰى اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَجْعًا يَجِدُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِيْ يَاْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلَاثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِيْ. (مسلم)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جسم میں درد کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا ہاتھ اپنے جسم کے تکلیف دہ حصے پر رکھو اور تین مرتبہ بسم اللہ کہو اور سات مرتبہ: "أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ" کہو۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسے ہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے میری تکلیف دور فرما دی۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ جِبْرِئِيْلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِشْتَكَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَّعَيْنٍ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ. (مسلم و ترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا کہ اے محمدؐ! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ دُعا پڑھ کر دم کیا۔

"بِسۡمِ اللّٰهِ اُرۡقِیۡکَ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ یُؤۡذِیۡکَ مِنۡ شَرِّ کُلِّ نَفۡسٍ وَّعَیۡنِ حَاسِدٍ اللّٰهُ یَشۡفِیۡکَ بِسۡمِ اللّٰهِ اُرۡقِیۡکَ"

(اللہ کے نام سے میں آپ کو دم کرتا ہوں ہر ایسی چیز سے جو آپ کو ایذاء پہنچائے ہر جی کے شر سے اور حاسد نگاہ سے اللہ آپ کو شفا عطا فرمائیں' میں اللہ کے نام کے سے آپ کو دم کرتا ہوں۔)

بیماری میں ابتلاء کی حکمت

ا۔ گناہوں سے مغفرت

عَنۡ اَبِیۡ سَعِیۡدٍ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ مَایُصِیۡبُ الۡمُسۡلِمَ مِنۡ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَاهَمٍّ وَّلَا حَزَنٍ وَّلَا غَمٍّ حَتَّی الشَّوۡکَةَ یُشَاکُهَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ خَطَایَاهُ. (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' مسلمان کو جو بھی زخم و تکلیف اور فکر وحزن وغم پہنچے یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی اس کو چبھے تو اس کے بدلے میں اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں۔

عَنۡ جَابِرٍؓ قَالَ دَخَلَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُمِّ السَّائِبِ فَقَالَ مَالَکِ تُزَفۡزِفِیۡنَ قَالَتۡ اَلۡحُمّٰی لَابَارَکَ اللّٰهُ فِیۡهَا فَقَالَ لَا تَسُبِّی الۡحُمّٰی فَاِنَّهَا تُذۡهِبُ خَطَایَا بَنِیۡ آدَمَ کَمَا یُذۡهِبُ الۡکِیۡرُ خَبَثَ الۡحَدِیۡدِ. (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُم سائب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو ان کی حالت دیکھ کر ان سے پوچھا تم کپکپا کیوں رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا بخار (کی وجہ سے) اللہ اس میں برکت نہ رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخار کو برا نہ کہو کیونکہ (یہ تو تمہارے لیے خیر کا ذریعہ ہے۔ وہ اس طرح سے کہ یہ) اولاد آدم کے گناہ اسی طرح دور کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کی میل کو دور کرتی ہے۔

عَنۡ اَبِیۡ مُوۡسٰی اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ قَالَ لَا یُصِیۡبُ عَبۡدًا نَکۡبَةٌ فَمَا فَوۡقَهَا اَوۡدُوۡنَهَا اِلَّا بِذَنۡبٍ وَّمَا یَعۡفُو اللّٰهُ تَعَالٰی اَکۡثَرُ وَقَرَأَ وَمَا أَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡ عَنۡ کَثِیۡرٍ. (ترمذی)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بندے کو جو بھی چھوٹی بڑی تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے گناہ کے سبب سے پہنچتی ہے اور جن گناہوں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتے ہیں وہ زیادہ ہوتے ہیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی: "وَمَا أَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ" (اور تم پر جو کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ تو تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب سے آتی ہے اور اللہ تو بہت سے گناہوں کو معاف ہی کر دیتا ہے۔)

۲۔ رفع درجات کا سبب

عَنۡ مُحَمَّدِ بۡنِ خَالِدِ السُّلَمِیِّ عَنۡ اَبِیۡهِ عَنۡ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الۡعَبۡدَ اِذَا سَبَقَتۡ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنۡزِلَةٌ لَمۡ یَبۡلُغۡهَا بِعَمَلِهٖ اِبۡتَلَاهُ اللّٰهُ فِیۡ جَسَدِهٖ اَوۡ فِیۡ مَالِهٖ اَوۡ فِیۡ وَلَدِهٖ ثُمَّ

صَبَّرَهُ عَلٰى ذٰلِکَ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللّٰهِ. (ابوداؤد)

محمد بن خالد سلمی کے دادا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بلند مرتبہ لکھا جاتا ہے لیکن اس کے عمل اتنے نہیں ہوتے کہ اس تک پہنچ سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسم یا اس کے مال یا اس کی اولاد میں آزمائش میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ پھر اس کو اس آزمائش میں صبر عطا فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ کی جانب سے لکھے ہوئے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔

۳۔ اصلاح احوال واعمال کا سبب

عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِّمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاَنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهُ اَهْلُهُ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِلِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ. (ابوداؤد)

حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ مؤمن جب بیمار ہوتا ہے پھر اللہ عز وجل اس کو صحت عطا فرماتے ہیں تو یہ بیماری اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ اور آئندہ کے لیے نصیحت بنتی ہے۔ اس کے برعکس منافق جب بیمار ہوتا ہے او پھر تندرست ہوتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہوتی ہے کہ اس کو اس کے مالک نے باندھ دیا ہو پھر کھول دیا ہو اور اونٹ کو کچھ سمجھ نہیں ہوتی کہ اس کو کیوں باندھا تھا اور کیوں کھول دیا۔

تنبیہ: ا۔ اصل فائدہ رضا بالقضا میں ہے۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ وَالصُّنَابِحِيِّ اَنَّهُمَا دَخَلَا عَلٰى رَجُلٍ مَرِيْضٍ يَعُوْدَانِهٖ فَقَالَا كَيْفَ اَصْبَحْتَ قَالَ اَصْبَحْتُ بِنِعَمِهٖ قَالَ شَدَّادٌ اَبْشِرْ بِكَفَّارَاتِ السَّيِّاٰتِ وَحَطِّ الْخَطَايَا فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ اِذَا اَنَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنًا فَحَمِدَنِيْ عَلٰى مَاابْتَلَيْتُهُ فَاِنَّهُ يَقُوْمُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِکَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ مِنَ الْخَطَايَا وَيَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى اَنَا قَيَّدْتُ عَبْدِيْ وَابْتَلَيْتُهُ فَاَجْرُوْا لَهُ مَاكُنْتُمْ تُجْرُوْنَ لَهُ وَهُوَ صَحِيْحٌ. (احمد)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت صنابحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بیمار شخص کی عیادت کے لیے اس کے پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ صبح کس حال میں کی؟ اس نے جواب دیا کہ بڑی نعمت یعنی اللہ کی قضاء پر رضا وتسلیم کے ساتھ کی۔ اس پر حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تمہیں گناہوں کے کفاروں کی اور خطاؤں کے مٹنے کی خوشخبری ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ عز وجل فرماتے ہیں کہ میں جب اپنے بندوں میں سے کسی مؤمن بندے کو دکھ و تکلیف میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ اس ابتلاء پر میری تعریف کرتا ہے تو وہ اپنے بستر علالت سے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک وصاف اُٹھے گا جس دن کہ اس کی ماں نے اس کو جنا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندے کو بیماری میں مبتلا کیا اور اس کی آزمائش کی تو (اے فرشتو!) تم اس کے لیے وہی اجر لکھو جو اس کے لیے صحت کی حالت میں لکھتے تھے۔

۲۔ بیماری پر اجر تکلیف کے بقدر رہوتا ہے

عَنْ سَعْدٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَیُّ النَّاسِ أَشَدُّ بلاءً قَالَ الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی حَسْبِ دِیْنِهٖ فَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِهٖ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ وَاِنْ کَانَتْ فِیْ دِیْنِهٖ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَیْهِ فَمَا زَالَ کَذٰلِکَ حَتّٰی یَمْشِیْ عَلٰی أَرْضٍ مَالَهٗ ذَنْبٌ. (ترمذی)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے سب سے سخت مصیبت و تکلیف کس کو پیش آتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' انبیاء کرام علیہم السلام کو' پھر جوان کے مشابہ ہیں اور اس کے بعد جوان کے مشابہ ہیں۔ آدمی کی آزمائش اس کی دینداری کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر وہ دین میں پختہ ہے تو اس کی آزمائش و تکلیف بھی سخت ہوگی اور اگر وہ دین میں کمزور ہے تو اس کی تکلیف و آزمائش ہلکی ہوگی۔ (آزمائش کا) یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس (مؤمن) پر کچھ گناہ باقی نہیں رہتا۔

عَنْ عبداللّٰه بْنِ مسعودٍؓ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ وَهُوَ یُوْعَکُ فَمَسَسْتُ بِیَدِیْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّکَ لَتُوْعَکُ وَعْکًا شَدِیْدًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَجَلْ اِنِّیْ اُوْعَکُ کَمَا یُوْعَکُ رَجُلَانِ مِنْکُمْ قَالَ فَقُلْتُ ذٰلِکَ لِأَنَّ لَکَ اَجْرَیْنِ فَقَالَ أَجَلْ. (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار تھا۔ میں نے آپ کو ہاتھ سے چھوا اور کہا اے اللہ کے رسولؐ! آپ کو تو سخت بخار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں مجھے بخار کی حرارت اتنی شدید ہوتی ہے جتنی کہ تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ (کیا) ایسا اس لیے ہے کہ آپ کو دگنا اجر ملے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔

دُعاؤں اور دواؤں سے علاج

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسموں کا علاج فرمانا تین قسم کا تھا۔ ایک طبی دواؤں سے جنہیں اجزائے جماداتی وحیوانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسرا روحانی اور الٰہی دعاؤں سے جو کچھ ادعیہ اذکار اور آیات قرآنیہ ہیں اور تیسرا ادویہ کا مرکب ہے جو ان دونوں قسموں سے مرکب ہے یعنی دواؤں سے بھی اور دُعاؤں سے بھی۔

دعاؤں سے علاج

قرآن شریف سے بڑھ کر کوئی شے اعم وانفع اور اعظم شفاء نازل نہیں ہوئی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ" (اور ہم نے قرآن سے وہ نازل فرمایا جو مسلمانوں کے لیے شفاء و رحمت ہے) اب رہا امراض جسمانیہ کے لیے قرآن کریم کا شفا ہونا تو یہ اسی وجہ سے ہے کہ اس کی تلاوت کے ذریعے برکت و یمن حاصل کرنا بہت سے امراض و علل میں نافع اور ان کا دافع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو

شفائے قرآن پڑھ کر بھی شفاء نہ ہوا سے حق تعالیٰ کبھی شفا نہ دے گا۔ حدیث میں ہے کہ فاتحۃ الکتاب (سورۃ فاتحہ) ہر مرض کی دوا ہے۔ زہریلے جانور کے کاٹے کا افسوس اور مجنون ومعتوا کا فاتحۃ الکتاب سے علاج حدیثوں میں ثابت شدہ ومسلمہ ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے جو ابن ماجہ میں مرفوعاً مروی ہے کہ "خیر الدواء القرآن" (بہترین علاج قرآن ہے) معوذتین وغیرہ سے جو کہ اسمائے الٰہی سے ہیں ان سے طلب شفاء تو یہ بھی از قسم طب روحانی ہے۔ اگر وہ نیکوں متقیوں اور پرہیز گاروں کی زبان پر پوری ہمت وتوجہ کے ساتھ جاری ہوں لیکن چونکہ اس قسم کا وجود شاذ ونادر ہے اس لیے لوگ طب جسمانی کی طرف دوڑتے ہیں اور اس سے غافل وبے پرواہ رہتے ہیں۔ معوذات سے مراد وہ ہے جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "قل اعوذ بربّ الفلق اور قل اعوذ بربّ النّاس" پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے اور بعض "قل ھو اللّٰہ احد اور قل یایّھا الکفرون" بھی مراد لیتے ہیں۔ علمائے کرام نے تین شرطوں کے جمع ہونے کے وقت دعائے شفا کے جائز ہونے پر اجماع کیا ہے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ دعا کلام اللہ اور اس کے اسماء وصفات کے ساتھ ہو خواہ عربی زبان میں ہو یا کسی اور زبان میں مگر یہ کہ ان کے معنی جانے جاتے ہوں اور اس اعتقاد کے ساتھ ہو کہ مؤثر حقیقی حق تبارک وتعالیٰ ہی ہیں اور اس دُعا کی تاثیر اس کی مشیت وتقدیر پر موقوف ہے۔ تعویذ کی سند بھی احادیث سے ملتی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بچوں کو جو عقل رکھتے ان کو سکھاتے اور وہ بچے جو عقل وسمجھ نہیں رکھتے انہیں کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر گردن میں لٹکاتے۔ علماء اسے جائز رکھتے ہیں....(مدارج النبوۃ)

نظر بد کیلئے جھاڑ پھونک

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا یا کسی کو حکم دیا کہ ہم نظر (کے مرض) میں جھاڑ پھونک کروالیا کریں....(زادالمعاد)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ابن جعفر کو نظر لگ جاتی ہے کیا میں ان کے لیے جھاڑ پھونک کروالوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اگر کوئی چیز قضا پر سبقت کر جاتی تو وہ نظر ہو سکتی تھی (یہ حدیث حسن صحیح ہے) (زادالمعاد)

فرمایا: کہ اپنے مریضوں کا علاج صدقہ کے ذریعے سے کرو۔ (الترغیب والترہیب)

اور جب عائن (نظر لگانے والے) کو اپنی نظر لگ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے یہ دُعا پڑھ کر اس شر کو دور کرنا چاہیے....دُعا یہ ہے: "اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلَیْہِ" یعنی اے اللہ! اس پر برکت فرما.... جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: جب سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں نظر لگائی....کیا تم نے دُعائے برکت نہیں کی؟ یعنی "اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلَیْہِ" نہیں پڑھا....نیز "مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ" سے بھی نظر دور ہو جاتی ہے....(زادالمعاد)

بدنظری کا نبوی علاج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا علاج معوذتین سے فرماتے یعنی ان آیات وکلمات سے جن میں شرور سے استعاذہ ہے جیسے معوذتین.... سورۃ فاتحہ آیۃ الکرسی وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ سب سے اہم و اعظم دُعا شفاء سورہ فاتحہ آیۃ الکرسی اور معوذتین کا پڑھنا ہے اور نظر بد کے دفعیہ کیلئے یہ کہنا چاہیے: "**مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ**" اور اگر دیکھنے والا اس سے خوف زدہ ہے کہ اپنی ہی نظر کا ضرر اسے نہ پہنچے تو وہ یہ کہے: "**اَللّٰهُمَّ بارک علیه**" یہ نظر بد کو دور کردے گا۔ حضور اکرم تمام امراض جسمانی کے لیے رقیہ اور دُعا کرتے تھے مثلاً بخار تپ، ولرزہ۔ مرگی، صداع، خوف و وحشت، بے خوابی، سموم، ہموم، الم، مصائب، غم و اندوہ، شدت وسختی، بدن میں درد تکلیف، فقر وفاقہ، قرض، جلنا، درد دندان، حبس بول، اختلاج، نکسیر وضع حمل کی تکلیف وغیرہ ان سب کی دُعائیں اور تعویذ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں وہاں تلاش کرنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دُعا نظر اور تمام بلاؤں اور مرضوں اور آفتوں کے لیے یہ تھی: "**اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا**" (مدارج النبوۃ) ترجمہ: "اے لوگوں کے رب تکلیف کو دور فرما اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں ہے ایسی شفا دے جو ذرا (بھی) مرض نہ چھوڑے"۔

لاحول ولا قوۃ کا عمل

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے غم وافکار گھیر لیں اسے چاہیے کہ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** بکثرت پڑھا کرے۔ علماء عظام فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کے عمل سے بڑھ کر کوئی چیز مددگار نہیں ہے (مدارج النبوۃ)

آیت الکرسی

حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی مصیبت وسختی میں آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی فریادرسی کرے گا.... (مدارج النبوۃ)

جامع دُعا

حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلا شبہ اور یقیناً میں اس کلمہ کو جانتا ہوں کہ نہیں کہتا اسے ہر مصیبت زدہ مگر یہ کہ اس کلمہ کی بدولت حق تعالیٰ سبحانہ اس سے اس کو نجات عطا فرما دیتا ہے وہ کلمہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا ہے کہ انہوں نے تاریکیوں میں ندا کی تھی.... "**لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ط**" ترجمہ: (اے اللہ! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے.... آپ کی ذات پاک ہے.... بے شک میں خطا کار ہوں....) (مدارج النبوۃ)

اور اس حدیث کو ترمذی نے بھی ذکر کیا ہے....

دُعائے فقر

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا نے مجھ سے پیٹھ پھیر لی ہے اور مجھ کو دنیا نے چھوڑ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تجھ سے صلوٰۃ ملائکہ (یعنی فرشتوں کی دُعا) اور وہ تسبیح خلائق جس کی بدولت انہیں رزق دیا جاتا ہے کہاں گئی؟ پھر فرمایا: طلوع فجر کے وقت اس دُعا کو سو مرتبہ پڑھو: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ط'' تو دنیا تیرے پاس پست و ذلیل ہو کر آئے گی۔ پھر وہ شخص چلا گیا اور عرصہ تک نہیں آیا۔ پھر وہ آیا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس دنیا اتنی وافر آئی کہ میں نہیں جانتا اسے کہاں رکھوں؟ یہ نماز فجر کی سنت اور فرض کے درمیان بزرگوں نے پڑھی ہے اور اس کے ساتھ ایک تسبیح ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ط'' کی بھی پڑھیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمام گناہوں کی مغفرت کا موجب ہوگا اور یہ وسعت رزق کا سبب بھی ہے اس لیے کہ استغفار اس کا باعث ہے اور گناہوں کی وجہ ہی سے رزق میں تنگی اور ہر طرح کے غم اور پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ (مدارج النبوۃ)

دردسر کی دُعا

حمیدی بروایت یونس بن یعقوب بن عبداللہ سے دردسر کی دُعا نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دردسر میں اپنے اس ارشاد سے تعوذ فرماتے تھے: ''بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَّمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ'' ترجمہ: ''خدا کے نام کے ساتھ جو بڑا ہے اور میں پناہ چاہتا ہوں اللہ بزرگ کی ہر رگ اچھلنے والی سے اور آگ کی گرمی کے نقصان سے''۔

ہر درد و بلا کی دُعا

حضرت ابان بن عثمان اپنے والد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کوئی تین مرتبہ شام کے وقت ''بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'' ترجمہ: ''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ جس کے نام کے ساتھ نقصان نہیں پہنچا سکتی کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں اور وہ سنتا اور جانتا ہے'' پڑھے تو صبح تک کوئی ناگہانی بلا و مصیبت نہ پہنچے گی اور جو شخص اسے صبح کے وقت پڑھے تو شام تک اسے کوئی ناگہانی بلا و مصیبت نہ پہنچے گی.... (مدارج النبوۃ)

دُعائے طعام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کھانا سامنے آنے کے بعد پڑھے:

''بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَاءِ فِي الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ دَاءٌ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْهِ رَحْمَةً وَّشِفَاءً''

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ جو سب ناموں سے بہتر ہے۔ زمین اور آسمان میں نہیں نقصان دیتی ہے اس کے نام کے ساتھ کوئی بیماری اے اللہ کردے اس میں شفاء اور رحمت'' اس کو کوئی چیز ضرر نہ پہنچائے گی....(مدارج النبوۃ)

دانت کے درد کی دُعا

بیہقی عبداللہ بن رواحہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درد دانت کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے اس رُخسار پر جس میں درد تھا رکھ کر سات مرتبہ پڑھا:

''اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْهُ مَایَجِدُ وَفُحْشَهُ بِدَعْوَةِ نَبِیِّکَ الْمُسْکِیْنِ الْمُبَارَکِ عِنْدَکَ ط''

''اے اللہ! جو تکلیف یہ شخص محسوس کررہا ہے اس کو اور اس کی سختی کو دور فرما دیجئے....اپنے نبی مسکین کی دُعا سے جو آپ کے نزدیک بابرکت ہے....'' دست مبارک اُٹھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے درد کو رفع فرما دیا....(مدارج النبوۃ)

دواؤں سے علاج

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طبی دواؤں کے ذریعہ بھی اکثر مرضوں میں علاج کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طب وحی کے ذریعے حاصل ہوتی تھی۔ اگرچہ بعض مواقع میں قیاس واجتہاد اور تجربہ بھی ہوگا۔ یہ کوئی بعید نہیں لیکن ادویہ روحانیہ پر انحصار کرنا اس بناء پر تھا کہ وہ اتم واعلیٰ اور اخص واکمل ہیں۔

امراض وعلاج

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا اور اپنے اہل وعیال اور صحابہ کرام کا معالجہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تر ادویہ مفردات پر مشتمل تھیں۔

پیٹ میں کھانے کا اندازہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ آدمی نے پیٹ سے زیادہ برتن کبھی پُر نہیں کیا۔ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی کمر سیدھی رہے۔ اگر ضروری (زیادہ) کھانا ہو تو پھر تہائی حصہ کھانا کھانا چاہیے اور تہائی حصہ پانی کے لیے وقف ہے اور تیسرا حصہ سانس کے لیے....(مسند....زادالمعاد)

مریض کی غذا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اللہ عزوجل انہیں کھلاتا اور پلاتا ہے (جامع ترمذی)

حرام چیز میں شفا نہیں ہے

اور سنن میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوا میں شراب ڈالنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: یہ مرض ہے علاج نہیں (یہ روایت) ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کی ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے شراب سے علاج کیا اسے اللہ شفا نہ دے....(زادالمعاد)

مرض میں دودھ کا استعمال

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ دودھ کا ثرید (دودھ میں روٹی بھیگی ہوئی یا اور کوئی غذا) مریض کے قلب کو قوت دیتا ہے اور غم دور کرتا ہے۔ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جاتا کہ فلاں کو درد ہے اور وہ کھانا نہیں کھاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ''تلبینہ'' (دودھ آمیز غذا) بنا کر اسے پلانا چاہیے اور فرماتے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ تمہارے پیٹ کو اس طرح دھو دیتا ہے کہ جیسے تم اپنے چہروں کو میل سے صاف کردو....(زادالمعاد)

شہد کی تاثیر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر مہینہ میں تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لے پھر وہ کسی بڑی مصیبت وبلا میں مبتلا نہیں ہوتا....(ابن ماجہ...بیہقی...مشکوٰۃ)

قرآن وشہد میں شفا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو شفاء دینے والی چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرلو (یعنی ان کا استعمال ضرور کیا کرو) ایک تو شہد دوسرے قرآن (یعنی آیات قرآنی) (ابن ماجہ...بیہقی...مشکوٰۃ)

مرض لگنا اور فال بد

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہامہ بیماری لگنا اور شگون بد کوئی چیز نہیں ہے....(ابوداؤد....مشکوٰۃ)

کلونجی کی تاثیر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ کلونجی سے ہر بیماری سے شفا ہے مگر موت سے نہیں....(بخاری ومسلم...مشکوٰۃ)

منتروں کا استعمال

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک منتروں میں شرک نہ ہو....کوئی حرج نہیں....(مسلم)

روغن زیتون

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الجنب کی بیماری میں روغن زیتون اور ورس (ایک بوٹی) کی تعریف کی ہے....(ترمذی....مشکوٰۃ)

دوا میں حرام چیز کی ممانعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم دوا سے بیماری کا علاج کرو لیکن حرام چیز سے علاج نہ کرو....(ابوداؤد....مشکوٰۃ)

ضعف قلب کا علاج

سنن ابن داؤد میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہیں حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت پہنچی ہے۔ فرمایا: کہ میں بیمار ہو گیا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے دل کا مرض ہے مدینہ کی سات عجوہ کھجوریں ان کی گٹھلیاں نکال کر استعمال کرو۔ (اس مرض میں کھجور ایک عجیب خاصیت رکھتی ہے۔ خصوصاً مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجور.... یہ وحی سے متعلق ہے)....(زادالمعاد)

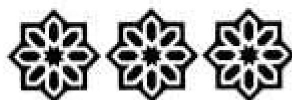
صحیحین میں حضرت عامر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں اپنے والد سے روایت پہنچی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو صبح کو ان میں سے سات کھجوریں کھالے اس روز کوئی زہر یا جادو نقصان نہ دے گا....(زادالمعاد)

مرگی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات آفت زدہ کے کان میں یہ آیت پڑھا کرتے تھے: "اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ط" اور آیت الکرسی سے بھی اس کا علاج کیا جاتا ہے اور آفت زدہ کو بھی اس کا ورد رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے اور معوذتین پڑھنے کو بھی یاد فرمایا کرتے تھے....(زادالمعاد)

مکھی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے کر نکال دو کیونکہ اس کے ایک پَر میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفاء (صحیحین.زادالمعاد)



30

كِتَابُ الْوَصِيَّةِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحتیں اور وصیتیں

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ. (رواہ احمد والترمذی والدارمی)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں) خدا سے ڈرتے رہو (اور تقویٰ تمہارا شعار رہے) اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو، وہ اس کو مٹا دے گی اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، دارمی)

تشریح:...... تقویٰ کی اصل خدا کا خوف اور اس کے مواخذہ اور محاسبہ کی فکر ہے اور یہ ایک باطنی کیفیت ہے اور اس کا ظہور ظاہری زندگی میں اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر واحکام کی اطاعت کی جائے اور منہیات اور معاصی سے بچا جائے لیکن انسان کی سرشت اور اس دنیا میں اس کا ماحول ایسا ہے کہ اس خوف وفکر (یعنی تقویٰ) کے باوجود اس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تدارک کے لیے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی غلطی اور برائی ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی ضرور کرو، نیکی کا نور اس برائی کی ظلمت کو ختم کر دے گا اور مٹا دے گا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: "اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" (نیکیاں برائی کو ختم کر دیتی ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری نصیحت اس حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ حسن اخلاق کا ہو۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ اور تکثیر حسنات کے ذریعہ گناہوں کی تطہیر کے بعد بھی کامیابی اور رضاء الٰہی حاصل ہونے کے لیے بندوں کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

عَنْ اَبِیْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِكَ فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْذَرُ مِنْهُ غَدًا وَاَجْمِعِ الْاِيَاسَ مِمَّا فِیْ اَيْدِی النَّاسِ. (رواہ احمد)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے اور مختصر فرمائیے (تاکہ یاد رکھنا آسان ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (ایک بات تو یہ یاد رکھو) جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو الوداع کہنے والا اور سب سے رخصت ہونے والا ہو (یعنی دنیا سے جانے والے آدمی کی نماز جیسی ہونی چاہیے تم ہر نماز ویسی نماز پڑھنے کی کوشش کرو اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ) ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل تم کو معذرت اور جواب دہی کرنی پڑے (یعنی بات کرتے وقت ہمیشہ اس کا خیال رکھو

کہ ایسی بات منہ سے نہ نکلے جس کی جواب دہی کسی کے سامنے اس دنیا میں یا قیامت کے دن خدا کے حضور میں کرنی پڑی تیسری بات یہ یاد رکھو کہ) آدمیوں کے پاس اور ان کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے اپنے کو قطعاً مایوس کرلو (یعنی تمہاری اُمیدوں اور توجہ کا مرکز صرف رب العالمین ہو اور مخلوق کی طرف سے اپنی اُمیدوں کو بالکل منقطع کرلو)۔ (مسند احمد)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلٰثٌ مُهْلِكَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَتَقْوَى اللّٰهِ فِى السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِى الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِى الْغِنَاءِ وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًى مُتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِىَ اَشَدُّهُنَّ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تین چیزیں ہیں جو نجات دلانے والی ہیں اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کر دینے والی ہیں۔ پس نجات دلانے والی تین چیزیں تو یہ ہیں' ایک خدا کا خوف خلوت میں اور جلوت میں (یا ظاہر میں اور باطن میں) اور دوسرے حق بات کہنا' خوشی میں اور غصہ میں اور تیسرے میانہ روی خوشحالی میں اور تنگدستی میں اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں: (۱) وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے اور (۲) وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اس کے تقاضے پر چلا جائے) اور (۳) آدمی کی خود پسندی کی عادت اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو حاضرین مجلس اور مخاطبین کے خاص حالات کے لحاظ سے اور کبھی کسی اور ایسے ہی سبب سے بعض اوقات اپنے ارشادات میں بعض خاص اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی اہمیت خصوصیت سے بیان فرماتے تھے اور اسی طرح بعض خاص خاص بُرے اعمال و اخلاق کی قباحت و شناعت پر خصوصیت سے زور دیتے تھے (اور معلم اور مربی کا طرز یہی ہونا بھی چاہیے) یہ حدیث بھی اسی نوعیت کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اس کی فکر نہ ہو کہ وہ ہلاکت سے بچے اور نجات حاصل کرے اُسے چاہیے کہ ان چند نصیحتوں کی خصوصیت سے پابندی کرے۔ ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں خدا کا خوف اور تقویٰ اُس کا شعار رہے اور خواہ کسی سے رضامندی ہو یا ناراضی' ہمیشہ حق و انصاف کی بات کہے اور وہ خوشحالی و تنگدستی دونوں حالتوں میں میانہ روی برتے اور اپنی نفسانی خواہش اور بخل کے تقاضوں پر نہ چلے اور خود پسندی کی نہایت مہلک بیماری سے اپنی حفاظت کرتا رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود پسندی کو سب سے زیادہ شدید غالباً اس لیے فرمایا کہ اس مرض میں مبتلا ہونے والا آدمی اپنے کو کبھی بیمار نہیں سمجھتا بلکہ اگر کوئی اور نصیحت کرے اور سمجھائے تو وہ اسی کو غلطی پر سمجھتا ہے اور بلاشبہ وہ مرض بڑا سخت اور لاعلاج ہے جس کو مریض مرض ہی نہ سمجھے۔

عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَخْلَصَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ لِلْاِيْمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَهٗ سَلِيْمًا وَّلِسَانَهٗ صَادِقًا وَّ نَفْسَهٗ مُطْمَئِنَّةً وَّ خَلِيْقَتَهٗ مُسْتَقِيْمَةً وَّجَعَلَ اُذُنَهٗ مُسْتَمِعَةً وَّعَيْنَهٗ نَاظِرَةً فَاَمَّا الْاُذُنُ فَقَمِعٌ وَاَمَّا الْعَيْنُ فَمُقِرَّةٌ لِمَا يُوْعِى الْقَلْبُ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَهٗ وَاعِيًا. (رواه احمد والبيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص کامیاب اور بامراد ہوا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لیے خالص کر دیا اور اس کے قلب کو صحیح و سالم بنا دیا (یعنی جس کے دل کو ایسا صاف

ایمان ویقین نصیب فرمایا جس میں شک یا نفاق کی کوئی آمیزش اور کوئی گنجائش نہیں اور حسد وکینہ جیسے باطنی امراض سے بھی اس کے دل کو پاک کر کے سلیم بنایا) اور اس کی زبان کو سچائی اور اس کے نفس کو اطمینان عطا فرمایا (یعنی اس کے نفس کو ایسا کر دیا کہ اللہ کی یاد سے اور اس کی مرضیات سے اس کو چین و اطمینان ملتا ہے) اور اس کی طبیعت کو سیدھا اور درست کر دیا (کہ وہ برائی کی طرف نہیں چلتی) اور اس کے کان کو سننے والا اور آنکھ کو دیکھنے والا بنا دیا (کہ وہ حق باتوں کو اور اللہ کی نشانیوں کو سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہیں) پس کان تو مثل قیف کے ہے (کہ باتیں اس کے راستے سے دل میں اس طرح جاتی ہیں جس طرح بوتل یا شیشی میں کوئی چیز قیف کے ذریعہ جاتی ہے) اور آنکھ پہنچانے والی اور ٹھہرانے والی ہے ان چیزوں کو جو وہ قلب کو سونپتی ہے اور بامراد اور کامیاب ہوا وہ شخص جس کے دل کو بنا دیا اللہ نے یاد رکھنے والا۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... حدیث کے آخری حصہ میں کان اور آنکھ کے متعلق جو بات فرمائی گئی ہے "فاما الاذن فقمع الخ" اس سے وجود انسانی میں کان اور آنکھ کی یہ امتیازی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دل جو انسانی اعضاء میں گویا بادشاہ اور فرمانروا کی حیثیت رکھتا ہے اس میں جو چیزیں پہنچتی ہیں اور اس کو متاثر کرتی ہیں وہ عموماً کان اور آنکھ ہی کے ذریعہ پہنچتی ہیں اس لیے انسان کی فلاح وسعادت اس پر موقوف ہے کہ اللہ اس کے کان کو شنوا اور اس کی آنکھوں کو بینا بنا دے اور سب سے آخر میں فرمایا کہ "فلاح یاب اور بامراد ہوا وہ انسان جس کے دل کو اللہ نے یاد رکھنے والا بنا دیا" مطلب یہ ہے کہ فلاح وسعادت تک پہنچانے والی جو باتیں کان یا آنکھ کے ذریعہ دل میں پہنچیں ان سے بھی منزل سعادت تک جب ہی پہنچا جا سکتا ہے جبکہ دل ان کو محفوظ رکھے اور ان سے برابر کام لیتا رہے۔ اس لیے انسان کی سعادت اور خوش بختی کی آخری اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قلب اپنا فریضہ اور وظیفہ ٹھیک ٹھیک انجام دیتا رہے۔

قرآن مجید میں بھی جابجا انسان کی ان تینوں قوتوں (سمع، بصر، قلب) کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا انسان کی ہدایت اور نجات کا دارومدار انہی تینوں کی سلامتی اور راست روی پر ہے۔

عَنْ عَمرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْاَوْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ. (رواہ الترمذی)

عمرو بن میمون اودی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جان اور ان سے جو فائدہ اُٹھانا چاہیے وہ اٹھا لو غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے اور غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے اور غنیمت جانو خوش حالی اور فراخ دستی کو ناداری اور تنگدستی سے پہلے اور غنیمت جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ انسان کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے اس لیے اس کو چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ اُسے کچھ عمل کرنے کے قابل اچھی اور اطمینان کی حالت نصیب فرمائے تو اس کو غنیمت اور پروردگار کی طرف سے ملی ہوئی نعمت سمجھے اور اللہ کی رضا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہو وہ اس وقت کر لے کیا خبر ہے کہ آئندہ کر سکنے کے قابل رہے گا یا نہیں۔ اگر

جوانی کی قوت ملی ہوئی ہے تو بڑھاپے کی کمزوریوں اور معذوریوں کے آنے سے پہلے اس سے فائدہ اُٹھالے اگر تندرست وتوانا ہے تو بیماری کی مجبوریوں سے پہلے اس سے کام لے لے اگر خوش حالی اور مالی وسعت اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو افلاس اور محتاجی آنے سے پہلے اس سے فائدہ حاصل کرلے اور اگر کچھ فرصت ملی ہوئی ہے تو مشغولیت اور پریشان حالی کے دن آنے سے پہلے اس کی قدر کرلے اور کام لے لے اور زندگی کے بعد بہر حال موت ہے جو ہر قسم کے اعمال کا خاتمہ کردینے والی ہے اور اس کے ساتھ توبہ واستغفار کا دروازہ بھی بند ہوجاتا ہے اس لیے زندگی کے ہر لمحہ کو غنیمت اور خداداد فرصت سمجھے اور اس سے فائدہ اُٹھانے میں غفلت نہ کرے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْئَالَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اَكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَا ذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن (جب حساب کے لیے بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہوگی تو) آدمی کے پاؤں سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کرلیا جائے گا۔ایک اُس کی پوری زندگی اور عمر کے بارے میں کہ کن کاموں میں اس کو ختم کیا اور دوسرا خصوصیت سے اس کی جوانی (اور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں کہ کن مشاغل میں جوانی اور اس کی قوتوں کو بوسیدہ اور پرانا کیا اور تیسرا اور چوتھا مال ودولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا اور کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو صرف کیا اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اس کے بارے میں کیا عمل کیا؟ (جامع ترمذی)

ف:...... ہر شخص اپنی زندگی، اپنی جوانی، اپنے آمد وخرچ اور اپنے علم وعمل کا دنیا ہی میں محاسبہ کرے اور ذرا سوچے کہ دربارِ خداوندی میں کھڑا کرکے جب مجھ سے سرمحشر یہ سوالات کیے جائیں گے تو میرا حال اور انجام کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے کرم سے آسان فرمائے ورنہ امتحان اپنی نوعیت کے لحاظ سے یقیناً بڑا سخت ہے اور صرف وہی خوش نصیب بندے اُس دن رسوائی سے بچ سکیں گے جو اُس گھڑی کے آنے اور اس امتحان گاہ میں پہنچنے سے پہلے اسی دنیا میں تیاری کرلیں اور زندگی اس طرح گزاریں کہ اس محاسبہ اور اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہوسکیں۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَاْخُذُ عَنِّىْ هٰؤُلَآءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَّعْمَلُ بِهِنَّ قُلْتُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدِىْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ وَاَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَّاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَّلَا تُكْثِرِ الضَّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضَّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا، کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں، پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے؟ میں نے عرض

کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حاضر ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (از راہِ شفقت) میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں، فرمایا: جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں ان سے بچو اور ان سے پورا پورا پرہیز کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو تم بہت بڑے عبادت گزار ہو (اور یہ عبادت نفلی عبادات کی کثرت سے افضل ہے)۔ دوسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ: اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ، اگر ایسا کرو گے تو تم بڑے بے نیاز اور دولت مند ہو جاؤ گے اور تیسری بات یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر ایسا کرو گے تو تم مؤمن کامل ہو جاؤ گے اور چوتھی بات یہ کہ جو تم اپنے لیے چاہتے اور پسند کرتے ہو وہی دوسرے لوگوں کے لیے بھی چاہو اور پسند کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو حقیقی مسلم اور پورے مسلمان ہو جاؤ گے اور پانچویں بات یہ ہے کہ زیادہ مت ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح: ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پانچ باتیں بتانا چاہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطبین میں خاص طلب پیدا کرنے کے لیے اور ان کے دلوں کو پوری طرح بیدار اور متوجہ کرنے کے لیے پہلے ارشاد فرمایا کہ: میں اس وقت کچھ خاص باتیں بتانا اور سکھانا چاہتا ہوں، تم میں سے کون ان کو سیکھنا چاہتا ہے لیکن اس کو ان باتوں کا یہ حق ادا کرنا ہوگا کہ وہ خود ان پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی بتلائے تاکہ وہ بھی عمل کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دین کی باتیں سیکھے اس پر دو حق ہیں ایک یہ کہ خود ان پر عمل کرے اور دوسرے یہ کہ اوروں کو پہنچائے اور بتلائے بلکہ اگر خود پورا عمل نہ کرے تب بھی دوسروں کو بتانے سے دریغ نہ کرے۔

جو پانچ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تعلیم فرمائیں وہ بڑی اہم حقیقتیں ہیں:

پہلی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ: بڑا عبادت گزار بندہ وہ ہے جو محرمات اور ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے اگرچہ زیادہ نفلی نمازیں نہ پڑھتا ہو، نفلی روزے زیادہ نہ رکھتا ہو، ذکر و تسبیح میں بہت زیادہ مشغول نہ رہتا ہو۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ: اللہ کی طرف سے جو مقسوم اور مقدور ہے اس پر راضی ہو جانے سے آدمی کو بڑا اطمینان اور بڑی بے فکری نصیب ہو جاتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمال ایمان کی شرط ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ کامل مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کا اتنا خیر خواہ اور بہی خواہ ہو کہ جو اپنے لیے چاہے وہی دوسروں کے لیے چاہے۔

اور پانچویں بات یہ ہے کہ زیادہ نہ ہنسا جائے کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ اور بے حس کر دیتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ خَشْیَةِ اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ، وَكَلِمَةِ الْعَدْلِ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدِ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنَا وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ وَاَنْ یَّكُوْنَ صَمْتِیْ فِكْرًا وَّنُطْقِیْ ذِكْرًا وَّنَظَرِیْ عِبْرَةً وَّ اٰمُرَ بِالْعُرْفِ وَقِیْلَ بِالْمَعْرُوْفِ. (رواہ رزین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے پروردگار نے ان (۹) باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے۔ ایک اللہ سے ڈرنا خلوت میں اور جلوت میں اور عدل و انصاف کی بات کہنا غصہ میں اور رضامندی میں (یعنی ایسا نہ ہو کہ جب کسی سے ناراضی اور اس پر غصہ ہو تو اس کی حق تلفی اور اس کے ساتھ بے انصافی کی جائے اور جب کسی سے دوستی اور رضامندی میں ہو تو اس کی بے جا حمایت اور طرف داری کی جائے بلکہ ہر حال میں عدل و انصاف اور اعتدال کی راہ پر چلا جائے) اور حکم فرمایا میانہ روی پر قائم رہنے کا' غریبی و ناداری و فراخ دستی و دولت مندی کی دونوں حالتوں میں (یعنی جب اللہ تعالیٰ ناداری اور غریبی میں مبتلا کرے تو بے صبری اور پریشان حالی کا اظہار نہ ہو) اور جب وہ فراخ دستی اور خوشحالی نصیب فرمائے تو بندہ اپنی حقیقت کو بھول کر غرور اور سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ الغرض ان دونوں امتحانی حالتوں میں افراط وتفریط سے بچا جائے اور اپنی روش درمیانی رکھی جائے' یہی وہ میانہ روی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے۔ (آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) اور مجھے حکم فرمایا کہ میں ان اہل قرابت کے ساتھ بھی رشتہ جوڑوں اور ان کے حقوق قرابت اچھی طرح ادا کروں جو مجھ سے رشتہ قرابت توڑیں اور میرے ساتھ بدسلوکی کریں اور یہ کہ میں ان لوگوں کو بھی دوں جنہوں نے مجھے محروم رکھا ہو اور میرا حق مجھے نہ دیا ہو اور یہ کہ میں ان لوگوں کو معاف کر دوں جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہو اور مجھے ستایا ہو اور مجھے حکم دیا ہے کہ میری خاموشی میں تفکر ہو (یعنی جس وقت میں خاموش ہوں تو اس وقت سوچنے کی چیزیں سوچوں اور جو چیزیں قابل تفکر ہیں ان میں غور وتفکر کروں' مثلاً اللہ کی صفات اور اس کی آیات اور مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہے اور اس کا مجھے کیا حکم ہے اور میرا معاملہ اللہ کے ساتھ اور اس کے احکام کے ساتھ کیا ہے اور کیا ہونا چاہیے اور میرا انجام کیا ہونے والا ہے اور مثلاً یہ کہ اللہ کے غافل بندوں کو کس طرح اللہ سے جوڑا جائے۔ الغرض خاموشی میں اس طرح کا تفکر ہو) اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میری گفتگو ذکر ہو (یعنی میں جب بھی بولوں اور جو بھی بولوں اس کا اللہ سے تعلق ہو' خواہ اس طرح کہ وہ اللہ کی ثناء وصفت ہو یا اس کے احکام کی تعلیم و تبلیغ ہو یا اس طرح کہ اس میں اللہ کے احکام اور حدود کی رعایت اور نگہداشت ہو ان سب صورتوں میں جو گفتگو ہوگی وہ "ذکر" کے قبیل سے ہوگی) اور مجھے حکم ہے کہ میری نظر عبرت والی ہو (یعنی میں جس چیز کو دیکھوں اس سے سبق اور عبرت حاصل کروں) اور لوگوں کو حکم کروں اچھی باتوں کا۔ (رزین)

تشریح:..... ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن میں ہو چکی ہے صرف ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ حدیث کا آخری جز (و امر بالمعروف) ان نو باتوں کے علاوہ ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص نو حکم بیان فرمانے کے بعد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر بیان فرمانا چاہتے تھے' اللہ تعالیٰ کا ایک اور اہم حکم بھی بیان فرما دیا جس کے لیے آپ نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے خاص طور سے مامور ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص الخاص فرض منصبی ہے' یعنی "امر بالمعروف" جس میں نہی عن المنکر بھی داخل ہے کیونکہ وہ دراصل امر بالمعروف ہی کی منفی صورت ہے۔ یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث بھی بڑی اہم تعلیمات کی جامع ہیں اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر عمل نصیب فرما دیں تو اصلاح وتزکیہ کے لیے یہی دو حدیثیں کافی ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ! قَالَ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ عَلَیْکَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرٌ لَکَ فِی السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَکَ فِی الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ عَلَیْکَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّہٗ مَطْرَدَۃٌ لِلشَّیْطَانِ وَعَوْنٌ لَکَ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِکَ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ اِیَّاکَ وَکَثْرَۃَ الضَّحْکِ فَاِنَّہٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیَذْھَبُ بِنُوْرِ الْوَجْہِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ لَا تَخَفْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ لِیَحْجُزْکَ عَنِ النَّاسِ مَاتَعْلَمُ مِنْ نَفْسِکَ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بعد (یا تو خود حضرت ابوذر نے یا ان سے روایت کرنے والے نیچے کے راوی نے) ایک طویل حدیث بیان کی (جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے) اسی سلسلہ کلام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے وصیت فرمائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقویٰ کی کیونکہ یہ تقویٰ بہت زیادہ آراستہ کردینے والا اور سنوار دینے والا ہے، تمہارے سارے کاموں کو۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! اور وصیت فرمائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو لازم پکڑ لو کیونکہ یہ تلاوت اور ذکر ذریعہ ہوگا آسمان میں تمہارے ذکر کا اور اس زمین میں نور ہوگا تمہارے لیے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کچھ اور نصیحت فرمائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت اختیار کرو کیونکہ یہ عادت شیطان کو دفع کرنے والی اور دین کے معاملے میں تم کو مدد دینے والی ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا، مجھے اور نصیحت فرمائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ ہنسنا چھوڑ دو کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ کردیتی ہے اور آدمی کے چہرے کا نور اس کی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! مجھے اور نصیحت فرمائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمیشہ حق اور سچی بات کہو، اگرچہ (لوگوں کے لیے) ناخوشگوار اور کڑوی ہو۔ میں نے عرض کیا، مجھے اور نصیحت فرمائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! مجھے اور نصیحت فرمائیے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: تم جو کچھ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہو، چاہیے کہ وہ تم کو باز رکھے دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اکثری عادت مبارکہ کے مطابق سب سے پہلی وصیت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تقویٰ کی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تقویٰ تمہارے سارے کاموں کو بہت مزین اور آراستہ کردینے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر آدمی تقویٰ کو اپنا شعار بنالے تو اس کی ساری زندگی اطاعت اور بندگی والی زندگی ہو جائے گی اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی آراستہ ہو جائے گا۔ پھر آپ نے تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی کثرت کی وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کے نتیجہ میں آسمانوں میں یعنی ملاء اعلیٰ میں تمہارا ذکر ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا) تلاوت وذکر کی دوسری برکت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اس سے اسی دنیا اور اسی زمین میں ایک نور تم کو حاصل ہوگا، ذکر و تلاوت سے پیدا ہونے والا نور دراصل تو بندہ کے باطن میں پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے آثار ظاہر میں بھی محسوس ہوتے ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ ہتھیار ہے، جس سے شیطان دفع ہو سکتا ہے اور دین کے بارے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ جس کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ شیطان آدمی کے دین کو سب سے زیادہ نقصان زبان ہی کے راستے سے پہنچا سکتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، بہتان، گالی گلوچ، چغل خوری وغیرہ یہی وہ گناہ ہیں جن میں آدمی سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی لیے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "آدمیوں کو جہنم میں منہ کے بل ان کی زبانوں کی بیبا کیاں ہی ڈلوائیں گی"، پس ظاہر ہے کہ جو شخص زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت ڈال لے وہ اپنے کو اور اپنے دین کو شیطان کے حملوں سے زیادہ محفوظ رکھ سکے گا۔ واضح رہے کہ زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کے کرنے کی ضرورت نہ ہو اور جس پر آخرت میں ثواب ملنے کی اُمید نہ ہو اس سے زبان کو روکا جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی باتیں بھی نہ کی جائیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ یا تو اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔

اس کے بعد آپ نے زیادہ نہ ہنسنے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ بے نور ہو جاتا ہے۔ دل کے مر جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں غفلت اور بے حسی اور ایک طرح کی ظلمت آ جاتی ہے اور اس کا اثر ظاہر پر یہ پڑتا ہے کہ چہرہ پر وہ نور باقی نہیں رہتا جو زندہ اور بیدار دل رکھنے والے اہل ایمان کے چہروں پر ہوتا ہے۔

اس سلسلہ کلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخری نصیحت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ فرمائی کہ اپنے عیبوں اور گناہوں کے بارے میں جو کچھ تم جانتے ہو اس کی فکر تم کو اتنی ہونی چاہیے کہ دوسرے بندوں کے عیوب و ذنوب کو دیکھنے اور ان کی باتیں کرنے کی تم کو فرصت ہی نہ ہو، بلاشبہ جو بندہ بھی اپنے عیوب اور اپنے گناہوں پر نظر رکھے گا اور اپنے نفس کا ایک سچے مؤمن کی طرح احتساب کرتا رہے گا اُسے دوسروں کے معائب اور معاصی نظر ہی نہ آئیں گے اور وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ قصور وار اور گنہگار سمجھے گا، دوسروں کے عیوب اُن ہی کو زیادہ نظر آتے ہیں جو اپنی فکر سے خالی ہوتے ہیں۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهُ كَتَبَ اِلَى عَائِشَةَ اَنِ اكْتُبِىْ اِلَىَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِىْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِىْ فَكَتَبَتْ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى

اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَّلَهُ اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ. (رواه الترمذی)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا اور اس میں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیں لیکن بات مختصر اور جامع ہو' بہت زیادہ نہ ہو حضرت اُم المؤمنین ؓ نے ان کو یہ مختصر خط لکھا: سلام ہو تم پر۔ امابعد! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو کوئی اللہ کو راضی کرنا چاہے' لوگوں کو اپنے سے خفا کر کے تو اللہ مستغنی کردے گا' اس کو لوگوں کی فکر اور باربرداری سے اور خود اس کے لیے کافی ہو جائے گا اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کر کے تو اللہ اس کو سپرد کردے گا لوگوں کے۔ (والسلام) (جامع ترمذی)

تشریح:...... اس دنیا میں رہنے والے انسانوں اور خاص کر وسیع تعلقات اور وسیع ذمہ داریاں رکھنے والے لوگوں کو بکثرت ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر وہ ایسا رویہ اختیار کریں جس سے اللہ کی رضا کی اُمید ہو تو بہت سے لوگ خفا ہوتے ہیں جن سے تعلقات ہیں اور منفعت کی اُمیدیں ہیں اور جن سے برابر کام نکلتے رہتے ہیں اور اگر وہ ان لوگوں کی منشاء کے مطابق چلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے ایسے وقت کے لیے اس حدیث میں یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا والا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات وحاجات کا خود کفیل ہو جائے گا اور بندوں سے جن منافع کی وہ اُمید رکھتا ہے وہ سب اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر اُس نے رضاء الٰہی کی فکر و تلاش کو چھوڑ کر بندوں کو راضی رکھنا چاہا اور ان کی منشاء کے مطابق چلا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت ونصرت سے محروم کردیں گے اور ان بندوں ہی کے حوالہ کردیں گے جو اپنی ذات سے خود بھی اسی بندہ کی طرح محتاج اور بے بس ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَاتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَ خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ چاہے جہاں بھی رہو اور جب بھی کوئی گناہ ہو جائے فوراً اس کے بعد ہی نیک کام کرلو، وہ نیکی اس برائی کو مٹادے گی۔ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔ (ترمذی شریف)

تشریح: یہ حدیث شریف بظاہر الفاظ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وصیت ہے کسی ایسے شخص کے لئے جس نے آپ سے خود وصیت کی فرمائش کی ہو یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ عنایت اپنے اصحاب کرامؓ میں سے کسی صحابی کو بطور خود یہ وصیت فرمائی ہے جنہیں آپ نے اس وصیت کا مستحق سمجھا ہوگا۔

یہ وصیت مبارکہ اگرچہ تین باتوں کے حکم پر مشتمل ہے لیکن اس کی معنی خیزی پر اگر غور کیا جائے تو یہ وصیت ہر طرح کے صلاح وکمال کی بنیادی باتوں پر مشتمل نظر آئے گی۔ جیسا کہ آئندہ بیان سے واضح ہو جائے گا۔

(۱) تقویٰ: جو اس مراقبہ سے حاصل ہو جاتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ بندۂ مومن جب بھی کوئی نیک کام کرے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اور اس کی خوشنودی کو مدنظر رکھے۔ خواہ وہ کام دوسروں کے سامنے کر رہا ہو یا خلوت اور تنہائی میں کر رہا ہو۔
اسی طرح وہ جب کوئی برا کام کرنے سے روک رہا ہو تو اس وقت اس ترک گناہ میں بھی صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا جوئی پیش نظر رکھے۔ یہ سوچتا رہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ تصور و مراقبہ ہر حالت میں رہنا چاہئے۔ جلوت کی حالت ہو یا خلوت کی۔ اس معنی خیز وصیت کو ان لفظوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَ مَا كُنْتَ ۔

(۲) برائی کے پیچھے نیکی کرلو: اس ارشاد گرامی کی بنیاد بھی اس مراقبہ پر ہے کہ بندۂ مومن کو چاہئے کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو حضورِ رب اور اس کا جواب دہ تصور کرے۔ جس وقت بھی اس کے قدم پھسل جائیں اور کوئی ایسا کام کر بیٹھے جو حق تعالیٰ کی ناراضگی و غضب کا سبب ہو جائے تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے (یہ دھیان میں رکھتے ہوئے کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں) کوئی نیک کام بھی کرلے، یہ نیک کام اس برے کام پر ہونے والی خدائے تعالیٰ کی ناراضگی کو ختم کردے گا (جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے "اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ او كما قال یعنی صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔)
برائی اور گناہ کی کوئی بھی صورت ہو، کسی فرض و واجب کا ترک ہوا ہو، یا کسی حرام و ممنوع کا ارتکاب ہوا ہو، دونوں ہی صورتوں میں برائی کے بعد نیکی کرلے تو اس برائی کا اثر جاتا رہے گا۔ اسی بات کو حدیث کے دوسرے فقرے میں فرمایا گیا ہے۔ " اِتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا " (برائی کے پیچھے نیکی لگادو، برائی کو مٹادے گی۔

(۳) لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ: یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری نصیحت و وصیت ہے کہ لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ رکھو۔ اسے سمجھنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ "تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن کامل نہ ہوگا جب تک کہ وہ اس مقام پر نہ پہنچے کہ جو بات وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہو وہی بات اپنے دوسرے بھائی کے لئے بھی پسند کرے۔ صرف زبانی خوش اخلاقی کافی نہیں ہے۔ کہ وہ صرف خوش گفتاری ہے۔ اخلاق کا منشا تو دل ہے۔ دل میں دوسرے کا اکرام۔ اپنا عجز ہونا چاہئے۔ دلی تقاضے سے جو خوش اخلاقی برتی جاتی ہے اس کا اثر دوسرے کے دل پر پڑتا ہے۔ حدیث شریف میں اسی دلی خوش اخلاقی کی بات فرمائی گئی ہے۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فکر آخرت

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُدْخِلُ اَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيْرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کا عمل اُس کو جنت میں نہ لے جاسکے گا اور نہ دوزخ سے بچا سکے گا اور میرا بھی یہی حال ہے مگر اللہ کی رحمت اور اس کے کرم سے۔ (صحیح مسلم)

تشریح:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میں بھی اپنے عمل اور اپنی عبادت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے جنت میں جاسکوں گا، آپ کے دل کی خوف وخشیت کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَافِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَدْبَرَ فَاِذَا مُطِرَتْ سُرِّىَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذَالِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ "فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا." (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ جب ہوا زیادہ تیز چلتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ دُعا جاری ہو جاتی "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ......الخ" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ہوا کی بھلائی کا اور اس میں جو کچھ ہے اس کی بھلائی کا اور جس مقصد کے لیے یہ بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی کا اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس میں جو کچھ ہے اس کے شر سے اور جس مقصد کے لیے یہ بھیجی گئی ہے اس کے شر سے) اور جب آسمان پر اَبر آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا اور (اضطراب کی یہ حالت ہوتی کہ) کبھی باہر آتے، کبھی اندر جاتے، کبھی آگے آتے کبھی پیچھے ہٹتے، پھر جب بارش ہو جاتی (اور خیریت سے گزر جاتی) تو یہ کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت اور واردات کو سمجھ لیا اور آپ سے پوچھا (کہ تیز ہوا کو اور اَبر کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عائشہ! (میں ڈرتا ہوں کہ) شاید یہ اَبر و باد اس طرح کا ہو جو (حضرت ہود علیہ السلام پیغمبر کی قوم) عاد کی طرف بھیجا گیا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے) کہ جب اُن لوگوں نے اس بادل کو اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے

ہوئے دیکھا تو خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا یہ اَبر ہمارے لیے بارش لانے والا ہے۔ (حالانکہ وہ بارش والا اَبر نہ تھا بلکہ آندھی کا ہلاکت خیز طوفان تھا جو ان کو تباہ کرنے ہی کے لیے آیا تھا) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا حاصل اور مقصد صرف یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت کا ایسا غلبہ تھا کہ ذرا ہوا تیز چلتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے اس کے خیر کے حاصل ہونے کی اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کی دُعا کرتے اور جب آسمان پر اَبر نمودار ہوتا تو اللہ کے جلال کی دہشت وہیبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہو جاتا کہ کبھی اندر جاتے، کبھی باہر آتے، کبھی آگے بڑھتے، کبھی پیچھے ہٹتے اور آپ کی یہ کیفیت اس خوف اور ڈر سے ہوتی کہ کہیں بادل کی شکل میں اللہ کا ویسا عذاب نہ ہو جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام کی سرکش قوم عاد پر اَبر ہی کی شکل میں بھیجا گیا تھا جسے اپنے علاقہ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر نادانی سے وہ خوش ہوئے تھے اور انہوں نے اس کو ابر رحمت سمجھا تھا حالانکہ وہ عذاب کی آندھی تھی۔ حدیث میں آیت کے جو الفاظ نقل کیے گئے ہیں وہ نا تمام ہیں۔ آخری حصہ یہ ہے: "بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ."

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِىْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر بڑھاپا آ گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بوڑھا کر دیا **سورۂ ہود' سورۂ واقعہ' سورۂ مرسلات' سورۂ عم یتساء لون اور سورۂ تکویر (اذا الشمس کوّرت)** نے۔ (ترمذی)

تشریح:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہتر تھی اور قویٰ جیسے اچھے اور طبیعت جیسی معتدل تھی اس کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہیے تھے لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک روز عرض کیا کہ حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ابھی سے بڑھاپا آنے لگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن مجید کی ان سورتوں (سورۂ ہود اور واقعہ وغیرہ) نے بوڑھا کر دیا۔ ان سورتوں میں قیامت وآخرت اور مجرموں پر اللہ کے عذاب کا بڑا دہشت ناک بیان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مضامین سے اس قدر متاثر ہوتے تھے اور ان کی تلاوت سے آپ پر خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی قوت وتندرستی پر پڑتا تھا اور بلاشبہ خوف وفکر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جوانوں کو جلد بوڑھا کر دیتی ہیں۔ اسی لیے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا" کہ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا حال کیا تھا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِىَ اَدَقُّ فِىْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِى الْمُهْلِكَاتِ. (رواه البخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا: تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمہاری نگاہ میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اور ہلکے ہیں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو مہلکات میں شمار کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر خوفِ خدا کا اتنا غلبہ تھا اور وہ آخرت کے حساب وانجام سے اس قدر لرزاں وترساں رہتے تھے کہ بہت سے وہ اعمال جن کو تم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو اور بے پروائی سے کرتے رہتے ہو اور ان سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے، وہ ان کو مہلک سمجھتے تھے اور ان سے بچنے کا ایسا ہی اہتمام رکھتے تھے جیسے ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

عَنِ النَّضْرِ قَالَ كَانَتْ ظُلْمَةٌ عَلٰى عَهْدِ اَنَسٍ فَاَتَيْتُهُ فَقُلْتُ يَا اَبَا حَمْزَةَ هَلْ كَانَ هٰذَا يُصِيْبُكُمْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتِ الرِّيْحُ لَتَشْتَدُّ فَنُبَادِرُ اِلَى الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ اَنْ تَكُوْنَ الْقِيَامَةُ. (رواہ ابو داؤد)

نضر تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک دفعہ کالی آندھی آئی تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا کہ اے ابوحمزہ! کیا ایسی کالی اور اندھیری آندھیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی آپ لوگوں پر آتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کی پناہ! وہاں تو یہ حال تھا کہ ذرا ہوا تیز ہوجاتی تو ہم قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ (ابوداؤد)

عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ لِىْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ هَلْ تَدْرِىْ مَا قَالَ اَبِىْ لِاَبِيْكَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّ اَبِىْ قَالَ لِاَبِيْكَ يَا اَبَا مُوْسٰى هَلْ يَسُرُّكَ اَنَّ اِسْلَامَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِجْرَتَنَا وَجِهَادَنَا مَعَهٗ وَعَمَلَنَا كُلُّهٗ مَعَهٗ بَرَدَلَنَا وَاَنَّ كُلَّ عَمَلٍ عَمِلْنَا بَعْدَهٗ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَأْسًا بِرَأْسٍ فَقَالَ اَبُوْكَ لِاَبِىْ لَا وَاللّٰهِ قَدْ جَاهَدْنَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّيْنَا وَصُمْنَا وَعَمِلْنَا خَيْرًا كَثِيْرًا وَاَسْلَمَ عَلٰى اَيْدِيْنَا بَشَرٌ كَثِيْرٌ وَاِنَّا لَنَرْجُوْا ذَاكَ قَالَ اَبِىْ لٰكِنِّىْ اَنَا وَالَّذِىْ نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنَّ ذَالِكَ بَرَدَلَنَا وَاَنَّ كُلَّ شَىْءٍ عَمِلْنَاهُ بَعْدَهٗ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَأْسًا بِرَأْسٍ، فَقُلْتُ اِنَّ اَبَاكَ وَاللّٰهِ كَانَ خَيْرًا مِنْ اَبِىْ. (رواہ البخاری)

حضرت ابوموسیٰ اشعری کے صاحبزادے ابو بردہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر نے کہا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کیا بات کہی تھی؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں، انہوں نے کہا کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کہا تھا کہ اے ابوموسیٰ! کیا تم اس پر خوش اور راضی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کے ہاتھ پر ہمارا اسلام لانا اور آپ کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اور جہاد کرنا اور ہمارے وہ سارے اعمال جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ کیے وہ تو ہمارے لیے ثابت اور محفوظ رہیں (اور ان کا صلہ اور اُجر ہم کو عطا فرمایا جائے) اور ہم نے جو اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیے ان سے ہم برابر سرابر پر چھٹی پا جائیں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے جو اچھے یا برے عمل کیے ہیں ان پر نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب) (عبداللہ بن عمر ابو بردہ سے کہتے ہیں کہ میرے والد کی یہ بات سن کر) تمہارے والد نے کہا کہ نہیں! خدا کی قسم! میں تو یہ نہیں چاہتا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاد کیے ہیں، نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں اور (اللہ تعالیٰ کی توفیق سے) ان کے علاوہ بھی بہت سے اعمال خیر کیے ہیں اور ہماری کوششوں سے اور ہمارے ہاتھوں پر اللہ کے بے شمار بندے مسلمان ہوئے ہیں اور ہم اللہ سے اپنے ان اعمال کے اُجر وصلہ کی پوری اُمید رکھتے ہیں (اس لیے میں تو آپ کے خیال سے متفق نہیں ہوں) اس پر میرے والد (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے پھر فرمایا کہ قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جان ہے میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے وہ تو) ہمارے لیے ثابت رہیں اور ہم کو ان کا صلہ عطا کیا جائے اور جو عمل ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیے ان سے ہم برابر سرابر چھٹی پا جائیں۔ (ابو بردہ کہتے ہیں کہ) میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ خدا کی قسم! تمہارے والد (حضرت عمرؓ) میرے والد (ابو موسیٰ) سے افضل تھے۔ (بخاری)

تشریح:......جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندہ کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز کی مقبولیت کی اُمید کی جاتی ہے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقین کے ساتھ اُمید رکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو اعمال خیر نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کیے ہیں وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کی نسبت اور برکت سے ضرور ہی ان شاء اللہ قبول ہوں گے لیکن جو اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیے گئے چونکہ ان کو یہ نسبت حاصل نہ تھی بلکہ وہ اپنے ہی اعمال تھے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام اہل معرفت کی طرح ان کے انجام سے ڈرتے تھے اور اپنی سلامتی و کامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر سرابر پر چھٹی مل جائے نہ ان پر عذاب ہو نہ ثواب

طاعت ناقص ما موجب غفراں نشود　　　راضیم گر مدد علت عصیاں نشود

حدیث کے آخر میں ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو فرمایا کہ خدا کی قسم! میرے والد سے تمہارے والد افضل تھے۔ بظاہر اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل تھے اس لیے اپنے اعمال سے بے اطمینانی اور خدا کے خوف کا اثر ان پر اس قدر زیادہ تھا۔

صحیح بخاری ہی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت کی ایک روایت میں ان کا یہ ارشاد بھی ذکر کیا گیا ہے۔ "وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ لِیْ طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ اَرَاهُ" (اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو تو میں اللہ کے عذاب کے دیکھنے سے پہلے اس سب کو فدیہ میں دے ڈالوں اور اپنی جان چھڑا لوں)۔

اللہ اکبر! یہ ہے اس بندہ پر خوفِ خدا کا غلبہ جس نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے لیے جنت کی بشارتیں سنی ہیں۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے: "قربیاں را بیش بود حیرانی" اللہ تعالیٰ اس خوف وخشیت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

دنیا کی حقیقت

اس سلسلہ کی جو حدیثیں آگے درج کی جارہی ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تحقیر اور مذمت کی ہے اور بتلایا ہے کہ اللہ کے نزدیک اور آخرت کے مقابلہ میں یہ دنیا کس قدر حقیر اور بے قیمت ہے چونکہ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کے ساتھ لوگوں کا تعلق اور شغف وانہماک حد سے بڑھ گیا ہے اور خالص دنیوی اور مادی ترقی کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دیدی گئی ہے کہ غالباً اس سے پہلے کبھی بھی اس کو اہمیت کا یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوگا۔ اس لیے اب حالت یہ ہے کہ دنیا کی تحقیر اور مذمت کی بات بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں بھی آسانی سے نہیں اُترتی بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو مسلمانوں کے رہنما اور مصلح سمجھے جاتے ہیں اور دین کے لحاظ سے ان کا شمار عوام میں نہیں بلکہ خواص میں ہوتا ہے دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کے تذکرہ کو بے تکلف ''رہبانیت اور غلط تصوف کی تبلیغ'' کہہ دیتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس موضوع کی حدیثیں ذکر کی جائیں تو منکرین حدیث کی طرح ان حدیثوں ہی کے بارے میں وہ شکوک کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔

عَنْ مُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَاالدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلَ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ. (رواہ مسلم)

روایت ہے حضرت مستورد بن شداد سے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں اتنی ہی بے حقیقت اور بے حیثیت ہے جتنا کہ دریا کے مقابلہ میں انگلی پر لگا ہوا پانی اور دراصل یہ مثال بھی صرف سمجھانے کے لیے دی گئی ہے ورنہ فی الحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی نہیں ہے۔ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب محدود اور متناہی ہے اور آخرت لامحدود اور لامتناہی ہے اور ریاضی کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ محدود ومتناہی اور لامحدود ولامتناہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ جب حقیقت یہ ہے تو وہ شخص بڑا ہی محروم اور بہت ہی گھاٹے میں رہنے والا ہے جو دنیا کو حاصل کرنے کے لیے خوب جدوجہد کرتا ہے مگر آخرت کی تیاری کی طرف سے بےفکر اور بے پرواہ ہے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً. (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجہ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر منکر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح:...... یعنی خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ماننے والوں، کافروں، منکروں کو دنیا سے جو کچھ مل رہا ہے (اور جیسا کہ دیکھا جارہا ہے خوب مل رہا ہے) اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا نہایت ہی حقیر اور بے قیمت چیز ہے اگر اس کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔ چنانچہ آخرت جس کی اللہ کے نزدیک قدر و

قیمت ہے وہاں کسی دشمن خدا کو ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح:...... قید خانہ کی زندگی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا بلکہ ہر چیز میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے جب کھانے کو دیا گیا اور جو کچھ دیا گیا کھا لیا جو پینے کو دیا گیا پی لیا جہاں بیٹھنے کا حکم دیا گیا بیٹھ گیا، جہاں کھڑے ہونے کو کہا گیا بیچارہ کھڑا ہو گیا، الغرض قید خانہ میں اپنی مرضی بالکل نہیں چلتی بلکہ چار و ناچار ہر معاملے میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنا پڑتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری خصوصیت قید خانہ کی یہ ہے کہ قیدی اس سے جی نہیں لگاتا اور اس کو اپنا گھر نہیں سمجھتا بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے اور اس کے برعکس جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں جنتیوں کے لیے کوئی قانونی پابندی نہیں رہے گی اور ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گزارے گا اور اس کی ہر خواہش اور ہر آرزو پوری ہوگی۔ نیز لاکھوں برس گزرنے پر بھی کسی جنتی کا دل جنت سے اور جنت کی نعمتوں سے نہیں اُکتائے گا اور نہ کسی کے دل میں جنت سے نکلنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (زخرف: ۴۳: ۷۱)

"جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے دل چاہیں اور جس کے نظارہ سے تمہاری آنکھوں کو لذت و سرور حاصل ہو اور تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔"

اور سورۂ کہف میں فرمایا گیا: لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا. (جنتی جنت سے کہیں اور منتقل ہونا نہ چاہیں گے)

پس اس عاجز کے نزدیک اس حدیث میں ایمان والوں کو خاص سبق دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں حکم و قانون کی پابندی کی قید خانہ والی زندگی گزاریں اور دنیا سے جی نہ لگائیں اور یہ حقیقت پیش نظر رکھیں کہ اس دنیا کو اپنی جنت سمجھنا اور اس سے اپنا دل لگانا اور اس کے عیش کو اپنا اصل مقصود و مطلب بنانا کافرانہ طریقہ ہے۔ پس یہ حدیث گویا ایک آئینہ بھی ہے جس میں ہر مؤمن اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

اگر اس کے دل کا تعلق اس دنیا کے ساتھ وہ ہے جو قید خانہ کے ساتھ قیدی کا ہوتا ہے تو وہ پورا مؤمن ہے اور اگر اُس نے اس دنیا سے اپنا دل ایسا لگا لیا ہے کہ اس کو اپنا مقصود و مطلوب بنا لیا ہے تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کا یہ حال کافرانہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ. (رواہ الترمذی و ابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس پر خدا کی پھٹکار ہے اور اس کے لیے رحمت سے محرومی ہے سوائے خدا کی یاد کے اور ان چیزوں کے جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے اور سوائے عالم اور متعلم کے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

31

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ خدا سے غافل کرنے والی یہ دنیا جس کی طلب اور چاہت میں بہت سے نادان انسان خدا کو اور آخرت کو بھول جاتے ہیں اپنی حقیقت اور اپنے انجام کے لحاظ سے ایسی ذلیل اور ایسی مُردار ہے کہ اللہ کی وسیع رحمت میں بھی اس کے لیے کوئی حصہ نہیں البتہ اس دنیا میں اللہ کی یاد اور جن چیزوں کا اس سے تعلق ہے خاص کر علم دین کے حاملین اور متعلمین سوان پر اللہ کی رحمت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی چیزیں اور وہی اعمال اللہ کی رحمت کے لائق ہیں جن کا اللہ تعالیٰ سے اور دین سے کوئی تعلق ہو خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ لیکن جو چیزیں اور جو اعمال واشغال اللہ سے اور دین سے بالکل بے تعلق ہیں (اور دراصل دنیا اُن ہی کا نام ہے) وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور محروم اور قابل لعنت ہیں۔ پس انسان کی زندگی اگر اللہ کی یاد اور اس کے تعلق سے اور دین کے علم اور اس کے تعلم سے خالی ہے تو وہ رحمت کی مستحق نہیں بلکہ لعنت کے قابل ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكَبِىَّ فَقَالَ كُنْ فِى الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرِ سَبِيْلٍ. (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں مونڈھے پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہ جیسے کہ تو پردیسی ہے یا راستہ چلتا مسافر۔ (صحیح بخاری)

تشریح:...... یعنی جس طرح کوئی مسافر پردیس کو اور رہ گزر کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا اور وہاں اپنے لیے لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا اسی طرح مؤمن کو چاہیے کہ اس دنیا کو اپنا اصلی وطن نہ سمجھے اور یہاں کی ایسی فکر نہ کرے جیسے کہ یہاں ہی اس کو ہمیشہ رہنا ہے بلکہ اس کو ایک پردیس اور رہگزر سمجھے۔

واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو جیسا انسان بنانا چاہتے ہیں اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کی جو سیرت بنانا چاہتے ہیں اس کی اساس و بنیاد یہی ہے کہ آدمی اس دنیوی زندگی کو بالکل عارضی اور چند روزہ زندگی سمجھے اور موت کے بعد والی زندگی کو اصلی اور مستقل زندگی یقین کرتے ہوئے اس کی فکر اور تیاری میں اس طرح لگا رہے کہ گویا وہ زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا وہ اُسی دنیا میں ہے جن لوگوں نے یہ بات جس درجے میں اپنے اندر پیدا کر لی ان کی زندگی اور ان کی سیرت اُسی درجے میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور اُن کی منشاء کے مطابق ہوگئی اور جو لوگ اپنے میں یہ بات پیدا نہیں کر سکے ان کی زندگی بھی وہ نہیں بن سکی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور مواعظ میں اس بنیاد پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا اور آخرت

عَنْ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِىْ خُطْبَتِهٖ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَاكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ اَلَا وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ اَجَلٌ صَادِقٌ وَّيَقْضِىْ فِيْهَا مَلِكٌ قَادِرٌ اَلَا وَاِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ بِحَذَا فِيْرِهٖ فِى الْجَنَّةِ اَلَا وَاِنَّ الشَّرَّ كُلَّهٗ بِحَذَا فِيْرِهٖ فِى النَّارِ اَلَا فَاعْمَلُوْا وَاَنْتُمْ مِنَ اللّٰهِ عَلٰى حَذَرٍ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُعْرَضُوْنَ عَلٰى اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ. (رواه الشافعی)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اپنے اُس

خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ سن لو اور یاد رکھو! کہ دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے (اور اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اسی لیے) اُس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے اور سب اُس سے کھاتے ہیں اور یقین کرو کہ آخرت مقرر وقت پر آنے والی ایک سچی اٹل حقیقت ہے اور سب کچھ قدرت رکھنے والا شہنشاہ اسی میں (لوگوں کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا) فیصلہ کرے گا۔ یاد رکھو! کہ ساری خیر اور خوشگواری اور اس کی تمام قسمیں جنت میں ہیں اور سارا شر اور دُکھ اس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں۔ پس خبردار! خبردار! (جو کچھ کرو) اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (اور ہر عمل کے وقت آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھو) اور یقین کرو کہ تم اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور میں پیش کیے جاؤ گے۔ پس جس شخص نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی ہوگی وہ اس کو بھی دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ اُس کو بھی پالے گا۔ (مسند امام شافعی)

تشریح:...... انسان کی سب سے بڑی بدبختی اور سینکڑوں قسم کی بدکاریوں کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے فکر اور بے پرواہ ہو کر زندگی گزارے اور اپنی نفسانی خواہشات اور اس دنیا کی فانی لذتوں کو اپنا مقصد اور مطمح نظر بنالے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے اور خدا اور آخرت آنکھوں سے اوجھل ہیں اس لیے انسانوں کو اس بربادی سے بچانے کا راستہ یہی ہے کہ ان کے سامنے دنیا کی بے حقیقتی اور بے قیمتی کو اور آخرت کی اہمیت اور برتری کو قوت کے ساتھ پیش کیا جائے اور قیامت میں خدا کے سامنے پیشی اور اعمال کی جزا و سزا کا اور جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا یقین ان کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ کا حاصل اور موضوع یہی ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا آپ کے اکثر خطبات اور مواعظ میں یہی بنیادی مضمون ہوتا تھا۔

دنیا سے بچنے کی تاکید

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَتَخَوَّفُ عَلٰى اُمَّتِي الْهَوٰى وَطُوْلُ الْاَمَلِ فَاَمَّا الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَيُنْسِي الْاٰخِرَةَ وَهٰذَا الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهٰذِهِ الْاٰخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَنُوْنَ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا فَافْعَلُوْا فَاِنَّكُمُ الْيَوْمَ فِيْ دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَاَنْتُمْ غَدًا فِيْ دَارِ الْاٰخِرَةِ وَلَا عَمَلَ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اپنی اُمت پر جن بلاؤں کے آنے سے ڈرتا ہوں ان میں سب سے زیادہ ڈر کی چیزیں ہویٰ اور طول امل ہے۔ (ہویٰ سے مراد یہاں یہ ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے اور طول امل یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارے میں لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو بیماریوں کو بہت زیادہ خوفناک بتلایا اور آگے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی) کہ ہویٰ تو آدمی کو قبول حق سے مانع ہوتی ہے (یعنی اپنے نفسانی رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنے والا قبول حق اور اتباع ہدایت سے محروم رہتا ہے) اور طول امل (یعنی لمبی لمبی آرزوؤں میں دل پھنس جانا) آخرت

کو بھلا دیتا ہے اور اُس کی فکر اور اس کے لیے تیاری سے غافل کر دیتا ہے (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ) یہ دنیا دم بدم چلی جا رہی ہے، گزر رہی ہے (کہیں اس کا ٹھہراؤ اور مقام نہیں) اور آخرت (اُدھر سے) چل پڑی ہے، چلی آ رہی ہے اور ان دونوں کے بچے ہیں (یعنی انسانوں میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جیسی وابستگی بچوں کو اپنی ماں سے ہوتی ہے اور کچھ وہ ہیں جن کی ایسی ہی وابستگی اور رغبت بجائے دنیا کے آخرت سے ہے) پس اے لوگو! اگر تم کر سکو تو ایسا کرو کہ دنیا سے چمٹنے والے اس کے بچے نہ ہو (بلکہ اس دنیا کو دار العمل سمجھو) تم اس وقت دار العمل میں ہو (یہاں تمہیں صرف محنت اور کمائی کرنی ہے) اور یہاں حساب اور جزا سزا نہیں ہے اور کل تم (یہاں سے کوچ کر کے) دارِ آخرت میں پہنچ جانے والے ہو اور وہاں کوئی عمل نہ ہوگا (بلکہ یہیں کے اعمال کا حساب ہوگا اور ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ پائے گا) (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُمت کے بارے میں دو بڑی بیماریوں کا خوف اور خطرہ ظاہر فرمایا ہے اور اُمت کو اُن سے ڈرایا اور خبردار کیا ہے ایک ھویٰ اور دوسرے طول امل۔ غور سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی دو بیماریوں نے اُمت کے بہت بڑے حصے کو برباد کیا ہے۔ جن لوگوں میں خیالات اور نظریات کی گمراہیاں ہیں وہ ھویٰ کے مریض ہیں اور جن کے اعمال خراب ہیں وہ طول امل اور حب دنیا کے مرض میں گرفتار اور آخرت کی فکر اور تیاری سے غافل ہیں اور علاج یہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں بیان فرمایا، یعنی ان کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ یہ دنیوی زندگی فانی اور صرف چند روزہ ہے اور آخرت ہی کی زندگی اصلی زندگی ہے اور وہی ہمارا اصل مقام ہے۔ جب یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے گا تو خیالات اور اعمال دونوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔

دنیا کی فراوانی خطرہ ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ. (رواہ البخاری و مسلم)

عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں تم پر فقر و ناداری آنے سے نہیں ڈرتا لیکن مجھے تمہارے بارے میں یہ ڈر ضرور ہے کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور اسی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کر دے جیسے کہ اُس نے اُن اگلوں کو برباد کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض اگلی قوموں اور اُمتوں کا یہ تجربہ تھا کہ جب اُن کے پاس دنیا کی دولت بہت زیادہ آئی تو ان میں دنیوی حرص اور دولت کی رغبت و چاہت اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے اور اصل مقصد زندگی کو بھلا دیا پھر اس کی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا اور بالآخر ان کی اس دنیا پرستی نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے بارے میں اسی کا زیادہ ڈر تھا۔ اس حدیث میں آپ نے ازراہِ

شفقت اُمت کو اس خطرے سے آگاہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم پر فقر و ناداری کے حملے کا مجھے زیادہ ڈر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تم میں بہت زیادہ دولت مندی آ جانے سے دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر تمہارے ہلاک و برباد ہو جانے کا مجھے زیادہ خوف اور ڈر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مقصد و مدعا اس خوشنما فتنہ کی خطرناکی سے اُمت کو خبردار کرنا ہے تاکہ ایسا وقت آنے پر اس کے برے اثرات سے اپنا بچاؤ کرنے کی وہ فکر کرے۔

عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ. (رواه الترمذی)

حضرت کعب بن عیاض سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہر اُمت کے لیے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری اُمت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

تشریح: ...... مطلب یہ ہے کہ میری پیغمبری کے دور میں (جواب سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہے) مال و دولت کو ایسی اہمیت حاصل ہوگی اور اس کی ہوس اتنی بڑھ جائے گی کہ وہی اس اُمت کے لیے سب سے بڑا فتنہ ہوگا۔ (قرآن مجید میں بھی مال کو فتنہ کہا گیا ہے) اور واقعہ یہ ہے کہ عہد نبویؐ سے لے کر ہمارے اس زمانے تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا، اُسے صاف محسوس ہوگا کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی ہوس برابر بڑھتی رہی ہے اور بڑھتی ہی جا رہی ہے اور بلاشبہ یہ ہی اس کا سب سے بڑا فتنہ ہے جس نے بے شمار بندوں کو خدا کی بغاوت و نافرمانی کے راستے پر ڈال کے اصل سعادت سے محروم کر دیا ہے بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خدا بیزاری اور خدا دشمنی کے علمبردار بھی دولت و معاش ہی کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے دجالی خیالات دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ فِيْهِ اِثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے (اور بڑھاپے کے اثر سے اس کی ساری قوتیں مضمحل ہو کر کمزور پڑ جاتی ہیں) مگر اس کے نفس کی دو خصلتیں اور زیادہ جوان اور طاقت ور ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دولت کی حرص اور دوسری زیادتی عمر کی حرص۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ...... تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ انسانوں کا عام حال یہی ہے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کے نفس میں بہت سی ایسی غلط خواہشیں پیدا ہوتی ہیں جو اُسی وقت پوری ہوتی ہیں جبکہ اُس کے ہاتھ میں دولت ہو اور زندگی اور توانائی بھی ہو اور ان خواہشوں کی مضرتوں اور بربادیوں سے انسان کو بچانا ''پاسبانِ عقل'' کا کام ہے مگر بڑھاپے کے اثر سے جب بیچاری یہ عقل بھی مضمحل اور کمزور پڑ جاتی ہے تو ان خواہشات پر اپنا قابو اور کنٹرول رکھنے سے مجبور ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں بہت سی خواہشیں ''ہوس'' کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں اور اس کی وجہ سے عمر کی زیادتی کے ساتھ مال و دولت کی اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی حرص اور چاہت اور زیادہ ترقی کرتی رہتی ہے۔ کہنے والے نے صحیح کہا ہے:

بیخ ہائے خوئے بد محکم شدہ   قوت بر کندنِ آں کم شدہ

لیکن یہ حال عوام کا ہے اللہ کے جن بندوں نے اس دنیا اور اس کی خواہشوں کی حقیقت اور اس کے انجام کو سمجھ لیا ہے اور اپنے نفسوں کی تربیت کر لی ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَاءُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر آدمی کے پاس مال کے بھرے ہوئے دو میدان اور دو جنگل ہوں تو وہ تیسرا اور چاہے گا اور آدمی کا پیٹ تو بس مٹی سے بھرے گا (یعنی مال و دولت کی اس نہ ختم ہونے والی ہوس اور بھوک کا خاتمہ بس قبر میں جا کر ہوگا) اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی کرتا ہے جو اپنا رُخ اور اپنی توجہ اس کی طرف کر لے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی زیادہ حرص عام انسانوں کی گویا فطرت ہے اگر دولت سے ان کا گھر بھی بھرا ہو اور جنگل کے جنگل اور میدان کے میدان بھی پٹے پڑے ہوں تب بھی ان کا دل قانع نہیں ہوتا اور وہ اس میں اور زیادتی اور اضافہ ہی چاہتے ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک ان کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے اور بس قبر ہی میں جا کر دولت کی اس بھوک اور ننانوے کے اس پھیر سے اُن کو چھٹکارا ملتا ہے۔ البتہ جو بندے دنیا اور دنیا کی دولت کے بجائے اپنے دل کا رُخ اللہ کی طرف کر لیں اور اُس سے تعلق جوڑ لیں اُن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ اس دنیا ہی میں اطمینان قلب اور غنائے نفس نصیب فرما دیتا ہے اور پھر اس دنیا میں بھی اُن کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے سکون سے گزرتی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الْاٰخِرَةِ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَجَمَعَ لَهٗ شَمْلَهٗ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الدُّنْيَا جَعَلَ اللّٰهُ الْفَقْرَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَشَتَّتَ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَلَا يَاتِيْهِ مِنْهَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهٗ. (رواه الترمذی و رواه احمد والدارمی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نیت اور اس کا مقصد اصلی اپنی سعی و عمل سے آخرت کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ غنا (قلبی اطمینان اور مخلوق کی نامحتاجی کی کیفیت) اُس کے دل کو نصیب فرما دیں گے اور اُس کے پراگندہ حال کو درست فرما دیں گے اور دنیا اُس کے پاس خود بخود ذلیل ہو کر آئے گی اور جس شخص کی نیت اور اپنی سعی و عمل سے جس کا خاص مقصد دنیا طلب کرنا ہوگا اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اس کی بیچ پیشانی میں اُس کے چہرے پر پیدا کر دیں گے اور اُس کے حال کو پراگندہ کر دیں گے (جس کی وجہ سے اُس کو خاطر جمعی کی راحت کبھی نصیب نہ ہوگی) اور (ساری تگ و دو کے بعد بھی) یہ دُنیا اس کو بس اُسی قدر ملے گی جس قدر اُس کے واسطے پہلے سے مقدر ہو چکی ہوگی۔ (اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور امام احمدؒ اور دارمیؒ نے اس حدیث کو ابان کی روایت سے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ جو بندہ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے آخرت کی فلاح ہی کو اپنا اصل مطلوب و مقصود بنالیتا

ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بارے میں اس کو قناعت نصیب فرما کر اُس کے دل کو طمانیت اور جمعیت خاطر نصیب فرمادی جاتی ہے اور دنیا میں سے جو کچھ اس کے لیے مقدر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی راستہ سے خود اس کے پاس آ جاتا ہے اور اس کے برعکس جو شخص دنیا کو اپنا اصل مقصود مطلوب بنالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ محتاجی اور پریشان حالی اس پر اس طرح مسلط کردیتا ہے کہ دیکھنے والوں کو اُس کے چہرے پر اور اس کی بیچ پیشانی میں اُس کے آثار نظر آتے ہیں اور دنیا کی طلب میں خون پسینہ ایک کردینے کے بعد بھی اس طالب دنیا کو بس وہی ملتا ہے جو پہلے ہی سے اس کے لیے مقدر ہے۔ پس جب واقعہ اور حقیقت یہ ہے تو بندہ کو چاہیے کہ آخرت ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے اور دنیا کو بس ایک عارضی اور وقتی ضرورت سمجھ کر اس کی طرف اتنی ہی فکر کرے جتنی کہ کسی عارضی وقتی چیز کی فکر ہونی چاہیے۔

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ. (رواه فى شرح السنه)

حضرت جبیر بن نفیر تابعی سے روایت ہے وہ بطریق ارسال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ کی طرف سے اس کی وحی نہیں کی گئی اور یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال و دولت جمع کروں اور تجارت و سوداگری کو اپنا پیشہ اور مشغلہ بناؤں بلکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہ اور ہو جا اللہ کے حضور میں جھکنے والوں اور گرنے والوں میں سے اور کیے جا بندگی اپنے پروردگار کی' موت آنے تک۔ (شرح السنہ)

تشریح:...... جن کو شریعت کے اصول و احکام کا کچھ علم ہے وہ جانتے ہیں کہ تجارت اور اس کے ذریعہ دولت کمانا ناجائز نہیں ہے اور شریعت کے احکام کا ایک بڑا حصہ تجارت وغیرہ مالی معاملات سے بھی متعلق ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُن تاجروں کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں جو امانت داری' راست بازی اور دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتے ہوں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خاص مقام تھا اور جو کام اللہ تعالیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لینا تھا اس میں تجارت جیسے کسی جائز معاشی مشغلے میں بھی مشغول ہونے کی گنجائش نہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قناعت اور توکل کا وافر سرمایہ دے کر اس فکر سے فارغ بھی فرمادیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ مجھے تو اُن ہی کاموں میں اپنے کو لگانا ہے جن کا مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور حکم ہے' میرا کام تجارت اور دولت اندوزی نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں میں بھی اللہ کے جو بندے خالص متوکلانہ طرزِ زندگی کو اپنے لیے پسند کریں اور اس راستے کے شدائد و مصائب پر صبر کی ہمت رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی دولت اُن کو میسر ہو تو ان کے لیے بھی بلاشبہ یہی افضل ہے لیکن جن کا یہ حال نہ ہو اُن کو کسی جائز معاشی مشغلہ کا اختیار کرنا خاص کر ہمارے اس زمانہ میں ضروری ہے۔

پسندیدہ مومن کی صفات

عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَغْبَطُ أَوْلِيَاءِ عِنْدِيْ لَمُؤْمِنٌ خَفِيْفُ الْحَاذِ ذُوْ حَظٍّ مِنَ

الصَّلٰوةِ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَاَطَاعَهُ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُشَارُ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهٗ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِيَدِهٖ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهٗ قَلَّتْ بَوَاكِيْهِ قَلَّ تُرَاثُهٗ. (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجہ)

ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مؤمن ہے جو سبک بار (یعنی دنیا کے ساز وسامان اور مال وعیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو نماز اُس کا بڑا حصہ ہو اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفت احسان کے ساتھ کرتا ہو اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری اس کا شعار ہو اور یہ سب کچھ اخفاء کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کیے جاتے ہوں اور اس کی روزی بھی بقدر کفاف ہو اور وہ اس پر صابر وقانع ہو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی چٹکی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہارِ تعجب یا اظہارِ حیرت کے لیے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آ گئی اس کو موت اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے الوان واحوال مختلف ہیں لیکن ان میں بہت زیادہ قابل رشک زندگی ان اہل ایمان کی ہے جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے ساز وسامان اور مال وعیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے مگر نماز اور عبادات میں اُن کا خاص حصہ اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گمنام کہ آتے جاتے کوئی ان کی طرف انگلی اُٹھا کے نہیں کہتا کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں اور ان کی روزی بس بقدرِ کفاف لیکن وہ اس پر دل سے صابر وقانع۔ جب موت کا وقت آیا تو ایک دم رخصت نہ پیچھے زیادہ مال و دولت اور نہ جائیداد ومکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے اور نہ زیادہ اُن پر رونے والیاں۔

بلاشبہ بڑی قابل رشک ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی اور الحمد للہ کہ اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کا فکر آخرت

عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِاَبِي الدَّرْدَاءِ مَالَكَ لَا تَطْلُبُ كَمَا يَطْلُبُ فُلَانٌ فَقَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَئُوْدًا لَا يَجُوْزُهَا الْمُثْقِلُوْنَ فَاُحِبُّ اَنْ اَتَخَفَّفَ لِتِلْكَ الْعَقَبَةِ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی اُم الدرداء سے روایت ہے کہ میں نے ابوالدرداء سے کہا کہ کیا بات ہے تم مال ومنصب کیوں نہیں طلب کرتے جس طرح کہ فلاں اور فلاں طلب کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گزار گھاٹی ہے اس کو گراں بار اور زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کر سکیں گے اس لیے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اس گھاٹی کو عبور کرنے کے لیے ہلکا پھلکا رہوں (اس وجہ سے میں اپنے لیے مال ومنصب طلب نہیں کرتا)۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر دورِ حیات میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں کہ مختلف راہوں سے اموال آتے تھے اور طالبین اور اہل حاجت کو تقسیم کیے جاتے تھے۔ اسی طرح بہت

سے لوگوں کو خاص خدمات اور مناصب پر مقرر کیا جاتا تھا اور ان کو اس خدمت اور کارکردگی پر وظیفہ ملتا تھا جس سے ان کا گزارہ آسان ہو جاتا تھا لیکن بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس زمانہ میں بھی فقر و فاقہ کی زندگی ہی کو اپنے لیے پسند کرتے تھے' انہی میں سے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے وہ آخرت کے محاسبہ اور محشر کی تکلیفوں اور سختیوں سے امن اسی میں سمجھتے تھے کہ دنیا سے کم سے کم حصہ لیا جائے اور بس کسی طرح زندگی بسر ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلایا تھا کہ آخرت کی دُشوار گزار گھاٹیوں کو وہی لوگ آسانی سے عبور کرسکیں گے جو دنیا میں ہلکے پھلکے رہیں گے اور جو لوگ دنیا میں اپنے اوپر زیادہ بوجھ لادلیں گے وہ آسانی سے ان گھاٹیوں کو پار نہ کرسکیں گے۔

اللہ کا پیارا بندہ

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَاالْعِيَالِ. (رواہ ابن ماجہ)

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ مؤمن بندہ بہت پیارا اور محبوب ہے جو غریب و نادار اور عیال دار ہو اور اس کے باوجود باعفت ہو۔ (ابن ماجہ)

تشریح:...... بلاشبہ جو شخص افلاس اور فقر و فاقہ کی حالت میں بھی محرمات و مشتبہات سے اپنی حفاظت کرے اور اپنی تنگ حالی کا اظہار بھی نہ کرے وہ بڑا باہمت اور اللہ کا پیارا بندہ ہے۔

جو بندگانِ خدا اس دنیا میں تنگ حالی و ناداری میں مبتلا کیے گئے ہیں اور غریبی اور فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں کاش! وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں سے تسلی اور سبق حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم والی جو فقیرانہ و غریبانہ زندگی نصیب فرمائی ہے اس کو اپنے حق میں نعمت سمجھ کر صابر و شاکر رہیں تو فقر و فاقہ کی تکلیفیں ہی ان کے لیے سامانِ راحت و لذت بن جائیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ اَوْ احْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَّرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِّنْ حَلَالٍ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھوکا ہو یا اُس کو کوئی اور خاص حاجت ہو اور وہ اپنی اس بھوک اور حاجت کو لوگوں سے چھپائے (یعنی اُن کے سامنے ظاہر کر کے ان سے سوال نہ کرے) تو اللہ عزوجل کے ذمہ ہے کہ اس کو حلال طریقے سے ایک سال کا رزق عطا فرمائے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنا یہ دستور مقرر فرمالیا ہے اور جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اور اس کی شان کریمی پر دل کے پورے یقین کے ساتھ اس کا تجربہ کرے گا ان شاء اللہ وہ اس کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

زُہد کے ثمرات و برکات

زُہد کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے ہیں اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کے لیے دنیا کے لذائذ و مرغوبات

کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اور عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دینے کو زُہد کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اور اپنے ارشادات میں بھی اُمت کو زُہد کی بڑی ترغیب دی ہے اور اس کے بہت کچھ دنیوی و اخروی ثمرات و برکات بیان فرمائے ہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا اَنَا عَمِلْتُهُ اَحَبَّنِي اللّٰهُ وَاَحَبَّنِي النَّاسُ قَالَ اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْ مَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ایسا کوئی عمل بتلائیے کہ جب میں اس کو کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی طرف سے اعراض اور بے رُخی اختیار کر لو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور جو (مال و جاہ) لوگوں کے پاس ہے اس سے اعراض اور بے رُخی اختیار کر لو تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

تشریح: ...... یہ واقعہ ہے دنیا کی محبت اور چاہت ہی آدمی سے وہ سارے کام کراتی ہے جن کی وجہ سے وہ خدا کی محبت کے لائق نہیں رہتا اس لیے اللہ کی محبت حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ دنیا کی چاہت اور رغبت دل میں نہ رہے۔ جب دنیا کی محبت دل سے نکل جائے گی تو دل اللہ کی محبت کے لیے فارغ ہو جائے گا اور پھر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ایسی خالص ہونے لگے گی کہ وہ بندہ اللہ کو محبوب اور پیارا ہو جائے گا۔

اس طرح جب کسی بندہ کے متعلق عام طور سے لوگ یہ جان لیں کہ یہ ہماری کسی چیز میں حصہ نہیں چاہتا نہ یہ مال کا طالب ہے نہ کسی عہدہ اور منصب کا تو پھر لوگوں کا اس سے محبت کرنا گویا انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔

فائدہ: ...... زُہد کے بارے میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ جس شخص کے لیے دنیا کی لذتیں اور راحتیں حاصل کرنے کے مواقع ہی نہ ہوں اور اس مجبوری کی وجہ سے وہ دنیا میں عیش نہ کرتا ہو وہ زاہد نہیں ہے' زاہد وہ ہے جس کے لیے دنیا کے عیش و تنعم کے پورے مواقع میسر ہوں مگر اس کے باوجود وہ اس سے دل نہ لگائے اور متنعمین کی سی زندگی نہ گزارے۔ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک کو زاہد کہہ کے پکارا' انہوں نے فرمایا کہ زاہد تو عمر بن عبدالعزیز تھے کہ خلیفہ وقت ہونے کی وجہ سے دنیا گویا ان کے قدموں میں تھی لیکن انہوں نے اس سے حصہ نہیں لیا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاَبِيْ خَلَّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَأَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطٰى زُهْدًا فِي الدُّنْيَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ. (رواه البيهقی فی شعب الايمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی بندہ کو اس حال میں دیکھو کہ اُس کو زُہد یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی بے رُخی اور کم سخنی (یعنی لغو اور فضول باتوں سے زبان کو محفوظ رکھنے کی صفت) اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو اُس کے پاس اور اس کی صحبت میں رہا کرو کیونکہ جس بندے کا یہ حال ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کا القاء ہوتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... حکمت کے القاء ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھتا ہے اور اُس کی زبان سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو صحیح اور نافع ہوتی ہیں اس لیے اس کی صحبت کیمیا اثر ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حکمت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا. "جس کو حکمت عطا کی جائے اُس کو خیر کثیر عطا کیا گیا۔"

عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِى الدُّنْيَا اِلَّا اَنْبَتَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فِىْ قَلْبِهٖ وَاَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهٗ وَبَصَّرَهٗ عَيْبَ الدُّنْيَا وَدَاءَ هَا وَاَخْرَجَهٗ مِنْهَا سَالِمًا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ بھی زہد اختیار کرے (یعنی دنیا کی رغبت وچاہت اپنے دل سے نکال دے اور اس کی خوش عیشی وخوش باشی کی طرف سے بے رغبتی اور بے رُخی اختیار کرلے) تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت کو اُگائے گا اور اس کی زبان پر بھی حکمت کو جاری کرے گا اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور پھر اس کا علاج معالجہ بھی اس کو آنکھوں سے دکھادے گا اور دنیا سے اس کو سلامتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچادے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... اوپر کی حدیث سے بھی معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں جو شخص زہد اختیار کرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکمت القا کی جاتی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے اس کی اور زیادہ تفصیل اور تشریح معلوم ہوئی۔ اس حدیث میں:

"اَنْبَتَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فِىْ قَلْبِهٖ" (اللہ اس کے دل میں حکمت اُگاتا ہے)

کے بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ گویا اسی حکمت کی تفصیل وتشریح ہے اور مطلب یہ ہے کہ زہد اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں پہلا نقد صلہ یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں حکمت اور معرفت کا تخم ڈال دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے نشوونما پاتا رہتا ہے اور ترقی کرتا رہتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زبانوں سے حکمت ہی کا چشمہ جاری رہتا ہے اور دنیا کے عیوب وامراض گویا اُن کو آنکھوں سے دکھا دیئے جاتے ہیں اور ان کے علاج معالجہ میں بھی ان کو خاص بصیرت عطا ہوتی ہے اور دوسرا خاص انعام ان بندوں پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایمان اور تقویٰ کی سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اُٹھاتا ہے اور وہ اس فانی دنیا سے نکال کر جاودانی عالم میں یعنی دارالسلام جنت میں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ" فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) هَلْ لِتِلْكَ مِنْ عَلَمٍ يُعْرَفُ بِهٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَا فِىْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

"فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو اپنی راہ پر لگائے اور اپنی رضا اور اپنا قرب نصیب فرمائے تو کشادہ کردیتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے یعنی عبدیت اور

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی کیلئے اس کا دل کھول دیا جاتا ہے) یہ آیت تلاوت فرمانے کے بعد اس کی تفصیل اور تشریح کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: نور جب سینہ میں آتا ہے تو سینہ اس کی وجہ سے کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اس حالت کی کوئی علامت بھی ہے جس سے اس کو پہچانا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! دنیا جو دھوکے فریب کی جگہ ہے اس سے طبیعت کا ہٹ جانا اور اُچاٹ ہو جانا (یعنی توبہ واستغفار اور معاصی سے اجتناب اور عبادت کی کثرت کے ذریعہ موت کی تیاری کرنا)۔

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو اپنی خاص عبدیت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک خاص نور اور جذبہ ربانی پیدا کر دیتا ہے جس سے اس کا سینہ عبدیت والی زندگی کے لیے کھل جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں دنیا سے بے رغبتی و بے رخی اور آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کی لقا اور جنت کا شوق اور اُس کی تیاری یہ ساری چیزیں اس کی زندگی میں اُبھر جاتی ہیں اور ان کے ذریعہ اس بات کو جانا جا سکتا ہے کہ اس بندہ کو وہ خاص نور نصیب ہو گیا اور جذبہ ربانی اس کے دل میں ڈال دیا گیا ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

روایت ہے عمرو بن شعیب سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس اُمت کی پہلی نیکی اور بہتری یقین اور زُہد ہے اور اس کی پہلی خرابی بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ اس اُمت کی صلاح و فلاح اور اس کے کمالات و ترقیات کی بنیاد اس کی دو صفتیں تھیں ایک یقین اور دوسری زہد اور جب اُمت میں بگاڑ شروع ہوگا تو سب سے پہلے یہی دو صفتیں اس میں سے جائیں گی اور ان کی ضد بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو آئے گی اور اس کے بعد خرابیوں اور برائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور اُمت برابر گرتی ہی چلی جائے گی۔

شارحین نے جیسا کہ لکھا ہے اس حدیث میں یقین سے مراد خاص اس حقیقت کا یقین ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ کسی کو ملتا ہے اور جو اچھی یا بری حالت کسی پر آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے اور اللہ کے فیصلہ سے آتی ہے اور زہد کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگایا جائے اور اس کی ناپائیدار لذتوں اور راحتوں کو مطلوب و مقصود نہ بنایا جائے اور اس یقین اور زہد کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے حاصل ہو جانے کے بعد آدمی اللہ کے راستے میں اور اعلیٰ مقاصد کے لیے جان و مال خرچ کرنے میں بخل نہیں کرتا یعنی صاحب یقین اور زاہد کے لیے کسی اچھے مقصد کے لیے اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کر دینا اور خطرات میں کود پڑنا آسان ہو جاتا ہے اور یہی مؤمن کی ساری ترقیوں کی کنجی ہے اور جب مؤمن ان صفات سے خالی ہو جائے یعنی بجائے اللہ پر یقین کے اُس کا یقین اپنے مال پر ہو جائے اور وہ سمجھنے لگے کہ اگر مال میرے پاس ہوگا تو زندگی اچھی گزرے گی اور مال نہ ہوگا تو میں تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤں گا تو اس میں ضرور بخل پیدا ہو جائے گا اور اسی طرح جب زہد کی صفت اس میں نہ رہے گی اور دنیا اس کی مطلوب و مقصود بن جائے گی تو اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی خواہش لازماً اس کے دل میں پیدا ہو جائے گی جس کو

حدیث میں امل سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ بخل اور امل پیدا ہو جانے کے بعد مؤمن اپنے اصل مقام سے گرتا ہی چلا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی خاص غرض و غایت اور اس میں اُمت کے لیے خاص ہدایت یہ ہے کہ اُمت کی صلاح و فلاح کے لیے ضروری ہے کہ اس میں یقین اور زہد کی صفات پیدا کرنے کی اور ان ایمانی صفات کی حفاظت کی پوری فکر اور جدوجہد کی جائے اور بخل اور امل (یعنی دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو) جیسی غیر ایمانی صفات سے اپنے قلوب کی حفاظت کی جائے اُمت کی اصلاح و فلاح اسی سے وابستہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں فقر و زہد

عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلٰثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ وَمَالِيْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَّاْكُلُهٗ ذُوْ كَبِدٍ اِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيْهِ اِبْطُ بِلَالٍ. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا اور اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا اور ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لیے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اس کے جو بلال نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو سبق دینے کے لیے اپنا واقعہ سنایا کہ دین کی دعوت اور اللہ کا پیغام پہنچانے کے سلسلے میں مجھے ایسی ایسی مصیبتوں سے گزرنا پڑا ہے، دشمنوں نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میرے سوا کسی کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا اور جب میں نے ان کی دھمکیوں کا اثر نہیں لیا اور دین کی دعوت دیتا ہی رہا تو ان ظالموں نے مجھے اتنا ستایا اور ایسی ایسی تکلیفیں دیں کہ میرے سوا کسی کو ایسی تکلیفوں سے گزرنا نہیں پڑا اور بھوک اور فاقہ کی تکلیف بھی اتنی اُٹھائی کہ ایک دفعہ پورے مہینہ کے تیس دن رات اس حالت میں گزر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی بجز اُس کے کہ بلال نے اپنی بغل میں کچھ دبا رکھا تھا پورے مہینہ مجھے اور بلال کو اُسی پر گزارہ کرنا پڑا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنَ اُخْتِيْ اِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ اِلَى الْهِلَالِ ثَلٰثَةَ اَهِلَّةٍ فِيْ شَهْرَيْنِ وَمَا اُوْقِدَتْ فِيْ اَبْيَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ فَقُلْتُ مَا كَانَ يُعَيِّشُكُمْ قَالَتْ اَلْاَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ اِلَّا اَنَّهٗ قَدْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِيْرَانٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَائِحُ وَكَانُوْا يَمْنَحُوْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْقِيْنَا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: میرے بھانجے! ہم (اہل بیت نبوت اس طرح گزارہ کرتے تھے کہ) کبھی کبھی لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یعنی کامل دو مہینے گزر جاتے تھے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں چولہا گرم نہ ہوتا تھا (عروہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ پھر آپ لوگوں کو کیا چیز

زندہ رکھتی تھی؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا بس کھجور کے دانے اور پانی (ان ہی پر ہم جیتے تھے) البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض انصاری پڑوسی تھے' اُن کے ہاں دودھ دینے والے جانور تھے' وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دودھ بطور ہدیہ کے بھیجا کرتے تھے اور اُس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... مطلب یہ ہے کہ تنگی اور ناداری اس قدر تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر دو دو مہینے ایسے گزر جاتے تھے کہ کسی قسم کا اناج بلکہ پکنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں آتی تھی جس کی وجہ سے چولہا جلانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی بس کھجور اور پانی پر دن کاٹے جاتے تھے یا کبھی پڑوس کے کسی گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دودھ آ تا تو وہ پیٹوں میں پہنچتا تھا' باقی بس اللہ کا نام!

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَاِنَّمَا كَانَ عَشَاءُ هُمْ خُبْزُ الشَّعِيْرِ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی راتیں پے بہ پے اس حالت میں گزرتی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے گھر والے خالی پیٹ فاقے سے رہتے تھے کیونکہ رات کا کھانا نہیں کھاتے تھے (اور جب کھاتے) تو اُن کا رات کا کھانا عام طور سے بس جَو کی روٹی ہوتی تھی۔ (ترمذی)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلٰثِيْنَ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ. (رواه البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے' فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حال میں وفات پائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ۳۰ صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری)

تشریح:...... ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا اس حساب سے ۳۰ صاع جَو قریباً اڑھائی من کے ہوئے۔ حدیث کا مقصد اور منشاء یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانروا بھی تھے) آپؐ کے گھر کے گزارہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زرہ رہن رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۳۰ صاع جَو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لیے تھے۔

مدینہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے چھوٹے چھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لیے جاسکتے تھے کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مصلحتیں ہوسکتی ہیں:

ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہل محبت اور نیاز مندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم کی ضرورت کا علم ہو کیونکہ پھر وہ بجائے قرض کے ہدیہ وغیرہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنا چاہتے اور اس سے ان پر بار پڑتا۔ نیز اس صورت میں ان سے قرض منگوانے میں ایک قسم کی طلب اور تحریک ہو جاتی۔

اور غالباً دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شبہ اور شائبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے کہ آپ کے ذریعے اہل ایمان کو دین کی جو دولت ملی اس کے عوض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حقیر سے حقیر بھی دنیوی فائدہ اُن سے اُٹھائیں' اس لیے مجبوری

اور ضرورت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرض بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتے تھے۔

تیسری مصلحت اس میں غالباً یہ بھی تھی کہ لین دین کے یہ تعلقات غیر مسلموں سے رکھنے میں ان کی آمد و رفت اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے تھے اور اس کا راستہ کھلتا تھا کہ وہ لوگ آپ کو اور آپ کی سیرت کو جانیں اور جانچیں اور ایمان اور رضائے الٰہی کی دولت سے وہ بھی بہرہ یاب ہوں۔ چنانچہ یہ نتائج ظہور میں بھی آئے۔ مشکوٰۃ ہی میں امام بیہقی کی "دلائل النبوۃ" کے حوالے سے مدینہ کے ایک بڑے دولت مند یہودی کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ قرض لیا تھا وہ تقاضا کو آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کیا کہ اس وقت ہم خالی ہاتھ ہیں اس لیے تمہارا قرضہ ادا کرنے سے آج مجبور ہیں، اس نے کہا کہ میں تو لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ جم کے وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ پورا دن گزر گیا اور رات بھی گزر گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران میں اُس یہودی کی موجودگی ہی میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا فرمائیں اور وہ نہیں ٹلا۔ بعض صحابہ کو اس کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور انہوں نے چپکے چپکے اس کو ڈرایا دھمکایا تاکہ وہ کسی طرح چلا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ کسی معاہد پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو، یہ سن کر ان صحابہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا۔ پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اُس یہودی نے کہا کہ دراصل میں روپیہ کے تقاضے کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ میں دیکھنا اور جانچنا چاہتا تھا کہ وہ اوصاف و علامات آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں یا نہیں جو تورات میں آخری زمانے میں آنے والے پیغمبر کے بیان کیے گئے ہیں۔ اب میں نے دیکھ لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ نبی موعود ہیں اس کے بعد اُس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنی ساری دولت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا "هٰذَا مَالِيْ فَاحْكُمْ فِيْهِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ" یہ میرا سارا مال حاضر ہے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اس کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں اور جس مصرف میں چاہیں اس کو صرف فرمائیں۔ (مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم)

عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيْرٍ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ فِرَاشٌ قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِنْ آدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى اُمَّتِكَ فَاِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ اَوَفِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پٹھوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے ہیں اور اس کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے اور چٹائی کی بناوٹ نے آپؐ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں اور سرہانے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ حضورؐ! اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو فراخی اور خوشحالی عطا فرمائے۔ روم اور فارس

والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے فراخی دی ہے حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کیے گئے ہیں اور اس لیے) ان کی وہ لذتیں (جو اللہ اُن کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں اُن کو دے دی گئی ہیں اور ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اُن کے لیے دنیا کا عیش ہو اور ہمارے لیے آخرت کا عیش۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیرانہ زندگی اور اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل دُکھا اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرما دیتے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جانتے تھے کہ آپ اپنے لیے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دُعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے اس لیے عرض یہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے لیے وسعت اور فراخی کی دُعا فرمائیں اور اسی کے ساتھ اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر دیا کہ دنیا کی وسعت و دولت جب ایسی معمولی چیز ہے کہ اللہ نے روم و فارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے آپ کی اُمت کو کیوں نہ عطا فرمائی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس گزارش پر بطور تنبیہ کے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا کہ اے فرزند خطاب! کیا تم بھی ابھی حقیقت ناشناسی کے اُس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو! روم و فارس وغیرہ کی یہ قومیں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں، ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ آخرت کی اُس زندگی میں جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے ان بے چاروں کو کچھ نہیں ملنا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جو کچھ عیش و راحت ان کو دینا چاہتا تھا وہ اسی دنیا میں دے دیا گیا ہے ایسی حالت میں اُن کے عیش و آرام اور ان کی دولت مندی کو دیکھ کر اس پر للچانا اور اس کی حرص کرنا حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہے۔ تم کو تو فکر و طلب بس آخرت کی ہونی چاہیے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرائے ہے، کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش و آرام۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِىْ جَسَدِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَکَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِىْ وَلِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا. (رواه احمد والترمذی و ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) کھجور کی چٹائی پر سوئے، پھر جب سو کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے تو جسم مبارک میں اُس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات پڑے ہوئے تھے (اس حالت کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہو کر) اس خادم ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں تو ہم حضرتؐ کے لیے بستر کا انتظام کریں اور کچھ بنائیں (یعنی آپؐ سے اس کی اجازت چاہی) ارشاد فرمایا: مجھے دنیا سے (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور اس کی راحتوں اور لذتوں سے) کیا تعلق اور کیا لینا! میرا تعلق دنیا کے ساتھ بس ایسا ہے جیسا کہ کوئی سوار مسافر کچھ دیر سایہ لینے کے لیے کسی درخت کے نیچے ٹھہرا اور پھر اُس کو اپنی جگہ چھوڑ کر منزل کی طرف چل دیا۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح:......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ مسافر درخت کے نیچے ٹھہرنے کے تھوڑے سے وقت کے لیے راحتوں کے انتظامات کرنا ضروری نہیں سمجھتا اور منزل مقصود پر پہنچنے کی فکر کے سوا اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی بس یہی میرا حال ہے اور حق یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی حقیقت جس پر پوری طرح منکشف ہو جائے تو اُس کا حال اس کے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا۔ اس کو دنیا میں راحتوں کے بڑے بڑے انتظامات کی فکر کرنا اور اس کے لیے اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کا صرف کرنا ایسا ہی کارِحماقت معلوم ہوگا جیسا کہ درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرنے والے مسافر کا اس ذرا سے وقت کیلئے بڑے بڑے انتظامات میں مشغول ہونا۔

پچھلے صفحات میں جو حدیثیں دولت کی مذمت اور فقر وزُہد کی فضیلت میں گزر چکی ہیں۔ اگرچہ ان کی تشریح میں جابجا اشارہ کیا جاچکا ہے کہ دولت صرف وہی خطرناک ہے جو خدا سے غفلت اور آخرت کی طرف سے بے پروائی پیدا کرے لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ بندہ اللہ کی توفیق سے دولت کے ذریعہ بھی اللہ کی رضا اور جنت کمائے تو پھر ایسی دولت خدا کی بڑی نعمت ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں میں یہی مضمون صراحت اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

نیکی کیلئے دولت حاصل کرنے کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالاً اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْیًا عَلٰى اَهْلِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِیَ اللّٰهَ تَعَالٰى یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَوَجْهُهٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالاً مُكَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِیًا لَقِیَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانُ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان و ابو نعیم فی الحلیة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کی دولت بطریق حلال اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے تا کہ اُس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے اور اپنے اہل وعیال کے لیے روزی اور آرام و آسائش کا سامان مہیا کر سکے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اور سلوک کر سکے تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اس شان کے ساتھ حاضر ہوگا کہ اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعہ سے اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہو جائے اور اس دولت مندی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھا سکے اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کے لیے داد و دہش کر سکے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔ (شعب الایمان للبیہقی وحلیہ ابی نعیم)

تشریح:......معلوم ہوا کہ اچھی نیت سے اور نیک مقصد کے لیے دنیا کی دولت حلال ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا تو اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل وکرم ہوگا جس کے نتیجہ میں اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور منور ہوگا۔ لیکن اگر دولت کمانے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا اور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا اور لوگوں کے دکھاوے کے لیے بڑے بڑے کام

کرنا ہو تو یہ دولت کمانا اگرچہ حلال ہی طریقے سے ہو تب بھی یہ ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا اور اگر ناجائز اور حرام طریقوں سے ہو تب تو سخت ترین وبال ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُعْطِى الْعَبْدَ عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَايُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اِسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُوْنَ. (روہ احمد)

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اس کی معصیت کوشی اور نافرمانی کے باوجود دنیا کی وہ نعمتیں (مال ودولت اور راحت وعزت وغیرہ) دے رہا ہے جن کا وہ بندہ خواہاں اور طالب ہے تو سمجھ لو کہ وہ اس کے حق میں استدراج ہے۔ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور استشہاد) قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ الْاٰيَة" جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب انہوں نے بھلا دیا ان باتوں کو جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے کھول دیئے ان پر دنیا کی سب نعمتوں کے دروازے یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں کے ملنے پر خوب مست ہوئے اور اترائے تو ہم نے ایک دم ان کو اپنی سخت پکڑ میں لے لیا۔ پس وہ حیران وششدر اور آئندہ کے لیے بالکل ناامید ہو کر رہ گئے۔ (مسند امام احمد)

تشریح:......اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین چل رہے ہیں جن کے مطابق افراد یا اقوام کے ساتھ وہ معاملہ فرماتا ہے ان میں سے ایک "استدراج" بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی مجرم اور باغی بندہ یا گروہ معصیت کوشی اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہے اور آخرت اور خدا کے احکام سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر زندگی گزارنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہو کر کبھی کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اُس کی رسی اور دراز کر دی جاتی ہے اور کچھ مدت کے لیے نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ اطمینان اور سرمستی کے ساتھ اس خدا فراموشی اور سرکشی میں آگے بڑھتا رہے اور پھر بڑی سے بڑی سزا پائے۔ دین کی خاص زبان میں اللہ تعالیٰ کے اس معاملہ کو "استدراج" کہا جاتا ہے۔ پس مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی بندہ یا گروہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھلا کر مجرمانہ اور باغیانہ زندگی گزار رہے ہیں اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو انواع واقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں اور وہ دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں تو کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو کر اپنی نعمتیں ان پر انڈیل رہا ہے بلکہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی رسی دراز کر رہا ہے اور ان کا آخری انجام بہت برا ہونے والا ہے۔

کفار کی خوشحالی کی حقیقت

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِىْ مَاهُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِنَّ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا يَمُوْتُ يَعْنِى النَّارَ. (رواه البغوى فى شرح السنة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کسی بدکار (کافر یا فاسق) پر کسی نعمت اور خوش حالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اس پر کیا کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اس کے لیے ایک ایسا قاتل ہے جس کو کبھی موت نہیں۔ (اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے

والے راوی عبداللہ بن ابی مریم کہتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اس قاتل سے دوزخ کی آگ ہے (یعنی وہ بے چارا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے، پس ایسے شخص پر رشک کرنا کتنی بڑی حماقت اور گمراہی ہے)۔ (شرح السنۃ)

تشریح:...... بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک مؤمن اور نیکوکار بندہ جو اس چند روزہ امتحانی دنیا میں تنگی اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے جب وہ کسی بدکار اور خدا سے تعلق نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھاٹھ کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے تو شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے اور کم سے کم یہ کہ دل میں اس کی حالت پر رشک ہی پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں اور خدا فراموشی اور بداعمالی کی وجہ سے آخرت کی دوامی زندگی میں عذاب نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں اُن کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحب ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہیے۔ ان بے چاروں کم بختی کے ماروں کا جو آخری انجام ہونے والا ہے اور ان پر جو بپتا پڑنے والی ہے اگر وہ معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوشحالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل ایسی نظر آئے گی جیسے کہ پھانسی پانے والے مجرم کو دو چار دن پہلے سے خاص سہولتیں دی جاتی ہیں اور کھانے پینے کے بارے میں اس کی خواہش اور چاہت معلوم کر کے حتی الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے ان کے حقائق کا یقین نصیب فرمایا ہے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے اُن کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل یہی ہے اس لیے ان کے دلوں میں ان کو دیکھ کر رشک نہیں پیدا ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو ایمان نصیب فرما کر ان بے چاروں کے برے حال اور برے انجام سے بچا لیا ہے۔

اس عاجز نے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فراموش اہل دنیا کو دیکھ کر بے اختیار اُن کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کی یہ دُعا جاری ہو جاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلاً.

(ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں اے بندے تو مبتلا کیا گیا ہے اور اس نے مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر برتری عطا فرمائی)

غربت کی وجہ سے کسی کو حقیر نہ سمجھو

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهٗ جَالِسٌ مَارَأْيُكَ فِيْ هٰذَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَشْرَافِ النَّاسِ هٰذَا وَاللّٰهِ حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ يُّنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ يُّشَفَّعَ، قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَارَأْيُكَ فِيْ هٰذَا؟ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ، هٰذَا حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ لَا يُنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ لَا يُشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ اَنْ لَا يُسْمَعَ

لِقَوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ مِلْأِ الْاَرْضِ مِثْلِ هٰذَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص (جو غالباً دولت مند اور معززین میں سے تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب سے جو آپ کے پاس اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے پوچھا کہ اس گزرنے والے شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بہت بڑے اور معزز آدمیوں میں سے ہے، یہ ایسی شان والا ہے کہ جس گھرانے کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام دے تو منظور کر لیا جائے اور نکاح کر دیا جائے اور اگر کسی معاملے میں سفارش کر دے تو اس کی سفارش ضرور مانی جائے۔ سہل بن سعد کہتے ہیں کہ یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اور اللہ کا بندہ گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ہی صاحب سے پھر پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بے چارہ نادار اور مسکین مسلمانوں میں سے ہے یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیغام دے تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے اور اگر کسی معاملہ میں سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے اور کوئی بات کہنا چاہے تو اس کی بات بھی نہ سنی جائے۔ (ان کا یہ جواب سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے والے اُس آدمی کے مثل اگر زمین بھر ہوں تو یہ ایک اکیلا فقیر و مسکین اُن سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:...... انسانوں کی عام حالت یہ ہے کہ دنیا کی دولت اور دنیا کی بڑائی ہی کو وہ اصل بڑائی اور وزن اور قیمت کی چیز سمجھتے ہیں اور اسی سے متاثر ہوتے ہیں اور اللہ کے جو بندے اس سے خالی ہوں (اگرچہ اُن کے پاس ایمان اور حسن عمل کی دولت کتنی ہی وافر ہو) عام طور سے اہل دنیا ان کو حقیر و ذلیل ہی سمجھتے ہیں۔ یہ حدیث دراصل اسی قلبی اور ذہنی بیماری کے علاج کا ایک نسخہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو صاحب اس وقت بیٹھے ہوئے تھے (جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گفتگو میں مخاطب رہے) اُن میں بھی اس مرض کے کچھ جراثیم ہوں اور آپ نے ان کی اصلاح کے لیے ہی یہ گفتگو فرمائی ہو۔

شارحین نے یہ بھی لکھا ہے اور حدیث کے ظاہر الفاظ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ دونوں گزرنے والے مسلمان ہی تھے البتہ پہلے جو گزرے وہ دنیا کی دولت و وجاہت میں برتر تھے اور دین کے لحاظ سے کمتر اور بعد میں جو صاحب گزرے وہ دنیا کے لحاظ سے تو کمتر تھے مگر دین اور تعلق باللہ میں برتر اور بلندتر۔ اسی فرق کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے جیسے اگر اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ اللہ کی وسیع زمین ان سے بھر جائے تو بھی بعد میں گزرنے والا اللہ کا غریب و مسکین یہ ایک بندہ ان سب سے بہتر ہے۔ اللہ اکبر! دین اور تعلق باللہ کی عظمت و رفعت کا کیا ٹھکانا!

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے پراگندہ بالوں والے گرد و غبار میں اَٹے ہوئے جن کو دروازوں پر دھکے دیئے جائیں (اللہ کے نزدیک ان کا مقام یہ ہوتا ہے کہ)

اگر اللہ پر وہ قسم کھائیں تو ان کی قسم کو اللہ ضرور پورا کرے۔ (مسلم شریف)

تشریح:...... اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی کو میلا کچیلا' خستہ حال اور پراگندہ بال دیکھ کر حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔ ایسوں میں اللہ کے بعض بندے وہ بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے لیے اپنے کو مٹا کر اُس کے یہاں ایسا تقرب اور محبوبیت و مقبولیت کا وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر وہ کسی معاملہ میں قسم کھا جائیں کہ اللہ ایسا ہی کرے گا یا ایسا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے اور ایسا ہی کر دیتا ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کا مقصد و منشا پراگندہ بالی اور گرد آلودگی اور میلا کچیلا رہنے کی ترغیب دینا نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے) حدیث و سیر کی متواتر شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے صاف ستھرا رہنا پسند فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے بلکہ بعض لوگوں کو جب آپ نے اس حال میں دیکھا کہ اس بارے میں وہ تفریط اور غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی اس حالت کے درست کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ لوگ پراگندہ بال' میلے کچیلے اور گرد و غبار میں اَٹے ہوئے رہا کریں بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا' حدیث کا مقصد و منشا اور اس کی روح یہی ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کو خستہ حال اور گرد آلود دیکھ کر اُس کو حقیر اور اپنے سے کمتر نہ سمجھا جائے کیونکہ بہت سے اس حال میں رہنے والے بھی خاصانِ خدا میں سے ہوتے ہیں۔ پس اس حدیث میں دراصل ان لوگوں کے خیال اور حال کی اصلاح کی گئی ہے جو اللہ کے غریب و خستہ حال بندوں کو ناکارہ و نکما سمجھتے ہیں اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے ذہنی تکبر کی وجہ سے ان کے ساتھ ملنے جلنے اور ان کے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں اور اسی میں اپنی بڑائی کی حفاظت سمجھتے ہیں۔

غرباء کی برکات

عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَاٰى سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلاً عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ. (رواه البخاری)

مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ میرے والد سعد کو (اللہ تعالیٰ نے جو خاص صلاحیتیں بخشی تھیں مثلاً شجاعت' سخاوت' فہم و فراست وغیرہ ان کی وجہ سے ان کا) کچھ خیال تھا کہ جو (غریب اور کمزور قسم کے مسلمان ان چیزوں میں) ان سے کمتر ہیں وہ ان کے مقابلہ میں فضیلت اور برتری رکھتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کے اس خیال اور حال کی اصلاح کیلئے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم لوگوں کی جو مدد ہوتی ہے اور تم کو جو نعمتیں ملتی ہیں وہ (تمہاری صلاحیتوں اور قابلیتوں کی بنیاد پر نہیں ملتیں بلکہ) تم میں جو بے چارے کمزور اور خستہ حال ہیں' ان کی برکت اور ان کی دُعاؤں سے ملتی ہیں۔ (بخاری)

تشریح:...... حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو خیال تھا چونکہ اس کی بنیاد ایک قسم کے کبر پر تھی اس لیے اس کی اصلاح اور اس کے علاج کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتلایا کہ تم جن مسکینوں کو اپنے سے کمتر اور اپنے کو ان سے برتر سمجھتے ہو' اللہ تعالیٰ ان ہی کے طفیل میں اور ان ہی کی دعاؤں سے تم کو وہ سب کچھ دیتا ہے جس سے تم یہاں بڑے بنے ہوئے ہو' آج بھی

ہم جیسے لکھے پڑھے جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ صلاحیتیں دے رکھی ہیں اور دین کی کسی خدمت کی توفیق مل رہی ہے' عموماً اسی قسم کے کبر میں مبتلا ہیں۔ "نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا"

ف:...... اسی حدیث کی نسائی کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس طرح ہیں:

اِنَّمَا يَنْصُرُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِضَعِيْفِهِمْ بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلٰوتِهِمْ وَاِخْلَاصِهِمْ

ظاہر ہے کہ اس روایت کے الفاظ اداء مطلب میں صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ سے زیادہ واضح ہیں۔

صبر وشکر حاصل کرنے کا طریقہ

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاقْتَدٰى بِهٖ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ اِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاَسِفَ عَلٰى مَا فَاتَهٗ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا. (رواه الترمذی)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین اور صابرین میں لکھیں گے (ان دو خصلتوں کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ دین کے معاملے میں تو اللہ کے اُن بندوں پر نظر رکھے جو دین میں اُس سے فائق اور بالاتر ہوں اور ان کی پیروی اختیار کرے اور دنیا کے معاملے میں اُن غریب ومسکین اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اس سے بھی کمتر ہوں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے ان بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صابر وشاکر لکھا جائے گا اور جس کا حال یہ ہو کہ وہ دین کے بارے میں تو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو دیکھے اور دنیا کے بارے میں اپنے سے بالاتر لوگوں پر نظر کرے اور جو دنیاوی نعمتیں اس کو نہیں ملی ہیں ان کے نہ ملنے پر افسوس اور رنج کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شاکر وصابر نہیں لکھا جائے گا۔ (ترمذی)

تشریح:...... شکر اور صبر ایمان اور تعلق باللہ کے دو ایسے رُخ ہیں کہ جس بندہ میں یہ دونوں جمع ہو جائیں تو اُس کو گویا ایمان کا کمال نصیب ہو گیا اور دین کی دولت بھرپور مل گئی اور اس کی تدبیر اور اس کا معیار اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ اپنے کو اس بات کا عادی بنا لے کہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے ان اچھے بندوں پر نظر رہا کرے جن کا مقام دین میں (یعنی ایمان واعمال اور اخلاص میں) اپنے سے بلند تر ہو اور ان کی پیروی کرتا رہے اور دنیا کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن خستہ حال اور مبتلائے مصائب بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی لحاظ سے اپنے سے کمتر اور پست تر ہوں اور ان کے مقابلے میں دنیوی راحت وعافیت کی جو فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دی گئی ہے اس کو محض اللہ کا فضل سمجھ کر اپنے اُس محسن مالک کا شکر ادا کرتا رہے۔

نیکی کی توفیق بڑی نعمت ہے

عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ اَیُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ مَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَسَاءَ عَمَلُهٗ. (رواہ احمد)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا' یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب رہے گا)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے اعمال اچھے رہے۔ پھر اُسی سائل نے عرض کیا کہ آدمیوں میں زیادہ برا (اور آخرت میں زیادہ خسارہ میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اُس کے برے رہے۔ (مسند احمد)

تشریح: ...... ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمال صالحہ والی زندگی ہوگی تو جتنی طویل عمر اس کو ملے گی اُسی قدر اس کے دینی درجات میں ترقی ہوگی اور اس کے برعکس جس کے اعمال واخلاق اللہ سے دور کرنے والے ہوں گے اس کی عمر جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر وہ اللہ کی رحمت ورضا سے دُور تر ہوتا چلا جائے گا۔

عَنْ عُبَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰخٰی بَیْنَ رَجُلَیْنِ فَقُتِلَ اَحَدُهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ بَعْدَهٗ بِجُمُعَةٍ اَوْ نَحْوِهَا فَصَلُّوْا عَلَیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاقُلْتُمْ؟ قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰهَ اَنْ یَّغْفِرَلَهٗ وَیَرْحَمَهٗ وَیُلْحِقَهٗ بِصَاحِبِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَیْنَ صَلٰوتُهٗ وَعَمَلُهٗ بَعْدَ عَمَلِهٖ اَوْ قَالَ صِیَامُهٗ بَعْدَ صِیَامِهٖ لَمَا بَیْنَهُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت عبید بن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی (یعنی اُس وقت کے دستور کے مطابق ان کو باہم بھائی بھائی بنایا) پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب (قریبی ہی زمانہ میں جہاد میں شہید ہوگئے) پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہوگیا (یعنی ان کا انتقال کسی بیماری سے گھر ہی پر ہوا) تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا کہ آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا (یعنی مرنے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دُعا کی؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس کے لیے یہ دُعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے' اس پر رحمت فرمائے اور (ان کے جو ساتھی شہید ہو کے اللہ کے قرب ورضا کا وہ مقام حاصل کر چکے ہیں جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے' اللہ ان کو بھی اپنے فضل وکرم سے اُسی مقام پر پہنچائے) اپنے اُس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کردے (تاکہ جنت میں اُسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے) یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اُس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد (یعنی شہادت کی وجہ سے ان کی نمازوں کا سلسلہ ختم ہوجانے کے بعد) انہوں

نے پڑھیں اور دوسرے وہ اعمال خیر کہاں گئے جو اس شہید کے اعمال کے بعد انہوں نے کیے یا آپ نے یوں فرمایا کہ اس کے وہ روزے کہاں گئے جو اس بھائی کے روزوں کے بعد انہوں نے رکھے۔ (راوی کو شک ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعمال کا ذکر کیا تھا یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے بعد میں مرنے والے اس بھائی کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اُس بھائی سے کمتر سمجھا، اسی واسطے تم نے اللہ سے یہ دُعا کی کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کو بھی اُس شہید بھائی کے ساتھ کر دے حالانکہ بعد میں مرنے والے بھائی نے شہید ہونے والے بھائی کی شہادت کے بعد بھی جو نمازیں پڑھیں اور جو روزے رکھے اور جو دوسرے اعمال خیر کیے، تمہیں معلوم نہیں کہ ان کی وجہ سے اس کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے بہت زیادہ بلند ہو چکا ہے یہاں تک کہ دونوں کے مقامات اور درجات میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق اور فاصلہ ہے۔

راہِ خدا میں جان دینا بلاشبہ بہت اونچا عمل ہے اور اس کی بڑی فضیلتیں ہیں لیکن نماز، روزہ وغیرہ اعمال خیر اگر اخلاص اور احسانی کیفیت کے ساتھ نصیب ہوں تو ان کے ذریعے جو ترقی اور بلندی نصیب ہوتی ہے اس کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ نیز چونکہ بعد میں مرنے والے یہ بھائی بھی راہِ خدا کے سپاہی اور جہاد کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہنے والوں میں سے تھے اس لیے بستر پر موت آنے کے باوجود وہ اپنی نیت اور شوقِ شہادت کی وجہ سے مقامِ شہادت پر بھی فائز ہوئے اور بعد کے نماز، روزہ وغیرہ اعمال خیر نے ان کے درجہ کو اس قدر بلند کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درجوں میں زمین اور آسمان سے زیادہ فاصلہ بتلا دیا۔



وصیت

مالی معاملات وتصرفات کے ابواب میں سے ایک ''وصیت'' کا باب بھی ہے۔ وصیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص جس کے پاس جائیداد یا کسی شکل میں سرمایہ ہو، وہ یہ طے کر دے کہ میری فلاں جائیداد یا سرمایہ کا اتنا حصہ میرے انتقال کے بعد فلاں مصرفِ خیر میں صرف کیا جائے یا فلاں شخص کو دے دیا جائے۔ شریعت میں اس طرح کی وصیت کو قانونی حیثیت حاصل ہے، اور اس کے خاص شرائط اور احکام ہیں جن میں سے بعض ذیل میں درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گے اور مزید تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اپنے متروکہ مال کے بارے میں اس طرح کی وصیت اگر لوجہ اللہ اور ثواب آخرت کی نیت سے کی گئی ہے تو ایک طرح کا صدقہ ہے اور شریعت میں اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور اگر کسی کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی ہے، یا اس پر کسی شخص کا قرض ہے یا کسی طرح کا حق ہے تو اس کی واپسی اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے اور جو بھی وصیت ہو اس کو لکھ کر محفوظ کر دینا چاہئے۔ اس باب کی چند حدیثیں ذیل میں مطالعہ کی جائیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم مَا حَقُّ امْرَئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْئٌ يُوْصٰى فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان بندے کے لئے جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جائیداد یا سرمایہ یا امانت اور قرض وغیرہ) ہو جس کے بارے میں وصیت کرنی چاہئے تو درست نہیں کہ وہ دو راتیں گزار دے، مگر اس حال میں کہ اس کا وصیت نامہ لکھا ہوا، اس کے پاس ہو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے اور وصیت نامہ لکھنے یا لکھانے کے لئے اس کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ جب موت قریب نظر آئے گی اس وقت وصیت کر دیں گے۔ بلکہ ہر مرد مؤمن کو چاہئے کہ وہ ہر وقت موت کو قریب سمجھے اور اپنا وصیت نامہ تیار رکھے، دو دن بھی ایسے گزرنے نہیں چاہئیں کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں سستی اور تاخیر نہ کی جائے۔ معلوم نہیں کہ موت کا فرشتہ کس وقت آ جائے۔ حضرت ابن عمرؓ سے اس حدیث کی روایت کرنے والے ان کے خادم نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ارشاد سننے کے بعد ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میرا وصیت نامہ میرے پاس نہ ہو۔

افسوس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کا رواج امت میں اب بہت ہی کم ہے۔ بس خواص بلکہ اخص الخواص کو اس کی توفیق ہوتی ہے، حالانکہ اس میں دنیوی لحاظ سے بھی بہت خیر ہے، وصیت نامہ کے ذریعہ عزیزوں، قریبوں

اور وارثوں کے درمیان بعد میں اٹھنے والے بہت سے نزاعات اور جھگڑوں کا بھی انسداد ہو سکتا ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَعُوْدُنِیْ وَاَنَا بِمَکَّۃَ وَھُوَ یَکْرَہُ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْاَرْضِ الَّتِیْ ھَاجَرَ مِنْھَا، فَقَالَ یَرْحَمُ اللّٰہُ ابْنَ عَفْرَاءَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُوْصِیْ بِمَالِیْ کُلِّہٖ؟ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرَ؟ قَالَ لَا، قُلْتُ فَالثُّلُثُ؟ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ اِنَّکَ اَنْ تَدَعَ وَرَثَتَکَ اَغْنِیَاءَ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَھُمْ عَالَۃً یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِیْ اَیْدِیْھِمْ وَاِنَّکَ مَھْمَا اَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَۃٍ فَاِنَّھَا صَدَقَۃٌ حَتّٰی اللُّقْمَۃَ الَّتِیْ تَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ اِمْرَأَتِکَ وَعَسَی اللّٰہُ اَنْ یَرْفَعَکَ فَیَنْتَفِعَ بِکَ نَاسٌ وَیُضَرُّبِکَ اٰخَرُوْنَ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ یَوْمَئِذٍ اِلَّا ابْنَتُہٗ. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں (سخت مریض ہوا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور میں اس بات کو بہت برا سمجھتا تھا کہ میری موت مکہ کی اس سرزمین میں ہو جس سے میں ہجرت کر چکا ہوں (اور جس کو اللہ کے لئے ہمیشہ کے واسطے چھوڑ چکا ہوں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (دعا کے طور پر مجھے تسلی دینے کے لئے) ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرمائے عفراء کے بیٹے (سعد) پر (حضرت سعد کی والدہ کا نام یا لقب عفراء تھا) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (بطور استفسار کے عرض کیا کہ (حضرت کی کیا رائے ہے) میں اپنی ساری دولت کو (فی سبیل اللہ اور مصارف خیر میں) صرف کرنے کی وصیت کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں (ایسا نہ کرو) میں نے عرض کیا کہ پھر آدھی دولت کے بارے میں یہ وصیت کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں (اتنا بھی نہیں) میں نے عرض کیا کہ تو پھر تہائی کے لئے وصیت کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں تہائی کی وصیت کر دو، اور تہائی بھی بہت ہے۔ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ) تمہارے لئے یہ بات کہ تم اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑ کے جاؤ، اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلسی اور تنگ دستی کی حالت میں چھوڑ کے جاؤ کہ وہ (اپنی ضروریات کے لئے) دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اور تم جو کچھ بھی (لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے) خرچ کرو گے (اگرچہ وہ خرچ اپنے عزیزوں، قریبوں اور وارثوں پر ہو) تو وہ تمہاری طرف سے "صدقہ" ہوگا حتیٰ کہ جو لقمہ تم اپنے ہاتھ سے اٹھا کے اپنی بیوی کے منہ میں دو گے (وہ بھی عند اللہ تمہارا صدقہ ہوگا) آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی امید ہے کہ وہ تم کو اس مرض سے صحت و شفاء دے کر) مستقبل میں تم کو بلند مرتبہ پر پہنچائے پھر تم سے بہت سے بندگان خدا کو نفع پہنچے گا اور بہت لوگوں کو نقصان۔ (اس حدیث کو حضرت سعد سے روایت کرنے والے (ان کے صاحبزادے عامر بن سعد) کہتے ہیں کہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے) اس زمانے میں حضرت سعد کے صرف ایک بیٹی تھیں (اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں تھی) (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح...... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حجۃ الوداع کے سفر میں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، مکہ معظمہ میں یہ سخت بیمار پڑے، اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں "اشفیت علی الموت"، یعنی میں گویا موت کے کنارہ پہنچ گیا تھا اور چونکہ وہ مہاجرین میں سے تھے اس لئے یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ جس مکہ کو وہ

اللہ کے لئے چھوڑ چکے ہیں اور ہجرت کر چکے ہیں وہاں ان کا انتقال ہو اور اس کی سرزمین میں دفن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان کی یہ فکر اور پریشانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "یرحم اللہ ابن عفراء" کہہ کر ان کے لئے دعا کی اور تسلی دی، پھر حضرت سعد نے (جو دولت مند صحابہ میں سے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے مال و دولت کے بارے میں وصیت سے متعلق دریافت کیا، (اس حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے صراحت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کی دی ہوئی میرے پاس بہت دولت ہے اور میری صرف ایک بیٹی ہے) میں اپنی آخرت بہتر بنانے کیلئے سوچتا ہوں کہ اپنی ساری دولت کے لئے وصیت کر جاؤں کہ وہ فی سبیل اللہ مصارف خیر میں صرف کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی، پھر آدھی دولت کے لئے ایسی وصیت کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، صرف تہائی کی اجازت دی اور فرمایا کہ تہائی بھی بہت ہے۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ بھی بتلایا کہ عند اللہ اور تمہاری آخرت کے لئے بھی یہی بہتر ہے کہ تم تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرو۔ عزیزوں، قریبوں پر خرچ کرنا اور وارثوں کے لئے چھوڑنا بھی عند اللہ صدقہ ہے۔ (بشرطیکہ رضائے الٰہی اور ثواب کی نیت ہو، اس حدیث کی بعض روایات میں اس شرط کی صراحت ہے) اسی سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حتیٰ کہ اس نیت کے ساتھ اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دینے میں بھی تمہارے لئے ثواب ہے حالانکہ اس میں حظ نفس بھی ہے۔

سب سے آخر میں آپ نے جو فرمایا کہ "عسی اللہ ان یرفعک" الخ" یہ حضرت سعد کے حق میں ایسی پیشین گوئی تھی جس کا اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ابھی تم سے بہت کام لینا ہے، تم ان شاء اللہ اس مرض سے صحت یاب ہو کر اٹھ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تم کو ایسے بلند مرتبہ پر پہنچائے گا کہ تمہارے ہاتھوں قوموں کی تقدیریں بنیں گی اور بگڑیں گی۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ۱۰ھ میں ایسی حالت میں ارشاد فرمائی تھی کہ حضرت سعدؓ اپنے کو موت کے کنارے پر سمجھ رہے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت سعدؓ اس کے بعد قریباً آدھی صدی تک اس دنیا میں رہے اور اللہ نے ان کو یہ بلند مرتبہ بخشا کہ حکومت فارس کے قریباً سارے زیر اقتدار علاقے انہی کی قیادت میں فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے اور اللہ کے لاکھوں بندوں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی، پھر وہ عراق کے حاکم بھی رہے اور ۵۵ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۵۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت سعد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اور اس کا اس طرح ظہور میں آنا بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔

اس حدیث سے ''وصیت'' کے بارے میں یہ اصولی حکم معلوم ہوا کہ جس شخص کے وارث ہوں اس کو فی سبیل اللہ اور مصارف خیر کے لئے بھی اپنے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنی جائز نہیں، اس پر امت کے آئمہ وعلماء کا تقریباً اتفاق ہے۔ ہاں اپنی زندگی میں فی سبیل اللہ اور مصارف خیر میں جو کچھ خرچ کرنا چاہے کر سکتا ہے، تہائی کی یہ قید موت کے بعد سے متعلق وصیت ہی کے بارے میں ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ واقعہ حجۃ الوداع کے سفر کا ہے جو ۱۰ھ کے اواخر میں ہوا تھا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متعدد روایات

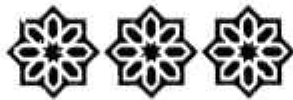
میں اس کی صراحت ہے لیکن ترمذی کی ایک روایت میں اس کو فتح مکہ والے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے۔ جو ۸ھ میں ہوا تھا۔ محدثین کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ ترمذی کی روایت میں ایک راوی کو سہو ہوا ہے، جس کو محدثین کی اصطلاح میں "وہم" کہا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْاَةُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُ هُمَا الْمَوْتُ فيضَار اِنْ فِی الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ. (رواه احمد والترمذى وابوداؤد وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (کبھی ایسا ہوتا ہے) کوئی مرد یا کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی گزراتے رہتے ہیں، پھر جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (حق داروں کو) نقصان پہنچا دیتے ہیں (تو اس ظلم اور حقدار بندوں کی اس حق تلفی کی وجہ سے) ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے شرعی وارث موجود ہیں جو اللہ کے مقرر کئے ہوئے قانون کے مطابق اس کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ کے حق دار ہوں گے تو یہ آدمی کسی ناراضی وغیرہ کی وجہ سے ان کو محروم کرنے کے لئے کسی غیر آدمی کے حق میں یا کسی خاص مصرف کے لئے وصیت کر دیتا ہے یا کوئی اور ایسی تدبیر کرتا ہے جس سے وہ وارث محروم ہو جائیں، تو یہ (اس حدیث کے مطابق) اتنا بڑا گناہ اور ایسا ظلم ہے کہ اس کی وجہ سے ساٹھ سالہ طاعت و فرمانبرداری برباد ہو جاتی ہے اور آدمی عذاب دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر شخص کو اپنی ایک تہائی دولت کے بارے میں وصیت کرنے کی اجازت ہے لیکن نیک نیتی شرط ہے۔ وارثوں اور حقداروں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ بہر حال گناہ اور ظلم ہے۔



مرض و عیادت

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موت کے متعلق بتلایا کہ وہ فنا اور نیست ہو جانا نہیں ہے بلکہ ایک دوسری زندگی کا آغاز اور ایک دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جانا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایمان والے بندوں کے لئے نہایت ہی خوشگوار ہوگا، اس لحاظ سے وہ موت مؤمن کا تحفہ ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ بیماری بھی صرف دکھ اور مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک پہلو سے وہ رحمت ہے اور اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، اور اللہ کے سعادت مند بندوں کو چاہئے کہ بیماری اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں کو خدائی تنبیہ سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش میں لگ جائیں۔ ذیل کی حدیثوں میں یہی تعلیم اور ہدایت کی گئی ہے۔

عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِلِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ. (رواہ ابوداؤد)

عامر رامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمایا (یعنی بیماری کی حکمتیں اور اس میں جو خیر کا پہلو ہے اس کا تذکرہ فرمایا) اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ: جب مرد مؤمن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت وعافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کے لئے نصیحت و تنبیہ کا کام کرتی ہے اور (خدا و آخرت سے غافل و بے پرواہ) منافق آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے (تو وہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا اور کوئی نفع نہیں اٹھاتا) اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا، پھر کھول دیا، لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان سب ارشادات کا خاص سبق اور پیغام یہی ہے کہ بیماریوں اور دوسری تکلیفوں اور پریشانیوں کو (جو اس دنیوی زندگی کا گویا لازمہ ہیں) صرف مصیبت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہ سمجھنا چاہئے۔ اللہ سے صحیح تعلق رکھنے والے بندوں کے لئے ان میں بھی بڑا خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے، ان کے ذریعہ گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور بلند درجات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے اعمال کی کمی کی کسر پوری ہوتی ہے، اور ان کے ذریعہ سعادت مند بندوں کی تربیت ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم کی یہ کتنی عظیم برکت ہے کہ جن بندوں کو ان حقیقتوں کا یقین ہے وہ بڑی سے بڑی بیماری اور مصیبت کو بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ اپنے جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت نصیب

فرمائی ہے بس وہی جانتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور اس سے بیماری اور مصیبت کے حال میں بھی دل اور روح کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں کتنی ترقی اور کس قدر اضافہ ہوتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهٗ بِمِثْلِ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا. (رواه البخاری)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر میں جائے (اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے اپنی عبادت وغیرہ کے معمولات پورا کرنے سے مجبور ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال اسی طرح لکھے جاتے ہیں جس طرح وہ صحت وتندرستی کی حالت میں اور زمانہ اقامت میں کیا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح: یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص لطف وکرم اور فضل واحسان ہے کہ اگر آدمی بیماری یا سفر جیسی کسی مجبوری سے اپنے ذکر و عبادت وغیرہ کے معمولات پورے نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامہ میں اپنے حکم سے وہ معمولات لکھواتا ہے، جو یہ بندہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ لَا تُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ۔

مریض کی عیادت وتسلی اور اس کی خدمت وہمدردی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونچے درجہ کا نیک عمل اور ایک طرح کی مقبول ترین عبادت بتلایا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دی ہے، خود آپ کا دستور اور معمول بھی تھا کہ مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، ان سے ایسی باتیں کرتے جن سے ان کو تسلی ہوتی اور ان کا غم ہلکا ہوتا، اللہ کا نام اور اس کا کلام پڑھ کر ان پر دم بھی فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ (رواه البخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ مریض ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا تو اللہ کا دین اسلام قبول کر لے اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھے، اس نے لڑکے سے کہا تو ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات مان لے، اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرماتے تھے: ''حمد اس اللہ کی جس نے اس لڑکے کو جہنم سے نکال لیا۔'' (صحیح بخاری)

تشریح: اس حدیث سے ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض غیر مسلم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خادمانہ تعلق رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر مسلموں کی بھی عیادت فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جن غیر مسلموں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ قریب ہونے کا موقع ملتا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ اپنی اولاد کے لئے اسلام قبول کرنا بہتر اور بھلائی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا شْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجْعَهُ الَّذِىْ تُوُفِّىَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِىْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دم کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پر پھیرتی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں ''معوذات'' سے مراد بظاہر سورۂ **قل اعوذ برب الفلق** ''اور'' **قل اعوذ برب الناس** ''ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دعائیں مراد ہیں جن میں اللہ سے پناہ طلب کی جاتی ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔

موت اور اسکے متعلقات

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَّ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مرنے والوں کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں مرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اور اس وقت ان کے سامنے کلمہ **لا الٰہ الا اللّٰہ** پڑھا جائے، یہی تلقین کا مطلب ہے، تاکہ اس وقت ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف متوجہ ہو جائے، اور اگر زبان ساتھ دے سکے تو اس وقت اس کلمہ کو پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کرلیں اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جائیں، علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اس وقت اس مریض سے کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے، نہ معلوم اس وقت اس بیچارے کے منہ سے کیا نکل جائے، بلکہ اس کے سامنے بس کلمہ پڑھا جائے۔

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِقْرَؤُوْا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰسین پڑھا کرو۔ (مسند احمد، سنن ابن داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح: یہاں بھی مرنے والوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس حکم کی خاص حکمت اور مصلحت کیا ہے، البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ سورت دین وایمان سے متعلق بڑے اہم مضامین پر مشتمل ہے

اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس میں اس کا بڑا موثر اور تفصیلی بیان ہے، اور خاص کر اس کی آخری آیت: فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ موت کے وقت کے لئے بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔

عَنْ حَصِيْنِ بْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَةَ ابْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَقَالَ اِنِّيْ لَا اُرٰى طَلْحَةَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْنِيْ بِهٖ وَعَجِّلُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ اَهْلِهٖ. (رواہ ابو داؤد)

حصین ابن وحوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ طلحہ بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے (ان کی نازک حالت دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے آدمیوں سے فرمایا: میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت آ ہی گیا ہے (اگر ایسا وقت ہو جائے) تو مجھے خبر کی جائے اور (ان کی تجہیز و تکفین میں) جلدی کی جائے، کیونکہ کسی مسلمان کی میت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ گھر والوں کے بیچ میں دیر تک رہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین وغیرہ میں جلدی کی جائے۔

کسی کی موت پر اس کے اقارب اور اعزہ و متعلقین کا رنجیدہ و غمگین ہونا اور اس کے نتیجہ میں آنکھوں سے آنسو بہنا اسی طرح بے اختیار گریہ کے دوسرے آثار کا ظاہر ہو جانا بالکل فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس آدمی کے دل میں محبت اور دردمندی کا جذبہ موجود ہے، جو انسانیت کا ایک قیمتی اور پسندیدہ عنصر ہے، اس لئے شریعت نے اس پر پابندی نہیں عائد کی، بلکہ ایک درجہ میں اس کی تحسین اور قدر افزائی کی ہے، لیکن نوحہ و ماتم اور ارادی و اختیاری طور پر رونے پیٹنے کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے، اولاً تو اس لئے کہ یہ مقام عبدیت اور رضا بالقضا کے بالکل خلاف ہے، دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فہم کی جو بیش بہا نعمت عطا فرمائی ہے اور حوادث کو انگیز کرنے کی جو خاص صلاحیت بخشی ہے، نوحہ و ماتم اور رونا پیٹنا اس نعمت خداوندی کا گویا کفران ہے۔ نیز اس سے اپنے اور دوسروں کے رنج و غم میں اضافہ ہوتا ہے اور فکر و عمل کی قوت کم از کم اس وقت مفلوج اور معطل ہو جاتی ہے علاوہ ازیں نوحہ و ماتم اور رونا پیٹنا میت کے لئے بھی باعث تکلیف ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوٰى لَهٗ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهٗ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ قُضِيَ ؟ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَبَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَكَوْا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى لِسَانِهٖ اَوْ يَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ مریض ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو ساتھ لئے ہوئے ان کی عیادت کے لئے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اندر تشریف لائے تو ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''غاشیہ'' میں یعنی بڑی سخت

حالت میں دیکھا (یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے گرد آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ختم ہو چکے'' (یہ بات آپ نے یا تو ان کی حالت سے مایوس ہو کر اپنے اندازہ سے فرمائی یا بطور استفہام کے ان لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا جو پہلے سے وہاں موجود تھے۔ ان لوگوں نے عرض کیا: نہیں حضرت! ابھی ختم تو نہیں ہوئے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (ان کی وہ حالت دیکھ کر) رونا آ گیا، جب اور لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گریہ کے آثار دیکھے تو وہ بھی رونے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگو اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو! اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے رنج و غم پر تو سزا نہیں دیتا (کیونکہ اس پر بندہ کا اختیار اور قابو نہیں ہے، اور زبان کی طرف اشارہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) لیکن اس زبان کی (غلط روی پر، یعنی زبان سے نوحہ و ماتم کرنے پر) سزا بھی دیتا ہے اور (انا اللہ پڑھنے پر اور دعا و استغفار کرنے پر) رحمت بھی فرماتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میت کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے اس کو عذاب ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث کا اصل پیغام تو یہی ہے کہ کسی کے مرنے پر نوحہ و ماتم نہ کیا جائے۔ یہ چیز اللہ کے غضب اور عذاب کا باعث ہے بلکہ انا للہ اور دعا و استغفار کے ایسے کلمے پڑھے جائیں اور ایسی باتیں کی جائیں جو اللہ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کا وسیلہ بنیں۔ اس حدیث میں گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہونے کا بھی ذکر ہے۔ یہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ ان کے والد ماجد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی روایت کیا ہے، لیکن حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس سے انکار فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم ہی میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیان مروی ہے کہ جب ان کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس سلسلہ میں نقل کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ: یہ دونوں حضرات بلاشبہ صادق ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں یا تو ان کو سہو ہوا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات سننے یا سمجھنے میں ان کو غلطی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بارے میں قرآن مجید کی آیت ''لا تزر وازرۃ وزر اخرىٰ'' سے بھی استدلال کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ: اس آیت میں یہ قاعدہ اور اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روئیں گھر والے اور اس کی سزا دی جائے بیچارے مرنے والے کو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس طرح یہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ انہیں بھول چوک ہوئی اور نہ غلط فہمی، دوسری طرف حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا استدلال بھی وزنی ہے، اس لئے شارحین حدیث نے دونوں باتوں میں تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لئے توجیہ کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، ان میں سے ایک جو زیادہ معروف اور سہل الفہم بھی ہے یہ ہے کہ حضرت عمر و بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں کا تعلق اس صورت سے ہے

جب کہ گھر والوں کے رونے میں مرنے والے کے قصور اور غفلت کو بھی کچھ دخل ہو، مثلاً یہ کہ وہ خود رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کی وصیت کر گیا ہو جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا، یا کم سے کم یہ کہ گھر والوں کو رونے پیٹنے سے اس نے کبھی منع نہ کیا ہو۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں یہی توجیہ کر کے تطبیق کی کوشش کی ہے۔

ایک دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جب میت کے گھر والے اس پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں اور جاہلانہ رواج کے مطابق اس مرنے والے کے "کارنامے" بیان کر کے اس کو آسمان پر چڑھاتے ہیں تو فرشتے میت سے کہتے ہیں "کیوں جناب آپ ایسے ہی تھے؟" یہ بات بعض حدیثوں میں بھی وارد ہوئی ہے۔ یہاں اس سلسلہ میں بس اتنا ہی لکھنا مناسب سمجھا گیا۔ جو حضرات اہل علم اس سے زیادہ تفصیل چاہیں تو وہ **فتح الملهم شرح صحيح مسلم** کی طرف رجوع فرمائیں۔ اس میں اس مسئلہ پر بہت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی سخت بیماری کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس بیماری سے صحت یاب ہو گئے تھے، ان کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک روایت کے مطابق عہد صدیقی میں اور دوسری روایت کے مطابق عہد فاروقی میں ہوئی۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِىْ سَيْفٍ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَهٗ وَشَمَّهٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ فَقَالَ يَا بْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ابو سیف آہنگر کے گھر گئے۔ یہ ابو سیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ابراہیم (علیہ وعلی ابیہ السلام) کی دایہ اور مرضعہ (خولہ بنت المنذر) کے شوہر تھے اور (ابراہیم اس وقت کے رواج کے مطابق اپنی دایہ کے گھر ہی رہتے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو اٹھا لیا اور چوما اور (ان کے رخسار) پر ناک رکھی (جیسا کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہے) اس کے بعد پھر ایک دفعہ (ان صاحبزادے ابراہیم کی آخری بیماری میں) ہم وہاں گئے اس وقت ابراہیم جان دے رہے تھے (یعنی ان کا بالکل آخری وقت تھا) ان کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوف! جو ناواقفی سے سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کی چیزوں سے متاثر نہیں ہو سکتے، تو جب سے) انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی یہ حالت؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن عوف یہ (کوئی بری بات اور بری حالت نہیں بلکہ یہ) شفقت اور دردمندی ہے، پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اے ابراہیم تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:......اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک رنج و غم والے حوادث سے رنجیدہ و غمگین ہوتا تھا اور اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بھی بہتے تھے اور بلاشبہ یہی انسانیت کا کمال ہے کہ خوشی اور مسرت والی باتوں سے مسرت ہو اور رنج و غم کے موجبات سے رنج و غم ہو۔ اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو یہ اس کا نقص ہے' کمال نہیں ہے۔

امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ "ایک زمانہ میں میرے دل کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ اسباب مسرت سے مجھے مسرت نہیں ہوتی تھی اور موجبات غم سے غم نہیں ہوتا تھا۔ میں اس زمانہ میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی نیت سے ایسے مواقع پر مسرت اور رنج و غم کو بہ تکلف اپنے پر طاری کیا کرتا تھا' اس کے بعد خدا کے فضل سے وہ کیفیت زائل ہوگئی اور اب میرا یہ حال ہے کہ رنج و غم پہنچانے والے حوادث سے مجھے طبعی رنج و غم ہوتا ہے اور اسی طرح خوشی اور مسرت والی باتوں سے مجھے طبعی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔

تعزیت اور ہمدردی

موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا' اور اس کے ساتھ اظہار ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو اس کی ہدایت اور ترغیب بھی دیتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لیے مصیبت زدہ کا سا ہی اجر ہے۔ (جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

اہل میت کیلئے کھانے کا اہتمام

میت کے گھر والے تازہ صدمہ کی وجہ سے ایسے حال میں نہیں ہوتے کہ کھانے وغیرہ کا اہتمام کر سکیں' اس لیے ان کے ساتھ ہمدردی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس دن ان کے کھانے کا اہتمام دوسرے اعزہ اور تعلق والے کریں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ اَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کے والد ماجد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کیا جائے' وہ اس اطلاع کی وجہ سے ایسے حال میں ہیں کہ کھانے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں گے۔ (جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

موت پر صبر اور اس کا اجر

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ مَالِعَبْدِى الْمُؤْمِنِ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ اِلَّا الْجَنَّةَ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو جب میں اُٹھالوں پھر وہ ثواب کی اُمید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لیے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری)

عَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَلَائِكَتِهٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِىْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهٖ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِىْ فَيَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ ابْنُوْا لِعَبْدِىْ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کے کسی بندے کا بچہ انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے والے فرشتے سے فرماتا ہے تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی؟ وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں! پھر فرماتا ہے تم نے اس کے دل کا پھل اس سے لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں! پھر فرماتا ہے کہ اس بندہ نے اس حادثہ پر کیا کہا (اور اپنا کیا تاثر ظاہر کیا؟) فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس بندے نے آپ کی حمد، آپ کا شکر کیا اور (انا لله و انا اليه راجعون) پڑھا۔ (یعنی ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اس کے صابرانہ رویہ پر) اس کے لیے جنت میں ایک عالیشان گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک تعزیت نامہ اور صبر کی تلقین

عَنْ مُعَاذٍ اَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكَتَبَ اِلَيْهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّعْزِيَةَ ....

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّىْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ وَاَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَاِيَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهٖ فِىْ غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهُ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ الصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى اِنِ احْتَسَبْتَهُ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَاَنْ قَدْ وَالسَّلَامُ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انکے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو یہ تعزیت نامہ لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام۔ سلام علیک! میں پہلے تم سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ پر اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں۔ (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے' اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے صبر کیا۔ پس اے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع وفزع تمہارے قیمتی اجر کو غارت کردے اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع وفزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج وغم دور ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے جو حکم اُترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام (معجم کبیر ومعجم اوسط للطبرانی)

تشریح:...... قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ .

"ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور ہدایت یاب ہوں گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اے معاذ! اگر تم نے ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمہارے لیے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک تعزیت نامہ میں ہر اس صاحب ایمان بندہ کے لیے تعزیت ونصیحت اور تسلی وتشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے۔ کاش! اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز اور سکون بخش تعزیت سے سکون حاصل کریں اور صبر وشکر کو اپنا شعار بنا کر دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور رحمت وہدایت سے بہرہ اندوز ہوں۔

میت کے احکام

اللہ کا جو بندہ اس دنیا سے رخصت ہو کر موت کے راستے سے دارِ آخرت کی طرف جاتا ہے اسلامی شریعت نے اس کو اعزاز واکرام کے ساتھ رخصت کرنے کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے جو نہایت ہی پاکیزہ' انتہائی خدا پرستانہ اور نہایت ہمدردانہ اور شریفانہ طریقہ ہے۔ حکم ہے کہ پہلے میت کو ٹھیک اس طرح غسل دیا جائے جس طرح کوئی زندہ آدمی پاکی اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے نہاتا ہے۔ اس غسل میں پاکی اور صفائی کے علاوہ غسل کے آداب کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے۔ غسل کے پانی میں وہ چیزیں شامل کی جائیں جو میل کچیل صاف کرنے کے لیے لوگ زندگی میں بھی نہانے میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ

آخر میں کافور جیسی خوشبو بھی پانی میں شامل کی جائے تاکہ میت کا جسم پاک صاف ہونے کے علاوہ معطر بھی ہو جائے، پھر اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں دفنایا جائے لیکن اس سلسلہ میں اسراف سے بھی کام نہ لیا جائے۔ اس کے بعد جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں میت کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا اہتمام اور خلوص سے کی جائے۔ پھر رخصت کرنے کے لیے قبرستان تک جایا جائے پھر اکرام و احترام کے ساتھ بظاہر قبر کے حوالے اور فی الحقیقت اللہ کی رحمت کے سپرد کر دیا جائے۔

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَغْسِلُ اِبْنَتَهٗ فَقَالَ اِغْسِلْنَهَا ثَلاَثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْ رَاَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِيْ فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَاَلْقٰى اِلَيْنَا حِقْوَهٗ فَقَالَ اَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلاَثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا وَابْدَاْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت اُم عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک فوت شدہ صاحبزادی کو ہم غسل دے رہے تھے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور ہم سے فرمایا کہ تم اس کو بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ غسل دیجیو اور آخری دفعہ کافور بھی شامل کیجیو۔ پھر جب تم غسل دے چکو تو مجھے خبر کر دیجیو۔ (اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ) جب ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ "سب سے پہلے یہ اسے پہنا دو" اور اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو طاق دفعہ غسل دیجیو، تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ اور داہنے اعضاء سے اور وضو کے مقامات سے شروع کیجیو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:...... اس حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحبزادی کو غسل دینے کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جو ابوالعاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں۔ ان کی وفات ۸ ہجری کے اوائل میں ہوئی تھی اور اُم عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو اس حدیث کی راوی ہیں اور جو اس موقع پر غسل دینے والیوں میں تھیں ممتاز صحابیات میں سے ہیں، اس قسم کی خدمتوں میں یہ پیش پیش رہتی تھیں، خاص کر مرنے والی خواتین کو غسل دینا ان کو خوب آتا تھا۔ ابن سیرین تابعی جیسے جلیل القدر امام کا بیان ہے کہ میں نے غسل میت انہی سے سیکھا۔

اس حدیث میں بیری کے پتوں کے ساتھ اُبالے ہوئے پانی سے غسل دینے کا ذکر ہے۔ ایسا پانی جسم سے میل وغیرہ کو خوب صاف کرتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں جس مقصد کے لیے نہانے میں طرح طرح کے صابن استعمال کیے جاتے ہیں اس زمانہ میں اس مقصد کے لیے بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیا ہوا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔ مقصد صرف یہ ہے کہ میت کے جسم سے ہر قسم کے میل کچیل کی صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے۔ اسی لیے حکم فرمایا کہ غسل کم سے کم تین دفعہ دیا جائے اور اگر اس سے زیادہ مناسب سمجھا جائے تو چونکہ طاق عدد اللہ کو محبوب ہے اس لیے اس کا لحاظ بہر حال رکھا جائے۔ یعنی تین دفعہ یا پانچ دفعہ

اور اگر ضرورت محسوس ہو تو اس سے بھی زیادہ سات دفعہ غسل دیا جائے اور آخری دفعہ کافور بھی پانی میں ملا لیا جائے جو نہایت مہک دار اور دیرپا خوشبو ہے۔ یہ سب میت کا اعزاز و اکرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صاحبزادی کے لیے جس اہتمام سے اپنا تہبند مبارک دیا (اور بعض روایت میں تصریح ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل مکمل ہو جانے کی اطلاع دی گئی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جسم اقدس سے نکال کر وہ تہبند دیا) اور تاکید فرمائی کہ اس کو شعار (یعنی سب سے اندر کا لباس) بنا دو۔ اس سے علماء کرام نے سمجھا ہے کہ اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لباس وغیرہ کا تبرک کے طور پر اس طرح کا استعمال درست ہے اور اس سے نفع کی اُمید ہے۔ ہاں ان چیزوں میں غلو اور ان کے بھروسہ پر عمل سے غافل ہو جانا یقیناً گمراہی ہے۔

اس روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان صاحبزادی کو کیسے کپڑوں میں کفنایا گیا لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں جوزقی کی تخریج سے حضرت اُم عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کے سلسلہ میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

فَكَفَنَّاهَا فِيْ خَمْسَةِ اَثْوَابٍ وَخَمَرْنَاهَا كَمَا يُخْمَرُ الْحَيُّ.

ہم نے ان صاحبزادی کو پانچ کپڑوں میں کفنایا اور خمار (اوڑھنی) بھی اڑھائی جس طرح زندوں کو اڑھائی جاتی ہے۔ (اسی بناء پر عورتوں کے لیے کفن میں پانچ کپڑے ہی مسنون کہے گئے ہیں)

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِيْ ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ يَمَانِيَّةٍ بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلَا عَمَامَةٌ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وصال کے بعد) تین سفید یمنی کپڑوں میں کفنائے گئے جو سحولی تھے ان تین کپڑوں میں نہ تو کرتا تھا اور نہ عمامہ۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح: ...... اکثر شارحین نے سحولی کی تشریح میں کہا ہے کہ یمن کے علاقہ میں سحول ایک بستی تھی جہاں کے کپڑے مشہور تھے۔ بعض حضرات نے اس کے دوسرے معنی بھی بیان کیے ہیں لیکن راجح یہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے پہلے بھی یمنی چادریں استعمال فرماتے تھے وصال کے بعد آپ کے کفن میں بھی وہی استعمال کی گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا جس میں نہ کرتا تھا اور نہ عمامہ اور مردوں کے لیے کفن کے تین ہی کپڑے مسنون ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُغَالُوْا فِي الْكَفَنِ فَاِنَّهُ يُسْلَبُ سَرِيْعًا. (رواہ ابو داؤد)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ بیش قیمت کفن نہ استعمال کرو کیونکہ وہ جلدی ہی ختم ہو جاتا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: ...... مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ استطاعت کے باوجود میت کو کفن ردی کپڑے کا دیا جائے اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ بیش قیمت کپڑا کفن میں استعمال کیا جائے۔

واضح رہے کہ مردوں کو تین اور عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفنانے اور درمیانی حیثیت کے اچھے سفید کپڑے کا کفن دینے کے

مذکورہ بالا احکام کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ میت کے گھر والے سہولت سے اس کا انتظام کر سکتے ہوں اور اس کی استطاعت رکھتے ہوں ورنہ مجبوری کی حالت میں صرف ایک اور پرانے کپڑے میں بھی کفن دیا جاسکتا ہے اور اس میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے۔

غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف ایک پرانی اور اتنی چھوٹی سی چادر میں کفنایا گیا تھا کہ جب اس سے آپ کا سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس چادر سے سر ڈھک دیا گیا اور پاؤں کو اذخر گھاس سے چھپا دیا گیا اور اسی کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلِّىْ عَلَيْهَا وَيُفْرَغُ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے دو قیراط لے کر واپس ہوگا جن میں سے ہر قیراط گویا احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو آدمی صرف نماز جنازہ پڑھ کر واپس آجائے (دفن ہونے تک ساتھ نہ رہے) تو وہ ثواب کا (ایسا ہی) ایک قیراط لے کر واپس ہوگا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:...... جیسا کہ ظاہر ہے کہ حدیث کا مقصد جنازہ کے ساتھ جانے' اس پر نماز پڑھنے اور دفن میں شرکت کرنے کی ترغیب دینا اور فضیلت بیان کرنا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ چلا اور صرف نماز میں شرکت کر کے واپس آگیا وہ بقدر ایک قیراط کے اجر کا مستحق ہوگا اور جو شخص دفن تک شریک رہا وہ دو قیراط کا مستحق ہوگا۔ قیراط راجح قول کے مطابق درہم کا بارہواں حصہ ہوتا ہے۔ تقریباً دو پیسہ چونکہ اس زمانہ میں مزدوروں کو ان کے کام کی اجرت قیراط کے حساب سے دی جاتی تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس موقع پر قیراط کا لفظ بولا اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس کو دنیا کا قیراط (درہم کا بارہواں حصہ آنہ آدھ آنہ) نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ثواب آخرت کا قیراط ہوگا جو دنیا کے قیراط کے مقابلہ میں اتنا بڑا ہوگا جتنا احد پہاڑ اس کے مقابلے میں بڑا اور عظیم الشان ہے۔ اسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس عمل پر یہ عظیم ثواب تب ہی ملے گا جب کہ یہ عمل ایمان ویقین کی بنیاد پر اور ثواب ہی کی نیت سے کیا گیا ہو یعنی اس عمل کا اصل محرک اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر ایمان ویقین اور آخرت کے ثواب کی اُمید ہو۔ پس اگر کوئی شخص صرف تعلق اور رشتہ داری کے خیال سے یا میت کے گھر والوں کا جی خوش کرنے ہی کی نیت سے یا ایسے ہی کسی دوسرے مقصد سے جنازہ کے ساتھ گیا اور نماز جنازہ اور دفن میں شریک ہوا' اللہ اور رسول کے حکم اور آخرت کا ثواب اس کے پیش نظر تھا ہی نہیں تو وہ اس ثواب عظیم کا مستحق نہیں ہوگا۔ حدیث کے الفاظ "ایماناً و احتساباً" کا مطلب یہ ہے اور سمجھنا چاہیے کہ اعمال کے اجر اخروی کے لیے ایک عام شرط ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً

فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَیْهِ وَاِنْ تَکُ سِوٰی ذٰلِکَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِکُمْ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنازے کو تیز لے جایا کرو، اگر وہ نیک ہے تو (قبر اس کے لیے) خیر ہے (یعنی اچھی منزل ہے) جہاں تم (تیز چل کے) اس کو جلدی پہنچا دو گے اور اگر اس کے سوا دوسری صورت ہے (یعنی جنازہ نیک کا نہیں ہے) تو ایک برا (بوجھ تمہارے کندھوں پر) ہے (تم تیز چل کے جلدی) اس کو اپنے کندھوں سے اُتار دو گے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح:...... حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جنازہ کو جلدی اپنے ٹھکانے پہ پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ تجہیز وتکفین کے انتظام میں بھی بے ضرورت تاخیر نہ کی جائے اور جب دفن کے لیے جنازہ لے جایا جائے تو خواہ مخواہ آہستہ آہستہ نہ چلا جائے بلکہ مناسب حد تک تیز چلا جائے، اگر میت نیک اور اللہ کی رحمت کی مستحق ہے تو پھر جلدی اس کو اس کے اچھے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے اور اگر خدانخواستہ اس کے برعکس معاملہ ہے تو پھر جلدی اس کے بار سے سبکدوشی حاصل کی جائے۔

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی۔ میں نے سنا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کر رہے تھے۔ اے اللہ! تیرا یہ بندہ فلاں بن فلاں تیری امان میں اور تیری پناہ میں ہے، تو اس کو عذاب قبر اور عذاب نار سے بچا، تو وعدوں کا وفا کرنے والا اور خداوند حق ہے۔ اے اللہ! تو اس بندے کی مغفرت فرما دے، اس پر رحمت فرما تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح:...... جنازہ کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اور دُعائیں بھی ثابت ہیں۔ پڑھنے والے کو اختیار ہے جو چاہے دعا پڑھے اور چاہے تو ان میں سے متعدد دُعائیں پڑھے۔

واثلہ ابن اسقع کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز میں یہ دعا اتنی آواز سے پڑھی کہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سن کر ان کو محفوظ کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات نماز میں بعض دُعائیں وغیرہ اس لیے بالجہر، اور آواز سے پڑھتے تھے کہ دوسرے لوگ سن کر سیکھ لیں۔ جنازہ کی ان نمازوں میں دعاؤں کا آواز بلند پڑھنا بھی غالباً اسی مقصد سے تھا ورنہ عام قانون دُعا کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا آہستہ کرنا افضل ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

"ادعوا ربکم تضرعا وخفية" (اپنے رب سے دُعا کرو عاجزی ومسکینی کے ساتھ اور چپکے چپکے)

عَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّاَهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ. (رواه ابو داؤد)

حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کہ جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ پڑھیں (اور اس کے لیے مغفرت و جنت کی دُعا کریں) تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے (مغفرت اور جنت) واجب کر دیتا ہے۔ (مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کی روایت کرنے والے مرثد یزنی کہتے ہیں کہ) مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ دستور تھا کہ جب وہ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو اسی حدیث کی وجہ سے ان لوگوں کو تین صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک حدیث میں سو مسلمانوں کے لیے نماز جنازہ پڑھنے پر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث میں چالیس مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر، اور مالک بن ہبیرہ والی حدیث میں مسلمانوں کی تین صفوں کے نماز پڑھنے پر مغفرت و جنت کی سفارش اور دُعا کے قبول ہونے کا اطمینان ظاہر فرمایا گیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تینوں باتیں منکشف ہوئیں۔ غالباً پہلے آپ کو بتایا گیا کہ اگر کسی بندے کی نماز جنازہ سو مسلمان بندے پڑھیں اور اس نماز میں اس بندے کے لیے مغفرت و رحمت کی دُعا کریں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے حق میں ضرور ہی ان کی یہ دُعا قبول فرمالے گا۔ اس کے بعد اور تخفیف کر دی گئی اور صرف ۴۰ مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر یہی بشارت سنا دی گئی۔ اس کے بعد اور مزید تخفیف کر دی گئی اور تین صفوں کے نماز پڑھنے پر بھی آپ کو یہی اطمینان دلا دیا گیا اگرچہ تعداد ۴۰ سے بھی کم ہو۔ واللہ اعلم

تجہیز و تکفین میں شرکت کا اجر

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ.

جس مسلمان نے کسی مسلمان کے جنازہ میں شرکت کی، جنازہ کے ساتھ ساتھ گیا، اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب ملنے کی نیت سے کیا، پھر اس کی نماز جنازہ میں بھی شرکت کی اور دفن کے وقت تک اس کے ساتھ رہا، تو وہ دو قیراط ثواب لے کر اپنے گھر لوٹے گا، اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ اور جس شخص نے صرف نماز جنازہ ہی پڑھی اور اپنے گھر لوٹ گیا اور دفن میں شرکت نہیں کی تو اسے ایک قیراط ثواب ملے گا اور قیراط کی مقدار اُحد پہاڑ ہی کے برابر ہوگی۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اتباع جنازہ اور نماز جنازہ و دفن میت میں شرکت کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ یہ تینوں ہی کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اس سے ثواب ملنے کی نیت سے کئے گئے ہوں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اتباع جنازہ (یعنی جنازہ کی مشایعت (اس کے ساتھ ساتھ چلنا) بھی خلوص نیت کے ساتھ ہو، اور نماز جنازہ میں شرکت اور پھر قبر میں دفن کرنے میں شرکت بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصولِ اجر و ثواب

کی نیت سے ہو۔ میت کے گھر والوں کو خوش کرنے اور ان کا شکریہ حاصل کرنے کی نیت ہونے کا کوئی اجر وثواب نہ ملے گا۔

اگر یہ مذکورہ تینوں کام اخلاص کے ساتھ اجر وثواب کی نیت سے کئے گئے تو اس کا ثواب حدیث شریف کے مطابق دو قیراط کی مقدار میں ہوگا۔ اور ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر وزن کا ثواب رکھتا ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص صرف نماز جنازہ میں شرکت کر کے لوٹ گیا تو اسے ایک قیراط ثواب ملے گا اور یہ قیراط بھی احد پہاڑ کے وزن کا ثواب رکھتا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ثواب بقدر عمل ہوتا ہے۔ جس شخص نے عمل زیادہ کیا اسے ثواب بھی زیادہ ملے گا۔ اور جس نے کم عمل کیا ہے۔ اسے ثواب بھی کم ملے گا۔

تدفین کے آداب

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ سَعْدَ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ فِیْ مَرَضِهٖ الَّذِیْ هَلَکَ فِیْهِ اَلْحِدُوْلِیْ لَحْدًا وَاَنْصَبُوْ عَلَی اللَّبِنَ نَصْبًا کَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے عامر بیان کرتے ہیں کہ (والد ماجد) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مرض وفات میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے واسطے بغلی قبر بنائی جائے اور اس کو بند کرنے کے لیے کچی اینٹیں کھڑی کردی جائیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح:......اس سے معلوم ہوا کہ قبر کا افضل اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ وہ بغلی بنائی جائے اور کچی اینٹوں سے اس کو بند کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی اسی طرح بنائی گئی تھی لیکن اگر زمین ایسی کچی ہو کہ بغلی قبر نہ بن سکتی ہو تو پھر دوسرے طریقہ کی قبر بنائی جائے جس کو شق کہتے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حسب موقع دونوں طرح کی قبریں بنائی جاتی تھیں لیکن افضل لحد یعنی بغلی قبر ہی کا طریقہ ہے۔

عَنْ هِشَّامِ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَوْمَ اُحُدٍ اِحْفِرُوْا وَاَوْسِعُوْا وَاَعْمِقُوْا وَاَحْسِنُوْا وَادْفُنُوْا الْاِثْنَیْنِ وَالثَّلٰثَةَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوْا اَکْثَرَهُمْ قُرْآنًا. (رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد والنسائی)

ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن فرمایا کہ (شہداء کے لیے) قبریں کھودو اور ان کو وسیع اور گہرا کرو اور اچھی طرح بناؤ اور دو دو تین تین کو ایک ایک قبر میں دفن کرو اور ان میں سے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو اس کو آگے کرو اور مقدم رکھو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح:......غزوہ احد میں ستر کے قریب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شہید ہوئے تھے۔ ان سب کے لیے اس وقت الگ الگ قبریں کھودنا بہت مشکل بھی تھا اور ایسے خاص موقعوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظیر بھی قائم کرنی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کیے جائیں لیکن اس کی تاکید فرمائی کہ قبریں باقاعدہ کھودی جائیں، گہری بھی ہوں اور وسیع بھی ہوں اور ایک ہدایت یہ بھی دی کہ ایک قبر میں جب متعدد شہید دفن کیے جائیں تو ترتیب میں مقدم یعنی پہلے اور قبلہ کی جانب اس کو رکھا جائے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو، گویا وہ امام ہے اور اس کے ساتھ

والے مقتدی اس حدیث کی بناء پر جنگ جیسے غیر معمولی حالات میں جائز ہے کہ ایک ایک قبر میں کئی کئی مُردوں کو دفن کیا جائے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَدْخَلَ الْمَيِّتَ الْقَبْرَ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه احمد والترمذی و ابن ماجة و ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی میت کو قبر میں اتارتے (یا کوئی میت قبر میں اتاری جاتی) تو فرماتے تھے "بسم اللّٰه وباللّٰه وعلٰی ملة رسول اللّٰه" (ہم اس بندے کو اللہ کے نام پاک کے ساتھ اور اس کی مدد سے اور اس کے نبی کے طریقے پر سپرد خاک کرتے ہیں) اور اسی حدیث کی بعض روایتوں میں "علیٰ ملة رسول الله" کے بجائے "علیٰ سنة رسول الله" کا لفظ بھی روایت کیا گیا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد)

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ مُرْسَلاً عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَثّٰى عَلَى الْمَيِّتِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيْعًا وَاَنَّهٗ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ اِبْنِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ. (رواه البغوی فی شرح السنة)

امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر (یعنی دفن کے وقت اس کی قبر پر) دونوں ہاتھ ایک ساتھ بھر کے تین دفعہ مٹی ڈالی اور اپنے صاحبزادے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکایا، چھڑکوایا اور اس کے اوپر سنگ ریزے ڈلوائے۔ (شرح السنہ)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَلاَ تَحْبِسُوْهُ وَاَسْرِعُوْا بِهٖ اِلٰى قَبْرِهٖ وَيُقْرَءُ عِنْدَا رَأْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ.

(رواه البيهقی فی شعب الايمان وقال والصحيح انه موقوف عليه)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب تمہارا کوئی آدمی انتقال کر جائے تو اس کو دیر تک گھر میں مت روکو اور قبر تک پہنچانے اور دفن کرنے میں سرعت سے کام لو اور (دفن کے بعد) سر کی جانب سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات (تا مفلحون) اور پاؤں کی جانب اس کی اختتامی آیات (امن الرسول سے ختم سورۃ تک) پڑھی جائیں۔ (یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ روایت میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے سند کے لحاظ سے یہ ثابت نہیں ہے)۔

تشریح:...... میت کو دیر تک گھر میں نہ رکھنے اور کفن دفن میں جلدی کرنے کی ہدایت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیات کے قبر پر پڑھنے کا حکم ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی طرف سے نہیں دے سکتے تھے، یقیناً یہ بات بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سیکھی ہوگی، اس لیے سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہ ہو لیکن محدثین اور فقہاء کے اصول پر یہ حکم میں مرفوع ہی کے ہے۔

قبور کے متعلق ہدایات

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَ اَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ وَ اَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبر کو گچھ سے پختہ کیا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے یا اس پر بیٹھا جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... قبر کے بارے میں شریعت کا اصولی نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک طرف تو میت کے تعلق سے اس کا احترام کیا جائے، کسی قسم کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ اسی بناء پر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کوئی اس پر بیٹھے نہیں، یہ اس کے احترام کے خلاف ہوگا اور دوسری طرف یہ کہ وہ دیکھنے میں ایسی سادہ ہو کہ اس کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا احساس اور آخرت کی یاد اور فکر دل میں پیدا ہو، اسی واسطے اس کو گچھ وغیرہ سے پختہ اور شاندار بنانے کی اور اس کے اوپر بطور یادگار وغیرہ کے عمارت کھڑی کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

دوسری حکمت اس حکم میں یہ بھی ہے کہ قبر جب بالکل سادہ اور کچی ہوگی اور اس پر کوئی شاندار عمارت بھی نہ کھڑی ہوگی تو شرک پسند طبیعتیں اس کو پرستش گاہ بھی نہ بنائیں گی جن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یا تابعین یا اولیاء اُمت کی قبریں شریعت کے اس حکم کے مطابق بالکل سادہ اور کچی ہیں وہاں کوئی خرافات نہیں ہوتی اور جن بزرگوں کے مزارات پر شاندار مقبرے بنے ہوئے ہیں وہاں جو کچھ ہو رہا ہے آنکھوں کے سامنے ہے اور اس کی وجہ سے سب سے زیادہ تکلیف ان بزرگوں کی پاک روحوں کو ہی ہو رہی ہے۔

عَنْ اَبِیْ مَرْثَدِ الْغَنَوِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا. (رواہ مسلم)

حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تو قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم)

تشریح:...... جیسا کہ ابھی اوپر کہا گیا قبر پر بیٹھنے میں اس کی بے حرمتی ہے اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اس سے صاحب قبر کو اذیت بھی ہوتی ہے اور قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت کا خاص مقصد اُمت کو شرک کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچانا ہے۔

عَنْ عَمْرِوبْنِ حَزْمٍ قَالَ رَاٰنِى النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ وَلَا تُؤْذِهٖ. (رواہ احمد)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "اس قبر والے کو تکلیف نہ دو۔" (مسند احمد)

زیارت قبور

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِى الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ. (رواہ ابن ماجۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا، اب (اجازت دیتا ہوں کہ) تم قبروں کی زیارت کر لیا کرو کیونکہ (اس کا یہ فائدہ ہے کہ)

اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر پیدا ہوتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح:...... شروع شروع میں جب تک کہ توحید پوری طرح عام مسلمانوں کے دلوں میں راسخ نہیں ہوئی تھی اور انہیں شرک اور جاہلیت سے نکلے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے سے منع فرما دیا تھا کیونکہ اس سے ان لوگوں کے شرک اور قبر پرستی میں ملوث ہو جانے کا خطرہ تھا۔ پھر جب اُمت کا توحیدی مزاج پختہ ہو گیا اور ہر قسم کے جلی اور خفی شرک سے دلوں میں نفرت بھر گئی اور قبروں پر جانے کی اجازت دے دی اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ اجازت اس لیے دی جا رہی ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر دلوں میں پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس حدیث سے شریعت کا یہ بنیادی اصول معلوم ہوا کہ اگر کسی کام میں خیر اور نفع کا کوئی پہلو ہے اور اسی کے ساتھ کسی بڑے ضرر کا بھی اندیشہ ہے تو اس اندیشہ کی وجہ سے خیر کے پہلو سے صرف نظر کر کے اس کی ممانعت کر دی جائے گی لیکن اگر کسی وقت حالات میں ایسی تبدیلی ہو کہ ضرر کا وہ اندیشہ باقی نہ رہے تو پھر اس کی اجازت دے دی جائے گی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مدینہ ہی میں چند قبروں پر ہوا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف رُخ کیا اور فرمایا "**السلام علیکم یا اهل القبور**"...... سلام ہو تم پر اے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے' تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح:...... اس حدیث میں قبر والوں پر سلام و دعاء کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں جن میں صرف الفاظ کا معمولی سا فرق ہے۔ ان میں ان کے واسطے بس سلام اور دعائے مغفرت ہے اور ساتھ ہی اپنی موت کی یاد ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی دو چیزیں کسی کی قبر پر جانے کا اصل مقصد ہونی چاہئیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کے تابعین بالاحسان کا طریقہ یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی کے طریقے پر قائم رکھے اور اسی پر اُٹھائے۔

اموات کیلئے ایصال ثواب

کسی کی موت کے بعد اس کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے اور رحم و کرم کی بھیک مانگی جائے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے' نماز جنازہ کی خاص غرض و غایت بھی یہی ہے اور زیارت قبور کے سلسلہ میں ابھی اوپر جو حدیثیں مذکور ہوئی ہیں ان میں بھی اصحاب قبور کو سلام کے ساتھ ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کی گئی ہے۔ دعائے خیر کے اس طریقہ کے علاوہ اموات کی خدمت اور نفع رسانی کی ایک دوسری صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتائی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ یا اسی طرح کا کوئی دوسرا عمل خیر کر کے اس کا ثواب ان کو ہدیہ کیا جائے۔ "ایصال ثواب" اسی کا عنوان ہے۔ اس کے بارے میں ذیل کی حدیث پڑھئے:

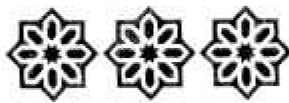
عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰى اَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَاَعْتَقَ ابْنُهٗ

هِشَامٌ خَمْسِيْنَ رَقَبَةً فَارَادَ ابْنُهُ عَمْرٌو اَنْ يُعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى اَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ اَوْصٰى بِعِتْقِ مِائَةِ رَقَبَةٍ وَاِنَّ هِشَامًا اَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْتَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذٰلِكَ. (رواه ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے (جن کو اسلام نصیب نہیں ہوا، اپنے بیٹوں کو) وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں۔ (اس وصیت کے مطابق ان کے ایک بیٹے) ہشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس غلام آزاد کر دیئے۔ (دوسرے بیٹے) عمرو بن العاص نے بھی ارادہ کیا کہ وہ بھی اپنے حصے کے باقی پچاس آزاد کر دیں لیکن انہوں نے طے کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے ایسا کروں گا۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے والد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور میرے بھائی ہشام نے پچاس اپنی طرف سے آزاد کر دیئے اور پچاس باقی ہیں تو کیا میں اپنے والد کی طرف سے وہ پچاس غلام آزاد کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارے والد اسلام و ایمان کے ساتھ دنیا سے گئے ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب ان کو پہنچ جاتا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح:...... یہ حدیث بھی مسئلہ ایصال ثواب کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ اس میں صدقے کے ذریعے ایصال ثواب کے علاوہ حج کا بھی ذکر ہے اور اسی حدیث کی مسند احمد کی روایت میں بجائے حج کے روزہ کا ذکر ہے۔

بہرحال اس حدیث سے یہ بات اصول اور قاعدے کے طور پر معلوم ہوئی کہ اموات کو ان سب اعمال خیر کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے لیکن ایمان و اسلام شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے۔



کِتَابُ الْمِيْرَاثِ

مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ (بخاری ومسلم)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان کافر کا وارث نہیں اور کافر مسلمان کا وارث نہیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَارَثُ اَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتّٰى (ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دو مختلف (یعنی اسلام اور کفر کی) ملت والے ایک دوسرے کے وارث نہیں۔

اپنے مورث کو قتل کرنے والا اس کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ لِلْقَاتِلِ شَيْءٌ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ وَارِثٌ فَوَارِثُهٗ اَقْرَبُ النَّاسِ اِلَيْهِ وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا (ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قاتل کیلئے (مقتول کے مال میں) کچھ میراث نہیں اور اگر مقتول کا (قاتل کے علاوہ) کوئی وارث (اصحاب فروض میں سے) نہ ہو تو اس کا وارث وہ شخص (اور عصبہ) ہوگا جو اس سے قریب ترین رشتہ رکھتا ہوگا اور قاتل وراثت میں سے کچھ نہ پائے گا۔

مرتد کی میراث اس کے مسلمان وارثوں میں تقسیم ہوگی

عَنْ اَبِيْ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ اُتِيَ بِمُسْتَوْرِدِ الْعَجَلِيِّ وَقَدْ اِرْتَدَّ فَعَرَضَ عَلَيْهِ الْاِسْلَامَ فَأَبٰى فَقَتَلَهٗ وَجَعَلَ مِيْرَاثَهٗ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ (کتاب الخراج لابی یوسف)

ابو عمر شیبانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس مستورد عجلی کو لایا گیا جو مرتد ہو گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اسلام کی پیشکش لیکن اس نے (اسلام قبول کرنے سے) انکار کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (ارتداد کی حد میں) اس کو قتل کروایا اور اس کی میراث اس کے مسلمان وارثوں میں تقسیم کی۔

دشمنوں کی قید میں موجود قیدی کی وراثت

عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ فِیْ امْرَأَةِ الْأَسِيْرِ أَنَّهَا تَرِثُهُ وَيَرِثُهَا (دارمی)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (دشمنوں کے پاس) قیدی کی بیوی کے بارے میں فیصلہ دیا کہ وہ (اپنے) قیدی (شوہر) کی وارث ہوگی اور قیدی اپنی بیوی کا وارث ہوگا (دشمن کی قید میں ہونے سے میراث سے محرومی نہ ہوگی)

عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ يُوَرَّثُ الْأَسِيْرُ إِذَا كَانَ فِیْ أَيْدِی الْعَدُوِّ (دارمی)

قاضی شریح رحمہ اللہ نے یہ فیصلہ دیا کہ (مسلمان) قیدی جب دشمنوں کے ہاتھ میں ہوتو اس کی میراث جاری ہوگی۔

میراث میں حمل کا حصہ ہوتا ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ أَبَا بَكْرِ الصِّدِّيْقَ قَالَ (فِی الْأَوْسَاقِ الَّتِیْ نَحَلَهَا) فَلَوْ كُنْتِ جَدَدْتِيْهِ أَوْ اِحْتَزْتِيْهِ كَانَ لَكِ وَاِنَّمَا هُوَ أَخَوَاكِ وَأُخْتَاكِ فَاقْتَسِمُوْهُ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَتْ عَائِشَةُ وَاللّٰهِ يَا أَبَتِ لَوْ كَانَ كَذَا وَكَذَا لَتَرَكْتُهُ اِنَّمَا هُوَ أَسْمَاءُ فَمَنِ الْأُخْرٰى قَالَ ذُوْبَطْنِ بِنْتِ خَارِجَةَ أُرَاهَا جَارِيَةً (موطا مالک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں (وہ پھل جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو ہدیہ کیا تھا اس کے بارے میں) جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم نے اس کو توڑ لیا ہوتا یا اس پر قبضہ کرلیا ہوتا تو وہ تمہارا ہوجاتا لیکن اب (جب کہ میں مرض وفات میں مبتلا ہوں) وہ وارثوں کا مال ہے اور وارث وہ (تمہارے علاوہ) تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں لہٰذا تم سب کتاب اللہ کے مطابق آپس میں اس کو تقسیم کرلینا۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ابا جان اللہ کی قسم اگر بات ایسے ہی ہے تو میں وہ پیداوار چھوڑتی ہوں لیکن (بہن تو) صرف اسماء (رضی اللہ عنہا) ہیں دوسری بہن کونسی ہے۔ انہوں نے فرمایا (تمہاری سوتیلی ماں) بنت خارجہ کا حمل ہے جس کے بارے میں میرا اندازہ ہے کہ وہ لڑکی ہوگی۔

نومولود کب وارث بنتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُوْدُ وُرِثَ (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب نومولود آواز نکال کر روئے تو (چونکہ یہ اس کے زندہ پیدا ہونے کی علامت ہے لہٰذا) وہ وارث ہوگا۔

خنثیٰ کی میراث

عَنْ كَثِيْرٍ قَالَ شَهِدْتُ عَلِيًّا فِیْ خُنْثٰى قَالَ اُنْظُرُوْا مَسِيْلَ الْبَوْلِ فَوَرِّثُوْهُ مِنْهُ وَفِیْ رِوَايَةٍ اِنْ بَالَ مِنْ مَجْرَى الذَّكَرِ فَهُوَ غُلَامٌ وَاِنْ بَالَ مِنْ مَجْرَى الْفَرْجِ فَهُوَ جَارِيَةٌ (بیہقی)

کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں میں خنثیٰ کے بارے میں مسئلہ کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے فرمایا (کہ اس کے) پیشاب کی گزرگاہ کو دیکھو اور اس کی بنیاد پر (لڑکا یا لڑکی سمجھ کر) اس کو میراث میں حصہ دو اور ایک روایت میں ہے انہوں نے فرمایا بچہ اگر مردانہ آلہ تناسل سے پیشاب کرے تو وہ لڑکا ہے اور اگر وہ زنانہ شرمگاہ سے پیشاب کرے تو وہ لڑکی ہے۔

عَنْ أَبِیْ هَانِیءٍ قَالَ سُئِلَ الشَّعْبِیُّ عَنْ مَوْلُوْدٍ وُلِدَ وَلَيْسَ بِذَكَرٍ وَلاَ أُنْثٰی لَيْسَ لَهٗ مَا لِلذَّكَرِ وَلَيْسَ لَهٗ مَا لِلْأُنْثٰی يَخْرُجُ مِنْ سُرَّتِهٖ كَهَيْئَةِ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ سُئِلَ عَنْ مِيْرَاثِهٖ فَقَالَ نِصْفُ حَظِّ الذَّكَرِ وَنِصْفُ حَظِّ الْأُنْثٰی. (دارمی)

ابو ہانی کہتے ہیں امام شعبی رحمہ اللہ سے ایسے نومولود کے میراث پانے کے بارے میں پوچھا گیا جو نہ لڑکا تھا اور نہ لڑکی تھی۔ اس کی شرمگاہ نہ لڑکوں جیسی تھی اور نہ لڑکیوں جیسی تھی۔ اس کی ناف کے رستہ پیشاب جیسی چیز اور پاخانہ نکلتا تھا۔ تو امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کو آدھا لڑکے کا حصہ اور آدھا لڑکی کا حصہ ملے گا۔

شوہر کی دیت میں اس کی بیوی بھی وارث ہوگی

عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ سُفْيَانَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلَيْهِ أَنْ وَرِّثْ اِمْرَأَةَ أَشْيَمَ الضِّبَابِیِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا (ترمذی)

حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو لکھا کہ اشیم ضبابی (جو غلطی سے قتل ہو گئے تھے ان) کی دیت میں سے ان کی بیوی کو میراث کا حصہ دو۔

دادا کا حصہ

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ ابْنَ ابْنِیْ مَاتَ فَمَا لِیْ مِنْ مِيْرَاثِهٖ قَالَ لَكَ السُّدُسُ فَلَمَّا أَدْبَرَ دَعَاهُ فَقَالَ سُدُسٌ آخَرُ فَلَمَّا أَدْبَرَ دَعَاهُ فَقَالَ لَكَ السُّدُسُ الْآخَرُ طُعْمَةٌ (ترمذی و ابو داؤد)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میرا پوتا مر گیا ہے (اس کا باپ پہلے ہی مر چکا تھا) تو اس کی میراث میں سے میرا کتنا حصہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اصحاب فروض ہونے کی وجہ سے) تمہارے لئے چھٹا حصہ ہے۔ جب وہ مڑ کر جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا (عصبہ ہونے کی وجہ سے) ایک اور چھٹا حصہ تمہیں ملے گا۔ جب وہ مڑ کر جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا یہ دوسرا چھٹا حصہ تمہارے عصبہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ (اصحاب فروض میں سے ہونے کی وجہ سے نہیں)

دادا کے ہوتے ہوئے بھائی بہن محروم رہتے ہیں

عَنِ ابْنِ أَبِیْ مُلَيْكَةَ أَنَّ ابْنَ الزُّبَيْرِ كَتَبَ إِلٰی أَهْلِ الْعِرَاقِ أَنَّ أَبَابَكْرٍ كَانَ يَجْعَلُ الْجَدَّ أَبًا (عبدالرزاق)

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کو لکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (باپ کے وفات یافتہ ہونے کی صورت میں) دادا کو باپ (کے قائم مقام) کرتے تھے۔

وارث اگر والدین ہوں اور میاں بیوی سے کوئی ہو

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ أُتِيَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي امْرَأَةٍ وَأَبَوَيْنِ فَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الرُّبُعَ وَلِلْأُمِّ ثُلُثَ مَابَقِيَ وَلِلْأَبِ مَابَقِيَ (حاکم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بیوہ اور دو ماں باپ (کی میراث) کے بارے میں مسئلہ آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیوہ کیلئے چوتھا حصہ، ماں کیلئے بقیہ کا تہائی اور باقی باپ کیلئے بتایا۔

وارث اگر صرف بیٹی، بہن اور پوتی ہو

عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيْلٍ قَالَ أَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ فِي ابْنَةٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَالْأُخْتِ لِأَبٍ وَأُمٍّ فَقَالَ أَقْضِيْ بِمَا قَضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الْإِبْنِ السُّدُسُ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ (حاکم)

ہزیل بن شرحبیل رحمہ اللہ کہتے ہیں میں ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن (جبکہ صرف یہ وارث ہوں تو ان) کی میراث کے بارے میں پوچھنے کیلئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ انہوں نے فرمایا میں وہی فیصلہ کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا۔ بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا اور باقی بہن کو ملے گا۔

عَنْ قُبَيْصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ قَالَ جَاءَتِ الْجَدَّةُ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ فَسَأَلَتْهُ مِيْرَاثَهَا فَقَالَ مَالَكِ فِيْ كِتَابِ اللهِ شَيْءٌ وَمَا عَلِمْتُ لَكِ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَارْجِعِيْ حَتّٰى أَسْأَلَ النَّاسَ فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهَا السُّدُسَ فَقَالَ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَأَنْفَذَهٗ لَهَا أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْأُخْرٰى إِلٰى عُمَرَ تَسْأَلُهٗ مِيْرَاثَهَا فَقَالَ هُوَ ذٰلِكَ السُّدُسُ فَإِنِ اجْتَمَعْتُمَا فَهُوَ بَيْنَكُمَا وَأَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهٖ فَهُوَ لَهَا (ترمذی و ابو داؤد)

قبیصہ بن ذویب رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک (وفات پانے والے شخص کی) دادی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارے بارے میں کتاب اللہ میں تو کچھ ذکر نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں کچھ ہو اس کا مجھے علم نہیں ہے لہٰذا تم (بعد میں) دوبارہ آنا اتنے میں اور لوگوں سے اس کی تحقیق کرلوں۔ (تحقیق کی) تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھا جب آپ نے دادی کو ترکہ کا چھٹا حصہ دلوایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (ان سے) پوچھا کہ کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی (اس حدیث کو ذکر کرتا) ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ (ہاں) محمد بن مسلمہ انصاری ہیں۔ (محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا) تو انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ

رضی اللہ عنہ کی مثل حدیث بتائی۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دادی کیلئے چھٹے حصے کو نافذ کر دیا۔ بعد میں اسی میت کی دوسری جدہ (یعنی نانی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوجانے پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تمہارے لئے (بھی) وہی چھٹا حصہ ہے۔ تم دونوں (یعنی دادی اور نانی) اکٹھی ہونگی تو چھٹا حصہ تمہارے مابین تقسیم ہوگا اور تم میں سے جو بھی تنہا ہوگی (کہ دوسری انتقال کر چکی ہو) تو چھٹا حصہ پورا کا پورا اس کا ہوگا۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى لِلْجَدَّتَيْنِ مِنَ الْمِيْرَاثِ بِالسُّدُسِ بَيْنَهُمَا (مسند احمد)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو جدہ (یعنی ایک دادی اور ایک نانی) کیلئے میراث میں سے چھٹے حصہ کا فیصلہ دیا (اور وہ چھٹا حصہ ان میں برابر برابر تقسیم ہوگا)

ماں موجود ہو تو دادی نانی محروم رہتی ہیں

عَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ إِذَا لَمْ يَكُنْ دُوْنَهَا أُمٌّ (ابو داؤد)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (میت کی) دادی کیلئے (ترکہ کے) چھٹے حصہ کا فیصلہ اس وقت دیا جبکہ اس سے ورے (میت کی) ماں حیات نہ ہو۔

باپ موجود ہو تو دادی محروم رہتی ہے

عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَلِيٍّ وَزَيْدٍ أَنَّهُمَا كَانَا لَا يُوَرِّثَانِ الْجَدَّةَ أُمَّ الْأَبِ مَعَ الْأَبِ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ عُثْمَانَ كَانَ لَا يُوَرِّثُ الْجَدَّةَ وَابْنَهَا (دارمی)

امام شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ باپ کے ہوتے ہوئے دادی کو وارث نہیں بناتے تھے اور امام زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (میت کی) دادی اور اس کے بیٹے (یعنی میت کے باپ دونوں) کو (اکٹھے) وارث نہیں بناتے تھے (بلکہ باپ کے ہوتے ہوئے دادی کو محروم رکھتے تھے۔

پہلے اصحاب فروض کو میراث ملے گی پھر جو باقی بچے وہ عصبات کا حصہ ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ (بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مقررہ حصے ان کے حقداروں (یعنی اصحاب فروض) کو دو اور جو باقی بچے اور (میت کے) قریب ترین مرد کو دو۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدٍ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ قُتِلَ أَبُوْهُمَا مَعَكَ شَهِيْدًا فِيْ أُحُدٍ

وَأَنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالاً وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا بِمَالٍ فَقَالَ يَقْضِي اللهُ فِي ذٰلِكَ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيْرَاثِ فَأَرْسَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى عَمِّهِمَا فَقَالَ أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدِ الثُّلُثَيْنِ وَأُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ (بخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوہ سعد سے اپنی دو بیٹیوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد آپ کے ساتھ جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان بچیوں کے چچا نے ان (کے باپ) کا (چھوڑا ہوا) مال خود لے لیا ہے اور ان کیلئے کچھ نہیں چھوڑا اور مال کے بغیر تو ان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی اس بارے میں کچھ فیصلہ فرمائیں گے (لہٰذا انتظار کرو) پھر آیت میراث نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بچیوں کے چچا کو بلوایا اور فرمایا کہ سعد کی بچیوں کو (ترکہ کا) دو تہائی مال دو اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو اور جو باقی بچے (صرف) وہ تمہارا حق ہے۔

اصحاب فروض اور عصبات نہ ہوں تو ذوی الارحام میراث پاتے ہیں

عَنْ أُمَامَةَ بْنِ سُهَيْلٍ قَالَ كَتَبَ مَعِيْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلٰى أَبِيْ عُبَيْدَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ...... اَلْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَاوَارِثَ لَهُ (ترمذی)

امامہ بن سہیل رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے ہاتھ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ تحریر بھیجی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کا (اصحاب فروض اور عصبات میں سے کوئی وارث نہ ہو تو) ماموں اس کا وارث ہوگا۔

جس کا کسی قسم کا وارث نہ ہو

عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ أَتَيْتُ عَبْدَاللهِ يَعْنِيْ ابْنَ مَسْعُوْدٍ فَقُلْتُ إِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيْنَا نَازِلاً فَخَرَجَ إِلَى الْجَبَلِ فَمَاتَ وَتَرَكَ ثَلٰثَمِائَةِ دِرْهَمٍ فَقَالَ عَبْدُاللهِ هَلْ تَرَكَ وَارِثًا أَوْلِأَحَدٍ مِنْكُمْ عَلَيْهِ عَقْدُ وَلَاءٍ قُلْتُ لَاقَالَ هٰهُنَا وَرَثَةٌ كَثِيْرٌ (أراد به المسلمين) فجعل ماله في بيت المال (بیہقی)

مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور بتایا کہ ایک (باہر کا) شخص ہم میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک دفعہ وہ پہاڑ کی طرف گیا تو (وہاں اس کی موت واقع ہوگئی اور اس نے تین سو درہم چھوڑے میں (اب ہم اس رقم کا کیا کریں) حضرت عبداللہ بن مسعود نے پوچھا کیا اس نے کوئی وارث چھوڑا ہے یا تم میں سے کسی کے ساتھ اس کا عقد موالات ہے۔ میں نے بتایا کہ نہیں (نہ تو اس کا کوئی وارث ہے اور نہ ہی کسی کے ساتھ اس کا عقد موالات ہے اس پر) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا (کوئی بات نہیں) یہاں (اس کے) بہت سارے وارث ہیں (اور ان کی مراد عام مسلمان تھے) تو انہوں نے اس کا مال لے کر بیت المال میں جمع کر دیا۔

رد کا مسئلہ

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ يَرُدُّ عَلٰى كُلِّ ذِي سَهْمٍ قَدْرَ سَهْمِهٖ اِلَّا الزَّوْجِ وَالْمَرْأَةِ (عبدالرزاق)

شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں (عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں) حضرت علی رضی اللہ عنہ باقی ماندہ رقم سوائے شوہر اور بیوی کے باقی اصحاب فروض پر ان کے حصوں کے تناسب سے رد (کر کے تقسیم کرتے تھے۔

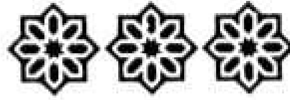
عول کا مسئلہ

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِاللّٰهِ أَنَّهُمَا أَعَالَا الْفَرَائِضَ (بیہقی)

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میراث کے مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عول (کے طریقے) پر عمل کیا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَوَّلُ مَنْ أَعَالَ الْفَرَائِضَ عُمَرُ (حاکم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سب سے پہلے جس نے میراث کے مسائل میں عول پر عمل کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔



وصیت نامہ

مرتبہ حضرت مولانا الحاج عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ

مع ضروری یادداشتیں

اس وصیت فارم کی بڑے سائز میں فوٹو کاپی کرا کر پُر کیجئے

منجانب.....................ابن.....................

وصیت کرنیوالے کیلئے ہدایت

انسان کو اپنی زندگی کے لئے ایک پل کا بھروسہ نہیں۔ جب بلاوا آتا ہے۔ سب کچھ دل میں رہ جاتا ہے۔ اس لئے سب کاموں کے لئے وصیت لکھ کر رکھیں تا کہ ورثاء شریعت کی روشنی میں وصیت کے مطابق عمل کر کے حق تلفی، مقدمہ بازی اور باہمی کشیدگی سے باز رہیں جائیداد اور اہم چیزوں اور لین دین کا ریکارڈ اور دیگر مندرجات صحت و عافیت کے زمانے میں ہی مکمل رکھیں۔ اور وقت کے تقاضوں کے مطابق وصیت میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔ کسی اور رشتہ دار کو اپنی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد میں مثلاً بیٹے کی موجودگی میں پوتے پوتیاں ۳/۱ مال سے زائد کی کسی کے لئے وصیت کرنا یا وارث کو دینے کی وصیت کرنا جائز نہیں (ھدایہ) اگر وارث غریب اور ضرورتمند ہوں تو بہتر ہے کہ سارا مال ان کے لئے چھوڑ جائیں۔ ۳/۱ میں سے کسی کو وصیت دینے کی وصیت نہ کریں اور اگر وارث متمول ہوں تو بھی بہتر ہے کہ پورے ۳/۱ کی وصیت نہ کریں بلکہ ۳/۱ سے کم میں غیر وارث رشتہ داروں، خدمت گزاروں کے لئے یا کسی مسجد اور دینی مدرسہ کے لئے یا علماء صلحاء کے لئے وصیت کر سکتے ہیں (ھدایہ) عبادات کے لئے فدیہ کی وصیت کر کے جائیں۔ اگر وصیت نہ کریں گے تو وارثوں کے ذمہ فدیہ ادا کرنا لازم نہ ہوگا۔ وصیت کر دی تو ان پر ۳/۱ تک لازم ہو گا۔ اگر ادا نہ کریں گے تو وہ گنہگار ہوں گے آپ پر گناہ نہ ہوگا۔ فارم وصیت پر کرنے سے پہلے کسی معتمد علیہ عالم سے مشورہ کر لیں۔

وصیت کی باتیں

1- اگر بندگان خدا میں سے کسی کو بھی مجھ سے اذیت پہنچی ہو یا ان کی حق تلفی ہوئی ہو للہ وہ معاف فرما دیں۔ آخرت پر مواخذہ نہ رکھیں۔

2- میرے مرنے کے وقت میرے پاس سورۃ یٰسین اور کلمۂ طیبہ کا ورد کریں۔ بے مقصد ہجوم اور دنیاوی باتیں نہ ہوں۔

3- مجھ پر نوحہ ماتم وغیرہ نہ کرنا، نہ ہی فوٹو لینا۔

4- مسنون طریقہ سے غسل دے کر کفن دفن میں جلدی کرنا۔ اور حتی الامکان کسی کے انتظار کی وجہ سے تاخیر نہ کرنا اور قبر میں سنت کے مطابق ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رخ لٹانا۔ صرف چہرے کا رُخ قبلہ کی طرف کر دینے کا دستور غلط ہے۔

5- جہاں میرا انتقال ہو وہیں کسی عام قبرستان میں حتی الامکان کسی بزرگ کے پاس دفن کرنا۔

6- دفن کے بعد کچھ دیر قبر کے پاس ٹھہر کر تلاوت و دُعاء مغفرت کرنا۔

7- ہمیشہ تلاوت، کارخیر، اور صدقہ، وغیرہ کا ثواب حسب توفیق بخشتے رہنا۔ مالی عبادت کا ثواب پہنچانا چاہو تو حسب توفیق رقم کسی کارخیر میں لگادے یا کسی مسکین کی مدد کر دے، اللہ تعالیٰ کے ہاں سنت کے مطابق تھوڑا سا عمل بھی خلاف سنت بہت بڑے اعمال سے بدرجہا بہتر ہے۔

8- شریعت کے مطابق ترکہ تقسیم کرنا، اور میرے ایصال ثواب کیلئے اجتماع نہ کیا جائے بلکہ ہر شخص اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق ایصال ثواب کرتا رہے۔

9- اولاد کو دینی تعلیم، اخلاقی تربیت، سادہ لباس، رزق حلال نیز بچوں کو نماز باجماعت کی عادت ڈالنا۔ 10- اور کسی متبع سنت بزرگ سے تعلق رکھنا۔

11- حتی الامکان کسی کی ضمانت نہ کرنا اور سفید کاغذ پر یا بغیر سمجھے کسی دستاویز پر دستخط نہ کرنا۔

12- سودی قرض کے لین دین، ہمزاد و جنات، اور کیمیا گری کے چکر میں نہ پڑنا۔

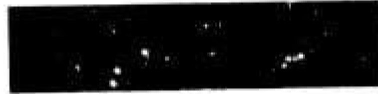
13- وقت کو اپنے کام میں اور شرعی احکام میں یا خدمت عوام میں یا اپنے آرام میں صرف کرنا۔

14- محاسبہ نفس اور ذکر الٰہی درود شریف و استغفار پر مداومت کرنا۔

15- کبھی روضۂ انور پر حاضری ہو تو میرا سلام و درخواست شفاعت عرض کرنا۔

16- بزرگان دین علماء و اولیاء کرام کی صحبت کو لازم پکڑیں اور دل سے ان کا احترام کریں مگر کسی بھی بڑے سے بڑے پیر کو صفات خداوندی مثلاً بگڑے کام بنا دینے یا کچھ عطا کرنے یا چھین لینے میں شریک یا مختار ہرگز نہ سمجھیں کیونکہ مشرک کی بخشش از روئے قرآن ہرگز نہ ہوگی۔ اور فقط خدا ہی کو اپنا کارساز سمجھیں۔ اور فقط اسی سے ہی مدد مانگیں۔





منکہ ....ولد........قوم ....عمر............مسلک ....

پیشہ ....سکونت ....شناختی کارڈ نمبر ....

بقائمی حواس بغیر جبر و ترغیب کسی کے وصیت لکھتا ہوں کہ اللہ پاک کی ذات وصفات اور افعال میں خاصان خدا شریک نہیں، حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ ان کے یار ازواج و آل صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت کرتا ہوں۔ رسومات شرک، و بدعات سے نفرت کرتا ہوں اور مرزائیوں کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں۔ اور اپنے ورثاء کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے ذمہ ہو اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے حقوق واجب ہیں سب حکم شریعت اُن کی ادائیگی کریں جن کی تفصیل آگے درج ہے۔

دستخط وصیت کنندہ ....

	سیر	من
قضا نمازیں مع وتر تعداد........فدیہ گندم		
قضا روزے فرض تعداد........فدیہ گندم		
سجدہ تلاوت تعداد.......فدیہ گندم		
صدقہ فطر تعداد.......فدیہ گندم		
میزان گندم		

فی فدیہ ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک احتیاطاً 2 سیر گندم

فدیہ کی گندم، صدقہ فطر اور قربانی وغیرہ کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو بوقت اداء کے ہو۔ یہی حال حج کے خرچہ کا ہے۔

تفصیل

	پیسہ	روپیہ
قیمت گندم فی من کل قیمت گندم		
زکوٰۃ واجب الادا کل قیمت رقم		
قضاء قربانی جتنے سال نہ کی موجودہ قیمت قربانی ہر سال کل میزان		
حج فرض اگر ذمہ ہے تو حج بدل کرانے کا موجودہ خرچہ اندازاً		
دیگر اگر کچھ ذمہ ہو		
فدیہ عبادات کی رقم کل میزان		

مسئلہ: اگر نمازوں اور روزوں کا فدیہ اور حج کا خرچ ۳/۱ مال سے زائد ہو جائے تو زائد کا ادا کرنا وارثوں پر واجب نہیں، سب کی اجازت ہو تو درست ہے مگر نابالغ کی اجازت کا اعتبار نہیں۔ (بہشتی زیور)

اگر غریب ہو تو جہاں سے حج بدل کرانے کا خرچہ پورا ہو وہاں سے کرالے۔

نوٹ: اگر وصیت کنندہ صحت مند ہے تو ہمت کر کے نمازیں روزے خود پورے کرے ورنہ وصیت واجب ہے۔

قرضہ واجب الادا مع امانت قرضہ واجب الوصول مع امانت

تفصیل مع نام و پتہ قرض خواہ	پیسہ	روپیہ	تفصیل مع نام و پتہ مقروض	پیسہ	روپیہ

میزان میزان

تفصیل جائیداد	نمبر خسرہ	مقام مالیت	روپیہ
		میزان مالیت	
تفصیل ترکہ سامان وغیرہ میت	مالیت روپیہ	میزان ہائے تخمینہ بذمہ میت	روپیہ
		فدیہ عبادات وغیرہ میزان	
		قرضہ واجب الادا یا امانتیں میزان	
		کل میزان	
		میزان مالیت ترکہ جائیداد	

	قیمت سامان وغیرہ میزان		
	قرضہ یا امانتیں قابل وصول میزان		
	میزان کل مالیت ترکہ میت		
	اندازاً بقایا قرض میزان		
	یا		
	بقایا مالیت میت بعد وضع قرضہ وغیرہ-میزان		
			میزان

آخری التجاء : اگر قرضہ ترکہ سے زائد ہو گیا تو بالغ اولاد ادائیگی کر سکے تو بہتر ورنہ قرض خواہوں سے معاف کرایا جائے۔

۱/۳ حصہ ترکہ کیلئے اگر وصیت کرنا چاہے مع مالیت

غریب رشتہ دار غیر وارث	پیسہ	روپیہ
مساجد		
مدرسہ یا ادارہ		
خدمت گار		
فقراء و مساکین		

نمبر شمار	نام وارثان	خصوصی ہدایات و تاثرات

نوٹ: ادائیگی قرضہ اور اجراء وصیت کے بعد باقی ترکہ کسی عالم سے تقسیم کرا کر اپنے اپنے حصہ پر قبضہ کر لیں اور قانونی اندراجات بھی مکمل کر لیں۔

نابالغ اولاد تعلیم و شادی کیلئے خصوصا ہر ایک کا حصہ ممتاز کر کے بچہ اگر سمجھدار ہو تو اسی کا قبضہ معتبر ہے ورنہ ولی کا قبضہ کرا دیں اور اس کی تفصیل ذیل میں لکھ دیں۔	ضروری کاغذات کیا اور کہاں ہیں

وصیت پر عمل کرانے والے کا نام

قابل اعتماد خاص دوست مع پتہ	نامکمل کام

بیوی/شوہر خصوصی وصیتیں	آئندہ رشتہ لین دین کیلئے رائے	نصیحت وصیت کی کچھ باتیں

نوٹ: تمام وصیت بعد الموت قابل عملدر آمد ہے اگر اس میں شریعت کے خلاف کچھ لکھا گیا ہو تو فتوے پر عمل کریں۔

وصیت کنندہ کے دستخط مع انگوٹھا

العبـــــــــــــــــــــد

العبـــــــــــــد 	العبـــــــــــــد

العبـــــــــــــد 	العبـــــــــــــد

گواہ شد 	گواہ شد 	گواہ شد

اگر کچھ رجسٹری کرانا چاہیں تو اس خالی جگہ میں تفصیل لکھ کر رجسٹری کرالیں

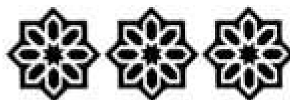
مہر رجسٹرار صاحب (دینی دسترخوان)

الحمدللہ "معارف السنۃ" کی پانچویں اور آخری جلد اختتام کو پہنچی۔ فللہ الحمد رب السمٰوات والارض۔ اللہ تعالیٰ خدمت حدیث کی اس سعی کو قبول فرمائے اور اس مجموعہ سے ہم سب مسلمانوں کو متمتع ہونے کی توفیق سے نوازیں آمین یارب العالمین۔

والسلام 	مرتبین

مولانا عبدالاحد بلال، مولانا حبیب الرحمٰن

۲۱ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۰



❁❁❁